

سیرت نبوی پر معرکہ الاراکتاب

www.ahlehaq.org

# زاد المعاد

حصہ سوم مثل ہے غزوہ تبوک کے متعلق اہم ترین مباحث و مسائل پر اس میں ان عرب و فوج کا تذکرہ ہے جو آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان مکاتیب نبوی کی تفصیل ہے جو حقوق اور دوسرے سلاطین کو آپ نے بھیجے۔ سلیمہ کذاب کے وفد کی آمد اور آپ کا ارشاد طلب نبوی کی پوری تفصیل اور بہت سے فقہی مسائل اس حصے میں شامل ہیں۔

حصہ چہارم، بیان سیرت، روایت حدیث اور ذکر قرآن کے ساتھ ساتھ یہ حصہ مثل ہے۔ اہم ترین مسائل و مباحث فقہیہ پر انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے بے حد اہم اور معرکہ آرا مسائل پر جس خوبی استدلال اور شان برہان کے ساتھ بحث کی گئی ہے وہ صنفِ علم کا حصہ ہے۔

۳۷

علامہ حافظ ابن قیم

نفیس الیڈیو کمی - کراچی



زاد المعاد

[www.ahlehaq.org](http://www.ahlehaq.org)

علامہ حافظ ابن قیم



**[www.ahlehaq.org](http://www.ahlehaq.org)**



# زاد المعاد

## حصہ سوم - چہارم

حصہ سوم مشتمل ہے۔ غزوہ تبوک اور اس سے متعلق اہم ترین مباحث و مسائل پر۔ اس میں ان عرب و فود کا تذکرہ ہے جو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان مکاتیب نبویؐ کی تفصیل ہے جو مقوقس اور دوسرے سلاطین کو آپؐ نے بھیجے۔ سلیمہ کذاب کے وفد کی آمد اور آپؐ کا ارشاد طب نبویؐ کی پوری تفصیل اور بہت سے فقہی مسائل اس حصے میں شامل ہیں۔

حصہ چہارم: بیان سیرت، روایت حدیث اور ذکر قرآن کے ساتھ ساتھ یہ حصہ مشتمل ہے اہم ترین مسائل و مباحث فقہیہ پر، انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے بے حد اہم اور معرکہ آرا مسائل پر جس خوبی استدلال اور شان برہان کے ساتھ بحث کی گئی ہے وہ مصنف علام کا حصہ ہے

مصنف: علامہ حافظ ابن قیم

مترجم: سید رئیس احمد جعفری ندوی

[www.ahlehaq.org](http://www.ahlehaq.org)

نفیس اکیسٹری  
اردو بازار، کراچی



## زاد المعاد

مصنف علامہ حافظ ابن قیم کے حصہ سوم چہارم کے  
جملہ حقوق اشاعت و طباعت، تصحیح و ترتیب و تبویب  
تانونی بحق

چوہدری طارق اقبال گاہندری  
مالک

نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی محفوظ ہیں،

نام کتاب:	زاد المعاد
تالیف:	علامہ حافظ ابن قیم
ترجمہ:	سید رئیس احمد جعفری
ناشر:	نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی
طبع:	۱۹۹۰ء
ایڈیشن:	آفسٹ
ضخامت:	۱۱۵۲ صفحات
ٹیلیفون:	۲۱۳۳۰۳

[www.ahlehaq.org](http://www.ahlehaq.org)

مطبوعہ: احمدیہ پبلشرز کراچی



# ”آخر اندر پس پردہ تقدیر مدید“

از محمد اقبال سلیم گاہندری

خدا نے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج میں ”زاد المعاد“ کا تیسرا حصہ خوانندگان کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اردو زبان علم و فن کے اعتبار سے دنیا کی کسی ترقی یافتہ زبان سے فرومایہ نہیں ہے۔ ہر علم و فن پر اس زبان میں بہترین کتابیں تصنیف و تالیف یا ترجمہ کی صورت میں موجود ہیں اور اسلامیات پر تو اتنا بڑا اور اتنا اچھا ذخیرہ موجود ہے کہ ہماری یہ زبان فخر کے ساتھ عربی سے آنکھ ملا سکتی ہے۔ بلکہ بعض اعتبارات سے اس پر برتری کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

لیکن بایں ہمہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ابھی تک کئی ایسے گنج ہائے گراں عربی زبان میں موجود ہیں جو دنیہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اردو خواں پبلک ان کے مشاہد سے محروم ہے۔ انہی میں ایک علامہ ابن قیم کی یہ کتاب زاد المعاد بھی ہے جس کے دو حصے آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں اور اب یہ تیسرا حصہ آپ کے سامنے ہے۔

اس کتاب کی اہمیت، افادیت اور عظمت کا اندازہ آپ کو پہلے دو حصے پڑھ کر ہو چکا ہوگا، اب یہ تیسرا حصہ جو اہم ترین مباحث و مسائل پر مشتمل ہے۔ آپ کی رائے کو اور زیادہ محکم و استوار کر دے گا۔ اسے پڑھ کر آپ محسوس کریں گے کہ واقعی



یہ اردو زبان کی بد نصیبی تھی کہ ایسی معرکہ آراء، اور یگانہ روزگار کتاب سے اردو کا دامن خالی تھا، اور اب میری طرح آپ بھی فخر کہیں گے کہ اتنی بڑی محرومی کی تلافی بالآخر ہو گئی

لله الحمد ہر آن چیز کہ خاطر می خواست،

آخر آمد ز پس پردہ تفتدیر پدید!

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کا آخری یعنی چوتھا حصہ بھی میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت اور سعادت حاصل کر سکوں گا۔ واللہ التوفیق۔

---

# سنتِ شرِ لولاک

از چوہداری محمد اقبال سلیم گاہنداری

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی  
یہ کس کا فراد اکا غمزہ خوں رہنیز ہے ساقی؟  
مسلمانوں کی تعداد، پہنائے عالم میں ساٹھ کروڑ سے متجاوز ہے، اگر یہ مسلمان  
صحیح معنی میں مسلمان ہوتے تو آج ساری دنیا مسلمان ہو چکی ہوتی، اور مسلم آزاد قوتیں  
اپنے مقاصدِ مشنومہ میں ناکام ہو چکی ہوتیں۔

آج بھی ہو جو برا ہیمن کا ایساں پیدا  
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا  
یہ آگ — لادینی، دین فروش، الحاد، زندقہ، اور کفر کی — ہر چار سو پھیلی  
ہوئی ہے کبھی کی جھجھکی ہوتی، لیکن یہ آگ بھڑک رہی ہے۔ اس کے شعلے آسمان  
سے باتیں کر رہے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قریب ہے کہ اس آتش  
جہاں سوزیں دوسری اقوام و ملل کی طرح مسلمانوں کی متاعِ دین و دانش بھی جل کر بھسم  
ہو جائے گی۔ اور سوا ایک تو وہ خاکستر کے کچھ باقی نہیں رہ جائے گا۔ ایسا نظر آتا ہے۔

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے، نمود ہے  
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے



سوال یہ ہے کہ مسلمان اس امتحان کے لیے تیار ہیں؟  
اگر واقعی تیار ہیں تو پھر انھیں مسلمان کی زندگی اختیار کرنا پڑے گی۔ اور یہ زندگی  
اس وقت تک دستیاب نہیں ہو سکتی جب تک مسلمان، شرِ لولاک کی سنت کو  
شمعِ راہ نہ بنالیں۔

ہم اگر مسلمان ہیں، اگر قرآن پر ہمارا ایمان ہے، اگر ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارا جینا اور  
مرنا ہماری نماز، اور روزہ، ہماری زندگی اور موت، سب کچھ، خدا، اور صرف خدا  
کے لیے ہے۔

اور خدا کا حکم اپنے نبی آخر الزماں کے لیے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کی زندگی تمہارے لیے اسوہ ہے۔ خدا نے اپنے قرآن میں بتایا ہے کہ رسول جو  
کچھ دے اسے لے لو، اور جس بات سے منع کرے اس سے باز رہو۔ خدا نے یہ  
بھی بتایا ہے کہ وما یَنطِقُ عن الہوی ان ہوا لا وحی یوحی (رسول جو کچھ کہتا ہے  
وہ خدا کی طرف سے کہتا ہے) پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم مسلمان تو ہوں لیکن رسول  
کی سنت سے کوئی سروکار نہ رکھیں؟

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اپنی زندگی اس سانچہ میں ڈھال  
لیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ گراں مایہ کا تھا۔ زندگی کا کوئی ایسا گوشہ  
نہیں ہے جس کی رہنمائی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال طیبہ  
موجود نہ ہوں۔ اس روشنی میں ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ غاروں، گھاٹیوں، اور ٹھوکروں  
سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور اپنی زندگی میں وہ حسنات پیدا کر سکتے ہیں۔ جو ایک مرتبہ  
پھر ہمیں ”خیر امت“ بنادیں، اور بجائے اس کے کہ ہم لادیں دنیا کی طرف دستِ طلب  
اور دستِ اعانت بڑھائیں، وہ خود ہماری امداد و اعانت کی جو یا ہو۔

زاد المعاد کا ترجمہ میں اسی لیے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

دنیا کی کسی زبان میں بھی، ایسی جامع و مانع کتاب سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم پر نہیں ملے گی جیسی یہ ہے۔ اس کتاب میں حیاتِ نبویؐ کو سامنے رکھ کر ان تمام

حالات و حوادث، معاملات و مسائل اور احوال و واقعات کا محققانہ تجزیہ کیا گیا ہے جو صرف علامہ ابن قیمؒ ہی کے قلم حقیقت رقم سے ممکن تھا۔

مجھے فخر ہے کہ میں اس کتاب کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ میرا سرمایہ حیات ہے۔ یہ دنیا اور آخرت، ہر جگہ میری پونجی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں ہر مسلمان اسے اپنا سرمایہ حیات بنالے۔ یہ دنیا و آخرت ہر جگہ ہر مسلمان کی پونجی بن جائے۔

کام کٹھن تھا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ حسن و خوبی کے ساتھ انجام پا گیا۔ اس ضخامت کی کتاب موجودہ کساد بازاری کے زمانے میں اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنا آسان نہیں تھا۔ لیکن میں نے اپنے دوسرے پروگرام ملتوی کر دیے۔ اور اسے سب پر اولیت دے دی۔

آخر میں خدائے ذوالجلال والا کرام کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ خدا ہر مسلمان کو اسوۂ نبیؐ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا وہب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب۔

# فہرست مضامین

## زاد المعاد حصہ سوم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۳	ابو جثیمہ، رسول خدا کا ایک فدائی۔	۵	آخر آمد زبیس پر وہ تقدیر بیدید۔
۷۴	منافقوں کی شرانگیزیوں اور شرارتوں		زاد المعاد
۷۵	حضرت ابوذر غفاری کے بارے میں	۶۳	حصہ سوم کے مباحث و مسائل۔
۷۸	آنحضرتؐ کی پیشگوئی۔		غزوہ تبوک
۷۹	حضرت ابوذرؓ کی وصیت۔		تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین غزوہ
۸۰	واقعہ تبوک کی طرف رجوع دو	۷۰	اور اس سے متعلقہ مباحث۔
۸۱	منافقوں کی کہانی۔		خدا کی راہ میں حضرت عثمان کا ایشار
۸۲	حاکم ایلہ سے صلح	۷۱	اور قربانی۔
۸۳	غیر مسلموں سے آنحضرتؐ کا روادار		اللہ کا ایک بے مایہ بندہ اور اس کی
۸۴	اور فراخ دلانہ برتاؤ۔	۷۱	چشم نر۔
۸۵	آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا اماں		علیؑ اور محمدؐ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کی
	نامہ۔	۷۲	مماثلت۔



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۹۶	آنحضرتؐ کی مدینہ میں والپسی -		حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں سے
۹۷	رسول اللہؐ کا مدینہ میں داخلہ -	۸۴	گرفتاری دربار رسالت سے پروا نہ رہائی -
	مسلمانوں کو حکم کہ کعب وغیرہ کا	۸۵	ایک صحابی کی وفات کا واقعہ -
۹۸	باہیکاٹ کر دیں -	۸۶	عذر کی بنا پر شرکت جہاد سے محرومی -
	امتحان اور آزمائش کی گھڑیاں -		آنحضرتؐ کا ایک اثر انگیز خطبہ
	ایک اور کڑی آزمائش - شاہ غسان		انسانی کردار و سیرت کی تشکیل کا معیار
	کی طرف سے رسومات -		اور اس کی حقیقت راستہ -
۱۰۰	آخری اور سخت ترین آزمائش -	۸۷	انسان کس طرح بنتا اور بگڑتا ہے -
۱۰۱	آخر امتحان کی گھڑی گزر گئی -		غزوہ تبوک کے دوران میں جمع
	خطا کار دربار رسالت میں -	۸۹	بین الصلاہین -
۱۰۲	ایشیاء اور فدویت کی مثال -		منافقین کی طرف سے آپؐ کی جانت
۱۰۳	دس خطا کاروں کا واقعہ -		لینے کی کوشش ناتمام -
	فقہی احکام و مسائل کا استنباط		رحمت للعالمین نے ان منافقوں
	وہ نکات و معارف جو اس غزوہ سے	۹۱	کے ناگہاں نہیں ہونے دیے -
	حاصل ہوئے -		مسجد ضرار
	کوچ کا حکم ملنے کے بعد تاخیر و تاہین		منافقوں کی تعبیر کردہ مسجد کو ڈھا
۱۰۵	مالی جہاد بھی واجب ہے -		دینے کا فرات نبویؐ -
۱۰۶	حضرت عثمانؓ کی فضیلت و مزکیت	۹۲	وحی کے ذریعہ آنحضرتؐ کو اطلاع -
	عاجز کسے تسلیم کیا جائے گا -	۹۳	کعب بن مالک اور ان کے رفقاء کا
	استخلاف امام کا مسئلہ -		معاملہ -
۱۰۷	حضرت علیؓ کی فضیلت و مزکیت	۹۴	آنحضرتؐ کی طرف سے مقاطعہ کا حکم
۱۰۸	سفر میں جمع بین الصلاہین کا مسئلہ		اور اس کے اثرات و نتائج -

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	امام اپنا ارادہ مخفی رکھ سکتا ہے۔		اگر مٹی نہ ملے تو ریت سے بھی تیمم جائز ہے۔
	بدعت حسنہ کا جواز۔	۱۰۹	اگر مصلحت دائمی ہو تو قسم توڑنا مستحب ہے۔
	بچھڑنے والوں سے امام کو باز پرس کرنی چاہیے۔	۱۱۲	غصہ کی قسم بھی معتبر سمجھی جاسکتی ہے اصل معطلی، مانع اور عامل خدا ہے، رسول صرف منفذ ہے۔
۱۲۱	سفر سے واپسی کے آداب۔	۱۱۳	نفاق کفر تک پہنچ جائے تو بھی منافق کا قتل روا نہیں۔
	منافقین کے اظہار اسلام بیس جرح نہیں کی جاسکتی۔		معاہدین اور اہل ذمہ کے بارے میں ایک رائے۔
	امیر یا امام تاویباً سلام کا جواب نہ دے یہ جائز ہے۔	۱۱۵	رات کے وقت تدفین کا مسئلہ مالی غنیمت اور قبضہ مجاہدین کا حق ہیں۔
۱۲۲	ایک اہم اور لطیف نکتہ۔	۱۱۶	ایک اہم شرعی نکتہ۔
	مقاطعہ کی صورت میں ترک جماعت قابل مواخذہ نہیں۔	۱۱۷	مقامات معصیت کی تخریب و انہدام جائز ہے۔
۱۲۳	واقعہ کعبہ اور اس سے حاصل شدہ نکات و مصالح۔	۱۱۸	وقف کب درست اور جائز ہے۔
۱۲۴	شاہ غسان کے رومی دربان کا قبول اسلام۔	۱۱۹	قبر پر مسجد یا صحن مسجد میں قبر کی تعمیر ناجائز ہے۔
۱۲۵	کامیابی و کامرانی کی بشارت ایک فکر افزہ اور اہم نکتہ۔	۱۲۰	مدحیہ اشعار کے جواز کا پہلو۔
۱۲۶	سجدہ شکر کی اہمیت و عظمت۔		مدحیہ اشعار سن سکتا ہے۔
۱۲۷	مسلمان کی شان۔		
	خوشخبری دینے والے کو عطیہ دینا اخلاق کریمانہ کی علامت ہے۔		
	دینی نعمت میسر آئے پر پورا لباس		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	تبوک سے واپسی کے بعد		دینا بھی مستحب ہے۔
	۹۰ برس حضرت ابوبکر صدیق کی		خوشخبری کے موقع پر مصافحہ کرنا بھی
	امارت حج۔	۱۲۸	مستحب ہے۔
۱۳۵	سورہ برأت کا نزول۔		توبہ قبول ہونے پر حسب استطاعت
	وفود عرب		صدقہ کرنا مستحب ہے۔
	غیر مسلم قبیلوں کے نمائندے آنحضرت		پورا مال صدقہ کرنے کی نیت کر چکنے
۱۳۸	کی خدمت میں۔	۱۲۹	کے بعد بھی اس پر عمل واجب نہیں۔
	لات کا انہدام مغیرہ بن شعبہ کے		صدقہ کی نذر نہائی مال سے زیادہ نہیں
۱۴۱	ہاتھوں۔		ہونی چاہیے۔
	عثمان بن ابی العاص کو آنحضرت کی		صدقہ کرنے والا اپنے لیے کیا رکھے
۱۴۲	تلقین۔	۱۳۰	بہر اس کے ذاتی فیصلہ پر منحصر ہے۔
	چند فقہی احکام و مسائل		مسند احمد کی ایک روایت اور اس
	وفد ثقیف اور وفود عرب کی آمد	۱۳۱	کی تشریح۔
	سلسلہ میں استنباط۔		راست گوئی اور صدق بیانی کی قدرو
	اہل حرب میں اگر کوئی عذر کرے تو	۱۳۲	عظمت۔
	ضمان نہیں۔		تکرار توبہ کے الفاظ کی حکمت و
	مشرکین کو مسجد میں ٹھہرایا جاسکتا		مصلحت۔
۱۴۴	ہے۔		اللہ تعالیٰ کا فرمان و علی اللہ
	امارت و امامت کا استحقاق کیسے ہو	۱۳۳	الذین خلفوا۔
	شرک کے مراکز کا انہدام۔		طلاق بغیر نیت کے نہیں ہوتی۔
	مزاحمت بھی اسی ذیل میں آتے	۱۳۴	ایک بندے کے لیے قبول توبہ کا
	ہیں۔		دن افضل ہے۔



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۶۳	اشعریوں اور کمینیوں کا وفد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ وفدازد۔	۱۴۵	طاغوت گاہوں کی مساجد میں تبدیلی شیاطین اور بلیات سے پناہ۔
۱۶۵	آستانہ نبوی پر حاضر ہوتا ہے۔ آپ کی ایک پیش گوئی۔ وفد بنو حارث بن کعب کی آمد جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے۔	۱۴۶	وفد عرب کی جوق در جوق آمد۔ عامر بن طفیل اور اربد بن قیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر خدائی قہر۔ وفد عبدالقیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں۔
۱۶۸	وفد ہمدان در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفد مزینہ کی آمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ۔	۱۵۰	ایک نصرانی کا قبول اسلام۔ فوائد و مسائل و احکام مستنبط۔ جبر و قدر کا مسئلہ مہمہ۔ وفد بنو حنیفہ مسلمہ کذاب آستانہ نبوت پر
۱۷۲	وفد دوس آنحضرت کے خلاف ایک شاعر سے اہل مکہ کی استمداد۔	۱۵۱	اس واقعہ سے متعلق احکامات وفد طے کی آمد زید الجہلی یا زید الجہری کے بارے میں
۱۷۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا۔	۱۵۲	آنحضرت کے ارشادات۔ وفد کندہ کی آمد خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں
۱۷۶	اس واقعہ سے ثابت شدہ احکامات فقہیہ۔ قبول اسلام سے پہلے غسل واجب ہے۔	۱۵۹	مسائل فقہیہ کا اس واقعہ سے استنباط ۱۶۰ ۱۶۱

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۹۴	پکڑا جاسکتا - فروہ بن عمرو الجذامی اسلام کے نام پر جان دینے والا ایک نومسلم۔	۱۷۷	جنگ ختم ہونے سے پہلے لگت پہنچ جائے تو اس کا حصہ ہوگا۔ کرامات اولیا کا وقوع نصرت دین کے لیے ہوتا ہے۔
۱۹۵	ضمائم بن ثعلبہ بنو سعد بن بکر کے پیامبر کا آنحضرتؐ سے سوال و جواب۔	۱۷۸	دعوت اسلام میں صبر و استقلال ضروری ہے۔
۱۹۶	بت پرستی سے کنارہ کشی۔ طارق بن عبد اللہ اور اس کے رفقاء	۱۷۹	وفد نجبران اہل کتاب کے ایک وفد سے آنحضرتؐ کی صلح۔
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش معاملگی کا جبریت انگیز واقعہ۔	۱۸۷	آنحضرتؐ کا عہد نامہ۔
۱۹۹	آپ کا ایک اثر افریقہ خطبہ۔ وفد نجیب	۱۸۸	ایک سعید روح۔ اس واقعہ سے متعلق فقہی احکامات اقرار نبوت اسلام کے لیے کافی نہیں۔
	ایک سعادت مند طفل نو عمرو و نو خیز کی کہانی۔	۱۸۹	کیا ابو طالب مسلمان تھے؟
۲۰۲	ارنداد کے موقع پر جس کے پاؤں نہ ڈگ گئے۔	۱۹۰	اہل کتاب سے مناظرہ جائز ہے۔ مخلوق کی تعظیم حد عبدیت تک کرنا چاہیے۔
	قضاۃ سے وفد بنو ہذیم کی آمد اسلام میں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا		جزیرہ بصورت مال بھی جائز ہے۔ حضرت معاذ بن جبل کا واقعہ۔
۲۰۶	بڑائی اسلام کی ہے۔ قدوم وفد بنی فزارہ	۱۹۳	اہل کتاب کو سود کی اجازت نہیں ایک کے بجائے دوسرے کو نہیں

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۲۲	یا داشت - قدوم وفدِ صداء حضرت سعد بن عبادہ کی طرف سے مہربانی کی پیش کش	۲۰۸	رحمت العالمین کی دعائے طلبِ باران وفدِ ہراء کی آمد اہل وفدِ پیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و عنایت -
۲۲۴	پرتھم کا استقبال مستحب ہے -	۲۱۰	وفدِ عذرہ کی آمد اہل وفد کو فتحِ شام کی خوشخبری آنحضرت کی طرف سے -
۲۲۵	قدوم وفدِ غسان اسلام پر ثابیت قدم رہنے والے یقین مومن -	۲۱۲	قدوم وفدِ یلی اہل وفد کے استفسارات رسالتِ مآب سے -
۲۲۷	قدوم وفدِ سلا ماں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے باران -	۲۱۴	چند اہم مسائل فقہیہ -
۲۲۸	قدوم وفدِ بنی محبس قدوم وفدِ غامہ ایک عجیب و غریب اور ہجرت انگیز واقعہ -	۲۱۵	مہمانی کی مدت اور مہربان کا فریضہ - لا وارث بچوں اور اُونٹوں کی ملکیت -
۲۳۰	قدوم وفدِ ازد حکمت کی باتیں نبوت سے قریب ہیں لیکن نبوت ختم ہو چکی ہے -	۲۱۶	قدوم وفدِ ذی مرہ فقط زدہ لوگوں کے لیے آپ کے دعائے باران -
۲۳۱	قدوم وفدِ بنی منتفق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ -	۲۱۷	قدوم وفدِ خوالاں لحم انس نامی بت کی داستان عجیب -
۲۳۲	ذات و صفاتِ الہی کی قسم جائز ہے	۲۱۹	وفدِ مہارب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۵۹	شاہ عمان کے نام مکتوب رسولؐ نامہ بر عمرو بن العاص کے انکشافات و تاثرات - یمامہ کے حاکم ہوذہ کے نام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خط -	۲۴۲	نبیؐ سے سوال و جواب کرنا روا ہے - بعثت ضرور ہوگی -
۲۶۴	حارث بن ابی شمر غسانی کے نام - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک - طب نبوی علاج بدن	۲۴۳	شے کا حکم تطیر کے مطابق ہوتا ہے - قدوم وفد نخع زرارہ بن عمرو کے عجیب و غریب مشاہدات اور ان کی توجہیںہ -
۲۶۴	اس کے اقسام اور انواع کا بیان علاج بدن کے اقسام و طرق مفرد اور مرکب ادویہ کے استعمال کے فوائد پر ایک نظر -	۲۴۴	ہرقل کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی -
۲۶۴	ہر مرض کا علاج موجود ہے لا علاج مرض صرف موت ہے - بسیار خوری اور کم خوری آپؐ کی سنت طیبہ اور متوازن طریق کار	۲۴۸	کسری شہنشاہ ایران کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک - بادشاہ حبش نجاشی کے نام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک - بادشاہ مصر
۲۶۵	امراض کی دو انواع ہیں -	۲۵۰	مقوقس کے نام آنحضرتؐ کا مکتوب - مقوقس کی طرف سے تحائف - منذر بن ساوی کے نام مکتوب رسولؐ -
۲۶۸		۲۵۴	یہودیوں اور مجوسیوں کے لیے جزیرہ کافران بنوی -

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	اوقات حجامت		بخار کے علاج میں آپ کی سنت
۳۰۱	سینگیاں بس دن لگوانی چاہئیں	۲۸۰	طیبہ - امراض شکم
۳۰۳	احادیث ماثورہ کے مسائل مستنبط - قطع عروق اور داغ		سوء ہضم اور پیٹ کی خرابی - شہد کے فوائد کثیرہ -
۳۰۴	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت	۲۸۳	ایک آیت اور اس پر بحث
	طیبہ - مرگی کا مرض	۲۸۶	طاعون
	یہ ارواح کا نتیجہ بھی ہوتا ہے اور		علاج ، پرہیز ، احتیاط ، اور فرار
۳۰۶	مرض کا بھی - مرگی کا سبب اور علاج		جہاں طاعون پھیلا ہو نہ جاؤ ، آپڑے تو بھاگومت -
	دعا کا اثر دوا سے زیادہ کارگر ہوتا	۲۸۷	قضا و قدر پر توکل کی تعلیم -
	ہے -	۲۸۸	صحابہ میں اختلاف رائے
۳۱۰	عرق النساء	۲۸۹	مرض استسقاء
	لعنت اور طب کی رو سے مرض		علاج ، پرہیز ، ہدایت
۳۱۲	کی تشریح و علاج - خشکی طبع	۲۹۱	زخم اور جراثیم
	تعریف ، علاج اور تفصیلات	۲۹۴	علاج — اور طرق علاج
۳۱۴	جسم کی پاکیزگی		پکھنے لگوانا اور داغ سے
	تذہب — طریقہ — علاج		علاج کرنا -
۳۱۷	ذات الجنب		احادیث متعددہ و مختلفہ اور
	دوا ، معالجہ ، کیفیت ، پرہیز	۲۹۶	ان کی مفصیل و تشریح -
۳۲۰			حجامت یعنی پکھنے لگوانا
		۲۹۸	احادیث نبوی اور بیان احادیث

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	سن ہو جانے کا علاج		دردِ ممر اور دردِ شقیقہ
۳۲۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی ہوئی تدبیر۔ مکھی	۳۲۳	کیفیت، اسباب، علامات، علاج
	جس کے ایک پر میں نہ ہرے دوسرے میں شفا۔	۳۲۶	خنا (منہدی) فوائد، طریق استعمال، اثرات
۳۲۶	پھنسی کا علاج		علاج اور تیمارداری
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ۔	۳۲۸	دورانِ علالت میں مریضوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے۔
۳۲۸	حادثہ مزمن امراض و اورام		پھوڑے پھنسی
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور ہدایات۔	۳۳۱	علاج، احتیاط ادویہ۔
۳۵۰	تیمارداری کا گم		قلبی بیماریاں
	مریضوں کی تفریح اور تقویت	۳۳۲	کھجوروں کے فوائد۔ منافع اور خواص
۳۵۲	قلب کا سامان	۳۳۴	سات کے عدد اور اس کے خواص
	عادی اور غیر عادی دوائیں		ضررِ اغذیہ کے دفعیہ میں
	مذکورہ ادویہ سے علاج کے بارے		آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
۳۵۴	میں آپ کا معمول اور اصول	۳۳۸	سنتِ طیبہ۔
	عادی اغذیہ میں سے زیادہ		پرہیز اور احتیاط
	لطیف غذا میں استعمال کرانی		پرہیز کے اقسام اور ان کے اثرات
۳۵۵	چاہئیں۔	۳۳۹	و نتائج۔
			علاج اور پرہیز سے متعلق
		۳۴۱	معلومات ضروریہ اور نافعہ
			آشوب چشم
		۳۴۳	سکون، ترکِ حرکت، اور پرہیز



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۴۳	۴۔ طبیب کی چوتھی قسم ۵۔ طبیب کی پانچویں قسم ماہر اور حافظ طبیب وہ امور جن کا اہتمام اور انعام معالجات میں لازمی اور ضروری ہے۔	۳۵۷	زہر کا علاج خیبر کی یہودیہ عورت کا زہر الود کھانا اور آپ کا تذکرہ۔ جادو اور سحر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ۔
۳۷۴	امراض متعدی بیماروں کے لیے احتیاط، صحت مندوں کے لیے ہدایت۔ جذام اور دق و سل سے تحفظ۔ جذام اور دق و سل موروٹی امراض ہیں۔	۳۶۰	سحر کا سب سے زیادہ نافع علاج دوائے الیہ سے۔ استفراغ، ایک علاج استفراغ کے اقسام اور فوائد و اثرات۔
۳۷۸	کیا یہ احادیث باہم معارضت ہیں۔	۳۶۳	علاج کے لیے حاذق اور ماہر معالج سے رجوع کرنا چاہیے۔
۳۷۹	ان احادیث میں توارض نہیں۔ دبا پھوٹ پڑنے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔	۳۶۷	انارسی معالج کوئی غلطی کر جائے تو اس سے تناوان لیا جاسکتا ہے۔
۳۸۰	غرائب روایات سے بچنے کی تاکید حرام چیزیں دوا نہیں بن سکتیں۔	۳۷۰	۱۔ طبیب حاذق پر ضمان نہیں ہوگی۔
۳۸۲	یہ بجائے ایک قسم کی سخت اور شدید بیماری ہیں۔	۳۷۱	۲۔ انارسی اور جاہل معالج ۳۔ طبیب حاذق کی دانستہ غلطی موجب ضمان ہے۔
		۳۷۲	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	خود اپنی نظر لگنا	۳۸۳	شراب دوا نہیں مرض ہے۔
۳۹۹	نظر بد سے بچنے کی ایک عام اور جامع دعا۔	۳۸۴	بھوپیزیں حرام ہیں ان کی بنیاد خبیث ہے۔
۴۰۰	آیات قرآنی کو گھول کر پلانا۔		شراب کے بارے میں بقراط کی رائے۔
	نظر بد سے بچنے کا طریقہ	۳۸۵	سر میں جوں کا پڑنا
	حضرت عثمان بن عفان کا ایک واقعہ۔	۳۸۶	اسباب - تحفظ، علاج، تدبیر
۴۰۲	جھاڑ پھونک اور دم	۳۸۷	سر منڈانے کی تین صورتیں۔
	جن سے نظر بد کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔	۳۸۸	نام نہاد شیوخ اور صوفیہ پر اعتراض سلام کے موقع پر جھکنا بھی سجدہ ہے۔
۴۰۳	روحانی علاج	۳۸۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ۔		ادویہ طبعیہ، ادویہ روحانیہ
۴۰۵	نیش عقرب		مفرد اور مرکبہ سے معالجات
	سورہ فاتحہ کے ذریعہ علاج اور اس کی مصلحت		نظر برحق ہے۔
۴۰۷	قرآن میں شفاء اور رحمت ہے		نظر بد، اس کے اثرات اور معالجات
۴۰۸	دفع سمیت میں	۳۹۲	نظر بد کا علاج، جھاڑ پھونک سے۔
	سورہ فاتحہ کی برکتیں اور فائدہ	۳۹۳	نظر بد کی دو قسمیں۔
	رسائیاں۔		نظر بد کا علاج
۴۱۰	بچھو کا ڈنک	۳۹۵	سنت نبوی کی روشنی میں۔
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت	۳۹۶	نظر بد سے بچنے کی ایک اور دعا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۴۲۲	آخر کار اللہ کے پاس واپس جانا ہے	طیبہ۔	
۴۲۳	اپنے غم پر دوسروں کا غم یاد کرو۔	حالت نماز میں آپ کی انگلی پر پھٹو	
۴۲۷	مصائب نعمت الہی کا سبب ہیں	کا ڈسنا۔	
	کرب و الم اور حزن و ملال کا علاج	سورہ اخلاص اور نمک کے پانی	
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے	سے علاج۔	
۴۲۷	سنت طیبہ۔	۴۱۲	سورہ اخلاص کے برکات و فوائد۔
۴۲۸	رنج و غم دور کرنے کی دعا۔	۴۱۴	بچھو کے ڈنک سے بچنے کی دعا۔
۴۲۹	حضرت ذوالنون علیہ السلام کی دعا	۴۱۵	مصائب سے بچنے کی دعا۔
	جہاد جنت کا دروازہ ہے۔	۴۱۶	پھوڑے پھنسی کا علاج دم سے
	دعائی دوا کے پندرہ دورے اور		سانپ کا ڈسنا
۴۳۱	اہم فائدے۔		آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
	ان امراض میں ادویہ بالا کی جہت	۴۱۷	سنت طیبہ۔
۴۳۲	تاثیر۔		درد اور پھوڑے پھنسی کا علاج
	ترک گناہ اور کم خوری و کم گوئی		آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت
۴۳۳	کے برکات۔	۴۱۸	طیبہ۔
	یا ”حی یا قیوم“ کے منافع و برکت		درد پر دم کرنے سے متعلق بنی صلی
۴۳۷	اسم اعظم وانی آیات شریفہ۔	۴۱۹	اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ۔
	حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود		مصیبت اور غم کے موقع پر
	اور اس کے معارف الہیہ اور اسرار		آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبتائی
	عبودیت۔	۴۲۱	ہوئی دعائیں۔
۴۳۷	دوا اصول جو مدار تو جید ہیں		جو کچھ تمہارے پاس ہے سب
	دعائے یونس علیہ السلام کے		خدا ہی کا کام ہے۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	خورد و نوش میں آنحضرت کی سنت اور معمولات سنت نبوی طعام و اغذیہ اور ماکولات کے سلسلہ میں۔	۲۳۸	اسرار و رموز۔ چار امور جو ذریعہ توسل ہیں۔ ابو امامہ کی حدیث کے اسرار و رموز ”حم“ اور ”حزن“ کے اسرار۔ ”عجز“ و ”وکسل“ کے اسرار۔ ”قہرِ حبال“ اور ضلع الدین کے اسرار۔ استغفار کی تاثیر عجیب۔ نماز کے برکات و فوائد۔
۲۵۱	غذا کی یکسانیت مفر ہے۔ آپ نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔	۲۳۸	
۲۵۲	گوشت آپ کو مرغوب تھا۔ شرابی اور شہید کا بھی آپ کو شوق تھا۔	۲۳۹	دفع غم و الم کے لیے جہاد کی تاثیر لاحول ولاقوة الا باللہ کی تاثیر۔
۲۵۳	تناول طعام طرز نشت، آداب طعام اور اصول اغذیہ۔	۲۴۱	بے خوابی و وحشت، اور پریشانی دوا - دعا - علاج - تدبیر جل جانے کا مداوا، آگ بجھانے کی تدبیر۔
۲۵۵	کھانے میں تین انگلیاں استعمال کرنا چاہییں۔ بعض چیزیں جو بیک وقت آپ نہیں کھاتے تھے۔	۲۴۲	تکبیر کا اثر آگ بجھا دیتا ہے۔ حفظان صحت کے اصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں۔
۲۵۶	کھاتے ہی سو جانے کی ممانعت پانی پینا۔	۲۴۴	
۲۵۷	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول اور معمول۔	۲۴۵	صحت بہت بڑی نعمت ہے۔ دنیا و آخرت میں عافیت کی دعا
۲۵۸		۲۴۷	



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۶۴	دوپہر کے سوا دن کو سونے سے پرہیز کرنا چاہیے۔	۲۶۱	آپ عام طور پر بیٹھ کر پانی پیتے تھے۔
۲۶۵	صبح کے وقت سونا منھوس ہے۔		پانی پیتے وقت تین بار سانس لینا۔
۲۶۴	سوتے وقت پڑھنے کی دعا۔		فوائد اور احکام و مصالح
	فجر کی سنتوں کے بعد آپ ذرا کے ذرا لیٹ جاتے تھے۔		زیادہ مقدار میں پینے سے گریز کرنا چاہیے۔
۲۶۸	حرکت و سکون میں آپ کی سنت طیبہ	۲۶۲	کھانے پینے کے بہترینوں کو ڈھکنے کی ہدایت۔
	ورزش کے فوائد اور مصالح	۲۶۳	پیلے کے ٹوٹے ہوئے حصہ سے
	ہر عضو کی جدا جدا ورزش۔	۲۶۵	پانی پینے کی ممانعت
۲۶۹	سارے بدن کی ورزش۔		اس حکم کے مصالح اور فوائد عامہ
۲۸۰	نماز کے جسمانی فوائد	۲۶۶	مشروبات نبوی
۲۸۱	حج اور تیر اندازی اور اس کے برکات۔		دودھ کے فوائد۔
	مباحثات اور جماع	۲۶۷	آپ نبیذ بھی نوش فرماتے تھے۔
	انواع و اقسام، حلال و حرام، افراط و اعتدال کا بیان۔		لباس کا استعمال اور انتخاب
	اسباب صحت میں سے ایک اہم سبب۔	۲۶۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ۔
۲۸۲	صالح عورت بہترین متاع دنیا ہے۔	۲۷۱	ربائش کے سلسلہ میں آپ کا طرز و اصول۔
۲۸۴	مباحثات کے آداب و اصول۔	۲۷۳	خواب اور بیداری
			آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز و طریقہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۰۴	حلال اور حرام عشق -	۲۸۹	اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرمانا -
۵۰۸	حفظ صحت اور خوشبو	۲۹۱	مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ -
۵۱۱	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ حفظ صحت چشم	۲۹۳	اعلام کے بد اثرات و نتائج -
	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ -	۲۹۳	ضرر رساں جماع کی دو قسمیں -
	ادویہ و اغذیہ مفردہ	۲۹۴	قسم لازم کے دو انواع -
	جن کا ذکر لسان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر آیا -	۲۹۴	طبعی طور پر ضرر رساں طریقہ -
	ربہ ترتیب حروف تہجی (		بہتر اور موزوں وقت -
	حرف الهمزہ (الف)		عشق کا روگ اور اس کا علاج
۵۱۵	اشمد -		عشق کی قسمیں، کیفیتیں، اور ان کا تفصیلی بیان -
۵۱۶	اترج	۲۹۵	قرآن میں دو گروہوں کا ذکر -
	اُرز (چاول)		آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عشق کی غلط نسبت -
	دائرہ	۲۹۶	اصل معاملہ اور اس کی نوعیت و کیفیت -
۵۱۷	اذخر	۲۹۸	محبت کے انواع مختلفہ و متعددہ
	حرف الیاء	۵۰۰	محبت کے اسباب و علل -
	بیطن رتوبونہ		عشق علاج پذیر مرض ہے -
۵۱۸	بلخ (تازہ کھجور)	۵۰۱	ایک موضوع حدیث اور اس پر بحث -
۵۱۹	بسر خشک کھجور -		
	بیض (اندھے)	۵۰۳	
۵۲۰	بصل (پیاز)		

صفحة	عنوانات	صفحة	عنوانات
٥٢٩	ذهب (سونا)	٥٢٢	بازنجان
	حرف الراء	٥٢٣	حرف التاء
٥٢١	رطب (تر كجور)	٥٢٣	تین (انجیر) - تلینہ
٥٢٢	ریحان -	٥٢٣	حرف الثاء
٥٢٣	رمان (انار)		شیج وبرت - ثوم (لہسن)
	حرف الزاء		حرف الجیم
٥٢٥	زیت (زیتون)		جماند -
	زبد (مکھن)	٥٢٥	جلین (پنیر)
	زبیب (کشمش)		حرف الحاء
٥٢٦	زنجبیل (سونمٹھ)		خا (مہندی)
٥٢٧	حرف السين	٥٢٧	حبہ السوداء
	سنا		حزبر (ریشم)
٥٢٨	مسواک -	٥٢٩	حرف -
	سمن (گھی)	٥٣٠	حلبہ (میتھی)
٥٢٩	سمک (مچھلی)	٥٣١	حرف الخاء
	حرف الشین	٥٣٢	خل (سرکہ)
	شونیز	٥٣٣	خلال -
٥٥٢	شیرم		حرف الدال
	شیر (جوا)	٥٣٤	دھن (روغن)
٥٥٣	شحم (چربی)		حرف الذال
٥٥٣	حرف الصاد		ذیرہ -
	صلوة (نماز)		ذباب (کھی)

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	حرف اتفاف		صبر
	قرآن -	۵۵۵	صبر (ابلوا)
۵۶۹	قسط و کست		صوم (روزہ)
۵۷۰	قصب (گنا)		حرف الضاد
	حرف الکاف		ضب (گوہ)
	کتاب لکھی (بخار کے لیے تعویذ)	۵۵۷	ضفدع (مبندک)
۵۷۲	عسر (ولادت کا تعویذ)		حرف الطاء
۵۷۳	نکسیر کا تعویذ		طیب (خوشبو)
	حرف اللام		طین (مٹی)
۵۷۵	لحم (گوشت)	۵۵۸	طلح
	بھیڑ کا گوشت	۵۵۹	طلح
۵۷۶	بکری کا گوشت -		حرف العين
	بکری کا بچہ -		عنب (انگور)
	گائے کا گوشت -	۵۶۱	عسل (شہد)
	گھوڑے کا گوشت -		عجوه -
	اونٹ کا گوشت -		عنبر -
	گوہ کا گوشت -		عود
	ہرن کے بچہ کا گوشت -	۵۶۲	حرف الغین - غیث -
	ہرن کا گوشت -	۵۶۴	حرف الفاء
۵۷۷	خوگوش کا گوشت -	۵۶۵	فاتحہ الکتاب
	پرندوں کا گوشت -		فانجیہ
	مرغی کا گوشت -	۵۶۶	فضہ (چاندی)



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	آنحضرت کے احکام و قضایا	۵۷۶	بطخ کا گوشت -
	آپ کا اصول اور معمول احکام		گوڑ یا کا گوشت -
	جزیرہ کے نفاذ ہیں -		کبوتر کا گوشت
۵۸۹	غلام کو عداً یا غلطی سے قتل		ٹڈی کا گوشت -
	کرنے کی سزا -	۵۷۹	لبن و دودھ
	ایک یہودی کو عبرت انگیز	۵۸۰	بھیڑ، بکری اور گائے کا دودھ
	سزا -		حرف المیم
	جذین کا تانا و ان اور قتل خطاک		ماء (پانی)
	دیت -		آب زمزم -
	حضرت علیؓ کا ایک عجیب	۵۸۱	مشک -
۵۹۰	فیصلہ -	۵۸۲	ملح (نمک)
	محرمات سے شادی کرنے والا		حرف النون والہاء
۵۹۱	سزائے قتل کا مستحق ہے -	۵۸۳	نخل (کھجور)
	تاخیر قصاص زخم مجروح کا مندرج		زرگس -
۵۹۲	ہونے تک -	۵۸۴	ھندیا -
	گھر میں تک جھانک کرنے والے		حرف الواو و حرف الیاء
۵۹۳	کی سزا -		درس -
	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۵۸۵	وسمہ -
	کے چند احکام و قضایا -		خطرات سے متعلق طبی ہدایتیں
	مقتول کی دیت کیا ہے -	۵۸۷	اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرو -
۵۹۴	حضرت عمرؓ کا فیصلہ -		بقرات کا قول
۵۹۵	معاہد کی دیت کیا ہے -	۵۸۸	بیمار ڈالنے والی چار چیزیں

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۶۰۶	شرابی کو حسب مصلحت سزائے قتل دی جاسکتی ہے۔	۵۹۷	جرم زنا کا اقرار اور اس کی سزا۔
	چور کی سزا		ایک زانی مرد ایک زانیہ عورت کا واقعہ۔
	قطع بدکار نصاب اور اس سے متعلق مباحث۔	۵۹۸	اقراری مجرم سے استفسار
	اچھے اور خائن کے لیے قطع بد نہیں۔	۵۹۹	اقراری مجرم کو جرم زنا کی تحریم سے واقف ہونا چاہیے۔
۶۰۷	کھجور کے چور کا حکم۔		ایک زانیہ کا واقعہ۔
	بکری چرانے کی سزا۔		غیر شادی شدہ زانی کی سزا۔
	مقدمہ پیش کرنے کے بعد واپس نہیں لیا جاسکتا۔	۶۰۰	فضلے رسول سے احکام و مسائل مستنبطہ۔
	جو شخص خود چوری کا اقرار کرے		لواطت
۶۰۸	چوری کا ایک اور اقراری مجرم۔		وضع خلاف فطرت کی عبرت
	جن لوگوں پر چوری کی تہمت لگائی جائے ان کا حکم۔	۶۰۲	انگیز سزا۔
	حکام و قضایائے بالا سے احکام مستنبط		زنا کا اقرار و انکار
۶۰۹	چوری کے یقین احوال۔	۶۰۴	اقراری زانی پر حد جاری ہوگی۔
۶۱۰	مسلمان، یا قومی اور معاہدہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔		منکر عورت سے ساقط
	نسب و شتم کریں تو کیا سزا ہوگی؟	۶۰۵	حد قذف
			ارتداد اور شراب نوشی کی سزائے شرعی۔
			مرندگی سزا۔
			شرابی کی سزا۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	مقتول کا سلب قاتل کا ہے آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سلب کے چار احکام	۶۱۳	ایک یہودیہ عورت کا انجام - معابد کا عہد اس وقت تک ہے کہ سب بنی نہ کرے۔
۶۲۳	کیا سلب کا شمار خمس میں ہوگا سلب صرف قاتل کا حق ہے۔		ایک راہب اور حضرت ابن عمرؓ شاتم رسولؐ کے قتل پر اجماع امت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل۔
۶۲۴	ابن اعوان کے قول کی تردید۔ وہ لوگ جہنمیں آپؐ نے سلب دلوا یا سلب کا خمس میں ہونا بے دلیل ہے۔	۶۱۴	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوراک میں۔ زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش اور آپؐ کا طرز عمل۔
	ایک آیت اور اس کی تفسیر۔ حضرت ابو قتادہ کا واقعہ اور اس سے استدلال	۶۱۶	اگر جاسوس مسلمان ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول اور معمول۔
۶۲۵	ایک گواہ کی شہادت کافی ہے جب دشمن مسلمان کے مال و اطلاک پر قبضہ کر لے۔	۶۱۷	اسیران جنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول اور معمول۔
۶۲۶	پھر اس کے قبول اسلام کے بعد وہ چیزیں اسی کی رہیں گی۔ ابن عمرؓ کا ایک واقعہ۔ حضرت خالدؓ کا واقعہ۔ آنحضرت کا فیصلہ۔	۶۱۹	اسیران جنگ اہل کتاب بھی مشرک بھی۔ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ معاملہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت کا اعلان
	مہاجرین فتح مکہ کے بعد	۶۲۰	
		۶۲۱	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۶۲۲	سمجھا جائے گا۔ دشمن سے وفاء عہد کا حکم قاصدوں اور سفیروں کے قتل و حبس کی ممانعت	۶۲۷	اپنا مال و املاک واپس نہ لے سکے۔ آنحضرتؐ اور جناب عقبیلؓ۔ اصل صورت واقعہ۔
۶۲۳	غیر مسلم کو امان، اور پناہ دینا۔ امان مسلمان مرد بھی دے سکتا ہے اور مسلمان عورت بھی۔ ام یامنی کا واقعہ حکم قتال کے بغیر دعوت اسلام قتال کی مشروط اجازت قتال سے معاہدہ ہونے کا استثنا	۶۲۸ ۶۲۹	کفار محاربین قبول اسلام کے بعد مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تحائف اور ہدایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور طریق کار۔ بادشاہوں کی طرف سے ہدایا اور تحائف۔
۶۲۴	اہل کتاب سے قتال کا حکم۔ ججوس سے بھی جزیہ لیا گیا۔ ججوس اور اہل کتاب کے سوا کسی سے جزیہ نہیں۔ جزیہ ہر غیر مسلم سے لیا جا سکتا ہے۔	۶۳۰	دیباچہ کی زکار قباؤں کی تقسیم۔ مقوقس رشاہ مصر کا تحفہ۔ نجاشی بادشاہ حبشہ کا ہدیہ۔ آپؐ کی خدمت میں خچر کی پیشکش بادشاہ ایلہ کا ہدیہ ابوسفیانؓ کا تحفہ آپؐ نے قبول کر لیا۔
۶۳۵	عربوں سے جزیہ کیوں نہیں لیا گیا۔ مجوس اور مشرکین کا فرق	۶۳۱	مشرک کا ہدیہ ناقابل قبول۔ مقوقس نے اقرار نبوت کر لیا تھا۔ محارب مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کیا جا سکتا۔ غیر مسلموں کا تحفہ مال غنیمت



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۶۳۸	جزیرہ کی تعداد کا تعین ہے ۔ اہل مکہ سے معاہدہ صلح نقص عہد کی صورت میں ۔ بغیر اعلانات کے جنگ کی جاسکتی ہے ۔	۶۳۶	بت پرست اور مجوس کا امتیاز عرب اور غیر عرب میں تفریق قریش اور غیر قریش میں تفریق عربی اور غیر عربی کا کوئی سوال نہیں ۔
۶۳۹		۶۳۷	

# فہرست مضامین

## زاد المعاد حصہ چہارم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۶۵۹	جلائے گا۔		سنت شدہ لولاک
۶۶۰	نکاح بغیر اذن جائز نہیں۔		مندرجات اور مباحث پر طائرانہ
	ثیبہ اور باکرہ کے طریق اذن	۶۶۲	نظر۔
	میں فرقے۔	۶۵۲	مباحث کتاب کا اجماعی خاکہ۔
	جن احادیث سے استدلال		مسائل ضروریہ، نکاح و توابع
۶۶۱	مروی ہے۔		نکاح۔
	اجبار کے بارے میں فقہاء کا		۲ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
۶۶۲	اختلاف رائے۔	۶۵۶	احکام و فضائل
	یتیم لڑکی کا نکاح اس کی بلا		نکاح اور اس کے متعلقات
	منظوری نہیں کیا جاسکتا		۳ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
۶۶۴	نکاح بلاولی۔		فیصلے۔
		۶۵۸	حضرت ابن عباس کی روایت
			کنواری عورت سے اذن لیا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	اباحت متعذر اور لے روایت ابن مسعودؓ	۶۶۷	نکاح تفویض کے بارے میں آپ کا فیصلہ نکاح کے بعد اگر معلوم ہو کہ عورت حاملہ ہے۔
	حرمت متعذر اور لے روایت علیؓ	۶۶۹	انحضرتؐ کا ایک فیصلہ۔ اہل مدینہ اور جمہور فقہاء کا قول
۶۸۱	ابن عباس کا فتویٰ حلت متعذر کے لیے۔	۶۷۰	حدیث مذکور سے متعلق چند اقوال مشرائط نکاح
	نکاح محرم حالت احرام میں شادی کی بجا سکتی ہے یا نہیں۔		عقد نکاح کے شرائط لازمہ معلومہ ایک حکیمانہ فرمان
۶۸۳	روایات مختلفہ و متعذرہ نکاح زانیہ		طلاق کا مطالبہ نکاح ثانی کے لیے حرام ہے۔
	ناحشہ عورت سے عقد اور اس کے اثرات و نتائج۔	۶۷۲	عدم ایفاء شرائط نکاح
۶۸۵	چارہ سے زیادہ بیویوں اور دو بہنوں کا ایک نکاح میں اجتماع قبل از اسلام کے ازواج کو اسلام نے کس طرح بدل دیا۔	۶۷۴	نکاح شغار اولاد بدلی کے نکاح کی شدید ممانعت امام ابن تیمیہ کا قول
۶۸۷	حضرت علیؓ کے نکاح ثانی کا معاملہ۔		حلت نہیں اور فقہاء اسلام نکاح محلل حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے پر لعنت کی وعید۔
۶۸۹	ارشادات نبویؐ کی روشنی میں اس حکم سے امور واضح متعذرہ	۶۷۸	نکاح متعذر حلت اور حرمت سے متعلق روایات
۶۹۰	اگر شرط ہو تو تزوج لازم ہے۔	۶۸۰	روایت علیؓ و ابن عباس

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۹۶	باندی سے تمتع کے لیے اسلام کی شرط نہیں۔	۷۹۱	ایک عجیب و غریب حکمت وہ عورتیں
۷۹۷	شرط صرف وضع حمل یا استبراء ہے۔	۷۹۲	جن سے اندرون شریعت نکاح حرام ہے۔
۷۹۸	زوجین میں سے کسی ایک کے سبقت اسلام کے بعد۔	۷۹۳	ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرنا
۷۹۹	تفریق، بقا نکاح اور تجدید عقد کے احکام	۷۹۴	اندرون شریعت حرام ہے۔
۸۰۰	قبول اسلام سے پہلے محرمات نکاح کا مسئلہ	۷۹۵	حضرت عثمان بن عفان کا مسلک
۸۰۱	ابن عباس کی روایت۔	۷۹۶	امام احمد کی ایک روایت
۸۰۲	احکام متضمنہ حدیث۔	۷۹۷	آیت تخریم کے اسباب ترجیح۔
۸۰۳	تجدید نکاح قبول اسلام کے بعد ضروری نہیں۔	۷۹۸	گرفتار شدہ منکوحہ عورتیں
۸۰۴	حضرت عمرؓ کا فیصلہ۔	۷۹۹	آیا ان سے تمتع کی شرط اسلام ہے یا نہیں۔
۸۰۵	حضرت عمرؓ کا ایک اور فیصلہ۔	۸۰۰	گرفتار شدہ عورت کی مالک اگر عورت ہو تو کیا حکم ہوگا۔
۸۰۶	عزل کا مسئلہ	۸۰۱	گرفتار شدہ عورت کا شوہر اگر زندہ ہو تو کیا حکم ہے۔
۸۰۷	تقییل اولاد کا ایک وسیلہ عہد رسالت ہیں۔	۸۰۲	گرفتار کرنے والا عورت کا مالک
۸۰۸	سوال و جواب	۸۰۳	گرفتار شدہ عورت کسی چیز کی مالک نہیں۔
۸۰۹	آپؐ نے عزل سے منع نہیں کیا۔	۸۰۴	بت پرست اور مشرک باندیوں کا حکم۔
۸۱۰		۸۰۵	آنحضرت اور صحابہؓ کا تعامل



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۲۲	حضرت علیؑ کا مسئلہ۔ امام احمد کا استدلال۔	۷۱۳	آزاد عورت کی اجازت کے بغیر عزل نہیں۔
۷۲۳	تمام بیویاں ایک بیوی کے یہاں جمع ہو سکتی ہیں۔ امام مالک کا مسلک کنیز کی آزادی	۷۱۴	عزل کی تابعدار حدیث سے بعض لوگ عزل کو حرام قرار دیتے ہیں۔ بیوی کے اذن سے عزل مباح ہے۔
۷۲۵	کیا اس کا مہر قرار پا سکتی ہے؟ صحیح نکاح موقوف بر اجازت بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قضا یا۔	۷۱۵	حضرت عائشہؓ کی ایک روایت حضرت جابرؓ کی روایت صریحہ تاہد عزل ہیں۔ حسن بصری کا مسلک ابن مسعود کی روایت۔
۷۲۶	رطبی کو رد و قبول کا اختیار بتیمہ کو بعد بلوغ حق اختیار ہے۔	۷۱۶	جواز عزل ہیں حضرت جابرؓ کے مرویات۔ حضرت جندبہ کی حدیث۔ کچھ یہود کے بارے میں۔
۷۲۷	آقا غلام کا نکاح فسخ کر سکتا ہے کفو کا مسئلہ فقہاء اور علماء کے اقوال اور اختلافی مباحث	۷۱۷	باندی سے بغیر اجازت عزل کیا جا سکتا ہے۔
۷۲۸	قرآن و سنت کا مقتضاء نکاح کی تابعدار عالی خاندان عرب عورتوں کی شادی کم نسب لوگوں سے	۷۱۸	مرضعہ سے جماع کا مسئلہ کئی بیویوں میں باری کی تقسیم سفر کی صورت میں قرعہ اندازی اپنے حق سے دست برداری
۷۲۹	کفو میں اصل اعتبار دین کا ہے	۷۲۰	
۷۳۰	کفو کے امور معتبرہ خمسہ	۷۲۱	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۲۰	امام شافعیؒ کے یقین اقوال	۷۳۱	اصحاب شافعی کا مسلک -
۷۲۱	آزاد شوہر کی بیوی آزاد ہونے کے بعد حق خیار نہیں رکھتی -	۷۳۲	عدم کفو کے قابل فسخ اسباب -
۷۲۲	بربرہ کے سوال اور آپ کے جواب سے احکام مستنبط اپنا صدقہ نہ خریدا جاسکتا ہے، نہ ہدیہ لیا جاسکتا ہے -	۷۳۳	فسخ کا اختیار عورت کے دل کو ہے
۷۲۳	مہر اور اس کی قلت و کثرت ہر دو صورتوں میں نکاح جائز اور ناقد رہے گا -	۷۳۴	آئکہ سے منسوب غلط باتیں -
۷۲۴	ایک معمولی انگشتری بھی مہر بن سکتی ہے -	۷۳۵	شادی شدہ غلام اور باندی باندی اگر آزاد ہو جائے تو نکاح قائم رہے گا یا ختم ہو جائے گا -
۷۲۵	قرآن سکھانا بھی مہر بن سکتا ہے -	۷۳۶	شوہر کی آزادی کب جاسکتا ہے -
۷۲۶	قبول اسلام کی شرط بھی مہر بن سکتی ہے -	۷۳۷	ولا آزاد کرنے والے کا حق ہے -
۷۲۷	حدیث سے احکام و مسائل مستنبط زوجین میں سے کسی کا جذامی مہر و صل اور مجنوں ہونا -	۷۳۸	خلاف کتاب اللہ کوئی شرط قابل قبول نہیں -
۷۲۸	فقہاء کے اقوال مختلفہ عیوب منفرد کی صورت میں حق خیار حاصل ہے -	۷۳۹	عورت شادی کرنے پر مجبور نہیں کی جاسکتی -
		۷۴۰	مسائل فقہیہ کا استنباط
		۷۴۱	امام شافعی کا مسلک
		۷۴۲	آنحضرتؐ کا فرمان کہ ولا آزاد کرنے والے کے لیے ہے -
		۷۴۳	چند اور مسائل فقہیہ کا استنباط
		۷۴۴	آزادی کے بعد باندی کو حق خیار حاصل ہے -
		۷۴۵	فسخ کے بعد مجامعت سے حق خیار ساقط ہو جاتا ہے -

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	حکیمین کی حیثیت کیا ہے؟	۴۹	حضرت علیؓ کا فیصلہ۔
۴۵۷	حکیمین حاکم ہیں وکیل نہیں۔	۵۰	حضرت ابن عباسؓ کا مسلک
۴۵۸	حضرت عثمانؓ کا فیصلہ۔		سلامتی عیوب کی شرط کے بعد عیب
	خلع کا مسئلہ	۵۱	پایا جلتے تو نکاح باطل ہے۔
	عورت کونہ حالات میں خلع		بیوی پر شوہر کا حق
	حاصل کر سکتی ہے۔		بیوی سے کون کون سی خدمتیں
	صرف ناپسندیدگی بھی وجہ		لی جاسکتی ہیں۔
۴۵۹	خلع بن سکتی ہے۔		اہم مباحث فقیہہ۔
۴۶۰	سنن نسائی کی ایک روایت		حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کا
	فیصلہ نبویؐ سے احکام منضمنہ	۵۲	معاملہ۔
۴۶۱	ارشاد خداوندی۔		حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا واقعہ
	خلع حاصل کرنے کے لیے عورت		خاوند کی خدمت مستحسن ہے
	جو چاہے دے دے۔	۵۳	واجب نہیں۔
	مرد حق خلع کے طور پر اپنے		قعود مطلق عرف عام پر مرفوع
	دیئے ہوئے سے زیادہ بھی	۵۴	پذیر ہوتے ہیں۔
	لے سکتا ہے۔		عورت کے بارے میں خدا سے
	ظاہر قرآن و آثار صحابہ سے	۵۵	ڈرتے رہو۔
۴۶۲	استدلال۔		تفرقہ زوہدین
	خلع کیا ہے؟ مسائل ضروریہ		احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ
	خلع میں حاکم بھی تفریق کر سکتا		وسلم۔
	ہے اور باہمی رضا مندی سے		اختلاف زوجین کے معاملات و
	بھی ممکن ہے۔	۵۶	حالات۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۷۴	طلاق بازل و مکرمہ کیا مذاق میں دی ہوئی طلاق اور جبر سے دلائی ہوئی طلاق جائز ہے بازل کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ جو شخص مجبور کیا جائے اس کی طلاق لغو ہے۔	۷۶۴	خلع سے عورت بائن ہو جاتی ہے۔ عورت چاہے تو بعد از خلع نکاح کر سکتی ہے۔ فرمان نبوی کہ خلع کرتے والی ایک حبض عدت گزارے۔ خلع کے بعد عورت شوہر کا گھر چھوڑ سکتی ہے۔
۷۷۵	اباحت مکرمہ کے دو پہلو زنا اور چوری پر جو مجبور کیا جائے تو وہ قابل مواخذہ ہے۔ امام مالک عدم وقوع طلاق مکرمہ کے قائل ہیں۔	۷۶۵	خلع نسخ نکاح سے طلاق نہیں دو طلاقیوں کے بعد بھی خلع جائز ہے۔
۷۷۶	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فیصلہ مدہوش کے سوا ہر طلاق جائز ہے ابرادت اور ان کا جواب حضرت عمرؓ کا اثر غلط ہے۔	۷۶۶	خلع انگ جنس ہے طلاق انگ مسائل و معاملات و انواع طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قضایا اور اقوال۔
۷۷۸	شرابی کی طلاق جائز ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد شرابی پر حد جاری ہوگی طلاق نہیں مانی جائے گی۔	۷۶۸	کتن لوگوں کی طلاق شرعی طور پر ناقابل قبول ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت۔
۷۸۰	اخفاف طلاق سکران جائز سمجھتے ہیں۔	۷۷۰	لزم نیت پر نہیں عمل ہوتا ہے نیت اور قصد بے معنی ہے، اصل چیز اقدام و عمل ہے۔
۷۸۱	حضرت عمرؓ تفریق کر دیتے تھے۔	۷۷۲	ثواب و عقاب کا تعلق اعمال سے ہے۔



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۸۹	طلاق کی وجوہ اربعہ	۷۸۲	سکرانی مکلف نہیں ہے۔
۷۹۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب مطلقہ عورت کے اقسام۔ وقوع محرم میں اختلاف فکر و رائے۔ اجماع کا دعویٰ کرنے والا کاذب	۷۸۲	اجرائے حد کافی ہے۔ رابطہ احکام کی دلیل بودی ہے۔ صحابہؓ سے مروی آثار غلط ہیں۔ ایک غلط حدیث سے استدلال سکرانی کی عقل زائل ہو چکی ہوتی
۷۹۱	ہے۔ زید بن ثابت اور ابو محمد کی رائے	۷۸۲	ہے۔
۷۹۲	مانعین وقوع طلاق کے افکار	۷۸۴	ابن عباس کا اثر غیر صحیح ہے۔
۷۹۳	اذن شارع اور اذن مخلوق۔	۷۸۵	طلاق اغلاق غصہ میں دی ہوئی طلاق نافذ ہوگی یا نہیں؟
۷۹۴	قائمین وقوع طلاق محرم کے دلائل قائمین عدم وقوع طلاق محرم کے دلائل۔	۷۸۶	غضب کی تین قسمیں۔ طلاق قبل نکاح آیا یہ واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟
۷۹۶	ہر دو فریق کے دلائل و افکار۔	۷۸۷	نکاح سے قبل طلاق بے معنی ہے حضرت علیؓ کا قول، نکاح کے بعد ہی طلاق ہو سکتی ہے۔
۷۹۸	تین طلاقیں ایک دفعہ میں شریعت کے ساتھ استہزاء اور مستحکم بدترتیب مثال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب۔	۷۸۸	امام شافعیؒ وغیرہ کا مسلک طلاق محرم تحریم طلاق حائض و نفساء و تحریم طلاق ثلاثہ۔ حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ۔
۷۹۹	محترمہ بن بکر پر جرح و تعدیل کیا محترمہ نے کتاب سے روایت کی ہے۔		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۸۰۸	ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں پر گفتگو۔	۸۰۰	کیا محرمہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی۔
۸۰۹	فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال۔	۸۰۱	خود محرمہ کا قول کیا ہے؟
۸۱۰	حدیث میں تعارض ہو تو عمل دیکھا جائے گا۔	۸۰۲	امام مالک کا محرمہ سے استفسار کیا ایک دفعہ کی تین طلاقیں سے واقع ہو جاتی ہیں؟
۸۱۱	امر صواب حرام نہیں کیا جا سکتا۔	۸۰۳	طلاق مشروع کیا ہے۔
۸۱۲	تابعین طلاق ثلاث کا قول۔	۸۰۴	قرآن میں اقسام طلاق کا ذکر۔
۸۱۳	قرآن سے جمع ثلاث ثابت نہیں روایت کا اخذ اور فتوے سے اعراض۔	۸۰۵	امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مسئلہ زیر بحث کا اصل نمکندہ۔
۸۱۴	ساقط الا اعتبار حدیث۔	۸۰۶	اہل ظاہر کا قول۔
۸۱۵	حدیث ابو الصہبہ پر گفتگو۔	۸۰۷	ابو وہب کا مسلک۔
۸۱۶	فقہائے عمرہ کی مصلحت	۸۰۸	اس مسئلہ سے متعلق مذاہب فقہ
۸۱۷	تعارض حدیث اور عمل صحابہ	۸۰۹	ابن عباس سے سوال و جواب
۸۱۸	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے حدیث نہیں غلام کی طلاق	۸۱۰	امام احمد کا ارشاد
۸۱۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم	۸۱۱	قیاس کیا کہتا ہے؟
۸۲۰	ابن عباس سے گفتگو۔	۸۱۲	اپنے خلاف چار شہادتیں بھی تاثر توڑ نہیں۔
۸۲۱	فقہائے احوال اربعہ۔	۸۱۳	مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کی تفریق۔
۸۲۲	مسئلہ زیر بحث سے متعلق	۸۱۴	نقل و قیاس کی تائید۔
		۸۱۵	مذہب امام بیہ اور اہل بیت کا مسلک

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	بیوی کی طرف سے طلاق کا ایک گواہ۔	۸۱۸	چار اقوال۔
۸۲۸	اور شوہر کا طلاق دینے سے انکار	۸۱۹	ام المؤمنین ام سلمہؓ کی روایت
	مسئلہ تخییر ازواج و توکیل طلاق	۸۲۰	آثار و قیاس میں تعارض۔
	نفقہ کا ایک بے حد اہم نر اسی اور	۸۲۱	طلاق نصوص سے تمسک۔
	اختلافی مسئلہ۔		ائمہ فقہ کے اقوال
۸۳۰	حضرت عائشہؓ کی روایت۔	۸۲۲	طلاق حق زوج ہے۔
	مسئلہ تخییر میں اختلاف۔		سنن ابن ماجہ کی روایت۔
۸۳۱	حکم تخییر کے دو پہلو۔		کیا نکاح و طلاق کا مالک آقا ہے؟
	تخییر سے طلاق نہیں پڑتی۔	۸۲۳	قضائے رسول اللہؐ سب پر مقدم ہے۔
	کیا تخییر سے مراد تملیک مستلزم وقوع طلاق ہے۔		تین طلاقیں
۸۳۲	تخییر تملیک ہے یا توکیل۔		دوسرے شخص سے نکاح کے بعد پہلا شوہر پورا کرے گا
۸۳۲	اقوال بالا کے ماخذ و مصادر		حضرت عمرؓ کا فیصلہ۔
۸۳۵	کئیات طلاق میں تخییر شامل ہے	۸۲۴	اکابر صحابہؓ کا قول۔
	تخییر سے مراد طلاق منجر ہے۔		امام ابو حنیفہ کا مسلک۔
۸۳۶	تملیک زوجہ ایک لغو امر ہے۔	۸۲۵	طلاق مغالطہ کے بعد
	حدیث سے صرف تخییر ثابت ہے		زوج ثانی کے تمتع کے بغیر پہلے شوہر پر عورت حلال نہیں ہو سکتی۔
۸۳۷	آثار صحابہؓ۔	۸۲۶	حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت
	مروزی اور زید بن ثابت کی روایت		مذکورہ بالا حکم سے مسائل مستنبط
۸۳۸	مجرد تخییر سے طلاق واقع ہو جائے گی؟	۸۲۷	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	طلاق رجعی پڑے گی۔		بیوی سے یتیم بنی جائے گی؟
	بغیر طلاق کے بیوی حرام ہو جائے گی		کیا شوہر کی نیت کا اعتبار کیا جائے
۸۴۶	ایک مذہب توفیق کا بھی ہے۔		گا۔
	تحریم متعزز اور تحریم مستلٹی۔		مضطرب اور مختلف فروع کثیرہ
	مسئلہ تحریم زوجہ سے متعلق		کیا اجماع کا دعویٰ صحیح ہے؟
	مختلف مذاہب و مسلک کے		حکم تخبیر میں اختلاف اعتبار تخبیر
	دلائل و براہین سے۔	۸۳۹	میں اختلاف۔
۸۴۸	قول تحریم کی لغویت کا ثبوت	۸۴۰	شوہر کو نفویض کا حق ہے۔
	تحریم کو یقین طلاق ماننے کی دلیل	۸۴۱	خود ساختہ تحریم و تحلیل
	تحریم کو مدخول بہائیک محدود		مذہب متعددہ و مختلفہ۔
۸۴۹	رکھنے کا سبب۔	۸۴۲	تحریم مرآة لغو ہے۔
	تحریم کو طلاق واحد بائنہ ماننے کی		تحریم سے یقین طلاق پڑ جاتی
	دلیل۔		ہیں۔
	تحریم کو طلاق واحد رجعی ماننے		طلاق صرف مدخول بہائیک واقع
	کا ماخذ۔		ہوگی۔
	تحریم کو ارادے اور نیت پر منحصر	۸۴۳	نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔
۸۵۰	رکھنے کا ماخذ۔		طلاق کی صورت میں طلاق واحد
۸۵۱	ظہار اور طلاق کی نیت و نفاذ		بائنہ
	تحریم کو یقین منکرہ قرار دینے کا	۸۴۴	تحریم مرآة ظہار ہے۔
۸۵۲	کفارہ یقین لازم اور ثابت ہے۔	۸۴۵	ہر حالت میں نیت کا اعتبار۔
۸۵۳	تحریم یقین ہے جس کا کفارہ واجب ہے		طلاق واحدہ بائنہ۔
	الحق باصلک		اگر نیت نہ ہو تو بائنہ واحدہ



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	کھانا کھلانے کی مقدار معین نہیں ساتھ کی تعداد پوری کرنا لازمی ہے کفارہ ظہار کے مستحق صرف مساکین ہیں۔	۸۵۴	اس لفظ سے طلاق پڑتی ہے یا نہیں؟ کعب بن مالک کا واقعہ۔ جمہور فقہاء کا مسلک۔ ابن عباس کی روایت۔
۸۶۵	کافر غلام بھی آزاد کیا جاسکتا ہے۔ غلاموں کی تنصیف کب جائز ہے خلاف ورزی سے کفارہ مضاعف نہیں ہوتا۔	۸۵۵ ۸۵۶	قرآن کے الفاظ سے استدلال مسئلہ ظہار ظہار طلاق ہے یا قابل کفارہ معصیت؟
۸۶۶	مسئلہ ایلاء بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کے اثرات و نتائج۔	۸۵۸ ۸۵۹	خولہ بنت مالک کا واقعہ۔ حضرت عائشہؓ کی روایت۔ ادائے کفارہ میں مدد۔
۸۶۸	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاء ایلاء کے بارے میں آیت قرآنی۔ ایلاء کے معنی از روئے لغت۔	۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲	مسلم بن صخر الباضی کا واقعہ۔ احکام متضمنہ مسئلہ۔ ظہار فعل منہی عنہ ہے۔
۸۶۹	آیت بالا سے احکام مستنبط۔ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کا اختلاف آیۃ ایلاء سے متعلق دس دلیلیں۔	۸۶۳	وجوب کفارہ عود کی صورت میں۔ عود سے مراد کیا ہے؟ امرو رائے امساک۔
۸۷۰	مسئلہ لعان لعان کی نوعیت و کیفیت اور حکم لعان کی شان نزول۔ لعان کے بارے میں قرآنی آیات	۸۶۴	کفارہ ظہار مجبور سے بھی ساقط نہیں ہوگا۔ ادائے کفارہ سے قبل مجامعت جائز نہیں۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۸۸۵	اگر عورت لعان سے انکار کرے تو حد جاری ہوگی؟	۸۷۴	عمو بھر، لعجلانی اور ان کی بیوی کا قصہ۔
۸۸۶	حد جاری نہ ہونے کا ایک اور سبب قول راجح کیا ہے؟	۸۷۵	لعان سے پہلے وعظ و تذکیر اور پند و نصیحت۔
۸۸۷	شوہر بیوی پر تہمت لگانے کے بعد لعان سے انکار کرے تو کیا ہوگا؟	۸۷۶	لعان کے بعد شوہر بیوی سے کچھ واپس نہیں لے سکتا۔
۸۸۸	آنحضرتؐ کے فیصلے مطابق وحی ہوتے تھے۔	۸۷۷	بچہ ماں کے حوالہ کیا جائے گا۔
۸۸۹	لعان حاکم کے سامنے ہونا چاہیے۔	۸۷۸	لعان والی عورت کو متہم کرنے والے مستحق سزا ہیں۔
۸۹۰	لعان سے متعلق رسول اللہ کا فرمان	۸۷۹	ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کا واقعہ لعان۔
۸۹۱	لعان سے پیدا شدہ بقیہ احکام و مسائل شرعی۔	۸۸۰	سعد بن عبادہ اور رسول اللہ کی گفتگو۔
۸۹۲	لعان گواہوں کی ایک جماعت کے سامنے کیا جائے۔	۸۸۱	مسئلہ لعان سے متضمن احکام و مسائل عدیدہ و مختلفہ۔
۸۹۳	لعان کرنے والے کے لیے کھڑا رہنا ضروری ہے۔	۸۸۲	کیا لعان غیر مسلموں کے لیے بھی امور سہ گانہ۔
۸۹۴	کیا لعان صرف مرد کی طرف سے ہو سکتا ہے۔	۸۸۳	عمرو بن شعیب کی روایت۔
۸۹۵	عذاب دنیا اور عذاب آخرت	۸۸۴	لعان بدل ہے شہادت کا۔
۸۹۶	لعان کے لیے صرف مقررہ الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔	۸۸۵	یقین و شہادت لازم و ملزوم۔
۸۹۷	لعان کرنے والے پر حد جاری نہیں	۸۸۶	ایک حدیث کی تضعیف۔
		۸۸۷	شریعت کا قاعدہ مستقرہ۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	کیا عورت نفقہ اور سکنی کا مطالبہ کر سکتی ہے؟	۸۹۲	بیوگی۔
	کیا قیافہ سے نسب کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟	۸۹۳	لعان کے بعد بھی عورت کو زنا سے متہم نہیں کیا جاسکتا۔
۸۹۸	ایک بے حد اہم فقہی مسئلہ۔		مسئلہ لعان کے احکام عشرہ
	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال		لعان کے بعد تفریق کے سلسلہ میں مذاہب متعدد ہ۔
۸۹۹	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فیصلہ		لعان کے بعد کی تفریق فسخ
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد	۸۹۴	نکاح سے طلاق نہیں۔
۹۰۰	برسر واقعات کی توجہ و تعمیل۔		لعان کے بعد نہ رجعت ہو
	حکمت مصلحت، رحمت اور احسان	۸۹۵	سکنی ہے نہ تجدید نکاح۔
۹۰۱	کا تقاضا		لعان کے بعد بھی بیوی کو حق
	سوال یا استفتا کی صورت میں		مہر حاصل ہے۔
	تعریض سے سائل یا مستفتی پر		لعان کے بعد نفقہ اور سکنی کا
۹۰۲	حد جاری نہیں ہوگی۔		مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔
	الوال للفرش		لعان کے بعد طے کے کا نسب
	مسئلہ فرش کی تفصیل اور اس کی		باپ سے منقطع ہو جائے گا۔
	حقیقت اور واقعیت۔		لعان کے بعد طے کے کا نسب
	سعد بن ابی وقاص اور عبد بن	۸۹۶	سے چلے گا۔
۹۰۴	زعمہ میں بھگڑا۔		لعان کے بعد عورت کو بدکاری
	ثبوت نسب میں اصل فرش ہے۔		سے متہم کرنا قابل سزا ہے۔
	شبہ کی صورت میں فرش کو تقدم		لعان زن و شوہر کی طرف سے ساتھ
	ہے۔	۸۹۷	ساتھ ہونا چاہیے۔

صفحہ	عنوانات	عنوانات
۹۱۶	کیا جاسکتا اور وراثت پاسکتا ہے۔ زانی کا لڑکا شریک نسب کر دیا جائے گا۔ کیا زانی کا لڑکا شریک وراثت ہو سکتا ہے۔ ولا الزنا شریک وراثت نہیں ہو سکتا۔	قبائلی کی شرعی حیثیت۔ بیوی اور باندی کی اولاد۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک۔ استحقاق اور نسب۔ فراش ضعیف اور فراش قوی۔ باندی فراش حقیقی کب ہے؟ مستحق کے تمام اقرباء کا اتفاق ضروری ہے۔
۹۱۷	مسئلہ حق حضانت اولاد کی پرورش کا حق باپ کو حاصل ہے یا ماں کو۔ ایک فریادی عورت دربار رسول میں۔ خالہ ماں کی جگہ ہے۔	الحاق نسب پدر۔ مسئلہ فراش باندی کب فراش بنتی ہے۔ صحت نسب کا مسئلہ وہ چار امور جن سے نسب ثابت ہوتا اور تسلیم کیا جاتا ہے۔ صحت نسب سے متعلق امور اربعہ۔
۹۱۸	ماں کا حق حضانت باپ کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ ولایت عقل کے اقسام حضانت ماں کا حق ہے۔ اہل علم کا اختلاف فکر و رائے۔	نزدیک کا واقعہ۔ کیا ایک سے زائد باپ تسلیم کیے جاسکتے ہیں۔ ولد الزنا کا استحقاق اور توریث کیا ایک ناجائز لڑکا شریک نسب
۹۱۹	رجعہ کو حق حضانت کب ملے گا؟ مانع کی صورت میں حق حضانت سوخت ہو جائے گا۔ مراد مجرد عقد ہے یا شوہر کا تمنع	۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۹۲۰	عصبات پدر کے مقابلہ میں خالہ کا حق زیادہ ہے۔ ایک اہم اور - غور طلب نکتہ۔ زوجہ کا حق نفقہ زوجہ کی حد نہیں مقرر کی گئی یہ عرف پر منحصر ہے۔	۹۲۴	بھی لازمی ہے۔ سقوط حق حضانت طفل کا حق کفالت اور مباحث و مسائل متعلقہ۔ یہ فیصلہ ہر ماں پر منطبق نہیں ہو سکتا۔
۹۲۲	ابو سفیان کی بیوی ہندہ کا واقعہ حکم بن عمار و شہ کی حدیث۔ بیوی کی صواب دید پر فیصلہ نفقہ واجبہ کے بارے میں جمہور کا مسلک۔	۹۲۶	ماں بیٹے کا ہم مذہب ہونا ضروری ہے۔ کافر اور مسلمان کے مابین قطع موالات۔ حضرت ابو بکر کا فیصلہ۔
۹۲۳	حضرات تابعین کے افکار و آراء تنازعہ کی صورت میں فیصلہ خدا اور رسول پر چھوڑنا چاہیئے۔ شکایت کے طور پر کسی کا ذکر غیبت نہیں ہے۔ نفقہ بہ قدر میراث ملے گا۔ کیا نفقہ زوجہ مؤثر بہ ماضی نہیں ہوتا۔	۹۲۷	حضرت عمر نے طفل کو رد و قبول کا اختیار دیا۔ حضرت علی کا فیصلہ۔ قول ابو ہریرہ۔ اسحاق بن راہویہ کا قول امام احمد کی رائے۔ امام شافعی کے نزدیک مسئلہ کیا ہے؟ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا قول۔
۹۲۵	امام ابو حنیفہ کا مسلک۔ امام احمد اور مالک کا مسلک۔ زوجات و اقارب کے مابین فرق	۹۲۸	امام شافعی کے نزدیک مسئلہ کیا ہے؟ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا قول۔ ط کے کا حق تخبیر۔
۹۲۶		۹۲۹	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۹۴۵	صورت مسئلہ کیا ہے؟	۹۳۷	نفقہ زوجہ کا وجوب کتاب و سنت سے ثابت ہے۔
۹۴۶	جمہور فقہاء اور امام ابو حنیفہ کا مسلک نفقہ مبتوتہ		تنگ دست شوہر
	فاطمہ بنت قیس کی حدیث اور اس حدیث پر بحث و نظر۔		اگر بیوی کا نفقہ نہ دے سکے تو کیا طلاق دینے پر مجبور ہے۔
۹۴۷	نفقہ کا عدم وجوب۔		حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث۔
	صحیح مسلم کی ایک حدیث۔		فقہاء کا اختلاف فکر اور اقوال مختلفہ۔
۹۴۸	ابو عمرو حفص بن میسرہ کا واقعہ۔	۹۳۹	تفریق طلاق بہوگی یا فسخ تسلیم کی جائے گی؟
۹۴۹	مردان کا امر فاطمہ بنت قیس پر۔		فسخ نکاح کی صورت میں رجعت نہیں۔
	طلاق ٹلشہ کے بعد نہ نفقہ ہے نہ سکنت		دوسرے مکتب فکر کے دلائل اور مواقف۔
۹۵۰	پانچ ساع کھجور، پانچ ساع جو۔		ابو بکر و عمر بارگاہ رسالت میں
	نسائی کی حدیث طعن سے خالی ہے		حضرت عائشہ و حفصہ کو نہ جبر و توییح۔
۹۵۱	قرآن مجید سے اس حکم کی تائید۔	۹۴۰	ازواج مطہرات کا جواب۔
	فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر قیام		عدم نفقہ فسخ نکاح کا مسئلہ
۹۵۲	جدید مطاعن۔		عہد صحابہ کرام کی مثالیں۔
۹۵۳	طعن عائشہ و حدیث فاطمہ۔	۹۴۱	فقرو غنائی جانی چیزیں ہیں
	طعن اسامہ بن زید بر حدیث فاطمہ۔	۹۴۲	اصول و قواعد شریعت کے مطابق
	طعن مروان پر حدیث فاطمہ۔		
	طعن سعید بن المسیب بر حدیث فاطمہ بنت قیس۔	۹۴۳	
۹۵۴	طعن سلیمان بن یسار بر حدیث فاطمہ۔		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	وجوب نفقہ اقارب		طعن اسود بن یزید بر حدیث فاطمہ
	کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ		طعن ابی سلمہ بن عبدالرحمان بر
	کی روشنی میں -	۹۵۵	حدیث فاطمہ -
۹۶۷	قرابت داروں کو ترجیح -		فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر
	ارشادات بنوی تفسیر میں کلام ربانی		مطاعن کا جواب -
۹۶۸	کی -		ایک تحقیقی - علمی - اور -
	قرابت داروں کے ساتھ احسان	۹۵۶	تاریخی بحث -
	کا حکم -		فاطمہ بنت قیس کا علمی پایہ اور
	ذوالقرنیٰ اور قرآن مجید -	۹۵۷	ان کی عظمت روایت -
۹۶۹	حضرت عمر کے احکام و قضایا -		کیا فاطمہ کی روایت مخالف قرآن
۹۷۰	فقہ اسلام کے اختلافی اقوال متعددہ	۹۵۹	ہے -
	نفقہ اولاد -	۹۶۰	ایک بودی اور ناقابل قبول تاویل
	ماں اور اولاد کو نفقہ دینے پر مجبور		کیا فاطمہ بنت قیس کی حدیث
	نہیں -	۹۶۱	اور روایت عمرؓ میں تعارض ہے
	والدین کو نفقہ دینا ہر حالت میں	۹۶۲	ایک راوی حدیث پر جرح -
۹۷۱	واجب ہے -		تمام فقہاء حدیث فاطمہ سے دلیل
	زی رحم کا ذی رحم پر نفقہ واجب	۹۶۳	لاتے ہیں -
۹۷۲	ہے -		صدق حدیث اور برکت روایت
	قواعد شرع اور اصول صلوٰۃ رحم		کا نتیجہ -
	جمہور سلف کا مسلک -	۹۶۴	ایک اعتراض اور اس کا جواب
۹۷۳	نسب کے اعتبار سے ترتیب -		آیت مذکورہ کے ضما کر پر بحث
	صلوٰۃ اور سلوک نہیں وجوب	۹۶۵	نفقہ رجس کے لیے حمل کی تخصیص

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۹۸۰	تحریم کے بارے میں حکم خداوندی تحریم و حرمت اور حریمیت کا فرق حرمت اقارب کی طرف منتشر نہیں ہوتی۔ جو رشتے نسب سے حرام ہیں رضاعت سے بھی حرام ہیں۔ مالک بن اوس بن حدثان نسری کا واقعہ۔	۹۷۴	فقہ اقارب، حق سے مسائل رضاعت کسی عورت کا دودھ پی لینے سے کون سے رشتے حرام ہو جاتے ہیں کون سے حلال رہتے ہیں بنت حمزہؓ کا واقعہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت۔
۹۸۱	کیا ربیبہ سے نکاح ہو سکتا ہے ربیبہ سے نکاح کے متعلق قیود سہ گانہ	۹۷۵	حضرت ابن عباس کی مرفوع روایت۔
۹۸۲	تحریم "ولبن محل" سے بھی منتشر ہوتی ہے۔ حکم ابن عتبہ کی اپنے قول سے رجعت۔ رضاعت مرد کی جہت سے نہیں عورت کی حیثیت سے ہوتی۔ زینب بنت ام سلمہ کا واقعہ۔	۹۷۶	سہیلیہ بنت سہیل کا ماجرا ام المومنین سلمہ کی روایت ام سلمہ اور دوسری ازواج مطہرہ کا انکار۔ اس سنت ثابتہ سے احکام مستنبط عدیدہ۔ ازروے نسب اور ازروئے صہر رشتے۔
۹۸۳	قرآن کے بیان کردہ دو واضح اور امور ایک دعوائے باطل اور اس کی تردید۔ کتنے رجعات کے بعد رضاعت ثابت ہوتی ہے۔	۹۷۷	ایک اہم فقہی نکتہ۔ رضاعت مثل نسب کے ہے لیکن ہر حکم میں نہیں۔ عبد اللہ بن جعفر کی مثال۔
۹۸۴		۹۷۸	
		۹۷۹	



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	حدیث سہلہ بنت قیس سے استدلال -	۹۸۷	کم از کم یقین گھونٹ کی شرط -
۹۹۳	یہ حکم منسوخ ہے -		خدا نے تحریم کو اسم رضاعت کے ساتھ متعلق کیا ہے -
	یہ حکم صرف سالم کے ساتھ مخصوص ہے -		صحیح مسلم کی ایک روایت دربارہ رضاعت -
۹۹۴	یہ حکم نہ منسوخ ہے، نہ عام،	۹۸۸	حضرت عائشہ کی روایت دربارہ رضاعت -
	حسب مصلحت جائز ہے -	۹۸۹	رضاعت کے چند اور پہلو
۹۹۵	مسئلہ عدت		مسئلہ رضاع کبیر اور حدیث
	عورت کی عدت اور اس کی مدت کے بارے میں مسائل متعلقہ		سہلہ سے متعلق مباحث ضرورت رضعت کی تعریف -
	عدت کے اقسام از روئے قرآن کریم -		کس عارض سے انقطاع رضعت غیر مؤثر ہے -
	۱ - حدت کی پہلی قسم -	۹۹۰	مرضعہ کی طرف سے انقطاع رضعت کا حکم -
۹۹۷	۲ - عدت کی دوسری قسم -		کس رضاعت سے تحریم واجب ہوتی ہے -
	۳ - عدت کی تیسری قسم -		امام ابو حنیفہ اور امام زفر کی مقرر کردہ مدت -
۹۹۸	۴ - عدت کی چوتھی قسم -		ارباب مسالک کے دلائل اور ان پر ایک نظر -
	فہم مراد قرآن میں اختلاف -	۹۹۱	تحریم رضاع کبیر کی دلیل -
۹۹۹	ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تاویل		
	استقاط حمل کی صورت میں عدت کیا ہوگی -	۹۹۲	
	اگر پیٹ میں دو بچے ہوں تو عدت کب ختم ہوگی -		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	کیا ”خلق“ سے مراد حیض ہے؟ عدت کا حکم عدم حیض پر معلق ہے۔	۱۰۰۰	ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اختلاف - جمہور فقہ کا ملک اور اس کے تفصیل عدت میں وضع حمل کا اعتبار ہے۔
۱۰۰۷	عدت! تین حیض تک - باندی کا استبراء ایک حیض ہے۔	۱۰۰۱	استبراء کی صورت میں بھی عدت وضع حمل ہے۔
	استبراء اور حیض میں مماثلت قرعہ کو طہر سمجھنے والوں کے استدلال کا جواب -	۱۰۰۲	لفظ قروء کی تفسیر اختلاف - دلائل - بیان!
۱۰۰۸	طلاق قبل از عدت - استدلال حضرت عائشہ کے کلام سے۔	۱۰۰۳	امام احمدؒ، اظہار - ”مراد لیتے تھے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مراد حیض ہے۔
۱۰۰۹	طہر حیض سے اسبق ہے۔ کیا آنحضرتؐ نے قروء کی تفسیر ”اظہار“ کی ہے؟		امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک مسلمہ عدت پر یقین اقوال - شوہر کو حق رجعت کب تک حاصل ہے۔
۱۰۱۰	طہر سے خون مسبوق نہیں ہوتا لسان شارع پر یہ لفظ کس معنی میں آتا ہے آئسہ کی عدت مہینوں کے حساب سے۔	۱۰۰۴	کیا مجرد طہر سے عدت ختم ہو جائیگی انقطاع خون کے ساتھ ختم عدت ”القرء“ کا مفہوم و مقصد کیا ہے۔
۱۰۱۱	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۱۰۰۵	شارع نے اسے کس معنی میں استعمال کیا ہے۔
۱۰۱۲		۱۰۰۶	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۰۱۹	عورت اُسے کس عمر میں ہوتی ہے؟ ساتھ سال کی عمر کا تعین - امام شافعیؒ کے دو قول - اصحاب امام مالکؒ کا مسلک -	۱۰۱۲	باندی کی عدت آزاد عورت کے برابر ہوگی یا اس سے نصف؟ فقہ اسلام کا ایک نزاعی مسئلہ ابن حزم کی روایت -
۱۰۲۰	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مسلک	۱۰۱۴	جمہوریت کا مسلک کیا ہے؟ باندی کی عدت کیا ڈیڑھ حیض ہو سکتی ہے؟
۱۰۲۱	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک فیصلہ عدت طلاق اُسے کی جسے ابھی حیض نہ آتا ہو اس کی عدت	۱۰۱۵	باندی کی عدت کے بارے میں دو حیض کی روایت - باندی اور حرہ کے درمیان عدت یکساں ہے -
۱۰۲۲	عدت وفات تفصیل - شرائط - اصول عدم اجماع کی صورت میں بھی عدت واجب ہے -	۱۰۱۶	نابالغہ باندی کی عدت - ہر حیض کے مقابلہ میں ایک مہینہ اثرم اور میمون کی روایت -
۱۰۲۳	استقرار مہر سے متعلق مسائل مختلفہ - تحریم ربیبہ کس صورت میں ہوتی ہے -	۱۰۱۷	مہینوں کے اعتبار سے اور حیض کے اعتبار سے عدت کا فرق کیا یہ اچھا ہے؟ یا حضرت عمرؓ کا دو سال قول
۱۰۲۴	عدت تعبد ہے - رعایت حق زوج کی پابندی اولاد کے لیے ماں کے ایشار کی فضیلت -	۱۰۱۸	اُسے اور غیر حائضہ کی عدت دو برس نتائج پر متضمن بیان اور تحقیق -
۱۰۲۵	عہد جاہلیت میں بیوہ عورت کی عدت		
۱۰۲۶			

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۰۳۶	حلالہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے۔ ابن اللیان کا بیان۔ آکسہ اور غیرہ حائضہ کی عدت کا مسئلہ۔ سنت تین قرو ہے۔	۱۰۲۴	عدت طلاق ایک پیچیدہ اور مختلف فیہ مسئلہ اور اس کے متعلقات۔ حقوق سرگاہ عدت در حقیقت شوہر کا حق ہے۔ بلوغ اجل سے مراد کیا ہے۔ جیض سے فراغت کے بعد عورت حلال ہو جاتی ہے۔ مطلقہ کو تین قرو تک انتظار کرنا چاہیے۔
۱۰۳۹ ۱۰۴۰	عدت رجیمہ اور بائن وہ عورت جس سے رجعت ہو سکے اور وہ عورت جس سے رجعت کا وقت نکل جائے۔ عورت کے لیے شرط مکان کا مسئلہ مہمہ۔	۱۰۲۸ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱	بلوغ اجل اور قرآن کریم۔ تستریح باحسان اور ظاہر قرآن مختلفہ کی مدت ایک جیض۔ مختلفہ عدت کی پابندی نہیں ہے۔ طلاق بائن کی شرط مشروعبیت۔ طلاق محرم میں تریض حرم نکاح ہے۔ شوہر کی عقوبت سرگاہ۔ تین قرو تک تریض۔ حلالہ کی شرط۔
۱۰۴۱	رجیمہ اور بیوہ کا سکنی یکساں ہے۔ بائن کو سکنی کا حق حاصل نہیں ہے۔ رجعت شوہر کا حق ہے یا خدا کا؟ رجعت در حقیقت خدا کے تعالیٰ کا حق ہے۔	۱۰۳۲ ۱۰۳۴	شریعت محمدی اور شریعت موسوی وعینوی کا فرق
۱۰۴۲	طلاق بہ صورت فسخ جائز نہیں اور قبول کا اختیار صرف مباحات میں ہے۔	۱۰۳۵	



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۰۵۴	نظر، چار مہینے دس دن کی عدت - حضرت علی کا فیصلہ - کیا بیوہ عورت میکہ میں عدت گزار سکتی ہے؟	۱۰۴۴	مراعات مصلحت زوجین شارع نے بندے کو نافع کی ملکیت دی ہے مضر کی نہیں - ایک مغالطہ اور اس کا جواب - عدت مختلفہ
۱۰۵۵	اہل ظاہر کے مذہب کی دو دلیلیں	۱۰۴۵	شوہر سے خلع حاصل کرنے والی عورت کے مسائل -
۱۰۵۶	صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین	۱۰۴۶	شوہر کی مار پیٹ کے باعث عورت خلع لے سکتی -
۱۰۵۷	کامسک - حضرت عمرؓ کی اجازت -	۱۰۴۷	خلع حاصل کرنے والی عورت کی عدت کا مسئلہ -
۱۰۵۸	اصحاب ابن مسعود کا مسک - فقہائے مذہب کا مسک -	۱۰۴۹	فضائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -
۱۰۵۹	سنت کا فیصلہ آخری ہے - اہل رحمت و عزیمت کا فرق -	۱۰۵۰	بیوہ عورت کا زمانہ عدت شوہر کے گھر میں گزارنے کے احکام و شرائط -
۱۰۶۰	ایک استفتا اور اس کا جواب		آنحضرتؐ کا فرمان -
۱۰۶۱	اصحاب شافعیؒ اور امام احمد کی نص امام احمد کی روایت سرگامہ		فریعد بنت مالک کی حدیث - اس حدیث پر جرح و تعدیل - موطا میں یہ حدیث موجود ہے - ابن حزم کی جرح کا جواب -
۱۰۶۲	امام مالک کا مسک - عورت کا سکتی زیادہ قوی حق ہے -	۱۰۵۲	صحابہ اور تابعین کا اختلاف فکرو
۱۰۶۴	امام شافعی کے دو قول -		
۱۰۶۴	زمانہ عدت کے معارف - اصحاب ابو حنیفہ کے اقوال سے	۱۰۵۲	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	کیا کافرہ اس حکم کی مکلف نہیں باندی اور ام ولد پر سوگ نہیں خوشبو سے سوگ کے درمیان ہیں احتساب لازم ہے۔	۱۰۶۵	کیا مستنبط ہوتا ہے۔ شوہر کے گھر میں عورت کا قیام لازم نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ۔
۱۰۶۳	بعض اصحاب شافعی کا قول۔ جمہور علماء کا مسلک۔	۱۰۶۶	کیا عورتوں کی روایت قبول نہیں کی جاسکتی۔
۱۰۶۴	زینت لباس بھی ممنوع ہے امام احمد رحمۃ اللہ کا قول۔	۱۰۶۷	حضرت عائشہ اور حدیث فریجہ ایک اعتراض اور اس کا جواب
۱۰۶۵	بنیاد سنگار سے احتراز کرنا چاہیے استبراء ایک نہایت اہم اور فکر انگیز فقہی مسئلہ۔		احد معتدہ۔ نفیاً و اثباتاً شوہر اور قرابت داروں کا سوگ اور اس کے شرائط و مسائل۔ ام المؤمنین ام حبیبہ کی مثال حضرت زینب بنت جحش کی مثال۔
۱۰۶۷	ابو سعید خدری کی حدیث۔ سنن بالا سے متضمن احکام علیہ استبراء کے بغیر تمتع کی اجازت نہیں۔	۱۰۶۹	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ۔ سوگ کی مدت میں سرمرہ سے پیر، بیز۔
۱۰۶۸	اگر جنگی قیدی عورت حالفہ ہو۔	۱۰۷۰	بیوہ کے سوگ پر اجماع امت یقین دن کے بعد سوگ ختم۔
۱۰۸۲	صحیح بخاری کی ایک حدیث۔ استبراء کے قواعد اور فروع۔	۱۰۷۱	لیکن یہ حدیث منسوخ ہے۔ سوگ عدت کا تابع ہے۔
۱۰۸۴	آئسہ کے لیے بھی استبراء واجب ہے۔	۱۰۷۲	ہر عورت پر احداد کا نفاذ ہوگا۔
۱۰۸۵			

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	مسائل بیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام - محدودات بیع وہ چیزیں جن کی بیع مسلمانوں پر حرام ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کا سوال - ابن عباس کی ایک روایت - بیہقی اور حاکم کی روایت - حضرت ابو ہریرہ کی روایت - حدیث مشتمل پر کلمات جوامع تمام نشہ آور چیزوں کی بیع حرام ہے تحریم بیع مردار مردار کی چربی بھی حرام ہے - مراد رسولؐ سمجھنے میں لوگوں کا اختلاف - حضرت عباس کا واقعہ - حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے استدلال - مردار کھانے کے علاوہ دوسری طرح انتفاع جائز ہے -	۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲	ام ولد کی عدت امام احمد کی ایک تفسیری روایت عمرو بن العاص کی روایت - ام ولد کی عدت حیض کی ہے - عمرو بن العاص کی حدیث ضعیف ہے - ایک راوی حدیث پر نقد و جرح استبراء سے مقصود برات رحم ہے - استبراء طہر سے نہیں حاصل ہو سکتا باندی سے کب استبراء ضروری نہیں - وضع حمل سے استبراء ہو جانا ہے - وضع حمل سے پیشتر تمتع ناجائز ہے حاملہ نماز پڑھ سکتی اور طواف کر سکتی ہے - فقہاء اختلاف پر ایک نظر باندی کی دو قسمیں - حیض کی تعریف از روئے شرع و لغت - کیا حیض اور حمل مجتمع نہیں ہو سکتے

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۱۰۸	کن کتابوں کی بیع حرام ہے۔ بیع خمر کی تحریم کفار آپس میں شراب کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں، مسلمان نہیں۔	۱۱۰۰	فعل رسول سے استدلال۔ روغن مردار کی بیع جائز نہیں۔ گوبر کی بیع جائز ہے۔ تحریم بیع مردار، تحریم انتفاع کو لازم نہیں ہے۔
۱۱۰۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ابو عبیدہ کا بیان۔ حرام چیزوں کی قیمت بھی حرام ہے۔	۱۱۰۱	تحریم بیع اجزاء مردار بیع مراد میں تمام اجزاء شامل ہیں امام مالک و ابو حنیفہ وغیرہ کا مسلک امام شافعی کی رائے کا تقرو بالوں کی طہارت کا مسئلہ۔
۱۱۱۰	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عتاب شراب کا محصول واپس کر دیا گیا تحریم بیع سگ و گربہ ابو الزبیر کی روایت۔ امور اربعہ مستنبط۔	۱۱۰۲	ایک راوی پر جرح۔ تحریم بیع میں ریاعت شدہ کھال اور بڑیاں بھی داخل ہیں۔ امام شافعی کی نص۔
۱۱۱۱	شکاری کتے کے بارے میں حکم استثناء کی صحت پر ایک روایت۔	۱۱۰۳	امام مالک کا مسلک۔ امام مالک کے دو قول امام احمد رحمۃ اللہ کا مسلک امام احمد کے یقین و جہ
۱۱۱۲	حماد بن سلمہ کی حدیث پر ایک نظر۔ مثنیٰ ابن الصباح کی روایت باطل ہے۔	۱۱۰۴	اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ابن القاسم کی روایت۔ تحریم بیع اصنام جملہ آلات شرک کی حرمت۔
۱۱۱۳	حضرت علی سے مروی اثر پر جرح افسد القیاس۔	۱۱۰۵	
۱۱۱۴		۱۱۰۶	
		۱۱۰۷	



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	تحریم معارضہ نسل کشی حیوانات	۱۱۱۵	سراسر باطل و معویے -
۱۱۲۷	ابوالو تا بن عقیل کا قول -		تحریم اجرت زانیہ
۱۱۲۸	تحریم کے اسباب و علل -		آزاد عورت اگر زنا پر مجبور کی جائے
۱۱۲۹	بطور عطیہ و تحفہ کچھ دینا جائز ہے -		تو کیا مہر واجب ہو گا؟
	زائد از ضرورت پانی کی فروخت		باندی کے بارے میں حکم -
	حرام ہے -		زانیہ مہر کی مقدار نہیں -
	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۱۱۷	آزاد عورت اور باندی کے مسئلہ
	کا ارشاد -		میں فقہاء کا اختلاف -
۱۱۳۰	حضرت جابر کی حدیث -	۱۱۱۸	لواطت سے مہر واجب نہیں ہوتا
	پانی عباد اور بہائم کے مابین		حرمت کسب کنیز و زانیہ
۱۱۳۱	مشترک ہے -		کیا توبہ کے بعد زانیہ اپنے کسب کی
	کنوئیں کا مالک بھی پانی فروخت	۱۱۲۰	آمدنی خرچ کر سکتی ہے؟
	نہیں کر سکتا -		مسئلہ مہر کنیز زانیہ -
	زائد از ضرورت پانی کا بے معاوضہ	۱۱۲۲	زانی کو اس کا مال واپس نہیں مل سکتا -
۱۱۳۲	استعمال -		تحریم اجرت کا ہن و منجم
	امام احمد کی دو روایتیں -	۱۱۳۳	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام عابہ
	کنواں ملکیت ہے، پانی نہیں	۱۱۳۴	رمال وغیرہ کی اجرت بھی حرام ہے
۱۱۳۳	حضرت انزمؒ کی روایت -	۱۱۳۵	پیش گوئیاں کرنے والے لوگ -
	امام احمد سے ایک سوال اور	۱۱۳۶	احکام و قیاسیات کا استخراج
			تعبیر کی اجرت جائز ہے -
			نہیند

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۱۴۲	عقود میں اعتبار خفائق کا ہونا ہے نہ کہ الفاظ کا۔	۱۱۳۲	اس کا جواب غیر مسکونہ مکان میں پانی کے لیے بلا اجازت داخل جائز ہے۔
۱۱۴۳	بیع تجارت جائز ہے۔ بیع کی مختلف قسمیں اور ان کے احکام	۱۱۳۵	کنواں اور چشمہ فروخت کیا جا سکتا ہے۔
	بیع حصہ، بیع غرر، بیع ملامت، بیع منابذہ وغیرہ۔		یہودی پر احکام اسلام کیوں منطبق نہیں ہوئے۔
	حضرت ابو ہریرہ کی حدیث۔	۱۱۳۶	آب جاری کسی کی ملکیت نہیں
	بیع ملامت کی ممانعت۔	۱۱۳۷	مغنی کا ایک غیر صحیح مسئلہ
۱۱۴۴	بیع منابذت		جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع کی ممانعت
	بیع حصہ کی ممانعت۔		رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام۔
	بیع غرر کی ممانعت۔		ابن عمر کی حدیث۔
	بیع جبل الجبلہ کی ممانعت۔		یہ جوئے سے مشابہہ صورت ہے
۱۱۴۵	بیع ملا قح و مضامین کی ممانعت	۱۱۳۹	بیع معدوم کی ممانعت۔
	بیع مجر کی ممانعت۔		معدوم پھلوں کی بیع۔
	مغیبات ارض داخل غرر نہیں ہیں۔	۱۱۴۰	بیع سلم اور بیع سلف
	معمولی غرر جائز ہے۔		ایک حدیث کا تعلق بیع سلم سے ہے؟
۱۱۴۶	مشک نافہ کی بیع، بیع غرر نہیں ہے۔	۱۱۴۱	مبیع غائب کے سلسلہ میں چند اقوال۔
	مختلفین اور متفقین کے دلائل مدت معلومہ کے لیے تھن کے		:

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۱۴۹	جانور کے تھن کا دودھ اور اس کی بیع -	۱۱۴۷	دودھ کا اجارہ -
۱۱۵۰	وہ منہیات بیع جو ثابت ہیں جانور کی پیٹھ پر اون کی بیع -	۱۱۴۸	دودھ کی بیع، بیع غرہ نہیں ہے۔ جنین اور تھن کا دودھ فروخت کرنے کی ممانعت

## زاد المعاد

# حصہ سویم کے مباحث و مسائل

یہ زاد المعاد کا تیسرا حصہ ہے۔

پہلے دونوں حصوں سے یہ حصہ، اپنے علمی و تحقیقی مباحث، مسائل فقہیہ، واقعات تاریخی اور بیان و کلام کے اعتبار سے کسی طرح کم نہیں ہے، بلکہ بعض اعتبارات سے زیادہ ہے اس حصہ کا اگر ہم تجزیہ کریں اور اس کے مباحث و مسائل کو سمیٹنے کی کوشش کریں تو انہیں ہم چار انواع میں منقسم کر سکتے ہیں:

### (۱) غزوات

اس حصہ میں غزوات کا ذکر زیادہ نہیں ہے، اس لیے نہیں ہے کہ گزشتہ حصے میں ان کی تفصیل آچکی ہے، لیکن غزوہ تبوک اور اس کے متعلقات اور متضمن فوائد و مسائل کا ذکر ضروری تفصیل، اور جامعیت کے ساتھ موجود ہے، اور اس میں پوری یکتائی کے ساتھ وہ ساتھ نطق و فکر موجود ہے جو علامہ ابن قیم کا خاص حصہ ہے۔

یہ بحث نہ صرف عام قارئین کے لیے بلکہ عالم و فاضل اصحاب فکر و مطالعہ کے لیے بھی حد درجہ مفید اور نافع ہے۔



## (۲) وفود عرب

اس حصہ میں تفصیل کے ساتھ ان وفود کا ذکر ہے، جو مختلف قبائل کی نمائندگی کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ عیسائی بھی تھے اور شرک بھی۔ ہر طرح کے لوگ تھے۔ ان کی پذیرائی آپ نے کس طرح فرمائی؟ ان کے ساتھ کس حسن سلوک سے پیش آئے؟ خود یہ کس طرح کے تاثرات لے کر واپس گئے؟ ان کے دل کا دروازہ اسلام کے لیے بند رہا یا کھل گیا؟ یہ باتیں آپ کو، ضروری تفصیل اور انتہائی جامعیت کے ساتھ اس حصہ میں ملیں گی اور کوئی شبہ نہیں ہر جہت سے روح پرور اور ایمان افروز ثابت ہوں گی۔

یہ ایک تاریخ بھی ہے، ایک سبق بھی، اور ایک مطالعہ بھی۔

## (۳) مکاتیب نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک اور سلاطین کو اسلام کی دعوت بھی دی، اور اس سلسلہ میں، ان کی مکاتیب کے ذریعہ عزت افزائی بھی فرمائی۔

یہ مکاتیب نبویؐ جہاں اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں وہاں ان میں وہ گیرائی اور کشش بھی ہے، جو نبی اُمّیؐ کی صداقت پر دال ہے۔ ان مکاتیب میں جو بے حد مختصر ہیں، صدق و راستی کی ایک دنیا موجود ہے، ان چند الفاظ میں وہ کشش ہے جو ایک پورے دفتر میں بھی نہیں مل سکتی۔

ان خطوط کی تاریخی حیثیت بھی بہت زیادہ ہے۔

ایک مؤرخ اگر اسلام کی تاریخ لکھتا ہے یا داعی اسلام علیہ التحیۃ والسلام کے احوال سوانح پر قلم اٹھاتا ہے۔ یا ظہور اسلام کے وقت جو ملوک و سلاطین ریگ زار عرب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھنے والے موجود تھے۔ تو وہ کسی حالت میں بھی ان مکاتیب سے استفادہ کیے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے اسے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آج سے ۱۴ سو برس پہلے کا انداز فکر و نظر کیا تھا؟ روح کی تشنگی اور قلب کی بیداری کا کیا عالم تھا؟ کفر کی سیاہی اور شرک کی ظلمت کی کیفیت کیا تھی؟ اور اسلام

جو وقت کا ایک بہت بڑا انقلاب تھا، کیا پیام لے کر آیا تھا؟ اس پیام کے مضمرات کیا تھے؟ اس پیام کے جو اثرات و نتائج مرتب ہوں ان کی نوعیت کیا تھی؟ سیرت کے ہر طالب علم کے لیے، یہ مکاتیب ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہیں۔

مجھے اُمید ہے ان کا مطالعہ عامی و عالم سب کے لیے یکساں سودمند ثابت ہوگا۔

#### (۴) طب نبویؐ

پیش نظر کتاب کا بہت بڑا حصہ طب نبویؐ پر مشتمل ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے اس ساری کتاب میں، اس کتاب کے چاروں حصوں میں، کسی بحث کے لیے اتنے زیادہ صفحات وقف نہیں کیے ہیں، جتنے طب نبویؐ پر، اپنی طرف سے انھوں نے کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جسے تشنہ بحث رہنے دیا ہو۔

یہ طب نبویؐ جسے اس کتاب میں مصنف علامؒ نے بہت زیادہ بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے تین حصوں پر مشتمل ہے۔

ایک حصہ تو وہ ہے جو امراض و علاج کے سلسلہ میں ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہے، یعنی وہ دعائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف امراض کے علاج و تدارک کے سلسلہ میں مروی ہیں اور کوئی شبہ نہیں اگر اعتقاد رنگ ریب و شک سے پاک ہو تو یہ دعائیں تیرہ ہدف ثابت ہو سکتی ہیں، اور ان کے کامیاب اثرات فوراً اور بہ طرۃ العین دیکھے جاسکتے ہیں۔ رسولؐ کی بتائی ہوئی دعا نہ بے اثر رہ سکتی ہے۔ نہ رائگاں جاسکتی ہے اور دوسرا حصہ وہ ہے، جو مختلف امراض کے سلسلہ میں دواؤں، اور جڑی بوٹیوں پر مشتمل ہے۔

اس حصہ کی صحت و استناد زیر بحث لائی جاسکتی ہے۔ یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ دوائیں جن افراد کو بتائی گئیں ان کے لیے خاص تھیں۔ یا ہر فرد اور آنے والی تمام نسلوں کے لیے عام ہیں؟ یہ بات بھی زیر بحث لائی جاسکتی ہے کہ یہ دوائیں اور جڑی بوٹیاں امراض کی مخصوص نوعیت کے ساتھ اپنی افادیت اور تریاقیت کے لحاظ سے

وابستہ ہیں۔ یا بغیر کسی رد و کد کے اور بلا کسی امتیاز و تخصیص کے جملہ امراض میں نافع ہیں؟ لیکن ان باتوں سے قطع نظر کر کے بھی، یہ حصہ تحقیق و وقت نظر، اور زور و نگاہی کا جتنا جاگتا مرقع ہے، مصنف نے اس حصہ کی تکمیل میں جس محنت سے کام لیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر کتنی وسیع بھی، اور جس موضوع پر وہ قلم اٹھاتے تھے اس پر کتنی زیادہ تحقیق و تدقیق کے بعد لب کشائی کرتے تھے۔

تیسرا حصہ وہ ہے جو علاج بالمفردات سے تعلق رکھتا ہے اور ان مفردات کے خواص و فوائد پر مشتمل ہے۔

اگرچہ یہ چیزیں طب نبویؐ کے ضمن میں بیان ہوئی ہیں، لیکن زیادہ تر یہ مصنف علام کی طبی معلومات، اور تحقیقات کا نتیجہ ہیں۔

کوئی شبہ نہیں، مفردات کے افعال و خواص، ان کے نفع و ضرر، ان کی کمیت و کیفیت ان کے اثرات و فوائد اور ان کی تفصیل و تفتیح پر مصنف علام نے بڑی سیر حاصل بحث کی ہے اور اس ضمن میں بہت سے ایسے اشارے کیے ہیں جو آج کی طب اور سائنس کی دنیا میں بھی مسلمات کا درجہ رکھتے ہیں، جن کی طرف میں نے حواشی میں کہیں کہیں اشارہ بھی کر دیا ہے۔

اس بحث پر اتنی سیر حاصل اور مکمل و مفصل گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کو فن طب سے کتنی گہری دلچسپی تھی، وہ اگر عالم یگانہ کے بجائے طبیب فرزانہ کی حیثیت سے منظر عام پر نمودار ہوئے ہوتے تو بھی ان کی انفرادیت جملہ معاصرین پر بالارہتی، اور ان کا نام نامی ابد الابد تک زندہ رہتا۔

ایک خیال میرے دل میں یہ بھی آتا ہے کہ طب علامہ ابن قیمؒ کا موضوع خصوصی نہیں تھا لیکن چونکہ انہیں ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ شیفتگی تھی، اس لیے طب نبویؐ کو بھی انہوں نے عقیدت کی آنکھ سے دیکھا، اور یہی عقیدت انہیں طبی تفتیش کے میدان میں کھینچ لائی اور انہوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔



## (۵) مسائل و مباحث فقہیہ

دوسرے حصے کی طرح اس حصہ میں بھی علامہ ابن قیم، ایک فقہیہ یگانہ کی حیثیت سے نمودار ہوئے ہیں، یہ ان کی خصوصیت خاصہ ہے، بلکہ میں تو کہوں گا اس انفرادیت میں کوئی بھی ان کا شریک و سہیم نہیں۔

سیرت نبویؐ کا جو گوشہ بھی ان کے سامنے آجاتا ہے وہ دوسرے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ آپؐ کے قول و فعل اور امر و نہی سے فقہی نکات و مسائل ضرور پیدا کر لیتے ہیں اور کوئی شبہ نہیں ان کے یہ فقہی نکات اپنے اندر غیر معمولی وزن رکھتے ہیں۔ وہ جہاں ان کے تفقہ ذہانت، دقیقہ سنجی نکتہ آفرینی اور فہم و ادراک قانون پر دال ہیں وہاں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر آزادانہ اور بے لاگ طور پر وہ مسائل کا تجزیہ کرتے، ان کی تنقیح کرتے، اور ان کے مختلف گوشوں کو کھنگال کر ایک گچی تلی رائے پیش کرتے ہیں، جس کے بعض پہلوؤں سے اختلاف ہو، یہ دوسری بات ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فقہ اور اصول فقہ پر انہیں غیر معمولی بصیرت حاصل تھی۔ احادیث پر ان کا استدراک اور نقد و جراح دیکھنے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان کی تخلیق اس لیے ہوئی تھی کہ ساری زندگی تال المرسل کی ترانہ سنجی میں گزار دیں، وہ رایوں پر جرح کرتے ہیں۔ اسناد پر تنقید کرتے ہیں۔ آئمہ حدیث کی متاع فکر و نظر پر تبصرہ کرتے ہیں اور ایسے ایسے گوشے نظر کے سامنے لاتے ہیں کہ دل سے بے اختیار صدا اٹھتی ہے کہ بلاشبہ یہ شخص امیر المؤمنین فی الحدیث ہے لیکن جب ان کی عنان توجہ قوائد و مسائل و مباحث فقہیہ کی طرف مبذول ہوتی ہے تو ان کی تحقیق و تدقیق اور زور نقد و جرح، اور کمال وسعت نظر دیکھ کر ایسا اندازہ بخا ہے کہ یہ شخص امیر المؤمنین فی الفقہ بھی تھا۔

میں اس سے پہلے بھی یہ عرض کر چکا ہوں، اور اب بھی یہ عرض کرنے میں مجھے تامل نہیں کہ حدیث و فقہ میں جلالت شان کے حامل ہونے کے باوجود علامہ ابن قیم کی ہر رائے ہر مسئلہ میں قابل قبول نہیں ہے۔ اس پر جرح بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے اور ان کے نکالے ہوئے نتائج کو کبھی کبھی اور کہیں کہیں ناقابل



قبول بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور یہ بات امام بخاری سے لے کر دارقطنی تک اور امام مالک سے لے کر امام ابو یوسف تک کسی کے لیے نہیں کہی جاسکتی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بہ حیثیت مجموعی ان کا انداز تحقیق اور اسلوب فکر اپنے اندر ایسی ندرت اور انفرادیت رکھتا ہے کہ بے ساختہ اس کی عظمت کے سامنے سر جھک جاتا ہے اور کسی محقق کی بھی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

مجھے امید ہے یہ حصہ بھی اسی قدر اور توجہ کی نظر سے دیکھا جائے گا، جس طرح سے دو حصے دیکھے گئے تھے۔

(رئیس احمد جعفری)

یہ حصہ مشتمل ہے:

• غزوہ تبوک اور اس غزوہ سے متعلق تاریخ و سیرت کے اہم ترین مباحث و مسائل پر۔

• اس میں ان وفود عرب کی کیفیت مندرج ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

• ان مکاتیب نبویؐ کی تفصیل ہے جو مقوقس اور دوسرے ملک و سلاطین کو آپؐ نے بھیجے۔

• بنی کاذب سلیمہ کذاب کے وفد کا، اور آپؐ کے ارشاد کا ذکر بھی تفصیل اس حصہ میں موجود ہے۔

• طب نبویؐ کی پوری تفصیل، مع معالجات، ادویہ اور مفردات کے موجود ہے

————— علاوہ ازیں —————

• بہت سے فقہی فوائد و مسائل پر جامع و مانع بحث کی گئی ہے۔

# غزوہ تبوک

تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین غزوہ اور اس سے متعلقہ مباحث

یہ غزوہ ۹؍ رجب میں واقع ہوا۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس غزوہ کے موقع پر لوگ سخت تنگی اور فقر و فاقہ و قحط سالی میں مبتلا تھے۔ (اُنندہ موسم) کا پھل پک چکا تھا۔ لوگ اپنے پھلوں کے زیر سایہ آرام کرنا چاہتے تھے۔ اس حالت میں انھیں گھر سے باہر نکلنا نا پسند تھا۔

کم ہی ایسے غزوات ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر رازداری سے کام لیا ہوگا۔ جس قدر غزوہ تبوک میں تنگ حالی اور بعد مسافت کے باعث رازداری سے کام لیا۔

چنانچہ منافقین کی جماعت نے ایک دوسرے سے کہا، گمری میں کہاں جاتے ہو؟  
مت جاؤ۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ۔  
یعنی ان لوگوں نے کہا مت کوچ کرو گمری میں۔

خدا کی راہ میں حضرت عثمانؓ کا ایثار اور قربانی | بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیزی سے سفر کی تیاری شروع کر دی

اور لوگوں کو بھی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اور اہل ثروت و دولت کو اللہ کی راہ میں سوار یوں اور اخراجات کے لیے (صدقہ) کرنے کی ترغیب دی جس سے متاثر ہو کر اہل ثروت حضرات سواریاں اور سامان سفر لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان نے اس غزوہ میں بہت ہی زیادہ رقم پیش کی ان کے برابر کسی نے بھی مال خرچ نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ عثمانؓ نے اس موقع پر تین سو اونٹ، ان کے پالان، کجاوے اور اسلحہ پیش کیے۔ نیز ایک ہزار اشرفی پیش خدمت کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ باچشم تر حاضر ہوئے۔ ان کی تعداد سات تھی، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سامان اسلحہ جنگ کے متمنی تھے۔ آپؐ نے فرمایا، اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں، یہ واپس چلے گئے، شدتِ الم کے باعث ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، کہ ان کے پاس کچھ نہیں کہ جس کے ذریعہ وہ صدقہ کر کے شریک جہاد ہو سکیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) سالم بن عمیر (۲) علیم بن یزید (۳) ابویلیٰ ثمانی (۴) عمرو بن غتمہ (۵) سلمہ بن ضمر۔ (۶) عریاض بن ساریہ اور بعض روایات میں عبد اللہ بن مفضل اور معقل بن یسار کا نام آتا ہے۔

اللہ کا ایک بے مایہ بندہ اور اس کی چشم تر | حضرت علیؓ بن یزید کھڑے ہوئے انھوں نے تہجد کی نماز پڑھی اور

رونے لگے اور کہا:

اے اللہ تو نے جہاد کا حکم دیا ہے۔ اس کی ترغیب دی۔ مجھے اتنا مال اور ساز و سامان عطا نہ فرمایا جس کے بل پر میں تیرے رسولؐ کے ہمراہ زور و قوت حاصل کر سکتا۔ اور نہ تو نے اپنے رسولؐ کے ہاتھ میں کچھ دیا کہ وہ اس سلسلہ میں میری مدد فرماتے۔ لیکن میں بہر حال ہر مسلمان پر اپنے مظلمہ مال قوت، یا عزت کو صدقہ کرتا ہوں۔  
صبح ہوئی تو علیہ لوگوں کے ساتھ حاضر ہوئے۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

آج رات کا صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ گمہ کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا:

کہاں ہے وہ صدقہ کرنے والا؟ وہ کھڑا ہو جائے۔

علیہ کھڑے ہو گئے۔ اور تمام ماجرا عرض کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوش ہو جا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ بلاشبہ تیرا یہ صدقہ زکوٰۃ منقلبہ میں لکھا دیا گیا ہے۔

علیؑ اور محمدؐ؛ موسیٰ اور ہارونؑ کی مماثلت | عبداللہ بن ابی بن مسؤل، یہود و منافقین میں سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وادی

وداع میں تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کا لشکر دو لشکروں سے کم نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ انصاری کو مدینہ میں نائب مقرر فرمایا۔ ابن ہشام کہتے ہیں منصب ینابت سباع بن عرفطہ کو ملا تھا، لیکن پہلی روایت ثابت ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی پیچھے رہ گئے۔ ان کے علاوہ کچھ مسلمان بھی پیچھے رہ گئے لیکن ان کے ایمان اور عزم جہاد میں شک یا تذبذب نہ تھا ان میں سے کعب بن مالک۔ ہلال بن امیہ۔ مرثدہ بن ربیع۔ ابو خثیمہ سلمیٰ اور ابوذرؓ کے نام مروی ہیں۔ اس کے بعد ابو خثیمہؓ اور ابوذرؓ آپ سے جا ملے۔

اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تیس ہزار فوج تھی، جس میں دس ہزار سوار تھے۔ آپ بمیں دن یہاں اقامت پذیر رہے اور نماز قصر کر کے ادا کرتے رہے۔ اس وقت ہر قل حمص میں تھا، ابن اسحاق بتاتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؑ بن ابی طالب کو اپنے گھر پر بطور نگران مقرر فرمایا۔ منافقین نے انہیں عار دلانے اور بھڑکانے کی کوشش کی اور کہا:

آنحضرتؐ آپ کو نکما اور بے کار سمجھ کر یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ اب بھلا حضرت علیؑ میں تا ضبط کہاں تھی؟ اسلحہ زیب تن کیے اور نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ اس وقت مقام جرف میں اترے ہوئے تھے، حضرت علیؑ نے عرض کیا:

اے اللہ کے نبیؐ، منافقین کا خیال ہے کہ آپؐ نے مجھے نکما اور بے کار سمجھ کر مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔

آپؐ نے فرمایا، انھوں نے جھوٹ کہا، میں نے تو تمہیں ان کانگراں بنایا ہے جنہیں میں نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے، فوراً واپس جاؤ۔ میرے اور اپنے گھر کی نگہ رانی کرو۔ کیا تم مجھ سے اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرا تمہارا وہی تعلق ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام کا تھا؟ مگر خبردار میرے بعد کوئی (کسی قسم کا ظلی یا بروزی) نبی نہیں، چنانچہ وہ واپس مدینہ چلے گئے۔

**ابو خثیمہؓ، رسول خدا کا ایک فدائی** | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے رخصت ہوئے چند دن گزرے تھے کہ ابو خثیمہ اپنے گھر گئے۔ اس وقت

شدید گرمی پڑ رہی تھی، انھوں نے دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے اپنے خیموں میں ٹیٹوں پر پانی چھڑک رکھا تھا اور پانی بھی ٹھنڈا کر لیا تھا۔ کھانا بھی مزے کا پکایا تھا۔ یہ جب گھر میں داخل ہونے لگے اور دروازے پر کھڑے ہوئے تو اپنی بیویوں کو دیکھا اور جو کچھ انھوں نے ان کے لیے تیار کر رکھا تھا اس پر ایک نظر ڈالی اور کہنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دھوپ اور گرمی اور آندھی ہیں، اور ابو خثیمہ ٹھنڈی چھاؤں، لذیذ کھانے اور خوبصورت عورتوں میں؟ یہ انصاف نہیں ہے، پھر گویا ہوئے: خدا کی قسم میں تم میں سے کسی کے خیمے میں داخل نہ ہوں گا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاملوں گا۔ اس لیے میرے لیے راہ تیار کرو۔ انھوں نے (زاواہ) تیار کر دیا، پھر اونٹ کو اٹھایا۔ اس پر کجاوہ ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ آخر آپؐ سے تبوک میں جا ملے۔ حضرت ابو خثیمہؓ کی راستہ میں عمیر بن وہبؓ بھی سے ملاقات ہوئی وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں تھے۔ یہ دونوں رفیق سفر ہو گئے اور جب تبوک کے قریب پہنچے تو ابو خثیمہؓ نے عمیر بن وہبؓ سے کہا:

مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے قبل کہیں مجھ سے الگ نہ ہونا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

جب یہ دونوں تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل کے قریب پہنچے تو لوگ کہنے لگے دیکھنا کوئی سوار آرہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابو خثیمہؓ ہوگا۔

عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم یہ ابو خثیمہؓ ہی ہے۔

راستہ میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں دیارِ ثمود کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے فرمایا اس علاقے کا پانی بالکل نہ پینا اور نہ اس سے نماز کے لیے وضو کرنا۔ اور تم نے جو اس سے آٹا گوندھ لیا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دو۔ اور خود اس میں سے کچھ نہ کھانا۔ اور تم میں سے کوئی بھی اپنے رفیق کو ہمراہ لیے بغیر باہر نہ نکلے۔

نبی ساعدہ کے دو آدمیوں کے سوا تمام لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ دونوں تنہا نکلے۔ ایک اپنی کسی ضرورت کے باعث اور دوسرا اپنے اونٹ کی تلاش میں جو اپنی ضرورت سے نکلا تھا۔ اس نے خود کشتی کی کوشش کی اور جو اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا اسے ہوانے اڑا کر بنی طے کے ایک پہاڑ پر ڈال دیا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا:

کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے ہمراہی کے بغیر باہر نہ نکلے پھر آپؐ نے اسے طلب فرمایا جس نے خود کشتی کی کوشش کی تھی، وہ درست ہو گیا۔ اور دوسرے کو قبیلہ طے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد پیش کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ صحیح مسلم میں ابو حمیدؓ کی جو حدیث ہے کہ ہم چلے اور تبوک پہنچ گئے... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آج شب کو تم پر ایک سخت آندھی آئے گی۔ اس لیے تم میں سے کوئی کھڑا نہ ہو، جس کا اونٹ ہو وہ اسے رسی سے باندھ لے۔ چنانچہ شدید ترین آندھی آئی۔ ایک آدمی کھڑا ہوا، آندھی نے اُسے اٹھا کر طے کے پہاڑ پر ڈال دیا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ صبح ہوئی تو لوگوں کے منافقوں کی شراذیمزیاں اور شرارتیں پاس پانی نہ تھا۔ انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ



علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر شکایت کی۔ آپ نے دُعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ابر بھیجا۔ اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ سیراب ہو گئے اور حسبِ ضرورت پانی بھی جمع کر لیا۔ پھر آپ نے کوچ کا فرمان صادر کیا۔ آپ ایک مقام پر پہنچے تھے کہ آپ کی اونٹنی گم ہو گئی۔ زید بن ابی صلت بول اٹھا (یہ منافق تھا) کہ محمدؐ کا خیال ہے کہ وہ نبی ہیں، چنانچہ تمہیں آسمان کی خبریں بتاتے ہیں، حالانکہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں، کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی ایسی ایسی بات کہتا ہے۔ پھر آپ نے اس کی ایک ایک بات بتادی اور فرمایا، اللہ کی قسم میں صرف اسی قدر جانتا ہوں جو مجھے اللہ نے بتایا ہے۔ اس واقعہ کے متعلق بھی اللہ نے مجھے بتا دیا۔ اور اونٹنی فلاں فلاں وادی میں ہے۔ اور ایک درخت سے اس کی لگام الٹ گئی، اسی وجہ سے وہ رکی ہوئی ہے۔ پس جاؤ اور اسے یہاں میرے پاس لے آؤ اور اسی جگہ آپ نے ایک عورت کے باغ کے پھل کا دس دسق اندازہ لگایا۔

**حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں آنحضرتؐ کی پیش گوئی** | حضرت ابوذرؓ اپنے اونٹ کو جھڑک رہے

تھے۔ اس نے دیکر دی تو انھوں نے سامان اتار کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور پاپیادہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا پر چل پڑے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل پر اترے ہوئے تھے کہ کسی مسلمان کی ابوذرؓ پر نظر پڑی، اس نے عرض کیا:

یا رسول اللہؐ، کوئی آدمی راستہ پر تنہا چلا آ رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ ابوذرؓ ہو گا۔

جب لوگوں نے دیکھا اور پہچان لیا تو عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ، خدا کی قسم یہ تو واقعی ابوذرؓ ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ابوذرؓ پر رحم کرے۔ تنہا چلتا ہے تنہا مرے گا۔ اور تنہا ہی اٹھے گا۔ لیکن یہ نظری ہے۔



ابو حاتم بن حبان نے صحیح ابن حبان میں ابوذر کے قصہ وفات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے مجاہد سے انھوں نے ابراہیم بن اشتر سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے ام ذر سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔

جب ابوذرؓ کی وفات کا وقت آیا تو میں رو پڑی، وہ کہنے لگے کیوں روتی ہو؟

دبھیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) حضرت ابوذر غفاری مخصوص صفات و خصائل کے بزرگ تھے۔ ذات رسالت مآب سے والہانہ شغف رکھتے تھے اور اسی شغف کا یہ نتیجہ تھا کہ جو بات اسوۂ نبیؐ اور سنت رسول اللہ کے خلاف نظر آتی، برسرِ عام، نتائج سے بے پروا ہو کر ”نہی عن المنکر“ کے فرائض سرانجام دیتے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں ان کی سادگی، نرمی اور رفق و لہیت کے باعث موقع پرستوں اور طالع آزمائوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ عہد نبویؐ کی سذاجت، اور عہد شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی الہیت ختم ہو گئی، اور سرمایہ داری کا، زبرداری کا، امارت اور ثروت کا دور اُبھرنے لگا۔ جاگیریں بننے لگیں دولت کے انباء جمع ہونے لگے، سوسائٹی کے امیر و غریب، دو طبقوں میں بٹنے کی طرح پڑ گئی۔

یہ بات حضرت ابوذر کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟

وہ میدان میں اتر آئے، انھوں نے برسرِ عام قرآن کریم کی وہ وعیدیں سنانا شروع کیں جو سیم و زر جمع کرنے والوں کے لیے وارد ہوئی ہیں، انھوں نے چاہا کہ وہی دور پھر واپس آجائے کہ مال غنیمت سے لدے ہوئے اونٹوں کے قافلے آئیں اور سارے کے سارے عامہ مسلمین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ ان کی یہ سچی باتیں، بعض لوگوں کو کڑوی لگیں، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے پاس جب ان کی بہت زیادہ شکایتیں پہنچیں تو انھوں نے ابوذرؓ کو امیر معاویہؓ کے پاس شام، اندراہ ہمدانیؓ و تعلق خاطر بھیج دیا کہ یہ اس آشوب سے محفوظ رہیں جو تیزی سے اٹھ رہا تھا۔

امیر معاویہؓ کو حضرت عثمانؓ نے مدینہ میں دیکھا تھا، شام میں نہیں دیکھا۔ ابوذرؓ نے شام میں جا کر

میں نے جواب دیا کس طرح آنسو نہ بہاؤں، جب کہ تم ایک ویرانے میں فوت ہو رہے ہو اور میرے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں جو تمہارے کفن کے لئے کافی ہو سکے اور تمہیں دفن کرنے کی بھی مجھ میں ہمت نہیں۔

انھوں نے جواب دیا، خوش ہو جاؤ، اور روؤ نہیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی ایک جماعت کو مخاطب کر کے جس میں میں بھی تھا، فرماتے سنا ہے کہ تم میں سے ایک آدمی ویرانے میں فوت ہو گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے (جنازہ) میں شریک ہوگی۔ اور اس جماعت میں سے اس وقت کوئی آدمی بھی زندہ نہیں بلکہ تمام کے تمام فوت ہو چکے ہیں۔ اس لئے وہ (تنہا فوت ہونے

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) دیکھا کہ انھوں نے خلیفہ راشد کی زندگی ہی میں مسند امارت کو قیصر و کسری کا دربار بنا رکھا ہے، جو سرمایہ بیت المال میں جمع ہونا چاہیے یا عامہ مسلمین میں تقسیم ہونا چاہیے وہ ذاتی عیش و نعم پر خرچ ہو رہا ہے۔ قرآن و سنت کی عملداری کے بجائے، آئین خسروی اور دستور قیصری کا رہا ہے، تو ان کے منہ سے نکلے ہوئے بول برق و شر بن گئے۔ امیر معاویہؓ انہیں کسی طرح برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے سوچا اگر یہ چند دن بھی رہ گئے تو ان کی مسند امارت بوریہ فقر میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور انھوں نے ثروت و امارت کے جو قلعے بنانا شروع کیے ہیں وہ ڈھے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کو ایک زبردست شکایت نامہ بھیجا۔ ابھی عثمانؓ اور علیؓ زندہ تھے، لہذا وہ حجر بن عدی کی طرح انھیں قتل تو نہ کر سکے صرف شکایت نامہ پر اکتفا کیا اور لکھا کہ ابوذرؓ کے وجود سے شام کے امن و امان کو خطرہ ہے۔

حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ کی بات پر یقین کر لیا، انھیں بلایا، سرزنش کی اور جلاوطن کر دیا۔ حضرت علیؓ انھیں رخصت کر نے مدینہ سے باہر تک آئے کہ وہ امیر معاویہؓ کے اطوار اور ابوذرؓ کی طہیت کے رمز آشنا تھے۔ ابوذرؓ نے اسی ویران میں سکونت اختیار کرنی، اور یہیں انتقال کیا۔

والا، میں ہی ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے نہ غلط کہا اور نہ تکذیب کی۔ اس لیے راستہ کی طرف دیکھو۔

میں نے کہا، حجاج جا چکے ہیں۔ راستے خالی ہو چکے ہیں اب کون یہاں ہوگا؟ انھوں نے کہا، جاؤ اور جا کر دیکھو۔

(ام ذر) فرماتی ہیں کہ میں ٹیلے کی جانب جا کر دیکھتی اور پھر واپس آ کر تیمارداری کرتی۔ میں اور وہ اسی حالت میں تھے کہ کچھ لوگ سوار یوں پر نظر آئے۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے میری طرف آئے۔ اور قریب آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

اے اللہ کی بندی کیا معاملہ ہے؟

میں نے جواب دیا، ایک مسلمان فوت ہو رہا ہے کیا تم اُسے کفن دو گے؟

انھوں نے پوچھا وہ کون ہے؟

میں نے جواب دیا صحابی رسول ابو ذرؓ۔

کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست اور ساتھی؟

میں نے کہا، ہاں وہی۔

انھوں نے حضرت ابو ذرؓ کے متعلق ”ان پر ہمارے ماں باپ قربان“ جیسے الفاظ میں، (اظہار عقیدت کیا، پھر ان کی طرف بڑھے۔ جب (ابو ذر) کے پاس پہنچے تو (ابو ذر) نے فرمایا۔

خوش ہو جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جماعت کے بارے میں جس کا

حضرت ابو ذرؓ کی وصیت

ایک فرد میں بھی تھا۔

اسے مخاطب کر کے فرماتے ہوئے سنا کہ اس جماعت میں سے ایک آدمی ویرانے میں فوت ہوگا، اور مومنین کی ایک جماعت اس کے (جنازہ) میں شریک

ہوگی۔ اب اس جماعت کا ہر فرد کسی نہ کسی موقع پر فوت ہو چکا ہے، صرف میں زندہ ہوں، بخدا نہ میں نے غلط کہا اور نہ تکذیب کی اور اگر میرے یا میری بیوی کے پاس کفن کے لیے کوئی پکڑا ہوتا تو مجھے اس میں کفنایا جاتا۔ اس لیے میں اللہ کے نام پر تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو مجھے جو کفن میسر آئے وہ کسی امیر (حاکم) سردار قاصد یا نقیب کا ہو۔

اس جماعت میں ایک انصاری نوجوان کے سوا ہر آدمی ان میں سے کسی نہ کسی بات میں ملوث تھا۔

پس وہ نوجوان بولا:

اے چچا میں آپ کو اپنی اس چادر اور ان دو کپڑوں میں کفن دوں گا جو میری والدہ نے کاتے اور بنے تھے۔

انہوں نے فرمایا، ہاں، تم مجھے کفن دینا۔

چنانچہ انصاری نوجوان نے انہیں کفن پہنایا اور اسی جماعت نے جنازہ پڑھا، اور اسی مبارک جماعت نے انہیں دفن کیا۔

واقعہ تبوک کی طرف رجوع، دو منافقوں کی کہانی | ہم دوبارہ واقعہ تبوک کی طرف

لوٹتے ہیں، منافقین کا ایک گروہ جن میں ودیعہ بن ثابت بھی تھا جو بن عمرو بن عوف میں سے تھا۔

نیز بنی سلمہ کا ایک حلیف بھی تھا۔ جسے مخشن بن حمیر کہا جاتا تھا۔ یہ منافقین ایک دوسرے سے کہنے لگے:

کیا تم جلاد بن اصغر کو معرکہ آرائی میں ایسا سمجھتے ہو جیسے عرب کے بعض قبائل دوسرے قبائل کے مقابلہ میں لڑتے ہیں؟ خدا کی قسم ہم صبح مومنوں کو ڈرانے اور دھمکانے کا عہد پورا کرنے والے ہیں۔



عثن بن حمیر بولا، ”بخدا میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے ہر آدمی سو سو کو قتل کرے گا، اور تمہاری اس گفتگو کی طرح کل ہم پر قرآن نازل ہوگا“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر کو حکم دیا، اس (منافقین کی) جماعت سے ملو کیونکہ یہ لوگ بھسم ہو چکے، اور ان سے دریافت کرو کہ ابھی تم نے کیا کہا تھا؟ پس اگر انکار کریں تو کہنا تم نے تو یہ یہ کہا تھا۔

حضرت عمارؓ ان کی طرف گئے، اور ان سے یہی بات کہہ دی۔

یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معذرت خواہی کرتے ہوئے آئے ودیعیہ بن ثابت کہنے لگا۔ ہم تو محض ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق آیات نازل فرمائیں: وَلَسَنَ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ، پ، ۱۲ آخر،

یعنی ”اور اگر تو ان سے پوچھے تو وہ کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی“

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ وہاں پہنچنے سے قبل آپؐ نے فرمایا، کہ کل انشاء اللہ تبوک کا چشمہ (یا کنواں) آئے گا، لیکن خبردار چاشت ہونے سے پہلے وہاں مت جانا۔ اور اگر کوئی جائے تو وہ ذرا سا بھی پانی نہ استعمال کرے جب تک میں نہ پہنچ جاؤں۔

راوی کا بیان ہے کہ ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دو آدمی پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ اور اس چشمہ میں سے ذرا ذرا سا پانی ٹرک ٹرک کر بہہ رہا تھا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا، کیا تم نے اس میں سے کچھ پانی لیا ہے؟

وہ کہنے لگے، ہاں! آپؐ ان پر خفا ہوئے اور سخت سست کہا، پھر چشمہ سے تھوڑا تھوڑا چلو کے ذریعہ پانی لیا گیا۔ آخر کچھ پانی جمع ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس سے اپنا چہرہ انور اور دلتوں ہاتھ دھوئے اور اس (استعمال شدہ) پانی کو دوبارہ اس چشمہ میں ڈال دیا۔ دفعۃً کثرت کے ساتھ پانی (کافوارہ) بہنے لگا اور لوگوں نے خوب پانی پیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ زمانہ قریب ہے اے معاذ اور اگر تیری زندگی رہی تو تو خود بھی دیکھے گا، کہ اس پانی سے یہاں کے باغ شاداب ہوا کریں گے۔

---

# حاکم ایلہ سے صلح

غیر مسلموں سے آنحضرتؐ کا وادارہ اور فراخ دلانہ برتاؤ

جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے تو ایلہ کا حاکم حاضر ہوا اور آپؐ سے مصالحت کر لی۔ اور جزیہ دینے پر آمادگی اور تیاری کا اظہار کیا، اس موقع پر آپؐ کی خدمت والا میں اہل جہرب اور اذرح والے حاضر ہوئے۔ انھوں نے بھی جزیہ پیش کیا۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک تحریر لکھ دی جو ان کے پاس رہی۔  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امان نامہ | حاکم ایلہ کو آپؐ نے یہ مکتوب لکھ کر دیا  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یہ اللہ اور محمدؐ کی طرف سے جو نبی اور اللہ کے رسول ہیں، یحٰنہ بن رومیہ اور اہل ایلہ کے لیے امان نامہ ہے۔ اہل ایلہ کی کشتیاں اور سواریاں خواہ وہ خشکی میں ہوں یا سمندر میں، اللہ اور محمدؐ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم)

کی حفاظت اور ذمہ میں ہیں۔ اور اہل شام اہل یمین اور اہل سمندر میں سے جو لوگ بھی ان کے ساتھ ہوں گے (ان کے لیے بھی یہ امان نافذ ہے) البتہ ان میں سے اگر کسی نے کوئی شرارت کی تو اس کا مال اس کی جان کے عوض میں بچاؤ نہ کر سکے گا۔ اور جو بھی اسے حاصل کر لے گا، اُسی کا مال ہوگا اور جس گھاٹ پر یہ ذمی آتے ہیں، یا جس راہ پر چلتے ہیں، یا جس سمندر اور خشکی میں ان کی آمد ہے اس سے انھیں روکنا مسلمانوں کے لیے جائز نہ ہوگا۔



# عیسائی بادشاہ کیدردومہ

حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں گرفتاری  
اور دربار رسالت سے پروانہ رسانی

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو اکیدردومہ کی طرف روانہ کیا۔

اکیدر بن عبد اللہ، کندہ کا ایک آدمی تھا جو مذہباً عیسائی تھا اور اس قوم کا بادشاہ بن گیا تھا۔

خالدؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اُسے گائے کا شکار کرتے دیکھو گے۔

حضرت خالدؓ نکلے اور جب وہاں پہنچے جہاں سے اس کا قلعہ نظر آتا تھا۔ اس وقت چاندنی رات تھی ہر طرف چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ وہ (حاکم) اور اس کی بیوی قلعے کی چھت پر تھے۔ اچانک ایک گائے نے محل کے دروازے پر سینک رگڑنے شروع کیے۔

اس کی بیوی نے کہا، کیا تم نے کبھی ایسا منظر دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگا، نہیں، بخدا نہیں، وہ بولی بھلا اس گائے کو کون چھوڑ دے گا؟ اس نے کہا، کوئی نہیں (چھوڑے گا) یہ کہہ کر اتر اگھوڑے پر زین کسے کا حکم دیا، اس کے ہمراہ گھر کے چند افراد بھی سوار ہو کر چل نکلے، جن میں اس کا بھائی حسان بھی تھا۔ یہ لوگ سوار ہو کر اپنے شکار کے پیچھے نکلے، نکلے ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے انھیں پکڑ لیا۔ اور اس کے بھائی کو قتل کر دیا۔

بادشاہ کے بدن پر دیباچ (ایک ریشم کی قسم) کا لبادہ تھا جس پر زری کا کام تھا حضرت خالدؓ نے یہ لے لیا اور واپس ہونے سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس کے بعد خالدؓ بھی اکیدر کو لے کر بنی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اس کا خون معاف کر دیا اور اس نے جزیہ پر مصالحت کر لی۔ پھر آپؐ نے اسے رہا کر دیا۔ اور وہ واپس اپنے شہر میں چلا آیا۔

### ایک صحابی کی وفات کا واقعہ

امام مسلم کی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے محمد بن ابی اہیم بن حمرث تیمی نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں رات کو اٹھا اور اسی وقت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک میں شریک تھا۔ میں نے لشکر کے ایک جانب آگ کا شعلہ دیکھا۔ میں اُسے دیکھنے لگا، اچانک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ اور عمرؓ نظر آئے اور دیکھا کہ عبداللہ ذوالنجاہؓ مزنی فوت ہو گئے۔ اور ان کے لیے قبر کھودی گئی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں کھڑے ہیں۔ اور ابو بکرؓ اور عمرؓ انہیں (قبر) میں اتار رہے ہیں اور آپؐ فرما رہے ہیں کہ اپنے بھائی کو میرے قریب کر دو۔ ان دونوں نے انھیں (صحابی کو) آپؐ کے قریب کر دیا۔

لے کیا اس رواداری کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کر سکتی ہے۔

آپ نے فرمایا: اے اللہ میں اس سے راضی ہوں، تو مجھی اس سے راضی ہو جا۔  
راوی کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کہا کرتے تھے، کاش وہ صاحبِ قبریں ہی ہوتا۔

عذر کی بنا پر شرکت جہاد سے محرومی | غزوہ تبوک سے واپسی پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جہاں چلے اور جو وادی بھی تم نے طے کی، وہ دل سے تمہارے ہمراہ تھے۔

(صحابہؓ نے عرض کیا، ”اے اللہ کے رسول، حالانکہ یہ لوگ مدینہ میں ہیں“  
آپ نے فرمایا، ہاں! انھیں (شرعی) عذر نے روک رکھا تھا۔

# آن حضرت ﷺ کا ایک اثر انگیز خطبہ

انسانی سیرت و کردار کی تشکیل کا معیار اور اس کی حقیقت راسخہ

انسان کس طرح بنتا اور بگڑتا ہے | دلائل بہیقی اور حاکم میں حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک کے لیے نکلے۔ ایک شب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مصروف خواب استراحت ہو گئے۔ جب نیند سے بیدار ہوئے تو سورج ایک نیزے کے بقدر طلوع ہو چکا تھا۔

آپ نے فرمایا، اے بلالؓ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ ہمیں فجر کے وقت بیدار کر دینا؟ انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول مجھے نیند نے بے بس کر دیا جس طرح آپ کے ساتھ ماجرا گزرا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے ہٹ کر تھوڑی دور آگے جا کر اترے اور نماز ادا کی۔ پھر باقی دن رات چلتے رہے۔ اور تبوک میں صبح ہوئی۔ وہاں

۱۔ بشری کیفیتوں سے نبی اور غیر نبی کوئی مستثنیٰ نہیں۔



آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا :

اما بعد :

سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے ، اور مستحکم و قابل اعتماد چیز ، کلمہ تقویٰ ہے اور تمام ملتوں سے بہترین ملت ملتِ ابراہیم علیہ السلام ہے اور تمام سنن سے بہترین سنت سنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور سب سے عظمت والی بات اللہ کا ذکر ہے ۔ اور سب سے احسن قصہ یہ قرآن ہے ، اور سب سے بہتر کام استقلال والا ہے اور سب سے بدتر کام بدعات ہیں ۔ اور سب سے بہتر راہ انبیاء علیہم السلام کی راہ ہے ، اور سب سے بہتر موت شہداء کے قتل (کی صورت میں موت) ہے اور اندھوں کا اندھا وہ ہے جو ہدایت کے بعد گمراہ ہو جائے اور بہترین اعمال میں سے وہ عمل ہے جو نفع دے ، اور بہترین ہدی (طریقہ) وہ ہے جس کا اتباع کیا جائے اور بدترین نابینائی دل کا کور ہونا ہے ، اور اونچا ہاتھ (دینے والا) نیچے ہاتھ (لینے والا) سے بہتر ہے ۔ اور جو تھوڑا اور کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ اور (نیکی سے) روکنے والا یا غافل بنانے والا ہو ۔ اور سب سے بدترین معذرت (توہر) وہ ہے جو موت کے وقت کی ہو ۔ اور بدترین ندامت قیامت کی ندامت ہے ۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو جمعہ میں بہت دیر سے آتے ہیں ۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو اللہ کو اعراض کناں یاد کرتے ہیں اور جھوٹے کی زبان تمام خطاؤں سے بڑی خطا ہے ۔ اور بہترین بے نیازی قلب کی بے نیازی ہے اور بہترین توشہ تقویٰ ہے اور دانائی کی جڑ اللہ عزوجل کا ڈر ہے ۔ اور سب سے زیادہ باعظمت بات قلب میں یقین و ایمان کا ہونا ہے اور شک کرنا از قبیل کفر ہے اور واویلا کرنا (بین کرنا) جاہلیت (کفر) کے کاموں میں سے ہے ۔ اور غل کرنا (غبن کرنا) حرارتِ دوزخ میں سے ہے اور زٹہ آگ کا داغ

ہے، اور شراب بلیس کی طرنگی ہے۔ اور شراب گناہوں کو جمع کرنے کا سبب ہے، اور بدترین خوراک یتیم کا مال ہے۔ اور نیک بخت وہ ہے جسے نصیحت کیے بغیر نصیحت ہو جائے اور بد بخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے ہی بد بخت پیدا ہوا ہو۔ اور تم میں سے ایک آدمی چار گز جگہ (قبر) کی جانب میں جائے گا۔ اور اصل معاملہ ہے۔ اور اعمال کا معاملہ انجام کے ساتھ ہے۔ بدترین خواب جھوٹا خواب ہے۔ اور جو آنے والا ہے وہ قریب ہے، اور مومن کو گالی دینا فسق ہے، اسے قتل کرنا کفر ہے۔ اور اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) اللہ کی نافرمانی ہے اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے اور جو اللہ کی جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔ اور جو (دوسروں کو) بخش دیتا ہے اللہ بھی اسے بخش دیتا ہے، اور جو معاف کرتا ہے، اللہ بھی اسے معاف کر دیتا ہے اور جو غصہ پی جاتا ہے، اللہ اسے اجڑ دیتا ہے اور جو تکلیف پر صبر کرتا ہے اللہ اسے صبر دیتا ہے۔ اور جو کسی (کا بھید) سننے کے لیے کان لگاتا ہے، اللہ بھی اس کے لیے کان لگا دیتا ہے۔ اور جو صبر کرے گا اسے اللہ دو گنا اجر دے گا اور جو اللہ کی نافرمانی کرے گا، اللہ اسے عذاب دے گا۔ پھر آپ نے تین بار مغفرت چاہی (استغفار کیا)۔

**غزوہ تبوک کے دوران میں جمع بین الصلاتین** | ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ہمیں جمع بین الصلاتین سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے دوران میں زوال آفتاب سے قبل کوچ کیا۔ آپ ظہر کی نماز مؤخر کر دیتے حتیٰ

یزید بن ابی حبیب سے انھیں ابی طفیل سے انھیں عامر بن واثلہ سے انھیں معاذ بن جبل سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے دوران میں زوال آفتاب سے قبل کوچ کیا۔ آپ ظہر کی نماز مؤخر کر دیتے حتیٰ

کہ اُسے عصر کے ساتھ جمع کر کے (دونوں نمازیں) ایک ساتھ ہی ادا فرماتے اور جب مغرب سے قبل دن کے آخری حصہ میں سفر کرتے، تو مغرب کو موخر کر کے عشاء کے ساتھ ادا کرتے اور جب کبھی مغرب کے بعد سفر کرتے تو عشاء کی نماز مقدم کر لیتے۔ اور اسے مغرب کے ساتھ ادا کرتے۔ اور ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھتے اور بتایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ (آخری) حدیث منکر ہے۔

---

۱۔ ظہر کو موخر کر کے عصر اور مغرب کو موخر کر کے عشاء پڑھنا (سفر میں) یا سخت ضرورت کے وقت (حنفیوں کا مسلک ہے ظہر کے ساتھ عصر، اور مغرب کے ساتھ عشاء پڑھنا، دوسرے مذاہب فقہ کا مسلک ہے۔

# منافقین کی جانب سے آپ کی جان لینے کی کوششیں تمام

رحمت للعالمین نے ان منافقوں کے نام خطا ہر نہیں ہونے دیئے

صاحب السراۃ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ | مغازی ابو داؤد میں حضرت عروہؓ سے مروی ہے انھوں نے بتایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ کی طرف واپس تشریف لائے۔ آپ راستہ میں تھے کہ کچھ منافقین نے آپ کو دھوکہ دے کر ضرر پہنچانا چاہا۔ چنانچہ انھوں نے مشورہ کیا کہ آپ کو راستہ میں ایک پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے۔

جب قافلہ نبوی چوٹی پر پہنچا تو منافقین نے بھی چاہا کہ آپ کے ساتھ ساتھ چلیں۔ اب رات ہو چلی تھی اور تاریکی بڑھ چکی تھی۔ آپ نے فرمایا، تم میں سے جو چاہے کہ وادی کے درمیان سے جائے تو کوئی حرج نہیں وہ تمہارے لیے کافی ہوگی۔ یہ کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی کا راستہ اختیار فرمایا اور چند لوگوں کے سوا باقی (صحابہؓ) وادی میں سے گزرنے لگے۔

منافقین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملکر کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ جب انہوں نے سنا تو یہ تیار ہو گئے اور نقاب ڈال کر ایک انتہائی شدید ترین خباثت کیلئے تیار ہو گئے



نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت خذیفہ رضی بن یانی اور عمارؓ بن یاسر تھے۔ آپؐ نے حضرت عمارؓ کو اونٹنی کی نیکیں پکڑنے کا حکم دیا۔ اور حضرت خذیفہؓ کو پیچھے سے اونٹنی ہانکنے کے لیے فرمایا۔ یہ قافلہ مبارک تھا کہ اس کے پیچھے سے ایک گروہ کے اچانک حملہ کرنے کی آواز آئی۔ اور اتنے میں انہوں نے آپؐ کو گھیر لیا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور حضرت خذیفہؓ کو حکم دیا کہ انہیں ہٹا دیں جب حضرت خذیفہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی دیکھی تو واپس ہوئے ان کے پاس ایک محسن اچھا سا تھا۔ انہوں نے ان (منافقین) کی طرف منہ کر لیا اور ان کی سواریوں پر اس سے ضربیں لگائیں۔ جس گروہ کو نقاب اوڑھے دیکھا، تو اسے محض مسافروں کی ایک عادت ہی سمجھا۔

جب حضرت خذیفہؓ نے انہیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے (منافقین) کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ سمجھے، کہ ان کے لکڑ کا اظہار ہو گیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے بہٹ کر لوگوں میں خلط ملط ہو گئے۔ پھر حضرت خذیفہؓ آگے بڑھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ جب یہ آپؐ کے پاس پہنچے تو ارشاد ہوا، اے خذیفہ تم سواری کو ہٹاؤ، اور اے عمارؓ تم چلتے رہو۔ چنانچہ تیزی کے ساتھ یہ چھوٹا سا قافلہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ نے حضرت خذیفہؓ سے فرمایا، تم اس جماعت یا سواریوں سے کسی کو جانتے ہو؟

حضرت خذیفہؓ نے عرض کیا کہ میں فلاں فلاں کی سواری جانتا ہوں۔ اور عرض کیا چونکہ رات اندھیری تھی اور وہ اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نیز انہوں نے نقاب اوڑھے رکھے تھے اس لیے زیادہ نہیں پہچان سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ اس قافلے کا کیا قصہ ہے اور ان کا کیا خیال تھا؟

انھوں نے عرض کیا: نہیں! اے اللہ کے رسول، واللہ میں نہیں جانتا۔  
 آپؐ نے فرمایا، انھوں نے میرے ساتھ چلنے کے لیے مکہ سے کام لیا تاکہ جب میں  
 چوٹی کے اوپر چڑھوں تو مجھے وہاں سے گرا دیں۔  
 حذیفہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ آپؐ نے حکم کیوں نہ دیا کہ ہم ان کی  
 گردن مار دیتے؟

آپؐ نے فرمایا، میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ چرچا کریں کہ محمدؐ نے اپنے  
 ساتھیوں پر ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ پھر آپؐ نے ان تمام (منافقین) کے نام  
 اپنے ان دونوں (ہم سفر) صحابہ کو بتا دیے۔ اور فرمایا کہ یہ بات پوشیدہ رکھنا۔  
 اس سیاق بحث میں ابن اسحقؒ نے کہا ہے کہ اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ  
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کو ان منافقین کے نام بتائے اور ان کے  
 علاوہ کسی کو مطلع نہیں فرمایا۔ اسی وجہ سے حضرت حذیفہؓ کو صاحب السر (رازداں)  
 کہا جاتا ہے، جس شرف سے حضرت عمرؓ یا دوسرے صحابہؓ مشرف نہ تھے۔ اور ان  
 میں سے کوئی بھی ان (منافقین) کے ناموں سے آگاہ نہ تھا، چنانچہ جب کوئی آدمی فوت  
 ہو جاتا تو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے۔ دیکھو اگر حذیفہؓ نے اسی کا جنازہ پڑھا ہے تو ٹھیک،  
 ورنہ یہ ان منافقین میں سے ہے۔

# مسجد ضرار

## منافقوں کی تعمیر کردہ مسجد کو ڈھا دینے کا فرمان نبویؐ

وحی کے ذریعہ آنحضرتؐ کو اطلاع یہی وہ مسجد ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اس میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گروا دیا۔ (یہ واقعہ اس طرح ہے) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک تشریف لے گئے اور ذی اداتے میں سے اترے۔ اس مقام اور مدینہ کے درمیان ایک ساعت کا فاصلہ ہے۔ اس وقت مسجد ضرار کے بنانے والے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ تبوک جلنے کی تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ ہم نے بیمار، ضرورت مند اور دوسرے معذور لوگوں کے لیے نماز پڑھ دیں۔

آپؐ نے فرمایا، اس وقت میں سفر پر ہوں، اور اسی کام میں مشغول ہوں اور اگر ہم واپس آئے تو انشاء اللہ ہم یہاں تمہارے پاس آئیں گے، اور تمہاری خاطر اس میں نماز بھی پڑھیں گے۔

چنانچہ آپؐ جب ذی اداتے میں اترے تو اس مسجد کے متعلق اللہ نے وحی بھیجی۔ چنانچہ آپؐ نے مالک بن وحشم جو بنی سلمہ بن عوف کے بھائی تھے۔ نیز حصن بن عدی عجلانی کو بلایا اور فرمایا، کہ تم دونوں اس مسجد کی طرف جاؤ

جس کے بنانے والے ظالم (گمراہ) ہیں، اسے گمراہ اور اس کو جلا دو۔ چنانچہ وہ مسجد بنانے والے، منتشر ہو گئے۔ ان کے متعلق آیت نازل ہوئی؛

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْصِيلًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ ۚ يَتَّبِعُونَ الْأَمْرَ الْغَلِيظَ ۚ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْصِيلًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ ۚ يَتَّبِعُونَ الْأَمْرَ الْغَلِيظَ ۚ

یعنی ”اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں“ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اسے بنایا۔ یہ بارہ آدمی تھے۔ ثعلبہ بن حاطب بھی انہیں میں سے تھا۔

عثمان بن سعید دارمی فرماتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن صالح نے بتایا۔ انہیں معاویہ بن صالح سے انہیں علی بن ابی طلحہ سے انہیں ابن عباسؓ سے۔ اس آیت کے متعلق روایت پہنچی کہ یہ کچھ انصاری تھے، جنہوں نے اس مسجد کو تعمیر کیا تھا۔ ان سے ابو عامر نے کہا۔ اپنی (الگ) مسجد بناؤ اور قوت اور ہتھیاروں سے اپنی طاقت میں اضافہ کر لو۔ کیونکہ میں قیصر شاہ روم کے پاس جا رہا ہوں۔ وہاں سے رومی لشکر لے آؤں گا۔ پھر میں محمدؐ اور ان کے اصحابؓ کو نکال دوں گا۔ جب یہ (منافقین) تعمیر مسجد سے فارغ ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے مسجد بنائی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپؐ اس میں نماز پڑھیں۔ اور برکت کی دعا فرمائیں۔ اس پر اللہ عز و جل نے حکم نازل فرمایا۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ مَسْجِدًا أُسَسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ ۚ أَحَقُّ أَنْ تَقُمْ فِيهِ سَبْعِينَ نَجْمًا ۚ

تقوٰم فیہ سے لے کر فافانہا سبہ فی ناسر جہنم۔

یعنی تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد دھری گئی۔ پر ہیزگاری پر اقل ہی دن سے وہ اس لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اس میں سے لے کر پھر اس کو لے کر ڈھے پڑا دوزخ میں“



# کعب بن مالک اور ان کے رفقاء کا معاملہ

آنحضرت ﷺ کی طرف سے مقاطعہ کا حکم اور اس کے اثرات و نتائج

آں حضرت کی مدینہ میں واپسی | پھر جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ استقبال کے لیے حاضر ہوئے عورتیں اور بچے بھی باہر نکل آئے۔ بچوں کی زبان پر اشعار تھے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

ہم پر چاند طلوع ہوا ہے وداع کی گھاٹیوں سے

وجب الشکر علینا ما دعا اللہ داعی

ہم پر شکر کرنا واجب ہو گیا جب تک بلائے کوئی بلائے والا

بعض راویوں کا خیال ہے کہ یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے جب آپ مکہ سے

ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ وداع کی وادیاں

شام کی جانب ہیں، جنہیں مکہ سے مدینہ آنے والا نہیں دیکھتا اور نہ ادھر سے گذرتا

ہے۔ ہاں اگر وہ شام کو جانا چاہے، (تو ضرور راستہ میں پڑتی ہیں)

جب آپ کو مدینہ نظر آیا، تو آپ نے فرمایا، یہ کتنی خوشگوار جگہ ہے اور یہ احد ہے، جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر آپ کی شان میں ایک نعت پیش کی :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں داخلہ | جب آپ کا مدینہ منورہ میں داخلہ ہوا تو آپ نے مسجد میں دو رکعت

نماز ادا فرمائی پھر لوگوں کی طرف چہرہ انور کر کے بیٹھ گئے۔ چنانچہ پیچھے رہ جانے والے آئے۔ اور آپ کی خدمت میں معذرت کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ ان کی تعداد اسی سے کچھ اور پر تھی۔ آپ نے ان کی ظاہری معذرت قبول کر لی اور ان سے (از سر نو بیعت لی۔ اور ان کے لیے بخشش کی دعا فرمائی اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔

پھر کعب بن مالک حاضر ہوئے۔ جب انھوں نے سلام کیا آپ نے تبسم فرمایا جس سے برہمی جھلک رہی تھی پھر ان کو فرمایا، او۔

(کعبؓ) فرماتے ہیں کہ میں چلا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔

آپ نے سوال کیا تو پیچھے کیوں رہ گیا تھا؟ کیا تو نے سواری خریدی نہ تھی؟

میں نے عرض کیا، ہاں! اللہ کی قسم اس وقت میں اگر اہل دینا میں سے کسی کے پاس بیٹھا ہوتا تو آپ دیکھتے کہ میں معذرت کر کے اس کی خفگی دور کر دیتا۔ کیونکہ مجھے مباحثہ کا فن خوب آتا ہے۔ لیکن خدا کی قسم، میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر آج میں ایک جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لوں، تو یہ خطرہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض نہ ہو جائے۔ اور اگر میں سچ بولوں تو مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا۔ اللہ کی قسم، میرا کوئی عذر نہ تھا۔ اللہ کی قسم جب میں آپ سے (جہاد میں شرکت نہ کر کے) پیچھے رہا تو اس وقت مجھ سے زیادہ کوئی (ساتھ جانے سے) قوی اور صاحب سہولت نہ تھا (مجھے ہر طرح ہمراہی کی قوت تھی)۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے سچ کہا، بس اب جاؤ تا آنکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی فیصلہ کر دے۔

میں اٹھ گیا۔ بنی سلمہ کے کچھ لوگ میرے پیچھے آئے اور مجھ پر طعن و تشنیع کرنے لگے اور کہنے لگے۔

بخدا ہم نہیں جانتے کہ تم نے اس سے قبل کبھی گناہ کیا ہو۔ اور جس طرح دوسرے پیچھے رہنے والے معذرتیں پیش کرتے رہے، تم اس بات میں بھی رہ گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عذر ہی (بنا) کر پیش کر دیتے۔ اب تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے متعلق بخشش کی دعا فرمائیں گے تب ہی گناہ معاف ہوگا (حضرت کعبؓ) فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مجھے مسلسل زجر کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا تاکہ اپنے آپ کی تکذیب نہ دوں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا، کیا کسی اور نے بھی میری طرح کیا ہے؟ وہ کہنے لگے، ہاں دو آدمیوں نے کیا ہے جو تم نے کہا، اور انہیں بھی دربار نبوت سے ویسا ہی جواب ملا ہے جیسا تمہیں ملا ہے۔

میں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع عامری اور ہلال بن امیہ وامحفی۔

مجھے بتایا گیا کہ یہ دونوں نیک آدمی ہیں جو بدر کے غزوہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔ اور یہی (میرے لیے بھی بہتر) نمونہ ہیں۔ جب انھوں نے ان کا تذکرہ کیا تو میں (واپس جانے کی بجائے) اپنے گھر چلا گیا۔

مسلمانوں کو حکم کہ کعبؓ وغیرہ کا بائیکاٹ کر دیں | جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم سے

کلام کرنے سے منع فرمادیا۔ ان تینوں سے ہی جو کہ آپؐ سے پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ لوگ ہم سے الگ ہو گئے۔ اور ہم سے بگڑ گئے، حتیٰ کہ زمین میرے لیے اجنبی ہو گئی۔ اب یہ زمین وہ نہ تھی جسے میں جانتا تھا۔ ہم نے پچاس دن اسی حالت میں گزارے، میرے

دوسرے دونوں ساتھی تو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے اور روتے رہتے، اور میں ذرا توانا اور جوان سا تھا۔ اس لیے میں باہر آیا کرتا اور مسلمانوں کے ہمراہ نماز میں شریک ہوا کرتا۔ بازاروں میں پھرتا اور مجھ سے کوئی آدمی بھی بات نہ کرتا۔ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، ان پر سلام پیش کرتا۔ جب کہ نماز کے بعد اپنی مجلس میں آپ تشریف فرما ہوتے اور میں دل میں سوچتا کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے جواب کے لیے ہونٹ مبارک ہلاتے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا اور آپ کو کئی آنکھیوں سے دیکھتا رہتا، اور میں جب نماز کے لئے آتا تو آپ میری جانب نظر فرماتے اور جب میں دیکھتا تو مجھ سے اعراض فرما لیتے۔

**امتحان اور آزمائش کی گھڑیاں** | جب اہل اسلام کا اعراض حد سے طویل اور سخت تر ہو گیا، تو میں ابوقنادہ کی دیوار پر چڑھ گیا۔ یہ میرے چچا کے بیٹے تھے، اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا، اللہ کی قسم انھوں نے مجھے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے پوچھا، میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں؟

وہ خاموش رہے، میں نے پھر وہی بات دہرائی وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر وہی بات دہرائی تو وہ کہنے لگے، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ اس پر میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور میں واپس آ گیا۔

**ایک اور کڑی آزمائش، شاہ غسان کی طرف سے رشوت** | اس دوران میں کہ میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا اچانک شام کے قبطیوں میں سے ایک قبطی جو مدینہ میں غلہ لے کر



بیچنے کے لیے آیا تھا، کہہ رہا تھا کون ہے جو مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتائے؟ لوگ اسے اشارے سے بتانے لگے۔ جب وہ میرے پاس آیا، تو اس نے مجھے شاہِ غسان کا ایک خط دیا، اس میں لکھا تھا:

”ابا بعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے صاحبِ درِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ پر زیادتی کی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلت و رسوائی کے لئے پیدا نہیں کیا، اس لیے آؤ، ہم سے مل جاؤ، ہم تمہاری موافقت کریں گے۔“  
جب میں نے اسے پڑھا تو کہا، کہ یہ بھی ایک امتحان ہے۔ چنانچہ میں نے جلدی سے اسے تنور میں ڈال کر اسے (جلا) دیا۔

**آخری اور سخت ترین آزمائش** | آخر جب چالیس راتیں گزر گئیں تو رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد میرے

پاس آیا اور کہا:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جا۔ میں نے دریافت کیا، کیا اُسے طلاق دے دوں یا کچھ اور؟ انھوں نے کہا، نہیں، بلکہ صرف الگ ہو جا۔ اور ان کے قریب نہ جا۔ نیز اسی طرح میرے دوسرے دو ساتھیوں کو بھی ایسا ہی حکم بھیجا۔

میں نے اپنی بیوی سے کہا۔ اپنے اہل لے کر چلی جاؤ، اور ان کے پاس ٹھہری نہ ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں فیصلہ فرمادیں۔

ہلال بن امیہ کی بیوی حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ ہلال بن امیہ ایک بوڑھا ناتواں آدمی ہے۔ اس کے پاس کوئی خادم نہیں، کیا آپ اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں کہ میں اُس کی صرف خدمت ہی کر دیا کروں؟

آپ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں لیکن وہ تیرے قریب نہ آئے۔ اس (صحابیؓ) نے جواب دیا اللہ کی قسم، اس میں کوئی سکت ہی نہیں رہی، بلکہ جس دن سے یہ معاملہ ہوا ہے اُسی دن سے آج تک وہ بس روتا ہی رہتا ہے۔

حضرت کعب بن جریج فرماتے ہیں کہ میرے ایک عزیز نے کہا، کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن امیہ کی بیوی کو اجازت دے دی ہے تم بھی آپ سے اجازت لے لو تاکہ وہ تمہاری خدمت ہی کر لے۔

میں نے جواب دیا، اللہ کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کا سوال نہیں کروں گا، اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کا سوال کروں تو نہ جانے آپ کیا فرمائیں؟ میں ایک جوان آدمی ہوں۔  
دس مزید راتیں اسی حالت میں گزر گئیں۔

**آخر امتحان کی گھڑی گزر گئی** | اور جب ہمارے ساتھ مقاطعہ کلام سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پچاس راتیں مکمل ہو گئیں۔ اور پچاسویں رات کے بعد میں نے اپنے گھروں میں سے ایک گھر کی چھت پر نماز فجر ادا کی۔ میں اسی حالت میں بیٹھا تھا کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ مجھ پر تنگی جان آچکی تھی، اور اپنے کپے کی بنا پر زمین بھی تنگ ہو گئی تھی۔ میں نے ایک آواز دینے والے کی صدا پہاڑ کی چوٹی سے سنی۔

اے کعب بن مالک، خوش ہو جا۔

میں فوراً سجدے میں گر گیا کیونکہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ اللہ کی جانب سے آسانی آگئی۔

نماز فجر کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری توبہ قبول ہونے کے منطلق (صحابہؓ) کو خبر دے دی تھی۔ چنانچہ لوگ ہمیں خوشخبریاں دینے کے لیے آئے اور میرے دونوں ساتھیوں کی جانب بھی گئے۔ ایک آدمی گھوڑے پر میری طرف بھاگا اور بنی اسلم سے ایک آدمی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا۔ اس کی آواز گھوڑے والے سے جلد پہنچ گئی۔ اور جب بلند آہنگ خوشخبری دینے والا میرے پاس پہنچا تو میں نے اپنا لباس اتار کر اسے دے دیا۔ اللہ کی قسم میرے پاس اس کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا۔ چنانچہ میں نے دو کپڑے مستعار لیے اور انھیں پہنا اور جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

**خطا کار، دربار رسالت میں** | لوگ گروہ در گروہ میری توبہ قبولیت کی مبارک دیتے ہوئے ملے، اور کہنے لگے،

اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول کر لی، تجھے مبارک ہو۔

حضرت کعب بن لہی کہ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اور صحابہؓ آپ کے ارد گرد تھے۔ طلحہ بنی سہل عبید اللہ اٹھ کر دوڑے، مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکبادی۔ اللہ کی قسم مہاجرین میں سے ان کے سوا کوئی میری جانب نہ آیا اور میں طلحہؓ کی یہ محبت کبھی مبصول نہیں سکتا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ آپ کا چہرہ انور خوشی و فرحت سے چمک رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے۔ تب سے آج تک آج کے دن (ازحد) خوش ہو جا۔

کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول یہ (توبہ کی قبولیت) آپ کی جانب سے ہے۔ یا اللہ کی جانب سے؟ آپ نے فرمایا، نہیں، بلکہ اللہ کی جانب سے

جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تو آپ کا چہرہ انور روشن ہو جاتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے اور ہم اسی سے پہچان لیتے۔

**ایتبار اور فدویت کی مثال** | اس کے بعد جب میں آپ کے سامنے بیٹھا۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول، میں قبولیت

توبہ کی خوشی میں اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کچھ مال اپنے پاس بھی رکھ لو۔ وہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

میں نے عرض کیا کہ میں خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھتا ہوں اور باقی اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔



**دس خطا کاروں کا واقعہ** | حضرت عثمانؓ بن سعید دارمی نقل کرتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن صالح سے انہیں معاویہ بن صالح سے انہیں علی بن

ابی طلحہؓ سے انہیں ابن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق روایت ملی، آیت یہ ہے۔  
وآخرن اعترفوا بنوبہم خطوا عملا صالحا و آخر سیئا۔

انہوں نے بتایا، یہ دس آدمی تھے جو کہ غزوہ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ گئے اور پیچھے رہ گئے۔ جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات آدمیوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپسی پر مسجد میں ان کے قریب سے گزر رہے تھے تو دریافت فرمایا۔

یہ کون ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ رکھا ہے؟ عرض کیا گیا، ابوبابہؓ اور ان کے ساتھی جو کہ اسے اللہ کے رسول (غزوہ) میں آپ سے پیچھے رہ گئے (اور ہمراہ نہیں گئے) ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا ہے تا آنکہ آپ ہی انہیں کھولیں اور ان کی معذرت قبول فرمائیں آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم میں نہ انہیں کھولوں گا اور نہ ان کی معذرت قبول کروں گا جب تک کہ تعالیٰ انہیں کھولے۔ یہ لوگ مجھ سے اعراض کر گئے اور مسلمانوں کے ہمراہ غزوہ میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے۔

جب انہیں یہ معلوم ہوا تو کہنے لگے، ہم اپنے آپ کو بالکل نہ کھولیں گے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں نہ کھولے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی؛  
وآخرن اعترفوا بنوبہم خلطوا عملا صالحا و آخر سیئا عسی اللہ ان یتوب علیہم ان اللہ غفور رحیم، یعنی اور بعض لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا، ملایا، انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد قریب ہے کہ اللہ معاف کرے ان کو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف کسی کو



بھیجا اور انہیں آزاد کر کے ان کا عذر قبول فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول یہ ہمارے مال حاضر ہیں۔ ہماری جانب سے ان کا صدقہ فرما دیجیے اور ہمارے لئے بخشش کی دعا فرمائیے۔

آپ نے فرمایا مجھے تمہارا مال لینے کا حکم نہیں دیا گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمادی: خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم وبھا وصل علیہم ان صلوتک سکن لہم۔ ۱۱ رکوع

یعنی ”اے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کر پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس وجہ سے اور وعادے ان کو بے شک تیری دعا ان کے لئے تسکین ہے۔“ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال قبول فرما کر صدقہ کیا اور ان کے لئے بخشش کی دعا فرمائی۔ اور تین آدمیوں نے اپنے آپ کو مستونوں کے ساتھ باندھا نہ تھا۔ انہیں خیال ہوا کہ نہ معلوم انہیں عذاب دیا جائے گا، یا ان کی بھی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ چنانچہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین والانصار... اس آیت تک وعلی الثلاثة الذین خلفوا... اس آیت تک ان اللہ هو التواب الرحیم۔

یعنی اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین و انصار پر... اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا... بے شک اللہ ہی مہربان رحم والا ہے۔

# فقہی احکام و مسائل کا استنباط

وہ نکات و معارف جو اس غزوہ سے حاصل ہوئے

۱۔ کوچ کا حکم نکلنے کے بعد تاخیر روا نہیں | جب امیر اپنے لشکر کو نکلنے کا حکم دے، تو ہمراہ چلنا

لازم ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ ارام کے اذن کے بغیر پیچھے رہ جائے اور لشکر کے نکلنے سے متعلق یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک آدمی کو متعین طور پر حکم دیا جائے۔ بلکہ جب لشکر چلے گا تو ہر آدمی کو اس کے ہمراہ نکلنا واجب ہے۔

جہاد کے تین مقامات ہیں۔

ایک فرض عین ہے۔

دوسرا جب دشمن شہر میں آجائے۔

تیسرے جب کہ میدان جنگ میں صفیں جم جائیں (یہ سب مذکورہ صورتیں

فرض عین کی ہیں)۔

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جان

کے ساتھ جہاد کرتے کے علاوہ مال

۲۔ مالی جہاد بھی واجب ہے

سے جہاد کرنا بھی واجب ہے۔

امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے یہ ایک روایت ہے اور یہی صائب رائے ہے جس میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ قرآن میں جہاد بالنفس کے ساتھ ساتھ ہی جہاد بالمال کا ذکر کیا گیا ہے، بلکہ ایک مقام کے سوا تمام مقامات پر جہاد بالمال کا مذکور جہاد بالنفس سے پہلے ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے جہاد بالمال ایک اعتبار سے جہاد بالنفس کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور ضروری ہے اور یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ یہ دو جہادوں میں سے ایک جہاد ہے۔ اور بڑا جہاد ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو کسی غازی کے لیے سامان جہاد مہیا کرے اُس نے گویا جنگ میں حصہ لیا۔ پس جو شخص مالی استطاعت رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ راہِ خدا میں جہاد پر نکلنے والوں کے لیے سروسامان بہم پہنچائے، بالکل اسی طرح جیسے جسمانی قوت و طاقت رکھنے والے شخص پر لازم ہے کہ دست و بازو سے جہاد میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرے اور جہاد بدلی کی تکمیل مال و زر خرچ کیے بغیر نہیں ہوتی کہ تعداد رجال اور سرمائے کے بغیر دشمن پر قابو پانا دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے اگر افراد کثرت سے مہیا نہ کر سکتے تو مال اور اسلحہ سے تعاون کرنا واجب ہے کیونکہ جسمانی طور پر معذور آدمی اگر دولت مند ہو تو جو جج (بدل) اس پر واجب ہو جاتا ہے، پس جہاد میں مال سے تعاون کرنا زیادہ واجب اور اولیٰ ہوگا۔

۳۔ حضرت عثمانؓ کی فضیلت و مزکیت | اور انہی حکم میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت

عثمانؓ بن عفانؓ نے اس غزوہ میں ایک عظیم سرمائے سے اہل اسلام کی مدد کی اور تمام لوگوں پر گونے سبقت لے گئے اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عثمانؓ، اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا، جو تو نے چھپ کر کیا، جو تو نے علانیہ کیا، جو ادب نے مخفی رکھا، اور جو تو نے ظاہر کر دیا۔

پھر فرمایا!

آج کے بعد عثمانؓ کو کوئی بات بھی ضرر نہ دے گی!

حضرت عثمانؓ آتے اس دن ایک ہزار دینار، بیس سو اونٹ ساز و سامان کمیت اور اسلحہ وغیرہ پیش خدمت کیے تھے۔

۴۔ عاجز کسے تسلیم کیا جائے گا | نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عاجز صرف وہ ہے جو کوشش و جہد کے باوجود مال حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

۵۔ استخلاف امام کا مسئلہ | نیز اس سے استخلاف امام کا مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ جب امام سفر کرے تو ضعیف۔

معذورین۔ عورتوں اور بچوں پر کسی آدمی کو اپنا خلیفہ بنا کر جاسکتا ہے۔ یہ مجاہدین کا نائب ہوگا کیونکہ یہ کام (در اصل) مجاہدین سے بہت بڑا تعاون ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم ابن ام مکتوم کو نائب بنا کر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے انہیں دس سے زائد مرتبہ نائب بنایا۔

۶۔ حقارت علیؓ کی فضیلت و مزکیت | اور اہل حدیث و اثر کے ہاں ثبوت ملتا ہے، غزوہ تبوک

میں آپؐ نے علیؓ بن ابی طالب کو نائب بنایا جیسا کہ صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے انہوں نے بتایا کہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں جاتے وقت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو نائب بنایا۔ انہوں نے عرض کیا ”اے اللہ کے رسول آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ اپنے پیچھے چھوڑے جا رہے ہو؟“

اے یعنی کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ اس طرح مبشرات دوسرے صحابہ کرام کے لیے بھی آئے ہیں لیکن یہ سب کے سب تابع، میں امر عمل اور نہی سے اجتناب کے۔



آپ نے فرمایا!

کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میرے ساتھ تمہارا اس طرح تعلق ہو جیسا  
ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ میرے  
بعد کوئی نبی نہیں، لیکن یہ خلافت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل  
کے متعلق تھی۔ باقی رہا استخلاف عمومی! تو بہ محمد بن سلمہ انصاری کے سپرد تھا۔

۷۔ علاقہ قوم ثمود کی چیزوں کا استعمال | نیز اس میں یہ بھی ثابت ہوتا  
ہے کہ قوم ثمود کے علاقہ میں

کنوؤں سے پانی پینا یا اس سے کچھ پکانا، اٹا گوندھنا اور وضو کرنا جائز نہیں۔ البتہ  
بیرناقہ کے سوا دیگر منقعات سے چو پاؤں کو پانی پلانا جائز ہے۔ یہ کنوئیں جناب  
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک باقی تھیں۔ اس کے بعد پھر آج تک  
صدیوں پر صدیاں گزرتی رہیں۔ اس کنوئیں کے سوا کوئی مسافر کہیں الزام نہ کہنا  
بند ہے اور اس کی عمارت پختہ اور وسیع ہے۔ اس پر قدامت کے آثار صاف  
نمایاں ہیں جن سے قطعاً کسی طرح کا شبہ نہیں ہوتا۔

مغضوب قوموں کے علاقہ سے کس طرح گزرنا چاہیے؟ | نیز جو آدمی مغضوب  
علیہ اور نہ یافتہ

اقوام کے علاقہ سے گزرے اسے چاہیے کہ وہ اس کے اندر داخل نہ ہو اور نہ وہاں  
پر قیام کرے۔ کپڑا لپیٹے ہوئے تیزی کے ساتھ ادھر سے گزر جائے۔ بلکہ گریہ  
کناں داخل ہو۔ اور اسی حالت گریہ و بجز میں گزر جائے، یہی وجہ تھی کہ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم وادی محسر میں منیٰ اور عرفہ کے درمیان تیزی سے گزر گئے اسی  
جگہ اصحاب قبل پر عذاب الہی نازل ہوا تھا۔

۹۔ سفر میں جمع بین الصلاتین کا مسئلہ | نیز اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم کا دو نمازوں کو سفر میں

جمع کر کے پڑھنا منقول ہے۔

لیکن یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ ہاں عرفہ میں دخول عرفہ سے قبول آپ سے جمع تقدیم ثابت ہے کہ آپ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ظہر کے وقت میں پڑھی اور اس کی علت میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے باعث ایسا کیا۔ امام شافعی اور احمد فرماتے ہیں کہ سطر طویل کے باعث جمع کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ کام کی کثرت یعنی وقوف کے باعث جمع کیا۔ نیز اس خیال سے کہ وہاں غروب آفتاب تک پہنچ سکیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر ضروری کام ہو تو اس کی وجہ سے وہ نمازوں کو ایک وقت پر ایک وقت سے پہلے جمع کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ اگر مٹی نہ ملے تو ریت سے بھی تیمم جائز ہے | نیز اس سے ریت کے ساتھ جو ازہ تیمم بھی ثابت

ہوتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ اور تبوک کے ریگستانی علاقہ کو طے کر رہے تھے اور اس میں قطعاً شک نہیں کہ آپ اپنے ساتھ مٹی نہیں لے گئے۔ اور یہ چیلل ریگستان ایسا ہے کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی اور یہ تو یقینی بات ہے کہ جہاں وہ اتر رہے تھے وہیں پرانہوں نے ریت سے تیمم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے کہ:

میری امت کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے وہیں اس کی مسجد ہے اور وہیں طہارت کا سامان ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیس دن تبوک میں مقیم رہے اور قصر کرتے رہے مگر امت کو یہ حکم نہیں دیا کہ جب تم میں سے کوئی اس سے زیادہ دن قیام کرے تو قصر نہ کرے۔ بلکہ آپ کی یہ اقامت (انتی مدت) رہی اور حالت سفر میں یہ اقامت سفر سے خارج نہیں ہوتی چاہے طویل ہو یا قلیل، بشرطیکہ وہ اجنبی علاقے میں ہو اور اس جگہ مقیم ہو جانے کا ارادہ بھی نہ ہو۔

سلف اور خلف میں یہ مسئلہ کافی حد تک اختلافی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں انیس دن ٹھہرے اور آپؐ نے دو دور کعتیں پڑھیں۔ اس لیے ہم جب انیس دن ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں اور اگر زیادہ دن ٹھہرنا ہوتا ہے۔ تو مکمل نماز پڑھتے ہیں۔

اور کلام احمد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ کا مطلب زمانہ فتح میں مدت قیام مکہ سے ہے۔

دوسروں نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا مطلب قیام تبوک سے ہے جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس دن ٹھہرے رہے اور نماز میں قصر کرتے رہے مسند احمد اور مسعود بن مخزوم نے بتایا کہ ہم شام کی کسی بستی میں حضرت سعدؓ کے ہمراہ چالیس دن تک ٹھہرے، حضرت سعدؓ قصر کرتے رہے اور ہم مکمل نماز پڑھتے رہے حضرت نافعؓ بتاتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ آؤنہ بایجان میں چھ ماہ تک ٹھہرے رہے اور دو رکعتیں پڑھتے رہے۔ ان کی واپسی کی راہ میں برف سے رکاوٹ ہو گئی تھی حضرت حفص بن عبیدہ بتاتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ ملک شام میں دو برس مقیم رہے اور مسافر کی نماز پڑھتے رہے۔

حضرت انسؓ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رام ہرمن میں سات ماہ ٹھہرے اور نمازوں میں قصر کرتے رہے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبدالرحمن بن سحرہ کے ساتھ بابل میں دو سال ٹھہرا اور وہ قصر نماز پڑھتے رہے اور جمع نہ کرتے تھے۔

حضرت ابراہیمؓ فرماتے ہیں کہ (صحابہؓ) میں ایک سال سے زیادہ مدت تک ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ اور سبجتان میں دو سال ٹھہرے (اور قصر کیا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی یہی سنت طیبہ ہے اور یہی بہتر اور



صائب ہے۔

رہے لوگوں کے مذاہب تو امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب چار دن تک اقامت کا ارادہ ہو تو مکمل نماز ادا کرے۔ اور اگر اس سے کم کا ارادہ ہو تو قصر کرے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے آثار کا انہوں نے یہ مطلب لیا ہے کہ ان کے ارادہ اتنی مدت کا نہ تھا، بلکہ خیال یہ تھا کہ ہم کل جائیں گے۔ اور پھر کل جائیں گے۔

امام مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر چار دن سے زیادہ اقامت کا ارادہ ہو تو مکمل نماز پڑھے اور اگر کم کا ارادہ ہو تو قصر کرے۔

ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں اگر پندرہ روزہ کے قیام کا ارادہ ہو تو مکمل نماز پڑھے اور اگر اس سے کم کا ارادہ ہو تو قصر کرے، حضرت لیث بن سعد کا یہی مذہب ہے اور نین بزرگ صحابہؓ حضرت عمرؓ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں اگر تو چار دن ٹھہرے تو چار رکعتیں پڑھو۔ نیز آپؐ سے ابو حنیفہؒ کے مطابق بھی ایک قول منقول ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں، اگر دس دن قیام کرے تو مکمل نماز پڑھے، یہ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں، جب تک اپنے شہر میں واپس نہیں آتا، تب تک قصر کرتا رہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب تک زادِ راہ اور ساز و بان نہیں رکھ دیتا، تب تک قصر کرتا رہے۔ ویسے ائمہ اربعہؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی حاجت سے قیام کرے اور ہر روز یہ ارادہ کرتا رہے کہ کل جاؤں گا، کل جاؤں گا اور انتظار میں لگا رہے، تو وہ زندگی بھر قصر کر سکتا ہے۔ البتہ ایک منقولہ قول میں امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ سترہ یا اٹھارہ دن تک قصر کرے اور اس کے بعد قصر نہ کرے۔

ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مسافر کو اس بات کی اجازت



کہ جب تک وہ مدت مخصوص کے لیے اقامت کا ارادہ نہ کرے قمر کرتا رہے۔  
چاہے اس پر کئی سال گزر جائیں لے

۱۱۔ اگر مصلحت دائمی ہو تو قسم توڑنا مستحب ہے | اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حالف

کو اپنی قسم توڑنا مستحب ہے۔ اگر بصورت ہے۔ اگر بصورت دیگر اسے مصلحت بھلائی اور نیکی نظر آئے۔ البتہ اس کے عوض چاہیے کہ کوئی دوسرا نیک کام کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ یہ بات اس کی صوابدید پر منحصر ہے کہ خواہ قسم توڑتے سے قبل کفارہ ادا کر دے، خواہ بعد میں ادا کرے۔

سنن میں حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کی حدیث ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جب تو حلف لے (قسم کھا لے) اور یہ دیکھے کہ نیکی اور بھلائی تو دوسری صورت میں ہے تو قسم توڑ دے اور حلف کا کفارہ ادا کر دے اور وہ دوسری صورت جو خیر کی ہے اختیار کر لے۔

یہ روایت اصل صحیحین میں مروی ہے۔ اسی بنیاد پر احمد، مالک اور شافعی

۱۴ سفر کے سلسلے میں حنفی فقہ کا مسئلہ مختصر طور پر یہوں ہے۔

۱۔ قصر کا آغاز سفر پر روانہ ہوتے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس کی شرط نہیں کہ اتنے

میل یا انہی مسافت طے کرنا ضروری ہے وطن سے یا مستقل اقامت گاہ سے نکلتے ہی اگر نماز کا وقت حالت سفر میں آجائے تو قصر جائز ہے۔

۲۔ مسافر کی حیثیت سے اگر ساری زندگی بھی گزر جائے تو قصر برابر جاری رکھا جائے گا

اس کے لیے بھی شرط نہیں کہ اتنی مدت تک تو قصر کیا جاسکتا ہے۔ اس مدت میں اضافہ ہو جائے تو قصر نہیں کیا جائے گا، بغلط ہے صحیح یہ ہے کہ قصر اس وقت تک کیا جائے گا۔

جب تک مسافر اپنے وطن نہ واپس آجائے، یا کسی اور جگہ مستقل اقامت نہ اختیار کر لے۔

کا خیال ہے کہ قسم توڑنے سے قبل کفارہ دینا جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ نے روزے کے ذریعہ کفارہ ادا کرنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور فرمایا کہ روزوں میں تقدیم کرنا جائز نہیں، البتہ ابو حنیفہؒ نے علی الاطلاق پیشگی کفارے سے منع کیا ہے لہ

۱۲۔ غصہ کی قسم بھی معتبر سمجھی جاسکتی ہے | نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حالت غضب کی قسم معتبر

سمجھی جائے گی، بشرطیکہ حالت اس حد تک نہ لے جائے کہ قسم کھانے والا ہوش و حواس کھو چکا ہو اور نہ جانتا ہو کہ کیا کہہ رہا ہے؟ ایسی قسم کے معتبر سمجھے جانے کی صورت میں اس کا حکم نافذ ہوگا اور اس کا عقد بھی درست ہوگا اور اگر غضب اخلاق تک پہنچ جائے تو ایسے شخص کی نہ قسم معتبر ہوگی، نہ عقد، نہ طلاق، نہ عناق، حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غصہ کی نہ طلاق معتبر ہے نہ عناق۔

۱۳۔ اصل معطی، مانع، اور عامل خدا ہے، رسول صرف منفذ ہے | اسی طرح

جناب رسالتؐ کا فرمان، کہ میں نے تمہاری طرف یہ (ساز و سامان) تعاون سفر نہیں بھیجا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ارسال فرمایا ہے ایسا کلام گاہے گاہے جبر قلوب کے لیے ہوتا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! خدا کی قسم میں نہ کسی کو کچھ دیتا ہوں اور نہ کسی سے کچھ روکتا ہوں، بلکہ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے حکم ہوتا ہے وہاں رکھ دیتا ہوں۔ کیونکہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور حکم کے مطابق امور میں

لہ قسم ہو یا روزہ، کسی کا کفارہ بھی وقوع واقعہ سے پیشتر ادا کرنا تکلیف والا بطن، اور عقلی و شرعی نقطہ نظر سے غیر متحسن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم امام ابو حنیفہؒ نے علی الاطلاق پیشگی کفارہ مقرر نہیں قرار دیا ہے۔

تصرف فرماتے تھے چنانچہ پروردگار کریم آپ کو کسی امر کا حکم فرماتا، آپ نافذ کر دیتے، کیونکہ اصل عطا کنندہ اور روکنے والا تو صرف اللہ ہی ہے۔

### ۱۴۔ نفاق کفر تک پہنچ جائے تو بھی منافق کا قتل روا نہیں | اسی طرح منافقین

کو قتل نہ کرنا، حالانکہ یہ لوگ کفر صریح تک پہنچ چکے تھے اسی سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ زندیق کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ ظاہری طور پر توبہ کرے کیونکہ ان منافقین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسم کھائی کہ ہم نے یہ نہیں کہا، لہذا، ان الفاظ کا مطلب توبہ ہی قرار دیا جائے گا اور بعض منافق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہنے لگے کہ آپ نے عدل نہیں کیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ کیا آپ، نہیں قتل کر دیں گے؟ آپ نے یہ جواب نہیں دیا کہ ان کے خلاف مبنیہ نہیں ہے بلکہ فرمایا کہ لوگ یہ چرچا کرنے لگیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ اس لیے صحیح جواب توبہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان کا ترک قتل ایک مصلحت کے پیش نظر تھا، تاکہ آپ کی جانب تا لیب قلوب ہو سکے۔ اور تمام لوگ آپ کے کلمہ پر جمع ہو جائیں۔ نیز ان کے قتل سے تنفر کا خطرہ تھا اور اس وقت اسلام کی حالت غریب تھی، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تا لیب قلوب چاہتے تھے اور یہ ایسا امر تھا، جو صرف آپ کے عہد سے مخصوص تھا، اسی طرح سے آپ نے اپنے آپ پر حملہ کرنے والوں کے خلاف بھی اقدام نہیں کیا، لیکن آپ کے بعد امت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا حق بھی نہ لے بلکہ اب ضروری ہے کہ

۱۵: قرآن، حدیث اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ سے جو کچھ مستنبط اور متبادر ہوتا ہے کہ شرع میں اور احکام و قضایا میں عمل ظاہر کیا جاتا رہے، یہ منافقین اگرچہ دل میں سلام اور داعی اسلام کے بدترین دشمن تھے، لیکن (باقی صفحہ ۱۱۵ پر)



پورا پورا حق لیا جائے۔ ان مسائل پر ایک دوسری جگہ وضاحت آئے گی اور یہاں صرف اشارہ، اور تنبیہ ہی مقصود ہے۔

۱۵۔ معاہدین اور اہل ذمہ کے بارے میں ایک رائے | نیز معاہدین اور اہل ذمہ لوگ جب کسی ایسی حرکت کا ارتکاب کریں جس سے اسلام کو ضرر پہنچا ہو تو ان کے مال اور جان کی حفاظت سے متعلق کیا ہوا عہد ختم فوراً ہو جائے گا۔ اور اگر امام اس کی جان و مال پر غلبہ نہ حاصل کر سکے تو اس کی جان و مال رہبر مسلمانوں کے لیے، مباح اور ہر وہ ہوگی۔ اور جو بھی اسے پکڑ لے گا، اسی کی ملکیت سمجھی جائے گی،

(بقیہ حاشیہ) زبان سے اسلام کا اقرار کرتے رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے انہیں سزا نہیں دی، لیکن اگر ان کے کفر کی کوئی ناقابل تردید شہادت مل جاتی تو ظاہر ہے پھر وہ سزا سے نہ بچ سکتے۔ ایک جنگ میں ایک جلیل القدر صحابی نے جب میدان جنگ میں ایک شخص کو اپنی شمشیر خراشاں گلاف کی زد پر لیا تو اس نے اپنے مسلمان ہو جانے کا اقرار کیا، لیکن صحابی نے یہ سوچ کر اس کی گردن اڑادی کہ یہ جان بچانے کا ایک حیلہ ہے۔ آپؐ کو جب اسی واقعہ کی اطلاع ملی تو برہم ہوئے اور ان سے دریافت فرمایا: حل شققت قلبہ؟ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر آپؐ نے خدائے عزوجل کی بارگاہ میں تین مرتبہ اس فعل سے برأت کا اظہار فرمایا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات کس طرح مانی جاسکتی ہے کہ منافقین کا قتل عہد رسالت میں ناجائز تھا بعد میں جائز ہو گیا۔ اگر ہو گیا ہوتا تو ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ نے منافقوں کو کیوں قتل نہیں کیا؟ اس سے تو بہر حال انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے عہد میں بھی منافقین تھے اور اچھی خاصی تعداد میں تھے۔

تاریخ اسلام میں ایک مثال بھی اس کی نہیں مل سکتی کہ نفاق کے جرم میں کسی (باقی صفحہ ۱۱۶ پر ہے)



جیسے کہ آپؐ نے اہل ایلہ کے ساتھ مصالحت کے موقع پر فرمایا کہ جو ان میں سے شرارت کرے تو اس کا مال اس کی جان کے بچانے کے لیے حائل نہ ہو سکے گا اور جو بھی اس پر قبضہ کرے گا وہ اسی کی ملکیت ہو گا یہ اس لیے کہ شرارت (احداث) سے وہ محارب بن چکا ہے اور اس کا حکم اہل حرب ہی کے مانند ہو گا۔

۱۶۔ رات کے وقت تدفین کا مسئلہ | نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رات کے وقت دفن کرنا جائز ہے جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالنجا دینؓ کو رات کے وقت دفن کیا۔

امام احمدؒ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں اور فرمایا کہ ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کو دفن کیے گئے۔ علیؓ اور فاطمہؓ کی تدفین بھی رات کو ہوئی۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے متعلق دریافت فرمایا، یہ کون ہے؟

عرض کیا گیا، فلاں ہے، گزشتہ شب کو دفن کیا گیا۔ آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمایا یا جنائزہ پڑھا

اگر یہ کہا جائے کہ صحیح مسلم کی روایت کا آپؐ کیا جواب دیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ دیا، اور ایک صحابی کا ذکر کیا جو فوت ہو گئے اور انہیں بالکل ہی معمولی درجے کا کفن پہنایا گیا، اور رات کو دفن کیے گئے۔ اس موقع پر آپؐ نے شدت اضطراب کے سوا رات کو قبر میں دفن کرنے سے منع فرمایا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی جانب جاتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ہم

باقی حاشیہ! کو قتل کیا گیا ہو اس لیے کہ نفاق اگر ثابت ہے تو کفر ہے۔ ثابت نہیں ہے تو نفاق ہے اور جو ثابت نہ ہو اس پر نہ حد جاری ہو سکتی ہے، نہ سزا دی جا سکتی ہے۔

محمد اللہ دونوں احادیث کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور کسی کو بھی رد نہیں کرتے اس طرح کہ ہم رات کو دفن کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں بلکہ زجر کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی مصلحت یا ضرورت ہو تو الگ بات ہے۔ مثلاً رات کو مسافروں کے قافلہ میں سے ایک آدمی فوت ہو جاتا ہے اور اہل قافلہ کے لیے صبح تک ٹھہرنا خطرناک ہے یا مثلاً میت کے پھٹ کر بدبودار ہو جانے کا اندیشہ ہے اس قسم کے ترجیحی اسباب کی وجہ سے رات کو دفن کر دیا جائے گا۔

۱۷۔ مال غنیمت اور قیدی مجاہدین کا حق ہیں | اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام جب کوئی سر پہنچے اور اسے مال غنیمت یا قیدی حاصل ہوں یا کوئی قلعہ فتح ہو جائے تو خمس نکالتے کے بعد باقی سب کچھ اہل سریہ کا حق ہو گا لیکن اگر جنگ کے دوران میں رہ حالت سفر فوج کا ایک حصہ بطور سریہ بھیجا جائے اور فوج کی پشت پناہی کے بل پر اور اس کی قوت سے اسے کچھ حاصل ہو تو یہ خمس اور نفل نکالتے کے بعد مال غنیمت ساری فوج کا ہو گا، صرف اہل سریہ کا نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت طیبہ تھی۔

۱۸۔ ایک اہم شرعی نکتہ | نیز غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ذکر ہو چکا ہے۔

مدینہ میں کچھ لوگ ہیں کہ تم نے جو وادی طے کی، یا تم جہاں بھی چلے وہ لوگ تمہارے ہمراہ تھے؟

یہ معبت قلبی اور عزائم دھم کی ہے، نہ کہ یوں جیسے جہلاء اور سفہاء نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ اپنے جسم و اعضا سمیت ان کے ہمراہ تھے۔ یہ محال ہے کیونکہ آپ کے سامنے عرض کیا گیا وہ تو مدینہ میں ہیں؟

آپ نے فرمایا، ہاں وہ مدینہ میں ہیں۔ انہیں حذر تے روک دیا ہے۔ یہ لوگ قلبی روحی طور پر ان کے ہمراہ تھے اور ان کے اجسام دارالہجرت (مدینہ) میں تھے۔

اسے جہاد قلبی کہتے ہیں۔

ان کا یہ جہاد اصل میں جہاد کے چار مراتب قلبی، لسانی، مالی اور بدنی میں سے ایک ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ مشرکین کے ساتھ زبان، قلب اور مال کے ذریعہ جہاد کرو،

۱۹۔ مقامات معصیت کی تخریب انہدام جائز ہے | نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ

معصیت کے مقامات کو جلانا جائز ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہوتی ہو، اسے گمراہ دینا چاہیے، جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فرار کو جلا دیا۔ اور اسے منہدم کر دینے کا حکم فرمایا، حالانکہ اس مسجد میں نماز پڑھائی جاتی تھی اور اس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد ہی حرر اور مومنین کے درمیان افتراق و انتشار پر تھی یہ منافقین کی جائے پناہ تھی اور ہر ایسی جگہ جس کا معاملہ مسجد فرار کا سا ہو، امام پر واجب ہے کہ اسے گرا کر اور جلا کر ختم کر دے یا اس کی صورت متغیر کر کے اسے مٹا دے اور جس کام مثلاً بت پرستی، قبر پرستی وغیرہ کے لیے بنائی گئی ہے۔ اسے وہاں سے ہٹا دے کیونکہ جب مسجد فرار کے متعلق یہ طرز عمل روار کھا گیا۔ تو وہ مقامات شرک گردینے کے زیادہ مستحق ہیں جن کے مجاورین لوگوں کو وہاں اللہ کا شریک بنانے کی دعوت دیتے ہیں ایسے فسق و فجور کے مقامات مثلاً شراب کی دکانیں اور منکرات کے مراکز۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک پورا گاؤں ہی جلا دیا تھا، جس میں شراب کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اور ردشیر ثقفی کی دکان جلا دی اور اسے توفیق سے رغنڈہ کا خطاب دیا۔

۱۰ وہ مراکز جو مسلمانوں نے قائم کیے ہوں، غیر مسلموں پر یہ اصول نافذ نہیں ہو سکتا۔  
۱۱ یہ واقعہ تاریخی طور پر شبہ ہے، کسی مستند تاریخ میں اس کا ذکر نہیں۔







ٹپکتی ہو، یا ایسی بات جسے اللہ نے حرام کر دیا ہو اور فاسقانہ غناء کے قائل تو شراب جیسی مسکرات کو بھی حلال سمجھتے ہیں۔ اور اسے انگور اور عصارہ انگور (افشرودہ انگور) یہ قیاس کرتے ہیں حالانکہ، فشرودہ مسکر نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کے اندر اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ انما البیع مثل الربو! یعنی بے شک بیع ربو کی طرح ہے۔

۲۲۔ ممدوح مدحیہ اشعار میں سکتا ہے | اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح کرنے

والوں کی مدح کرنے والوں کو مدح سنی اور سننے سے انکار نہیں فرمایا۔ اس واقعہ کو دیگر ممدوح جینے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، جس کے متعلق فرمایا گیا۔  
مدح کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالو۔

۱۷: یعنی کفار کہا کرتے تھے کہ بیع اور سود دونوں یکساں طور پر کاروبار ہیں۔ زید اپنی چادر جو اس نے چار روپے میں لی تھی پانچ روپے میں فروخت کر کے ایک روپیہ نفع کٹاتا ہے اور خالد دس روپے نقد دے کر گیارہ روپے لیتا اور اسی طرح ایک روپیہ نفع کٹاتا ہے۔ دونوں نے اپنے مال پر نفع لیا۔ لہذا بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن اسلام ان دونوں صورتوں میں فرق کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

انما اھل اللہ البیع و حرم الربو (اللہ تعالیٰ نے بیع حلال کی ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے)

اس میں مصلحت یہ ہے کہ تاجر، اپنی جس چیز پر نفع کٹاتا ہے اس میں نفع کے ساتھ نقصان کا بھی قوی امکان ہوتا ہے وہ خراب ہو سکتی ہے۔ سڑ سکتی ہے، جل سکتی ہے نیز اسے مالی تجارت کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ دقتیں اور دشواریاں اٹھانا پڑتی ہیں۔ جان و مال دونوں طرح کے خطرات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کے برعکس سود خور۔ ہر خطرے، زریاں اور خسارہ سے بے نیاز ہوتا ہے دور روپیہ دے کر۔ جو مال تجارت نہیں ہے۔ زیادہ روپیہ لیتا ہے۔ (باقی صفحہ ۲۱ پر)

۲۴۔ امام اپنا ارادہ مخفی رکھ سکتا ہے | نیز امام جب کسی بات کو عوام سے مخفی رکھنے میں مصلحت دیکھے تو اپنے عزم اور دشمن کی جانب کوچ کرنے کو اس کے لیے مخفی رکھنا جائز ہے۔

۲۵۔ بدعت حسنہ کا جواز | نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فوج کے لیے کوئی دیوان (دفتر) نہ تھا۔ یہ طریقہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفائے راشدین کی اتباع کا حکم دیا تھا، اور اہل اسلام نے دفتری ضرورت و اہمیت کو بھی محسوس کر لیا تھا۔

۲۶۔ پچھڑنے والوں سے امام کو باز پرس کرنی چاہیے | نیز امام مطاع کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو آزاد ہو کر گزر رہے دے جو کہ اس سے جنگ کے موقع پر پیچھے رہ جائیں بلکہ ان سے باز پرس کرے تاکہ وہ اطاعت کریں اور توبہ کریں۔

۲۷۔ سفر سے واپسی کے آداب | نیز آنے والے کے لیے مسنون یہ ہے کہ سفر سے واپسی پر اپنے اپنے شہر میں داخل ہوتے وقت با وضو ہو اور سب سے پہلے اللہ کے گھر (مسجد) میں جائے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرے۔ پھر مسلمانوں کے پاس بیٹھے۔ اس کے بعد اپنے گھر میں آئے

۲۸۔ منافقین کے اظہار اسلام میں جرح نہیں کی جاسکتی | نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کا اظہار اسلام قبول کر لیتے اور ان کی باطنی حالت کو اللہ کے سپرد کر دیتے۔ اور ظاہری

باقی تماشہ۔ اسے اپنے ابنائے جنس سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ وہ سنگ دل اور سفاک بن جاتا ہے۔ معاشرہ کے لیے ایک ناقابل برداشت چیز بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بیع کی اجازت دی ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

حالت کے مطابق حکم نافذ فرماتے اور فحشیات پر زجر نہ کرتے۔

۲۹۔ امیر یا امام تادیباً سلام کا جواب نہ دے یہ جائز ہے | نیز اس سے یہ بھی ثابت

ہوتا ہے کہ امام اور حاکم کو چاہیے کہ وہ ایسے آدمی کے سلام کا جواب تادیباً نہ دے جو اسلام میں کوئی بدعت جاری کرے، تاکہ دوسروں کو بھی زجر و نصیحت ہو جائے کیونکہ آپ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے حضرت کعبؓ کے سلام کا جواب دیا ہو، بلکہ برہمچی کے انداز میں تبسم فرمایا۔

۳۰۔ ایک اہم اور لطیف نکتہ | ان تمام میں سے جو عزوہ تنویر میں سمجھے یہ گئے تھے صرف ان تین سے بنی صلی اللہ علیہ

وسلم کا فرمان ممانعت کلام ان کی صداقت اور باقی لوگوں کے کذب کی دلیل ہے۔ چنانچہ آپ نے صادقین سے ان کی غلطی کے باعث تادیب کے لیے (وقتی) علیحدگی اختیار فرمائی جو منافقین تھے ان کا گناہ اس سے زیادہ تھا، لہذا ان کے لیے، بحر بنی کی دعا پہلے تینوں کے برعکس کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔

اللہ بخانہ، وتعالے اپنے بندوں کے جرائم پر ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ چنانچہ مومن بندہ کی جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ ادنیٰ اور معمول سی غلطی اور لغزش پر گرفت کرتا ہے تاکہ وہ مسلسل ہوشیار اور چوکنا رہے۔ اور اگر کوئی بندہ اس کی نگاہوں سے گر جاتا اور ذلیل ہو جاتا ہے پھر اسے گناہوں پر آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ اور جیسے جیسے وہ گناہ کرتا ہے اس پر انعامات میں اضافہ کرتا ہے۔ اور یہ مغرور یوں سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کا فضل ہے حالانکہ اسے علم نہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ اسے آخرت میں شدید ترین عذاب دے اور پیچ تو یہ ہے آخرت کی سزا کا کسی دوسری سزا سے مقابلہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے حدیث مشہورہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا ہی میں سزا دیتا ہے، اس کے گناہ کٹ جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں سزا کا ارادہ کرتا ہے تو



دنیا میں اس کی سزا روک لیتا ہے اور قیامت میں وہ اپنے گناہوں سے لدا ہوا آتا ہے۔

### ۳۔ مقاطعہ کی صورت میں ترک جماعت قابل مواخذہ نہیں | اس

یہ بھی ذکر ہوا، کہ ہلال بن امیہ اور مرارہؓ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور وہیں نمازیں ادا کرتے رہے۔ اور جماعت میں حاضر نہ ہوا کرتے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اسلام کا انقطاع تعلقات اس آدمی کے لیے معقول عذر سے کہ وہ جماعت میں شریک نہ ہو۔ اور یا یوں کہا جائے گا کہ انقطاع تعلقات کا اکمال یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں بھی حاضر نہ ہو۔ لیکن کہا جائے گا کہ حضرت کعبؓ جماعت میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کبھی منع نہیں فرمایا، نہ ان دونوں پر ترک جماعت کے باعث عتاب فرمایا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب مسلمانوں کو ان سے قطع تعلق کا حکم ملا تو انہوں نے ایسے امور میں بھی قطع تعلق کر لیا جن کا انہیں حکم نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے کلام کرنا بھی بند کر دیا۔ اور آپؐ نے جو نماز میں حاضر ہوتا ہے منع نہ فرمایا۔ اور جو نہ حاضر ہوتا اس کے متعلق بھی کچھ کہا نہیں، یا کہا جائے گا کہ وہ دونوں صحابی کمزور ہو چکے تھے اور باہر نکلنے سے عاجز و درماندہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ میں ان دونوں کے مقابلہ میں مضبوط تھا، اور ان سے نہ یادہ جوان تھا۔ اس لیے باہر بھی نکلتا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت میں بھی شریک ہوتا، اور وہ یہ بھی کہتے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور انہیں سلام کرتا۔ آپؐ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھے ہوتے اور میں سوچا کرتا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لب مبارک کو سلام کے جواب میں حرکت دی ہے یا نہیں۔ یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ جس سے اہل اسلام، قطع تعلق کر لیں۔ اس کے سلام کا جواب دنیا واجب نہیں۔



## ۳۲۔ واقعہ کعب اور اس سے حاصل شدہ نکات و مصالح | اس کے علاوہ

شاہ غسناں کا انہیں خط لکھنا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک طرح کا امتحان و ابتلاء تھا۔ چنانچہ ثابت ہو گیا کہ کعب نے اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور ایمان کے معاملہ میں ذرا بھی کمزوری نہیں دکھائی۔ نیز صحابہؓ کے سامنے بھی اس کا اظہار ہو گیا کہ یہ ان میں سے نہیں ہیں کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے قطع تعلق کے باعث جن کا ایمان کمزور ہو گیا ہو، اور نہ ایسے لوگوں میں سے ہیں جو انہی حالات میں بھی دین کے مقابلہ میں جاہ و حشمت ظاہری کے طلب گار ہوں۔ یہ تمام امور اس لیے وارد ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نفاق سے ان کی برأت کرنا چاہتا تھا اور ان کی قوتِ ایمانی نیز اللہ اور اس کے رسول اور صحابہؓ سے محبت اور صداقت کو ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ پس یہ معاملہ تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتمامِ نعمت اور لطف و کرم اور زخمی دل پر مرہم رکھنے کا معاملہ تھا اور اس ابتلاء نے ان کی باطنی حالت کو آشکارا کر دیا اور ان کا یہ کہنا کہ ”میں نے اس مکتوب کو“ نذرِ آتش کر دیا، اس بات کا ثبوت ہے کہ فسادِ دین کے خطرہ کے پیش نظر انہوں نے فوراً اسے جلا دیا۔ اور محتاط آدمی نہ انتظار کرتا ہے اور نہ تاخیر سے کام لیتا ہے۔

اور اس زمانہ میں عرب و شام کے بادشاہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اترائے تھے، اور آپؐ سے جنگ کرنے کے لیے فوجیں جمع کر رہے تھے اور یہ واقعہ یوں ہے کہ جب شجاعؓ بن وہب اسدی کو حرث بن ابی ثمر غسانی کی طرف دعوتِ اسلام دیتے ہوئے آپؐ نے ارسال فرمایا اور ساتھ ہی ایک نامہ مبارک بھی تحریر کر دیا تو شجاعؓ کا بیان ہے میں وہاں پہنچا اور وہ دمشق کے مقامِ غوطہ میں تھا اور قیصر کے استقبال اور اسے ٹھہراتے میں مصروف تھا، اور وہ محسوس سے ایسا تک آیا تھا میں اس کے دروازے پر دو یا تین دن تک ٹھہرا رہا۔ پھر میں نے دربان سے کہا

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں اور تمہارے بادشاہ کے پاس آیا ہوں اس نے جواب دیا وہ فلاں دن باہر آئے گا۔ جب وہ باہر آئے تب ہی مل سکتے ہو۔ اس سے پہلے نہیں۔

۳۳۔ شاہ غسان کے رومی دربان کا قبول اسلام | یہ دربان رومی تھا اس کا نام مری تھا

مجھ سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلومات چاہنے لگا اور میں اسے بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے متعلق بتلاتا رہا۔ رفت قلب کے باعث اس پر گریہ کی حالت طاری ہو جاتی، وہ کہتا ہاں میں نے انجیل میں بھی یہ پڑھا ہے اور میں نے نبی کی یہی صفت دہاں دیکھی ہے۔ اس لیے میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ بے شک آپ خدائے لاشریک لا اور بگاہ و بے ہمتا کے بھیجے بنی گرامی ہیں۔ البتہ مجھے حرث سے خطرہ ہے کہ وہ کہیں مجھے قتل نہ کر دے کیونکہ وہ میرا احترام کرتا رہا ہے اور میری خوب خاطر و مدارات کرتا رہا ہے آخر حرث ایک دن نکلا تاج زیب سر تھا، اس نے مجھے دیکھا اور اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ میں نے اسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک دیا، اس نے پڑھنے کے بعد پھینک دیا اور کہنے لگا میرا ملک مجھ سے کون چھین سکتا ہے؟

پھر کہنے لگا میں خود اس کی طرف جاؤں گا۔ اگر وہ (بنی) میں ہوتا تو میں اسے لوگوں کے سامنے لاتا۔ اس طرح کی بیہودہ باتیں بکتا رہا۔ آخر کھڑا ہو گیا۔ اور گھوڑوں کو تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر مجھ سے کہا جو کچھ تو نے دیکھا ہے اپنے سردار کو اس کی خبر دے دینا۔ نیز قبیر کو بھی اس نے خط لکھا اور تمام حالات اور اپنے عزائم بتائے قبیر نے اسے جواب دیا۔ محمد کی طرف سفر مت کرو اور اس سے باز رہو۔ بلکہ ایلیا میں مجھ سے ملاقات کرو۔

جب قبیر کا خط آیا تو اس نے مجھے بلایا اور سوال کیا، تم اپنے سردار کے پاس

کیب جا رہے ہو؟

میں نے کہا، کل! اس نے مجھے ایک سو منتقال سونا دینے کا حکم دیا اور اس کے دربان نے (جو رومی تھا اور اسلام قبول کر چکا تھا) مجھے سفر خرچ اور لباس دیا اور کہا، میری جانب سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کر دینا۔

اس کے بعد میں بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا، اس کا مالک تو گیا۔

پھر میں نے اس کے دربان کی جانب سے سلام عرض کیا اور جو کچھ اس نے کہا تھا وہ بھی عرض کیا۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس نے سچ کہا۔ حرث بن ابی ثمر کا انتقال فتح مکہ کے زمانہ میں ہو گیا۔ مرنے سے پہلے ہی اس نے حضرت کعبہؑ کو خط لکھا تھا جس میں انہیں اپنے ساتھ مل جانے کے لیے اکسایا تھا، لیکن انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین سے اعراض کرنے سے انکار کر دیا۔

۳۴۔ کامیابی و کامرانی کی بشارت | جب کعبہؑ اور ان کے ساتھیوں کو

تو یہاں سے نوید و بشارت کا سلسلہ شروع ہوا۔ فتح و کشاکش کے ابتدائی مقدمات کے طور پر، اور یہ بشارت دو طریقوں پر تھی۔

ایک تو یہ کہ آپ نے بذاتہ اور بنفسہ قطع کلام و گفتگو کے باوجود آپ نے انہیں پیغام ارسال فرمایا اور پیغام یہ تھا کہ اپنی بیویوں سے عیحدگی اختیار کر لو۔ اس میں اس بات کی تنبیہ اور ہدایت تھی کہ اس اثنا میں عبادت اور ریاضت کی جانب زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے۔ خیالات نفسانی قریب نہ پہنکنے پائیں اور لہو و لعب و لذائذ سے انقطاع کامل کر لیا جائے اور کامل یکسوئی کے ساتھ عبادت میں انہماک استغراق کیا جائے۔



دوسرے یہ حکم دراصل کا ورائی اور کامگاری کا آئینہ دار تھا۔ مطلب یہ کہ ابتلا و محسن کی پس چند ساعتیں رہ گئی ہیں

۳۵۔ ایک فکر آفریں اور اہم نکتہ | اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ عبادات کے زمانہ میں عورتوں سے علیحدہ رہنا

چاہیے جیسے حالت احرام، زمانہ اعتکاف، اور حالت صوم میں۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان تینوں کے حق میں یہ آخری ایام و نور عبادت کے باعث احرام اور صیام کی طرح ہو جائیں، رحمت و شفقت کے باعث یہ حکم ابتداء ہی میں نہیں دیا اس خیال سے کہ شاید دورانِ ابتلا ختم ہو رہا تھا جیسے حاجی کو ان چیزوں سے رکنے کا حکم اس وقت ہے جب وہ احرام باندھ لے، نہ کہ اس سے وقت جب وہ حج کا ارادہ اور نیت کرے۔

۳۶۔ سجدہ شکر کی اہمیت و عظمت | بشارت دینے والے کی بشارت پر حضرت کوٹ کا سجدہ کرنا اس بات کی

واضح دلیل ہے کہ ان صحابہؓ کی عادت جمیلہ تھی اور یہ سجدہ شکر کے دفعیہ اور تجدیدی نعت کی بنا پر سجدہ شکر تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی سجدہ شکر کیا جب انہیں مسلمہ کذاب کے قتل ہونے کی خبر ملی اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جب پتہ چلا کہ ذوالشعبہ خوارج کے مقتولین نے جنگ میں ملا ہے تو انہوں نے بھی سجدہ شکر ادا کیا اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ شکر کیا۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ کو بشارت دی۔

جو آپؐ پر ایک بار درود شریف پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجے گا۔ نیز جب آپؐ نے اپنی امت کے لیے شفاعت کی تو بھی سجدہ کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تین بار آپؐ کی شفاعت قبول فرمائی۔

ایک بار ایک خوشخبری دینے والا حاضر ہوا۔ آپؐ کو عسکر اسلام کی فتح یابی کی



خوشخبری دی۔ اس وقت آپ کا سر مبارک حضرت ام المومنین عائشہؓ کے زانو پر تھا، آپ کھڑے ہو گئے اور سجدہ میں چلے گئے۔

حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مسرت انگیز خبر پہنچتی، تو آپ اللہ کے حضور میں سجدہ گزار ہوتے، اور یہ بات تمام آثارِ صحیحہ سے ثابت ہے ان میں کوئی طعن اور کمزوری نہیں۔

۳۷۔ مسلمان کی شان | اور گھوڑے سوار کا جلدی سے آنا اور ٹیلے پر چڑھنے والے کا عمل اس لیے تھا کہ حضرت کعبؓ کو بشارت پہنچائی جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جماعت بھلائی اور امورِ خیر کی از حد طالب اور اس کی طرف سبقت کرنے والی تھی۔ ایک دوسرے کی مسرتوں میں شرکت کرتی اور خوشی محسوس کرتی تھی۔

۳۸۔ خوشخبری دینے والے کو عظیمہ دینا اخلاق کریمانہ کی علامت ہے

اور حضرت کعبؓ کا دونوں کپڑے اتار کر خوشخبری دینے والے کو دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ بشارت دینے والوں کو عظیمہ دینا اخلاق کریمانہ اور عادتِ اشراف کی علامت ہے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے ایک غلام آزاد کر دیا تھا جب اس نے انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ حجاج بن علاط بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے آپ کے لیے ایک خبر لائے ہیں جو ان کے لیے مسرت بخش ہوگی۔

۳۹۔ دینی نعمت میسر آنے پر پورا لباس دے دینا بھی مستحب ہے

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مبشر کو تمام کپڑے دے دینا بھی جائز ہے۔ نیز جسے کوئی نعمت دینی عطا ہو اس کے لیے اس میں استیجاب کا پہلو بھی ملتا ہے۔  
۴۰۔ خوشخبری کے موقع پر مصافحہ کرنا بھی مستحب ہے | اور مصافحہ کرنا بھی اس وقت مستحب

ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ تمام طرق سنن مستحبہ ہیں، ہاں اگر کوئی دنیاوی نعمت مہیا ہو تو اُسے صرف جائز سمجھا جائے گا۔

## ۴۱۔ تو بہ قبول ہونے پر حسب استطاعت صدقہ کرنا مستحب ہے

کافیہ قول کہ اے رسول خدا، میری تو بہ کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنا تمام مال راہ خدا میں دے دوں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تو بہ کے موقع پر حسب استطاعت صدقہ کرنا مستحب ہے۔

## ۴۲۔ پورا مال صدقہ کرنے کی نیت کر چکنے کے بعد بھی اس پر عمل واجب نہیں

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ کچھ مال اپنے لیے روک لو، یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اپنے تمام مال کے صدقہ کر دینے کی نذر مان لے۔ اس پر تمام مال دے دینا واجب نہیں بلکہ اس کے لیے کچھ حصہ بھی لینا جائز ہے۔ اس کے متعلق روایات ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے فرمایا کہ اپنا کچھ مال روک لو۔ اور اس کی مقدار مقرر نہیں فرمائی، بلکہ مطلق چھوڑ دی۔ اور بقدر کفایت ذاتی اجتہاد پر ہی چھوڑ دی اور یہی مطلب درست ہے کیونکہ جو مال صدقہ کرنے والے اور اس کے اہل کی کفایت سے بھی کم ہوگا۔ اس کا صدقہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں اس کی نذر طاعت نہ ہوگی اس لیے پورا کرنا بھی واجب نہیں اور جو اس کی کفایت اور ضرورت سے زائد مال ہوگا اسے دنیا اور اس کا صدقہ کرنا افضل ہے اس لیے جب پورے کو نذر مان لے تو اس میں سے بقدر کفایت اخراج واجب ہوگا، اور فقہی قیاس اور قواعد شرعیہ کا تقاضا یہی ہے اس لیے واجبات مالی ادا کرنے پر اپنے اور اپنے اہل کی کفایت کے معاملہ کو مقدم رکھنا چاہیے، خواہ اللہ کا حق ہو، جیسے کفارے اور حج یا انسانوں کا حق ہو، جیسے ادائیگی قرضہ جات۔ اس طرح ہم

بے مایہ لوگوں کے لیے بھی اپنا پھوڑ دیتے ہیں جو ریش - خادم - لباس، حرقت و صنعت اور ضروریات زندگی کے لیے کفایت کرتا ہو۔ اتنے مال کو عیسویہ کر دینے کے بعد جو باقی بچے گا اس میں قرضخواہوں کا حق ہوگا۔

۴۳۔ صدقہ کی نذر تہائی مال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے | امام احمد سے نص ملتی ہے

کہ جو اپنا تمام مال صدقہ کرنے کی نذر مانے۔ اس کے لیے تہائی کی اجازت ہے۔ اور ان کے اصحاب نے حضرت کعب بن علقمہ کے اسی قصہ سے استدلال کیا ہے، کعب نے آپ سے عرض کیا تھا، اے اللہ کے رسول، اللہ اور اس کے رسول کے سامنے میری تو بہ کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کی خاطر دے ڈالوں۔

آپ نے فرمایا، نہیں۔

انہوں نے عرض کیا پھر نصف مال دے ڈالوں۔

آپ نے فرمایا نہیں یہ بھی نہیں،

کعب نے عرض کیا، اچھا ایک تہائی تو دے ڈالوں؟

آپ نے فرمایا، ہاں، اتنے میں مضائقہ نہیں۔ کعب نے عرض کیا، اچھا پھر میں

اپنا خیر کا حصہ روک لیتا ہوں۔ (ابوداؤد)

۴۴۔ صدقہ کرنے والا اپنے لیے کیا رکھے؟ یہ اس کے ذاتی فیصلہ پر منحصر ہے

لیکن اس روایت کے ثبوت محل نظر ہیں، کیونکہ اس سلسلہ میں حضرت کعب کی روایت سے متعلق اصحاب صحیح کی روایت زیادہ مستند اور صحیح ہے۔ جو امام نہ ہری کی حدیث میں وارد ہے کہ انہوں نے کعب بن مالک کے رط کے سے روایت کی، کہ آپ نے فرمایا، اپنا کچھ مال روک لو۔ اس میں مقدار کا تعین نہیں فرمایا۔ اور یہ دوسروں کے مقابلہ میں صحیح روایت کا زیادہ علم رکھتے تھے۔ کیونکہ کعب کے صاحبزادے



تھے، لہذا ان کی روایت کی بنیاد والد ہی سے سنی ہوئی باتوں پر ہوگی۔

۴۵۔ مسند احمد کی ایک روایت اور اس کی تشریح | اگر یوں کہا جائے کہ مسند

کے متعلق کیا خیال ہے؟ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابولبابہ بن منذر کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں قبولیت توبہ کی مسرت کے باعث اپنے گھر سے دستبردار ہوتا ہوں اور آپ کو پیش کرتا ہوں۔ نیز اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تبیرے حصہ کا (صدقہ) بھی تجھے کافی ہے۔

اس روایت میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ حضرت کعبہؓ اور ابولبابہؓ نے کوئی خاص نذرمانی جس کا ایفاء لازمی ہو۔ بلکہ انہوں نے توبہ کی خوشی میں تمام مال سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اور یہ صراحت تندر کے خلاف ہے کیونکہ اس میں تو ان کے دونوں کا پختہ عزم تھا کہ قبولیت توبہ کے باعث تمام مال اللہ کا شکر ادا کرنے کی وجہ سے صدقہ کر دیا جائے۔ اور بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا، کہ اس مطلب کے لیے مال کا کچھ حصہ بھی کفایت کر سکتا ہے۔ اور تمام مال نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح حضرت سعدؓ نے جب عرض کیا، میں تمام مال (صدقہ کرنے کی) وصیت کرنے کی اجازت چاہتا ہوں تو آپؐ نے انہیں صرف ثلث کی اجازت دی اور ثلث سے زیادہ صدقہ کی ممانعت فرمائی۔

یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ سہولت اور صدقہ کرنے والے کے دینی اور دنیاوی منافع اور فوائد آپؐ کے پیش نظر تھے، کیونکہ اگر آپؐ انہیں سے تمام مال خیرات کر دینے کی اجازت دے دیتے تو وہ فقر اور افلاس میں مبتلا ہو جاتے۔ اسی طرح ایک آدمی آپؐ کی خدمت میں ایک تھیلی لے کر حاضر ہوا آپؐ نے اسے سارا مال صدقہ کرنے سے منع فرمایا۔ اور فقر کے خطرہ کے باعث اس میں ہے



کچھ بھی قبول نہ کیا۔

اس کے علاوہ ایک اور صورت بھی بیان کی جاتی ہے جسے میں ترجیح دیتا ہوں وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کرنے والے کے حالات کے مطابق اس سے بڑاؤ کرتے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو تمام مال صدقہ کرنے کی اجازت دے دی۔ اور جب دریافت فرمایا کہ تم نے گھر میں کیا رکھا؟ تو انہوں نے عرض کیا، ان کے لیے اللہ اور اس کا رسولؐ کافی ہے، آپ نے ابوبکرؓ کو منع نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے نصف مال پیش خدمت کیا۔ آپ نے انہیں بھی اجازت دے دی، جو تنبیلی لے کر آیا تھا اسے پورا مال دینے کی اجازت نہ دی اور حضرت کعبؓ کو حکم دیا کہ کچھ مال روک لو، اس لیے جو آدمی تمام مال صدقہ کرنے کی نذر مان لے اسے چاہیے کہ اس قدر مال روک لے کہ جو اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے ضروری ہو اور اسے زندگی میں دوسروں کے سامنے سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ تمام مال جس پر نہ کوۃ عائد ہوتی ہے۔ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور جس پر نہ کوۃ عائد نہ ہوتی ہو اس کے بارے میں دور و ایات ہیں۔ ایک ادا کرنے کی اور دوسری یہ ہے کہ کچھ بھی نہ دے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، کہ ایسے شخص پر تمام مال کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ امام مالکؒ۔ زہریؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک تنہائی کا صدقہ کر دے۔ ایک گروہ کا یہ قول بھی ہے کہ بقدر کفارہ اس میں واجب ہے۔

۴۲۔ راست گوئی اور صدقہ بیانی کی قدر و عظمت | حضرت کعبؓ کے واقعہ سے راست

گوئی اور صدقہ بیانی کی قدر و عظمت، اور دنیا و آخرت کی سعادت اور شر سے نجات کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے محض صدق کے باعث ان لوگوں کو نجات دی اور محض کذب کے باعث جسے ہلاک کرنا تھا ہلاک کیا اور اللہ تبارک تعالیٰ نے مومنین کو صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ یعنی اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، اور سچوں کے ساتھ رہو۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں منقسم فرمایا ہے سچے اور شقی، اہل صدق و تصدیق کو سچے قرار دیا اور اہل کذب و تکذیب کو شقی قرار دیا۔

بیز اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبر دی کہ قیامت کے دن انہیں صدق ہی نفع دے گا اور منافقین کا نشان اقوال و افعال میں کذب و تکذیب قرار دیا، جس سے ان کی پہچان ہو جاتی ہے۔ کذب سے متضاد ایمان ہوتا ہے جیسے شرک کے مقابل میں توحید ہوتی ہے۔ اس لیے کذب اور ایمان ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے بلکہ ایک دوسرے کو اس کی جگہ سے دھکیل دے گا اور خود اس کی جگہ ٹھہر جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو صدق کے باعث نجات دی، اور دوسرے پیچھے رہنے والوں کو کذب کے باعث ہلاک کیا۔

۴۷۔ تکرارِ توبہ کے الفاظ کی حکمت و مصلحت | ذرا بیت کے اندر تکرارِ توبہ کے الفاظ پر جو اوّل و آخر ہیں

اے میں، غور کیجیے، کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں ان کو توفیق دی اور توبہ قبول فرمائی اور جب انہوں نے توبہ کی تو دوبارہ قبولیت توبہ کی (خبر دی) اسی ذات نے انہیں توفیق بخشی اور پھر توبہ قبول کر کے ان پر فضل فرمایا۔ اس لیے تمام خیر اور ہر طرح کی بھلائیوں اسی کی جانب سے ہیں۔ اسی کی توفیق سے ہیں اور اسی کے لیے ہیں، اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ جس پر چاہتا ہے احسان و فضل فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے حکمت و عدل کے باعث محروم کر دیتا ہے۔

۴۸۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا | حضرت کعبہ نے اس کی بہتر

تفسیر فرمائی ہے جو یہ ہے کہ وہ ان میں سے پیچھے رہے جنہوں نے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حلف اٹھائے اور عذر پیش کیے۔ یہ تینوں اس جماعت سے پیچھے رہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ قصد جہاد سے پیچھے رہ گئے۔

۴۹۔ طلاق بغیر نیت کے نہیں ہوتی | حضرت کعب کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ

اس بات کی دلیل ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک نیت نہ ہو۔  
واقعہ کعب

۵۰۔ ایک بندے کے لیے قبول توبہ کا دن افضل ترین ہے | سے یہ بھی

ثابت ہوتا ہے کہ ایک بندے کے لیے علی الاطلاق بہترین اور افضل ترین دن توبہ اور قبول توبہ کا دن ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب سے فرمایا! آج کا دن تیرے لیے سب سے زیادہ خوشخبری کا دن ہے جب سے تو پیدا ہوا ہے۔ اگر زیادہ اعتراض کیا جائے کہ بہترین دن تو قبول اسلام کا ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ قبول اسلام تو آغاز سعادت کا دن ہے۔ اور یوم توبہ کمال و تمام نعمت کا۔

# تبوک سے واپسی کے بعد

۹؎ میں حضرت ابوبکر صدیق کی امارت حج،

**سورہ برأت کا نزول** | ابن اسحاق فرماتے ہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آنے کے بعد بقیہ رمضان شوال اور ذیقعدہ مہینہ مدینہ میں گزارا۔ اس کے بعد ۹؎ میں حضرت ابوبکرؓ کو مسلمانوں کا امیر حج بنا کر روانہ کیا۔ مشرکین اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ ابوبکرؓ اور ان کی سرکردگی میں اہل اسلام حج کے لیے نکلے۔

ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ سے تین سو آدمی حج کے لیے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس اونٹ قربانی کے لیے بھیجے۔ ان کے قلاوے ڈالے اور اپنے دست مبارک سے نشان ڈالا۔ اور ناجیہؓ بن جندب کو ان کا نگران مقرر فرمایا حضرت ابوبکرؓ پانچ بدنے (اونٹ) لے کر روانہ ہوئے تھے۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں ابوبکرؓ ابھی راستے میں تھے کہ مشرکین اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ ختم کرنے کے لیے سورۃ برأت نازل ہوئی۔



چنانچہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء پر نکلے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ جب عرج میں تھے اور ابن عائد کہتے ہیں ضحبنان میں تھے کہ حضرت علیؓ عضباء پر سوار قتلے سے جا ملے۔

ابو بکرؓ نے علیؓ کو دیکھا تو دریافت کیا آیا آپ امیر بن کر آئے ہیں؟ یا مہور؟ علیؓ نے جواب دیا امیر نہیں مہور بن کر آیا ہوں۔

پھر دونوں چلتے رہے۔

ابن سعد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے علیؓ سے سوال کیا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو امیر حج مقرر فرمایا ہے؟

علیؓ نے جواب دیا، نہیں! بلکہ مجھے اس لیے روانہ فرمایا ہے کہ اہل مکہ کے سامنے سورۃ براءہ پڑھ کر اور ہر معاہد کا عہد اس کے حوالے کر دوں۔

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا اور جب یوم النحر (قربانی کا دن) آیا تو حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور مقام جمرہ میں لوگوں کو اذن دیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اور ہر معاہد کا عہد اس کے حوالے کر دیا اور اعلان کر دیا اے لوگو! کافر جنت میں داخل نہ ہو گا۔ اس سال کے بعد مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ عریاں حالت میں کعبہ کا طواف کرے گا۔ اور جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے بس وہ اسی مدت تک ہے۔

حمیدی فرماتے ہیں کہ ہمیں سفیان سے انھیں ابو اسحاق صدیقی سے انہیں زید بن نفیع سے روایت ملی۔ انھوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت علیؓ سے پوچھا حج کے موقع پر آپ کو کیا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا؟

حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ ”میں جو پیغام لے کر گیا تھا وہ چار باتوں مشتمل تھا۔

۱۔ یعنی ختم کر دوں۔

۲۔ یعنی علان تنسیخ کر دیا۔

- ۱۔ جنت میں صرف، مومن داخل ہوگا۔
  - ۲۔ عریاں کی حالت میں کوئی کعبہ کا طواف نہ کرے گا۔
  - ۳۔ اس سال کے بعد مسجد حرام میں مسلمان اور کافر جمع نہ ہوں گے۔
  - ۴۔ جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ ہے۔ وہ بھی اسی مدت تک ہے اور جس کا کچھ معاہدہ نہیں۔ اس کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے۔
- صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس حج میں نحر کے دن دو موزنوں کو بھیجا جو منیٰ میں اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور نہ کعبہ کا عریاں ہو کر طواف کرے گا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ کا رذیف بنا کر بھیجا اور انھیں سورۃ برآۃ کے اعلان کرنے کا حکم دیا۔ راوی کہتے ہیں پھر حضرت علیؓ نے منیٰ میں نحر کے دن ہمارے سامنے سورۃ برآۃ کا اعلان کیا۔ اور اس بات کا بھی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور نہ عریاں ہو کر کعبہ کا طواف کرے گا۔
- اس قصہ میں اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ حج کا بڑا دن یوم النحر ہوتا ہے۔

# وفودِ عرب

غیر مسلم قبیلوں کے نمائندے  
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

**وفد ثقیف کا اعزاز** | غزوہ طائف کے بیان میں گندہ چکا ہے کہ ثقیف درند  
خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا۔ موسیٰ بن عقبہ بتاتے ہیں  
کہ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا۔ اور عروہ بن مسعود ثقفی نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

**مسجد نبوی میں وفد ثقیف کی رہائش کا انتظام** | رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے ثقیف کے

وفد کو مسجد میں اتارا اور ان کے لیے خیمے لگا دیئے تاکہ وہ قرآن مجید سنیں۔ اور جب  
لوگ نماز پڑھیں تو یہ اسے دیکھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو اپنے آپ کا تذکرہ نہ فرماتے۔ چنانچہ جب وفد ثقیف نے یہ (اندازِ خطاب) سنا تو کہنے لگے۔ محمدؐ چاہتے ہیں کہ ہم اس امر کی گواہی دیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں حالانکہ خطبہ کے دوران میں وہ خود اپنے نبی ہونے کی شہادت نہیں دیتے۔

**عثمان بن العاص کی فطری سعادت و رغبت اسلام** | جب آپ کو ان کے اس قول کی خبر ملی، تو آپؐ نے فرمایا، کہ میں نے سب سے پہلے اس بات کی گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

چنانچہ یہ وفد ہر روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور عثمان بن ابی العاص کو اپنے سامان کا نگران بنا کر انھیں پیچھے چھوڑ آتا کیونکہ یہ چھوٹے تھے اور جب وفد واپس آتا تو یہ عثمانؓ بن العاص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دین کے مسائل معلوم کرتے۔ نیز قرآن مجید پڑھتے۔ اسی طرح عثمانؓ کو بکثرت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے مواقع ملتے رہے۔ یہاں تک کہ دین کے معاملات مسائل میں بلا کی مہارت اور تفقہ حاصل کر لیا، عثمان بن العاص بھی ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ کو مصروف استراحت پاتے، اس صورت میں ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فہم دین حاصل کرتے، خدمت نبویؐ میں اپنی حاضری کو عثمانؓ نے اپنے ساتھیوں سے خفیہ اور پوشیدہ رکھا۔ رسالت مآبؐ کو عثمانؓ بن العاص کی یہ ادا بھاگئی آپؐ ان سے محبت کرنے لگے۔

**رُعیس وفد کے سوالات اور آپؐ کے جوابات** | وفد کچھ دیر تک اسٹھہرا رہا۔ اور برابر جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ آپؐ انھیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آخر کار یہ وفد مسلمان ہو گیا۔



کنانہ بن عبدیلیل نے دریافت کیا کیا آپ ہم سے مصالحت کریں گے، ہم ابھی قوم کے پاس جا کر واپس آجائیں؟

آپ نے فرمایا، ہاں! اگر تم نے اسلام کا اقرار کر لیا تو میں تم سے مصالحت کر لوں گا۔ ورنہ کوئی صلح نہ ہوگی اور نہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی عہد ہوگا۔

وہ کہنے لگا: کیا آپ زنا کی اجازت دیں گے؟ کیونکہ ہماری قوم کے لوگ اکثر مجرور رہتے ہیں۔ لہذا زنا کے بغیر ہمارے لیے کوئی چارہ کار نہیں۔

آپ نے فرمایا: یہ تم پر حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا، یعنی ”اور پاس نہ جاؤ زنا کے وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے۔“

وہ کہنے لگا، کیا آپ سود کی اجازت دیں گے؟ کیونکہ یہی ہماری دولت اور پونجی ہے۔“

آپ نے فرمایا، تمہارے لیے صرف اصل زر کی اجازت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔

پھر وہ کہنے لگا، کیا ہمیں شراب کی اجازت ہے؟ کیونکہ یہ ہماری زمین کا پھوڑ ہے اور اس کے بغیر ہماری گندان دشوار ہے۔

آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا ہے، پھر آیت پڑھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ،

یعنی اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانے سب گندے کام ہیں، شیطان کے سوا ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔

اس کے بعد یہ لوگ اٹھ کر گئے اور ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے، اور

آپس میں کہنے لگے۔ تمہارا ناس ہو ہمیں یوم مکہ کی طرح خطرہ ہے۔ آؤ ہم ان سے اس پر مصالحت کر لیں۔

اس کے بعد پھر یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ ہم اپنی دیوی (ربہ) کے ساتھ کیا سلوک کریں؟ آپ نے فرمایا، اسے توڑ ڈالو۔

وہ کہنے لگے، ہائے ہائے اگر دیوی کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ اسے ختم کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تو وہ وہاں کے لوگوں کو ہلاک کر دے گی۔

حضرت عمر بن خطابؓ بول اٹھے اور فرمایا، اے ابن عبد یلیل، تو کس قدر جاہل ہے وہ بت تو ایک پتھر ہے۔

وفد کے لوگ کہنے لگے اے ابن خطاب ہم تیرے پاس نہیں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ اسے توڑ پھوڑ دیں ہم تو اسے کبھی بھی نہیں توڑ پھوڑ سکیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسے آدمی کو بھیج دوں گا جو یہ کام کر دے گا چنانچہ معاہدہ ہو گیا اس کے بعد کنانہ بن عبد یلیل کہنے لگا۔ قبل اس کے کہ آپ کا آدمی پہنچے ہمیں اجازت دیجیے، کیونکہ میں اپنی قوم کی حالت اور اس کے انداز و اطوار کو خوب جانتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تامل اجازت دے دی اور خوب اچھی طرح اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت فرمایا۔

اہل وفد نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ایک آدمی کو ہم میں سے امیر بنا دیجیے جو ہماری امارت کرے۔ آپ چونکہ حضرت عثمان بن ابی العاص کی خواہش دین فہمی سے واقف تھے، لہذا انہی کو ان کا امیر مقرر کر دیا۔ ان لوگوں نے مدینہ سے نکلنے سے قبل قرآن مجید کی چند سورتیں یاد کر لی تھیں۔

لات کا انہدام مغیرہ بن شعبہ کے ہاتھوں | اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد آئے

ان کے امیر حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ ان میں مغیرہؓ بن شعبہ بھی تھے۔ جب یہ لوگ پہنچے تو انھوں نے لات کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا اس منظر کو دیکھنے کے لیے بنو ثقیف کے تمام مرد عورتیں اور بچے حتیٰ کہ پردہ دار عورتیں بھی باہر نکل آئیں اور

ثقیف کے عوام کا عقیدہ تھا کہ اسے گرایا نہیں جاسکتا۔ اس کے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اٹھے اور بڑا سا کھاڑا پکڑا اور اپنے اصحابؓ سے کہنے لگے۔

خدا کی قسم ثقیف (کی جہالت کے باعث) میں تمہیں خوب ہنساؤں گا۔ اس کے بعد انھوں نے وہ کھاڑا مارا اور لڑکھڑاتے ہوئے (قصداً) گر گئے۔

اہل طائف میں ایک شور بلند ہوا، آپس میں کہنے لگے، اللہ مغیرہؓ کو دور رکھے، دیوی (ربہ) نے اسے قتل کر دیا ہے، اور انھیں گرا ہوا دیکھ کر خوب خوش ہوئے اور کہنے لگے اب تم میں سے جو چاہے آگے بڑھے اور اس دیوی کو منہدم کرنے کی کوشش کر دیکھے بخدا، یہ کام کسی کے بس کا روگ نہیں، ناممکن ہے محال ہے۔

اس کے بعد مغیرہؓ بن شعبہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے ثقیف کے گروہ خدا تمہارا منہ کالا کرے یہ تو ایک پتھر کا ٹکڑا ہے اور ایک ڈھیلا ہے۔ اس لیے اللہ کی پناہ میں آؤ اسی کی عبادت کرو۔ اس کے بعد دروازے پر ضرب لگائی اور اسے توڑ دیا۔ پھر اس کے فصیل پر چڑھ گئے اور دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ چڑھ گئے۔ اور یہ اسے توڑتے رہے۔ آخر کار توڑ پھوٹ کر اسے زمین کے برابر کر دیا۔

اس کے بعد کلید بردار نے کہا، اس کی بنیاد ضرور غضب ڈھائے گی اور انھیں زمین میں دھنسا دے گی۔

جب حضرت مغیرہؓ نے یہ سنا، تو حضرت خالدؓ سے کہنے لگے۔ ٹھہرو۔ ذرا میں اس کی بنیاد کھود ڈالوں، انھیں نے بنیاد کھود کر اس کی مٹی نکالی۔ پھر دیوی کے زیورات اور لباس نکال لیا۔

ثقیف کو یہ منظر دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ اس کے بعد یہ وف زلیورات اور لباس لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسی وقت اسے

تقسیم فرمادیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی کہ اس نے اپنے نبی کی نصرت فرمائی اور اپنے دین کو اعزاز و شرف بخشا۔

عثمان بن ابی العاص کو آنحضرتؐ کی تلقین | صحیح مسلم میں حضرت عثمانؓ بنے ابی العاص سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول شیطان میرے اور میری نماز اور قرأت کے درمیان حائل ہوا کرتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اس شیطان کو خنزب کہتے ہیں۔ جب تجھے اس کا احساس ہو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگے اور بائیں جانب تین بار تھوک دے۔ پھر میں نے اسی طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کو میرے راستے سے ہٹا دیا۔



# چند فقہی احکام و مسائل

## وفدِ ثقیف اور وفدِ عرب کی آمد کے سلسلہ میں استنباط

۱۔ اہل حرب میں اگر کوئی عذر کرے تو ضمان نہیں | اس واقعہ میں فقہی حکم یہ ہے:

(۱) اگر اہل حرب میں سے کوئی اپنی قوم کے ساتھ عذر کرے اور ان کے مال و متاع پر قبضہ کرے۔ اس کے بعد اسلام قبول کر کے امام المسلمین کے سامنے حاضر ہو جائے تو واپسی سے قبل اس نے جس قدر اتلاف کیا ہو گا اس کی ضمان نہ ہوگی۔

۲۔ مشرکین کو مسجد میں ٹھہرایا جاسکتا ہے | نیز مشرکین کو مسجد ٹھہرانا عمومی طور پر جائز ہے۔ خصوصاً ان حالات میں

کہ قرآن پاک کے سماع اہل اسلام کی عبادات کے مشاہدے سے ان کے قبول اسلام کی اُمید ہو۔

۳۔ امارت و امامت کا استحقاق کسے ہے؟ | نیز قوم کی امارت و امامت کا استحقاق اسے ہے جو

کتاب اللہ کا زیادہ عالم اور دینی فقاہت رکھنے والا ہو۔

۴۔ مشرک کے مراکز کا انہدام | نزوہ مشرکانہ مقامات جہاں کہ شیاطین کے گھر بنائے گئے ہوں۔ انہیں گمراہ دینا ضروری ہے

ان کا گمراہنا اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہے۔ چنانچہ ایسے مقامات کا گمراہنا اسلام اور اہل اسلام کے حق مفید ہے۔

۵۔ مزارات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں | اور یہی حالت ان مزارات کی ہے کہ جن کی اللہ کے سوا عباد

کی جاتی ہے اور اصحاب مزارت کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔ اسلام میں ان مزارات کو قائم نہ رکھنا جائز نہیں۔ انہیں گمراہ دینا واجب ہے اور ان پر وقف کرنا جائز نہیں۔ امام پر واجب ہے کہ انہیں ختم کر دے اور ان کے اوقاف کو لشکر اسلام کے مصارف پر خرچ کرے۔ اور ان کو اہل اسلام کی مصالح عامہ پر استعمال کرے۔ اسی طرح ان مزارات میں جو آلات۔ سامان۔ نذرین وغیرہ ہو۔ ان سب کو لے لے اور انہیں اہل اسلام پر خرچ کر دے۔

۶۔ طاغوت گاہوں کی مساجد میں تبدیلی | نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان طاغوت گاہوں کو مساجد

میں بدل دینا چاہیے تاکہ ان مشرک گاہوں میں اللہ کی وحدانیت سر بلند ہو اور اس کے ساتھ مشرک نہ کیا جائے۔ اسی طرح مزارات میں بھی یہی طریقہ واجب ہے انہیں گمراہ کر اس جگہ مسجد بنا دینا چاہیے اہل اسلام کو اس کی ضرورت ہو۔

۷۔ شیاطین اور بلیات سے پناہ | نیز بندہ اگر اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھے، اور بائیں جانب تین

بار تھوک دے تو اسے بلیات و شیاطین سے کچھ ضرر نہ ہوگا، اور یہ نزکت قاطع

نماز بھی نہیں۔ بلکہ یہ اتمام و اکمال نماز کے لیے۔

۸۔ وفود عرب کی جوق در جوق آمد | ابن اسحقؒ فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا۔ اور غزوہ تبوک

سے فارغ ہو گئے۔ ثقیف نے اسلام قبول کر کے بیعت کر لی۔ تو ہر سمت سے عربوں کے وفود حاضر ہوئے۔ اور گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوئے یہ وفد ہر طرف سے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔

---

# عامر بن طفیل اور اربد بن قیس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دشمنوں پر قہرِ خدائی

**وفد بنو عامر بارگاہِ رسولؐ میں** ہمیں ابن اسحاقؒ سے روایت ملی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو عامر کا جو وفد حاضر ہوا اس میں عامر بن طفیل اور اربد بن قیس - خالد بن جعفر اور حیان بن مسلم بن مالک بھی شریک تھے - یہ لوگ اس قوم کے سردار اور بڑے شیطان صفت لوگ تھے - چنانچہ اللہ کا دشمن عامر بن طفیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا اس کا مقصد آپؐ کو دھوکا دے کر ہلاک کرنا تھا، اس کی قوم کے لوگوں نے کہا اے عامر تمہاری قوم تو مسلمان ہو چکی ہے -

اس نے جواب دیا - اللہ کی قسم میں تہیہ کر چکا ہوں کہ عرب قوم میرا اتباع کرے گی اور میں اس قریشی نوجواں کے پیچھے پڑ جاؤں گا - پھر اس نے اربد سے کہا - جب ہم اس آدمی (آنحضرتؐ) کے پاس جائیں تو میں اس کا چہرہ تمہاری جانب سے اپنی طرف مشغول کر لوں گا - جب میں یہ کام کر لوں، تو تم تلوار سے حملہ کر دینا



جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو عامر کہنے لگا اے محمدؐ میری کفایت کیجیے۔

آپؐ نے فرمایا:

نہیں اللہ کی قسم جب تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ، وہ کہنے لگا، اے محمدؐ میری کفایت کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں اللہ کی قسم جب تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ۔ جب اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انکار ہی کرتے رہے تو کہنے لگا۔ خدا کی قسم میں آپؐ کے مقابلے میں گھوڑ سواروں اور پیادوں سے (میدان) کو بھردوں گا۔

یہ کہہ کر جب واپس چلا گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ میری طرف سے تو ہی عامر بن طفیل سے نیٹ۔

جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے تو عامر نے اربد سے کہا اے اربد تجھے یاد ہے۔ میں نے تجھ سے کیا کہا تھا؟ خدا کی قسم اس زمین پر میرے نزدیک تجھ سے زیادہ کوئی باہمیت نہ تھا اور خدا کی قسم آج کے بعد تو اپنی ہمیت کھو چکا۔

اس نے جواب دیا تو غارت ہو، میرے بارے میں جلدی نہ کر، بخدا میں نے جب بھی اس بات کا ارادہ کیا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا تو میرے اور اس آدمی (آنحضرتؐ) کے درمیان پردہ حائل ہو جاتا اور میں تجھ پر تلوار چلاتا دکھائی دیتا۔

اس گفتگو کے بعد یہ لوگ واپس اپنے شہر کی طرف چل دیے۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کو طاعون کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور بنی کی ایک عورت کے گھر میں مر گیا۔

اس کے بعد یہ لوگ نکلے اور بنی عامر کے علاقے میں پہنچے، ان کی قوم ان کے پاس آئی۔ لوگ پوچھنے لگے۔

اے میرا ساتھ دیں۔

اے اربد کیا خبر لائے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ محمدؐ نے مجھے ایسی ذات کی عبادت کی دعوت دی ہے کہ جی چاہتا ہے۔ اگر وہ میرے پاس اس وقت ہوتا، تو میں اسے اس تیر سے نشانہ بناتا اور قتل کر دیتا۔

اس بات چیت کے دو یا تین دن بعد اربد اپنا اونٹ لے کر فروخت کے ارادہ سے جان نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی گرائی جس سے یہ دونوں جل کر خاک ہو گئے۔ یہ اربد بعید بن ربیعہ کا بھائی تھا۔

# وفد عبد القیس

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وفد عبد القیس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ یہ لوگ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ عرض کیا گیا بنو ربیعہ سے۔

آپؐ نے فرمایا، مرحبا اس وفد کو جس کے حصہ میں نہ رسوائی نہ شرمندگی۔ انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر واقع ہے۔ اور صرف شہر حرام میں ہی آپ تک حاضر ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں کسی ایسی بات کا حکم فرمائیے کہ ہم بھی اس پر چلیں اور جو ہمارے پیچھے ہیں انھیں بھی اس پر عمل کی دعوت دیں۔ اور اس کی برکت سے جنت میں داخل ہو جائیں۔

آپؐ نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں (۱) میں تمہیں ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان لانے

کا مطلب کیا ہے؟ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا اور اقرار کرنا۔

(۲) نماز قائم کرنا۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۴) رمضان کے روزے رکھنا۔

نیز اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ مالِ غنیمت میں سے خمس ادا کیا کرو، اور تمہیں چار باتوں سے منع کرتا ہوں۔ یہ دُبا، حنتم، نقیر اور مزفت ہیں۔ میری یہ باتیں یاد رکھو۔ جو تمہارے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان تک بھی انھیں پہنچا دو۔

**ایک نصرانی کا قبول اسلام** | ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جبار و بن علاء نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ نصرانی تھا اور

وفدِ عبدالقیس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول، میں ایک دین کا پیروں ہوں لیکن آپ کے دین کے لیے اس

دین کو چھوڑتا ہوں۔ آپ کے دین میں جو منفعت ہے اس کی مجھے ضمانت دیجیے۔

آپ نے فرمایا: ہاں میں اس بات کا ضامن ہوں کہ جس کی طرف میں تجھے بلاتا ہوں

اس میں جو کچھ ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ جو تیرے دین میں ہے۔

وہ اسلام لے آیا اور اس کے ساتھیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ انھوں نے عرض

کیا، اے اللہ کے رسول مجھے سواریاں عنایت کیجیے۔ آپ نے فرمایا، بخدا میرے پاس

ایسی کوئی چیز نہیں جسے میں تمہیں بطور سواری دے سکوں۔

انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہمارے اور ہماری آبادیوں کے

درمیان بعض لوگوں کی گم شدہ سواریاں ہوتی ہیں کیا ہم ان پر قبضہ کر کے ان کے ذریعہ

پہنچ جائیں؟

آپ نے فرمایا، نہیں یہ تو جہنم میں جانے والی باتیں ہیں۔



**فوائد و مسائل و احکام مستنبط** (۱) اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان لانا قول و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تابعین اور تبع تابعین کا مسلک ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے مبسوط میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور کتاب و سنت سے اس کے متعلق صد ہا دلیلیں مل سکتی ہیں۔

۲۔ آنحضرتؐ نے اس موقع پر حج کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ یہ لوگ ۹ھ میں حاضر ہوئے تھے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ۱۰ھ میں فرض ہوا تھا۔ اگر اس وقت فرض ہوتا تو جس طرح روزے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح حج کو بھی ایمان کا حصہ شمار کیا جاتا۔

**جبر و قدر کا مسئلہ مہم** (۲) نیز اس سے اس بات کی دلیل بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے افعال و اخلاق کا خالق ہے جس طرح ان کی ذات و صفات کا خالق ہے یعنی بندہ اور اس کی ذات و صفات و افعال سب مخلوق ہیں، اور جس نے بندے کے افعال کو اللہ کی خلقت سے الگ رکھا ہے۔ اس نے اللہ کے ساتھ ساتھ ایک اور خالق بنا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف نے قدریہ کو مجوسی قرار دیا ہے۔ جو بندے کے افعال کو اللہ کی تخلیق نہیں مانتے۔ قدریہ کے بارے میں اسلام کا مجوسی ہونا، ابن عباسؓ سے صحت کے ساتھ مروی ہے۔ اور ان الفاظ سے درحقیقت جبر کا نہیں بلکہ جبلت کا اثبات ہوتا ہے، کیونکہ خدا اپنے بندے کو جس طرح چاہتا ہے۔ جبلی طور پر (پیدا) کرتا ہے۔ اس وجہ سے امام اوزاعیؒ وغیرہ ائمہ سلف نے فرمایا ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اعمال پر جبلت بخشی ہے۔ اور ہم یوں نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جبر کیا ہے۔ یہ جملہ کے علم اور ان کی وقتِ نظر کا آئینہ دار ہے کیونکہ جبر کا مطلب تو بندے کے ارادہ کے خلاف ہوتا ہے جیسے نابالغ بچہ پر نکاح کے لیے جبر کرنا۔ حاکم کا اسے مجبور کرنا جس پر کسی کا حق ہو کہ وہ اس حق کو ادا کر دے مگر اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندے

پر اس طرح کا جبر کرے، بلکہ وہ اسے جبلت بخشتا ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کی مشیت اور اپنے ارادے اور اختیار و مشیت کے مطابق کام کرے۔ یہ الگ طریق فکر ہے، اور وہ الگ طریق فکر ہے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی گم شدہ چیز سے انتفاع جائز نہیں جس کا انتفاع ناجائز ہو، جیسے اونٹ، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کو گم شدہ اونٹ پر سواری کی اجازت نہیں دی اور فرمایا، مسلمان کی گم شدہ چیز سے انتفاع جہنم کا لقمہ بننا ہے۔

---

# وفد بنو حنیفہ

## مسلمہ کذاب آستانہ نبوت پر

مسلمہ کے بارے میں آپ کا ارشاد | ابن اسحاق فرماتے ہیں:

بنی حنیفہ کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی وفد میں مسلمہ کذاب بھی شامل تھا۔ یہ وفد بنو نجار کی ایک انصاری عورت کے گھر میں ٹھہرا تھا، اصحاب وفد اپنے ساتھ مسلمہ کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس نے کپڑوں میں اپنے آپ کو لپیٹ رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی معیت میں جلوہ فرما تھے آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی۔

جب یہ وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مسلمہ ساتھ تھا، اور ان لوگوں کی مدد سے کپڑوں میں لپیٹا ہوا تھا۔ اس نے آپ سے گفتگو کی اور کچھ مانگا۔ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

”اگر تو یہ ٹہنی مانگے جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے، تو یہ بھی تجھے نہیں دوں گا۔“

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بنو حنیفہ میں اہل یمامہ کے ایک بوڑھے نے بتایا کہ اصل واقعہ یوں نہیں ہے، بلکہ اس طرح ہے کہ بنو حنیفہ کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا مسلمہ کو اصحاب وفد نے سامان کی نگرانی کے لیے پیچھے ہی رہنے دیا۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے مسلمہ کا بھی تذکرہ کیا اور کہنے لگے۔

اے اللہ کے رسول ہم نے اپنے ساتھی کو اپنے سامان اور سواروں کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ آپؐ نے ان لوگوں کو جو کچھ حکم دیا تھا، مسلمہ کے لیے بھی وہی فرمایا، اور فرمایا، وہ تم جیسا آدمی نہیں ہے کہ اپنے ساتھیوں کے سبزو سامان کی حفاظت کر سکے۔

اس گفتگو کے بعد یہ لوگ واپس ہوئے۔ بنی ضلی اللہ علیہ وسلم کے بخشش کردہ عطایا بھی ان کے ساتھ تھے۔ جب یہ لوگ یمامہ پہنچے، تو اللہ کا دشمن (مسلمہ) مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا، اور کہنے لگا، میں بھی محمدؐ کے ساتھ شریک (نبوت) ہوں کیا آپؐ نے تم سے میرا تذکرہ یوں نہیں کیا تھا کہ وہ تم جیسا آدمی نہیں ہے، اور یہ اس وجہ سے تھا کہ انھیں معلوم تھا کہ میں بھی ان کی نبوت میں شریک ہوں، پھر اس نے اپنا مسجح کلام بطرز قرآن مجید سنانا شروع کیا:

لقد انعم الله على الجلي اخرج منها فسمه تسع من بين صفاق وحشا۔  
یعنی اللہ نے حاملہ پر انعام کیا۔ اس سے ایک روح نکالی، جو صفاق اور انتریوں کے درمیان چلتی ہے۔

مسلمہ نے نماز معاف کر دی۔ شراب اور زنا کو حلال کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس بات کی بھی گواہی دیتا رہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ بنو حنیفہ نے اس معاملہ میں اس کا ساتھ دیا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا۔ مسلمہ کی جانب سے محمدؐ رسول اللہ کی طرف۔



اما بعد !

”میں نے اس کام (نبوت) میں آپ سے شرکت کر لی ہے۔ اب نصف ہمارے  
 بیٹے ہوگا اور نصف قریش کا حصہ ہوگا۔ اور قریش انصاف کرنے والے لوگ نہیں ہیں“  
 مسلمہ کا قاصد یہ خط لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔  
 محمد رسول اللہ کی جانب سے مسلمہ کذاب کی طرف سلام علی من اتبع الهدی  
 اما بعد !

بے شک زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے  
 اس کا وارث بناتا ہے اور (بہتر) انجام پر ہیزگاروں کے لیے ہے۔  
 یہ واقعہ سنا کہ آخر کا ہے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ سعد بن طارق نے مجھے بتایا، انھیں مسلمہ بن مسعود سے  
 انھیں اپنے والد سے روایت پہنچی کہ جب مسلمہ کذاب کا ایلچی آیا تو میں نے سنا، رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قاصدوں سے ارشاد فرمایا۔ ”کیا تم بھی وہی کہتے ہو جو اس  
 (کذاب) کا دعویٰ ہے؟

ان لوگوں نے جواب دیا، ہاں بے شک ہم اسے نبی مانتے ہیں۔  
 آپ نے فرمایا، خدا کی قسم اگر قاصدوں کا قتل روا ہوتا، تو میں تم دونوں کی گردن  
 مار دیتا۔

عبداللہ فرماتے ہیں، اس واقعہ سے سنت چل پڑی کہ قاصدوں کو قتل نہ کیا جائے۔  
 صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ ”انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں سو رہا تھا کہ میرے پاس زمین کے خزانے لائے گئے۔  
 اور میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن ڈالے گئے۔ یہ مجھے گمراہ گزرے اور اس  
 سے ایک طرح کا مجھے غم لاحق ہوا۔ پھر مجھے وحی کی گئی کہ میں ان پر پھونک ماروں، میں  
 نے پھونک مار دی تو دونوں کنگن اڑ گئے۔ میں نے اس سے تاویل یہ لی کہ یہ وہ کذاب

ہیں کہ میں ان دونوں کے درمیان ہوں۔ یعنی صنعاء اور یمن کے (دونوں کذاب)۔  
**اس واقعہ سے متعلق احکامات** (۱) اس سے ثابت ہوا کہ جب مرتدین کی  
 سطوت قائم ہو تو ان سے مراسلت کرنا جائز ہے۔  
 (۲) انھیں کفار کی طرح سلاہ علی من اتبع الہدیٰ لکھا جائے گا۔

(۳) نیز یہ کہ قاصد کو قتل نہ کیا جائے گا، اگرچہ وہ مرتد ہی ہو، یہی سنت ہے۔  
 (۴) نیز امام کو چاہیے کہ وہ کسی اہل علم سے معترضین کے جوابات لکھائے۔ اسی  
 طرح (مرتدین) کے جوابات دینے کے لیے کسی عالم کو مقرر کیا جائے جو انہیں جواب دے  
 (۵) نیز اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل اعلیٰ کا اظہار ہوتا ہے  
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کنگنوں کو اپنی روح کے ساتھ پھونک ماری، تو  
 وہ دونوں اڑ گئے اور یہ روح حضرت صدیق شکی ہی تھی جس کے ذریعہ مسلمہ کو ختم کیا گیا  
 (۶) اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ زیورات کا لباس خواب میں دیکھنا، دیکھنے والے  
 کے لیے، آنے والے دکھ یا تکلیف کی جانب اشارہ کرتا ہے، ایک آدمی نے  
 مجھے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میری ناک میں سونے کی ایک نتھہ ہے اور اس  
 میں سرخ پتھر کا نگینہ ہے۔ میں نے اسے جواب دیا کہ تجھے نکیسر کی شکایت ہو جائے

۱۵ اس جملہ کے معنی ہیں: ”اس پر سلامتی ہو جو راہ ہدایت پر گامزن ہو“

اس کے برعکس مسلمان سے کہتے ہیں:

”السلام علیکم“ (تجھ پر سلامتی ہو)

کیونکہ مسلمان راہ ہدایت پر گامزن ہوتا ہے، اور کافر نہیں ہوتا۔ (رئیس احمد جعفری)  
 ۱۶ اس سے بڑھ کر رواداری، فراخ حوصلگی، اور عالی ظرفی کیا ہو سکتی ہے کہ دشمن خواہ کتنا ہی  
 ذیل اور پست ہو۔ مگر اس کے قاصد کی جان پر آ پخ نہیں آ سکتی، خواہ وہ مرتد ہی کیوں  
 نہ ہو، جس کے بارے میں علمائے اسلام کے ایک بڑے طبقہ کی رائے ہے کہ اس  
 کا قتل واجب ہے۔

گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرے ہونٹوں سے کلابند ٹلکے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ تجھے ایک مرض لاحق ہو گا جس کے باعث تیرے ہونٹوں میں فصد کرنے کی ضرورت ہوگی، چنانچہ اس کا اسی طرح ہوا۔  
(۷) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کفار میں سے کوئی امام سے ملنا چاہے تو اسے نبات خود اس سے ملنے کے لیے آنا چاہیے۔

(۸) سند ابی داؤد طباطبائی میں ابو وائل عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سلیمہ کے جو قاصد آئے تھے وہ ابن نواحہ اور ابنہ اثال تھے۔

---

# وفد طے کی آمد

## زید الخیل یا زید الخیر کے بارے میں آنحضرتؐ کے ارشادات

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ طے کا وفد حاضر ہوا۔ ان میں زید الخیل بھی تھے۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ جب یہ وفد حاضر ہوا تو آپؐ نے ان سے گفتگو فرمائی اور ان پر اسلام پیش فرمایا۔ یہ لوگ مسلمان ہوئے اور بہت اچھی طرح اسلام لائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے عرب کے کسی آدمی کے جس قدر فضائل بیان کیے جاتے ہیں۔ جب وہ میرے پاس آتا ہے تو وہ صرف زید الخیل ہی میں پورے اترتے ہیں۔ پھر آپؐ نے ان کا نام زید الخیر رکھا۔ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ ایک قول کے مطابق زید الخیر خلافتِ عمرؓ کے آخری عہد میں فوت ہوئے۔ ان کے وہ بیٹے مکنف اور حریث تھے، جو اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بنے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ مرتدین سے جنگ کرتے کرتے شہادت پائی۔



# وفد کتدہ کی آمد

## خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں

ابن اسحاق فرماتے ہیں: مجھے زہریؒ نے بتایا کہ اشعث بن قیس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی اور ساٹھ سوار کے لگ بھگ لے کر حاضر ہوئے۔ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں داخل ہوئے یہ سب ہتھیار بند تھے۔ انھوں نے اجباء کا ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔ جب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کیا تم نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟ کہنے لگے: مسلمان ہو چکے ہیں۔  
 آپؐ نے فرمایا، تو پھر تمہاری گردنوں میں یہ ریشم کیسا نظر آتا ہے؟  
 یہ سنتے ہی انھوں نے اسے پھاڑ کر اتارا اور پھینک دیا۔ اس کے بعد اشعثؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم بھی مرار کھانے والوں کی اولاد ہیں اور آپؐ بھی مرار کھانے والوں کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی انھوں نے فرمایا اس نے ربیعہ بن حرث اور عباس بن عبدالمطلب کے درمیان

نسبت پیدا کرنی چاہی ہے،

کہتے ہیں کہ زہریؓ اور ابن اسحاقؓ تاجر تھے جب یہ دونوں سرزمین عرب میں سفر کرتے اور پوچھا جاتا کہ تم کون ہو؟ تو جواب دیتے کہ ہم مرارہ اُونٹوں کے کھانے کی ایک بوٹی، کھانے والوں کی اولاد سے ہیں۔ اس سے اہل عرب ان کا از حد احترام کرتے اور اپنے آپ کا تحفظ کرنے میں انہیں بہت سہولت ہوتی۔ کیونکہ بنو اَکَل المرارہؓ کندہ کے رہنے والے تھے۔ جو بادشاہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے ہیں۔ نہ ہم اپنی ماں کو فاجرہ بتاتے ہیں اور نہ اپنے والد سے نفی کرتے ہیں۔

مستند میں حماد بن سلمہ کی حدیث ہے جو انھوں نے عقیل بن طلحہ سے اور انھوں نے مسلم بن مسلم سے روایت کی ہے کہ اشعث بن قیس نے کہا۔  
یا رسول اللہ کیا آپ ہم میں سے نہیں ہیں؟  
آپ نے جواب میں فرمایا۔

ہم بنو نضر بن کنانہ ہیں، نہ ہماری ماں فاجرہ تھی۔ نہ ہم اپنے باپ کا انکار کرتے ہیں۔

**مسائل فقہیہ کا اس واقعہ سے استنباط** | اس واقعہ سے کئی فقہی مسائل پر روشنی پڑتی ہے، جو حسب ذیل ہیں

۱۔ یہ کہ جو شخص بنو نضر بن کنانہ کی اولاد میں ہونے کا مدعی ہو وہ قریش میں سے ہے  
۲۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حرام چیزوں کا ضائع کر دینا تلف کر دینا جائز ہے، مثلاً ریشم کا لباس مردوں کے لیے حرام ہے، اسے اگر کوئی تلف کر دے تو کوئی حرج نہیں، اسے اعناعت یعنی ضائع کرنا نہیں قرار دیں گے۔

۳۔ المرارہ ایک درخت ہے جو باویہ میں اُگتا ہے، آکل المرارہ (مرارہ کھانے والا) سے مراد حارث بن عمرو بن حجر بن عمرو بن معاویہ بن کندہ ہیں، آپ کی جدہ کندہ میں سے تھیں۔ جو ام کلاب بن مروہ کے نام سے یاد کی جاتی تھیں، اشعث کا اشارہ

اسی طرف تھا۔

۴۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس نے گویا اپنے باپ کا انکار کیا۔

۵۔ نیز یہ کہ آپ نصر بن کنانہ کی اولاد میں سے تھے،

۶۔ نیز یہ کہ جو شخص اپنے معروف نسب سے انکار کرے اس پر حد قذف (تہمت کی سزا) جاری کی جاسکتی ہے۔

---

# اشعر لوں اور کمینوں کا وفد

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں

یزید بن ہارون نے حمید سے انھوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایک قوم آرہی ہے جو تم سے زیادہ رقیق القلب ہے۔  
چنانچہ اشعری لوگ رجز پڑھتے ہوئے حاضر ہوئے۔

عن النلقی الاحیہ

محمدؐ و حزبه

ترجمہ: کل ہم دوستوں سے ملاقات کریں گے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت (صحابہ) سے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اہل مین آئے۔ یہ لوگ رقیق القلب



اور نازک دل ہیں۔ اور ایمان تو بس یمن ہی میں ہے۔ اور وقار و سکینۃ اہل غنم (بکریوں والوں) میں ہے۔ اور فخر اور بڑائی طلوع آفتاب سے قبل بدویوں میں ہے۔ ہمیں یزید بن ہارون سے انہیں ابن ابی ذویب سے انھیں حرث بن عبد الرحمن سے انہیں محمد بن جبیر بن مطعم سے انھیں اپنے والد سے روایت ملی۔ فرمایا: کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپ نے فرمایا: تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں۔ گویا کہ وہ ابرہ ہیں۔ یہ لوگ اہل زمین میں سے بہتر لوگ ہیں۔

ایک انصاری نے عرض کیا اے اللہ کے رسول: ”سوا ہمارے“ آپ خاموش رہے۔ پھر اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ”سوا ہمارے“ آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر آپ نے آہستہ سے فرمایا: ”سوا تمہارے“ صحیح بخاری میں ہے کہ بنو تمیم کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا:

اے بنی تمیم خوش ہو جاؤ۔ انھوں نے عرض کیا۔ آپ نے ہمیں خوش خبری سنائی اس لیے ہمیں کچھ عطا فرمائیے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور متغیر ہو گیا۔ پھر اہل یمن میں سے ایک جماعت حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا: خوشخبری قبول کرو جب کہ بنو تمیم نے قبول نہیں کی۔

وہ کہنے لگے! ہم نے قبول کر لی۔ پھر انھوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہم دین سمجھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں پہلا مسئلہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ دنیا کی ابتداء کیا تھی؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی سب سے پہلے تھا اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ہر چیز کتاب میں لکھ دی ہے!

# وفدازد

آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوتا ہے

آپ کی ایک پیش گوئی | ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ مرد بن عبد اللہ ازدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اسلام لایا اور وفدازد کے لوگوں میں سب سے بہتر طور پر اسلام قبول کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی قوم کے مسلمانوں پر امیر مقرر فرمایا؛ اہل یمن کے مشرک قبائل سے ان مسلمانوں کی مدد لے کر جہاد کرے۔ جو اس کی قوم میں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک چھوٹی سی جماعت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نکلا اور مقام جہرش میں ٹھہرا۔ ان دنوں یہ جگہ ایک بند شہر تھا۔ اور یہاں یمن کے قبائل آباد تھے۔

جب خشم نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سنی تو وہ بھی سب کے ساتھ شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ اہل اسلام نے ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا۔ لیکن یہ لوگ

قابول میں نہ آئے آخر مسلمان لوٹ آئے۔

جب لشکر اسلام شکر نام کے پہاڑ کے قریب پہنچا تو اہل جریش نے خیال کیا کہ مسلمان شکست کھا کر بھاگ گئے ہیں۔

چنانچہ وہ ان کی تلاش میں نکلے۔ جب وفد سے مدد بھیڑ ہوئی تو المن پر حملہ کر دیا۔ سخت خونریز جنگ ہوئی۔ اہل جریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی بھیجے تھے جو معاملہ کو سمجھ رہے تھے۔ عصر کے بعد شام کو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی تھے کہ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ اللہ کی زمین پر مقام شکر کہاں ہے؟

وہ دونوں جریشی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے ملک میں ایک پہاڑ ہے جس کو ”کشر“ کہتے ہیں، چنانچہ اہل جریش اس نام سے اسے یاد کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں وہ کشر نہیں شکر ہے۔

دونوں نے پوچھا مگر بات کیا ہے۔ اے اللہ کے رسول؟

آپؐ نے فرمایا، اس کے دامن میں بہت جلد اللہ کے کچھ بندے قربان ہوں گے۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ دونوں آدمی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پاس گئے انھوں نے فرمایا:

بد بختو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری قوم کی مصیبت کے متعلق خبر دے رہے ہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ۔ اور درخواست کرو۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ تمہاری قوم سے یہ مصیبت اٹل جائے، وہ دونوں اٹھے، اور اسی طرح ہی درخواست کی، آپؐ نے فرمایا اے اللہ ان پر سے یہ مصیبت اٹھالے۔

اس کے بعد وہ دونوں آدمی اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے۔ تو وہاں جا کر

انہیں معلوم ہوا کہ واقعی اسی دن ان کی قوم کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئی تھی جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ٹھیک اسی ساعت میں جب آپ نے گفتگو فرمائی تھی؟

چنانچہ جبرش کا وفد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ اور آپ نے ان کی بستی کے گرد کا علاقہ ان کی نگرانی میں دے دیا۔

---



# وفد بنو حارث بن کعب کی آمد

جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الآخر یا جمادی اول  
سالہ میں حضرت خالدؓ بن ولید کو بنی حارث بن کعب کی طرف نجران روانہ فرمایا۔ اور حکم دیا  
کہ جنگ کرنے سے پہلے انھیں تین مرتبہ دعوت اسلام دیں؛ اگر وہ قبول کر لیں  
تو ان کا اسلام قبول کریں۔ ورنہ پھر جنگ کرنا۔ آخر وہ منزل پر پہنچے۔ اور دو سو اوروں کو  
بھیجا کہ ہر آدمی سے ملیں اور اسلام کی دعوت دیں، وہ کہہ رہے تھے، اے لوگو! اسلام  
لے آؤ سلامتی پاؤ گے، چنانچہ لوگ اسلام لے آئے۔

حضرت خالدؓ وہاں چند روز مقیم رہے۔ اور انہیں اسلام کی تعلیمات سے آشنا  
کرتے رہے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ لکھ بھجوا، رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لکھا کہ ان کا اسلام قبول کر لو، اور اس کے ساتھ ساتھ  
ان کا وفد بھی قبول کرو۔ چنانچہ انہوں نے ان کا اسلام قبول کیا جس میں قیس بن حصین  
یزید بن عبد المدان۔ یزید بن مجمل، عبد اللہ بن قراد اور شداد بن عبد اللہ تھے۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا، کہ زمانہ جاہلیت میں

اگر تم پر کوئی حملہ کرتا تو تم کس وجہ سے اس پر غالب آجاتے تھے؟  
انھوں نے جواب دیا کہ ہم غالب نہیں آتے تھے۔

آپ نے فرمایا! ہاں ٹھیک ہے!

انھوں نے عرض کیا: ہم متحد رہتے اور متفرق نہ ہوتے اور ہم ظلم کی ابتداء نہ کرتے۔  
آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور قیس بن حصین کو ان کا امیر مقرر فرما دیا۔ یہ لوگ سوال یا  
ذی قعدہ کے آخر میں واپس ہوئے ان کی واپسی کے بعد چار ماہ گزرے تھے کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی!

---

# وفد ہمدان

## در رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر

ہمدان کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس میں مالک بن عطاء۔ مالک بن انفع۔  
ضمام بن مالک اور عمرو بن مالک تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک  
سے واپسی کے بعد ملے۔ یہ اجبار کے لباس میں ملبوس تھے، ان کے سر پر عدو سے  
عمامے تھے۔ مالک بن عطاء۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رجز پڑھ رہا تھا۔

الیک جاوزن سواد الخریف —

فی معیوات الصیف والخریف —

مخطمات بحبال اللف —

یعنی، تیری جانب بڑھ گئیں دیات کی سیاہی —

بہار و خزاں کے غبار میں —

کھجور کے پہاڑوں میں لگام دی ہوئی۔ اور انھوں نے آپ کے سامنے بہتر اور  
اچھی گفتگو کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تحریر لکھ دی اور ان کی درخواست قبول

فرمائی اور انہیں عطایا دیئے نیز مالک بن عطاء کو ان کا امیر بنا دیا۔ اور جو بھی ان میں سے مسلمان ہوتا اس کا امیر انہی کو قرار دیا۔ اور ثقیف کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا، ان کی حالت یہ تھی کہ جو جماعت بھی اس طرف نکلتی یہ لوگ (ثقیف) اس پر غارت گری کرتے۔

امام بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ ابن اسحاق سے انھوں نے حضرت برادر سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو اہل یمن کی طرف دعوت اسلام کے لیے بھیجا۔ حضرت برادر فرماتے ہیں کہ میں بھی ان میں تھا جو حضرت خالد بن ولید کے ساتھ تھے۔ ہم چھ ماہ تک ٹھہرے رہے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن انھوں نے قبول نہ کی۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب کو بھیجا۔ جب ہم قوم کے قریب ہوئے تو حضرت علیؑ نے ہمیں نماز پڑھائی اور ہماری ایک صف بنائی۔ اور ہمارے آگے بڑھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پڑھ کر سنایا۔ چنانچہ قبیلہ ہمدان تمام کا تمام ہی مسلمان ہو گیا۔

حضرت علیؑ نے یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً سجدہ میں چلے گئے۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا: ہمدان پر سلامتی ہو ہمدان پر سلامتی ہو۔



# وفد مزینہ کی آمد

## آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ

طریق بیہقی سے مروی ہے کہ انہوں نے نعمان بن مقرن سے روایت کیا کہ ہم مزینہ سے چار سو آدمی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا اے عمرؓ اس قوم کو زارہ راہ دے دو۔ انہوں نے عرض کیا میرے پاس صرف کچھ کھجوریں ہیں۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس جماعت کے لیے کچھ بھی کفایت کر سکیں۔

آپ نے فرمایا، جاؤ۔ اور انہیں زارہ راہ دے دو۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ انہیں لے کر چلے۔ اور اپنے گھر میں داخل کیا، پھر انہیں ایک اونچی جگہ بیٹھایا۔ اور جب ہم داخل ہوئے تو وہاں اونٹ کے برابر کھجوروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ قوم نے حسب ضرورت وہاں سے کھجوریں لے لیں۔

نعمان کہتے ہیں۔ کہ میں سب سے آخر میں نکلا۔ اور میں نے دیکھا کہ گویا ایک کھجور بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلائی گئی۔ یعنی وہ ڈھیر ویسے کا ویسا ہی رکھا ہوا تھا۔

# وفد دوس

آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف  
ایک شاعر سے اہل مکہ کی استمداد

شاعر کا قبول اسلام | ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ طفیل بن عمرو دوسی کہا کرتا تھا کہ وہ مکہ آیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں مقیم تھے۔ قریش کے چند آدمی خاص طور پر اس کے پاس آئے، طفیل ایک شریف اور زبیرک شاعر تھا۔ وہ کہنے لگے تو ہمارے علاقے میں آیا ہے۔ اور یہ آدمی جو ہمارے پاس ہے۔ اس نے ہماری جمہیت کو پرانگندہ کر دیا ہے اور ہمارے ہر کام کو تقسیم کر رہا ہے اس کی بات میں جادو جیسا اثر ہے۔ جو ماں اور بیٹے۔ بیوی اور خاوند میں تفریق کر دیتا ہے۔ اور ہمیں تمہارے اور تمہاری قوم کے متعلق بھی وہی خطرہ ہے جس سے ہم دو چار ہو رہے ہیں۔ اس لیے اس کی بات نہ سننا اور نہ اس سے بات کرنا۔

وہ کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم وہ برابر میرے پیچھے لگے رہے، یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ نہ آپ سے بات کروں گا۔ نہ آپ کی گفتگو سنوں گا۔ میں نے اپنے کانوں میں روئی مٹھونس لی۔ جب میں مسجد کی جانب گیا محض اس خطرہ

کے پیش نظر کہ کہیں ان کی آواز میرے کانوں میں پڑ جائے۔  
وہ کہتے ہیں، کہ پھر وہ صبح کو مسجد میں گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے۔ میں ان کے قریب کھڑا ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے کلام سنا ہی دیا، جب میں نے ان کا حسین کلام سنا تو میں نے دل میں کہا ہائے میری بد بختی۔

اللہ کی قسم۔ میں ایک کامل شاعر ہوں۔ اور کلام کے حسن و قبح سے خوب آگاہ ہوں، اس لیے میں کیوں نہ اس آدمی کی بات سنوں، اگر اس کا کلام اچھا ہوگا۔ تو قبول کر لوں گا۔ اور اگر قبیح ہوگا۔ تو چھوڑ دوں گا۔ کہتے ہیں کہ میں ٹھہرا رہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ تو میں بھی ان کے پیچھے چلا۔ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے، تو میں بھی اندر چلا گیا اور عرض کیا۔

اے محمد تیری قوم نے مجھے یہ بتایا تھا، اور اللہ کی قسم وہ مجھے تیرے معاملہ میں خوف دلاتے رہے۔ آخر میں نے روٹی سے اپنے کان بند کر لیے، تاکہ میں آپ کا کلام نہ سنوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے سنا نا ہی چاہا اور میں نے آپ کا بہترین کلام سنا مجھے آپ اپنا معاملہ بتائیے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش کیا، اور قرآن مجید کی تلاوت کی۔

اللہ کی قسم میں نے اس سے زیادہ بہتر کلام کبھی نہیں سنا تھا۔ اور نہ ان سے بہتر اور عدل والی بات کبھی سنی تھی۔ چنانچہ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور میں نے حق کی گواہی دے دی۔ اور میں نے عرض کیا۔

اے اللہ کے نبی میں اپنی قوم میں ایک سردار مطاع ہوں سب میری مانتے ہیں ان کے پاس جاتا ہوں۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دوں گا، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میرے لیے کوئی علامت پیدا کر دے۔ جو میرے لیے دعوت میں مددگار

ہو، آپ نے دعا فرمائی اے اللہ، اس کے لیے کوئی علامت پیدا کر دے !  
 راوی کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی جانب نکلا۔ جب میں اپنے علاقے کے ٹیلے  
 پر پہنچا تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی طرح ایک نور چمکنے لگا، میں نے دعا کی۔  
 اے اللہ میرے چہرے کے علاوہ کہیں اور ! کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ سمجھیں گے  
 کہ ان کے دین سے نکلنے کے باعث اس کے چہرے پر دھبہ لگ گیا ہے۔  
 وہ کہتے ہیں کہ پھر وہ نور وہاں سے ہٹ گیا، اور قندیل کی طرح میرے کونے  
 کے سر پر معلق ہو گیا۔ میں ٹیلے سے ان کی طرف اتر رہا تھا، حتیٰ کہ میں ان کے پاس  
 پہنچا۔ صبح ہو گئی۔ جب میں اتر، تو میرے پاس میرا باپ آیا، وہ بوڑھا آدمی تھا۔ میں  
 نے اسے کہا: مجھ سے دور ہو جا، نہ تو مجھ سے ہے، اور نہ میں تجھ سے ہوں۔  
 وہ کہنے لگا: بیٹا یہ کیوں؟

میں نے کہا: میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اور دین محمدؐ کی اتباع میں آچکا ہوں۔  
 وہ کہنے لگا: بیٹا تیرا دین ہی میرا دین ہے، میں نے کہا: اچھا جاؤ۔ غسل کرو نئے  
 کپڑے پہنو پھر آؤ تاکہ میں تمہیں وہ سکھاؤں جو میں نے سیکھا ہے۔  
 کہتے ہیں کہ وہ گیا غسل کیا، اور اپنے کپڑے پاک کیے، پھر آیا۔ اور میں نے  
 اس کے سامنے اسلام پیش کیا وہ مسلمان ہو گیا۔

پھر میری بیوی آئی۔ میں نے اس سے کہا: چلی جا۔ تیرا میرا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں  
 وہ کہنے لگی: میرے ماں باپ تجھ پر قربان یہ کیوں؟  
 میں نے کہا: اسلام نے میرے اور تیرے درمیان حد فاصل پیدا کر دی ہے۔ میں  
 مسلمان ہو چکا ہوں اور دین محمدؐ پر آچکا ہوں۔

وہ کہنے لگی: تیرا دین ہی میرا دین، میں نے کہا: اچھا جاؤ، پہلے غسل کرو۔  
 اس نے ایسے ہی کیا۔ پھر واپس آئی۔

میں نے اس پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئی۔



آنحضرت کی ”بددعا“ | پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے دیر کر دی۔ میں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول قبیلہ دوس پر زنا غالب آچکا ہے، ان کے متعلق اللہ سے بددعا کیجیے۔  
آپ نے دعا فرمائی!

اے اللہ دوس کو ہدایت دے۔ پھر فرمایا: اب اپنی قوم کی طرف واپس جا۔ اور انہیں اللہ کی طرف بلا۔ اور ان سے نرمی سے پیش آنا۔  
اس کے بعد میں واپس گیا، میں انہیں دین الہی کی طرف دعوت دیتا رہا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے علاقہ میں تھے، کہ میں حاضر ہوا۔ اور مدینہ میں ستر یا سٹی دوس گھرانوں کو لیکر اترنا۔ اس کے بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر میں جا ملے۔ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی سہم حصہ نکالا۔  
ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے تو طفیلؓ مسلمانوں کو لے کر نکلے۔ جب طلیحہ سے فارغ ہوئے۔ تو اہل اسلام کے ہمراہ بجالہ کی طرف چلے۔ ان کے ہمراہ ان کا لڑکا عمرو بن طفیل تھا۔ انھوں نے اپنے اصحاب سے کہا۔ کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر بتاؤ۔ میں نے دیکھا کہ میرا سر مونڈا گیا۔ اور میرے منہ سے ایک پرندہ نکلا۔ اور ایک عورت مجھے ملی۔ اس نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کر لیا۔ اور میں نے دیکھا کہ میرا بیٹا بھی تیزی سے میری اتباع کر رہا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اسے مجھ سے روک دیا گیا۔ انھوں نے تعبیر دی: جو کچھ تو نے دیکھا، اچھا دیکھا طفیل کہنے لگے۔ اللہ کی قسم میں نے خود اس کی ایک تعبیر نکالی ہے۔

لوگوں نے پوچھا۔ کیا تعبیر نکالی ہے؟

وہ کہنے لگے!

سر مونڈنے کا مطلب سر کٹنا ہے۔ اور جو پرندہ میرے منہ سے نکلا ہے۔ یہ

میری روح کے خارج ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ عورت جس نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کر لیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کھودی جائے گی۔ اور مجھے اس میں غائب کر دیا جائے گا۔ اور میرے بیٹے کی مجھے تلاش اور اسی کا مجھ سے رک جانا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اسے دیکھوں گا کہ وہ بھی حصول شہادت کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ حضرت طفیلؓ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ اور ان کے بیٹے سخت زخمی ہوئے۔ پھر وہ بھی حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جنگِ یرموک میں شہید ہوئے۔

## اسی واقعہ سے ثابت شدہ احکامات فقہیہ

۱۔ قبولِ اسلام سے پہلے غسل واجب ہے | اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام قبول کرانے سے قبل غسل کراتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ امر ثابت ہے اور صحیح قول یہ ہے۔ کہ حالتِ کفر میں کوئی جنابت زدہ ہو یا نہ مگر قبولِ اسلام کے وقت غسل واجب ہے۔

۲۔ جنگ ختم ہونے سے پہلے مکہ پہنچ جائے تو اس کا حصہ ہوگا | اس سے

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جنگ ختم ہونے سے قبل جو بھی مکہ پہنچے اس کا بھی سہم لگایا جائے گا

۳۔ کراماتِ اولیاء کا وقوع نصرتِ دین کے لیے ہوتا ہے | نیز

اولیاء کا وقوع یا تو ضرورتِ دین کے لیے ہوتا ہے۔

یا اسلام اور اہل اسلام کے منفعت کے لیے ہے۔

یہ رحمانی احوال ہوتے ہیں۔

اور اتباعِ رسول ہی ان کا سبب ہوتا ہے۔ جن کے نتیجہ میں اظہارِ حق اور

تذلیل باطل ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور احوالِ شیطانی کا سبب اور نتیجہ ان سے الگ ہی ہوتا ہے۔

۴۔ دعوتِ اسلام میں صبر و استقلال ضروری ہے | نیز اللہ کی طرف دعوت دینے میں صبر و استقلال ضروری ہے اور نافرمانوں پر بدعایا انہیں سزا دینے میں جلدی سے کام نہ لینا چاہیے۔

---

# وفد نجران

اہل کتاب کے ایک وفد سے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح

صلح کے شرائط اور ان کی نوعیت | ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد حاضر ہوا۔ مجھے محمد بن جعفر بن زبیر نے بتایا کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کا وفد آیا تو یہ لوگ عرصہ کے بعد مسجد میں آپ کے سامنے حاضر ہوئے۔ اور مسجد میں اپنی نماز ادا کرنے لگے۔ لوگوں نے انہیں منع نہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خبردار، انہیں مت ٹوکو، چنانچہ انھوں نے مشرق کی طرف رخ کیا اور اپنی مخصوص عبادت کی۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے یزید بن سفیان سے انھیں ابن سلمان سے انہیں کہہ بن علمقہؒ سے روایت پہنچی۔

انھوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے وفد میں ساٹھ سوار حاضر ہوئے، جن میں سے چوبیس بڑے بڑے سردار تھے اور چوبیس ایسے تھے کہ ان میں سے تین ان کے امیر تھے۔ ان کی رائے پر فیصلے ہوئے



اور وہ صاحب مشورہ تھے۔ یہ لوگ جس کی رائے اور حکم سے بالکل سرکشی نہ کرتے وہ شخص تھا، عبدالمسیح، دوسرا ان کا سردار اور صاحبِ رحل اور ان کی مجلس کا بڑا ایہم تھا اور ابو حارثہ بن علقمہ بھی تھا۔ جو بنی بکر بن وائل کا بھائی تھا۔ یہ ان کا بڑا پارسی عالم اور امام بھی تھا اور ان کی تعلیمات کا نگران تھا۔

ابو حارثہ ان میں بہت ہی صاحبِ شرف آدمی تھا۔ اس نے ان کی کتابیں پڑھ رکھی تھیں اور روم کے نصاریٰ بادشاہ اس کی از حد عزت و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے لیے انھوں نے خادم رکھے تھے۔ گرجے تعمیر کیے تھے اور اس کی دینی خدمات و علم کے باعث اس پر انعام و اکرام کی بارش کر دی تھی۔

جب یہ وفد نجران سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلا تو ابو حارثہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کا قصد کر کے ایک خچر پر سوار ہوا۔ اس کی ایک جانب اس کا بھائی تھا جسے کمز بن علقمہ کہتے تھے وہ بھی ہمراہ تھا اچانک خچر کا پاؤں پھسلا، کمز نے کہا وہ (لہ) ہلاک ہوا۔

ابو حارثہ نے جواب دیا نہیں بلکہ تو ہلاک ہوا۔

وہ کہنے لگا، بھائی یہ کیوں؟

وہ کہنے لگا، اللہ کی قسم وہ واقعی نبی امی ہے، جس کا ہم انتظار کر رہے تھے کمز نے پوچھا۔ تو پھر اس کے اتباع سے کیوں رکتے ہو؟ جب تم انھیں جانتے اور مانتے بھی ہو۔

اس نے کہا ہماری قوم نے ہمارے ساتھ کیا سلوک نہیں کیا ہے؟ ہماری عزت کی۔ ہماری تکریم و شرف میں کسر نہ رکھی۔ اور اگر میں یہ اسلام قبول کر لوں، تو جو کچھ تو دیکھ رہا ہے۔ سب واپس چھین لیں گے۔

اس پر کمز بن علقمہ نے اپنے دل کی حالت اس سے پوشیدہ رکھی لیکن آخر کار اسلام قبول کر لیا۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن ابی محمد موئی زید بن ثابت نے بتایا، فرماتے

ہیں کہ مجھے سعید بن جبیر اور عکرمہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے نصرانی اور یہود کے علماء جمع ہوئے اور آپس میں جھگڑ پڑے۔

احبار یہود نے کہا، ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔

نصرانی نے کہا، نہیں بلکہ وہ نصرانی تھے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی :-

۳۴ یٰۤاَہْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَحٰجُّوْنَ فِیْ اِبْرٰہِیْمَ وَمَا اَنْزَلْنَا مِنَ التَّوْرٰتِ وَاَلْاِنْجِیْلِ اِلَّا مَن یَّحْدِیْہُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ہَا اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ حٰجَجْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بَیْہٖ عِلْمٌ فَلِمَ تَحٰجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بَیْہٖ عِلْمٌ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا کَانَ اِبْرٰہِیْمَ یَہُوْدِیًّا وَلَا نَصْرٰنِیًّا وَلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلِی الْنَّاسِ بِاِبْرٰہِیْمَ لِلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النُّبٰی وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰہُ وَلِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

یعنی اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو، ابراہیمؑ کی بابت اور تورات و انجیل تو اتریں اس کے بعد کیا تم کو عقل نہیں۔ سنتے ہو تم لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو کچھ خبر تھی اب کیوں جھگڑتے ہو، جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہ تھا ابراہیمؑ یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم بردار اور نہ تھا مشرک۔ لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیمؑ سے ان کو تھی جو ساتھ اس کے تھے۔ اور اس نبی کو اور جو ایمان لائے اس نبی پر اور اللہ والی ہے مسلمانوں کا۔

ایک جبر (یہودی) نے کہا، اے محمد کیا ہم سے یہ چاہتے ہو؟ کہ ہم اس طرح

تمہاری عبادت کریں جیسی نصرانی عیسیٰ بن مریم کی عبادت کرتے ہیں؟

نصرانی نجران کے ایک آدمی نے بھی تائید کی اور پوچھا اے محمد آپ ہم سے یہی

چاہتے ہیں؟ اور اسی کی ہمیں دعوت دیتے ہیں؟  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرایا، اللہ کی پناہ اس سے کہ میں  
غیر اللہ کی عبادت کروں یا غیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں، نہ اللہ نے مجھے اس  
لئے مبعوث فرمایا اور نہ اس نے مجھے اس کا حکم دیا۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ  
نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَ ثُمَّ يَقُولَ  
لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادَ اللَّهِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُدْرَسُونَ  
تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ  
أَرْبَابًا أَيَا كُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔

یعنی کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے  
پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر لیکن یوں کہے کہ  
تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے۔ کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی  
پڑھتے تھے اسے۔ اور نہ یہ کہے تم کو ٹھہراؤ۔ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب کیا تم  
کو کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

ہمیں ابی عبد اللہ حاکم سے روایت پہنچی۔ انھیں اصم سے انھیں احمد بن عبد الجبار  
سے انھیں یونس بن بکر سے انھیں مسلم بن عبد الوہاب سے انھیں اپنے والد  
سے انھیں اپنے دادا سے روایت ملی کہ یونس نے بتایا یہ نصرانی تھا۔ پھر اسلام  
لایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو لکھا:  
ابراہیم اسحق اور یعقوب کے خدا کے نام سے،

اما بعد!

میں تمہیں بندوں کی عبادت کی بجائے اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا  
ہوں۔ اور بندوں کی ولایت (کار سازی، آقائی) کی بجائے اللہ کی ولایت  
کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم انکار کرو۔ تو جزیہ ہو گا، اور اگر (جزیہ کا بھی)



انکار کرو، تو میں تمہارے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں والسلام۔“  
جب یہ مکتوب اسقف (بڑا پادری) کے پاس آیا، اس نے خط پڑھا۔ اس پر شدید ترین گھبراہٹ طاری ہوئی۔ اس نے اہل نجران کے ایک آدمی کو بلا بھیجا جسے شرجیل بن وداعہ کہتے تھے۔ یہ ہمدان کا رہنے والا تھا۔ چنانچہ اسقف نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب دیا، اس نے بھی پڑھا، پھر اسقف کہنے لگا:

اے ابو مریم تمہارا کیا خیال ہے؟

شرجیل نے جواب دیا، میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نبی اسماعیل میں نبی مبعوث فرمانے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ وہی آدمی ہے۔ نبوت کے معاملہ میں میری کوئی رائے نہیں۔ اگر کوئی دنیا کا معاملہ ہوتا تو میں اپنی رائے سے مشورہ دیتا۔ اور اس کے متعلق میں خوب غور و خوض کرتا۔

اسقف نے جواب دیا، چل ایک طرف ہو جا۔ وہ ایک جانب بیٹھ گیا۔ پھر اسقف نے اہل نجران کے ایک آدمی عبداللہ بن شرجیل کو بلا بھیجا وہ حمیر سے تعلق رکھتا تھا اسے بھی مکتوب پڑھوایا۔ اور اس کے متعلق اس کی رائے دریافت کی۔ اس نے بھی شرجیل اور عبداللہ کی طرح جواب دیا۔ اسقف نے اسے بھی ایک طرف ہو جانے کا حکم دیا۔ وہ بھی ایک طرف ہو گیا۔

جب ایک بات پر تمام کی رائے کا اتفاق نظر آیا، تو اسقف نے ناقوس بجانے کا حکم دیا۔ ناقوس بجا دیا گیا۔ اور گرجوں میں چادریں اٹھالی گئیں۔ جب کبھی وہ دن میں گھبراٹھتے تو ایسا ہی کیا کرتے تھے اور اگر کبھی رات کو گھبراٹھتے تو ناقوس بجاتے اور گرجوں میں آگ جلاتے۔

ناقوس کے بجتے ہی لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ اور اہل وادی کے اندر ادنیٰ اور اعلیٰ سب چادریں اوڑھ لیتے۔ یہ وادی اتنی دراز تھی، کہ ایک تیز رفتار سواروں بھر



میں اسے طے کر سکتا تھا۔ اس میں تہتر گاڑیں تھیں اور ایک لاکھ جنگجو آدمی تھے۔ اسقف نے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پڑھا۔ اور ان کی رائے کے متعلق استفسار کیا۔

وادی کے تمام لوگ اس پر متفق ہو گئے کہ شرجیل بن وداعہ ہمدانی۔ عبد اللہ بن شرجیل اور جبار بن قیس حارثی کو بھیجا جائے تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبر لائیں۔ چنانچہ وفد چل پڑا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچا، تو انھوں نے لباس سفر اتار دیا۔ اور اجبار کے لباس اور سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں پھر چلے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو سلام کہا۔ آپ نے سلام کا جواب نہ دیا اور دن بھر ان سے گفتگو نہ فرمائی۔

اس کے بعد وفد نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تلاش کی۔ یہ دونوں ان سے آشنا تھے۔ جب زمانہ جاہلیت میں یہ اپنے تجارتی قافلے لے کر نجران جایا کرتے تھے، اور ان کے لیے وہ گندم۔ پھل اور فصلیں خرید کرتے۔ اس وفد نے ان دونوں کو انصار و مہاجرین کی ایک مجلس میں دیکھا۔ انھوں نے پوچھا اے عثمان اور اے عبدالرحمن، تمہارے نبی نے ہماری طرف ایک مکتوب لکھا تھا۔ ہم اسے قبول کرنے حاضر ہوئے۔ جب ہم پہنچے اور سلام کیا تو انھوں نے جواب نہیں دیا اور دن بھر ہم نے ان سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے کلام کرنے کا موقع تک نہیں دیا۔ اب تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا ہم واپس چلے جائیں؟

عثمان و عبدالرحمن نے حضرت علی بن ابی طالب سے پوچھا، یہ بھی وہیں تھے کہ اے ابوالحسن اسی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان اور عبدالرحمن رضی اللہ عنہما سے کہا میرا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے یہ قیمتی لباس اور انگوٹھیاں اتار دیں اور لباس سفر پہن لیں، پھر آپ کے پاس حاضر ہوں۔

چنانچہ وفد نے ایسے ہی کیا۔ انھوں نے وہ قیمتی ملبوسات اور سونے کی انگوٹھیاں اتار دیں۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر آپ نے ان سے بات چیت کی، گفتگو ہوتی رہی، آخر وفد کہنے لگا، آپ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ ہم اپنی قوم کی جانب جا رہے ہیں اور ہم نصرانی ہیں۔ ہمیں اس بات سے مسرت ہو گی کہ اگر آپ انہیں نبی کہیں تو آپ ان کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج کے دن میرے پاس اللہ کے متعلق کچھ خبر نہیں۔

تم ٹھہرو۔

یہاں تک کہ جو کچھ مجھے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بتایا جائے، تمہیں بھی بتا دوں۔ صبح ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

ان مثل عیسیٰ عند اللہ مکمل آدمی خلقہ من تراب شمر قال لہ کن فیکون ۱۰ الحق من ربک فلا تکن من الممتزین ۱۱ فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا نناقہ ۱۲ ابتاعنا وابتاعکم ونساءنا وفسادکم وفسادکم فنجعل لعنة اللہ علی العاذلین

یعنی بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی، بنایا

اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا وہ ہو گیا۔ حق وہ ہے، جو تیرا رب

کہے۔ پھر تو مت رہ شک لانے والوں سے۔ پھر جو کوئی جھگڑا کرے

تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ آچکی تیرے پاس خبر سچی تو تو کہہ

دے آؤ بلا دیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور

تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان، پھر التجا کریں ہم سب اور

لعنت کریں اللہ کی ان پر جو جھوٹے ہیں۔

انھوں نے اس کا اقرار کرنے کا انکار کر دیا۔ جب صبح ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو خبر دی گئی تو آپؐ مباہلہ کرنے کے لیے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو ایک کپڑے میں لے آئے۔ اور آپؐ کے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہؓ تشریف لا رہی تھیں۔ اس وقت آپؐ کی کئی بیویاں تھیں۔

شرجیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا اے عبداللہ بن شرجیل اور اے جبار بن قیس تم دونوں جانتے ہو کہ وادی کے چھوٹے بڑے لوگ جب جمع ہو جائیں تو میری رائے کا خلاف نہیں کرتے۔ اور اللہ کی قسم میں ایک رائے رکھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ واللہ اگر یہ آدمی بادشاہ ہوتا تو عرب قوم سب سے پہلے اس پر طعن کرتی اور اس کی آواز کو مسترد کر دیتی اور اس کی تبلیغ اپنی قوم سے بڑھ کر ہم تک نہ پہنچی۔ نیز میں اس کے آس پاس ظالموں کو دیکھتا (حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں) اور اگر یہ آدمی نبی مرسل ہے پھر اس نے ہم پر لعنت کر دی۔ تو زمین پر ہمارا ایک بال یا ناخن بھی باقی نہ رہے گا۔ ہم سب ہلاک ہو جائیں گے۔

اس کے دونوں ساتھیوں نے جواب دیا۔ پھر تمہاری کیا رائے ہے؟ یہ تمام معاملہ تو تمہارے ہی سپرد کیا گیا ہے۔ اس لیے اپنی رائے پیش کرو۔ انھوں نے جواب دیا، میری رائے یہ ہے کہ میں انھیں (آپؐ) کو حکم بناتا ہوں کیونکہ میں انہیں ایسا آدمی سمجھتا ہوں، جو کہ ظلم و تعدی کا فیصلہ کرنے والا نہیں۔ ان دونوں نے اسے جواب دیا۔ تم جانو اور تمہارا کام۔

چنانچہ شرجیل جناب رسالتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ میں نے آپؐ کی لعنت سے زیادہ بہتر بات سوچی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اے شرجیل وہ کیا ہے؟

شرجیل نے عرض کیا! میں آج رات اور صبح تک آپؐ کو حکم بناتا ہوں جو کچھ بھی آپؐ ہمارے متعلق فیصلہ فرمائیں وہ درست ہوگا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تمہیں کوئی ملامت بھی کر رہا ہے؟ شرجیل نے عرض کیا، میرے دونوں ساتھیوں سے دریافت فرمائیے۔ وہ دونوں کہنے



لگے وادی کے اندر شرجیل کی رائے سے کوئی آدمی بھی سرتابی نہیں کر سکتا۔  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تو) اتفاق کرنے والا کافر ہے  
یا جاہد۔

اس کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور لعنت نہ  
کی۔ جب صبح ہوئی تو یہ وفد حاضر خدمت ہوا۔

آنحضرت کا عہد نامہ | آپ نے انھیں تحریر لکھ دی:  
بسم الله الرحمن الرحيم۔

یہ وہ تحریر ہے، جو محمد نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کے  
لیے لکھی کہ ...

(رسول اللہ) کا حکم ہے کہ ان پر ہر پھل، سونے اور چاندی اور ہر بڑے  
چھوٹے پر فضل کیا اور اپنی دو ہزار حلقہ جات (لباس) پر آزاد کیا۔ ہر رجب میں  
ایک ہزار اور ہر صفر میں ایک ہزار حلقہ دنیا ہوگا اور ہر حلقہ ایک اوقیہ کا ہوگا اور  
جو خراج سے کم یا زیادہ ہو اس کا حساب کر لیا جائے گا اور جو زرہیں گھوڑے یا  
سوار یاں دیں۔ وہ بھی حساب کر کے لی جائیں گی اور میرے قاصدوں کو بیس دن  
یا اس سے کم ٹھہرانا اہل نجران کے ذمہ ہوگا۔ اور ایک ماہ سے زیادہ کسی قاصد  
کو نہ روکیں گے۔ اور جب عین میں گڑ بڑ ہو تو اہل نجران پرتیس زرہیں اور تیس  
گھوڑے اور تیس اونٹ مستعار دیتے لازمی ہوں گے اور میرے قاصدوں  
کے پاس سے جو زرہیں گھوڑے یا سوار یاں ضائع ہو جائیں وہ میرے قاصدوں کے  
ذمہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ وہ انہیں ادا کر دیں۔ اور اہل نجران کے لیے اللہ کا  
پڑوس کافی ہے اور محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ان کی جانیں، ملت، زمین،  
اموال، غائب و شاہد، قبائل اتباع قبائل ہیں۔ اور یہ کہ کوئی دوسرا ان پر غارت  
گرمی نہ کرے گا۔ اور نہ کوئی ان کے حقوق یا ان کی ملت کے حقوق پائمال کرے  
گا۔ اور نہ ان کے پادریوں یا راہبوں کو ہٹایا جائے گا جو انھوں نے مقرر کر رکھے



ہیں اور نہ ہی جوان کے اتباع ہیں۔ اور جو کچھ بھی کم و بیش ان کے قبضہ میں ہے اس پر غارت گری نہ ہوگی۔ اور ان پر جاہلیت کا خون اور جرم نہ ہوگا۔ اور کوئی لشکر ان کی زمین کو پاٹمال نہ کرے گا اور جوان میں سے حق مانگے۔ تو ان کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ نہ ظالمانہ طور پر اور نہ ہی مظلومانہ طور پر اور اس کے بعد جو بھی سود کھائے گا۔ تو اس سے میرا ذمہ ختم ہوگا۔ اور دوسرے آدمی کے ظلم کی پاداش میں دوسرا نہ پکڑا جائے گا۔ اور جو کچھ اس تحریر میں ہے یہ اللہ کی امان میں ہے۔ اور محمد نبی رسول اللہ کے ذمہ میں ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر لائے جو یہ لوگ نصیحت کریں پھر اصلاح کریں۔ تو یہ ظلم کے ساتھ واپس نہ ہوں گے۔

گواہ شد، ابوسفیان بن حرب۔ غیلان بن عمرو۔ مالک بن عوف۔ اقرع بن حابس حنظلی اور مغیرہ بن شعبہ۔

**ایک سعید روح** اور لکھا ہے کہ جب انھوں نے تحریر ختم کی۔ تو یہ وفد نجران واپس چلا گیا۔ ایک رات کے سفر پر انہیں اسقف (پادری) اور اہل نجران ملے۔ اسقف کے ہمراہ اس کا ماں کی جانب سے بھائی بھی تھا اور نسبی طور پر وہ اس کا چچا کا بیٹا تھا جسے بشر بن معاویہ کہا جاتا تھا۔ اس کی کنیت ابو علقمہ تھی۔ وفد نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر اسقف کو دی۔ وہ پڑھ رہا تھا۔ کہ اس کا بھائی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ یہ دونوں جا رہے تھے کہ بشر کی اونٹنی پھسل پڑی اس نے بددعا کی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق واضح اشارہ نہ کیا۔ اسقف نے اس وقت کہا:

تو ہلاک ہو گیا۔ اللہ کی قسم وہ تو نبی مرسل ہیں۔

بشر نے فوراً اونٹنی کا رخ مدینہ کی طرف پھیرا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام قبول کر لیا۔

**اس واقعہ سے متعلق فقہی احکامات** اس سے ثابت ہوا کہ:-

(۱) اہل کتاب کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے

اور مسلمانوں کی موجودگی میں وہ اپنے طرز پر عبادت کر سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ صورت صرف عارضی اور وقتی ہی ہو اور اس کی مسلسل رسم ڈال لینا جائز نہیں۔

**اقرار نبوت اسلام کے لیے کافی نہیں** (۲) نیز اس میں ذکر ہوا کہ اہل کتاب کے ایک کاہن نے بھی نبی اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا اور کہا ”یہ نبی ہیں“ لیکن اسلام میں داخل نہیں سمجھا گیا جب تک طاعت و اتباع نہ کر لیتا اور اس اقرار کے بعد جب تک وہ آپ کا دین نہ پکڑ لیتا۔ لہذا اس پر ارتداد کا حکم نہیں نافذ ہو سکتا۔ اس کی مثال (یہود) کے دو اجبار میں ملتی ہے کہ انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مسائل دریافت کیے۔ جب آپ نے جواب دیا تو کہنے لگے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔

آپ نے دریافت فرمایا، تو پھر میری پیروی سے کون چیز تمہیں روک رہی ہے؟ انھوں نے جواب دیا، ہمیں ڈر ہے کہ یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔ پس صرف اس بات سے ان کا اسلام ثابت نہیں ہوا۔

**کیا ابوطالب مسلمان تھے؟** (۳) نیز اسی طرح آپ کے چچا ابوطالب کی گواہی، کہ آپ سچے ہیں، اور آپ کا دین زمین کے تمام ادیان سے

بہتر ہے۔ صرف اس شہادت سے وہ اسلام میں داخل ثابت نہیں ہوئے اور جو بھی سیر اور اخبار ثابۃ میں ذرا سا بھی غور کرے گا، تو اسے اہل کتاب اور مشرکین کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق کئی شہادتیں ملیں گی کہ یہ سچے (رسول) ہیں۔ لیکن اس شہادت سے وہ لوگ اسلام میں داخل نہیں سمجھے گئے معلوم ہوا کہ اسلام اس سے پہلے کی کوئی حد ہے اور وہ صرف معرفت کا نام نہیں اور نہ ایمان فقط معرفت و اقرار کا نام ہے بلکہ معرفت، اقرار اور ظاہر اور باطن میں طاعت و انقیاد کا نام ہے۔

اہل کتاب سے مناظرہ جائز ہے (۴) نیز اہل کتاب سے مناظرہ مباحثہ بھی جائز

مستحب بلکہ واجب ہے۔ جب کہ اس سے اسلامی مصلحت کا پہلو نکلتا ہو۔ ان کے اسلام قبول کرنے اور ان پر حجت قائم ہو جانے کی امید ہو۔ اور صرف بزدل یا عاجزی ان کے ساتھ مناظرے سے فرار کی راہ اختیار کرے گا۔ اس لیے اس کی اس بزدلی کو صرف اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

ایک مرتبہ میرے اور ان کے علمائے (نصری و یہودی) کے درمیان مناظرہ ہوا۔ تو میں نے اثنائے گفتگو میں ان سے کہا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جب بھی تم لوگ زبان طعن کھولو گے۔ وہ دراصل پروردگار عظیم پر جرح و قرح ہوگی اور اس پر جرح و قرح کرنا سب سے بڑا ظلم۔ حماقت اور فساد ہے اللہ تعالیٰ اس جرح و قرح سے بلند ہے۔

انھوں نے پوچھا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

میں نے کہا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور آپ پر جرح صرف اللہ کے انکار و کفر سے ہی ممکن ہے۔ اس کی تشریح اس طرح ہے کہ اگر محمد تمہارے خیال کے مطابق نبی صادق نہیں اور تمہارے گمانِ فاسد کے مطابق (نعوذ باللہ) وہ ایک ظالم بادشاہ ہیں تو کیا اللہ نے انہیں مدد اس لیے دی کہ وہ اللہ پر افترا باندھیں اور ایسی باتیں بیان کریں جو اس نے (وحی) نہیں کیں؟ اور اللہ ان تمام باتوں کو پورا کر دے۔ یہ معاملہ چلتا رہے۔ حتیٰ کہ وہ حلال و حرام کا فیصلہ کریں۔ فرائض بتائیں، شرائع کی تشریح کریں۔ ملتوں کو منسوخ کریں۔ گہر دہیں ماریں اور تمہارے خیال کے مطابق (اہل حق اتباعِ انبیاء کو قتل کریں، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنائیں۔ ان کے مال اور ملک پر قبضہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں میں ان کی مدد کرے حتیٰ کہ زمین ختم ہو جائے۔ اور یہ تمام امور وہ اللہ کی جانب منسوب کریں اور بشری عادت کے مطابق وہ اسی طریقہ پر کامزن رہیں اور اسی حالت میں تیرہ برس گزر جائیں



ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و حمایت کرتا رہے۔ اس کے امر کو رفعت بخشتا رہے۔ اور نصرت کے تمام خارجی اسباب بھی مہیا کر دے جو عمومی طور پر بشری قوت سے بالاتر ہوتے ہیں اور سب سے تعجب خیز معاملہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ) ان کی دعا قبول کرے، ان کے دشمنوں کو ذاتی محنت و سبب وغیرہ کے بغیر ہی بھرک کر دے کبھی محض بددعا سے ہی اور کبھی آپ کی بددعا کے بغیر مزید برآں وہ جس ضرورت کا سوال کریں اللہ وہ ضرورت پوری کر دے اور آپ سے ہر قسم کی کامرانی کا وعدہ کرے۔ پھر وعدہ بہترین انداز میں پورا بھی کر دے حالانکہ وہ اس کے نزدیک کاذب و مفتری اور ظالم ہو (نعوذ باللہ)۔

اب تمہارے قول کے مطابق دو باتیں ضرور لازم آئیں گی، یا تو کہو کہ دنیا بنانے والا اور مدبر کوئی نہیں۔ اور اگر عالم کا کوئی بنانے والا اور مدبر مان لیا گیا جو قدیر و حکیم بھی ہو۔ تو وہ ایسے (نبی) کے دونوں ہاتھ پکڑ لیتا۔ اور اس کا سخت ترین مقابلہ کرتا۔ اور ظالموں کے لیے اسے عبرت بنا دیتا۔ کیونکہ بادشاہوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔ پھر آسمانوں و زمینوں کے بادشاہ اور احکام الحاکمین کے متعلق یہ تصور کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ظلم و مفاہرت۔ تعدی اور مخلوق کو گمراہ کرنے کا غلط الزام پروردگار کریم پر آتا ہے کہ وہ ابدالاً بادتک ایسا ہی کرتا رہا۔ نہیں بلکہ ایک کاذب (نعوذ باللہ) کی مدد کرتا اور اسے زمین پر تسلط دیتا۔ اس کی دعاؤں کو قبولیت بخشتا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے دین کو قائم رکھتا اور ابد تک اس کی آواز کو رفعت عطا کرتا ہے۔ اس کی دعوت کا اظہار اور ہر جماعت و قوم کے اندر سب کے سامنے علی الاعلان صدیوں کے بعد بھی اس کی نبوت کی شہادت دینا لازم آئے۔ یہ معاملہ احکام الحاکمین اور ارحم الراحمین کی جانب سے کیسے ہو سکتا ہے؟

تم نے اپنے مخصوص طریق نقد سے رب العالمین پر شدید ترین جرح کی اور اس پر طعن کی زبان کھولی، اور تم نے اس کا سرے سے انکار کر دیا۔ البتہ ہم انکار نہیں کرتے۔ کئی کذاب دینا میں آئے۔ ان کی شوکت و سطوت بھی ظاہر ہوئی۔ لیکن ان



کی دعوت مکمل نہ ہو سکی۔ نہ انہیں زیادہ مہلت دی گئی، بلکہ ان پر انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع کو مسلط کر دیا گیا۔ انھوں نے ان کا نشان تک مٹا دیا۔ اور انھیں حرف غلط کی طرح ختم کر دیا۔ ابتداءئے آفرینش سے لے کر قیامت تک اس کے بندوں میں اس کی یہ سنت چلی آتی ہے۔

جب اس نے میری یہ گفتگو سنی تو کہنے لگا، اللہ کی پناہ ہم انہیں ظالم یا کاذب نہیں کہتے، بلکہ اہل کتاب میں سے ہر انصاف پسند اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جو آپ کی اطاعت میں آیا اور آپ کے طریق کار پر چلا، وہ ناجی اور سعید ہے۔ اور اسے آپ کی رسالت ماننا ہی پڑتی ہے لیکن اہل کتاب کی جانب آپ مبعوث نہیں ہوئے میں نے جواب دیا کہ آپ کی تصدیق کرنا تم پر لازم ہو گیا اور تواتر سے ثابت ہے کہ آپ تمام لوگوں کی طرف رب العالمین کے رسول تھے۔ اہل کتاب اور امی ہر ایک کی طرف مبعوث تھے۔ اور آپ نے اہل کتاب کو بھی اپنے دین کی دعوت دی۔ اور جو آپ کے دین میں داخل نہ ہوا۔ اس سے آپ نے مقاتلہ فرمایا۔ حتیٰ کہ انھوں نے جزیہ دینے اور ذمی بن کر رہنے کا اقرار کر لیا۔ اس جواب سے وہ کافر پریشان و دراندہ رہ گیا اور فوراً اٹھ کر چلا گیا۔

الحاصل نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک مختلف اقوام و ملل کے خلاف نبرد آزما رہے۔

آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ بھی اسی طریق پر کار بند رہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو مکی مدنی سورت میں بہتر انداز میں ان سے جدال کا حکم بھی دیا۔ اور اظہار محبت کے بعد ان سے مباہلہ کرنے کا حکم بھی دیا۔ اسی طرح دین قائم ہوا۔ اور دلیل کے لیے تلوار کو مددگار بنایا گیا۔ اور سب سے بہتر اور عادل تلوار وہی ہے۔ جو اللہ کے بنیات کی نصرت کرتی ہے اور یہی رسول اللہ اور آپ کی اُمت کے تلوار ہے۔

**مخلوق کی تعظیم حد عبودیت تک کرنا چاہیے** (۵) نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو مخلوق کی تعظیم اس کی منزلت

سے زائد کرے اس طرح کہ اسے عبودیت محض سے نکال لے۔ گویا اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اور اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت کی اور یہ طریقہ تمام رسولوں کی دعوت کے مخالف ہے۔ رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول والی نجران کے لئے باسم اللہ ابراہیم و سحوق و یعقوب! (ابراہیم۔ اسحق و یعقوب کے اللہ کے نام سے) تو میرے نزدیک یہ مستند نہیں۔ حالانکہ آپ نے ہر قل کو لکھا، تو بسم اللہ الرحمن الرحیم تحریر فرمایا، اور ملوک کے نام خطوط میں آپ کی یہی سنت طیبہ تھی۔

**جنز یہ بصورت مال بھی جائز ہے** (۶) نیز اہل کتاب کے ساتھ امام کے حسب ارادہ اموال اور پارچہ جات وغیرہ پر مصالحت کرنا

جائز ہے اور یہ مال ان کے لئے جنز یہ کے قائم مقام ہے۔ اس لیے ہر ایک کو جنز یہ سے مفرد نہ کیا جائے گا، بلکہ یہی مال ان پر جنز یہ قرار پائے گا اور اسے ان پر تقسیم کر کے (عائد کر دیا) جائے گا۔

**حضرت معاذ بن جبل کا واقعہ** (۷) اور جب آپ نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں ہر بالغ سے ایک دینار وصول

کرنے کا حکم دیا اور ان دو مقامات میں فرق بھی ہے۔ اہل نجران میں کوئی مسلمان نہ تھا۔ اور یہ لوگ مصالحت کرنے والوں میں سے تھے۔ اور یمن دار السلام تھا اس علاقہ میں یہود بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے ہر ایک پر جنز یہ عاید کرنے کا حکم دیا۔ اور فقہا بھی پہلی قسم کی بجائے اسی دوسری قسم کے ساتھ جنز یہ مخصوص کرنے ہیں۔ اور حقیقتاً دونوں ہی جنز یہ ہیں، کیونکہ ہر دو صورت میں یہ مال کفار سے ہر سال ان کی ذمیت کے باعث لیا جاتا ہے۔

**اہل کتاب کو سود کی اجازت نہیں** (۸) نیز امام کو جائز نہیں کہ اہل کتاب کے ساتھ سود کے معاملہ میں مصالحت کرے

کیونکہ یہ ان کے دین میں بھی حرام ہے۔ اسی طرح ان سے شراب (مسکرات) لواطت اور زنا کی اجازت کے متعلق بھی مصالحت نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان جرائم کے باعث ان پر حد لگانی چاہیے۔

ایک کے بجائے دوسرے کو نہیں پکڑا جاسکتا (۹) نیز یہ جائز نہیں کہ کسی کافر کے ظلم کی وجہ سے کسی دوسرے کافر کو پکڑ لیا جائے یہ طریقہ اہل اسلام کے حق میں ناجائز ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں ظلم کے مرادف ہوں گی۔

عقد و عہد کافروں کے ساتھ مشروط ہوتا ہے (۱۰) نیز معاہدین کے ساتھ عقد و عہد مشروط ہوگا۔ اور اگر وہ لوگ مسلمانوں کو دھوکہ دیں اور مسلمانوں کے دین (اسلام) میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں تو ان کے لیے کوئی معاہدہ و صلح نہیں۔ اور جب دمشق میں ایک زبردست آگ لگائی گئی جس کا اثر جامع دمشق تک جا پہنچا، تو اس موقع پر بھی ہم نے یہی فتویٰ دیا تھا۔ کیونکہ ان (نصاری) نے مفسد لوگوں کی حمایت اور تعاون کر کے معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔

(۱۱) بلکہ (وہ لوگ بھی مجرم ہیں) کہ جنہیں ان فساد یوں کا علم ہوا لیکن انہوں نے حکام تک ان کی اطلاع نہیں پہنچائی، کیونکہ یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی کی ایک عظیم صورت ہے

# فروہ بن عمرو الجذامی

اسلام کے نام پر جان دینے والا ایک نو مسلم

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں۔

فروہ بن عمرو جذامی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قاصد اپنے مسلمان ہونے کی خبر دینے کے لیے بھیجا۔ اور ایک سفید خچر بھی ارسال خدمت کیا۔

یہ فروہ اہل روم کی طرف سے ملحقہ مقامات کے عربوں پر گورنر مقرر تھا اور معان اور شام کا علاقہ اسی کا مسکن تھا۔ جب رومیوں کو اس کے مسلمان ہونے کی خبر ملی، تو انھوں نے اسے سرتوڑ کوشش کر کے تلاش کیا، اور گرفتار کر لیا، مگر اپنے پاس ہی محبوس رکھا، پھر فلسطین میں عفراء کے چشمہ پر اسے سولی پر چڑھا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ امام زہریؒ کہتے ہیں جب وہ اسے قتل کرنے لے چلے تو اس نے یہ شعر پڑھا!

بلغ سراة المسلمين باني

سلم لربي اعظمى ومقامى

پھر رومیوں نے وہیں عفراء کے گھاٹ پر اسے سولی دے دی۔



# ضمام بن ثعلبہ

بنو سعد بن بکر کے پیام برکا  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال و جواب

بیت پرستی سے کنارہ کشی | ابن اسحاق فرماتے ہیں۔  
مجھے محمد بن ولید سے انہیں کرب موہی ابن عباس  
سے انہیں ابن عباسؓ سے معلوم ہوا کہ بنو سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو جناب  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد کے طور پر بھیجا۔ یہ آپؐ کی خدمت  
میں حاضر ہوا۔ اس نے مسجد کے دروازے ہی پر اونٹ کو بٹھایا، اس کا کھٹنا  
باندھا بعد ازاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔  
آپؐ اس وقت اپنے صحابہؓ کے ہمراہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔  
اس نے بہ آواز بلند کہا، تم میں ابن عبدالمطلب کون ہے؟  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں ابن عبدالمطلب ہوں۔  
وہ کہنے لگا: محمد؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں!

وہ بولا، اے ابن عبدالمطلب میں تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اور سوال

میں سختی کا انداز اختیار کروں گا۔ اس لیے میری بات کا بُرا نہ ماننا۔

آپ نے فرمایا: میں ذرا بھی بُرا نہیں مانوں گا۔ جو جی میں آئے پوچھ لو۔

اس نے کہا: میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ جو تیرا تیرے خاندان کا تجھ سے پہلوں کا اور تیرے بعد میں آنے والوں کا رب ہے کیا واقعی تجھے اللہ نے ہماری طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔

وہ کہنے لگا: میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ جو تیرا تیرے خاندان اور تجھ سے پہلوں اور تیرے بعد میں آنے والوں کا خدا ہے۔ کیا تجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تو صرف اسی کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرے۔ اور یہ کہ ہم ان مشرکوں سے علیحدگی حاصل کر لیں۔ جنہیں ہمارے آباؤ اجداد پوجا کرتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! اللہ نے اس بات کا حکم دیا ہے۔

پھر اس نے اسلام کے تمام فرائض کا ایک ایک کر کے ذکر کیا۔ نماز، زکوٰۃ،

صوم حج۔ غرض اسلام کے جملہ فرائض کا تذکرہ کیا اور ہر ایک کے ساتھ وہی سابقہ الفاظ دہراتا رہا۔ جس طرح پہلے اس نے کہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ (اپنے سوالات) سے فارغ ہو گیا پھر گویا ہوا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور میں یہ تمام فرائض ادا کروں گا۔

جب وہ واپس ہوا تو آپ نے فرمایا: دوزخوں والے نے اگر سچ کہا تو جنت میں داخل ہوگا۔ اور یہ ضمام ایک مضبوط، توانا، اور کٹے ٹھکے کا آدمی تھا، یہ دوزخوں میں رکھتا تھا۔

اُس حضرت سے گفتگو کے بعد یہ اپنے اونٹ کے پاس آیا۔ اس کی رسی کھولی اور

سوار ہو کر اپنی قوم کے پاس آیا۔ سب لوگ اس کے پاس جمع ہوئے۔ پہلی بات جو

اس نے یعنی کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

اس نے اپنی قوم کے سامنے کی وہ یہ تھی۔

”لات وعزى میں کیا دھرا ہے، ان سے بڑھ کر بدتر معبود نہیں۔

لوگوں نے کہا۔ اے ضمام خیر دار، ٹھہرو۔ برص۔ جنوں اور جذام سے بچو۔

اس نے جواب دیا۔ تم غارت ہو۔ یہ بت نہ ضرور دے سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتا

اللہ تعالیٰ نے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے۔ اس پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے۔

ذریعہ تمہیں اُس گمراہی سے نکال دیا ہے۔ جس میں تم سرتاپا غرق تھے۔ اور میں گواہی

دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے

بندے اور رسول ہیں اور میں اس کے پاس سے جو کچھ لے کر آیا ہوں۔ اس کی

دعوت دیتا ہوں، جس سے اس نے روکا ہے اس سے منع کرتا ہوں۔ اللہ کی

قسم اس علاقہ میں شام تک تمام مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی قوم کا وفد ضمام بن ثعلبہ سے بہتر اور افضل

نہیں دیکھا۔

صحیحین میں بھی حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق یہ واقعہ اسی طرح منقول ہے

نہنہن

# طارق بن عبد اللہ اور اس کے رفقاء

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش معاملگی کا

### حیرت انگیز واقعہ

آپ کا ایک اثر آخرین خطبہ | ابو بکرؓ بیہقی کی روایت ہے کہ اور وہ جامع بن شداد سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ایک آدمی نے بتایا جسے طارق بن عبد اللہؓ کہتے ہیں، اس نے کہا:-  
میں سوق عکاظ میں کھڑا تھا، اچانک ایک آدمی آیا اس کے بدن پر جبہ تھا۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔

اے لوگو۔ لا الہ الا اللہ کہو۔ تم فلاح پا جاؤ گے !  
اور ایک آدمی اس کے پیچھے پیچھے کنکڑ مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ اے لوگو اس کی تصدیق نہ کرنا۔ کیونکہ یہ جھوٹا ہے۔  
میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟



لوگوں نے کہا: یہ بنو ہاشم میں سے ایک آدمی ہے۔ جو سمجھتا ہے، میں اللہ کا رسول ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کر رہا ہے؟  
لوگوں نے بتایا یہ اس کا چچا عبدالعزیٰ ہے۔

راوی کہتا ہے۔ جب لوگ اسلام ملے آئے، اور انہوں نے ہجرت کی ہم نے بھی ابذہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا۔ تاکہ وہاں سے کھجوروں خریدیں۔ جب ہم مدینہ کی دیواروں اور کھجوروں کے قریب پہنچے۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ اتر کر اپنے اس لباس کے علاوہ دوسرا لباس پہن لیں۔ اچانک ایک آدمی معمولی سے کپڑے پہنے آیا۔ سلام کہا۔ اور پوچھنے لگا یہ قوم کہاں سے آئی ہے؟  
ہم نے کہا، ابذہ سے!

پھر اس نے پوچھا اور ارادہ کہاں کا ہے؟

ہم نے کہا بس اسی شہر تک!

پھر اس نے پوچھا یہاں تمہارا کیا کام ہے؟

ہم نے جواب دیا۔ ہم یہاں سے کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں۔ اور بتایا کہ ہمارے صندوق ہے اور سرخ اونٹ ہے۔

اس آدمی نے کہا: کیا تم اپنا اونٹ فروخت کرو گے؟

جواب دیا:

ہاں فروخت کر دیں گے، لیکن اتنے صاع کھجوروں کے عوض!

راوی کا بیان ہے کہ ہم نے جس قدر کہا۔ اس شخص نے اس سے بالکل کم نہ بتایا۔

اور اونٹ کی مہار پکڑی، اور چل دیا۔

جب وہ مدینہ کی دیواروں اور کھجوروں کے ہو سے اوجھل ہو گیا۔ تو ہم نے کہا:

یہ ہم نے کیا کیا؟ اللہ کی قسم ہم نے ایسے آدمی کے ہاتھ اونٹ بیچ دیا ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ اور نہ ہم نے اس سے قیمت لی ہے!

راوی کا بیان ہے: ہم میں سے ایک عورت بول اٹھی۔ اللہ کی قسم میں نے اس آدمی کو دیکھا ہے۔ اس کا چہرہ شب تمام کے مکمل چاند کی طرح ہے۔ میں تمہارے اونٹ کی ضمانت ہوں۔

ابن اسحاقؒ کی روایت ہے کہ بڑھیا کہنے لگی: پریشان نہ ہو۔ میں نے اس آدمی کا چہرہ دیکھا ہے وہ ایسا ہے جیسے شب تمام کا مکمل چاند ہے۔

یہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اور کہنے لگا: کہ میں تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر آیا ہوں۔ یہ تمہاری کھجوریں ہیں۔ کھاؤ۔ اور سیر ہو جاؤ۔ تو لو اور پوری کر لو۔ ہم نے کھائیں اور سیر ہو گئے۔ تو لیں اور پوری کر لیں۔ پھر ہم مدینہ میں داخل ہوئے۔ اور مسجد کے اندر آئے۔ تو وہ شخص آپ ہی تھے۔ آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ ہم نے آپ کے خطبہ کا کچھ حصہ حفظ کر لیا، آپ فرما رہے تھے۔

”صدقہ کرو۔ کیونکہ صدقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر

ہے۔

# وفد نجیب

ایک سعادت مند طفل نو عمر و نوخیز کی کہانی

ارتداد کے موقع پر جس کے پاؤں نہ ڈمک گئے | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت  
میں نجیب کا وفد حاضر ہوا۔

یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ جو اپنے لہوال کے صدقات بھی ہمراہ لے آئے تھے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے مل کر فرحت اور مسرت حاصل ہوئی۔ آپ نے ان کا اکرام و اعزاز کیا۔ انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہم آپ کی خدمت میں (صدقات) بھی لائے ہیں جو اللہ نے ہمارے اموال پر فرض کیئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انھیں واپس لے جاؤ اور اپنے فقراء پر تقسیم کر دو۔

انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول۔ ہم صرف وہ مال لائے ہیں جو ہمارے فقراء سے زیادہ بچ گیا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، عرب کا کوئی وفد اس سے بہتر

میں حاضر نہیں ہوا جیسے یہ نجیب کا وفد حاضر ہوا ہے۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہدایت بھی اللہ عز و جل کے ہاتھ میں  
ہے جس کے متعلق بھلائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کا سینہ ایمان کے لئے کھول  
دیتا ہے۔

اس وفد نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چند باتیں دریافت کیں۔ آپ نے  
وہ باتیں اسے لکھ دیں۔ یہ لوگ قرآن مجید اور سنن کے متعلق معلومات حاصل کرنے  
لگے، ان کی یہ بات آنحضرتؐ کو زیادہ پسند آئی۔ اور ان سے آپ کی رغبت بڑھ  
گئی۔ چنانچہ آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ ان کی ضیافت بہترین طریقہ پر کرو،  
یہ لوگ کچھ دن رہے اور زیادہ مدت قیام نہ کر سکے۔ ان سے کہا گیا تمہیں کس بات  
کا خیال ہے؟

کہنے لگے ہم واپس جائیں گے اور جو لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی  
بتائیں گے کہ ہم نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور ہم نے  
آپ سے گفتگو کی ہے اور آپ نے یہ جواب ہمارے سوالوں کا دیا ہے۔  
پھر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وداع ہونے کے لیے حاضر  
ہوئے۔ آپ نے حضرت بلالؓ کو ان کی طرف بھیجا۔ اور انہیں بہ نسبت دوسرے  
وفود کے زیادہ اچھے انعامات و اکرامات سے نوازا اور دریافت فرمایا کہ کیا تم میں  
سے کوئی باقی رہ گیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا، ہاں! ایک لڑکا رہ گیا ہے، جسے ہم اپنے سامان کی نگرانی  
کے لیے پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور وہ ہم سب سے عمر میں چھوٹا ہے۔  
آپ نے فرمایا، اسے بھی میرے پاس بھیجو۔

جب یہ لوگ اپنی جائے قیام پر واپس آئے تو لڑکے سے کہنے لگے۔ جاؤ،  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، اور ان سے کسب سعادت کرو کیونکہ  
ہم تو شرف اندوز سعادت ہو چکے اور وداع بھی ہو آئے۔



لڑکا چلا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور عرض کرنے لگا۔ اے اللہ کے رسول میں بنی ابذی کا ایک آدمی ہوں۔ یہ وہی جماعت ہے جو آپ کی خدمت میں ابھی ابھی حاضر ہوئی تھی اور جو یہاں سے سعادت اندوز ہو کر رخصت ہوئی ہے۔ اے اللہ کے رسول اب مجھے بھی شرف اندوز سعادت کیجیے۔  
آپ نے فرمایا، تیری حاجت کیا ہے؟

وہ کہنے لگا، میری ضرورت میرے ساتھیوں کی طرح نہیں۔ اگرچہ وہ بھی اسلام کی رغبت لے کر حاضر ہوئے تھے اور اپنے صدقات میں سے جو کچھ لے کر آئے وہ خلوص سے تھا مگر میں اللہ کی قسم اپنے معاملے میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ اللہ عزوجل سے دعا کر دیں کہ وہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کرے اور مجھے قلبی غنا عطا فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ اے بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اسے قلبی غنا عطا فرما۔ پھر اس کے لیے اور اس کے ساتھیوں کے بہ قدر عطیہ دینے کا حکم دیا۔ پھر یہ لوگ واپس گھروں کو چلے گئے۔ اس کے بعد سالہ کو موسم حج میں یہی لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور عرض کیا ہم بنو ابذی میں سے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس لڑکے کا کیا حال ہے جو میرے پاس تمہارے ساتھ آیا تھا؟

انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم نے اس کا سا اچھا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ اللہ نے اسے جو رزق دے رکھا ہے وہ اس پر بہت ہی قانع ہے۔ اگر لوگ دنیا بھی تقسیم کریں تو وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا، اور نہ التفات کرتا ہے یہ سن کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحمد للہ، مجھے امید ہے کہ وہ مکمل طور پر اس دنیا سے رخصت ہو گا۔

ایک آدمی نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کیا ہر آدمی مکمل طور پر نہیں مرنے لگتا؟

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا کی وادیوں میں اس کے خواہشات اور غم منتشر ہو جاتے ہیں۔ کبھی اس کی اجل انھیں وادیوں میں اسے پکڑ لیتی ہے پھر اللہ عزوجل پروا نہیں کرتا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ لڑکا ہم میں بہتر حالت میں اور زاہد بن کر زندہ رہا اور جس قدر اللہ نے اسے رزق دے رکھا تھا، اسی پر وہ قانع تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اہل یمن میں سے بعض اسلام سے پھر گئے تو وہ اپنی قوم میں کھڑا ہو گیا۔ اور انھیں اسلام اور اللہ کی یاد دلائی۔ چنانچہ اس کی قوم میں سے کوئی فرد بھی مرتد نہ ہوا۔

حضرت ابو بکرؓ اس کا تذکرہ کرتے اور اس کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی حالت کو پہنچ گیا۔ اور انھوں نے زیاد بن بعید کو خط لکھا کہ اس لڑکے سے بہت اچھا سلوک کرنا۔

# قضاے وفد بنو ہندیم کی آمد

اسلام میں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا،

بڑائی اسلام کی ہے

واقعہؓ نے ابن نعمان سے انہوں نے اپنے والد سے جو بنو سعد ہندیم سے  
ہیں۔ روایت کی ہے..... کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
خدمت میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ہمراہ حاضر ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلاؤ کو  
فتح کر چکے تھے اور عربوں نے آپ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اور لوگوں کی دو  
قبیلے ہو چکی تھیں۔ یا تو اسلام میں داخل تھے اور یا تلوار سے خوفزدہ

تھے چنانچہ ہم مدینہ کی ایک جانب ٹھہرے۔ پھر ہم مسجد میں جانے کے ارادے  
سے نکلے کے حتیٰ کہ ہم اس کے دروازے تک پہنچ گئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک جنازہ پڑھا رہے ہیں۔ ہم ایک  
طرف کھڑے رہے۔ اور لوگوں کے ساتھ نماز (جنازہ) میں شریک نہ ہوئے۔ ہم  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور ان سے بیعت سے پہلے یہ کرنا نہیں  
چاہتے تھے۔

پھر بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نامہؓ ہوئے، ہمیں دیکھا اور بلا لیا اور دیر

فرمایا، تم کون ہو؟

ہم نے عرض کیا۔ بنی سعد ہذیم میں سے ہیں۔

آپ نے فرمایا، کیا تم مسلمان ہو؟ ہم نے عرض کیا، ہاں! آپ نے فرمایا۔  
تم نے اپنے بھائی کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟

ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہم نے سمجھا کہ آپ سنے بیعت کر لینے سے  
پہلے ہمارے لیے یہ جائز نہ ہوگا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہالت بھی تم نے اسلام قبول  
کر لیا تو تم مسلمان ہو۔

کہتے ہیں کہ پھر ہم نے اسلام قبول کیا اور اسلام پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ پھر ہم واپس اپنے سامان کے پاس آگئے  
اور ہم نے اپنے میں سے ایک خادم کو وہاں رکھا ہوا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ہماری تلاش میں آدمی بھیجا۔ چنانچہ اسے بھی آپ کے پاس  
لے جایا گیا اور آگے بڑھ کر ہمارے اس ساتھی نے بھی آپ سے اسلام پر بیعت  
کی۔

ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ ہم میں سے چھوٹا ہے اور ہمارا خادم  
ہے۔ آپ نے فرمایا، قوم میں سے چھوٹا ان کا خادم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے  
پرہیزگاہ نازل فرمائے۔

رازی کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم وہ ہم میں سب سے بہتر تھا۔ اور جناب رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہم سے زیادہ قرأت پڑھ گیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہم پر امیر مقرر فرمایا دیا۔ وہی ہمیں  
نماز پڑھاتا تھا۔ جب ہم نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا  
انہوں نے ہم سے ہر آدمی کو چاندی کے کٹی کٹی اوقیہ انعام دیا، پھر ہم واپس اپنی قوم کے  
طرف آئے اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔



# قدوم وفد بنی فزارہ

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی

دعائے طلب باران

ابو ربیع بن سالم کتاب الاکتفاء میں فرماتے ہیں۔

”اور جب بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے۔

تو آپ کی خدمت میں بنی فزارہ کا وفد حاضر ہوا جو دس آدمیوں سے زیادہ پر

مشتمل تھا، جن میں خارجہ بن حصین اور حسن قیس بھی تھا جو عیینہ بن حصین

کا بھائی تھا اور یہ وفد میں سب سے کم عمر تھا۔

یہ لوگ بنت حرث کے گھر میں ٹھہرے اور بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ یہ لوگ دہلی اور نجیف سوارہوں

پر سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاقہ کا حال دریافت فرمایا

ایک بولا اے اللہ کے رسول ہمارے شہر برباد ہو گئے۔ ہمارے مویشی ہلاک

ہو گئے۔ ہمارے باغات خشک ہو گئے اور اہل و عیال فاقے کرنے لگے۔

اس لیے اپنے پروردگار سے دعا فرمائیے کہ ہم پر بارش فرمائے اور اپنے پروردگار

کے پاس ہماری شفاعت فرمائیے اور آپ کے پروردگار کو بھی آپ کے پاس

ہماری سفارش کرنی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سبحان اللہ (اللہ پاک ہے) بد نخت

میں نے اپنے پروردگار عزوجل کے پاس شفاعت کر دی۔ لیکن وہ کون ہے؟ جس کے پاس ہمارا پروردگار سفارش کرے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ بزرگ ہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور وہ اس کی عظمت اور جلال کے باعث گواہی دیتی ہے۔ جیسے لوہے کا کجاوہ آواز دیتا ہے۔ پھر آپ منبر پر چڑھے اور کچھ کلمات فرمائے اور آپ کسی دعا کے موقع پر ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔ مگر دعائے استسقاء میں آپ نے ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی بھی نظر آگئی۔ اور آپ کی دعا میں سے یہ الفاظ یاد ہیں، اے اللہ اپنے ملک اپنے جو پاؤں کو سیراب کر دے۔ اور اپنی رحمت پھیلادے اور اپنے مردہ علاقے کو زندہ فرما۔ اے اللہ ہمیں بارش سے سیراب کر دے جو راحت رساں ہو۔ روئیدگی پیدا کرنے والی ہو، وسعت بخش ہو۔ عامل ہو۔ آجل نہ ہو، نافع ہو۔ مضر نہ ہو، اے اللہ ہمیں اپنی رحمت سے لذت اندوز کر۔ عذاب و ہدم۔ اور غرق سے محفوظ رکھ۔ نیز تباہی اور ہلاکت و بربادی سے بھی، اے اللہ ہم پر بارش بھیج، اور ہمیں دشمن پر فتح عطا کر۔

# وفد بہراء کی آمد

اہل وفد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

لطف و عنایت

واقعی کریمہ بنت مقداد سے نقل کرتے ہیں -

میں نے اپنی والدہ صناعتہ بنت زبیرؓ سے عبدالمطلب کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یمن سے بہراء کا وفد حاضر ہوا۔ یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ یہ لوگ اپنی سواریاں ہنکاتے ہوئے مقدادؓ کے دروازے تک آ گئے۔ اور ہم بنی جذیمہ کی بستی میں اپنے گھروں کے اندر تھے۔ حضرت مقدادؓ ان کی طرف بڑھے۔ ان کا استقبال کیا اور انہیں بٹھرایا۔ ان لوگوں نے حضرت مقدادؓ کے ہاں کھانا کھایا۔ کھانے کا پیالہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا۔ والپسی پر ابو مجننہ نے اہل وفد کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی میں سے تناول فرما کر یہ حصہ واپس کیا ہے۔ لہذا اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کی برکت بھی ہے۔

یہ سنتے ہی اہل وفد نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اور کہنے لگے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا ایمان بہت محکم ہو گیا۔ خود بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی خواہش تھی۔

بعد ازاں ان لوگوں سے فرائض کا علم سیکھا۔ چند روز ٹھہرے اور پھر بنی سلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وداع ہونے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں انعامات دینے کا حکم دیا اور وہ واپس اپنے اہل و عیال میں چلے گئے۔

---



# وفد عذرہ کی آمد

اہل وفد کو فتح شام کی خوش خبری  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

۹؎ ماہ صفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہ آدمیوں کا ایک وفد آیا، یہ عذرہ کا وفد تھا۔ اس میں حمزہ بن نعمان بھی شامل تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم کون لوگ ہو! انہوں نے جواب دیا۔ آپ سے کلام کرنے والا آپ سے اجنبی نہیں ہم بنو عذرہ ہیں، ہم قصی کے بھائی ہیں، ہم نے ہی قصی کو مدد دی۔ اور وہ ہم ہی تھے جنہوں نے بطون مکہ سے خزاعہ اور بنی بکر کو نکال باہر کیا..... اور ہماری ان سے قرابت اور رشتہ داریاں ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خوش آمدید۔ تم اپنے ہی گھر میں آئے ہو، میں نے تمہیں پہلے پہچانا تھا۔ پھر یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوش خبری دی کہ شام فتح ہو گیا اور ہر قل دوردراز علاقہ میں سے فرار ہو گیا ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے آپ نے ہدایت فرمائی کہ کاہنوں کی نہایت

سین نہ ان کا اعتبار کریں۔ نیز انہیں ان ذبايح سے روکا جو کفر و شرک کے زمانہ میں وہ عبادت سمجھ کر کیا کرتے تھے۔ اور انہیں سمجھایا اور بتایا کہ قربانی تو بس اللہ کے نام ہی کی واجب ہے۔

یہ لوگ حضرت رملہؓ کے گھر میں کچھ روز مقیم رہے۔ پھر انعامات حاصل کر کے واپس چلے گئے۔

---

# قدم وفد علی

اہل وفد کے استفسارات  
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے

چند اہم مسائل فقہیہ | یہ وفد ۹ ذی الحجہ ۱۰۱۰ھ کے مہینہ میں آپ کی خدمت با  
برکت میں حاضر ہوا۔ انہیں روایع بن ثابت بلوکی  
نے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ وہی ان لوگوں کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں  
حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یہ میری قوم ہے۔  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجھے اور تیری قوم کو ہم خوش  
آمدید کہتے ہیں۔

یہ لوگ اسلام لے آئے پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں، جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی۔ جو  
بھی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین پر مرے گا۔ وہ آگ جہنم میں جائے گا۔  
وفد کا بوڑھا آدمی ابو ضلیب کہنے لگا: اے اللہ کے رسول میں ضیافت کرنے  
کا بڑا شوق بین ہوں۔ کیا میرے لیے اس میں کچھ ثواب ہوگا؟  
آپ نے فرمایا ہاں! جو بھلائی بھی تو کسی امیر یا غریب کے ساتھ کرے وہ صدقہ

اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول ضیافت کب تک کے لیے ہوتی ہے۔  
 آپ نے فرمایا: تین روز کے لیے اور جو اس سے زیادہ ہو وہ صدقہ ہے۔ اور مہمان  
 کے لیے جائز نہیں کہ وہ تیرے پاس اس کے بعد بھی ٹھہرا رہے اور تجھے تنگ کرے۔  
 اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ویران زمین میں جو گمشدہ بکریاں مجھے مل  
 جایا کرتی ہیں، ان کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟

آپ نے فرمایا: وہ تیرا یا تیرے بھائی کا اور یا بھیڑیے کا نوالا ہے۔  
 اس نے عرض کیا: اور اونٹ؟ آپ نے فرمایا: تجھے اس سے کیا تعلق؟ اسے رہنے  
 دے یہاں تک کہ وہ (خود بھی) اپنے مالک کے پاس پہنچ جائے۔  
 حضرت رویفؓ فرماتے ہیں پھر یہ لوگ کھڑے ہو گئے۔ اور میرے گھر واپس  
 آ گئے۔

دیکھتا کیا ہوں اچانک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مکان کی طرف  
 کھجوریں لیے تشریف لارہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان کھجوروں سے ان کی دعوت کرنے  
 کی سکت پیدا کرو۔

وہ لوگ یہ اور دوسری جگہ کی ہمہ قسم کی کھجوریں کھاتے، تین روز ٹھہرے، پھر رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انعام سے سرفراز فرمایا اور رخصت کر دیا، اور یہ لوگ  
 واپس اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے۔

## اسی واقعہ سے متعلق احکام فقہیہ

۱۔ مہمانی کی مدت اور میزبان کا فریضہ | یہ کہ مہمان جس کے گھر میں سے

مہمان رہنے کا حق ہے۔ اور اس کے تین مرتبہ ہیں۔ واجب۔ مستحب اور صدقہ۔  
 واجب حق تو ایک دن اور ایک رات کا ہے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ایک حدیث میں تینوں درجوں کا ذکر فرمایا، جو ابوشرعؓ خزاسی سے مروی ہے۔



اور اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے۔ یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی انعام سے خدمت کرے۔

عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول اس کا (جائزہ) انعام کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا، ایک دن اور ایک رات۔ اور ضیافت تین روز تک ہوتی ہے اور جو اس سے بڑھ جائے، وہ ضیافت نہیں صدقہ ہے، اور مہمان کے لیے جائزہ نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں ٹھہرا رہے اور اسے تنگ کرتا رہے۔

**۲- لا وارث بکریوں اور اونٹوں کی ملکیت** | نیز اس لا وارث بکریوں اور جب تک بکری کا مالک نہ آجائے گا۔ یہ بکریاں پکڑنے والے ہی کی ملکیت میں رہیں گی۔

البتہ اصحاب احمدؒ میں سے متقدمین اس کے خلاف ہیں۔ اور ابو الحسین نے فرمایا ہے۔ کہ سال گزرنے سے قبل اس مال میں تصرف نہ کرے۔ نیز لا وارث اونٹ کا حاصل کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر بالکل چھوٹا سا بچہ ہو، اور بھیڑیوں اور دوسرے درندوں سے اپنا تحفظ نہ کر سکتا ہو۔ اس صورت میں اس کا حکم قص کی تنبیہ اور اشارہ کے مطابق بکری کا سا ہوگا۔

# قدم وفد ذی مرہ

قحط زدہ لوگوں کے لئے

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا باراں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تیرہ آدمیوں پر مشتمل ذی مرہ کا وفد حاضر ہوا، حرث بن عوف ان کا سردار تھا۔

اہل وفد کے سردار نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! میں آپ کی قوم اور آپ ہی کا خاندان ہوں۔ ہم لوگ بنی ثوی بن غالب سے تعلق رکھتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اور حرث سے پوچھا، اپنے اپنے اہل کو کہاں چھوڑا ہے؟

اس نے عرض کیا: سلاح اور اس کے قریب!

آپ نے دریافت فرمایا: اور ملک کا کیا حال ہے۔

اس نے عرض کیا: اللہ کی قسم ہم قحط زدہ ہیں۔ مال میں مغز نہیں رہا۔ اس لیے ہمارے لیے دعا فرمائیے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ ان پر بارش

فرما،

یہ لوگ چند روز ٹھہرے۔ پھر واپسی کا ارادہ کیا۔ اور جناب رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وداع ہونے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے

حضرت بلالؓ کو انعام دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے ان کو دس دس اوقیہ چاندی عنایت فرمائی اور حرث بن عوف کو زیادہ انعام یعنی بارہ اوقیہ رحمت فرمایا! پھر یہ لوگ اپنی بستی میں واپس آگئے، یہاں آکر انہوں نے دیکھا کہ ان کے علاقہ میں خوب بارش ہو چکی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ یہ بارش ہوئی؟ تو پتہ چلا۔ کہ ٹھیک اسی دن بارش ہوئی تھی جس دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے باران فرمائی تھی، پھر تو ان کا علاقہ سیرسبز و شاداب ہو گیا۔

---

# قدوم وفد خولاں

## عم انس نامی بُت کی داستان عجیب

شعبان سنہ ۱۱۷۷ میں خولاں کا وفد جو دس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ حاضر خدمت

نبوی ہوا۔

ان لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم ان لوگوں کے سردار ہیں جنہیں پیچھے چھوڑ آئے ہیں، ہم اللہ عزوجل پر ایمان لاتے ہیں، اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم اونٹوں پر سفر کر کے آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچے ہیں۔ ہم زمین کی سخت اور نرم جگہ پر چلے ہیں۔ اور تمام احسان اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے۔ اور ہم آپ کی زیارت کے مقصد سے حاضر ہوئے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے میری خاطر سفر کی جو بات کی تو جان لو تمہارے لیے اونٹ کے ہر قدم پر ایک نیکی ہے۔ اور تمہارا یہ قول کہ میری زیارت کرنے کے لیے آئے ہو تو جان لو جس نے مدینہ میں میری زیارت کی وہ قیامت کو میرا بڑا رُوسی ہوگا۔

انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول پھر تو اس زحمت میں کوئی خسارہ نہیں۔



جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غم انس کا کیا ہوا؟ یہ خولان کا بُت تھا۔ جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا آپ خوش ہو جائیے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عوض آپ کا دین عطا فرمایا: اور ہم میں سے ایک بوڑھا اور ایک بوڑھیا باقی رہ گئے، میں جو ابھی تک اسی کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اور جب ہم جائیں گے۔ تو اس کو انشاء اللہ تعالیٰ توڑ پھوڑ کر زمین کے برابر کر دیں گے پیچ تو یہ ہے کہ ہم اس کی وجہ سے فتنہ اور فریب میں مبتلا تھے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کا سب سے بڑا کیا فتنہ دیکھا؟

کہنے لگے: ہمیں فحط سالی نے آن لیا۔ حتیٰ کہ ہم ہر ناقص چیز تک کھا گئے۔ پھر ہم نے حسب استطاعت مال جمع کیا۔ اور اس سے ایک سو بیل خریدے۔ انہیں عم انس کے نام پر ایک ہی صبح کو ذبح کر دیا۔ اور درندوں کے لیے انہیں وہیں چھوڑ دیا، حالانکہ درندوں کی نسبت ہم خود ان کے زیادہ محتاج تھے۔ اتفاق کی بات اس وقت بارش ہو گئی۔ ہم نے دیکھا کہ لوگ اس بات کا چرچا کر رہے تھے یہ عم انس کا ہم پر فضل اور انعام و احسان ہے۔

نیران لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ کہ ہم فصلی بوتے تو اس کا حصہ مقرر کر دیا کرتے تھے اور اس کا نام رکھ دیتے تھے۔ پھر ہم دوسرا کھیت بوتے۔ تو اسے اللہ کے نام پر روک دیتے، جب کبھی اُندھی آتی اس کھیت کو لپیٹ میں لے لیتی جسے ہم نے عم انس کے نام سے منسوب کر رکھا تھا تو ہم اللہ کے نام والی کھیتی کو عم انس کے نام کر دیتے۔ اور جب کبھی دوسری کھیتی پر تباہی آتی تو ہم عم انس والی کھیتی کو اللہ کے نام کی طرف منتقل نہ کرتے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق نازل فرمایا ہے۔ وجعلہم اللہ ممادراً من العرش والالعام نصیباً۔

نیز اہل وفد نے بتایا کہ ہم اس کے پاس اپنے جھگڑے لے جاتے۔ تو یہ بولتا تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ یہ شیاطین تھے جو تم سے باتیں کرتے تھے۔

بعد ازاں اہل وفد نے فرائض کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے انہیں بتایا۔ اور وعدہ پورا کرنے، امانت ادا کرنے، اپنے پڑوسی کے ساتھ بہتر سلوک اور برتاؤ کرنے اور کسی پر ظلم نہ کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا بے شک ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ہے۔

پھر چند روز کے بعد انہیں انعام دے کر الوداع کیا۔ یہ لوگ اپنی قوم یمن والیں پہنچے۔ اور اترتے ہی عم ربیعہ کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا۔ ۱۵

۱۵: شرک اور بت پرستی کا جو عقیدہ نسلوں اور پشتوں اور صدیوں سے چلا آ رہا تھا، قبول اسلام کے بعد اس کا نسباً منسباً ہو جانا اور وہ بھی اُنّا فانا اتنا اُسان نہ تھا یہی وجہ تھی کہ اس بت کو توڑنے پھوڑنے کے سلسلہ میں صورت پیش آئی لیکن یہ کارا، ہم جب سرانجام پا گیا تو وہ ذرا سی کھٹک جو باقی رہ گئی تھی وہ بھی دور ہو گئی۔

# وفد محارب

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت یادداشت

جنتہ الوداع کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں محارب کا وفد حاضر ہوا۔ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام عربوں سے زیادہ قومی الایمان تھے۔

ان مواقع پر جب موسم حج تھا۔ اور آپ قبائل عرب کو اللہ کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ اسی قوم میں سے دس آدمی اپنی پوری قوم کی جانب سے نائب بن کر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اور اسلام لے آئے۔ حضرت بلالؓ صبح شام ان کا کھانا لاتے۔ آخر ایک روز یہ لوگ ظہر سے لیکر عترک نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے، آپ نے ایک آدمی کو پہچان لیا۔ اور اسے غور سے ملاحظہ فرمانے لگے۔

جب محارب نے اپنی طرف آپ کی نگاہ دیکھتی تو کہنے لگا: اے اللہ کے رسول شاید آپ مجھے پہچان رہے ہیں۔؟

آپ نے فرمایا! میں تمہیں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں،

محارب نے جواب دیا۔ ہاں! خدا کی قسم آپ نے مجھے دیکھا بھی ہے اور مجھ سے باتیں بھی کیں ہیں۔ اور میں نے بدترین طریقہ پر جواب دیا تھا۔ اور عکاظ کے میلہ میں نے بدترین انداز میں آپ کی دعوت اسلام روکی تھی۔ جب قبائل عرب

کو مخاطب فرما رہے تھے۔

جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ٹھیک کہتے ہو۔

پھر محارب بنی بوللا۔ اے اللہ کے رسول اس روز میرے دوستوں میں مجھ سے زیادہ آپ کے خلاف کوئی سخت نہ تھا اور نہ اسلام سے زیادہ دور تھا۔ میں اللہ کی حمد کرتا ہوں جس نے مجھے زندہ رکھا۔ حتیٰ کہ میں نے آپ کی تصدیق کر لی، اور وہ میرے تمام ساتھی اپنے سابقہ (کفر کے) دین پر مر چکے ہیں۔ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک دل اللہ عزوجل کے قبضہ میں ہوتا ہے۔

محارب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ کے قدموں پر حاضر ہو جانے کے باعث میرے لیے بخشش کی دعا کیجیے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام اپنے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ بعد ازاں پھر یہ لوگ واپس چلے گئے۔



# قدوم وفدِ صداء

حضرت سعد بن عبادہ کی طرف سے  
میزبانی کی پیش کش

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صداء کا وفد حاضر ہوا۔ تو حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں میرے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دیجیے۔

چنانچہ یہ لوگ ان کے ہاں ٹھہرے انہوں نے ان کی خوب خاطر مدارت کی اور حسب ضرورت لباس تک دیا۔ پھر انہیں لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے آپ سے اسلام پر بیعت کی۔ اور کہنے لگے، ہم اپنے ان لوگوں کی جانب سے جو یہاں نہیں آ سکے آپ کے سامنے ضامن ہیں۔ چنانچہ بعد کو جب یہ اپنی قوم کی طرف واپس ہو گئے۔ تو انہیں اسلام خوب پھیل گیا۔ اور حجۃ الوداع میں ان کے ایک سو آدمیوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

واقعی نے بنی مصطلق کے کسی آدمی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی سابقہ میں ایک بعت کا ذکر بھی ہوا۔ کہ جس میں لشکر اسلام کا سفید جھنڈا سیاہ

رنگ کا پتہ نہ تھا۔

اہل وفد میں سے ایک نے عرض کیا!

یا رسول اللہ ہمارے ہاں ایک کنواں ہے، جاڑوں کے موسم میں تو اس کا پانی ہمیں کفایت کرتا ہے، لیکن گرمی کے موسم میں کم پڑ جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ادھر ادھر کے گھاٹوں پر متفرق ہو جاتے ہیں، ابھی ہم مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہے (ہمارا پرگندہ ہونا) خطرہ سے خالی نہیں۔ لہذا خدائے عزوجل سے دعا کیجیے، کہ ہمارا کنواں بھر جائے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا، سات کتکریاں لاکھ مجھے دو۔

وہ پیش کر دی گئیں، آپؐ نے انہیں اپنے ہاتھ سے رگڑا، پھر واپس کر دیا،

اور فرمایا۔

جب وہاں پہنچو تو ایک ایک کر کے انہیں کنوئیں میں ڈال دینا، اور بسم اللہ

کہہ لینا۔

ایسا ہی کیا گیا، وہ کنواں پانی سے بھرا ہوا انداز بن گیا، جو اب تک موجود

ہے،!

## اسی واقعہ سے متعلق فقہی احکامات

۱۔ پرچم کا استعمال مستحب ہے | اس سے ثابت ہوا کہ لشکر کے لیے جھنڈے

اور پرچم کا استعمال مستحب ہے۔ اور مستحب یہ ہے، کہ جھنڈا (لواء) سفید

ہو، اور پرچم (راہ) سیاہ ہو۔ اس میں کچھ کراہت نہیں۔

۲۔ آب زمزم سے وضو جائز ہے | نیز اس سے مقدس پانی سے وضو  
کا جواز بھی نکلتا ہے، اس سے

وضو مکروہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح زمزم کے پانی سے وضو کرنا مکروہ نہ ہوگا۔ اور  
نہ ایسے پانی سے وضو مکروہ ہوگا۔ جو کبہ کی چھت پر بہ رہا ہو۔

---

# قدم وفد غسان

اسلام پر ثابت قدم رہنے والے تین مومن

یہ وفد سالہ رمضان میں حاضر ہوا۔ یہ وفد یمن آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ اسلام لے آئے اور کہنے لگے: ہم نہیں جانتے، کہ ہماری قوم ہمارا اتباع کرے گی یا نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے مسلک کو باقی رکھنا اور قبیلہ کا قرب پسند کرتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں التحات دیے۔ اور وہ واپس قوم کے پاس آئے۔ ان لوگوں نے ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔ آخر ان میں سے دو اسلام پر فخر ہو گئے۔ اور قبیلہ نے یرموک کے سال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا۔ وہ حضرت ابو عبیدہؓ سے ملا۔ اور انہیں اپنے اسلام کی خبر دی چنانچہ وہ اس کی بہت عزت کرتے تھے۔



# قدم وفد سلاماں

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے باراں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلمان کا وفد جو سات آدمیوں پر مشتمل تھا حاضر ہوا۔ جن میں حبیب بن عمرو بھی تھے۔ یہ لوگ مسلمان نہ ہو گئے۔

حبیب کہتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول! سب سے بہتر عمل کونسا ہے؟

آپؐ نے فرمایا! اپنے وقت پر نماز ادا کرنا۔ پھر انہوں نے طویل حدیث ذکر کی۔ اور راہل وفد نے آپؐ کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز ادا کی۔ راوی کہتے ہیں۔ کہ عصر کی نماز ظہر کے قیام سے خفیف تھی۔

پھر راہل وفد نے آپؐ کی خدمت میں قحط سال کی شکایت پیش کی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اے اللہ انہیں ان کے گھروں میں بارش سے فرما۔

میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہاتھ زیادہ اٹھائیے۔ تاکہ زیادہ اور خوب (بارش ہو)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبہم فرمایا: اور اس قدر ہاتھ اٹھائے، کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی بھی نظر آگئی۔ پھر کھڑے ہو گئے۔ اور

- ہم وہاں یقین روز ٹھہرے اور آپ

کی ضیافت کے انعامات، ہم پر جاری رہے۔ پھر ہم نے وداع ہو جانا چاہا  
آپ نے ہمیں انعامات سے نوازا۔ اور ہم میں سے ہر آدمی کو پانچ پانچ  
اوقیہ عنایت فرمایا۔ نیز حضرت بلالؓ نے معذرت بھی کی۔ اور کہا۔ آج ہمارے  
پاس زیادہ مال نہیں۔ ہم نے کہا: یہ تو بہت ہی زیادہ اور خوب ہے۔ پھر ہم  
اپنے وطن واپس آگئے۔ یہاں آکر معلوم ہوا۔ جس دلت اور جس گھڑی بنی اقدس  
صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی، اسی روز اور اسی گھڑی بارش ہوئی۔  
واقعی فرماتے ہیں۔ کہ یہ وفد سترہ سوال کے مہینہ میں حاضر ہوا تھا۔

---

## قدم وفد بنی عیس

بنی عیس کا وفد آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہمارے اطلاع دینے والے ہمارے پاس آگئے اور کہنے لگے کہ جس کی ہجرت نہ ہو۔ اس کا اسلام نہیں۔ اور ہمارے اموال اور مولشی ہی ہماری معاش ہیں۔ اور اگر معاملہ یوں ہی ہے کہ جس کی ہجرت نہیں اس کا اسلام نہیں، تو پھر ان اموال اور مولشیوں میں کچھ بھی بھلائی نہیں ہم نے انہیں بیچ دیا اور آخری مال اسے بھی ہم نے علیحدگی (ہجرت) اختیار کر لی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں بھی ہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔

---

# قدم وفد عام

## ایک عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعہ

واقعہ فرماتے ہیں۔

سالہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عامہ کا وفد آیا۔ جو دس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ انہوں نے آپ پر سلام پیش کیا اور اسلام کا اقرار کیا آپ نے انہیں اسلامی شریعت کے چند قوانین سے تحریر فرما دیے اور دریافت فرمایا! دہم نے اپنے سامان کی حفاظت پر کس کو پیچھے چھوڑا ہے۔ کہنے لگے سب سے کم عمر کو! اے اللہ کے رسول۔

آپ نے فرمایا، وہ تمہارے سامان سے غافل ہو کر سو گیا تھا یہاں تک کہ ایک آنے والا آیا، اور تم میں سے ایک کا صندوق اٹھایا۔ حاضر بنے میں سے ایک آدمی بول اٹھا۔ اے اللہ کے رسول۔ میرے سوا اس جماعت میں سے کسی کا صندوق نہیں ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ پکڑا گیا۔ اور اسے اپنی جگہ پر لوٹا دیا گیا۔

یہ جماعت جلدی سے نکلی، اور اپنے سامان کے پاس آئی اس رنگرانہ سے معلوم کیا کہ کچھ واقعہ پیش آیا تھا جیسا کہ آپ نے خبر دی تھی؟



وہ کہنے لگا۔ میں گھبرا کر نیند سے بیدار ہوا تو میں نے صندوق گم پایا۔ میں اس کی تلاش میں نکلا اچانک ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ مجھ سے زچنے کے لیے بھاگ اٹھا اس کی جگہ تک پہنچا وہاں پر کھدائی کے نشانات تھے، اس نے صندوق چھپا دیا تھا میں نے وہ کہنے لگے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔

اس کے دل جانے کی خبر دی تھی۔ اور واقعی یہ واپس مل بھی گیا۔ چنانچہ یہ لوگ واپس نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا سنایا، وہ لڑکا بھی حاضر ہوا۔ جو رنگرانی کے لیتے پیچھے رہ گیا تھا چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعبؓ کو حکم دیا۔ انہوں نے انہیں قرآن پاک سکھایا اور دیگر وفور کی طرح انہیں بھی انعامات دے کر رخصت کیا۔

---

۱۵: اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ تالیفِ قلب کے لئے ان لوگوں کی ضرورت فرماتے تھے، جو کسی درجہ میں بھی امداد و اعانت کے مستحق اور شرافت مند ہوں۔

# تدوم وفدازد

حکمت کی باتیں نبوت سے تشریب ہیں لیکن  
نبوت ختم ہو چکی ہے

**بیس قابل عمل خصائل** | ابو نعیمؒ نے کتاب موفقتہ الصحابہ میں اور حافظ  
ابو موسیٰ مدینی نے احمد بن حنبلہ کی  
حدیث سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے وارانہ سے سنا ہے انہیں  
عقلمند بن یزید سے انہیں سوید بن زید سے انہیں اپنے والد سے انہیں اپنے  
دادا سوید بن حارث سے روایت ملی، کہ میں اپنی قوم کے ساتھ افراد کے ساتھ  
وفد کی صورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔  
جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ہم نے آپ سے گفتگو کی تو آپ  
نے ہمارے طریقہ کلام اور خاموشی کو مستحسب سمجھا۔

آپ نے فرمایا: تم کیا ہو؟

ہم نے عرض کیا ہم مومن ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ آپ نے فرمایا، ہر قول  
کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے ایمان اور قول کی کیا حقیقت ہے؟

ہم نے عرض کیا، پندرہ خصائل، پانچ کا آپ کے قاصدوں نے ہمیں حکم دیا کہ ان پر ایمان لائیں اور پانچ ہم نے زمانہ جاہلیت ہی میں پیدا کر لیے تھے۔ ہم انہی پر قائم ہیں۔ ہاں اگر آپ ان میں سے کسی کو ناپسند فرمادیں (تو بے شک اسے چھوڑ دیں گے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ پانچ کیا ہیں؟ جنے کامیرے قاصدوں نے تمہیں حکم دیا ہے۔

ہم نے جواب دیا کہ آپ نے ہمیں اللہ۔ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

آپ نے فرمایا، اور وہ پانچ کیا ہیں کہ جن پر میں نے تمہیں عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔

ہم نے عرض کیا۔ آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لا الہ الا اللہ (کلمہ طیبہ) پڑھیں۔ نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ رمضان کے روزے رکھیں اور خواستگار رکھتا ہو وہ بیت محرم کا حج بھی کرے۔

آپ نے فرمایا، وہ پانچ فضائل کیا ہیں جو تم نے زمانہ جاہلیت میں پیدا کیے؟

ہم نے عرض کیا، آرام کے وقت شکر کرنا۔ مصیبت کے وقت صبر کرنا۔ قضا و قدر پر راضی رہنا۔ جنگ کے موقع پر ڈٹ جانا اور دشمنی اور شہادتِ اعداؤ سے باز رہنا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دانا ہیں۔ عالم ہیں۔ سمجھ بوجھ اور فقاہت سے انبیاء (کی طرح)، بن جاتے (لیکن نبوت ختم ہو گئی ہے)، پھر آپ نے فرمایا، اور میں تمہیں پانچ مزید بتاتا ہوں اس طرح تمہارے لیے بیس خصائل مکمل ہو جائیں گے۔ اگر تم ایسے ہی ہو کہ جیسا کہہ رہے ہو۔ تو

جو تم کھاتے نہیں اسے جمع نہ کرنا۔ اور جن جگہوں میں تم نہیں رہتے،  
 انہیں تعمیر نہ کرنا اور جس کام سے کل الگ ہونے والے ہو، اس میں انہماک  
 نہ کرنا اور اس اللہ سے ڈرتے رہنا جس کی طرف تمہیں لوٹنا یا جائے گا اور اسی کے  
 سامنے تمہیں پیش کیا جائے گا۔ اور جس (جنت) کو تمہارے سامنے پیش  
 کیا جائے گا اور اس میں تم ہمیشہ رہو گے۔ اس کی طرف راغب رہنا۔  
 پھر یہ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوئے اور  
 آپ کی وصیت کو یاد رکھا اور ان وصایا پر سختی اور پابندی سے عمل کیا۔

---



# قدم وفد بنی منتفق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا  
ایک خطبہ

ہمیں عبداللہ بن امام احمد بن حنبل سے مسند احمد میں روایت ملی، انھوں نے بتایا مجھے ابراہیم بن حمزہ بن محمد بن حمزہ بن مصعب بن زبیر زبیدی نے لکھا کہ میں تجھے یہ حدیث لکھ رہا ہوں اور میں نے اسے پیش بھی کیا اور جو میں نے آپؐ کی حدیث لکھی ہے اسے سنا، بتایا کہ مجھے عبدالرحمن بن مغیرہ خزاعی سے انھیں عبدالرحمن بن عیاس انصاری سے انھیں ولہم بن اسود بن عبداللہ بن حاجب بن عامر بن منتفق عقیل سے انھیں اپنے والد سے انھیں اپنے چچا لقیط بن عامر سے روایت ملی۔ ولہم کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت ابوالاسود بن عبداللہ نے بتائی انھیں عاصم بن لقیط سے یہ روایت ملی کہ لقیط بن عامر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد کے ساتھ حاضر ہوا۔ اس کے ہمراہ اس کا ایک ساتھی نہیک بن عاصم بن مالک بن منتفق بھی تھا۔

لقیط بتاتے ہیں کہ میں اود میرا ساتھی نکلے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے آپؐ

کی زیارت کی۔ آپ لوگوں کے سامنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا! اے لوگو میں نے تم سے اپنی آواز چار روز تک پوشیدہ کر رکھی تھی۔ آگاہ ہو آج سنو، خبردار کیا کوئی آدمی ایسا ہے جسے اس کی قوم نے بھیجا ہو اور کہا ہو کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کو اس کی خبر دو۔ یاد رکھو پھر کوئی آدمی اس کے دل کے خیالات یا اس کے ساتھی کی باتیں یا کوئی گمراہ آدمی اس کو باتوں میں لگا لیتا ہے۔ یاد رکھو، مجھے پوچھا جائے گا۔

کیا میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ یاد رکھو، سنو اور جیو، خبردار، بیٹھ جاؤ۔ لوگ بیٹھ گئے۔ میں اور میرا ساتھی کھڑے ہو گئے۔ جب آپ کی نظر ہماری طرف ہوئی تو میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول آپ کے پاس علم غیب نہیں! آپ ہنس پڑے اور آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، اللہ خوب جانتا ہے میں سقطہ چاہتا ہوں انھوں نے عرض کیا، آپ کے پروردگار نے (غیب) کی کنجیاں نہیں بتائیں۔ غیب کی پانچ باتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ (پانچ) کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا، موت کا علم صرف خدا جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی کب مرے گا؟ لیکن تم نہیں جانتے، اور مادہ (بچہ) کا علم جب کہ وہ رحم میں ہوتا ہے وہ جانتا ہے اور تم اسے نہیں جانتے اور کل کیا ہوگا۔ اس کا علم اسی کو ہے نہ تم جانتے ہو نہ جان سکتے ہو اور بارش کے دن کا علم کہ وہ کب نازل ہوگی؟ تم خوفزدہ اور ہراساں ہوتے ہو اور وہ ہنستا ہے، اور جانتا ہے کہ بارش قریب ہے۔

لقیط کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم ایسے رب کی جانب سے بھلائی سے محروم نہ رہیں گے جو ہنستا ہے۔  
نیز فرمایا! اور قیامت کے دن کا علم؟

ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، ہمیں بھی وہ سکھائیے جو لوگ جانتے ہیں اور آپ (انہیں) سکھاتے ہیں کیونکہ میں ان میں سے ہوں، یعنی مذبح قبلہ جو ہمارے قریب ہے اور ختم جو ہمارا ساتھی اور ہمارا خاندان ہے۔ وہ ہماری تصدیق (ایمان) کو سچا نہ جانے گا۔

آپ نے فرمایا ”پھر تم لوگ رہو گے جب تک رہو گے۔ پھر آواز بھیجی جائے گی۔ تیرے معبود (اللہ) کی قسم اس (زمین) کی پشت پر کسی مقتول کی قتل گاہ یا کسی مردے کا مدفن باقی نہ رہے گا، کہ اس کی قبر نہ پھٹ جائے اور وہ سیدھا بیٹھ جائے گا۔ وہ اپنی جدید زندگی کو اپنے اہل میں سمجھ کر کہے گا، اے پروردگار کل جو تھا، آج کب ہے؟

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول جب ہمیں ہوا میں، آفات اور درندے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے تو وہ ہمیں کس طرح دوبارہ جمع کرے گا؟ آپ نے فرمایا، میں تجھے اس کی مثال اللہ کے نشانات (انعامات) میں دیتا ہوں کہ جس زمین کو تو دیکھے کہ وہ پرانی (قحط زدہ یا خشک بنجر) رہ جاتی ہے اور تو کہتا ہے کہ یہ کبھی زندہ (سرسبز آباد) نہ ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس پر بارش کرتا ہے۔ اور چند دن ہی گزرنے پاتے ہیں کہ تو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ وہ ایک گھونٹ (آباد) ہوتی ہے۔ اور تیرے معبود کی قسم وہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے کہ تمہیں پانی سے جمع کرے۔ زمین کی کھیتی کو جمع کرے۔ اور تم اپنی قتل گاہوں اور قبروں سے نکلنے لگو۔ پھر تم اس کی جانب دیکھو گے اور وہ تمہاری جانب دیکھتا ہوگا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول یہ کیسے ہوگا؟ ہم سے تو زمین پر ہوگی اور وہ ایک ہی ذات ہوگی، جو ہماری طرف دیکھ رہی ہوگی اور ہم اس کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کی مثال اللہ کے انعامات سورج، اور چاند میں دیتا ہوں جو بہت چھوٹی سی نشانیاں ہیں ایک ہی ساعت میں تم ان دونوں کو دیکھتے



ہو، اور وہ تمہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں اور جانبیں ایک دوسرے کی طرف سے مغلوب (محروم) نہیں ہوتے۔

میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول، جب ہم اس سے ملیں گے تو اس وقت ہمارا پروردگار ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟

آپؐ نے فرمایا، تم اس کے سامنے اس حالت میں پیش کیئے جاؤ گے کہ تمہارے رخ اس کے سامنے ظاہر ہوں گے اور تمہاری کوئی چیز اس سے مخفی نہ ہوگی پھر تمہارا پروردگار اپنے ہاتھ میں پانی کا ایک چلو بھر لے گا۔ اور تمہاری طرف مارے گا۔ تیرے معبود کی قسم تم میں سے کسی کا چہرہ اس سے خالی نہ رہے گا کہ اسے ایک قطرہ اس میں سے نہ لگے۔ رہا مسلم تو اس کا چہرہ اس سے بالکل سفید کیڑے کی طرح ہو جائے گا۔ رہا کافر تو اس پر چھڑکے گا یا فرمایا اس پر (اس کے) سیاہ کانے گناہ مارے گا۔ تمہارا بنی چلے گا اور اس کے نشان پا پر صالح لوگ چل پڑیں گے اس طرح وہ آگ کے ایک پل پر سے گزریں گے۔ جیسے تم میں سے کوئی ایک انگارے پر سے گزر جاتا ہے وہ جس کہے گا، اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا، الا (خبردار)، پھر تم اپنے نبی کے حوض (کوثر) پر شہید ترین پیاس کی حالت میں پہنچو گے، واللہ اس قدر پیاس سے ہو گے کہ میں نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے، تمہارے معبود کی قسم تم میں سے جو بھی ہاتھ پھیلائے گا اس کے ہاتھوں میں ایک (پانی) کا پیالہ ہوگا جو تنکوں اور نجاست سے پاک ہوگا اور سورج و چاند کو روک دیا جائے گا۔ اور تم ان دونوں میں سے کسی کو نہ دیکھو گے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہم کس طرح دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا، جس طرح آج تم دیکھتے ہو، جب دن میں سورج نکلا ہوتا ہے اور زمین روشن ہو جاتی ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول، ہمیں ہماری برائیوں اور نیکیوں کا بدلہ کیا ملے گا؟

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نیکی کا بدلہ دس گنا اور برائی کا صرف اس قدر



جتنی وہ ہوتی ہے ماسوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔  
راوی فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول جنت اور دوزخ  
کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا، تیرے معبود کی قسم، دوزخ کے سات دروازے ہیں اور دو  
دروازوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے کہ ایک سوار ستر سال تک ان دونوں کے  
درمیان چلتا رہے۔ اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اور ان کے درمیان اس قدر  
فاصلہ ہے کہ ایک سوار ان کے درمیان ستر سال تک چلتا رہے۔  
میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول۔ ہم جنت کی کس (نعمت) پر حاضر ہوں گے؟  
آپ نے فرمایا، صاف شہد کی نہروں پر، ایسی شراب کی نہروں پر جن سے دردِ سر  
نہ ہوگا اور نہ ندامت ہوگی۔ اور دودھ کی نہروں پر جن کا ذائقہ متغیر نہ ہوگا اور ایسا پانی  
جو خراب نہ ہوا ہوگا اور میوؤں پر! اور تیرے معبود کی قسم تم نہیں جانتے اور اس کے  
ساتھ ساتھ بہترین اور پاکباز بیبیاں ہوں گی۔

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اس میں ہماری بھی بیبیاں ہوں گی اور ان  
میں سے بھلائی کرنے والی بھی ہوں گی۔

آپ نے فرمایا، نیک عورتیں (مصلحات)، نیک مردوں کے لیے ہوں گی۔ اور ایک  
لفظ میں نیک عورتیں (مصلحات)، نیک مردوں کے لیے ہوں گی تم ان کو خوش کرو گے  
اور وہ تمہیں خوش کریں گی جس طرح دنیا میں تمہیں خوش کیا کرتی تھیں، ہاں سلسلہ  
توالد و تناسل نہ ہوگا۔

لقیط کہتے ہیں، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول دور ہے، ہم اس تک  
پہنچنے اور آسکنے والے نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب نہیں دیا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کس بات پر میں آپ  
کی بیعت کروں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا، نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے، شرک کو مٹا دینے پر۔ اور اس بات پر کہ تو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں بنائے گا۔

راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، اور ہمارے لیے مشرق اور مغرب کے درمیان ہر چیز ہوگی۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا میں ایسی شرط لگا دوں جو تمہیں دینے والا نہیں؟

راوی کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، ہم اس میں سے جہاں چاہیں رہیں اور انسان کا بار صرف اسی پر ہو۔

آپ نے ہاتھ پھیلا دیا، اور فرمایا تجھے اس بات کی اجازت ہے کہ جہاں چاہے سکونت اختیار کرے اور تجھ پر صرف تیرا بار ہی ہوگا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم واپس چلے آئے۔ پھر آپ نے دوبار فرمایا۔ یہ دونوں، یہ دونوں، اول و آخر تمام لوگوں سے زیادہ پرہیزگار ہیں۔

ابن بکر بن کلاب کے ایک آدمی کعب بن جزار یہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کون ہیں۔

آپ نے فرمایا، بنو منتفق۔ بنو منتفق۔ ان کے اہل ان میں سے ہوں گے۔

راوی بتاتے ہیں کہ پھر ہم واپس آگئے۔ اور میں آپ کے سامنے حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول، کیا کوئی ایسا آدمی جو جاہلیت میں بھلائیوں کر گیا، اس کے لیے بھی کچھ ہے؟

قریش کی جانب سے ایک آدمی بول اٹھا، واللہ تیرا باپ منتفق آگ میں ہے راوی کہتے ہیں، لوگوں کے سامنے میرے باپ کے متعلق اس کا یہ جملہ سن کر میری یہ حالت تھی کہ گویا میرے چہرے اور گوشت پر آگ برس گئی۔

آخر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر سات اُمّتوں کے بعد ایک نبی بھیجا، جس نے اس نبی کی مخالفت کی۔ وہ ضالین (گمراہ) میں سے ہو گیا اور جس نے اس نبی کی اطاعت کی وہ ہدایت پانے والوں میں سے ہو گیا۔

یہ حدیث اپنی جلالت و ضخامت اور عظمت پر شاہد ہے کہ یہ انوار مشکوٰۃ نبوت سے ہی نکلے ہیں اور یہ روایت صرف عبدالرحمن بن مغیرہ بن عبدالرحمن مدنی سے مروی ہے اس سے ابراہیم بن حمزہ زہیری نے روایت کیا ہے۔ اور یہ دونوں کبار علمائے مدینہ میں سے ہیں۔ ثقہ اور صحت میں ان کو ججت حاصل ہے۔ امام اہل حدیث محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اہل سنت کے دیگر ائمہ نے اپنی کتابوں میں ان سے اخذ روایت کیا ہے، اور ان کے قول کو قبول کیا ہے اور کسی کے ان پر طعن نہیں کیا اور نہ کسی نے ان کے رواۃ میں (طعن کیا ہے) جس جس نے ان سے روایت کی ہے۔

ان میں سے امام بن امام ابو عبدالرحمن عبداللہ بن احمد بن حنبل نے مسند احمد اور کتاب السنۃ میں روایت کیا۔

نیز حافظ ابو احمد محمد بن احمد بن ابراہیم بن سلیمان غسال نے کتاب العرف میں نیز ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی نے اپنی کئی کتب میں اور دیگر کثیر محدثین و ائمہ نے روایت کیا ہے۔

**ذات و صفات الہی کی قسم جائز ہے** (۱) اس واقعہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس کی ذات

صفات کے ساتھ اس کی قسم کھانا جائز ہے۔

**نبی سے سوال جواب کرنا روا ہے** (۲) نیز اس بات کا ثبوت ہے کہ (صحابہؓ) کے ذہن میں جو اشکال واد رہوتے

یا کوئی مشکل مسئلہ درپیش آتا وہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے۔



آپ اس طرح اس کا جواب دیتے کہ انھیں تشفی و اطمینان ہو جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے دشمنوں نے اور صحابہ کرام نے سب نے سوالات پیش کیے۔ دشمنوں نے بغض و عناد اور شکست دینے کی خاطر اور آپ کے صحابہؓ نے محض سمجھنے و وضاحت اور ایمان کی زیادتی کے لیے آپ ہر سوال کا جواب دیتے۔ بشرطیکہ کوئی سوال ناقابل جواب ہوتا جیسے قیامت کے وقت کا سوال۔

**بعثت ضرور ہوگی** (۳) نیز اس سے اس کی وضاحت بھی ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بندے کے تمام اجزاء کو متفرق ہو جانے کے بعد پھر سے جمع فرمائے گا اور دوبارہ اس کی نشات اور نئی تخلیق کرے گا۔

**نشے کا حکم نظیر کے مطابق ہوتا ہے** (۴) نیز اس میں یہ بھی ثابت ہوا کہ نشے کا حکم اس کی نظیر کے مطابق ہوا کرتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ جب کہ شے پر قادر ہے تو اس کی قدرت اس کی نظیر سے کس طرح عاجز ہو سکتی ہے؟ جب کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں معاد (دوبارہ جی اٹھنے) پر بہترین اسلوب میں کئی دلائل دیے اور عقولِ عامہ اور فطرتِ سلیمہ کے سامنے انھیں واضح کر دیا۔ اس پر منکروں اور دشمنوں نے اس کے احکام میں طعن کیا اور اس کی تکذیب کی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے اقوال (طعن) سے بلند اور پاکیزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان یہ ہیں۔

فی الارض اشرق علیہا وہی مدرۃ بالیۃ -

یعنی الارض بعد موتھا۔

نیز اللہ کا فرمانا انک مفری الارض خاشعة فاذا انزلنا علیہا الماء اھتزت

وربت وانبتت من کل نرج بھیج -

عرض اس طرح قرآن مجید میں اس کی امثلہ کثرت سے ملتی ہیں۔



# قدم وفد نخب

زرارہ بن عمرو کے عجیب و غریب مشاہدات  
اور ان کی توجیہ

آپ کے پاس نخب کا وفد آیا۔

یہ آخری وفد تھا۔ یہ اللہ میں نصف محرم کے قریب آستانہ نبوی پر حاضر ہوا، اس میں دو سو آدمی تھے۔ یہ مہمان خانہ دار الفہارفتہ، میں اترا۔ پھر یہ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے، پہلے یہ حفرات معاذ بن جبل کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے ان میں سے ایک آدمی نے جس کا نام زرارہ بن عمرو تھا۔ عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول میں نے اس سفر میں ایک عجیب واقعہ دیکھا۔

آپ نے دریا فت فرمایا! تم نے کیا دیکھا؟

زرارہ نے عرض کیا! میں نے قلیلہ میں ایک گدھی چھوڑ رکھی ہے۔ گویا

اس نے سیاہ اور سرخ رنگ کا بچہ جنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کیا تم اپنے پیچھے اپنی باندی چھوڑ

آتے ہو؟

جسے صل تھا۔

اس نے عرض کیا جی ہاں!

آپؐ نے فرمایا: اس کے ہاتھ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور وہ تمہارا بیٹا ہے۔  
 نذرارہ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول اس کا سرخ اور سیاہ رنگ رکھنا کیا  
 ہے؟ (ایسا کیوں ہے؟ کیا مطلب ہے اس کا)

آپؐ نے فرمایا: میرے قریب ہو جاؤ! وہ آپؐ کے قریب ہو گیا! آپؐ  
 نے فرمایا: تمہیں برص کا مرض ہے؟ جسے تم لوگوں سے اچھپاتے رہے ہو۔  
 نذرارہ نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی۔ جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ  
 مبعوث فرمایا۔ نہ اس کا کسی کو علم ہے نہ آپؐ کے سوا کوئی اس پر مطلع ہوا۔  
 آپؐ نے فرمایا بس یہی بات ہے!

وہ کہتے لگا! اے اللہ کے رسول میں نے نعمان بن خندر کو دیکھا، جس  
 کے کان میں دوا دیزے ہیں جو خوب پگھلا کر بنائے گئے ہیں۔  
 آپؐ نے فرمایا: یہ شاہِ عرب ہے۔ جو بہترین اور حسین و جمیل لباس میں  
 ملبوس ہو کر دکھائی دیا ہے۔

اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اور میں نے ایک سفید بالوں والی  
 بڑھیا دیکھی ہے۔ جو زمین سے نکلی تھی۔

آپؐ نے فرمایا: یہ زمین کی بقایا عمر ہے۔

اس نے عرض کیا: میں نے ایک آگ بھی دیکھی جو زمین سے نکلی تھی۔ اور  
 میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان حائل ہو گئی تھی، اور وہ کہہ رہی تھی۔  
 شعلہ شعلہ۔ دیکھنے والا اور اندھا، مجھے کھلاؤ۔ میں تمہارے اہل اور مال کو کھاؤ گی۔  
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آخری زمانہ کے فتنے ہیں۔  
 اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فتنہ کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: لوگ اپنے روبرو قتل کر دیں گے، اور سروں کے لینے پر لوگ  
 آپس میں جھگڑا کریں گے۔ ان میں گناہ کرنے والا سمجھے گا کہ میں نبی کرتا ہوں  
 اور مومن کے نزدیک دوسرے مومن کا خوت پانی کے گھونٹ سے زیادہ

فرختِ بخش ہو گا۔ اگر تو مر گیا۔ تو تیرا بیٹا یہ فتنہ دیکھے گا اور اگر تیرا بیٹا مر گیا۔ تو تو اس فتنہ کو دیکھے گا۔ ۱۵  
 اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ سے دعا فرمائیے کہ میں اس فتنہ کا زمانہ پاؤں جناب رسول صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔  
 اے اللہ یہ اس عہدِ فتنہ کو نہ پائے۔ چنانچہ وہ فوت ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا  
 زندہ رہا۔ اور وہ اس میں سے تھا جنہوں نے حضرت عثمان رضی کو معزول  
 کرنے میں حصہ لیا تھا،!

# ہرقل کے نام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی،

صحیحین میں بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے ہرقل کو  
ذیل کا نام مبارک لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

محمد رسول اللہ کی جانب سے ہرقل روم کے عظیم (بادشاہ) کے نام  
سلام علی من تبع الحدی

اما بعد!

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرو، سلامتی پاؤ گے۔  
اسلام لے آؤ۔ اللہ تمہیں دگنا اجر دے گا۔ (لیکن) اگر تم نے اسرا ضح کیا۔ تو وہیوں  
کا گناہ بھی تم پر ہو گا۔ اور اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات پر اتفاق کر لیں  
جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے  
کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اور ہم میں  
سے بعض دوسرے بعض کو ایک دوسرے کو، اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔  
پس اگر وہ پھر جائیں۔ تو تم اعلان کر دو، لوگوں کو گواہ کر کے کہ ہم مسلمان  
ہیں۔“



# کسری شہنشاہ ایران کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک

اور کسری کو آپؐ تے جو نامہ مبارک لکھا وہ یہ ہے -  
بسم اللہ الرحمن الرحیم - محمد رسول اللہ کی جانب سے فارس کے عظیم (بادشاہ)  
کسری کی طرف -

سلام علی من اتبع الهدی وامن باللہ ورسولہ وشرہد  
ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ والی محمد عبدہ ورسولہ،  
اس پر سلام ہو جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ اور اس کے رسولؐ  
پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔  
وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس  
کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

میں تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں تمام لوگوں کے لیے اللہ کا رسول  
ہوں۔ تاکہ جو زندہ ہیں انہیں ڈراؤں اور کافروں پر اتمامِ حجت  
کروں اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے، پس اگر تم نے انکار کیا۔ تو تم پر مجوس  
کا گناہ ہوگا۔

جب کسریٰ کے سامنے مکتوب مبارک پڑھا گیا، تو اس نے اسے پھاڑ دیا۔  
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا۔  
 اللہ تعالیٰ نے اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

---

# بادشاہ حبش نجاشی کے نام

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک

نجاشی کا قبول اسلام | حبش کے بادشاہ نجاشی کو آپ نے ذیل کا نام مبارک لکھا، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی شاہ حبشہ کے نام۔  
اسلام لے آؤ، کیونکہ میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں، وہ خدا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، قدوس و سلام ہے، امن دینے والا نگہبان ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ کی روح میں، اللہ نے اپنا کلمہ پاک نہاد اور پاک دامن مریم بتوں کی طرف القا فرمایا اور اسی سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے انہیں اللہ نے اپنی روح اور نفخ سے پیدا فرمایا جیسے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ اور میں تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ جو یکتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اس کی طاعت پر موالا کی دعوت دیتا ہوں اور اس پر کہ تو میری اتباع کرے اور جو روحی مجھ پر نازل ہوتی اس پر ایمان لائے کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں

اور میں تجھے اوند تیرے عسا کہ کو اللہ عزوجل کی طرف آنے کی دعوت  
دیتا ہوں، بات پہنچ گئی اوند میں نے نصیحت کر دی، پس لازم ہے  
کہ میری نصیحت قبول کرے“ والسلام علی من اتبع الهدی۔  
اُپ نے عمرو بن امیہ ضمری کو یہ مکتوب دے کر بھیجا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری نے شاہ نجاشی  
سے کہا۔ اے اصحٰمہ مجھ پر کہنا اور تم پر سنا واجب ہے۔ تم گویا ہماری چاکری  
میں ہو۔ میں گویا تم پر اعتما کرتا ہوں۔

کیونکہ ہم نے جب بھی تم سے خیر کی امید کی تو ہمیں (خیر) ہی ملا۔ اور ہمیں  
تم سے کبھی کوئی اندیشہ نہیں ہوا، اور انجیل میں جو کچھ ہے اس سے ہم  
نے تمہارے خلاف حجت قائم کر لی ہے وہ ہمارے اور تمہارے درمیانے شاہد  
ہے ایسا شاہد جو رد نہیں ہوتا، اور ایسا فیصل کنندہ جو ظلم نہیں کرتا ورنہ  
اس بنی امی کے مقابلہ میں تم ویسے ہی ہوتے جیسے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ  
کے یہود تھے، بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف اپنے قاصد بھیجے  
ہیں۔ اور تم سے وہ امید باندھی ہے جو دوسروں سے نہیں باندھی اور ہمیں  
اس سے امن دیا، جس سے دوسروں کو خوف تھا، یعنی ماضی کی بھلائی اور  
آئندہ کا اجر۔

نجاشی کہنے لگا، اس خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ وہ بنی امی، جس کا  
اہل کتاب انتظار کر رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی بشارت راکب حمار کی  
اس طرح ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی راکب حمل کی ہے۔

اس کے بعد نجاشی نے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا:  
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

محمد رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصحٰمہ کی طرف سے۔



اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو اللہ کا۔ اور اللہ کی رحمت ہو۔ اور اللہ کی برکات وہ اللہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اما بعد!

اے اللہ کے رسول مجھے آپ کا مکتوب گرامی ملا، جس میں آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرمایا ہے۔ آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت اس سے بالکل زیادہ نہیں جتنا آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے ہماری جانب جو کچھ ارسال فرمایا، ہم نے اسے پہچان لیا اور ہم نے آپ کے چچا کے بیٹے اور آپ کے اصحاب کو بھی پہچان لیا۔ پس میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول صادق و مصدق ہیں۔ اور میں نے آپ کی بیعت کرنی۔ اور آپ کے چچا کے بیٹے کی بیعت کرنی، اور میں نے اس پر اللہ رب العالمین کی اطاعت کر لی۔

نجاشی ۹ کو فوت ہوا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی موت کی خبر دی گئی۔ تو آپ لوگوں کے ہمراہ جنازہ گاہ میں پہنچے اور آپ نے اس پر غائبانہ نماز (جنازہ) پڑھی، اور چار تکبیریں کہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وہم ہے۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے اسے رواتے خلط کر دیا ہے، اور وہ نجاشی جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز (جنازہ) پڑھائی وہ آپ پر ایمان لایا تھا اور آپ کے صحابہ کرام کیا تھا اس مذکورہ نجاشی رواتے اس دوسرے نجاشی کے درمیان فرقہ

۹: یعنی اسلام قبول کر لیا۔

نہیں کیا (دوسرا نجاشی) وہ ہے جس کی طرف آپ نے (اسلام) کی دعوت دیتے ہوئے نامہ مبارک لکھا تھا۔ یہ الگ الگ ہیں۔ صحیح مسلم میں وضاحت سے منقول ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (جس) (نجاشی) کو دعوت اسلام کا مکتوب لکھا، یہ وہ نہ تھا جس پر آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔

---

# بادشاہ مصر مقوقس کے نام

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب

مقوقس کی طرف سے تحالف | مقوقس شاہ مصر اسکندریہ کے نام  
آپ نے جو نامہ مبارک لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم -  
محمدؐ، اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے مقوقس قبط  
کے عظیم بادشاہ کے نام -  
سلام علی من اتبع الهدی -

اما بعد!

ہمیں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لو، سلامتی پائو  
گے، اللہ تمہیں دگنا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے انکار کیا تو قبطیوں کا گناہ  
بھی تمہارے ذمہ ہو گا۔ اے اہل کتاب! ایسے کلمہ کی طرف جو  
ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یعنی یہ کہ ہم اللہ کے سوا  
کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ شرک نہ کریں۔ اور ہم

نہ کہ وہ تیرے محکوم اور تابع ہیں۔

ہی سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے ، پس اگر پھر جائیں  
کہہ دو لوگوں کو گواہ کر کے کہ ہم مسلمان ہیں۔“

آپ نے اسے حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ یہ نامہ مبارک بھیجا۔ جب  
صحابی وہاں پہنچے۔۔۔۔۔ انہیں بتایا گیا کہ آپ سے قبل یہ ایسا آدمی تھا کہ  
سمجھتا تھا کہ یہی سب سے بڑا رب ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے آخر اور پہلوں کی عبرت کے لیے پکڑ لیا، اس  
سے انتقام لیا اس لیے اپنے غیر سے عبرت حاصل کرو۔ اور یہ نہ ہو کہ دوسرا تم  
سے عبرت حاصل کرے۔

مقوقس نے جواب دیا ہمارا ایک دین ہے ہم اسے تب تک نہیں  
ہوڑ سکتے جب تک کہ اس سے بہتر دین نہ ہو۔

حاطب نے انہیں جواب دیا ، میں تجھے دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں  
اس دین میں اللہ ہی کافی ہے اور اس کے نبیؐ نے لوگوں کو دعوت دی  
ہے۔ قریش اور ان کے دشمن یہود نے ان پر شدت کی ہے اور ان کے  
روسے نصاریٰ نے بھی شدت اختیار کی ہے اور مجھے میری عمر کی قسم ، موسیٰ  
میرے السلام کی علیسی علیہ السلام کے متعلق بشارت ایسی ہی تھی جسے علیسی  
میرے السلام کی بشارت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔ اور قرآن کی  
رف ہماری دعوت البسی ہی ہے جیسے اہل تورات کو انجیل کی طرف تمہاری  
دعوت۔ اور جس بنی کو جو قوم ملی وہی اس کی امت ہے ، اس پر حق یہ ہے کہ  
وہ اس کی طاعت کریں۔ اور تو ان میں سے کہ جس نے اس بنی کو پایا۔ اور ہم  
نئے دین مسیح سے روکنے والے نہیں بلکہ ہم تو تجھے ان کا بھی اکرام کرنے  
احکم دیتے ہیں۔

مقوقس نے جواب دیا ، میں نے اس بنی کے معاملہ میں غور کیا ہے نہ تو یہ  
لڑوہ باتوں کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی مرغوب باتوں کی ممانعت کرتا ہے اور نہ



میں اسے گمراہ جادوگر یا کاذب کا ہونے سمجھتا ہوں (بلکہ) میں نے اس میں پوشیدہ باتیں اور بھید ظاہر کرنے کے باعث علاماتِ نبوت کو محسوس کیا ہے، اور میں ابھی دیکھوں گا۔

چنانچہ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب مبارک اٹھایا اور اسے ساگوانے کی ڈبیہ میں ڈال کر اپنی ایک باندی کو دے دیا۔ پھر عربی لکھنے والے کاتب کو بلایا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خط دکھوایا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس کی جانب سے جو قبضہ کا عظیم (سردار) ہے سلام علیہ، ابالعد

میں نے آپ کا مکتوب پڑھا، اور جو کچھ آپ نے اس میں لکھا اور جس کی آپ نے دعوت دی اسے سمجھا، مجھے معلوم تھا کہ ایک بنی آنے والا ہے۔ اور میں سمجھتا تھا کہ وہ..... شام میں ظاہر ہوگا۔ اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا ہے اور آپ کی خدمت میں دو ایسی باندیاں بھیجی ہیں کہ قبیلیوں کے ہاں ان کا ایک بلند مقام ہے، نیز آپ کی خدمت میں میں نے ایک لباس بھیجا ہے نیز ایک فخر پر تہ بھیج رہا ہوں، تاکہ آپ اسی پر سوار ہوں۔ والسلام علیک۔ اس سے زیادہ کچھ نہ لکھا اور نہ ہی اسلام قبول کیا۔ باندیوں کا نام ماریہ اور سیرین تھا اور فخر کا نام دلدل تھا جو حضرت معادیہؓ کے عہد خلافت تک رہا۔

# منذر بن ساوی کے نام مکتوب رسولؐ

یہودیوں اور مجوسیوں کے لیے جزیہ کا فرمان نبویؐ

آپؐ نے منذر بن ساوی کو بھی ایک نامہ مبارک لکھا۔ واقعہؐ نے حضرت عمرؓ کی سند سے بیان کیا ہے وہ بتاتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کی وفات کے بعد انہی کی کتابوں میں یہ مکتوب دیکھا ہے تو اس میں مندرج تھا: کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے حضرت علامہ بنہ حضرمی کو منذر بن ساوی کی طرف بھیجا، اور ان کے ہاتھ ایک خط بھی بھیجا۔ جس میں آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی منذر نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ جواب بھیجا۔

اما بعد!

اے اللہ کے رسولؐ میں نے اہل محرمین کے سامنے آپؐ کا مکتوب پڑھا۔ ان میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا اور اسے خوب سمجھا اور اس کے حلقہ میں داخل ہو گئے اور بعض نے اسے ناپسند کیا اور مجوسیوں اور یہودیوں سے راضی ہو گئے آپؐ اس باب میں اپنا ارشاد تحریر فرمائیے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

محمد رسول اللہ کی جانب سے منذر بنہ ساوی کے نام۔

سلام علیک! میں تیرے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی

معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) والے محمدؐ عیدہ و رسولہ (اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں) اما بعد!

میں تجھے اللہ عزوجل کی یاد دلانا ہوں کیونکہ جو نصیحت کرتا ہے وہ اپنے لیے نصیحت کرتا ہے۔ اور جو میرے قاصدوں کی اطاعت کرتا ہے اور ان کے احکام کا اتباع کرتا ہے۔ وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جس نے انہیں نصیحت کی۔ اس نے میرے لیے نصیحت کی میرے قاصدوں نے تیری تعریف کی ہے اور میں نے تیری قوم میں تیری سفارش کی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے جس عقیدے پر وہ ایمان لائے ہیں، اور میں نے اہل خطا سے درگزر کر دیا ہے اس لیے ان کا (عذر) قبول کر، اور جب تک تو اصلاح پر رہے گا، ہم تجھے معزول نہیں کریں گے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ لازم ہے۔

# شاہ عمان کے نام مکتوبِ رسولؐ

نامہ بر عمرو بن العاص کے انکشافات و تاثرات

آپؐ نے شاہ عمان کو بھی مکتوب لکھا، اور اسے عمرو بن عاص کے ہاتھ بھیجا، (وہ مکتوب

یہ تھا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد بن عبد اللہ کی جانب سے جیفر اور عبد انبی جلدی کے نام۔

سلام علی من اتبع الهدی -

اما بعد!

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم دونوں مسلمان ہو جاؤ، سلامتی پاؤ گے  
کیونکہ میں تمام لوگوں کی جانب رسول ہوں۔ تاکہ جو زندہ ہیں انہیں خدا سے ڈراؤ  
اور کافروں پر حجت نافذ کرو۔ اس لیے اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کر لیا تو  
میں تم کو حاکم بنا دوں گا اور اگر تم نے اسلام کے اقرار سے انکار کر دیا تو (یاد رکھو)  
کہ تمہارا ملک تم سے چھٹنے والا ہے، اور لشکر تمہارے مقابلے میں آنے والا ہے  
اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آنے والی ہے۔  
اس خط کو ابی بن کعب نے لکھا اور مکتوب پر مہر نبوی لگا دی۔



حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نکلا اور عمان پہنچا۔ جب میں وہاں گیا تو میں عبد کے پاس گیا یہ نسبتاً خلیق اور نرم مزاج تھا اسے بتایا کہ تمہاری اور تمہارے بھائی کی طرف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر آیا ہوں۔

وہ کہنے لگا، میرا بھائی عمر اور ملک میں مجھ سے بڑا ہے۔ میں تجھے اس کے پاس پہنچا دیتا ہوں یہاں تک کہ وہ مکتوب پڑھ لے۔ پھر کہنے لگا تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟ میں نے جواب دیا، میں تجھے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، جو یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ تو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے۔ نیز تو اس بات کی شہادت دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

وہ کہنے لگا، اے عمرؓ تو اپنی قوم کے سردار کا بیٹا ہے، بتا تیرے والد نے کیا کیا؟ کیونکہ اس میں ہمارے لیے رہنمائی ہے۔

میں نے کہا، وہ مر گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لایا۔ حالانکہ میری خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کر لیتا اور آپؐ کی تصدیق کر لیتا۔ شروع شروع میں میں بھی اس کا ہم خیال تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔

وہ کہنے لگا، تم نے کب اتباع رسول اللہ کیا؟ میں نے کہا، کچھ زیادہ مدت نہیں گزری تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔

اس نے پوچھا تم نے کہاں اسلام قبول کیا تھا؟

میں نے کہا، نجاشی کے ہاں۔ اور ساتھ ہی میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ نجاشی بھی مسلمان ہو چکا ہے۔

اس نے پوچھا پھر اس کی قوم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

میں نے کہا۔ انہوں نے اسے برقرار رکھا اور اس کی اتباع کی

وہ کہنے لگا، اور پادریوں اور راہبوں نے بھی اس کا اتباع کیا؟ میں نے کہا، ہاں!

وہ کہنے لگا،

اے عمرؓ، تم کیا کہہ رہے ہو، کسی آدمی کے لیے جھوٹ بولنے سے زیادہ کوئی رسوا

کن بات نہیں۔

میں نے جواب دیا، جو کچھ میں نے کہا بالکل سچ ہے اور جھوٹ بولنا ہم اپنے دین میں جائز بھی نہیں سمجھتے۔

پھر اس نے پوچھا، میں نہیں سمجھتا کہ ہر قل کو نجاشی کے مسلمان ہونے کی خبر ملی ہو۔

میں نے کہا، کیوں نہیں (اسے بھی خبر ہے)

اس نے پوچھا، تمہیں اس کا کیسے علم ہو؟

میں نے کہا، نجاشی اسے خراج دیا کرتا تھا۔ جب وہ اسلام لے آیا اور محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کی تصدیق کی تو اس نے (ہر قل) سے کہا، اللہ کی قسم اگر تو مجھ سے ایک درہم بھی

مانگے گا تو بھی نہ دوں گا۔ ہر قل کو اس کی اس بات کی خبر ملی، تو اس کے بھائی نیاق نے اس

سے کہا، کیا تم ایک غلام کو چھوڑے دے رہے ہو، حالانکہ وہ تمہیں خراج نہیں دیتا اور

اور تمہارے دین کی بجائے ایک نیا دین اس نے اختیار کر لیا ہے؟

ہر قل نے جواب دیا:

ایک آدمی نے ایک (نئے) دین کو پسند کیا ہے۔ اور اسے اختیار کر لیا ہے۔ میں

اس کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ اللہ کی قسم اگر مجھے اپنی بادشاہی کا لالچ نہ ہوتا، تو میں بھی

اسی طرح کرتا جیسا اس نے کیا ہے۔

وہ کہنے لگا، اے عمرؤ! خیال کر لو کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا، اللہ کی قسم میں نے صحیح

کہا ہے، عبد نے کہا، اچھا بتاؤ، تمہارا بنی کس بات کا حکم دیتا ہے؟ اور کس بات سے منع

کرتا ہے؟

میں نے جواب دیا، وہ اللہ عز و جل کی طاعت کا حکم دیتا ہے اور اس کی نافرمانی سے

منع کرتا ہے نیز نیکی کرنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور ظلم و زیادتی، نساء، شراب اور

پتھر، بخت اور صلیب کی پرستش سے روکتا ہے۔

وہ کہنے لگا، کتنی اچھی باتیں ہیں جن کی طرف وہ دعوت دیتا ہے۔ کاش میرا بھائی میری

بات مان لے۔ پھر ہم دونوں سوار ہو کر جائیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے

آئیں اور ان کی تصدیق کر لیں لیکن میرا بھائی حکومت کا بڑا حریص ہے اور اسے چھوڑ نہیں سکتا اس طرح وہ مجرم بن جائے گا۔

میں نے کہا، اگر وہ مسلمان ہو گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے اپنی قوم پر حاکم بنا دیں گے۔ اور وہ اغنیاء سے صدقہ لے کر اپنی ہی قوم کے فقراء پر تقسیم کر دے گا۔ اس نے جواب دیا، یہ تو بہترین خلق ہے پھر اس نے پوچھا، صدقہ کیا ہوتا ہے، میں نے اسے وہ بتایا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اموال میں سے صدقات کے بارے میں فرمایا تھا۔ آخر میں اونٹوں تک پہنچا۔

وہ کہنے لگا، اے عمرؓ کیا ہمارے ان مویشیوں کا صدقہ لیا جائے گا، جو سارا سال درخت چرتے ہیں اور چشموں سے پانی پیتے ہیں؟ میں نے کہا، ہاں، ضرور لیا جائے گا۔

وہ کہنے لگا، اللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ میری قوم دور دور سکونت رکھنے اور کثیر تعداد میں مویشیوں کے رکھنے کی وجہ سے اس کا صدقہ بھی ادا کرے۔

عمرؓ کہتے ہیں، میں اس کے پاس چند روز ٹھہرا رہا۔ اور وہ اپنے بھائی کے پاس جاتا اور اسے میرے متعلق تمام باتیں بتاتا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے بلا بھیجا۔ میں اس کے پاس گیا تو اس کے اعوان، مددگاروں نے میرا بازو پکڑ لیا۔ وہ کہنے لگا اسے چھوڑ دو لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ چنانچہ میں بیٹھنے لگا۔ انہوں نے مجھے بیٹھنے سے روک دیا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا، تو وہ کہنے لگا، اپنی ضرورت بیان کرو۔ میں نے اس کو مہرزدہ مکتوب دیا، اس نے مہر توڑی اور اسے آخر تک پڑھا، پھر اپنے بھائی کو دیا اس نے بھی اسے اُسی طرح پڑھا، ہاں البتہ میں نے محسوس کیا کہ اس کا بھائی اس کی نسبت زیادہ قریق القلب تھا۔ اس نے پوچھا کیا تم بتا سکتے ہو اہل قریش نے اس کے ساتھ کیا کیا؟

میں نے کہا، انہوں نے اُن کا اتباع کر لیا ہے، یا تو رغبت سے یا تلوار سے مغلوب ہو کر۔ وہ کہنے لگا، اس کے ساتھ کون لوگ ہیں؟ میں نے کہا، لوگوں نے اسلام رغبت سے اختیار کر لیا ہے اور آپ کو اختیار کر لیا ہے اور اللہ کی عطا کردہ عقل و فہم کے ساتھ پہچان

لیا ہے کہ اس سے قبل، وہ گمراہی پر تھے۔ پس میں نہیں جانتا کہ تیرے سوا کوئی باقی رہ گیا ہو اور اگر تم آج اسلام نہ لاؤ گے اور ان کا اتباع نہ کرو گے تو (اسلامی) لشکر تمہیں مغلوب کر لے گا اور تمہارے سبزہ زاروں کو پامال کر کے رکھ دے گا پس بہتر یہ ہے کہ اسلام قبول کر لو، سلامتی پاؤ گے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں تمہاری قوم پر حاکم مقرر فرمادیں گے اور تم پر سوار اور پیادہ فوج کبھی حمد بھی نہ کرے گی۔

وہ کہنے لگا، آج مجھے سوچ لینے دو، اور کل صبح میرے پاس آنا۔

میں اس کے بھائی کے پاس لوٹ آیا، اس نے کہا، اے عمرو مجھے امید ہے کہ اگر اس نے حکومت کا لالچ نہ کیا، تو وہ مسلمان ہو جائے گا، آخر جب صبح ہوئی تو میں اس کے پاس آیا۔ اس نے مجھے حاضر ہونے کی اجازت نہ دی۔ میں دوبارہ اس کے بھائی کے پاس گیا، اور اسے خبر دی کہ میں اس کے پاس نہیں پہنچ سکا اس لیے مجھے وہاں پہنچا دو، اس نے جواب دیا میں نے تمہاری دعوت پر غور کیا ہے، اور میں عرب لوگوں میں سب سے زیادہ کمزور ہوں، اگر میں اپنے مقبوضہ ملک پر کسی کونائب مقرر کر دوں تو اس کے لشکر مجھے تک نہیں پہنچ سکتے اور الز پیچ بھی گئے تو لہسی جنگ سے سامنا ہو گا کہ اس سے قبل ایسی لڑائی نہ دیکھی ہو گی میں نے جواب دیا، اچھائیں کل واپس چلا جاؤں گا، جب اسے میرے جانے کا یقین ہو گیا، تو اس نے اپنے بھائی سے خلوت میں باتیں کیں اور کہنے لگا، جن جن پر وہ غالب آچکے ہیں ہم ان کے برابر بھی نہیں، اور جس جس کی طرف انہوں نے مکتوب مبارک بھیجے سب نے اتباع کر لیا ہے۔ آخر صبح ہوئی تو مجھے بلا بھیجا، اس نے اور اس کے بھائی دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور مجھے صدقہ وصول کرنے اور اس (قوم) میں حکم (اسلامی) نافذ کرنے کی اجازت دے دی، اور جس نے بھی میری مخالفت کی، ان دونوں نے اس کے خلاف فوج سے تعاون کیا۔



# یمامہ کے حاکم

ہوזה کے نام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خط

بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کے حاکم ہوזה بن علی کو مکتوب لکھا اور سیلٹ بن عمرو عامری کے ہاتھ روانہ فرمایا (مکتوب یہ تھا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
حمد الرسول اللہ کی جانب سے ہوזה بن علی کے نام :  
سلام علی من اتبع الهدی

یاد رکھو، کہ میرا دین عنقریب دور و نزدیک تک غالب آنے والا ہے، اس لیے اسلام قبول کر لو، سلامتی پاؤ گے، اسلام قبول کر لو گے تو تمہارا مقبوضہ ملک تمہارے قبضہ و تسلط میں رہے گا۔

جب سیلٹ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لے کر ہوזה کے پاس پہنچے تو یہ مکتوب اسے دے دیا۔۔۔ اس نے انھیں اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا۔ اور مکتوب پڑھوایا اس کے بعد جو جواب دیا، وہ گوا قرار نہ تھا، مگر انکار بھی نہ تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے جواب میں لکھا:

”کس قدر اچھی بات ہے، جس کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں اور عرب لوگ

میرے مرتبہ سے ہیبت زدہ ہیں، اس لیے کچھ باتیں میری بھی مان لیجیے تو  
میں آپ کا اتباع کروں گا۔  
پھر حضرت سلیطؑ کو اس نے انعام دیا، اور بحر کی کپاس کا کپڑا دیا جو اس زمانہ میں  
عمدہ مانا جاتا تھا۔

وہ یہ تمام چیزیں لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو گئے اور آپ  
کو اطلاع دی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خط پڑھا۔ اور فرمایا، اگر  
وہ مجھ سے ایک بالشت بھر زمین بھی طلب کرے گا تو میں نہیں دوں گا۔ جو کچھ اس  
کے قبضہ میں ہے۔ وہ جانے والا ہے جانے والا ہے۔  
چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے فارغ ہوئے تو حضرت جبریل  
علیہ السلام حاضر ہوئے اور بتایا کہ ہوذہ مرگیا۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا،

یہ امامہ میں ایک کذاب نکلے گا جو نبوت کا (جھوٹا) دعوے کرے گا اور اسے میرے  
بعد قتل کر دیا جائے گا۔

ایک کہنے والے نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اسے کون قتل کرے گا۔  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو اور تیرے ساتھی (اسے  
قتل کریں گے)

چنانچہ ایسا ہی ہوا، واقعہ فرماتے ہیں کہ دمشق کا ارکون جو نصاریٰ کا ایک بڑا آدمی  
تھا۔ یہ ہوذہ کے پاس تھا۔ اس نے ہوذہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے،  
متعلق پوچھا تو اس نے کہا میرے پاس ان کا مکتوب آیا ہے جس میں، انہوں نے  
مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ میں نے اسے قبول نہیں کیا۔

ارکون نے پوچھا، تو نے کیوں قبول نہیں کیا؟ اس نے کہا کہ مجھے اپنے دین کا  
لاپٹہ ہوا، نیز میں اپنی قوم کا حکمران ہوں۔ اور اگر میں اس کا اتباع کر لیتا تو بادشاہ  
نہ رہتا۔

اس نے جواب دیا نہیں اگر تو ان کا اتباع کر لیتا تو وہ ضرور تجھی کو حاکم بنا دیتے اس لیے تیرے لیے ان کے اتباع میں ہی بھلائی ہے۔ اور درحقیقت وہ نبی عربی ہے جس کی عیسیٰ بن مریم نے بشارت دی ہے اور ان کا نام ہمارے ہاں انجیل میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تحریر ہے۔

---

# حارث ابن ابی شمر غسانی کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک

یہ دمشق میں تھا، چنانچہ آپؐ نے شجاع بن وہب کے ہاتھ حدیبیہ سے واپسی پر ایک مکتوب مبارک اس کے نام بھیجا جو یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے حارث بن ابی شمر کے نام۔

اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کا اتباع کرے،

اود اللہ پر ایمان لائے۔ اس کی تصدیق کرے۔ اور میں تجھے اس بات کی

طرف دعوت دیتا ہوں کہ تو اللہ پر ایمان لے آئے جو یکتا ہے۔ اس کا،

کوئی شریک نہیں۔ تیرا ملک باقی رہے گا۔“



طِبِ نَبَوِیؐ

ہم نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی - سیر - بعثات - سراپا رسائل اور مکاتیب وغیرہ سے متعلق گزشتہ صفحات میں آپ کی سنت طیبہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اب ہم طب کے متعلق آپ کی سنت طیبہ کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ نے کیا کہا دیکھا کیا طریقے اختیار فرمائے۔ اپنے اور دوسروں کے لیے کیا کیا علاج بیان فرمائے۔ ہم اس میں اس حکمت کا تذکرہ کریں گے کہ جس تک پہنچنے میں اطباء عاجز آچکے ہیں کیونکہ طباء کے مقابلہ میں آپ کی طب معجزات پر مشتمل ہے۔ ہم اللہ سے استعانت کرتے ہوئے اسی قوت و توفیق کے طالب ہیں مرض کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

قلب کے امراض اور بدن کے امراض۔

یہ دونوں امراض قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

امراض قلب کی بھی دو قسمیں ہیں، امراض شکوک و شبہات اور امراض

شہوت و بہتان (سرکشی) ان دونوں کا بھی قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔

# علاج بدن

اس کے اقسام اور انواع کا بیان

علاج بدن کے قواعد تین ہیں -

(۱) حفاظتِ صحت -

(۲) مرض سے تحفظ -

(۳) موادِ فاسد کا استفراغ -

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان تینوں کا ان مقامات پر تذکرہ فرمایا۔ آیت روزہ میں فرمایا -

اس آیت میں مریض کے لیے عذرِ مرض اور مسافر کے لیے اپنی صحت اور قوت کی طلب کی خاطر افطار کرنے کی اجازت دے دی تاکہ روزہ سفر میں کثرتِ حرکت اور موجباتِ تحلیل کی وجہ سے اور بدلِ مائیکل کے محذوم ہونے کے باعث ضرر رساں نہ بن جائے -

اور قوت و صحت کی حفاظت کی وجہ سے مسافر کو اجازتِ افطار مرحمت فرمائی ہے۔ حج کی آیت میں فرمایا!

فمن كان منكم مريضاً أو به أذى من سر أو سه ففدية من

صيام أو صدقة أو نسك

اس آیت میں مریض کو اور اسے جس کے سر میں جوئیں پڑ جائیں یا خارش ہو جائے یا کوئی اور تکلیف ہو جائے۔ اجازت دی کہ وہ حالت حرام میں سر منڈوا لے تاکہ فاسد مادوں سے استفراغ حاصل ہو جائے جن کے بالوں کی جڑوں میں سرایت کرنے کی وجہ مرض پیدا ہوا ہے، جب سر منڈوا لے گا تو مسام کھل جائیں گے، اور یہ فاسد مادے ان مسامات کے کھل جانے کی وجہ سے نکل جائیں گے۔ اسی استفراغ پر تمام ان استفراغات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جن کے رک جانے کے باعث تکلیف و گزند پہنچتا ہے۔  
 رہا تحفظ (مرض) تو اللہ تعالیٰ نے وضو کی آیت میں فرمایا،

و ان كنتم مرضىٰ او على سفر او جاء احد منكم من القائط او لامستم

النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيداً طيباً -

اس آیت میں مریض کو اجازت دی ہے کہ اپنے جسم کو امراض سے بچانے کے لیے پانی کی بجائے مٹی کے تیمم کی طرف منتقل ہو جائے۔ تمام داخلی یا خارجی مضرات سے تحفظ کے سلسلہ میں آیت انتباہ کرتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو طب کے یقین اصولوں پر آگاہی بخشی جو تمام قواعد (حفظان صحت) کے مرکزی اصول ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور ہم اس بات کی وضاحت کریں گے کہ اس معاملہ میں آپ کی سنت طیبہ اکمل ہدایت ہے۔

رہی طب قلوب، تو یہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جانب مسلم طور پر منسوب ہے اور ان کے بغیر اور ان کے دستِ کرم سے بے نیاز ہو کر اس کے حصول کا سرے سے امکانات ہی نہیں۔



# علاج بدن کے اقسام و طرق

مفرد اور مرکب دویہ کے استعمال کے فوائد پر ایک نظر

علاج بدن کی دو اقسام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام حیواناتِ ناطقہ و بہائم کو انہی دو عین منقسم فرمایا ہے۔  
ایک قسم ایسی ہے جس کے علاج کے لیے کسی طبیب کی ضرورت نہیں جیسے بھوک  
پیاس۔ سردی تھکاوٹ وغیرہ کا علاج۔ دوسرے وہ جس میں تامل اور غور و فکر  
کی ضرورت ہے جیسے وہ امراض جو مزاجِ اصل کے اعتدال سے خارج ہو جانے کے  
باعث پیدا ہوتے ہیں۔ حرارت یا برودت یا ہیوست یا رطوبت یا کسی دوا کے  
مرکب ہونے کی صورت میں (بدن) غیر معتدل صورت اختیار کر لیتا ہے۔  
ان کے دوائی نوع ہیں یا مادی ہوتے ہیں یا کیفی یعنی یا تو کسی مادہ کے انصاف  
کے باعث یہ امراض پیدا ہوتے ہیں یا کسی کیفیت کی وجہ سے ان کا ظہور ہوتا  
ہے۔ اور تم دیکھو گے کہ اللہ کے فضل و کرم اور اس کے نصرت سے جناب رسالت  
نائب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ میں ان تمام امراض کا شافی اور مکمل علاج ملتا  
ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ یہ تھی کہ آپ اپنا اور اپنے اہل و عیال اور صحابہؓ کا معاملہ فرمایا کرتے۔ لیکن آپ کی سنت طیبہ یہ نہیں کہ قرابا و بیوس کی طرح مرکب ادویہ کا استعمال فرماتے بلکہ آپ کی زیادہ تر ادویہ مفردات پر مشتمل تھیں اور گاہے گاہے مفرد دوا کے ساتھ کسی معاون یا مصالح دوا کا اضافہ فرمادیتے اور یہ معاملہ عربوں، ترکوں اور تمام اہل دیہات، غرض مختلف اقوام میں مختلف ہوتا ہے، اور تجربہ کار و اطباء جو کثرت کے ساتھ مفردات سے معاملہ کرتے ہیں۔ وہ اسے خوب سمجھتے ہیں اور ان تینوں طبقوں میں فرق بھی ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ ادویہ بھی غذا کی جنس سے ہوتی ہیں تو ایسی قوم یا جماعت جن کی اغذیہ مفردات پر مشتمل ہوں۔ ان کے امراض بھی کم ہوتے ہیں اور ان کا معاملہ بھی مفردات سے ہی درست ہوگا۔ اور شہر والوں پر مرکب غذاؤں کا غلبہ ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ لوگ مرکب دواؤں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اہل شہر کے امراض زیادہ تر مرکب ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں مرکب دوائیں زیادہ نفع دیتی ہیں، اور اہل دیہات اور صحرائی لوگوں کی اغذیہ مفرد ہوتی ہیں اس لیے انہیں مفرد دوائیں مفید ہوتی ہیں۔

اس علاج کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اسی طرح ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے پاس دیگر علوم بذریعہ وحی آتے ہیں، بلکہ یہاں تو وہ وہ ادویہ ملتی ہیں کہ جن کی شفا دہی کی تاثیرات کی جانب بڑے بڑے حکماء کا ذہن نہ جاسکا۔ اور ان کے علوم و تجارب کی رسائی بھی نہ ہو سکی۔ ادویہ قلبیہ اور روحانیہ میں قوت قلب، اعتماد علی اللہ، توکل علی اللہ۔ اس کی طرف رجوع و انابت اس کے سامنے عجز و نیاز اور تذلل و انکساری۔ سداۃ۔ دعا، توبہ و استغفار مخلوق پر احسان اور مصائب زدہ کی مدد اور نصرت، یہ تمام ادویہ ایسی ہیں کہ مختلف ادیان اور مختلف علل کے حامیوں نے بھی انہیں بار بار آزمایا اور شفاء کا ملکہ حاصل کی جس کی طرف ان کے بڑے بڑے دانش وروں کا ذہن نہ جاسکا، اور نہ ان کے

تجربات اور قیاسات نے ان کی رہنمائی کی۔ ہم نے انہیں بارہا آزمایا۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان سے وہ وہ کام سرانجام پاسکتے ہیں کہ ماڈی ادویہ سے کبھی اس قدر زیادہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور ہم عنقریب اس بات کا سبب بیان کریں گے کہ جس شخص کو سانپ نے ڈس لیا فاتحہ پڑھنے سے کیونکہ آرام حاصل ہوا اور فوراً ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا، گویا اسے کوئی مرض ہی نہ تھا۔

طب بنوی میں ہر وہ دوا قسم کی ادویہ ملتی ہیں۔ ہم اپنی استطاعت کے مطابق اپنے کم علم، اور فقدان معرفت اور سرمایہ علم کی شدید کمی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے ان دونوں انواع پر بحث کریں گے۔ اللہ عز و جل ہی سے تمام خیر اور بھلائی کے طالب ہیں اور اس کے فضل کے سوا فی ہیں۔ کیونکہ وہ غالب اور از حد عطا کرنے والا ہے۔

---

# ہر مرض کا علاج موجود ہے

## لا علاج مرض صرف موت ہے

صحیح مسلم میں حدیث ابو زبیرؓ سے جو انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ہر مرض کی دوا ہے۔ جب بھی مرض کی (درست) دوا مل جاتی ہے۔ تو اللہ عز و جل کے اذن سے صحت ہو جاتی ہے۔

صحیحین میں حضرت عطاءؓ سے منقول ہے کہ انہیں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ملی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا مرض نازل نہیں کیا جس کی دوا بھی نازل نہ کی گئی ہو۔

اور مسند امام احمدؓ میں فرہاد بن علاقہؓ کی حدیث مروی ہے۔ انہوں نے اسامہؓ بن شریک سے روایت کیا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ چند اعراب (دیہاتی) آئے۔

انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! کیا ہم علاج کر رہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اے اللہ کے بندو۔ دوا استعمال کرو۔ کہنؤ کہ اللہ تعالیٰ نے



ایک مرض کے سوا تمام امراض کا علاج بھی اتنا ہے۔

انہوں نے عرض کیا، وہ (ایک مرض) کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: موت!

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا مرض نازل نہیں کیا جس کی دوا نازل نہ کی ہو۔ جسے سکھا دی وہ جان گیا۔ اور جسے جاہل رکھا۔ وہ جاہل رہا۔ مسند اور سنن میں ابو خزانہؒ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ جو جھاڑ پھونک کرواتے ہیں، یا دوا استعمال کرتے یا پیرہیز کرتے ہیں کیا آپؐ سمجھتے ہیں کہ ان سے اللہ کی کچھ تقدیر بھی رد ہو سکتی ہے؟

آپؐ نے فرمایا: یہ (علاج وغیرہ) بھی اللہ کی تقدیر میں داخل ہے اور وہ اتحاد جن میں علاج کا حکم ملتا ہے۔ توکل کے منافی نہیں ہیں، جیسے بھوک، پیاس، حرارت اور سردی کے موقع پر اصداد سے علاج کرنا توکل کے منافی نہیں، نیز اس سے ان لوگوں کا رد بھی ملتا ہے، جو علاج کا انکار کرتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں کہ اگر شفا مقدر میں ہے۔ تو پھر علاج سے کچھ فائدہ نہیں۔ اور اگر شفا مقدر میں نہیں تو بھی علاج سے کیا فائدہ؟ کیونکہ مرض تو اللہ کی قدر کے مطابق آتا ہے، اور اللہ کی قدر نہ ہٹائی جاسکتی ہے۔ اور ٹوٹائی جاسکتی ہے۔ یہی سوال اسراب نے بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تھا۔ کیا صحابہؓ تو اللہ اور اس کی حکمتوں اور اس کی صفات سے خوب سے واقف تھے وہ کس طرح ایسا سوال کر سکتے تھے؟ اور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں بہت شافی اور کافی جواب دیا۔ اور فرمایا۔ علاج۔ جھاڑ پھونک اور پیرہیز بھی اللہ کی قدر میں سے ہے۔ کوئی چیز بھی اس کی قدر سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں، اور یہ اسی طرح ہے جیسے بھوک، پیاس، حرارت اور سردی کی قدر جسے اصداد سے ہٹایا جاتا ہے۔ یا دشمن کی قدر کہ اس کے مقابلہ میں جہاد کر کے اسے ہٹایا جاتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اور ہمارے آباؤ اجداد نے شرک

نہیں کیا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے بڑے اس کے سوا دوسروں کی عبادت نہ کرتے۔ یہ بات انہوں نے مشرکین نے اس لیے کہی تاکہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں اللہ کی دلیل اور حجت کو کاٹ دیں۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تیسری قسم بھی باقی ہے جس کا ابھی تک تذکرہ نہیں ہوا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سبب کے باعث ایسے ایسے مقدرات پیدا کر رکھے ہیں کہ اگر تم نے سبب کو پیدا کر دیا تو مسبب (نتیجہ) بھی موجود ہو گا۔ ورنہ نہیں۔ اور اگر وہ یہ اعتراض کرے۔ کہ اگر اس نے سبب مقدر کر رکھا ہے تو میں اسے رد کر ڈالوں گا۔ اور اگر مقدر نہیں کیا۔ تو میں اس کے فعل پر قادر ہی نہ ہو سکوں گا۔ اب آپ خود ہی سوچیں کہ آپ اپنے بڑے۔ غلام یا مزدور کا یہ استدلال قبول کر لیں گے۔ جب آپ انہیں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیں۔ اور وہ آپ کے حکم کی مخالفت کرے۔ اگر آپ قبول کر لیں گے۔ تو جو آپ پر ظلم کرے اور آپ کا مال لوٹ لے۔ آپ کی عزت برباد کر دے۔ اور آپ کے حقوق پامال کر دے اس کی شکایت نہ کیجیے۔ اور آپ قبول نہیں کر سکتے تو اللہ کے حقوق کو آپ کس طرح ہٹا سکتے ہیں جو آپ کے ذمہ لازم ہیں۔

اور امراض بدن بھی امراض قلب کی طرح ہیں۔ اللہ نے کوئی مرض قلب الیہا نازل نہیں فرمایا جس کی دوا نازل نہ کی ہو۔ اگر مر لیٹن اسے جان لے اور اسے استعمال کر لے۔ اور وہ علاج قلب کے مرض کا درست علاج ہو تو مر لیٹن ضرور اللہ کے اذن سے صحت یاب ہو جائے گا۔

# بسیار خوری اور کم خوری

آپ کی سنت طیبہ اور متوازن طریق کار

مسند وغیرہ میں بھی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا؟  
 آدمی نے پیٹ سے زیادہ برتن کبھی پر نہیں کیا۔ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں جن سے ان کی کمر سیدھی رہے۔ اگر ضروری (زیادہ) کھانا ہو، تو پھر تیسرا حصہ کھانا کھانا چاہیے اور تیسرا حصہ پینے کے لیے وقف ہے۔ اور تیسرا حصہ سانس لینے کے لیے! **امراض کی دو انواع ہیں** | امراض مادی! جو بدن میں افراط مادہ کے باعث پیدا ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ طبعی افعال پر بھی مضر اثرات ڈالتے ہیں۔ اکثر یہی امراض پائے جاتے ہیں اور ان کا سبب ہضم اول سے قبل ہی مزید کھانا۔ اور بدن کی احتیاج سے کہیں زیادہ مقدار میں کھالینا اور ایسی غذا بیٹیں کھانا ہے۔ جن میں فائدہ کم اور دیر سے ہضم ہونے والی ہوں اور مختلف انواع و اقسام و تراکیب کی اغذیہ کا کثرت استعمال چنانچہ جب انسان ان اغذیہ سے پیٹ بھرتا رہتا ہے اور (پر خوری) کا عادی ہو جاتا ہے تو اسے کئی قسم کی مزمن اور حاد امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ غذا میں اعتدال قائم رکھے۔ اور بقدر حاجت ہی کھانا کھائے جو مقدار اور کیفیت کے لحاظ سے

مناسب ہو۔ تو پُر خوری کی نسبت اس حالت میں بدن کو زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

غذا کے تین درجات ہیں۔ ۱۔ درجہ ضرورت۔ (۲) درجہ کفایت۔ (۳) درجہ زائد۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ آدمی کو چند لقمے کافی ہیں۔ جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھ سکیں۔ یعنی اس کی قوت زائل نہ ہو۔ اور وہ کمزور نہ پڑ جائے اور اگر اس سے تجاوز نہ ہی کرنا ہو۔ تو گنجائش کا تقیر حصہ کھائے۔ تقیر حصہ پینے اور تقیر حصہ سانس لینے کے لیے چھوڑ دے۔

یہ صورت جسم و قلب دونوں کے لیے زیادہ فائدہ بخش ہے کیونکہ محدہ کھانے سے پُر ہوگا تو پانی پینے میں تکلیف ہوگی۔ اور جب پانی بھی اس پر ڈال دیا جائے گا۔ تو سانس میں تنگی محسوس ہوگی۔ اور اسے کرب اور تکان محسوس ہونے لگے گی اور اس کا پیٹ ایک وزنی بوجھ اٹھانے والا بن جائے گا۔ جس سے قلبی پریشانی اور عبادات کے سلسلہ میں جسمانی سستی لازم آئے گی، اور سیر ہونے کا لازمہ شہوات کی صورت میں بھی ظاہر ہوگا۔ الغرض محدہ کو پُر کرنا قلب حد جسم دونوں کے لیے مضر ہے۔ لیکن یہ صورت اس وقت ہوگی، جب اکثر و بیشتر اس کا عادی ہو۔ اور گاہے گاہے ایسا کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اس قدر دودھ پیا کہ آخر کہہ اٹھے۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اب مجھے اس (دودھ) کے لیے کوئی جگہ نہیں ملتی۔ اور حضرات صحابہؓ نے بھی بار بار نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔



## قسم اول یعنی ادویہ طبعیہ سے معالجہ

نبی کے علاج میں آپ کی سنت طبعیہ صحیحین میں حضرت نافعؓ سے ثابت ہے۔ انہیں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ملی۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بخارہ یا شدت بخار جہنم کی پھنکا رہے۔ اس لیے اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔ اس روایت میں آپ کا فرمان! ”پانی“ تو اس میں دو قول ملتے ہیں۔ ایک عام پانی۔ یہی صحیح طور پر مراد ہے۔ اور دوسرے زمزم کا پانی۔ اس کے ماننے والوں نے صحیح بخاری کی اس روایت سے استدلال کیا۔ کہ ابو جمرۃ نضر بن عمران ضبعی سے مروی ہے کہ میں مکہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ مجھے بخار ہو گیا انہوں نے فرمایا! اسے زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بخار جہنم کی لپیٹ میں سے ہے اسے پانی سے ٹھنڈا کر دیا فرمایا نہ زمزم کے پانی سے (ٹھنڈا کرو) راوی کو اس میں شک ہے۔ اور اگر اس میں تیقن بھی ہو، تو بھی یہ حکم اہل مکہ کے لیے ہوگا۔ کیونکہ انہی کو آسانی سے زمزم کا پانی پہنچا ہو سکتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کے لیے عام پانی کا حکم ہوگا۔ جو ان کے ہاں بہ آسانی دستیاب ہوتا ہے۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ بخار جہنم کی لپیٹ میں سے ہے۔ اس لیے اسے ٹھنڈے پانی سے دور کرو،

اور مسند وغیرہ میں حدیث حسن مروی ہے۔ انہیں سمرۃؓ سے مرفوع روایت ملی کہ بخار آگ کا ایک حصہ ہے، اس لیے اسے ٹھنڈے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بخار ہو جاتا۔ تو آپ پانی کا ایک مشیکزہ منگواتے، اور اسے اپنے سر پر اندھیل لیتے۔ اور غسل فرماتے۔

اور سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بخار کا ذکر کیا تو ایک آدمی تے بخار کو گالی دی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے گالی مت دو۔ کیونکہ یہ گناہوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جیسے آگ کو ہلے کی میل کو کھاتی ہے۔ پس بخار جسم اور قلب کے لیے مفید ہے اور اس میں وجہ ہے۔ اس لیے اسے گالی دینا ظلم اور زبانی ہے۔

اور ایک حدیث میں مروی ہے۔ کہ ایک دن کا بخار ایک سال کے (گناہوں) کا کفارہ ہوتا ہے۔ اور اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ بخار تمام اعضاء اور مفاصل میں داخل ہو جاتا ہے، اور ان کی تعداد تین سو ساٹھ ہے۔ تو گویا ہر مفصل (جوڑ) کے ایک دن کے گناہ کے برابر معافی ملتی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ تمام بدن میں سے اس طرح اثر کرتا ہے کہ اس کے اثرات ایک سال تک زائل نہیں ہوتے جیسے بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان! کہ جو شراب پیے۔ اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہوگی! کیونکہ بندے کے پیٹ۔ عروق اور اعضاء میں چالیس روز تک اس کے اثرات باقی رہیں گے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے بخار سے زیادہ کوئی مرض محبوب نہیں۔ کیونکہ وہ میرے تمام اعضاء میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر عضو کو صلہ میں اجر دیتا ہے۔

اور جامع ترمذی میں حضرت رافع بن خدیج سے مرفوع حدیث مروی ہے۔ کہ جب تم میں سے کسی کو بخار آئے۔ اور بخار چونکہ آگ کا ٹکڑا ہے، اس لیے اسے ٹھنڈے پانی سے بجھائے۔ اور جاری نہر کی طرف چلا جائے۔ اور فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے پانی کی آمد کی طرف رج کرے۔ اور یہ دعا پڑھے۔

بسم اللہ اللہم اشف عبدک وصدق رسولک۔

پھر تین بار تین روز تک اسی میں غوطہ لگائے۔ اگر صحتیاب ہو جائے۔ تو ٹھیک

ور نہ پانچ روزہ اور اگر ٹھیک نہ ہو تو سات روزہ اللہ کے اذن سے بخار سات روزہ سے تجاوز نہ کرے گا۔

میں کہتا ہوں کہ گرم ممالک میں موسم گرما میں شرائط متقدمہ کے مطابق یہ غسل فائدہ بخش ہوگا اور اس وقت بدن میں قوی بھی (اس کے) قابل ہوں گے، چنانچہ قوی کی قوت اور دوا کی قوت درست ہوگی، یعنی گرم عارضی بخار یا غیب خالصہ (باری کا بخار) پر سرد پانی نفع بخش ہوگا۔ بشرطیکہ (بخار) کے ساتھ ساتھ ورم نہ ہو۔ اور نہ دیگر رومی عوارض اور فاسد مواد پائے جائیں۔ اس صورت میں (سرد پانی) اس بخار کی آگ بجھا دے گا۔ خاص کر ان ایام میں جن کا تذکرہ حدیث میں آیا ہے کیونکہ زیادہ تر انہی ایام میں حاد امراض کا بھرانہ واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ مخصوص علاقوں کے ساکنین کے اخلاط رقیق ہو جاتے ہیں۔ اور نافع دوا سے تیزی کے ساتھ متاثر ہوتے ہیں۔

---

# امراض شکم

## سورہ ہضم اور پیٹ کی خرابی میں شہد کا استعمال

**شہد کے فوائد کثیرہ** | صحیحین میں ابو منتوکل کی حدیث مروی ہے انہی حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ملی۔ کہ ایک آدمی بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا۔ میرے بھائی کو پیٹ کی تکلیف ہے، اور ایک روایت میں ہے۔ کہ اس کے پیٹ میں خرابی ہے! آپؐ نے فرمایا! اسے شہد پلاؤ۔ وہ گیا اور واپس آکر کہنے لگا، میں نے اسے شہد پلایا لیکن اسے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ ایک روایت کے لفظ ہیں۔ کہ اس کی تکلیف بڑھتی ہی گئی۔ دو یا تین مرتبہ یہ معاملہ درپیش آیا۔ ہر بار آپؐ نے فرمایا۔ اسے شہد پلاؤ۔ تیسری یا چوتھی مرتبہ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ نے صحیح فرمایا! اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا۔ اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ منہ ان کی عورت بطنہ۔ یعنی اس کا ہضم خراب ہو گیا ہے۔ اور اس کا معدہ بیمار ہو گیا ہے۔

شہد میں کثیر فوائد ہیں۔ کیونکہ یہ عروق اور امعاء وغیرہ میں سے میل کو کاٹ دیتا ہے۔ کھانے اور مالش کرتے سے رطوبات و فاسدہ کو تحلیل کر دیتا ہے



ہے۔ بوڑھوں اور بلغمی مزاج کے لوگوں کو فائدہ دیتا ہے۔ اور جس کا مزاج سرد ہو۔ تو اس کے لیے مغزی اور ملیں کا کام دیتا ہے۔ معجونوں کی قوت قائم رکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور جب اس میں دواؤں کی آمیزش کی جاتی ہے، تو وہ ان کی مکروہ کیفیات کو زائل کر دیتا ہے۔ جگر اور سینہ کو صاف کرتا۔ پشیاہ اور اور بلغم کے سبب سے ہونے والی کھانسی کو فائدہ دیتا ہے۔ اور جب اسے روغن گلاب کے ساتھ گرم گرم پیاجاتا ہے۔ تو جانوروں کے کاٹے اور انبیوت خوری میں نفع دیتی ہے۔ اور اگر اسے سادہ پانی میں ملا کر پیاجائے تو کتے کاٹے اور نہ ہر خورانی میں فائدہ بخش ہے اور اگر اس میں تازہ گوشت رکھ دیا جائے تو یقیناً مہ تک اس کی تازگی قائم رہتی ہے۔ اسی طرح اس میں تر بوڑھ۔ لکڑی کدو، بار خجانے رکھ دیا جائے اور چھ ماہ تک عام پھلوں کو بھی خراب ہوتے، بچا لیتا ہے۔ اور مردے کے جسم کی حفاظت کرتا ہے۔ اسے حافظہ امین قائم دیا جاتا ہے۔ اور جب اسے بدن اور بالوں پر لگایا جائے تو جوں ماننا اور بالوں کو لمب کرتا ہے۔ اور اگر اسے آنکھوں میں ڈالا جائے۔ تو آنکھوں کے سامنے سے اندھا (کی بھارت) کو دور کرتا ہے۔ اگر اسے دانتوں پر سنون کے طور پر ملا جائے۔ تو دانتوں کو سفید کرتا اور انہیں صقیل کرتا ہے۔ اور مسوڑوں اور دانتوں کو قوی کرتا ہے۔ اس کا چاٹنا بلغم کو مفید ہے، اور معدے کی ردی کیفیات کو زائل کرتا ہے۔ اور اسے گرم کر کے اعتدال پر لاتا ہے اور سڈے کھوتا ہے۔ جگر گرا اور مثانہ پر بھی یہی اثرات اس کے مرتب ہوتے ہیں۔ جگر کے سڈے کھولنے اور ہر بیٹھی چیز کے معاملہ میں طحال کو کم سے کم ضرر رسالت ہے۔

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع حدیث میں مروی ہے! جو شخص ہر ماہ یقین روز صبح صبح شہد چاٹ لے۔ اسے کسی سخت تکلیف

کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

اور دوسری حدیث میں آیا ہے: تم پر دو شافی چیزوں سے رکوا استعمال کرنا یا ان سے شفا حاصل کرنا لازم ہے۔

شہد اور قرآن۔



# ایک آیت

## اور اس پر بحث

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَخْرُجُ مِنْ بَطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلَفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ۔  
اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا نبیہ کی یہ ضمیر شراب کی طرف راجح ہے،  
یا قرآن کی طرف؟ -

اس سلسلہ میں دو قول ہیں اور صحیح تر یہ ہے کہ ضمیر شراب کی طرف راجح ہے یہی  
ابن مسعود ابن عباس حسن قتادہ اور اکثر صحابہ کا قول ہے کیونکہ مکہ یہی مذکور ہے  
اور سیاق کلام بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آیت میں قرآن  
کا ذکر نہیں ملتا۔ اور صحیح حدیث کے یہ الفاظ بھی اس پر شاہد ہیں۔

---

# طاعون

## علاج، پرہیز، احتیاط اور فرار

صحیحین میں عامر بن سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ ایک اہم مسئلہ اپنے والد سے روایت ملی کہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید سے پوچھا کہ آیا آپ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق کچھ سنا ہے؟

اسامہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، طاعون ایک نرا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر اور ان قوموں پر جو تم سے پہلے تھیں، نازل کیا۔ جب تم کسی جگہ طاعون کے پھیلنے کی خبر سنو تو وہاں داخل ہونے سے احتراز کرو۔ اور اگر طاعون وہیں پھوٹ پڑے، جہاں تم ہو تو وہاں سے فرار ہونے ہوئے نکلنے سے اجتناب کرو۔

صحیحین میں حضرت حفصہ بنت سیرین سے مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک نے بتایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، طاعون ہمیں مبتلا ہو کر مرنا، ہر مسلمان کے لیے شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔

جہاں طاعون پھیلا ہو نہ جاؤ، آپڑے ہو تو بھاگو مرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جگہ جہاں یہ وبا پھیلی ہو داخل ہونا اور وہاں سے نکلنا دونوں کی ممانعت کی ہے۔



اس طرح احتیاط کامل کو جمع فرما دیا۔ کیونکہ ایسی جگہ جانے کا مطلب اپنے آپ کو و باد کے سپرد کرنا اپنے آپ کو ہلاک کرنا اور وبا کی جگہ میں جا کر موت کو دعوت دیتا ہے اور یہ بات شریعت و عقل دونوں کے خلاف ہے بلکہ ایسی جگہ جانے سے گریز کرنا پرہیز میں داخل ہے، جیسا اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے.... اور یہ ممکن اور ایذا دہ باتوں سے تحفظ اور بچاؤ کا طریقہ ہے۔

**قضا و قدر پر توکل کی تعلیم** | رہا وہاں سے نکلتے کی ممانعت کا معاملہ تو اس سے اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنے کا سبق دیا جائے اور اس کی قضا و قدر پر راضی رہنے پر آمادہ کیا جائے۔

پہلی صورت تعلیم و تادیب کی ہے دوسری تفویض و تسلیم کی۔ دوسرے یہ کہ اطباء نے کہا ہے و باد سے بچنے کے لیے ہر آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے بدن سے رطوبات فاصلہ کو خارج کرے۔ غذا میں کمی کر دے اور ورزش اور غسل میں قطع نظر رطوبات فاصلہ کو خشک کرنے کی تدبیر کرے۔ کیونکہ ان دونوں (ورزش اور غسل) سے پرہیز ایک ضروری امر ہے کیونکہ بدن میں ہر وقت کچھ نہ کچھ مخفی طور پر فضلات رو بہ ضرور رہتے ہیں، جو ورزش اور غسل (حمام) سے بھڑک اٹھیں گے، اور کیموس اعلیٰ میں انہیں مختلط کر دیں گے۔ اس وجہ سے زیادہ فساد برپا ہوگا اور مرض لاحق ہو جائے گا، بلکہ طاعون کے موقع پر سکوت اور آرام ضروری ہے۔ اور اخلاط میں تسکین پیدا کرنا واجب ہے۔

وبا کی جگہ سے نکلتے اور سفر کرنے میں حرکت شدیدہ (ورزش) کے بغیر چارہ کار نہیں اور بہت زیادہ مضر ہوتی ہے۔ متاخرین حکماء کا یہی قول ہے، اس لیے حدیث نبویؐ سے طبی مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے اور جو کچھ اس میں بدن و قلب کے معالجات ملتے ہیں ان کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔

صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب شام کی طرف نکلے۔ جب آپؓ

مقام سرخ پر پہنچے تو ابو عبیدہؓ بن جراح اور ان کے اصحابؓ سے ملاقات ہوئی انہوں نے بتایا کہ شام میں وبا پھوٹ نکلی ہے۔

اب اس میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ امیر المومنینؓ صحابہ میں اختلاف رائے | نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا، مہاجرین اولین کو بلائیے وہ کہتے ہیں میں انہیں بلا لایا۔ امیر المومنینؓ نے ان سے مشورہ کیا۔ اور انہیں بتایا کہ شام میں وبا پھوٹ پڑی ہے۔

اس باب میں ان کے اندر اختلاف رونما ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ آپؐ ایک کام کے لیے نکل پڑے ہیں، ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپؐ اس سے واپس لوٹ جائیں۔

دوسروں نے کہا، آپؐ کے ہمراہ آزمودہ کار لوگ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ ہم یہ رائے نہیں دیتے کہ آپؐ اس وبار میں انہیں دھکیل دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اچھا آپؐ لوگ جائیں۔

پھر فرمایا، انصار کو بلا لاؤ۔ میں انہیں بلا لایا۔ امیر المومنینؓ نے ان سے مشورہ کیا وہ بھی مہاجرین کی طرح اختلاف کرتے رہے۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا، تم بھی اٹھ جاؤ۔ پھر فرمایا:

جو قریش کے بوڑھے مشائخ ہیں انہیں بلا لاؤ۔ میں نے انہیں بلایا تو ان میں سے دو نے بھی اختلاف نہ کیا اور انہوں نے مشورہ دیا، کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپؐ ان لوگوں کو لے کر واپس چلے جائیں اور اس وبار کی طرف نہ بڑھیں۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ میں صبح کو واپس جاتے والا ہوں۔ جب صبح ہوئی تو ابو عبیدہؓ بن جراح نے عرض کیا، اے امیر المومنینؓ اللہ کی تقدیر سے فرار ہو کر آپؐ جا رہے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا، اگر کاش اے ابو عبیدہؓ تیرے سوا کوئی یہ بات کرتا ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی جانب فرار کرتے ہیں۔ کیا یہ صحیح

نہیں کہ اگر تمہارا اونٹ بیوہ اور وہ ایک وادی میں اتر پڑے، جس میں دو حالتیں  
ہوں۔ ایک جانب چراؤ گے تو بھی اللہ کی تقدیر سے ہی چراؤ گے۔

وادی کہتے ہیں کہ اتنے میں حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف حاضر ہوئے وہ اپنی  
کسی ضرورت کی وجہ سے غیر حاضر تھے۔ انہوں نے فرمایا، اس کے متعلق میرے پاس  
علم ہے۔ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب کسی  
جگہ (طاعون) بیوہ اور تم وہاں ہو تو فوراً ہونے کے لیے وہاں سے نہ نکلو اور  
جب تم کسی جگہ (اس کا وقوع) سنو تو وہاں مت جاؤ۔“

---

# مرض استسقاء

علاج — پرائمر — ہدایت

صحیحین میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے، فرمایا کہ عکک اور طرینہ کی ایک جماعت نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اسے مدینہ کی آب و ہوا ناموافق ہوئی چنانچہ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا، تم صدقہ کے اونٹوں کے پاس جاؤ اور ان کا بول اور دودھ پیو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، جب وہ تندرست ہو گئے، انہوں نے چرواہوں پر حملہ کر دیا اور انہیں قتل کر کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے، وہ انہیں پکڑ لائے۔ آپؐ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیئے۔ ان کی آنکھیں نکلوا دیں اور انہیں دھوپ میں ڈال دیا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ اور استسقاء کی تین اقسام ہوتی ہیں۔

- ۱۔ استسقاء طمی، یہ سب سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔
- ۲۔ استسقاء زرقی۔



۳۔ استسقاءے بلبلی۔

اور چونکہ ان امراض میں فائدہ دینے والی ادویہ وہی ہیں جن میں اعتدال پیدا کرنے پیشاب لانے کی کیفیت پائی جاتی ہے اور یہی اثرات اونٹوں کے پیشاب اور دودھ میں بھی ملتے ہیں۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کے پینے کا حکم دیا کیونکہ اونٹ کے دودھ میں جلا اور تلکین کی صفت ملتی ہے اور یہ ملار، بول، ملطف اور سدوں کے لیے مفتوح (کھولنے والا) ہوتا ہے، اور یہ وہ قوم جو بلاد عرب بن گئی۔ اس نے اسے بار بار آزمایا۔ جب بھی انہیں اس کی ضرورت لاحق ہوئی، تو انہوں نے اسے مقبہ پایا۔

عربی اونٹوں کا پیشاب دوسروں کی نسبت زیادہ فائدہ بخش ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہونے اور ان سے علاج و معالجہ کی اجازت ملی ہے۔ کیونکہ حرام اشیاء سے علاج کرنا جائز نہیں، اور نو مسلم ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے انہیں منہ دھونے اور کپڑے پاک کرنے کا حکم نہیں دیا اور بعد از ضرورت تاخیر بیان روا نہیں۔ نیز یہ کہ مجرم کے قتل کی بنا پر اس سے جنگ کرنا ضروری ہے، کیونکہ ان لوگوں نے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اس کی آنکھیں نکال دیں۔ یہ صحیح مسلم سے ثابت ہے۔ اور ایک جماعت کو قتل کرنے اور ایک آدمی کے قصاص میں پوری جماعت کے ہاتھ پاؤں ایک ایک سمت سے کاٹ دینے کا ثبوت ملتا ہے۔

نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب مجرم پر حد اور قصاص دونوں سزائیں جمع ہو جائیں تو دونوں اکٹھی وارد کی جائیں گی، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ڈاکے کے عوض ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے اور چرواہے کے قتل کے قصاص میں انہیں بھی قتل کر دیا، اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور اس کو ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) نے اختیار کیا اور اس پر فتویٰ دیا ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جرائم اگر کئی ہوں تو مقدمات میں زیادہ سختی کی جا سکتی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے۔  
جنہوں نے:

- ۱۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ارتداد اختیار کیا۔
  - ۲۔ بے گناہوں کو قتل کیا۔
  - ۳۔ قتل کے بعد ان کا منہ کیا، یعنی ہاتھ پاؤں کاٹے اور صورت بگاڑ دی۔
  - ۴۔ مال لوٹ لیا۔
  - ۵۔ اور جنگ پر اتر آئے (لہذا ان کی سزا بھی ایسی ہونی چاہیے تھی)
-

# زخم اور جراحت

## علاج — اور — طرق علاج

صحیحین میں ابی حازم سے مروی ہے کہ انہوں نے سہل بن سعد کے متعلق سنا کہ انہیں تلاش کیا جا رہا تھا کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا کس طرح علاج کیا گیا؟

انہوں نے فرمایا، آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا۔ اور رباعی روانت ٹوٹ گیا۔ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خون دھور ہی تختیں اور حضرت علی بن ابی طالب ڈھال میں پانی لے کر ڈال رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہ نے دیکھا کہ خون بند ہی نہیں ہوتا تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے جلایا۔ جب وہ خاکستر ہو گیا تو اسے زخم میں چپکا دیا، خشکی کے باعث چٹائی کی خاکستر سے خون روکنے اور نہ چھیننے میں یہ بہت مزیلح الاثر ہے۔

محفف ادویہ میں اگر لذرع کی سی کیفیت ہو تو خون میں بیجان آجاتا ہے۔ البتہ خاکستر کو اگر تنہا، پاسرک کے ساتھ ملا کر نیکیر کے مریش کی ناک میں پھونک دیا جائے تو نیکیر کو روک دے گی۔ اور صاحب قانون نے کا قول ہے کہ بر دی خوتے بہنے

کوروکتی ہے، اور اس میں فائدہ بخشی ہے اور تازہ زخموں پر اسے ڈالا جاتا ہے۔  
 تو انہیں منڈل کر دیتی ہے۔ قدیم مصری کا غذا اسی سے بنایا جاتا تھا۔ اس کا مزاج  
 سرد خشک ہوتا ہے اور اس کی خاکستر الکھ قہم میں بھی مفید۔ نفث الدم کوروکتی  
 ہے اور خراب زخموں کو مزید بگڑنے سے بچاتی ہے۔

---



# پچھنے لگو انا اور داغ سے علاج

## احادیث متعددہ و مختلفہ اور ان کی تفصیل و تشریح

صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ انہیں حضرت ابن عباس سے روایت ملی انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا شفاء یقین چیزوں میں ہے۔

۱۔ شہد کے گھونٹ میں۔

۲۔ حجامت کی نشتر میں۔

۳۔ اور آگ سے داغنے میں۔

اور میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔

ابو عبد اللہ مازری فرماتے ہیں کہ انتلائی امراض با تودموی ہوتے ہیں، یا سفادی

یا بلغمی اور یا سوداوی ہوتے ہیں۔

بس اگر دموی ہوں گے، تو ان کی شفاء اخراج خون میں ہے۔ اور باقی تینوں

اقسام کی صحت اسہال میں ہے جو خلط مخصوصہ کے مطابق ہو، گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کے ساتھ مسہل پر تنبیہ فرمایا، اور حجامت کہہ کر قصد پر تنبیہ فرمائی۔

حاصل کلام نبوت یہ ہے، امراض کے علاج میں اصل اصول یہ ہے کہ تمثیلی طور پر سرد

اور گرم میں منقسم ہیں۔ اگر مرض گرم ہو تو ہم اس کا علاج قصد با حجامت کے ذریعہ

اخراج خون سے کریں گے، کیونکہ اس صورت میں استقرارِ مادہ ہو سکے گا۔ اور

اور مزاج کی تبرید بھی ہو جائے گی۔ اور اگر مرض سرد ہے تو تسخیق کے ذریعہ اس کا

علاج ہوگا اور یہ خاصیت شہد میں پائی جاتی ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ ساتھ مادہ بار وہ کا استفراغ بھی ضروری ہوا۔ تو شہد بہ کام بھی سرانجام دے دے گا۔

ربا داغ دینا، تو تمام مادی امراض یا تو حاد ہوتے ہیں، یعنی ایک نہ ایک سمت مزاج الا انتقال ہوتے ہیں، اس لیے اس میں ضروری ہیں اور یا مزمن ہوتے ہیں اور استفراغ کے بعد ان میں بہتر صورت یہ ہے کہ ان اعضاء میں داغ دیا جائے جہاں داغنا جائز ہو۔ کیونکہ مرض مزمن صرف بار و غلیظ مادہ سے ہوتا ہے جو عضو میں راسخ ہو جاتا ہے اور اس کا مزاج بگڑ جاتا۔ اور تمام جوہر جو اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسے بھی بدل دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے عضو میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ داغنے کی وجہ سے یہ مادہ اس جگہ سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ جزو ناری میں البیاض موجود ہوتا ہے اس مادہ کو فنا کر دیتا ہے۔ گو با اس حدیث سے ہمیں تمام مادی امراض کا علاج اور اصول علاج معلوم ہو گیا جیسے سادہ امراض کے علاج کا ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استنباط کیا تھا، کہ بخار جہنم کی شدید گرم لپیٹ میں سے ہے۔ اس لیے اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

# حجامت یعنی پچھنے لگوانا

## احادیث نبویؐ اور بیان احادیث

رہی حجامت۔ تو سنن ابن ماجہ میں حضرت جنادہ بن منفلت کی حدیث ہے۔ اور یہ کثیر بن سلیم سے ضعیف تر ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک کو فراتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میں شبِ اسرائ کو جس جماعت کے پاس سے بھی گذرا۔ اس نے یہ کہا۔ اے محمدؐ اپنی امت کو حجامت کا حکم دیجیے!

اور جامع ترمذی میں یہ حدیث مروی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں۔ اے محمدؐ آپ پر حجامت لازم ہے۔

اور صحیحین میں طاؤس کی حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ آپؐ نے حجامت کرانی (سنیگیاں لگوائیں) اور سنیگیاں لگاوائے کو اجرت عنایت فرمائی۔

نیز صحیحین میں حمید الطویل سے بھی حضرت انسؓ کی روایت منقول ہے، کہ جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ابو طلحہ نے سنیگیاں لگائیں۔ اور آپؐ نے ان کے لیے دو صاع طعام دینے کا حکم دیا۔ اور انہوں نے اپنے موالی کے متعلق عرض کیا: تو آپؐ نے ان کا ٹیکس کم کر دیا۔ اور فرمایا: بہتر بن علاج حجامت (سنیگیاں لگوانا) ہے۔

اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بہتر بندہ سبکیاں لگانے والا ہوتا ہے۔ کہ خون نکلتا ہے۔ پیٹھ خشک ہوتی ہے اور بھارت میں جلا ہوتی ہے۔ اور فرمایا! سترویں۔ انیسویں تاریخ کا دن حجامت کے لیے بہتر ہے۔

اور فرمایا! سب سے بہتر علاج مسعوط۔ لدودو۔ حجامت اور چلنا ہوتا ہے۔ حجامت کے کثیر فوائد ہیں۔

کیونکہ یہ فصد سے زیادہ ظاہر جلد کو (مادۃ امراض) سے پاک کرتی ہے۔ اور فصد بدن کے گہرے حصہ کے لیے زیادہ نافع ہے۔ اور حجامت جلد کے ظاہر حصہ سے امراض م کرتی ہے۔

ہیں کہنا ہوں کہ حجامت اور فصد میں تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں اختلاف زبان مکان عمر اور مزاج۔ گرم و سرد ممالک۔ اور گرم موسم اور گرم مزاجوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ گرم مزاج لوگ جن میں خون خوب نفیج پاچکا ہوتا ہے۔ ان میں فصد کی نسبت حجامت زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ خون نفیج پانے کے بعد ظاہر جلد کی طرف اچکا ہوتا ہے اس لیے فصد کی بجائے یہ خون آسانی سے نکل جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بچوں اور ان لوگوں کے لیے جو فصد کے منجمل نہ ہوں یہ زیادہ فائدہ بخش ہے۔ اور اطباء نے فرمایا ہے کہ گرم ممالک میں فصد سے حجامت کرنا زیادہ مفید و نافع ہے۔ اور مہینہ کے وسط میں یا زیادہ سے زیادہ مہینہ کے آخری تیسرے ربع میں مفید رہتا ہے۔ کیونکہ ابتدائے ماہ میں خون میں ہیجان اور نفیج واقع نہیں ہوتا۔ اور بالکل آخر ماہ میں اکثر اوقات ساکن ہو چکا ہوتا ہے۔ البتہ وسط اور آخر کے حصہ میں غائت نفیج کی حالت میں ہوتا ہے۔ ہر مخصوص رنگ کی فصد کا ایک مخصوص فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ باسلیق کے فصد کرنے سے حرارت جگر و طحال اور ادرام میں مائدہ مند ہے۔ جو ان دونوں میں اجتماع دم سے پیدا ہوں۔ نیز پیچھے کے دم میں بھی مفید ہے۔



اور شوصہ (درد پہلو) اور فات الجنب اور تمام ان امراض میں فائدہ دیتا ہے جو گھٹنے سے نیچے سے لے کر سرین تک اجتماع دم سے پیدا ہوں اور کحل کی فصداً بدن میں، اجتماع دم سے ہونے والے امراض میں مفید ہے۔

نیز اگر تمام بدن میں فسادِ خون ہو جائے تو بھی مفید ہے، اور قبضال کی فصد سر اور گردن کے ان امراض میں فائدہ مند ہے۔ جو کثرتِ خون یا فسادِ خون کے باعث پیدا ہوں۔ اور دو جبین کی فصد لی کے درد۔ و مہ فالج اور پیشانی کے درد کے لیے مفید ہے۔ اور کنپٹیوں پر سینکیاں لگوانا امراض سر اور اس کے اجزاء چہرہ دانت۔ کانوں۔ آنکھوں، ناک اور حلق کے لیے مفید ہے۔ اگر یہ امراض کثرتِ خون یا فسادِ خون، یا ان دونوں صورتوں کے باعث پیدا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنپٹیوں اور گڈی پر سینکیاں لگوا کرتے تھے۔

صحیح روایت میں ہے کہ آپؐ نے سر میں درد کے باعث حالتِ احرام میں سینکیاں لگوائیں۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے جی اکر صلی اللہ علیہ وسلم کے درک (سرین) پر سینکیاں لگوائیں۔ کیونکہ آپؐ کو قدرے سستی سی تھی۔

اور گڈی کے سوراخ پر یعنی کانوں کے پیچھے کی ہڈیوں پر سینکیاں لگوانے میں اطباء کا اختلاف ہے۔ ابو نعیم نے کتاب الطب المنوی میں مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

تم پر تمحودہ کی ہڈی پر سینکیاں لگوانا واجب ہے۔ کیونکہ یہ پانچ امراض میں شفا دیتی ہے۔ ان میں سے ایک جذام بھی ہے۔

ٹھوڑی کے نیچے سینکیاں لگوانا۔ دانتوں۔ چہرے اور گردن (حلقوم) کے لیے مفید ہے بشرطیکہ ٹھیک وقت پر استعمال کیا جائے۔ نیز سر اور پیچلیوں کو

افسردہ مادوں سے صاف کرتی ہیں۔ اور پاؤں کی پشت پر سینگیاں لگانا صافن  
رگ کی فصد کے قائم مقام ہے۔ بزرگ ٹخنے کے قریب ہے اور اس پر سینگیاں  
لگوانا رانوں پنڈلیوں کے امراض، جبض کی بندش۔ اور انیٹین کی خارش کے  
لیے مفید ہے۔

سینے کے نیچے حصہ پر سینگیاں لگوانا رانوں کے پھوڑوں سے۔ خارش اور پھنسیوں  
اور نقوش بواہر، اور خجل پا اور پشت کی خارش کے لیے فائدہ بخش ہے۔  
جامع ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت  
**اوقات حجامت** | منقول ہے کہ بہترین دن جس میں تم سینگیاں لگواتے ہو  
وہ ستر واں۔ انیسواں اور اکیسواں دن ہے۔

نیز اس سلسلہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کپٹیوں اور گدی پر سینگیاں لگوا کرتے تھے۔ اور آپ سترھویں۔ انیسویں  
اور اکیسویں تاریخ کو سینگیاں لگوا کرتے تھے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے مرفوع روایت ہے: جو سینگیاں لگوانا  
چاہے اسے سترھویں، انیسویں، اکیسویں تاریخ تلاش کرنا چاہیے۔

**سینگیاں کس دن لگوانے چاہئیں!** | کہا انتخاب! تو جامع خلال میں ہے  
کہ ہمیں حرب بن اسماعیل نے بتایا کہ میں نے احمدؒ سے دریافت کیا کہ آپ کسی مخصوص  
دن سینگیاں لگوانا، مکروہ بھی سمجھتے تھے۔

انہوں نے فرمایا! ایسی بات بدھ اور ہفتہ کے متعلق منقول ہے۔

اور حسین بن حسان سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے ابو عبد اللہؒ سے سینگیاں  
لگوانے کے متعلق دریافت کیا کہ آپ کس دن انہیں مکروہ سمجھتے تھے؟  
انہوں نے فرمایا کہ ہفتہ اور بدھ کے دن!

بعض جمعہ کے دن بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ اور خلالؒ نے ابو سلمہؒ اور ابو سعیدؒ

مقبر سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جو بدھ یا ہفتہ  
سینگیاں لگوائے اور اسے سفیدی یا برس کا مرض لاحق ہو جائے۔ تو وہ صرف اپنا  
آپ ہی کو ملامت کرے۔

خلالؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن علی بن جعفر نے بتایا۔ کہ یعقوب بن یحییٰ  
تباتے ہیں۔ کہ احمدؒ سے ہفتہ اور بدھ کے دن نورہ اور سینگیاں لگوانے کے متعلق  
دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے اسے مکروہ خیال فرمایا۔ اور تباتے ہیں کہ ٹھیکہ  
آدمی کے متعلق معلوم ہوا۔ کہ اس نے بدھ کے روز نورہ لگایا اور سینگیاں لگوائیں  
تو اسے برس کا مرض لاحق ہو گیا۔

میں نے جواب دیا کہ اس نے حدیث کو خفیف سمجھا۔ اس نے کہا: ہاں!  
اور دارقطنیؒ کی کتاب الافراء میں حضرت نافعؓ کی حدیث منقول ہے کہ ٹھیکہ پر نور  
کا غلبہ سا ہو رہا ہے۔ اس لیے کوئی ایسا حجامؒ سینگیاں لگانے والا تلاش کیا جائے  
نہ پھوٹا ہو اور نہ بہت بوڑھا ہو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما  
سنا ہے۔ کہ سینگیاں لگوانا حافظہ والے کی قوت یا داشت اور عقل کی عقل بڑھاتا  
ہے۔ اس لیے اللہ کا نام لے کر سینگیاں لگواؤ۔ اور جمعرات۔ جمعہ، ہفتہ اور اتوار  
کو سینگیاں لگواؤ۔

(بلکہ) دو شنبہ کے دن سینگیاں لگواؤ۔ اور برس اور بدھ تو بدھ کے روزہ  
نازل ہوا ہے۔

دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ زیاد بن یحییٰ اس روایت میں متفرد ہیں۔  
ابو ایوبؓ نے حضرت نافعؓ سے نقل کیا ہے: اور فرمایا ہے۔

پیر اور منگل کو سینگیاں لگواؤ۔ اور بدھ کو سینگیاں مت لگواؤ۔  
سنن ابو داؤدؒ میں حضرت ابی بکرؓ کی حدیث مروی ہے: کہ وہ منگل کو  
سینگیاں لگوانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلمؐ نے فرمایا!

منگل کا دن خون ہوتا ہے۔ اور اس میں ایک ایسی ساست ہے کہ بس کے اندر خون نہیں ٹھہرتا۔

**احادیث ماثورہ کے مسائل مستنبط** | اور ان گذشتہ احادیث کے ضمن میں علاج معالجہ اور حجامت کا استحباب بھی معلوم ہو گیا۔ اور یہ کہ یہ تقاضائے جال کے مطابق ہونا چاہئے۔

نیز نرم کے سینگیاں لگوانے کا جواز معلوم ہو گیا۔ اگرچہ وہاں سے بال کاٹنے پر اس میں سب جائز ہے۔ ہاں اس پر فدیہ دینا یہ مختلف فیہ ہے۔ دیوبند (فدیہ) نیز فوری اور محرم صالح کی حجامت کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت سوم میں سینگیاں لگوائیں۔ لیکن کیا ابن سبب سے وہ مفطر قرار دیا جائے گا۔ یا نہیں؟ یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ اور صاحب خیال یہ ہے کہ حجامت سے اسے مفطر سمجھا جائے گا، کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر کسی تعارض کے صحت کے ساتھ ثابت ہے۔

نیز اس سے سینگیاں لگانے کے کاروبار سے کانا بھی جائز ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ حرام سمجھے بغیر جہیز پر اس کا لگنا مناسب نہیں۔ کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اجرت دی ہے۔ اور اسے اس کے کاتے سے منع نہیں فرمایا۔ اور خبیث قرار دینا ایسا ہی ہے، جیسے پیاز اور لہسن کو خبیث قرار دیا۔ اور ان الفاظ سے اس کی حرمت ثابت نہیں ہوتی؟



# قطع عروق اور داغ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

صحیح روایت میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب کے پاس ایک طبیب بھیجا۔ اس نے ان کی ایک رگ کاٹ دی اور پھر اس پر داغ دیا۔

اور حضرت سعد بن معاذ کو اکحل میں تیر لگا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر داغ دیا۔ پھر ورم ہو گیا آپ نے داغ دیا۔

اور افضل بن دکیمن فرماتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن عیینہ ابی زبیر سے انہیں حضرت جابر سے روایت پہنچی۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اکحل پر داغ دیا۔ اور صحیح بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ انہیں ذات الجنب کے مرض میں داغ دیا گیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیات تھے۔

اور ترمذی میں حضرت انس سے منقول ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسعد بن زرارہ کو کانٹا لگ جانے پر داغ دیا۔

اور متفق علیہ حدیث گذر چکی ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ کہ میں داغ دوں اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں۔ کہ میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔ اور جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے داغنے سے منع فرمایا ہے۔ اور فرمایا، پس ہم مبتلا ہوئے تو ہم کامیاب نہ ہوئے اور نہ فلاح پاسکے۔

اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں۔ کہ ہمیں داغنے سے منع کیا گیا۔  
 اور صحیح روایت میں اس حدیث سے ثابت ہے، کہ ستر ہزار لوگ ایسے ہوں  
 گے۔ جو کہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے کہ نہ وہ بھاڑ کرواتے تھے۔ اور  
 نہ داغ لگواتے تھے۔ اور نہ ہی خال لیتے تھے۔ وہ صرف اپنے پروردگار پر توکل  
 کرتے تھے۔

پس احادیث رد اغنے کی احادیث، چار انواع پر مشتمل ہوئیں۔  
 ایک تو اس کے فعل پر۔

دوسرے عدم محبت پر۔  
 تیسرے اس کے تارک کی تعریف پر۔  
 چوتھے اس کی ممانعت پر۔

اور محمد اللہ تعالیٰ ان میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس کا فعل اس  
 کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ اور عدم محبت ممانعت پر مال نہیں۔ اور اس کے  
 تارک کی ثناء و مدح اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ترک اولیٰ و افضل ہے، اور اس  
 کی ممانعت اختیار و کراہت کا طریقہ ہے، یا ایسی نوع مراد ہے جس کی احتیاج  
 نہیں، بلکہ محض اندیشہ کے پیش نظر داغنا ہے۔

# مرگی کا مرض

یہ ارواح کا نتیجہ بھی ہوتا ہے اور مرض کا بھی

صحیحین میں حضرت عطاء بن ابی رباح کی حدیث منقول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: کیا میں تجھے ایک جنتی عورت نہ بتلاؤں؟

میں نے عرض کیا: ہاں۔ ضرور بتائیے!

آپؓ نے فرمایا: یہ سیاہ عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی! مجھے مرگی کا مرض ہے۔ اور بعض اوقات میرا پردہ کھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے (زیری صحت) کے متعلق دعا فرمائیے۔

آپؓ نے فرمایا: اگر تم چاہو، تو صبر کرو۔ اور تمہارے لیے جنت ہے اور اگر چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صحت دے دے۔

وہ کہنے لگی۔ میں صبر کروں گی! لیکن میرا پردہ کھل جاتا ہے۔ آپ یہ دعا فرمائیے کہ میرا پردہ نہ کھلے۔

آپؓ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

میں کہتا ہوں کہ مرگی کے دورے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ارواح خبیثہ ارضیہ

کے باعث اور دوسرے اخلاطِ روئیہ کے باعث۔ دوسری قسم کے اسباب و علاج کے متعلق اطباء کلام کرتے ہیں۔ رہے ارواحِ خبیثہ کی وجہ سے تو بڑے بڑے دانشور اور عقلا بھی اسی قسم کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور اس کا وفاق نہیں کر سکتے۔ اور سمجھتے ہیں، کہ اس کا علاج ارواحِ ملوئیہ ہی سے ممکن ہے۔ جو ارواحِ شریعہ خبیثہ کا مقابلہ کریں، اور ان کے افعال کا مقابلہ کر کے انہیں باطل کر دیں۔

بقراط نے اپنی بعض کتب میں اس پر بحث کی ہے۔ اور مرگی کے علاج کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے: کہ یہ علاج صرف ایسی مرگی میں ناکارہ بخش ہے جس کا سبب اخلاطِ روئیہ اور مادہ فاسدہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ مرگی جو ارواح کے باعث ہوتی ہے اس میں یہ علاج نافع نہیں۔

البتہ جاہل اطباء اور پست قسم کے لوگ اور وہ جو زندقیت کو افضلیت قرار دیتے ہیں وہ ارواح کو مرگی کا سبب ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ کہ یہ بھی مریض کے جسم میں اثر کرتے ہیں۔ ان کے پاس سوا جہالت کے کوئی دلیل نہیں ہے۔ ورنہ ہم دیکھ ہی رہے ہیں، کہ طب میں اس علاج کے سلسلہ میں کوئی کامیاب چیز نہیں ملتی۔ اور جس وجود بھی اس کا مشاہدہ ہے اور قدماء اسے مرضِ الہی کا نام دیا کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ یہ ارواح کا کارنامہ ہے۔ اس کا علاج دو وجوہ پر ہو سکتا ہے۔

ایک مریض کی جانب سے دوسرا معالج کی جانب سے۔ مریض کی جانب سے یہ ہے کہ وہ ان ارواح کے پیدا کرنے والے کی طرف صدق دل سے توجہ پوری قوت سے مبذول رکھے۔ اور صحت کے ساتھ تعوذ اختیار کرے۔ کیونکہ جب ان دونوں میں کوئی بھی ختم ہوا تو اسے کسی قسم کا ہتھیار کام نہ دے گا۔ اب ذرا اس حالت کا اندازہ کیجیے کہ جب دونوں ہی رہیں۔ یعنی دل توحید، توکل تقویٰ، اور انابت سے بالکل خالی ہے، اور اس کے مقابلہ کے لیے کوئی ہتھیار نہیں۔

دوسرے معالج کی جانب سے اس میں یہ دونوں امور پائے جانے ضروری ہیں



اور بعض معالجین کی جانب سے اس قدر کہہ دینا ہی کافی ہوتا "اس سے نکل جا" یا "بسم اللہ" یا "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ تے تھے اللہ کے دشمن نکل جا" میں اللہ کا رسول ہوں۔

اور اکثر اوقات آفت زدہ کے کان میں یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

افحسبتم انما خلقناکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون۔

اور مجھے بتایا گیا کہ ایک بار ایک مریض کے کان میں یہ آیت پڑھی گئی تو روح کہنے لگی۔ ہاں! اور طویل آواز نکالی۔

شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ڈنڈا پکڑ لیا اور اس کی گردن پر مارا۔ حتیٰ کہ مار مار کے میرے ہاتھ تھک گئے اور حاضرین کو یقین ہو گیا کہ یہ اس مار پیٹ سے ضرور مر جائے گا۔ چنانچہ مار کے دوران وہ روح بول اٹھی۔ اور کہا۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ میں نے اسے جواب دیا۔ لیکن اسے تم سے محبت نہیں۔

وہ کہنے لگی، میں اس کے ہمراہ حج پر جانا چاہتی ہوں، میں نے کہا، لیکن وہ تیرے ہمراہ حج پر جانا نہیں چاہتا۔

پھر کہنے لگی! اچھا۔ میں تیری عزت کی خاطر اسے چھوڑتی ہوں۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: نہیں۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

کی خاطر!

آخر اس نے کہا:

میں جانتی ہوں راوی کہتے ہیں کہ مریض بیٹھ کر دائیں بائیں دیکھنے لگا کہ حضرت شیخ کیسے تشریف لائے!

لوگوں نے کہا۔ اور یہ جو مار پڑی ہے! اس نے کہا: حضرت شیخ نے مجھے کس جرم میں مارا؟ حالانکہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور اسے محسوس بھی نہیں ہوا۔ کہ اسے چوٹ لگی ہے۔ اور آیت الکرسی سے اس کا علاج کیا جاتا تھا۔

اور آفت زدہ کو بھی اس کا درد رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور معوذتین پڑھنے کا بھی

کہا کرتے۔ الغرض مرگی کی اس قسم اور اس کے علاج کا صرف وہی انکار کرتا ہے۔ جو بے عقل اور بے علم و معرفت ہوتا ہے اور ان پر ارواح خبیثہ کا تسلط زیادہ تر کسی دین کی وجہ سے اور اس وجہ سے واقع ہوتا ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ و ذکر نبوی اور ایمانی اور اسے زبان و قلب کے ہٹ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس حالت میں ارواح خبیثہ انسان سے اس طرح دوچار ہوتی ہیں۔ کہ وہ بے ہتھیار ہوتا ہے اور گاہے گاہے وہ عریاں ہوتا ہے۔ (اور اس حالت میں آسیب لاحق ہو جاتا ہے)۔

---

# مرگی کا سبب اور علاج

دعا کا اثر دوا سے زیادہ کارگر ہوتا ہے

رہی صرع اختلاط: تو یہ ایک ایسا مرض ہے جس سے اعضائے بدن افعال و حرکت سے ناکمل حالت تک ناکام رہتے ہیں۔ اس کا سبب نرج قسم کی خلط غلیظ ہے۔ جو بطون دماغ کے منافذ میں سدّہ پیدا کر دیتی ہے، اس وجہ سے حس و حرکت کا اعضائے نفیسیہ میں نفوذ کم ہو جاتا ہے۔ البتہ مکمل انقطاع واقع نہیں ہوتا اور گاہے گاہے اس کے اور بھی اسباب ہوتے ہیں۔ زریح غلیظ جو منافذ روح میں حبس پیدا کر دیتی ہے، یا بخار آدمی کے دماغ میں انقباض پیدا کر دیتا ہے جس کے باعث وہ مادہ موزیہ کو دفع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ نتیجہ اعضاء میں تشنّج پیدا ہو جاتا ہے پھر مادہ موزیہ کو دور کرنے کے لیے دماغ میں انقباض واقع ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کے بعد انسان سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا بلکہ گر جاتا ہے۔ اور اس کے منہ سے بکثرت جھاگ خارج ہونے لگتا ہے، اور یہ علت جملہ امراض مادہ میں دقت وجود کے اعتبار سے شمار ہوتی ہے، اور جملہ امراض مزمنہ میں زیادہ مدت تک قائم رہنے کے باعث شمار ہوتی ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ مریض کی عمر

پچیس سال کی ہو گئی ہو، اور یہ مرض دماغ خصوصاً جوہر دماغ، میں ہوتا ہے اسی لئے اس حالت میں صرع کا وقوع ایک لازمی امر ہے۔

بقراط کہتا ہے کہ ایسے لوگوں میں مرگی کا مرض موت تک قائم رہتا ہے۔ ایسا ہی اس مرگی زدہ عورت کا قصہ ہے جس کا ذکر حدیث میں آتا ہے کہ اسے مرگی کا دورہ پڑتا تھا اور اس کا پردہ کھل جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا مرض اسی نوع سے تعلق رکھتا ہو چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض پر شاگردی کرنے کی وجہ سے اسے جنت کی خوش خبری دی۔ اور اس کا گسترہ کھلنے کی دعا فرمائی۔ اور اسے میر اور جنت یا صحت کی دعا کا بغیر جنت کی ضمانت کے اختیار دیا۔ چنانچہ اس نے جنت اور صبر کو اختیار کر لیا،

اور اس واقعہ میں ترک معالجہ اور دوا کے نہ کرنے کا جواز بھی ملتا ہے۔ اور دعاؤں، اور اللہ کی جانب توجہ کرنے میں ارواح کا علاج ایسے طریق پر موثر ہے کہ دوسری صورتوں میں ناممکن ہے۔ اور بدنی ادویہ اور انفعالات طبعیہ کی بجائے ان ادویہ کا اثر اور فعل زیادہ نافع ہوتا ہے۔

ہم نے اور ہمارے سوا کئی عاقل طبیوں نے بارہا آزمایا، اور وہ اس بات کے معترف ہیں کہ شفاء امراض میں ان کی قوت نفسیہ عجیب اثر رکھتی ہے، اور نہ نادقہ جہلاء اور سفہاء سے زیادہ کوئی نقصان دہ عنصر نہیں۔ اور ظاہر مطلب یہی ہے کہ اس عورت کا مرض اسی نوع سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ارواح کی یہ کار فرمائی ہو، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صبر کرنے اور جنت حاصل کرنے یا صحت کی دعا کے درمیان اختیار دیا۔ اس نے صبر اور پردہ کو اختیار کیا۔



## عرق النساء

لغت اور طب کی رو سے مرض کی تشریح و علاج

سنن ابن ماجہ میں محمد بن سیرین سے مروی ہے انھیں انس بن مالک سے روایت پہنچی کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ عرق النساء کا علاج یہ ہے کہ اعرابی بکری کے پچھلے حصّہ کو پکا کر کھلا دیا جائے۔ پھر اس کے تین حصّے کیے جائیں۔ پھر ہر روز اس کا ایک حصّہ پیا جائے۔

عرق النساء ایک درد ہوتا ہے جو سرین کی ہڈی سے شروع ہو کر پنڈلی کی کھلی جانب سے نیچے اترتا ہے اور اکثر اوقات ٹخنے تک جا پہنچتا ہے، اور جوں جوں وقت گزرتا ہے اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ران اور ٹانگ میں کمزوری محسوس ہوتی ہے۔

اس حدیث میں لغوی اور طبی دونوں مطالب پائے جانے ہیں۔ لغوی معنی اس مرض کو عرق النساء کہنے کی دلیل ہے۔ اور یہ رک یعنی سرین کے جوڑ سے شروع ہوتی ہے۔ اور ٹخنے کے پیچھے پاؤں کے آخری حصّہ پر ختم ہوتی ہے۔ اور اس کا طبی مطلب گذر چکا ہے۔ کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام دو انواع

پر مشتمل ہے۔ ایک ازمنہ۔ اکتہ اور اشخاص و احوال پر عام حیثیت رکھتا ہے اور دوسرا ان امور میں یا ان میں سے بعض کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ اور یہ اسی نوع سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ اہل عرب اہل حجاز اور ان کے آس پاس کے لوگوں بالخصوص اعراب سے مخاطب ہوتا ہے۔ اور یہ علاج دیگر معالجات کی نسبت ان کے لئے زیادہ نافع ہے۔ کیونکہ یہ مرض پیوست کے باعث پیدا ہوتا ہے اور گاہے لزج قسم کے غلیظ مادہ سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا علاج مسہلات سے ہوتا ہے اور سرین کی ہڈی میں نفج اور تلقین کے دونوں خواص پائے جاتے ہیں۔ اور یہ مرض ان دونوں علاجوں کا محتاج ہوتا ہے۔

اعرابی بکری کا انتخاب اس وجہ سے ہے کہ اس میں فضولیات (مادہ ہائے خراب) کم پائے جاتے ہیں۔ اور اس کا جوہر لطیف ہوتا ہے۔ اور اس کی تحفیض یہ بھی ہے کہ یہ گرم جگہ کی جڑی بوٹیاں کھاتی ہے۔

اس مرض کو "عرق النساء" اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے کرب میں انسان اس درد کے سوا سب کچھ بھول جاتا ہے!

# خشکی طبع

## تعریف علاج اور تفصیلات

جامع ترمذی سنن ابن ماجہ میں حضرت اسماء بنت عمیس سے مروی ہے۔  
فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
تم کس دوا سے جلاب (تلیین) لیتی ہو؟  
انھوں نے عرض کیا: شرم سے۔

آپ نے فرمایا: یہ گرم اور تیز ہے۔ پھر فرمایا، سنا کا جلاب لیا کرو، اور فرمایا:  
اگر موت سے شفا ہوتی تو سنا ہی سے ہوتی۔

اور سنن ابن ماجہ میں ابراہیم بن ابی عیلة سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن  
حرام کو فرماتے سنا۔ اور وہ ان میں سے تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ہمراہ دو قبلوں کی جانب نماز پڑھی ہے، (فرماتے تھے) کہ میں نے جناب رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ تم پر سنا اور سنوت کا استعمال واجب ہے کیونکہ  
سام کے سوا ان میں ہر مرض کی شفا پائی جاتی ہے۔

عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول سام کیا چیز ہوتی ہے؟

آپ نے فرمایا: موت!

رہی سنا۔ تو اس میں دو لغت ہیں۔ در اور قصر کے ساتھ۔

یہ ایک جہازی بوٹی ہے۔ اور سب سے افضل مکی ہوتی ہے۔ اور یہ بہت ہی خوب قریب بہ اعتدال درجہ اول میں گرم خشک دوا ہوتی ہے۔ جو سفراء اور مواد کی مسہل ہے۔ قلب کو قوت دیتی ہے۔

اس میں بہت اعلیٰ خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ نیز سو اس سوداوی بدن میں شقاق کے مرض کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔ عضلہ کو کھولتی۔ بالوں کو فائدہ دیتی ہے۔ اور جوں درد سر مزمن خارش۔ پھنسی پھوڑے اور مرگی میں مفید ہے۔ اس کا جو شانہ پینا اسے کوٹ کر پیئے سے زیادہ فائدہ بخش ہے۔ اس کی مقدار خوراک تین درہم تک ہے اور اس کے پانی کی مقدار خوراک پانچ درہم تک ہے اور اس کے ساتھ ساتھ گل بنفشہ۔ سرخ اور کشمش کو جو شانہ میں ڈال لیا جائے تو یہ اس کی مصلح ہے رازی کہتا ہے کہ سنا اور شاہترہ اخلاط محترکہ کے مسہل ہیں۔ اور خارش و جرب کو نافع ہیں۔ اور ہر ایک میں سے چار سے سات درہم تک مقدار خوراک ہے۔ رہی سنوت۔ تو اس کے معنی میں آٹھ اقوال ہیں۔

ایک یہ شہد کا دوسرا نام ہے۔

دوسرا، یہ گھی کا گرم ہتلارب ہے۔ اور گھی پر سے سیاہ خطرہ کی شکل میں خارج ہوتا ہے۔

تیسرا، یہ کمون کی طرح جنوب ہوتے ہیں۔ اور یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔

چوتھا، یہ کمون کرمانی کا نام ہے۔

پانچواں ابو حنیفہ دنیوری نے کسی اعرابی سے نقل کیا ہے۔ کہ یہ رازد بانج ہے چھٹا یہ سونف کا نام ہے۔

ساتواں یہ کھجور کا نام ہے۔ اسے ابو بکر بن سنی حافظ نے نقل کیا ہے۔

بعض اطباء کا کہنا ہے یہ مطلب معقول اور قرین صواب بھی معلوم ہوتا ہے کہ



سنا کو گھوٹ کر اس شہد میں ملا دیا جائے۔ جس میں پہلے گھی ملا ہو۔ پھر اسے چٹا دیا جائے۔ اسے مفرد استعمال کے بجائے یہی بہتر صورت ہے۔ کیونکہ شہد اور گھی میں سنا کی اصلاح اور اسہالی قوت میں اعانت کی تاثیر پائی جاتی ہے۔

ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے بہتر علاج جو تم کرتے ہو وہ سعوط۔ لدود۔ سینکیاں لگوانا اور چلنا ہے۔ کیونکہ چلنے سے طبیعت میں مادہ خارجہ کو خارج کرنے کے لیے تلبین واسہال کی قوت آجاتی ہے۔

۱۔ ان احادیث اور طرق علاج کے سلسلہ میں دو باتیں پیش نظر رکھنا چاہئیں۔

۱۔ ان میں سے اکثر احادیث کا پایہ استناء اس معیار پر پورا نہیں اترتا جو بخاری و مسلم کا ہے، الا ماشاء اللہ۔

۲۔ جو طریق علاج آل حضرت سے قطعی طور پر ثابت ہے اس کے درست اور بجا ہونے میں شبہ نہیں، لیکن جس کی قطعیت ثابت نہ ہو اسے مقامی احوال پر محمول کیا جائے گا۔

# جسم کی پاکیزگی

تدبیر — طریقہ — علاج

صحیحین میں حضرت قتادہؓ سے حدیث مروی ہے، انھیں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اور حضرت زبیرؓ بن عوام کو غارِ ش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی۔ ایک روایت میں منقول ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اور زبیرؓ بن عوام نے ایک غزوہ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جوڑوں کے متعلق شکایت کی۔ آپؐ نے انھیں ریشم پہننے کی اجازت دی۔ اور میں نے ان کے بدن پر (ریشم) دیکھا۔

اس حدیث میں دو امور کا ذکر ہوا ہے۔ ایک فقہی اور دوسرا طبی۔ فقہی تو یہ ہے کہ عورتوں کے لئے ریشم مطلقاً مباح ہے۔ اور کسی ضرورت یا مصلحتِ راجحہ کے سوا مردوں کے لئے حرام ہے۔ حاجت یہ ہے سخت جاڑا ہو اور اس کے سوا کوئی اور لباس مہیا نہ ہو۔ نیز غارِ ش، حکمت یا کسی مرض یعنی جوڑوں کے لینے

اس کا استحصال جائز ہے۔ جیسے حضرت انسؓ کی مرضی صحیح اس پر شاہد ہے۔  
امام احمدؒ سے دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت میں اس کا جواز ملتا ہے  
اور امام شافعیؒ سے بھی دو اقوال میں سے زیادہ اصح قول میں ایسا ہی منقول ہے، کیونکہ  
اصل تو عدم تخصیص اور عدم رخصت ہے اور جب امت کے ایک حصہ پر کسی سبب  
سے اس کی رخصت ثابت ہو گئی تو یہ سبب جہاں بھی پایا جائے گا۔ عدم سبب کے  
باعث اس کا حکم بھی وہاں ضرور موجود ہوگا۔

اور امر طبی یہ ہے کہ ریشم حیوانی دواؤں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے  
بھی حیوانی ادویہ میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا مخرج ایک کڑا ہے۔ اور اس میں کئی  
ایک فوائد ہیں۔ اس کے خواص میں دل کو تقویت دینا ہے یہ مفرح بھی ہے۔ اور  
کئی امراض میں نافع ہے۔ سرمہ لگایا جائے تو مقوی بصر بھی ہے اور خام حالت میں  
بھی مستعمل ہوتا ہے۔ درجہ اول میں گرم خشک ہے۔ ایک قول کے مطابق گرم تر ہے  
اور بعض کے نزدیک معتدل ہے۔

اگر یہ بول کہا جائے کہ جب ریشم کا لباس سب سے زیادہ معتدل اور بدن کے لیے زیادہ  
موافق ہے، تو شریعت کا ملہ فاضلہ نے اسے مردوں کے لیے کیوں حرام قرار دیا؟ حالانکہ  
شریعت نے طہیات کو حلال کیا ہے اور صرف خبائث کو حرام کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہوگا کہ شریعت نے اسے اس وجہ سے حرام قرار دیا تاکہ نفوس  
اس سے رک جائیں۔ اور اللہ کی طاعت کی خاطر اسے ترک کر کے ثواب لیں، اور  
یہ ضروری چیز ہے کہ انھیں اس کا صلہ ملے۔

بعض کہتے ہیں کہ (ریشم) اصل میں عورتوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے، جیسے سونا  
ان کے لیے زیور ہے۔ اور مردوں پر عورتوں سے تشابہ کی وجہ سے حرام کر دیا گیا۔  
بعض کا قول ہے کہ اس میں فخر و غرہ پایا جاتا ہے، اس لیے حرام ہے۔

اور نسائی نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث نقل کی ہے انھوں نے نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے میری امت کی عورتوں کے لیے ریشم اور سونا حلال کیا ہے اور مردوں پر حرام کر دیا ہے ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ:  
میری امت کے مردوں پر ریشم اور سونا حرام کر دیا گیا اور عورتوں کے لیے حلال کر دیا گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے، انہوں نے بتایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حمیر اور دیباچ پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے۔

یہ ان (غیر مسلموں) کے لیے دنیا میں ہے اور تمہارے لیے آخرت میں ہوگا۔



# ذات الجنب

دوا، معالجہ، کیفیت، پرہیز

جامع ترمذی میں حضرت زید بن ارقم کی حدیث مروی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا، کہ ذات الجنب میں قسط بحری اور زیتون سے علاج کرو۔  
اطباء کے نزدیک ذات الجنب کی دو انواع ہیں۔ نوع حقیقی اور نوع غیر حقیقی۔  
نوع حقیقی میں ورم عار ہوتا ہے جو پسلیوں کے ساتھ غشاء باطنی میں ایک پہلو پر لاحق ہو جاتا ہے۔ اور غیر حقیقی میں ریاخ غلیظہ کے باعث پہلو میں نمونے کا سادرد محسوس ہوتا ہے جو پردوں میں نفوذ کرتا ہے۔  
ذات الجنب حقیقی کا مماثل درد بھی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اس قسم کے درد میں کھنچاؤ ہوتا ہے، اور حقیقی ذات الجنب میں (درد) کی حالت بہت زیادہ سخت ہوتی ہے۔  
ذات الجنب میں پانچ اعراض ضرور پائے جاتے ہیں۔ بخار۔ کھانسی، چھیننے والی درد تنگی تنفس اور نبض منشاری۔

حدیث میں جو علاج آتا ہے، وہ اس نوع کے لیے نہیں، بلکہ وہ دوسری نوع کے لیے ہے جو خلیفہ ریح کے باعث پیدا ہوتا ہے کیونکہ قسط بحری دراصل خود ہندی ہوتی ہے، جیسے دوسری احادیث میں قسط ثانی کا ذکر ہے کہ جب اسے نرمی سے کوٹا جائے اور گرم زیتون کے ساتھ ملا یا جائے اور ریح کی جگہ ملا جائے یا چٹایا جائے تو یہ اس کے لیے نافع ہوگی۔ اور مادے کو تحلیل کر کے مرض کو ہٹا دیں گی۔ نیز اعضائے باطن کو قوت دے گی اور ساروں کو کھول دے گی۔ عود مذکور میں اسی قسم کے فوائد ملتے ہیں۔

ذات الجنب حقیقی میں بھی قسط نفع بخش ہو سکتی ہے۔ اگر اس کا سبب بلغمی مارہ ہو۔ اور اس کا فائدہ انحطاط مرض کے وقت خصوصاً زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

ذات الجنب خطرناک امراض میں سے ہے۔

صحیح حدیث میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی حالت میں حضرت میمونہؓ کے گھر تشریف رکھتے تھے جب افاقرہ سا ہو جاتا، تو آپؐ باہر تشریف لا کر نماز پڑھاتے۔ اور جب تکلیف زیادہ ہو جاتی۔ تو آپؐ حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ شدت درد کے باعث تکلیف زیادہ ہوتی۔

چنانچہ آپؐ کے پاس ازواج مطہراتؓ حاضر ہوئیں اور آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور ام فضلؓ بنت حریث اور اسماءؓ بنت عمیس بھی حاضر ہوئیں انھوں نے لہو دینے کا مشورہ کر کے وہ دوا دے دی، اس وقت آپؐ بیہوشی کے عالم میں تھے۔ جب آپؐ کو افاقرہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

یہ یہ کام کس نے کیا ہے؟

یہ ان عورتوں کا کام ہے جو وہاں سے آئی ہیں آپؐ نے ارض حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ نے یہ دوا دی تھی۔ انھوں نے عرض کیا کہ

اللہ کے رسول ہمیں خیال تھا کہ شاید آپ کو ذات الجنب ہو گیا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا، یہ دوا کس چیز پر مشتمل تھی؟ انھوں نے عرض کیا، عود ہندی، کچھ کسنبہ اور زیتون کے دو قطروں کے ساتھ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھ پر یہ مرض وارد نہ کرے گا۔ تم میں سے کوئی بھی دوا دینے والا میرے چچا عباسؓ کے سوا اس کمرہ میں نہ رہے۔

---

# دردِ سر اور دردِ شقیقہ

کیفیت، اسباب، علامات، علاج

سنن ابن ماجہ میں حدیث منقول ہے، جس کی صحت مختلف فیہ ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دردِ سر ہوتا تو آپ مہندی لگاتے اور فرماتے کہ اللہ کے اذان سے یہ صداع (دردِ سر) میں مفید ہے۔  
صداع ایک ایسا مرض ہے کہ جس سے سر کے بعض حصوں یا سارے سر میں درد ہو جاتا ہے۔

اور جو دردِ سر کے ایک ہی حصہ میں قائم ہو جائے اسے شقیقہ کہا جاتا ہے اور اگر سارے سر میں پھیل جائے تو اسے بیضہ اور خودہ کا نام دیا ہے کیونکہ اس کی (خود) سے مشابہت ہوتی ہے جو جنگ کے موقع پر پہنا جاتا ہے۔  
گاہے گاہے سر کے پچھلے یا اگلے حصہ میں بھی درد ہوتا ہے، اس کی کئی اقسام ہیں اور اس کے اسباب بھی مختلف ہوتے ہیں۔

ایک تو اخلاطِ اربعہ میں سے کسی خلط کا غالب آجانا، یہ چار اسباب ہوئے۔  
پانچواں معدہ میں پھوڑوں کی وجہ سے کہ سر بھی اس درم سے متاثر ہو کر دردناک



ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سر سے نیچے معدہ کی طرف جانے والے عصب آپس میں متصل ہیں  
چھٹا معدہ میں غلیظ ریح کے باعث کہ وہ سر کی جانب صعود کر کے موجب صداع  
ہوتی ہے۔

ساتواں عروق معدہ میں ورم کے باعث کہ معدہ کے اتصال کی وجہ سے سر میں  
بھی درد ظاہر ہو جاتا ہے۔

آٹھواں استقراغ اور تھکے کے بعد بیہوشت یا معدہ سے بخارات چڑھنے کے  
سبب سے سرد دل لاحق ہو جاتا ہے

نواں شدت حرارت یا گرم ہوا کے باعث سر میں درد ہونے لگتا ہے۔  
دسواں اعراض نفسانیہ، مثلاً غم، حزن و ملال، وساوس و افکار کے باعث درد سر  
ہو جاتا ہے۔

گیارہواں دماغ کے پردہ میں ورم آجانے سے درد ہونے لگتا ہے، اس  
صورت میں مریض سمجھتا ہے کہ اس کے سر پر مٹھوڑے مارے جا رہے ہیں۔

بارہواں، بخار میں شدت حرارت کے باعث سر میں درد لاحق ہو جائے واللہ اعلم  
شقیقہ کا سبب وہ مادہ ہوتا ہے جو سر کی شریانوں میں واقع ہوتی ہے یا ان کے اندر  
باہر سے آجاتا ہے۔ اس طرح جو حصہ مرکز درد ہوتا ہے وہ اس سے متاثر ہو جاتا ہے

ابو نعیم نے کتاب الطب النبوی میں اس نوع کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس  
نوع کا درد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو جاتا، تو ایک یا دو روز ٹھہرتا۔ اس میں حضرت  
ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے  
خطبہ دیا اور آپ کے سر پر پٹی بندھی تھی، اور صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے مرض

وفات میں فرمایا:

اُفت درد سر!

اور مرض کی حالت میں آپ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ اور درد شقیقہ اور سر کے  
دو سرے دردوں میں سر پر پٹی باندھنا بہت ہی فائدہ بخش ہے۔

اس کا علاج اس اختلافِ انواع و اسباب کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔ بعض میں استقراغ سے علاج کرنا پڑتا ہے اور بعض میں غذا سے صحت ہو جاتی ہے۔ اور بعض حالت میں سکون و خاموشی سے آرام آجاتا ہے۔ بعض میں ضما د لگانے بعض میں تبرید اور بعض حالتوں کے اندر حرارت پہنچانے سے آرام آتا ہے۔ بعض صورتوں میں حرکات اور آوازوں کے سننے سے پرہیز کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس بحث سے خود ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ دردِ سر کے اندر مہندی سے علاج کرنا ایک جزوی علاج ہے، کھلی نہیں بلکہ صرف ایک ہی نوع کے لیے مفید ہے کیونکہ جب دردِ سر حرارتِ مزیدہ سے ہوگا، اور کوئی ایسا مادہ بھی نہ ہو کہ جس کا استقراغ ضروری ہو تو اس صورت میں مہندی بتین فائدہ دے گی۔ اسے کوٹ کر سر کے میں ملا کر پیشانی پر ضما د کرنے سے دردِ سر میں افاقہ ہوگا۔

امام بخاریؒ نے تاریخ بخاری میں بتایا ہے اور سنن ابی داؤد میں بھی روایت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب بھی دردِ سر کی شکایت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا، سینکیاں لگواؤ، اور جب بھی کسی نے پاؤں کے درد کی شکایت پیش کی، تو فرمایا، مہندی لگاؤ۔

جامع ترمذیؒ میں سلمیٰ ام رافعہؓ خادمہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی مچھوڑا پھنسی ہوتا یا کانٹا چبھ جاتا تو آپؐ اس پر مہندی لگاتے۔

# حناء (مہندی)

## فوائد، طریق استعمال، اثرات

مہندی درجہ اول میں سرد، درجہ دوم میں خشک ہے، اس کے فوائد یہ ہیں کہ محلل ہے اور آگ سے جلنے میں نافع ہے۔ نیز اس کو اگر عصب پر (پٹھوں پر) ضما د کیا جائے تو مقوی اعصاب بھی ہے اور قروح (زخم)، فم اور سلاق (مسوڑھوں کے زخم)، مرض میں اس کا چبانا فائدہ بخش ہے، بچوں کے قلاع (منہ آجانا) کے مرض کو فائدہ دیتی ہے اس کا ضما د کرنا ورم حار کو نافع ہے۔ زخموں میں اس کی تاثیر دم الاخوین سے مشابہ ہے اور جب اسے موم مصفیٰ اور روغن کلاب میں آمیز کر دیا جائے۔ تو یہ پسلی کے درد میں فائدہ دیتی ہے۔ نیز جب بچے میں جدری (چھپک) کا مرض ظاہر ہو۔ تو اس کو پاؤں کے تلوؤں پر لگانے سے اس کی آنکھوں میں کوئی دانہ نہیں نکلتا اور آنکھیں محفوظ رہتی ہیں۔ اور یہ محرب ہے اور جب اس کا سفوف کپڑوں کی تھوں میں ڈال دیا جائے تو ان میں خوشبو پیدا کرتی ہے، نیز جون سے حفاظت کرتی ہے۔ اور جب اس کے پتوں کو آب شیریں میں رکھا جائے۔ پھر نچوڑ لیا جائے اور یہ مصفا پانی چالیس روز تک روزانہ بیس درہم کی مقدار میں دس درہم

شکر ملا کر پیاجائے اور ساتھ ہی مریض کو چھوٹی بھٹیٹر کا گوشت کھلایا جائے، تو جذام کی ابتدائی حالت میں حد درجہ عجیب اور اثر انگیز طور پر نفع بخش ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک آدمی کی انگلیوں کے ناخن پھٹ گئے اور اس نے امکان بھر ہر طرح کا علاج کیا، مگر لا حاصل، آخر ایک عورت نے اسے بتایا کہ وہ دس روز تک مہندی کا پانی پیے۔ اس نے طریق مذکورہ پر پانی پیا، اور صحت یاب ہو گیا۔ اور اس کے ناخن دوبارہ صحت مند ہو گئے۔

مہندی بالوں کو آگاتی، انہیں قوت و حسن دیتی اور سر کو قوت دیتی اور پنڈلیوں سے ٹانگوں اور تمام پھوڑے بھنسی سے محفوظ رکھتی ہے۔

۱۰ مہندی کے فوائد طب جدید نے یعنی ڈاکٹروں نے بھی تسلیم کیے ہیں اور کوئی شبہ نہیں یہ فوائد بے شمار ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ان طبی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے جن میں اشیائے مقررہ کے خواص تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔



# علاج اور تیمارداری

## دورانِ علالت مریضوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟

جامع ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ میں حضرت عقبہ بن عامرؓ جہنی سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو۔ کیونکہ اللہ عزوجل انہیں کھلاتا اور پالتا ہے۔

بعض فاضل اطباء کا قول یہ ہے کہ رسالتِ آب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہر امر مبنی بر مصلحت ہے، خصوصاً اطباء کے لیے اور ان کے لیے جو معاملات کے پیشہ سے متعلق ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مریض جب کھانا یا پینا پھوسا دیتا ہے تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ یا تو طبیعت مرض کو دفع کرنے میں مصروف ہوتی ہے۔ یا خواہش کی کمی یا اس کا یکسر فقدان اس کا موجب ہوتا ہے کیونکہ حرارتِ غریزہ ضعیف ہوتی، یا قریب قریب سرد ہو جاتی ہے۔ بہر حال جو بھی حالت ہو، اس حالت میں مریض کو کھانا دینا مناسب نہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ بھوک کا مطلب یہ ہے کہ اعضائے بدن بدل مایہ تھل کے

باعث غذا کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اس طرح غذا کی خواہش (بھوک) ہوتی ہے اور اگر مرض موجود ہو تو طبیعت دفع مرض اور مادہ مرض کے نفج و اخراج میں پوری سرگرمی دکھانے لگتی ہے۔ اس لیے طلب غذا، اور پانی سے رک جاتی ہے۔ اب اگر مریض کو کھانے پر مجبور کیا جائے تو طبیعت کے فعل (شانی) میں تعطل واقع ہو جائے گا۔ اور اسے ہضم کرنے میں مصروف ہو جانا پڑے گا۔ اس طرح مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ لاحق ہوگا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ گاہے گاہے مریض کو کھانے اور پینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ معاملہ ان امراض میں ہوتا ہے جہاں عقل بھی مختل ہو چکی ہو۔ اس بنا پر یہ حدیث عام، مخصوص، یا مطلق، ہوگی، جس کی تقید دلیل اور معنی دونوں سے ثابت ہے، یعنی حدیث کا مطلب یہ ہوگا، کہ مریض کچھ عرصہ تک غذا کے بغیر بھی گزار سکتا ہے اور تندرست آدمی اس طرح گزار نہیں کر سکتا۔ اور مریض کا اللہ کی جانب سے تغذیہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اطباء نے تغذیہ بالدم کا ذکر کیا ہے۔ اور بہ نصرت اللہ عز و جل کے سامنے اس کے ضعف و عجز کے مطابق ہوتی ہے جب اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور پروردگار کی رحمت اس کے قریب ہوتی ہے اب اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہوگا تو اسے اغذیہ قلبی مرحمت ہوں گی، جن سے اس کی طبیعت کو قوت اور انبساط کی نعمت حاصل ہوگی۔ اس طرح اسے بدنی اغذیہ کی نسبت زیادہ فرحت حاصل ہوگی اور جس قدر اس کا ایمان قوی ہوگا اسے اپنے پروردگار سے محبت ہوگا اور انس و فرحت کی نعمت سے بہرہ ور ہوگا، اور اپنے رب پر یقین اس کی رضا و لقاء کا شوق و ذوق قوی رکھتا ہوگا۔ اسی قدر اپنے طب میں اس درجہ قوت محسوس کرے گا کہ اس کی تعبیر دشوار ہے۔ اور اطباء اسے محسوس کرنے اور اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں ناکام ہیں۔

جس کی طبیعت غلیظ ہو۔ اور وہ قوت ایمان اور تصدیق قلبی کے اوراق سے جاہل ہو وہ اس راز کو کسی طرح نہیں سمجھ سکتا۔ ان عشاق کے حالات پر غور کیجیے

جو اپنے محبوب کی صورت یا جاہ یا مال یا علم پر فریقہ ہوتے ہیں، عوام اس سلسلہ میں مختلف عجائبات دیکھتے ہی رہتے ہیں۔

اور صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ کئی کئی روز تک صیام وصال رکھتے۔ اور اپنے صحابہؓ کو اس سے منع فرماتے، اور فرمایا کرتے کہ میری حالت تم جیسی نہیں۔ کیونکہ مجھے تو میرا پروردگار کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ کھانا اور پینا حرام انسانوں کا کھانا اور پینا نہ تھا ورنہ صوم وصال قائم ہی نہ رہتا۔ اور سارا امتیاز ہی ختم ہو جاتا۔ بلکہ آپؐ صائم (روزہ دار) ہی شمار نہ ہوتے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے: میرا پروردگار مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور آپؐ نے اپنے اور صحابہؓ کے درمیان صوم وصال سے فرق فرمایا ہے۔ آپؐ ایسے امور پر قادر تھے جن پر صحابہؓ کو قدرت حاصل نہ تھی۔ اور اگر آپؐ باقاعدہ منہ سے (مادی طور پر) کھانا کھاتے اور پانی پیتے۔ تو آپؐ یہ نہ فرماتے کہ ”میری حالت تمہاری طرح نہیں!“

---

لے اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپؐ کی غیر معمولی قوت برداشت عطا ئے الہی کا کمرہ شمع تھی جس سے ہر شخص بہرہ ور نہیں ہو سکتا، اسی لیے آپؐ نے اندھا دھند لوگوں کو ایسی خیر کے مظاہرہ سے منع فرمایا ہے۔

# پھوڑے پھنسی

علاج — احتیاط — ادویہ

صحیحین میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ”بہترین دوا جس سے تم علاج کرتے ہو، وہ سینکیاں لگوانا اور قسط بحری ہے اور اپنے بچوں کو عذرہ میں نشتر سے چھیر کر عذاب نہ دو۔ سنن اور مسند میں انہی سے حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث منقول ہے۔ انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے ان کے پاس ایک بچہ تھا جس کے نتھنوں سے خون بہہ رہا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کیا بات ہے؟

عرض کیا گیا۔ اسے عذرہ کی تکلیف ہے یا اس کے سر میں درد ہے۔ آپ نے فرمایا: کتنے نا سمجھ ہو، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ جس عورت کے کسی بچہ کو عذرہ کا مرض ہو جائے یا اس کے سر میں درد ہو۔ تو وہ قسط مہندی لے۔ اور اسے پان میں رگڑ لے۔ پھر اسے سعوط (ناک میں چڑھائے) کہ اے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہ نے اسے یہی حکم دیا۔ چنانچہ بچے کا اسی طرح علاج کیا۔ اور وہ صحت یاب ہوا۔



کہتے ہیں کہ عذرہ ایک پھوڑا ہوتا ہے کہ جو کان اور حلق کے درمیان نکلتا ہے اس کی وجہ سے حلق میں خون جوش مارنے لگتا ہے۔ اور یہ مرض اکثر بچوں کو لاحق ہوتا ہے۔ رہا پانی میں رگڑی ہوئی قسط سے اس کا نافع ہونا اس کی وجہ یہ ہے کہ عذرہ کا مادہ خون ہوتا ہے جس پر بلغم غالب آجاتا ہے اور قسط مجفف ہوتی ہے لہذا کو سخت کر کے اور پھاڑ دیتی ہے۔ گاہے گاہے اس کا خوب فائدہ ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی اس میں گرم دوائیں براہ راست اور کبھی بالعرض فائد بخش ہوتی ہیں۔ اور صاحب قانون نے بھی سقوط لہا (حلق کا کوڑا گر جانا) اس علاج تحریر کیا ہے قسط کو شب بيمانی اور دانہ مرو کے ساتھ ملا کر استعمال کرایا جا۔ اور حدیث میں جس قسط بحری کا ذکر کیا ہے۔ وہ عود ہندی ہے، اور اس کی سفید قسم شیریں ہوتی ہے۔ اس کے فوائد بھی زیادہ ہیں۔ اور عرب لوگ اپنے بچوں کا علاج کوڑے کے اپریشن اور علاق کے ذریعہ کرتے ہیں۔ اور علاق ایک ایسی چیز ہے کہ جسے وہ بچوں پر لٹکا دیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کام سے منع فرمایا۔ اور بچوں کے لیے زیادہ فائدہ بخش اور سہل تر نسخہ بتا دیا۔

# قلبی بیماریاں

## کھجوروں کے فوائد، منافع اور خواص

سنن ابی داؤد میں حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے انہیں حضرت سعیدؒ سے روایت پہنچی فرمایا کہ میں بیمار ہو گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی۔

آپؐ نے فرمایا: تجھے دل کا مرض ہے۔ اس لیے حرث بن کلدہ کے پاس جاؤ۔ جو بنو ثقیف میں سے ہے۔ اور علاج کراتا ہے، اسے چاہیے کہ مدینہ کی سات عجمہ لکھجوریں لے اور ان کی گھٹلیاں نکالے اور وہ تجھے دے۔

اور اس مرض میں کھجور ایک عجیب خاصیت رکھتی ہے، خصوصاً مدینہ کے کھجوروں میں اور بالخصوص کھجوروں کی نوع عجمہ میں تو یہ صفت بدرجہ تام ہوتی ہے، اور اس کی تعداد سات تک ہونا یہ وحی سے متعلق ہے۔

اور صحیحین میں حضرت عامر بن سعد ابی وقاصؒ سے مروی ہے۔ انہیں اپنے والد سے روایت پہنچی، انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو صبح کو ان میں سے سات کھجوریں کھالے۔ اسے اس روز کوئی زہر یا جادو نقصان نہ دے گا۔

کھجور دوسرے درجہ میں گرم اور درجہ اول خشک ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ اس میں رطوبت بھی پائی جاتی ہے۔ ایک قول کے مطابق معتدل ہے۔

کھجور میں صحت کی حفاظت کے لیے فاضل غذا پائی جاتی ہے۔ خصوصاً ان کے لیے (زیادہ مفید ہے) جو اسے اپنی غذا کا جزو بنا چکے ہیں، جیسے اہل مدینہ وغیرہ۔ اور تمام سرد ممالک یا ان گرم ممالک میں جہاں دوسرے درجہ کی گرمی پڑتی ہے یہ ایک عمدہ غذا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر اہل حجاز اور یمن اور طائف کے لوگ یا ان کے مشابہ آب و ہوا کے رہنے والے ایسی گرم غذائیں کھانے کے عادی ہیں جیسے کھجور، شہد وغیرہ۔

نیز ہم نے دیکھا ہے کہ وہ کھانوں میں مرچیں اور زنجیل دوسروں کی نسبت دس گنا زیادہ ڈالتے ہیں اور دوسروں کے مقابلہ میں زنجیل (سونٹھ) کو اس طرح کھاتے ہیں۔ جیسے حلوہ ہو۔ اور اہل مدینہ کے لیے کھجور گیموں کے قائم مقام ہے یہی ان کی قوت، اور اناج ہے۔

تمر عالیہ کھجور کی تمام اقسام سے زیادہ بہترین ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ جسم کو قوی کرتی ہے لذیذ اور حدر درجہ شیریں ہوتی ہے۔

کھجور غذا ہے اور دوا بھی ہے اور پھل بھی، یہ ہر جنس میں داخل ہے۔ اکثر لوگوں کو یہ مفید ثابت ہوتی ہے، یہ حرارتِ عزیز کو قوت دیتی ہے، دوسری غذا، دس اور پھلوں کے مقابلہ میں اس سے بہت کم فضلاتِ رویہ پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ جس کے بدن میں تعفن و فساد اخلاط اکثر ہو جاتا ہو۔ اس کی اصلاح کرتی ہے۔

سات کے عدد اور اس کے خواص | یہی سات عدد کی خاصیت۔ تو قدرہ۔  
شرع ہر لحاظ سے یہ درست ہے۔ کیونکہ

اللہ عزوجل نے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرمائیں۔ ایام سات ہیں۔ اور انسان کا خلق سات اطوار میں ہوا۔ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں بھی سات تکبیریں ہوتی ہیں، اور اسی روز کے ستر ہزار آدمی بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

الغرض سات کے عدد میں ایسے خواص ملتے ہیں جو دوسرے اعداد میں نہیں پائے جاتے۔ اور اطباء کو بھی لفظ سات کے ساتھ مخصوص قسم کا تعلق خاطر ہوتا ہے بقراط نے کہا ہے کہ اس عالم میں ہر چیز سات اجزاء پر مقدر ہے۔ نجوم سات ہیں ایام سات ہیں لوگوں کی عمریں سات حصص میں منقسم ہیں۔

۱۔ پہلی طفلی سے سات برس تک۔

۲۔ پھر صبی سے چودہ برس۔

۳۔ پھر مراحق۔

۴۔ پھر شباب (نوجوان)۔

۵۔ پھر کہولت اور طیر عمری۔

۶۔ پھر شیخ (بوڑھا)۔

۷۔ پھر آخری عمر تک (بہت زیادہ بوڑھا)۔

اور اللہ تعالیٰ اس عدد کی تخصیص کے سبب میں اپنی حکمت و شرع سے خوب واقف ہے۔ کہ یہ اسی مطلب کے لیے ہے۔ یا کسی اور مطلب کے لیے! اگر بقراط اور جالینوس یا دوسرا کوئی طبیب اس علاقہ میں اس شہر میں اس عدد کے متعلق بتا دیتا۔ کہ کھجوروں کی یہ تعداد سحر (جادو) اور نہ ہر خورانی میں نافع ہے تو اطباء فوراً پورے یقین و ایمان کے ساتھ قبول کر لیتے، حالانکہ (اطباء) کے لیے مغالطہ کا احتمال بھی ہو سکتا ہے۔

کیونکہ ان کا قول محض ظنی اور تخمینی ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ کلام یقینی قطعی بہرہانی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ وحی پر مبنی ہوتا ہے اور وحی کو



قبول کرنا و تسلیم کرنا اور اس پر اعتراض نہ کرنا زیادہ اونی اور لائق ہے۔ اور تمام ادویہ کبھی تو کیفیت کے اعتبار سے اثر کرتی ہیں۔ اور کبھی خاصیت کے لحاظ سے جیسے کئی قسم کے اجمار اور جواہر اور یا قوت وغیرہ۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ تمرند کوہ کا اثر زہر کی بعض افواء پر ہو۔ تو اس صورت میں حدیث عام مخصوص ہوگی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا اثر اس شہر یا اس زمین کی خصوصیات کے سبب سے ہو اور ہر قسم کے زہر پر شفا بخش اثر رکھتی ہو۔ لیکن اس موقع پر ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ مریض کی شفاء دوا کرنے اور اس کے نافع ہونے کا اعتقاد رکھنے پر منحصر ہے۔ کیونکہ طبیعت جب پورے اطمینان سے دوا قبول کرے گی۔ تو وہ دفع مرض میں مدد دے گی۔

حتیٰ کہ کئی امراض محض اعتقاد اور حسن سلوک سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور لوگوں نے اس سلسلہ میں کئی عجیب عجیب واقعات دیکھے ہیں۔ اور دوا و شفا میں جس چیز کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

نیز قلوب و ابدان حتیٰ کہ معاشی و معاد و دنیا و آخرت ہر جگہ اس کا اثر لازمی ہوتا ہے۔

وہ قرآن ہے۔

قرآن ہر مرض کی شفا ہے۔ لیکن ان قلوب پر آخر وہ کیوں شفا بخش اثر نہیں کرتا کہ جنہیں اس پر اعتقاد ہی نہیں۔ اور اس کی نافع حیثیت کے قائل ہی نہیں بلکہ ان کے مرض میں اضافہ ہی کرتا ہے۔

حالانکہ امراض قلب کے لیے قرآن سے زیادہ شفا بخش کوئی نسخہ نہیں اس کی شفا بھی کامل اور اکمل ہوتی ہے۔ یہ کسی قسم کا مرض رہنے نہیں دیتا اور پھر صحت کی خوب حفاظت کرتا ہے اور ہر آفت اور مرض سے بچاتا ہے۔ اس کے باوجود اکثر قلوب کا اس سے اعراض اور اس پر پختہ اعتقاد نہ ہوتا۔ اور اس

کا عدم استعمال۔ اور اس کی بجائے ان ادویہ کے پیچھے پھینا۔ جو اس کے ہم جنسوں (آدمیوں) کی ایجاد ہیں۔ (اسی خرابی کے باعث) ہی ان کے اور شفا کے درمیان پردہ آجاتا ہے۔

چنانچہ امراض و تکالیف غالب آجاتی ہیں اور قلوب میں امراض مزمنہ لاحق ہو جاتے ہیں۔ مرض بڑھتے جاتے ہیں۔ اور اطباء اپنے ہم جنسوں کے علاج سے عاجز آجاتے ہیں۔ اور حالت یہ ہو جاتی ہے کہ مرض میں برابر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

---

# ضرر اعذیہ کے دفعیہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

پہل اور ان کی اصلاح جس سے ان کی مضرت دور ہو جائے اور ان کا نفع پورا پورا حاصل ہو اسی سلسلہ میں صحیحین میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی حدیث مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تر کھجور کے ساتھ لکڑی کھاتے دیکھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ موٹا ہونے کے لیے مجھے ہر چیز دی گئی۔ لیکن میں فرزند ہوئی۔ آخر مجھے لکڑی اور تر کھجور دی گئی، جس سے میرے بدن پر موٹاپا آ گیا۔ غرض ہر کا گرم سے اور گرم کا سرد سے اور خشک کا تر سے اور تر کا خشک سے ضرر دفع کیا جا سکتا ہے اور ایک دوسرے کی ترکیب سے اعتدال کرنا یہ معالجات اور حفظانِ صحت کا ایک عمدہ طریقہ ہے، اس کی مثال پچھلے ابواب میں سنا اور سنوت کی ترکیب میں گذر چکی ہے۔ اور سنوت ایسے شہد کو کہتے ہیں جس میں اصلاح کے لیے گھی ملا دیا ہو تاکہ اس سے سنا کی اصلاح اور تعدیل ہو سکے۔ پس اس ذات پر اللہ کا صلوة و سلام ہو جسے قلوب و ابدان کے علاج اور مصالح دُنیا و آخرت کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا۔

# پرہیز اور احتیاط

## پرہیز کے اقسام اور ان کے اثرات و نتائج

علاج دراصل پرہیز اور حفظ صحت کا نام ہے۔ اور جب کسی طرح کی گڑ بڑ ہو جاتی ہے تو مناسب استفراغ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ ایسے ہی قواعد پر تمام طب کا مدار ہے۔ پرہیز کے دو اقسام ہیں۔

- ۱۔ ایک مرض پیدا کرنے والی بات سے پرہیز۔
- ۲۔ اور دوسرے اس بات سے پرہیز جو مرض میں اضافہ کا سبب بن سکتی ہے۔ پہلا پرہیز تندرست لوگوں کے لیے ہے۔ اور دوسرا مریضوں کے لیے۔ چنانچہ مریض جب پرہیز شروع کر دیتا ہے تو اس کا مرض زیادہ بڑھنے سے رک جاتا ہے۔ اور دفع مرض میں (طبیعت) کو قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور پرہیز میں اللہ کا فرمان ہے  
 وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَهَسْتُمُ الْمَنِيَّ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا  
 یعنی اور اگر ہو تم مریض یا سفر پر یا آئے تم میں سے کوئی پاخانہ سے یا چھو نا تم عورتوں کو اور نہ پاؤ پانی تو تیمم کرو پاکیزہ مٹی سے۔



چنانچہ اس میں مریض کے لیے پانی کے استعمال سے پرہیز کا حکم ہے۔ کیونکہ اس حالت میں پانی اسے ضرر دے گا۔

اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت ام مائدہ بنت قیس انصاریہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا، ان کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے اور مرض کی وجہ سے حضرت علیؓ کمزور ہو چکے تھے۔ ہمارے یہاں دوال (سیاہ انگور) ٹٹک رہے تھے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اس میں سے کھانے لگے؛ اور حضرت علیؓ بھی اٹھے وہ بھی کھانے لگے۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: تم کمزور ہو۔ انھوں نے ہاتھ روک لیا۔

فرماتی ہیں کہ میں نے جو اور شہد کو آمیز کیا۔ میں اسے لے کر حاضر ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ زیادہ درست ہے۔ کیونکہ یہ تمہارے لیے نافع ہوگا ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ یہ زیادہ درست ہے یہ تمہارے زیادہ موافق ہوگا۔

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت صہیبؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے سامنے روٹی اور کھجور تھی آپ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ اور کھاؤ۔ میں نے کھجور لی اور کھانے لگا۔

آپ نے فرمایا: تم کھجور کھاتے ہو حالانکہ تمہیں آشوب (چشم) ہے۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں دوسری جانب سے کھا رہا ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا؛

# علاج اور پرہیز سے متعلق

## معلومات ضروریہ اور نافعہ

جن سے مریض اور تندرست کو ضروری طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔ جب اس کی خواہش ہو اور طبیعت کا اس طرف میلان ہو۔ اس وقت اگر اس قدر کھالے۔ جس کو ہضم کرنے سے طبیعت عاجز نہ آجائے تو اس میں کوئی ضرر نہ ہوگا۔ بلکہ اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہوگا۔ کیونکہ طبیعت اور معدہ (استقر خوراک) کو خواہش سے قبول کرتے ہیں۔ اس لیے ضرر سے تحفظ ہو جاتا ہے، اور گاہے گاہے باوجود طبیعت کی کراہت کے غذا کا کھانا نافع ہوتا ہے۔ اسی باعث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیبؓ کو تھوڑی سی کھجوریں کھالینے سے منع نہیں فرمایا۔ کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ قلیل مقدار میں کوئی مفرت نہیں۔

اسی طرح حضرت علیؓ کے متعلق مروی ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت علیؓ آئے۔ انہیں آشوب چشم تھا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھجوریں تھیں۔ جنہیں آپؐ کھا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: اے علیؓ کھاؤ گے؟ یہ کہہ کر ایک کھجوران کی طرف پھینکی۔ پھر دوسری اس طرح سات کھجوریں مرحمت فرمائیں پھر فرمایا! اے علیؓ اسی قدر کافی ہیں۔

نیز اسی طرح سنن ابن ماجہ میں حضرت عکرمہؓ کی حدیث منقول ہے جو انہیں حضرت ابن عباسؓ سے ملی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کی عیادت فرمائی اور اس سے دریافت فرمایا تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کیا: میں گندم کی روٹی چاہتا ہوں۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ میں پراٹھا چاہتا ہوں؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس گندم کی روٹی ہو اسے چاہیے کہ اپنے بھائی کے پاس بھیجے۔ پھر فرمایا: جب مریض کسی چیز کی خواہش کرے تو اسے کھلا دو۔

اس حدیث میں ایک لطیف طبی راز ہے۔ کیونکہ مریض طبعی اور سچی بھوک کے ساتھ جو چیز بھی کھائے گا۔ اس کا ضرر بھی نفع میں بدل جائے گا۔ اور اگر بغیر اشتہا کے کھائے گا تو اس کا نفع بھی ضرر بن جائے گا۔ کیونکہ جوع صادق کی وجہ سے طبیعت ضرر کو از خود دور کر دیتی ہے۔

---

# آشوب چشم

سکون، ترک حرکت اور پرہیز

اس سے قبل گزر چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیبؓ کو کھجوروں کے استعمال سے منع فرما دیا۔ جب انہیں آشوب چشم کی تکلیف تھی۔ نیز آشوب کی حالت میں حضرت علیؓ کو تر کھجوروں سے منع فرما دیا۔ اور ابو نعیم نے کتاب الطب النبوی میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے جسے بھی آشوب چشم کی تکلیف ہوتی۔ آپ ان کے پاس تشریف نہ لاتے حتیٰ کہ وہ صحتیاب ہو جاتیں۔ آشوب ایک گرم ورم ہوتا ہے۔ جو آنکھ کے طبقہ ملتحمہ میں لاحق ہو جاتا ہے۔ یہ اوپر کا سفید حصہ ہوتا ہے۔ اس کا سبب اخلاط اربعہ میں سے کسی خلط کا گزرا یا سر اور بدن میں کثیر مقدار میں گرم ریح کا آنا ہے۔ جس میں سے ایک حصہ آنکھ کے پردہ کی طرف جاتا ہے یا آنکھ پر تیز دھوپ پڑ جانے سے یہ مرض لاحق ہوتا ہے، اس طرح طبیعت (دفعہ مرض کے لیے) اس طرف خون کی ایک کثیر مقدار بھیجتی ہے۔ تاکہ مرض کو ہٹانے میں اس سے مدد لی جاسکے اسی باعث عضو ماؤں میں ورم آ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی بیوی حضرت زینبؓ سے فرمایا، جب ان کی



آنکھوں میں آشوب تھا۔ اگر تم اس طرح کرو۔ جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ تو پھر تم بہت جلد صحتیاب ہو جاؤ گی، اپنی آنکھوں پر پانی ڈالو، اور یہ دعا پڑھو۔

اذهب الیاس رب الناس اشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءک  
شفالا یفادر سقما۔

یعنی: ”تکلیف ہٹا اے لوگوں کے پروردگار شفا عطا فرما۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کہیں سے شفا نہیں۔ (ایسی شفا دینے) کہ کوئی تکلیف نہ رہے۔“  
کئی بار گزر چکا ہے کہ یہ مرض اور بعض آنکھوں کے درد بعض ممالک سے مختصر ہیں اس لیے کلام نبوت کے حصہ جنہی خاص کو عام کہی نہ بنایا جائے۔ نہ کلی عام کو جنہی خاص بنانا جائز ہے۔ کیونکہ اس سے غلط اور خلاف واقعہ نتائج نکلتے ہیں!

# سُن ہو جانے کا علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تدبیر

ابو عبید نے ایک غریب حدیث میں حضرت ابی عثمان ہندی سے روایت کیا ہے کہ ایک گروہ ایک درخت کے پاس سے گذرا۔ ان لوگوں نے اس میں کچھ کھایا انھیں ایسا محسوس ہوا کہ ہوا آئی اور پھر منجمد ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نشان میں پانی ٹھنڈا کر کے ان لوگوں پر دو اذانوں کے درمیان ڈال دو۔ آپ کا فرمان کہ ”دو اذانوں کے درمیان“ تو اس کا مطلب صبح کی اذان اور اقامت کے درمیان ہے۔ آپ نے اقامت کو اذان فرمایا۔

بعض اطباء کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمایا ہوا علاج تمام معالجات سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ مرض اکثر و بیشتر حجاز میں ہوتا ہے جو گرم خشک علاقہ ہے۔ (چنانچہ ضد سے اس کا علاج کیا گیا) اور اگر سقراط و جالینوس وغیرہ یہ علاج بتاتے تو اطباء سر نیاز خم کر دیتے اور ان کے کمال معرفت پر انگشت بدنداں رہ جاتے۔

۱۰ یعنی سُن ہو گئے۔

# مکھی

جس کے ایک پر میں زہر ہے دوسرے میں شفا

اور آپ کا ارشاد ہے کہ زہروں کے مضرات کو بالضرہ دو یہ سے دور کرو۔  
صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے دو۔ کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے، اور دوسرے میں شفا۔

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مکھی کے ایک پر میں زہر ہوتا ہے اور دوسرے میں شفاء ہوتی ہے۔ اس لیے جب وہ کھانے میں گر جائے تو اسے غوطہ دے دو۔ کیونکہ وہ زہر (والا پر) پہلے ڈبوئی ہے۔ اور شفاء والا موخر رکھتی ہے۔

اس حدیث میں دو احکام ہیں، ایک فقہی حکم اور ایک طبی حکم۔  
فقہی حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پانی یا سیال چیز میں مکھی گر کر مر جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا جمہور علماء کا یہی قول ہے اور سلف میں اس کے خلاف معلوم نہیں۔ خصوصاً اگر کھانا گرم ہو۔ کیونکہ اگر کھانا نجس ہو جاتا تو آپ کھانے کے

خراب ہونے کی خبر دیتے، اس کے بجائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اصلاح کا حکم فرمایا ہے۔ پھر اس حکم کو ہر اس حیوان پر لگایا گیا کہ جس میں دم سائلہ (بہنے والا خون) نہ ہو، جیسے شہد کی مکھی۔ بھڑ۔ مکڑی وغیرہ کیونکہ عموم علت کے باعث حکم میں بھی عمومیت آجاتی ہے اور سبب کی نفی سے حکم بھی منتفی ہو جاتا ہے۔

اور طبی مطلب یہ ہے کہ ابو عبید نے فرمایا: ۱ مقلوۃ کا مطلب ہے کہ اسے ڈبو دو تاکہ اس کی شفاء بھی باہر آجائے، جیسے مریض باہر آیا تھا۔

یاد رکھنا چاہیے، مکھی میں ایسا نہ ہر بلا مادہ ہوتا ہے جس کے پھیلنے سے خارش اور ورم لاحق ہو جاتا ہے، یہ اس کا ہتھیار ہے، اس لیے جب وہ کسی کو ایزادینا چاہتی ہے تو اس ہتھیار سے کام لیتی ہے۔ اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس زہر کا اس کے دوسرے پر سے مقابلہ کرو، جس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے۔ اس لیے اسے مکمل طور پر پانی یا کھانے میں غوطہ دیا جائے گا۔ چنانچہ مادہ سمی اور مادہ نافعہ کا تقابل ہو کر ضرر ختم ہو جائے گا۔ اور یہ ایسا علاج ہے کہ بڑے بڑے اطباء اس تحقیق تک رسائی حاصل نہیں کر سکے۔ اور کئی اطباء نے بتایا ہے کہ بھڑ یا بچھو کے ڈسنے پر اگر مکھی کو ملا جائے تو مریض کو سکون ہو جاتا ہے اور یہ صرف اس مادے کی وجہ سے ہے۔ کہ جس میں (اللہ تعالیٰ نے) شفاء و دلیت کر رکھی ہے اور جب مکھیوں کے سر کاٹ کر باقی حصہ کو آنکھوں کے بالوں پر نکلنے والی پھنسی پر لگایا جائے جسے شعرہ کہتے ہیں تو وہ مندمل ہو جاتی ہے۔



# پھنسی کا علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

کتاب ابن سنیؒ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ محترمہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ میری انگلی پر پھنسی نکلی ہوئی تھی، آپ نے فرمایا، کیا تمہارے پاس ذریدہ ہے؟ پھر آپ نے فرمایا، اسے اس پر رکھو، اور یوں دعا کرو۔

اللہم صغیرا کبیرا ومکبرا الصغیر صغیرا مانی  
یعنی اے اللہ بڑے کو چھوٹا کرنے اور چھوٹے کو بڑا کرنے والے، میری تکلیف کو چھوٹا کر ختم کر دے۔

ذریدہ ایک ہندی دوا ہے جو قطب الذریدہ سے تیار ہوتی ہے۔ یہ گرم خشک ہوتی ہے اور معدہ اور جگر کے اور ام اور استسقاء میں سفید ہے، خوشبو کے باعث قلب کے لیے مقوی اور مفرح ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ کے ساتھ حل و احرام کے لیے حجۃ الوداع کے موقع پر ذرا

کی خوشبو لگائی۔

بشرہ (پھنسی) ایک چھوٹا سا مھوڑا ہوتا ہے جو گرم مادے سے پیدا ہوتا ہے جسے طبیعت اس طرف پھینک دیتی ہے، چنانچہ جسم کے ایک حصہ پر ٹھہر کر وہیں سے خارج ہوتا ہے۔ اس کے لیے نفج کرنے اور پھر خارج کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ذریدہ میں نفج اور اخراج کی صفحات پاتی جاتی ہیں۔ مزید برآں اس میں خوشبو کے باعث تبریدی اثر بھی ہوتا ہے (جس کی وجہ سے پھنسی کی تکلیف کم ہو جاتی ہے) اسی طرح صاحبِ قانون نے بتایا ہے کہ آگ سے جلنے کا سبب سے بہتر علاج یہ ہے کہ روغنِ گلاب اور سرکہ میں ذریدہ کو ملا کر لگایا جائے۔

# حادث اور مزمن امراض و اورام

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور ہدایات

حضرت علیؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک آدمی کے پاس عیادت کے لیے گیا، اس کی پیٹھ میں ورم تھا، عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول اس میں پیپ ہے آپؐ نے فرمایا، اسے شق کرو۔  
حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں شق کرتا رہا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبیب کو حکم دیا کہ وہ اجوی آدمی کے پیٹ میں شکاف دے۔

عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول کیا اس کے لیے یہ علاج نافع ہے؟  
آپؐ نے فرمایا، جس ذات نے مرض نازل کیا ہے اس نے جس میں چاہا شفاء بھی نازل فرمائی۔

شق کرنے میں دو فوائد ہیں۔ ایک تو فاسد اور ردی مادہ کا اخراج، دوسرے مزید خراب مادے کے اجتماع میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ اجوی آدمی کے پیٹ میں شکاف دو۔  
اجوی کے کئی معنی ہیں ایک یہ کہ پیٹ میں گنداپانی جمع ہو جاتا ہے، جس سے

استسقاء کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ اور ان کے خیال میں یہ حکم استسقاء زقی میں ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اس کی تین اقسام ہوتی ہیں۔

۱۔ استسقاء طبعی، یہ وہ قسم ہے جس میں مادہ ریحیہ کی وجہ سے پیٹ پھول جاتا ہے جب اس پر تھپکی دی جائے تو ڈھول کی آواز سنائی دیتی ہے۔

۲۔ دوسرا استسقاء لحمی۔

اس میں تمام بدن کا گوشت بمع ذکر پیٹ کے اندر مادہ بلغمیہ پیدا ہونے کی وجہ سے پھول جاتا ہے جو خون کے ساتھ ساتھ اعضائے بدن میں پھیل جاتا ہے۔ یہ پہلی قسم سے زیادہ شدید ہے۔

۳۔ تیسرا استسقاء زقی

یہ وہ ہے، جس میں پیٹ کے نچلے حصہ میں فاسد پانی جمع ہو جاتا ہے۔ اور حرکت کے وقت اس کی اس طرح آواز آتی ہے کہ جیسے مشک میں پانی کی حرکت کی آواز، اور اکثر اطباء کے نزدیک یہ سب سے بدترین قسم ہے، اور اس کا علاج شگاف کے ذریعہ پانی نکالنا ہے۔



# تیمار داری کا گڑ

## مریضوں کی تفریح اور تقویت قلب کا سامان

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے، انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم مریض کے پاس جاؤ تو اس کی اجل کو مہلت دو۔ یہ مریض کو خوش کرنے کا طریقہ ہے۔

اس حدیث میں علاج کے متعلق ایک بہت ہی کار آمد اور اعلیٰ نصیحت ہے اور وہ یہ ہے، کہ مریض کی تقویت طبیعت کے لیے ایسا کلام کرو۔ جس سے اسے فرحت و انبساط حاصل ہو۔ اور اس کی تقویت میں اضافہ ہو۔ اور حمالت غریزی میں نہ یادتگی ہو، جس کی مدد سے طبیعت مرض کو دفع کر سکے اس میں کمی کر سکے اور ایک طبیب کا یہی کام ہوتا ہے۔

اکثر اوقات لوگوں نے دیکھا ہے کہ مریض بعض ایسے لوگوں کی عیادت سے خوش ہوتے ہیں، جن سے وہ محبت رکھتے ہیں۔ ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، اور ان سے ملاقات ان کے لطف و کرم اور گفتگو سے انہیں طبعی قوت حاصل ہوتی ہے۔ مریضوں کی عیادت کے سلسلہ میں یہی چیز از حد مفید ہے۔ نبی اقدس ﷺ نے یعنی صحت و خیریت کی باتیں کرو۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ کے متعلق یہ گزر چکا ہے کہ آپ مریض سے اس کے مرض کی حالت اور احساسات کے متعلق دریافت فرماتے اور اس کی خواہش طعام وغیرہ کے متعلق بھی معلوم فرماتے۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ مبارک رکھتے اور گاہے گاہے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھتے اور اس کے لیے دعا فرماتے۔ نیز جو چیز مرض میں مفید ہوتی وہ بھی بیان فرماتے۔ گاہے گاہے وضو فرماتے اور وضو کا پانی اس پر چھڑکتے اور اکثر اوقات مریض سے فرماتے :-

کوئی ہرج نہیں، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

یہ حسن علاج اور کمال لطف کا مظہر ہے۔

---

۱۔ اس سے بہتر نفسیاتی علاج بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔

مریض کو اگر مرض سے ڈرایا نہ جائے، بلکہ تسلی اور دل دہی کی باتیں کر کے اس کا حوصلہ قائم رکھا جائے تو طبیعت مدبرہ بدن خود ہی اس کا علاج کر لیتی ہے۔ اور یہ علاج ادویہ علاج ادویہ کے مقابلہ میں زیادہ موثر اور کارگر ہوتا ہے۔ اور اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ بھی نسبتاً دیر پا اور مستقل ہوتا ہے۔

# عادی اور غیر عادی دوائیں

مذکورہ ادویہ سے علاج کے بارے میں آپ ﷺ کا

معمول اور اصول

اصول علاج میں یہ چیز سب سے زیادہ درست اور نافع ہے اور جب طبیب اس میں خطا کرتا ہے تو مریض کو ضرر پہنچ جاتا ہے اور وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اسے فائدہ ہو رہا ہے، اور صرف جاہل طبیب ہی اس وقت صرف کتابی ادویہ کی تلاش میں رہتا ہے۔

کیونکہ ادویہ و اغذیہ ابدان کے لئے حسب استعداد و قبول مفید ثابت ہیں۔ اور اہل بوادی (دیہاتی لوگوں) کے لئے شربت نیلوفر، گلاب اور دیگر قیمتی ادویہ کچھ کارگر نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان کی طبائع پر مفید اثر ڈالتی ہیں، بلکہ حضری (شہری) لوگوں کی عام ادویہ بھی ان پر اچھا اثر نہیں ڈال سکتیں۔ تجربہ اس بات کا شاہد ہے جو بھی علاج نبویؐ میں ذرا بھی غور کرے گا، اسے محسوس ہوگا کہ یہ علاج مریض اور اس کے وطن اور جائے پیدائش کے بالکل مطابق ہے، اصول علاج میں اصل مرکز (کامرانی) یہی ہے اور اس کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے، اور افاضل اطباء نے بھی اس کی صراحت کی ہے حتیٰ کہ طبیب عرب بلکہ سب سے بڑا طبیب حرث بن

کلدہ جو اپنی قوم میں بقراط کی حیثیت رکھتا تھا، کہتا ہے :  
 پرہیز علاج کی جڑ ہے اور معدہ امراض کا گھر ہے۔ اور ہر جسم کا علاج اس کی عادی  
 ادویہ کے ساتھ کرو۔

اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عادت طبیعتِ ثانیہ کی حیثیت رکھتی ہے اور بدن  
 میں اس کی قوتِ عظیمہ مسلم ہے۔ اسی وجہ سے اغذیہ اور ادویہ کے متعلق علاجِ نبویؐ  
 میں ان کی عادی اشیاء کا لحاظ رکھا ہے۔

**عادی اغذیہ میں سے زیادہ لطیف غذا میں استعمال کرانی چاہئیں** صحیحین میں  
 حضرت شریف

سے مروی ہے انہیں حضرت عائشہؓ سے روایت پہنچی کہ جب کسی کے گھر موت ہو  
 جاتی تو عورتیں اکٹھی ہوتیں پھر وہ اپنے اپنے گھر واپس چلی جاتیں۔ انہیں دودھ کی  
 آمیزش سے شہید تیار کرنے کا حکم تھا۔ جسے وہ تیار کرتیں۔ پھر دودھ کا آمیزہ اس پر  
 ڈال کر اسے کھایا جاتا، کیونکہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے  
 سنا کہ دودھ کا شدید مریض کے قلب کو قوت دیتا اور غم دور کرتا ہے اور فرماتیں  
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کوئی مریض ہو جاتا تو برعکس پر ہوتا۔ یہاں تک کہ  
 صورتِ حال یکسو ہو جاتی۔ یعنی یا وہ صحت یاب ہو جاتا یا فوت ہو جاتا۔

نیز حبیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جاتا کہ فلاں کو درد ہے وہ کھانا نہیں  
 کھاتا، تو آپ فرماتے، تلبینہ (دودھ آمیز غذا) بنا کر اسے پلانی چاہیے، اور فرماتے  
 کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ تمہارے پیٹ کو اس  
 طرح دھو دیتا ہے کہ جیسے تم اپنے چہروں کو میل سے صاف کر دو۔

اور یہ تو گزر چکا ہے کہ ادویہ و اغذیہ کے افادہ میں عادات کو بڑا دخل ہے  
 اور اس قوم کی عادت تھی کہ جوہ پانی پیس کر پیتے اور یہی زیادہ تہہ ان کی غذا میں  
 شامل تھا۔ اس کا فعل بھی قوی اور عظیم ہوتا ہے۔

البتہ شہر کے اطباء نے زیادہ صاف حصہ کو لیا تاکہ زیادہ رفیق و لطیف ہو



جائے۔ اس طرح وہ مریض کی طبیعت پر گراں نہیں گزرتا۔ اور یہ معاملہ اہل شہر کے اختلاف طبائع اور جو کے پانی کے ثقل و خفافت پر منحصر ہے۔

الغرض جو کا مطبوخ پانی زیادہ سریع النفوذ ہوتا ہے اور اس کا فائدہ کافی سے زیادہ ہے اور یہ ایک لطیف غذا کی حیثیت رکھتا ہے جب اسے گرم پیا جائے تو اس کے فائدے اور سرحب نفوذ میں قوت آجاتی ہے اور حرارت غریزہ کو بھی یہ بڑھاتا ہے اور دیوار معدہ کے لیے مفید ہے۔

---

# زہر کا علاج

خیبر کی یہودیہ عورت کا زہر آلود کھانا اور  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تدارک

عبدالرزاقؒ نے معمر سے انہیں زہری سے انھیں عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے روایت پہنچی کہ ایک یہودی عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بمقام خیبر ایک بھنی ہوئی بکری بھیجی آپ نے دریافت فرمایا، یہ کیسی ہے۔

اس نے عرض کیا، یہ ہدیہ ہے۔

صدقہ کہنے سے اس نے اس لیے انکار کیا کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کھالیا۔ صحابہؓ نے بھی کھالیا۔ پھر آپ نے فرمایا، رک جاؤ۔ اور عورت کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، کیا تو نے اس بکری میں زہر ملا یا ہے؟

اس نے کہا، آپ کو کس نے بتایا؟

آپ نے فرمایا، اس کی پنڈلی کی اس ہڈی نے۔ وہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں تھی۔

اس نے اقرار کیا، اور کہا۔ ہاں !  
 آپ نے فرمایا، کیوں تو نے ایسا کیا؟  
 اس نے کہا، میں نے سوچا، اگر آپ جھوٹے ہیں تو لوگ آپ سے نجات حاصل  
 کریں گے اور اگر آپ نبی ہیں تو آپ کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔  
 راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ گدی پر کھپنے لگوائے  
 اور صحابہؓ کو بھی کھپنے لگوانے کا حکم دیا۔  
 آخر بعض صحابہؓ کی وفات بھی ہو گئی۔ اس واقعہ کے تین سال بعد تک آپ زندہ رہے  
 حتیٰ کہ مرض وفات میں آپ نے فرمایا، میں نے خیبر کے دن جس بکری کا گوشت کھایا تھا۔  
 اس کا اثر ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں، حتیٰ کہ اس وقت وہ مجھ سے منقطع ہو رہی ہے۔  
 گویا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی۔  
 موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ زہر خورانی کا علاج استفراغات اور ایسی ادویہ سے کیا جاتا  
 ہے کہ سمی اثرات کی ضد ہوں، اور انھیں باطل کر سکیں۔ کیفیات یا خواصات کسی لحاظ سے  
 بھی! اگر دوا مہیا نہ ہو تو فوراً استفراغ کامل کرے اور حجامت (سنگیاں لگوانا) از حد نافع  
 ہے۔ خصوصاً گرم علاقہ اور گرم موسم ہیں، کیونکہ خون میں سمی اثرات مرایت کر جاتے ہیں  
 اس کے بعد عروق و مجاری میں نفوذ کرتے ہیں اور آخر قلب پر پہنچ کر ہلاک کر دیتے  
 ہیں۔ گویا ہلاکت کا موجب خون ہی ہوتا ہے جو اسے نفوذ کراتا ہے اور زہر کو قلب و اعضا  
 تک لے آتا ہے۔ اس لیے ہر سموم جلدی سے خون نکلوانے کا تو یہ سمی کیفیت بھی  
 ساتھ ہی خارج ہو جائے گی، جو اس میں مل چکی ہے۔ اور اگر استفراغ کامل ہو گا تو زہر ضرر  
 نہ دے گا، بلکہ یا تو بالکل ہی باہر چلا جائے گا، یا اس کے اثرات کمزور پڑ جائیں گے اور  
 طبیعت اس کے مقابلہ پر قوی ہو کر اسے باطل کر دے گی، یا اس کے اثرات کو کمزور  
 کر دے گی، اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت سے  
 نوازنے کا ارادہ فرمایا، تو اس مخفی زہر کے اثر کو موقع تاثیر دیا، تاکہ اللہ کا فیصلہ شدہ حکم  
 پورا ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہود کے متعلق اس فرمان کا راز بھی کھل کر سامنے آگیا:  
 اَوَكَلَّمَا جَاءَكَ رَسُوْلٌ بِنَا لَا تَهْوَىٰ اَنفُسُكُمْ اَسْتَكْبِرْتُمْ فَفَرْيَقًا  
 كَذِبْتُمْ وَفَرْيَقًا تَقْتُلُوْنَ ۝  
 یعنی ”پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر  
 کرنے لگے۔“

پھر ایک جماعت کو جھٹلایا، اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔“  
 ”تم نے جھٹلایا“ کا لفظ ماضی کے صیغہ میں آیا تھا اور تقتلون کے لفظ میں زمانہ  
 مستقبل پایا ہے جس کی توقع تھی۔

---



# جادو اور سحر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

اس کے علاج میں لوگوں کے ایک گروہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ کے متعلق یہ گمان جائز نہیں اور اسے فقص و عیب قرار دیا ہے، حالانکہ واقعہ ان کے زعم کے مطابق نہیں بلکہ یہ کام تو امراض و اوجاع کی ان اقسام میں سے ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لاحق ہوتے رہے اور یہ معاملہ بھی امراض میں سے ہے اور اس کے اثرات بھی زہر کی طرح ہیں ان میں کچھ فرق نہیں۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے انھوں نے بیان کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا، حتیٰ کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ اپنی بعض ازواج کے پاس آرہے ہیں حالانکہ ایسا نہ ہوتا، اور یہ معاملہ سحر سے بھی زیادہ شدید ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں، سحر بھی ایک مرض ہے اور دوسرے امراض کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا ورود ممتنع نہیں۔ اس کا نہ انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ یہ چیز نبوت میں قدح و عیب بن سکتی ہے:

اور رہا یہ امر کہ آپ کو ایک کام کرنے کا خیال ہونا حالانکہ آپ وہ کام نہ کر رہے

ہوتے تو یہ مخالفین کے لیے دلیل نہیں بن سکتی، جب کہ آپ کی عصمت پر سب کا اجماع ہے، بلکہ یہ معاملہ امور دینا کے متعلق ہو سکتا ہے کہ آپ کو لاحق ہوا ہو، جس کے لیے آپ مبعوث نہیں ہوئے اور دنیا میں تمام انسانوں کی طرح آپ کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے اور یہاں صرف اس کا علاج بیان کرنا مقصود ہے۔

اس باب میں آپ سے دو انواع مروی ہیں ایک کا استخراج اور اس کا باطل کرنا، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے اس سلسلہ میں دعا فرمائی۔ تو آپ کو اطلاع دی گئی۔ آپ نے اسے کنوئیں میں سے نکالا۔ تو یہ (جادو) کنگھی اور مشاطہ میں تھا جب آپ نے اسے نکلوا یا تو آپ کو تکلیف جاتی رہی۔ گویا آپ بالکل فوری طور پر صحتیاب ہو گئے اور یہ مادہ خبیثہ کے زائل کرنے اور بدن سے اسے استفراغ کے ذریعہ نکال باہر کرنے کے قائم مقام ہے۔

دوسری نوع وہ ہے جس میں مقام سحر زدہ سے استفراغ ضروری ہوتا ہے، چنانچہ مسحور کی طبیعت میں اثر ہوتا ہے۔ اور اس کی اخلاط میں ہیجان اور مزاج میں پریشانی واقع ہو جاتی ہے۔ جب کسی عضو میں اس کا اثر ظاہر ہو اور اس عضو سے مادہ فاسدہ کا استفراغ بھی ممکن ہو، تو یہ خوب فائدہ بخش ہوتا ہے۔

ابو عبیدہ نے کتاب غریب الحدیث میں حضرت عبدالرحمن بن ابی بلیلی کی سند سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ جب جادو کیا گیا، تو آپ نے سر مبارک پر پھپھنے لگوائے۔ ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تکلیف ہوئی، کہ آپ کو ناکردہ کاموں کا خیال ہونے لگا، تو خیال ہوا کہ یہ دھوی یا کسی دوسرے مادہ کے سبب سے ہے، جو دماغ کی طرف مائل ہو چکا ہے اور بطن مقدم پر غالب آ گیا ہے، اس لیے اسے حالت طبعیہ سے عتفیہ کر دیا ہے اس وقت پھپھنے لگوانا از حد فائدہ بخش اور نافع علاج تھا۔ چنانچہ آپ نے پھپھنے لگوائے۔

لیکن یہ معاملہ وحی سے قبل تھا اور جب وحی آ گئی، اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ سحر کی وجہ سے ہے تو آپ نے علاج حقیقی کی طرف رجوع فرمایا۔ یہ علاج استخراج (توذیات) اور

ابکال سحر سے ہی ہو سکتا تھا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا مقام بتا دیا، آپ نے انہیں نکلوا یا، تو گویا آپ چنگے تھے۔ اور اس سحر کا زیادہ سے زیادہ اثر آپ کے جسم اور ظاہر جو ارج پر تھا۔ آپ کی عقل و قلب اس سے متاثر نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اس خیال کی صحت کا یقین نہ کرتے کہ آپ

لے سحر اور جادو کا اثر نہ آپ کے اعضاء اور جوارح پر ہو سکتا تھا، نہ ہوا یہ بالکل غلط خیال ہے اور شان نبوت کے یکسر منافی ہے۔

درحقیقت جو لوگ، روایات کو ہر حالت میں قبول کرنے کے عادی ہیں، خواہ ان سے شان نبوت کا استغفاف کیوں نہ ہوتا ہو، وہ اس طرح کی باتوں کو جو قطعاً غلط، ناقابل قبول اور منافی کردار رسول ہیں قبول کر لیتے ہیں کہ ”روایت“ موجود ہے اور ”سند“ صحیح ہے، رواۃ ”ثقة“ ہیں۔ حالانکہ اس طرح کی روایتوں میں، سند کی صحت اور رواۃ کا ثقہ ہونا بھی متفق علیہ اور غیر مختلف فیہ نہیں۔ اور قبول کر لینے کے بعد خود ان کا دل قبول نہیں کرتا، کھٹک پیدا ہوتی ہے، اب یہ چہ کنم میں پڑ جاتے ہیں، روایات کو چھوڑ نہیں سکتے، اور قبول کرتے ہیں تو اشکال عقل و فکری و دینی و عقائدی پیدا ہوتا ہے، اب تاویل کا سہارا لیتے ہیں۔ اور تاویل کے ذریعہ بات بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو بالکل نہیں بن پاتی۔ علامہ ابن قیم بہت بڑے مجتہد تھے، مجاہد تھے، علم و عمل کی دنیا میں اپنی مثال آپ تھے، تحقیق و تدقیق کے میدان میں اپنا کوئی حریف نہیں رکھتے تھے۔ مسائل فقیہہ میں جو نکات پیدا کرتے ہیں وہ انہی کا حق ہے۔ احادیث کی تحقیق میں جتنی ژرف نگاہی سے کام لیتے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے، لیکن بایں ہمہ بشریت کے تقاضے سے مجبور ہو کر، ایسی باتیں بھی کہیں کہیں اور کہیں کہیں کہہ جاتے ہیں جو ان جیسے مجتہد دوران کے شایان شان ہرگز نہیں ہیں، انہی میں یہ جادو کا معاملہ بھی ہے۔

صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول برحق ہوتے ہوئے نہ جادو، سحر اور ٹونے ٹوٹنے کے سے متاثر ہو سکتے تھے۔ نہ یہ ان کی شان کے مطابق تھا، رہی اعضاء جوارح اور قلب و روح کی تفریق و تاویل یہ محض سخن سازی ہے، ایسی دس ہزار

ازواجِ مطہرات کے پاس آرہے ہیں، بلکہ آپ کو علم ہوتا، کہ یہ محض خیال ہے، اس کی کچھ حقیقت نہیں، اور بعض امراض میں اس قسم کی باتیں ہو ہی جایا کرتی ہیں۔

**سحر کا سب سے زیادہ نافع علاج دوائے الہیہ ہے** | کیونکہ (سحر) دراصل ارواحِ خبیثہٴ بنعلیہ کے اثرات

کا نتیجہ ہوتا ہے اور ان کی تاثیرات کو اذکار و آیات اور وہ ادعیہ ہی باطل کر سکتی ہیں جو ان کے مقابل اور معارض ہوں۔

ساحروں کا خیال یہ ہے کہ ان کا سحر کمزور اور متاثر ہو جانے والے قلوب اور شہوانی انسانوں پر زیادہ اثر انگیز ہوتا ہے، جو کہ پست صفات میں ملوث رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر یہ عورتوں بچوں، جہلا اور دیہاتی لوگوں میں اثر کرتا ہے۔ یا ان پر اس کا اثر ہوتا ہے جو دین، توکل اور توحید میں کمزور ہوں، اور اوراد الہیہ اور عید مار تورو اور نبوی تعوذات سے بالکل محروم ہوں۔

(بقیہ حاشیہ) روایتیں بھی۔ خواہ ان کے راوی بظاہر کتنے ہی ثقہ ہوں۔ اور سند بظاہر کتنی ہی اعلیٰ ہو۔ قطعاً ناقابل قبول ہیں جن سے آنحضرتؐ کی توہین کا شائبہ بھی نکلتا ہو، لہذا اس طرح کی حدیثیں جن کی صحت اور قطعیت بھی مشتبہ ہے۔ نہ کسی مرد مومن کے عقیدے کا جزو بن سکتی ہیں، نہ ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ آں حضرتؐ کی ذات اس سے کہیں اعلیٰ اور بالا تھی کہ آپؐ پر جادو کا اثر ہو سکتا۔

۱۔ اصل بات یہی ہے کہ جس کی روح پاک ہو، جو دساوس قلب کا شکار نہ ہو، جو جادہ حیات کی رہرہی قرآن و سنت کی روشنی میں کرتا ہو۔ جسے خدائے واحد و یکتا پر کامل اعتماد ہو، وہ ان شعبہ بازیوں سے کسی درجہ میں بھی متاثر نہیں ہو سکتا، اس کے لیے خدا کا کلام کافی اور بہت کافی ہے۔ اس کے بعد اسے کسی سے بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

(رئیس احمد جعفری)



# استفراغ ایک علاج

## استفراغ کے اقسام اور فوائد و اثرات

جامع ترمذی میں حضرت سعد بن ابی طلحہ سے مروی ہے، انھیں حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت پہنچی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی، پھر وضو فرمایا، آخر کار میں دمشق کی مسجد ثوبانؓ سے ملا، اور اس کا تذکرہ کیا، انھوں نے فرمایا، ہاں انھوں نے سچ کہا۔ میں نے آپ کے وضو کے لئے پانی بہایا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں، باب القی میں یہ روایت اصح ہے۔

استفراغ کی پانچ اقسام میں سے ایک قسم قے ہے۔ یہ پانچ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسہال

۲۔ قے

۳۔ اخراج خون

۴۔ خمر و ج انجرہ

۵۔ اور عرق (پسینہ)

اور ان کے متعلق سنت بیان ہو چکی، اسہال کے متعلق سنا کی حدیث میں بیان ہو چکا جس میں وادر ہوا ہے کہ سب سے بہتر دوا جو تم کرتے ہو وہ سیر ہے۔ اخراج دم

کے متعلق حجامت کی احادیث میں وضاحت ہو چکی ہے۔  
 استفراغ انجرہ کے متعلق اس فصل کے آخر میں ذکر ہوگا، انشاء اللہ، رہا پسینہ  
 کے ذریعہ استفراغ! وہ زیادہ تر قصداً نہیں ہوتا بلکہ طبیعت اس مادہ کو ظاہر بدن کی  
 طرف بھیج دیتی ہے۔ مسامات کھلے ہوتے ہیں۔ وہ باہر نکل پڑتا ہے۔  
 قے دراصل معدہ کے اوپر کے حصّہ کا استفراغ ہے اور حقنہ معدہ کے نچلے  
 حصّہ کا، اور دوا ہر دو پر اور نچلے حصّہ میں کارگر ہوتی ہے۔  
 قے کی دو قسمیں ہیں، ایک غلبہ و ہیجان (مادہ) کے سبب سے۔  
 دوسرے خود اپنی سعی اور کوشش سے۔

پہلی میں اگر ہلاکت یا افراط کا خوف نہ ہو تو اسے روکنا نہ چاہیے اور نہ بند کرنا چاہیے  
 کیونکہ یہ ممسک دوا سے قطع ہو جائے گی (اور پھر ضرور ساں نہ ہوگی)  
 دوسری قسم ضرورت کے وقت مفید ہے بشرطیکہ اوقات و شرائط مذکورہ کو مدنظر  
 رکھا جائے۔

گرم ممالک اور گرم موسموں میں اخلاط رقیق ہو کر اوپر کو منجذب ہو جاتی ہیں، تو  
 قے ہی ان میں نافع ہو سکتی ہے، البتہ سرد ممالک اور سرد موسموں میں یہ غلیظ اور  
 منجمد ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اسی وقت انھیں اسہال سے خارج کرنا مفید ہوتا ہے۔  
 اور اخلاط کے دفعہ کے دو ہی طریقے ہیں ایک جذب اور دوسرا استفراغ!  
 قے ہصفی معدہ، منقی اور مقوی معدہ ہوتی ہے۔ بصارت کو تیز کرتی۔ سر کے بوجھ  
 کو ہلکا کرتی اور جذام، استسقاء، فالج اور غشہ جیسے مزمن امراض میں نیز گردے اور  
 مثانے کے زخموں کو فائدہ دیتی ہے۔ نیز یرقان کو دور کرتی ہے۔

مہینہ میں دوبار مسلسل اس انداز سے اس کا استعمال کرنا چاہیے کہ ہر دوسری بار کے  
 وقفہ میں فرق نہ آجائے۔ یہ کرنے والے مادوں کا تنقیہ کرتی ہے۔ اس کی کثرت معدہ  
 کو ضرر دیتی ہے اور فاضل مادوں کے سامنے اسے کمزور کر دیتی ہے، نیز اس  
 کی کثرت دانتوں، بصارت اور سماعت کے لیے مضر ہے، اور جس کے حلق میں

ورم ہو یا سینہ میں ضعف ہو، یا اس کی گردن باریک ہو یا نفث الدم کا مریض ہو یا اس سے جلدی متاثر نہ ہوتا ہو، اسے قے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اور قے لانے کے موقع پر چاہیے کہ آنکھوں پر ٹپی باندھ دی جائے۔ پیٹ دبا دیا جائے، اور فارغ ہونے کے بعد سرد پانی سے چہرہ دھولینا چاہیے۔ نیز فارغ ہونے کے بعد شربت سیدب میں تھوڑی سی مصطکی اور عرق کلاب ملا کر پی لینا چاہیے اس صورت میں خوب فائدہ ہوگا۔

اس کے اوقات گرما اور بہار کا موسم ہیں، البتہ سردیوں اور خزاں میں یہ نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ قے معدہ کے اوپر کے حصہ کا استفراغ کرتی ہے۔ اور اسفل معدہ سے مادہ کو جذب کرتی ہے اور اسہال اس کے برعکس اثر رکھتے ہیں۔

بقراط کہتا ہے کہ گرمی کے موسم میں دوا سے اوپر کے حصہ کا استفراغ زیادہ ہونا چاہیے اور سردیوں میں اسفل حصہ کا زیادہ استفراغ مناسب ہے۔

# علاج کے لیے

حاذق اور ماہر معالج سے رجوع کرنا چاہیے

موطاماکٹ میں حضرت زید بن اسلم سے منقول ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک آدمی زخمی ہو گیا۔ اسے خون آیا، تو ایک آدمی نے بنی انمار کے دو آدمیوں کو طلب کیا۔ ان دونوں نے اس کی طرف دیکھا، اسے خیال ہوا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کون زیادہ ماہر طبیب ہے؟ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا علاج میں بھی اس سے فائدہ ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جس نے مرض اتارا ہے، اسی نے علاج بھی نازل کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر علم و صنعت میں جو زیادہ ماہر ہو اس سے مدد لینی چاہیے۔ کیونکہ وہ درست رائے کے زیادہ قریب ہوگا، اور آپ کا فرمان کہ جس نے مرض اتارا اس نے علاج بھی نازل کیا، اس مضمون کی کئی احادیث آتی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت عمرو بن دنیا کی روایت ہے انھیں ہلال بن یساف سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لائے



آپ نے فرمایا، اسے طبیب کے پاس لے جاؤ۔

ایک کہنے والے نے کہا، اے اللہ کے رسول کیا آپ یہ فرما رہے ہیں؟  
آپ نے فرمایا، ہاں اللہ عزوجل نے کوئی مرض ایسا نازل نہیں کیا جس کی دوا نہ نازل کی ہو۔

یہ حدیث گزر چکی ہے، البتہ انزل الداء والدواء کے معنی میں اختلاف ہے۔  
ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس کے نازل کرنے کے معنی بندوں کو جتادینا ہے۔  
دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ موکل فرشتوں کے ذریعہ مرض اور علاج وغیرہ براہ راست  
انسانوں پر نازل کیا گیا۔

کیونکہ اس کارخانہ عالم اور انسان کے مادہ رحم میں آجانے سے لے کر موت تک  
کے موکل ہیں۔ اس طرح مرض اور علاج ملائکہ کے ذریعہ ہوا۔ یہ صورت اقرب الی الصوب  
نظر آتی ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ عام امراض اور معالجات آسمان سے نزولِ باران کے  
ذریعہ اترے ہیں۔ جس سے اغذیہ، ادویہ اور روزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس کے  
تمام آلات و اسباب

(معرض وجود) میں آتے ہیں، اور معاونِ علویہ کی باتیں پہاڑوں کے ذریعہ اور وادیوں  
کی (اشیاء و ادواء) دریاؤں اور پھلوں کے ذریعہ نازل ہوتی ہیں۔ یہ پہلی وجوہ سے  
بھی احسن قول ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ یہ بھی پروردگارِ کریم کی حکمت اور  
ربوبیت کا مظہرِ کامل ہے جس طرح اس نے بندوں کو امراض میں مبتلا کیا اسی طرح ادویہ  
بھی نازل فرمائیں جن سے انھیں صحت حاصل ہوتی ہے جیسے انھیں گناہوں سے آزایا  
اسی طرح توبہ سے گناہوں کو مٹا دینے والی حسنات اور کفارہ بننے والے مصائب  
سے مدد بھی دی جس طرح انھیں شیاطین کے ارواحِ خبیثہ سے آزایا۔ اسی طرح ملائکہ  
جیسے ارواحِ طیبہ کے لشکر سے نصرت کی جس طرح انھیں شہوات میں مبتلا کیا  
اسی طرح انھیں شریعت کے مطابق قضائے جوائج کر لینے اور پاک (بیویوں) سے

استلذاذ کی اجازت دی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جس قسم کا بھی ابتلا ارڈالا، انہیں اس میں کامیاب ہونے اور بکرائی کو دور کرنے کا ہتھیار بھی دیا۔  
اب صرف علم سے تفادیت رہ جاتا ہے اور علم توصل و حصول کی سعی سے ملتا ہے  
اور اللہ تعالیٰ ہی سے بس مدد مطلوب ہے۔

---

# انارٹی معالج

کوئی غلطی کر جائے تو تاوان لیا جاسکتا ہے

ابوداؤد۔ نسائی اور ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے دادا سے روایت کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے (اپنے آپ کو) طبیب ظاہر کیا، حالانکہ طب کا علم اور فن حاصل نہ کیا۔ ہو تو وہ ضامن ہے۔

جامل طبیب پر ضمان ڈالنے کا سبب یہ ہے کہ جب اس نے طب کا کام شروع کر دیا اور اس نے اس سے قبل علم طب نہیں سیکھا۔ تو گویا اس نے لوگوں کی جان سے کھیلنا شروع کر دیا۔ وہ گویا ایسے کام کا مرتکب ہونا چاہتا ہے جس کا اسے ذرا علم نہیں وہ مریض سے دھوکا کرتا اور اسے مبتلائے فریب کرتا ہے۔ لہذا اس پر ضمان لازم آئے گی۔

اس مسئلہ میں اہل علم کا اجماع ہے۔ خطابیؒ فرماتے ہیں میرا خیال ہے اگر معالج کی زیادتی کے باعث کوئی مریض ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم آنے کے سلسلہ

۱۔ اس سے تاوان لیا جاسکتا ہے۔

۲۔ تاوان، ہرجانہ،

میں کسی کا اختلاف نہیں۔

البتہ اگر کوئی شخص اس فن میں کچھ علم رکھتا ہو، لیکن تجربہ اور معرفت کے لحاظ سے کو مرتبہ نہ رکھتا ہو اس کے علاج سے اگر کوئی ہلاک ہو جائے تو اس پر دیت لازم آئے گی۔ البتہ قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ مریض کے اذن سے یہ فعل کر رہا ہے۔

فقہاء کے قول کے مطابق معالج کی خیانت اس کی عقل و فراست کے مطابق (کم و بیش) ہوتی ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کی پانچ اقسام ہیں۔

۱۔ طبیب حاذق پر ضمان نہیں ہوگی | ایک طبیب حاذق جو اس فن کا صحیح طور پر ماہر ہو، اور اس نے قصداً زیادتی نہ

کی ہو۔ بلکہ شارع اور مریض کی جانب سے وہ ماذون ہو اس سے کوئی عضو یا جانے ہلاک ہو جائے۔ یا کوئی صفت (سماعت بصرات وغیرہ) ضائع ہو جائے تو اس پر بالاتفاق کسی طرح کی ضمان نہیں۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت ہر طرح سے ماذون ہے (اجازت یافتہ) ہے۔ اسی طرح کسی ماہر اور کارواں طبیب کی جانب سے شگاف وہ اپریشن دیا گیا، اور اتفاق سے یہ فعل اس وقت انجام پایا کہ ابھی اس کا موقع نہیں تھا، اور مریض ہلاک ہو گیا۔ تو بھی اس پر ضمان نہ ہوگی۔

اسی طرح ہر ماذون کا فعل جو فاعل کی (قصداً) زیادتی پر مبنی نہ ہو، جیسے حد لگانے والا باتفاق (غیر ضامن ہے)، اور قصاص کا معاملہ جمہور کے نزدیک متفقہ ہے، لیکن اس مسئلہ میں وجوب ضمان سے متعلق امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف ہے، نیز حد لگانے والا بچوں کا معلم اور کسی چوپائے کو کراہیہ پر لینے والا بھی ضامن ہوگا۔

البتہ آخری دو صورتوں میں ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کے نزدیک ان پر ضمان کے وجوب میں اختلاف ہے؛ امام شافعیؒ نے سواری کے مارنے میں استشفاء کیا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف و نزاع کی صورت یہ ہے کہ سرایہ جنایت تو بلا اختلاف قابل ضمان (تاوان طلب) ہیں، اور سرایہ واجب بالاتفاق ہر (نا قابل تاوان) ہیں۔ البتہ



اختلاف کی صورت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے مطلقاً ضمان واجب کیا ہے۔ اور احمد و مالکؒ نے ضمان کو ہدر قرار دیا ہے۔

امام شافعیؒ اس میں فرق کرتے ہیں۔ انھوں نے مقدر صورت میں ضمان کو ہدر کہا ہے اور غیر مقدر صورت میں ضمان واجب فرمائی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا خیال ہے کہ فعل میں اذن سلامتی سے مشروط ہے۔ اور احمد و مالکؒ نے فرمایا کہ اذن کے باعث ضمان ساقط ہو جائے گی۔ اور شافعیؒ کا خیال یہ ہے کہ مقدر صورت میں ضرر ناممکن ہے، گویا یہ نص ہے۔ اور غیر مقدر صورت مثلاً تعزیرات و تاویلات یہ اجتہادی صورت ہے۔ اس لیے اس صورت میں ضمان لازم آئے گی۔ کیونکہ اس وقت تعدی گمان کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ انارڑی اور جاہل معالج | دوسری قسم جاہل طبیب کی ہے، یہ اگر کسی کا علاج کرتا اور وہ ہلاک ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں وہ جہالت کا ایک حملہ کہہ گزرا ہے، کیونکہ طب نہیں جانتا۔ لیکن اسے علاج کی اجازت (مریض کی جانب سے) ہے، اس لیے اس پر ضمان لازم نہ ہوگی۔

۳۔ طبیب حاذق کی دانستہ غلطی موجب ضمان ہے | تیسری قسم ایسے طبیب حاذق کی

ہے جو ماذون بھی ہے۔ اس فن میں ورک اور مہارت بھی رکھتا ہے، لیکن ہاتھ چوک گیا اور اس نے کوئی عضو صحیح ضائع یا نکما کر دیا تو اس سے ضمان فی جائے گی۔ کیونکہ اس نے قابل سزا غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاوان ملزم سے لیا جائے گا یا بیت المال سے ادا کیا جائیگا؟ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ جو امام احمدؒ سے مروی ہیں۔

ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ اگر طبیب ذمی ہے، تو اس کے مال میں سے ضمان ادا ہوگی۔ اور اگر مسلمان ہے۔ تو اس میں اختلاف روایت ہے۔

۴۔ طبیب کی چوتھی قسم | قسم چہارم: طبیب حاذق ہو اور اپنے فن میں مہارت رکھتا ہو۔ اس نے خوب سوچ بچار کے مریضوں کے لئے علاج تجویز کیا۔ لیکن اجتہادی طور پر غلطی ہو گئی اور مریض ہلاک ہو گیا۔ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مریض کی دیت بیت المال سے دی جائے گی۔ دوسری یہ کہ دیت طبیب پر لازم آئے گی، امام احمد نے امام اور حاکم کی خطاء کے سلسلہ میں اسے بیان کیا ہے۔

۵۔ طبیب کی پانچویں قسم | ایسا طبیب جو حاذق ہے اس نے فن طب میں پورے طور پر مہارت حاصل کی ہے، اب اس نے کئی آدمی۔ یا بچے یا مجنوں کا مھوڑا بغیر اس کے یا اس کے ولی کے اذن کے کاٹ دیا۔ یا ولی کے اذن کے بغیر بچے کا ختنہ کر دیا (اور ضرر پہنچ گیا) تو ہمارے اصحاب فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ اس نے غیر ماذون صورت میں تصرف کیا ہے اس وجہ سے اس پر ضمان لازم ہوگی، اور اگر بالغ یا بچے اور مجنون کا ولی (سرپرست) اذن دے دے تو ضمان نہ ہوگی۔

اور اس کا بھی احتمال ہے۔ کہ وہ مطلقاً اس پر ضمان (کسی صورت میں بھی) لازم نہ آئے کیونکہ وہ محسن ہے، اور محسنوں کے خلاف کوئی حرکت نہ کرنی چاہیے (اور حدیث میں طبیب کا اطلاق اس پر ہوتا ہے۔ جو اس فن میں دسترس رکھتا اور علاج معالجہ کرتا رہا ہو۔

# ماہر اور حاذق طبیب

وہ امور جن کا اہتمام و انصرام معالجات میں  
لازمی اور ضروری ہے۔

- ۱۔ نوع مرض، کہ وہ کس قسم سے متعلق ہے؟
- ۲۔ مرض کے سبب کا خیال کہ نا کہ کس وجہ سے ہوا اور اس کے پیدا ہونے کی علت کیا ہے۔
- ۳۔ مریض کی قوت کہ آیا وہ مرض کا مقابلہ کر سکتا ہے یا نہیں۔
- ۴۔ مریض کا مزاج بدن طبعی؟
- ۵۔ مزاج طبعی کے علاوہ حادث مزاج کیسا ہے؟
- ۶۔ مریض کی عمر۔
- ۷۔ اس کی عادات و معمولات
- ۸۔ موسم۔
- ۹۔ مریض کا وطن اور جائے پیدائش۔

۱۰۔ وقتِ مرضِ موسم اور آب و ہوا کی نوعیت۔

۱۱۔ اس مرض کے مقابلہ میں دوا کی تجویز۔

۱۲۔ دوا اور مریض کی قوت باہمی کا موازنہ۔

۱۳۔ محض اس مرض کا سبب دور کرنے کا قصد نہ ہو، بلکہ اس انداز سے علاج کیا جائے کہ کوئی نئی تکلیف پیدا نہ ہو جائے جو اس سے بھی صعب تر ہو۔ اور اگر کوئی ایسی ہی صورت پیش آجائے کہ کسی صعب تر مرض کے لاحق ہو جانے کا خطرہ ہو تو مرض کو جوں کا توں باقی رکھ کر اس کی تلطیف کی سعی کی جائے۔

اس بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے جیسے رگوں کے دہانے کا مرض ہے کہ جب انھیں کاٹ کر یا باندھ کر علاج کیا جائے تو اس سے صعب تر اور مضرت رساں مرض کا خطرہ ہوتا ہے۔

۱۴۔ علاج پہلے سہل طریق پر کیا جائے، پھر دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے، بجز مجبوری کے اسے اختیار نہ کیا جائے، ہو سکے تو شروع میں دوا سے معاملہ کے بجائے غذائے علاج پر اکتفا کرے، جہاں تک ہو سکے مفردات سے علاج کرے، بدرجہ مجبوری مرکبات استعمال میں لائے اور یہ طبیعت پر منحصر ہے کہ وہ محض علاج قبول کرے یا مرکبات کی بجائے صرف مفردات پر اکتفا کرے۔

۱۵۔ مرض کو اچھی طرح جانچنا، کہ آیا علاج ممکن بھی ہے یا نہیں؟

اگر لا علاج مرض ہو تو اپنے پیشے اور ہنر کا وقار رکھے اور غیر مفید علاج کرے کی جرات نہ کرے اور اگر ممکن العلاج ہو تو یہ دیکھے کہ اس کو دور کرنا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر سمجھے ناممکن ہے تو دیکھے کہ اس کی تخفیف ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر تقلیل ناممکن ہو اور سمجھے کہ زیادہ سے زیادہ اس کے بڑھنے اور نمو کو روکا جاسکتا ہے تو اس علاج کرے طبیعت کو قوت دے اور مادہ (مرض) کو ضعیف کرے۔

۱۶۔ نضح سے قبل کسی خلط کو استفراغ کے ذریعہ خارج نہ کرے، بلکہ پہلے اس کا نضح کرے جب نضح مکمل ہو جائے تو استفراغ کی جانب توجہ کرے۔



۱۷۔ نیر طبیب کو قلوب و ارواح کے امراض اور ادویہ کا علم ہو جائے۔ اور علاج کے مسئلہ میں یہ چیز مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۸۔ مریض سے لطف و نرمی کے ساتھ پیش آئے، جیسے کہ بچے کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں۔

۱۹۔ طبعی الہیاتی اور نفسیاتی ہر قسم کا طریق علاج استعمال کرے، کیونکہ ماہر اطباء سے بعض اوقات نفسیاتی طور پر ایسے ایسے عجائبات و غرائب صادر ہوتے ہیں جن تک ادویہ کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ الغرض طبیب مرض کا ہر نوع سے اور قسم سے علاج کرے۔

۲۰۔ ایک اچھے اور کامل طبیب کے لیے ضروری ہے کہ اس کا علاج و تدبیر ذیل کے امور پر منحصر ہو!

۱۔ حفظ صحت موجودہ۔

۲۔ رد صحت مفقودہ۔

۳۔ مرض کا ازالہ۔

۴۔ اس کی امرکان بھرتقلیل۔

۵۔ دو خرابیوں میں سے زیادہ بڑی خرابی کو دور کرنے کے لیے ہلکی مضرت کو قبول کر لینا۔

۶۔ بڑے فائدے کے حصول کی خاطر چھوٹے کی قربانی دینا۔

یہ ہیں وہ چھ اصول جن پر کامیاب علاج کا انحصار ہے۔ اور جو طبیب ان امور کو نظر انداز کر دیتا ہے اسے معالجات اور طبیب کہنا روا نہیں۔

مریض کے چار احوال ہوتے ہیں:

۱۔ ابتدائے امراض۔

۲۔ مرض کا شباب۔

۳۔ مرض کی انتہا۔

۴۔ مرض کا انحطاط۔

اس لیے طبیب پر ہر مزاج کی رعایت کرنا اور احوال مرض کا خیال رکھنا واجب ہے

اگر طبیعت میں یہ محسوس کرے کہ طبیعت تحریک و استفراغ فضلات کی محتاج ہے تو عجلت سے ان کا نفع کرے (اور پھر اسہال وغیرہ سے ان کا استفراغ کرے) طبیب کی حذاقت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اگر آسان تدبیر ممکن ہو تو دشوار علاج کی طرف متوجہ نہ ہو، اور اضعف سے اقویٰ کی طرف آہستہ آہستہ منتقل ہو، ہاں اگر (مریض) کی قوت کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو ابتداء ہی سے قوی ادویہ سے علاج کرنا درست ہے۔

علاج کے دوران میں ایک ہی ڈگر پر قائم نہ رہنا چاہیے کیونکہ طبیعت اس سے مانوس ہو کر دوا کے اثرات کھودیتی ہے اور یہ تو گندہ ہی چکا ہے کہ اگر غذائی علاج ہو سکے تو دوائی علاج سے پرہیز کیا جائے اور اگر یہ معلوم کرنا دشوار ہو جائے کہ آیا مرض گرم ہے یا سرد، تو جب تک یہ معاملہ کھل نہ جائے تب تک (علاج) نہ کرے۔ اور جس سے ضرر کا اندیشہ ہو اس کا تجربہ نہ کرے۔ ہاں اگر ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں اور اگر چند امراض یکجا صورت میں پائے جائیں تو ایسی صورت میں تین میں سے کسی ایک خصوصیت کا خیال رکھ کر علاج کرنا چاہیے۔

ایک یہ کہ دوسرے مرض کی صحت کا مدار اس (مرض) کے دور ہونے پر ہو، جیسے ورم اور زخم کیونکہ اس کی ابتداء ورم سے ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ ایک دوسرے کا سبب ہو جیسے سہہ اور حمی متعفنہ (تعفن کے باعث بخار) کہ اس میں سبب کے ازالہ سے علاج کی ابتدا کرنا چاہئے۔

تیسرے یہ کہ ایک دوسرے سے زیادہ اہم ہو، جیسے کہ حاد اور مزمن امراض۔ اس میں حاد کا پہلے علاج کرنا چاہئے۔ نیز اس کے باوجود دوسرے مرض سے بالکل بے اعتنائی بھی اختیار نہ کرنی چاہئے۔

# امراض متعدی

بیماروں کے لیے احتیاط  
اور صحت مندوں کے لیے ہدایت

جذام اور روق و سل سے تحفظ | صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ وفد ثقیف میں ایک شخص

جذام کے مرض میں مبتلا تھا۔ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا۔  
تم واپس جاؤ۔ ہم نے تمہیں بیعت کر لیا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ  
سے تعلقاً مروی ہے کہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
جذامی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا: جذامی کی طرف زیادہ دیر تک مت دیکھو۔  
نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت منقول ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا جذامی سے اس طرح کلام کرو کہ اس کے اور تمہارے درمیان ایک  
یا دو نینروں کا فاصلہ ہو۔

جذام ایک نہایت خطرناک مرض ہوتا ہے۔ جو بدن کے سارے حصہ میں  
مرہ سودا کے پھیل جانے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اعضاء کے مزاج: ہیئت  
اور شکل کو خراب و فاسد کر دیتا ہے، گاہے گاہے۔ آخر میں انہیں اس قدر خراب

کر دیتا ہے کہ اعضاء گل جاتے ہیں اور گر پڑتے ہیں، اس مرض کو داد الاسد بھی کہا جاتا ہے۔

**جذام اور ورق و سل موروثی امراض ہیں** | اطباء کے نزدیک یہ مرض موروثی اور متعدی ہوتا ہے۔ جذامی اور سل

کے مریض کے پاس رہنے والا بھی ان امراض کی ہوا سے مبتلائے مرض ہو سکتا ہے۔ چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر کمال شفقت و نصیحت کی بنا پر ان اسباب سے بھی منع فرمایا، جن سے ان کے احباب و قلوب میں فساد مرض لاحق ہو، اور فی الحقیقت گاہے گاہے بدن میں اس مرض کے قبول کر لینے کی استعداد مخفی ہوتی ہے، اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ طبیعت نقال ہونے کے باعث مجالست و مخالطت رکھنے والے امراض سے تیزی کے ساتھ منتقل ہو جاتی ہے۔ اور متاثر ہو جاتی ہے۔

**کیا یہ احادیث باہم معارض ہیں؟** | بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ احادیث آپس میں معارض ہیں۔ اور ایک دوسرے کا بطلان و نقض کرتی ہیں ان میں سے ایک ترمذی کی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذامی آدمی کا ہاتھ پکڑا۔ اور اسے پیالے میں ڈالا اور فرمایا !

کھاؤ۔ بسم اللہ ثقۃ باللہ و توکلہ علیہ ! یعنی اللہ کے نام سے اللہ پر اعتماد رکھتے ہوئے اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور ابن ماجہؒ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کوئی متعاری مرض (عدوی) نہیں۔ نہ طہرہ (خال) ہے۔

**ان احادیث میں تعارض نہیں** | اور ہم کہتے ہیں کہ محمد اللہ ان احادیث میں صحیحہ کوئی تعارض نہیں جب تعارض



ہوتا ہے۔ تو صرف ان روایات میں ہوتا ہے۔ جو کلام نبوت میں سے نہ ہوں، نیز بعض روایات نے بھی ثقہ ہوتے کے باوجود خلط ملط کر دیا ہے، یا پھر ایک روایت دوسری کے لیے ناسخ ہوتی ہے بشرطیکہ نسخ ہو سکتا ہے۔ نیز فہم سامع کے ذہن میں بھی تعارض ہو سکتا ہے۔ حقیقتاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تعارض نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر معنی کے لیے ایک وقت و مقام ہے۔ جب جگہ متعین ہو جائے تو اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔

عدوی کی دو قسمیں ہیں۔

ایک جذامی کا عدوی۔ جذامی کی ہوا از حد شدید ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ساتھ مجالست و مخالطت رکھنے سے مرض لاحق ہو سکتا ہے۔ نیز جذامی اپنی بیوی سے جب قربت کرتا ہے تو اس حرکت سے بھی اس کا یہ مرض عورت میں منتقل ہو سکتا ہے، نیز اس کا یہ مرض اولاد میں بھی منتقل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دق اور سل کے مرض کا معاملہ ہے، یہ بھی انتقال پذیر ہیں ایک سے دوسرے کو لگ سکتے ہیں۔ چنانچہ اطباء مسلول اور جذامی کے پاس مجالست کرنے سے منع کرتے ہیں، اور اس ممانعت سے وہ تو یہ مراد نہیں لے رہے ہوتے بلکہ ان کا مطلب فقط تغیر ہوا سے ہوتا ہے۔

دوسری قسم متعدی امراض کی طاعون ہے۔ جو شہر میں واقع ہو اس صورت میں چھوٹ لگ جانے کے ڈر سے لوگ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

جب وبا کسی شہر | وبا پھوٹ پڑنے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ میں واقع ہو تو وہاں

میں رہائش پذیر ہو تو وہاں سے نہ نکلو۔ اور اگر یہ کسی شہر میں پہلے سے موجود ہو تو اس میں داخل نہ ہو۔

باہر نہ نکلنے سے مراد آپ کی یہ تھی۔ کہ جب تم اس شہر میں ہو۔ تو باہر نہ

جاء۔ گو باتم یہ سمجھتے ہو۔ کہ اللہ کی تقدیر سے فرار اختیار کرنا نہیں اللہ سے نجات دے دے گا۔ اور آپ کا یہ فرمان کہ جب یہ وبا کسی شہر میں ہو تو وہاں داخل نہ ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تم ٹھہرے ہو یعنی جہاں طاعون نہیں ہے وہ جگہ تمہارے قلوب کے لیے زیادہ اطمینان بخش اور تمہارے رہنے کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

دوسرے گروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جذامی سے اجتناب و فرار کا حکم استحباً اختیار وارشاد کے طور پر ہے۔ رہا اس کے ساتھ کھانا تو یہ صرف جو ان کے لیے حرام نہیں۔

دوسرے گروہ نے کہا ہے۔ کہ یہ دونوں خطاب کلی نہیں بلکہ جزئی ہیں۔ گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آدمی کے حسب حال حکم دیا ہے۔ بعض کا ایمان اور توکل قوی ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی قوت توکل تقدیر کی قوت کو فنا کر دیتی ہے اس کے برعکس بعض لوگ اس کی قوت نہیں رکھتے۔ چنانچہ آپ نے احتیاط و تحفظ کے طور پر انہیں الگ خطاب فرمایا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے عنونہ اقتداء چھوڑنے کے لیے دونوں امور ارشاد فرمائے تاکہ امت کے قوی توکل رکھنے والے ایک عمل اختیار کر لیں۔ اور جو کمزور ہوں وہ تحفظ و احتیاط کی صورت اختیار کر لیں اور یہ دونوں سنن صحیح ہیں۔ ایک مومن قوی کے لیے اور دوسری مومن ضعیف کے لیے۔

ایک جماعت نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا اعتقاد تھا کہ متعدی امراض خود طبعی طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف اخافت کینے بغیر ہی تقدیر کرتے ہیں۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اعتقاد باطل کہا۔ اور جذامی کے ساتھ کھایا۔ تاکہ انہیں بتا دیا جائے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی مریض کرتا اور شفاء دیتا ہے۔ اور قربت سے یوں منع فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسباب کو مسببات (امراض) تک پہنچ جانے کا سبب بنایا ہے

تو اثبات اسباب کی نفی میں آپ نے وضاحت فرمادی۔ کہ کسی چیز کو معمولی نہ سمجھو بلکہ پروردگار اگر چاہے تو اس کی قوت سلب کرے۔ پھر کچھ بھی اثر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر باقی رکھنا چاہیے۔ تو اس کے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔

غرائب روایات سے بچنے کی تاکید | ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ احادیث ایک دوسرے کے لیے ناسخ و منسوخ

ہیں۔ اس صورت میں ان کی تاریخ دیکھی جائے گی۔ اگر متاخر حدیث کی تاریخ کا علم ہو جائے تو ایک کو ناسخ قرار دیا جائے گا۔ ورنہ توافق قائم کرنا ہوگا۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جذامی کا ہاتھ پکڑ کر پیالے میں ڈالا، تو یہ حدیث ثابت نہیں، اور نہ صحیح ہے۔ امام ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور نہ حسن ہے بلکہ اسے عریب قرار دیا ہے۔ اور شعبہ وغیرہ نے فرمایا کہ ان غرائب (روایات) سے بچو۔ اور ہم نے کتاب المفتاح میں اس مسئلہ پر خوب سیر حاصل اور طویل تبصرہ کیا ہے۔ ۱۵

۱۵: احادیث کی پرکھ کے لیے ائمہ حدیث نے بڑے سخت اور بے لچک اصول و قواعد مقرر کیے ہیں، ان کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو بڑی آسانی سے کھوٹی اور کھری، صحیح اور غلط، حدیث کا پتہ چل سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے اس کے بعد پھر حدیث کی صحت شک و شبہ سے بالا ہو جاتی ہے۔

# حرام چیزیں دوا نہیں بن سکتیں

یہ بجائے خود ایک قسم کی سخت اور شدید بیماری ہیں

سنن ابو داؤد میں حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
 بے شک اللہ تعالیٰ نے مرض بھی نازل کیا اور دوا بھی اتاری، اور ہر مرض کے لیے دوا پیدا کی۔ اس لیے دوا کرو۔ البتہ حرام چیز سے علاج مت کرو۔  
 اور صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں شفاء نہیں رکھی ہے جنہیں تم پر حرام کر دیا ہے۔  
 سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپاک دوا سے منع فرمایا ہے۔

شراب دوا نہیں مرضی ہے | صحیح مسلم میں طارق بن سوید جعفی سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق دریافت کیا۔ آپؐ نے اس سے منع فرمایا، یا اس کے بنانے پر کراہت ظاہر فرمائی۔



اس نے عرض کیا - میں تو دوا کے لیے بناتا ہوں -

آپ نے فرمایا! یہ دوا نہیں بلکہ مرض ہے -

اور ستن بیس مروی ہے - کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوا میں ڈالنے کے لیے شراب کے متعلق دریا قوت کیا - تو آپ نے فرمایا - یہ مرض ہے - علاج نہیں! یہ روایت ابو داؤد اور ترمذی نے نقل کی ہے -

اور ستن نسائی میں منقول ہے - کہ ایک طبیب نے اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں دوا کے لیے مینڈک کا ذکر کیا - آپ نے اسے ہلاک کرنے سے منع فرمایا!

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، آپ نے فرمایا! جس نے شراب سے علاج کیا - اسے اللہ شفاء نہ دے -

محرمات سے علاج کرنا عقل اور شرع ہر لحاظ سے قبیح فعل ہے - شریعت کا خیال تو ہم نے احادیث وغیرہ میں بیان کر دیا ہے - اور عقل کے لحاظ سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا، خدائے بزرگ و بزرگ نے خبیث انہیں حرام کیا ہے، کیونکہ اس امت پر سزا کے طور پر کوئی طیب چیز حرام نہیں کی گئی - جیسے کہ بنی اسرائیل پر حرام کی گئی تھیں -

اللہ تعالیٰ کافرات ہے کہ فظلم من الذین ہادوا حرمنا علیہم طیبات اخلت لہم -

یعنی! پس ان کے ظلم کی وجہ سے جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کر دیں ان پر پاک (چیزیں)، جو حلال کی گئیں ان کے لیے -

اور اس امت (مسلمہ) پر جو چیزیں حرام ہیں ان کی نبیا و خبیث ہے | جو چیز بھی حرام ہے - وہ محض

خبیث کی وجہ سے حرام ہوئی - تاکہ اس کے خبیث سے پرہیز کر کے (مرض) سے بچاؤ حاصل کیا جائے - اس لیے امراض و اسقام سے شفاء نہیں مل سکتی - او

اگر قوتِ تیزی کے اثر سے مرض کا ازالہ بھی کر دے پھر بھی خبیثت کے باعث قلب میں اس سے بھی زیادہ خطرناک مرض پیدا کرے گی اور ام الجناث (شراب) میں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذرہ بھر بھی شفاء نہیں رکھی، کیونکہ یہ دماغ کے لیے شدید ترین ضرر رساں ہے۔ جو اطباء فقہاء اور متکلمین سب کے نزدیک عقل و دانش کا مرکز ہے۔

**شراب کے بارے میں بقراط کی رائے** | بقراط نے امراضِ حادہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شراب دماغ کے لیے سخت ترین نقصان دہ ہے کیونکہ یہ تیزی کے ساتھ اوپر کی جانب چڑھ جاتی ہے۔ اور اس کے ارتقاع کے ساتھ ساتھ بدنی (فاسد) اخلاط بھی چڑھ جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ ذہن کے لیے بھی مضر ہے۔ اور صاحبِ کامل نے لکھا ہے کہ شراب کی خاصیت دماغ اور اعصاب کو ضرر دیتا ہے۔

۱۵: حرام چیزوں سے کوئی شبہ نہیں احتیاطِ کامل اور مکمل پرہیز لازم ہے۔ اور ان سے گریز و اجتناب ایمان کی علامت ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس طرح کے احکام و مسائل سے دو طرح کے اشخاص کو سابقہ پڑتا ہے۔

ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو صاحبِ عزیمت ہیں، یہ اتنے باعزم اور باحوصلہ ہوتے ہیں کہ ماتھے پر شکن لائے بغیر، احکام و اوامرِ الہی کی تعجبِ ہر حالت میں کرتے ہیں۔ خواہ جان ہی کیوں نہ چلی جائے، خواہ کیسے ہی مصائب کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۳۸۶ پر)

# سر میں جوں کا پڑنا

اسباب، تحفظ، علاج، تدبیر

صحیحین میں کہیٹ بن بجرہ سے مراد ہے۔ انہوں نے بتلایا کہ میرے سر میں درد تھا۔ پنا پچھ مجھے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا۔ جو میں میرے سر سے گر رہی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے انہیں سر منڈانے اور چھ آدمیوں کو کھانا کھلانے یا بکری کی قربانی دینے یا نین روزه رکھنے کا حکم دیا۔  
مراد بدن میں درد جوہ سے ہو جس پیدا ہوتی ہیں۔ ایک خارجی سبب سے، ایک داخلی سبب سے۔

باقی شہاد و سری قسم ان لوگوں کی ہے جو صاحبِ نصرت ہوتے ہیں، یعنی اللہ کا علم و موصلاً کمزور ہوتا ہے لہذا انہیں صاحبِ عزیمت لوگوں کے مقابلہ میں سہولت اور آسانی حاصل ہوتی ہے، مثلاً مردار کا کھانا بھی شراب کی طرح حرام ہے، لیکن اگر کئی فاقوں کے بعد آدمی جان بچانے کے لیے کھالے تو جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یعنی بوشنس سرکشی اور بغاوت کا ترک ہوئے بغیر جان بچانے کے لیے ایسا کر گزرنے تو اس پر گناہ نہیں۔ یہی صورت شراب کی ہے۔

خارجی سبب سطح بدن پر میل کچیل کی زیادتی کے باعث ان کا پیدا ہونا ہے۔ دوسری قسم یعنی داخلی، ردی اور متعفن خلط سے ظاہر ہوتی ہے۔ جسے طبیعت ظاہر جلد کی طرف پھینک دیتی ہے۔ چنانچہ بہ خلط مسامات سے خارج ہونے کے بعد ظاہر جلد پر رطوبت دم کے باعث تعفن پذیر ہو کر جوڑوں کی پیدائش کا سبب بنتی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر امراض کے بعد یا میل کچیل سے جو ہیں پیدا ہو جایا کرتی ہیں اور بچوں کے سروں میں رطوبت کی کثرت سے زیادہ تر یہ مرض واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں جو ہیں پیدا ہونے کے اسباب زیادہ ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی جعفر کے لوگوں کے سر منڈوا دیے۔ اور اس مرض کا سب سے بڑا علاج سر منڈوانا ہی ہے۔ تاکہ مسامات کھل جائیں۔ اور فاسد اخراجات خارج ہو جائیں۔ اور مادہ خلط ختم ہو جائے۔ نیز یہ بھی مناسب ہے کہ جو ہیں مارنے والی ادویہ سر پر لگائی جائیں۔

**سر منڈوانے کی تین صورتیں** | سر منڈوانا تین طرح سے ہوتا ہے۔ ایک مذہبی بنا پر،

دوسرا بدعت اور شرک کے باعث۔

تیسرا ضرورت اور علاج کے لیے۔

پہلا حج اور عمرہ میں کیا جاتا ہے۔

دوسرا اللہ تعالیٰ کے سوا حصول قرب کے لیے سر منڈوانا جیسے مرید اپنے

شیوخ کے لیے منڈاتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرید کہتا ہے میں نے فلاں کے

لیے سر منڈوایا۔ اور تو نے فلاں کے لیے سر منڈوایا۔ اور یہ تولی اسی طرح ہے

کہ جیسے کوئی کہے! میں نے فلاں کو سجدہ کیا۔ کیونکہ خلق سر شمع و خضوع

اور عبودیت کے مترادف ہے۔ اسی وجہ سے یہ کمالات حج میں سے ہے

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ رخلق اس حج کے ارکات میں سے ایک



رکن ہے۔ اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔ پھر شیوخ الفلال رگراہی کے مرکز اور دشمنان پروردگار ظاہر ہوئے جن کی مشنحیت کی بنیاد ہی شرک و بدعت پر ہے انہوں نے مریدوں سے اپنی عبادت کرانے کا قصد کیا۔ چنانچہ انہیں یہ بات خوب لگی۔ کہ وہ ان کے لیے سرمنڈ و ایٹس۔ جیسے انہوں نے مسجد کو اپنے لیے خوب سمجھ رکھا ہے۔ اور اس کا نام دوسرا رکھ دیا ہے۔ کہتے ہیں یہ تو گویا اپنے شیخ کے سامنے سر رکھ دینا ہے۔ حالانکہ مسجد تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے۔ انہوں نے چاہا یہ ہے کہ مرید لوگ ان ہی کے نام کی تدریس دیں۔ ان ہی سے تائب ہوں اور انہی کے ناموں کی قیاس کھاؤں۔ یہ سورت دراصل اللہ سے جدا رب بنانا اور اللہ کے سوا ان کو خدا ٹھہرانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۝ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ -

یعنی کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو جاؤ، اللہ کو چھوڑ کر لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھاتے تھے۔ کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے۔ اور نہ یہ کہے کہ تم ٹھہراؤ فہرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔ کیا تم کو کفر سکھائے گا۔ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

نام نہاد شیوخ اور صوفیہ پر اعتراض | سب سے افضل عبادت نماز کی عبادت ہے اور مصنوعی شیوخ و

علماء نے اسے بھی تقسیم کر لیا ہے۔ چنانچہ بڑے شیخ (کاذب) نے سب سے بڑی عبادت (سجدہ) کو اپنا لیا۔ بعض نے رکوع کروا لیا۔ چنانچہ جیب وہ ایک

دوسرے سے ملتے ہیں۔ تو جس طرح ایک نماز پڑھتے والا اپنے پروردگار کے سامنے رکوع کرتا ہے۔ اسی طرح یہ گمراہ (صوفی)، ایک دوسرے کو رکوع کرتے ہیں اور ذرا جابر قسم کے (شیوخ) نے قیام اختیار کر لیا۔ چنانچہ آزاد و غلام ان کی عبادت کرتے ہوئے ان کے سامنے قیام کرتے ہیں۔ اور یہ شیوخ متکبرانہ انداز میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں امور سے مفصل طور پر ممانعت فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ امور شریعت حقہ کے مزج طور پر خلاف ہیں۔

**غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں** | آپ نے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا۔ اور فرمایا کسی کو مناسب نہیں کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے۔ اور جب معاذ نے آپ کو سجدہ کیا تو آپ نے ان کے اس فعل رکے

تضویب کا انکار فرمایا۔ اور فرمایا!

ٹھہرو (البسامت کرو)

اب اگر کوئی اس قسم کی (تکبریم)، ایک بشر کے لیے جائز کر دے۔ تو گویا اس نے غیر اللہ کی عبادت کو جائز کہا۔

اور صحیح روایت میں آپ سے ثابت ہے۔ کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر ایک آدمی اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو کیا وہ اس کے لیے بھک جلائے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔

عرض کیا گیا۔ کیا اس سے چھٹ جائے اور اسے بوسہ دے؟ آپ نے فرمایا نہیں عرض کیا گیا اس سے مصافحہ کرے آپ نے فرمایا۔ ہاں!

**سلام کے موقع پر جھکنا بھی سجدہ ہے** | دراصل ایک نوع کا سجود ہوتا ہے۔ اس کی مثال اللہ کا کلام ہے۔ ادخلوا الباب سجداً یعنی جھکتے ہوئے داخل ہونا، ورنہ سب جانتے ہیں۔ کہ پیشانی کے بل لیٹ کر داخل ہونا تو محال ہے۔

صحیح روایت میں آپ سے قیام کی ضمانت ثابت ہے۔ جب کہ وہ بیٹھے ہوں  
 جیسے کہ ٹحی لوگ ایک دوسرے کے لیے کرتے ہیں۔ ستنی کہ نماز میں بھی اس سے  
 منع فرمایا۔ اور حکم دیا۔ کہ جب آپ بیٹھ کر نماز پڑھاؤں۔ تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔  
 حالانکہ صحابہ تندرست تھے۔ اور انہیں کوئی عذر نہ تھا۔ لیکن اس لیے بیٹھتے  
 کا حکم ملا آپ کے بیٹھتے ہوئے وہ آپ کے سر پر کھڑے نہ رہیں۔ کیونکہ ان  
 کا قیام تو اللہ کی عبادت کے لیے ہے۔

اس برائی کا اندازہ تو کیجیے جو غیر اللہ کی تعظیم و عبادت کے لیے قیام سے  
 پیدا ہوتی ہے،

یہ تمام امور شرک ہیں، اور اللہ تعالیٰ شرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا!

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات

ادویہ طبیعیہ ، ادویہ روحانیہ ، مفرد اور مرکب سے

## معالجات



# نظر برحق ہے

## نظر بد، اس کے اثرات اور معالجات

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ نظر حق ہے اگر کوئی چیز قدر سے بھی بڑھ جاتی تو وہ نظر ہی ہو سکتی تھی۔

**نظر بد کا علاج جھاڑ پھونک سے** | اور اسی صحیح میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخار، نظر اور پھوڑے پھنسی کے امراض میں جھاڑ پھونک کروانے کی اجازت دی ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نظر حق ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ آپؐ نظر لگانے والے کو حکم دیتے۔ وہ وضو کرتا اور (مریض) نظر والا اس (پانی) سے غسل کرتا۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

علم دیا یا (کسی کو) حکم دیا کہ ہم نظر (کے مرض) میں جھاڑ پھونک کر دیا کریں۔  
ترمذیؒ نے حضرت سفیان بن عیینہ سے انھوں نے عمرو بن دینار سے انھوں نے  
روہ بن عامر سے انھوں نے عبید بن رفاعہ زرقی سے روایت کیا کہ حضرت اسماء بنت  
لمیس رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا:

اے اللہ کے رسول بن جعفر کو نظر لگ جاتی ہے، کیا میں ان کے لیے جھاڑ پھونک  
کر والوں؟

آپؐ نے فرمایا، ہاں، اگر کوئی چیز قضا پر سبقت کر جاتی تو وہ نظر ہو سکتی تھی۔ یہ  
حدیث حسن صحیح ہے۔

مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن شہاب سے انھوں نے ابی امامہ بن سہل بن حنیف  
سے روایت کی ہے انھوں نے بتایا کہ عامر بن ربیعہ نے حضرت سہل بن حنیف کو غسل  
کرتے دیکھا، تو کہا۔

بخدا میں نے آج تک ایسا باز کا شخص نہیں دیکھا اور نہ ایسی خوبصورت جلد دیکھی۔  
راوی کہتے ہیں اس پر حضرت سہلؒ کو د نظر لگ جانے کے باعث دست شروع ہو گئے  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم عامر کے پاس تشریف لائے اور ناراض ہوئے اور فرمایا،  
تم میں سے ایک آدمی اپنے بھائی کو کس وجہ سے قتل کرتا ہے؟ اس کے لیے غسل  
کرو۔ حضرت عامرؒ نے اپنا، چہرہ ہاتھ کہنیاں، گھٹنے، اطراف پاؤں اور اندرون اندر  
ایک پیالے میں دھویا۔ پھر یہ پانی ان پر بہایا گیا، تو ٹھیک ہو گئے۔

نظر دو قسم کی ہوتی ہے، انسانی اور جناتی نظر۔

**نظر بدر کی دو قسمیں** | حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اپنے گھر میں ایک باندی دیکھی، جس کے چہرہ پر (سعقہ) پھوڑا تھا۔

آپؐ نے فرمایا، اس کی جھاڑ پھونک کر دو کیونکہ اسے نظر لگ گئی ہے۔

حسین بن مسعود فرماتے ہیں کہ آپؐ کا فرمان ”سعقہ“ سے مراد جناتی نظر ہے  
اور جناتی نظر اس قدر تیز ہوتی ہے کہ نیزوں کی نوک سے بھی زیادہ۔

حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنوں اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگتے تھے۔

ایک گروہ نے عقل و خرد کی کمی کے باعث نظر کو غلط کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ نرے اور ہام ان کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ لوگ عقل و خرد کے لحاظ سے تمام لوگوں سے زیادہ فرومایہ اور جاہل ہیں۔

ارواح میں نظر کی تاثیر، ان کے طبائع، قوی، کیفیات و خواص کے لحاظ سے مختلف ہے۔ چنانچہ حاسد کی روح، محسود پر بتین طور پر ضرر رساں اثر کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ محسود کے ضرر دینے میں حاسد کی تاثیر کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ نفس حاسد خبیث قسم کی کیفیات کے ساتھ محسود کا تقابل کرتا ہے اور اس میں (خبیث) خاصیت کے ساتھ ہو کہ (اسے ضرر دیتا ہے) اور اس کی تاثیر اتصال بدن پر موقوف نہیں، جیسا بعض کم علم اور طبیعت و شریعت سے جاہل لوگوں سے کا خیال ہے، بلکہ گاہے گاہے اتصال بدن سے کبھی تقابل ہو جانے سے کبھی محض دیکھ لینے اور کبھی صرف روحانی توجہ سے بھی تاثیر ہو جاتا ہے۔ اور کبھی ادعیہ، منتروں اور تمنیات اور کبھی صرف وہم و تخیل سے بھی اثر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔

یعنی، تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی۔ ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی، اور بدی سے اندھیرے کی، جب سمٹ آئے اور بدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونک ماریں اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ٹوک لگانے والے کی۔“

چنانچہ ہر نظر لگانے والا ہوتا ہے۔ ہاں ہر حاسد نظر لگانے والا نہیں ہوتا۔

# نظر بد کا علاج

## سنت نبوی کی روشنی میں

نظر کے مرض میں علاج نبوی کی کئی انواع ہیں۔  
سنن ابوداؤد میں حضرت سہل بن حنیف سے مروی ہے، کہ ہم ایک سیلاب  
میں سے گزر رہے۔ میں اس میں داخل ہوا، اور اس میں غسل کیا۔ لیکن باہر آتے آتے  
مجھے بخار ہو گیا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا ابوثابت  
سے کہو کہ وہ تعوذ کرے۔

راوی کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، اے میرے آقا دم کرانا اچھی بات ہے؟  
آپ نے فرمایا: دم صرف نظر یا جھٹی یا لاغ میں ہوتا ہے۔ یہ تعوذات اور دم بکتر  
معوذتین سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی سے مراد ہیں۔  
نیز تعوذات نبوی بھی مروی ہیں۔

۱۔ نظر بد - ۲۔ بخار -

۳۔ بچھو وغیرہ کا ڈس لینا۔



مثلاً اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ اَلَّتِی لَا یَجَاوِزُهَا فَاَجْرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذُرَّ اَوْسَرُ اَوْ مِنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا یُعْرِجُ فِیْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذُرَّ اَفِی الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ الْاَلِیْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ عِبَادَةٍ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَانْ یَحْضُرُوْنَ۔

یعنی میں اللہ کے کلماتِ تامہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، جن سے کوئی نیک و بد نہیں بڑھ سکتا، اس کے شر سے جو اس نے پیدا کیا۔ اس کی تخلیق کی یا نیست سے ہست کیا اور اس کے شر سے جو آسمان سے اترتا ہے اور اس کے شر سے جو اس میں چڑھتا ہے اور اس کے شر سے جو زمین میں پیدا کیا۔ اور اس کے شر سے جو اس میں سے نکلتا ہے اور رات اور دن کے فتنوں کے شر سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وساوس سے اور اس بات سے کہ وہ (میرے پاس) اُن موجود ہوں۔“

نیز یہ دعا بھی مروی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوذُ بِوَجْهِكَ اَلْكَرِیْمِ وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اَخَذَ بِناصِیْتِهِمُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ تَكْشِفُ الْمَاشِیْمَ وَالْمَغْرَمَ اَللّٰهُمَّ اِنْهَ لَا یَهْزِمُ جَبْدَكَ وَلاَ یَخْلِفُ وَعْدَكَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ۔

یعنی ”اے اللہ میں تیرے چہرہ انور کے ساتھ اور تیرے کلماتِ تامہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، اس کے شر سے جس کی پیشانی کا تو پکڑنے والا ہے اے اللہ تو ہی قرض اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔ اے اللہ تیرے عساکر کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، اور تیرا وعدہ خلاف نہیں ہو سکتا، تو پاک ہے، اور تیری ہی حمد ہے۔“

نیز یہ دعا بھی مروی ہے:

اَعُوذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ اَلَّذِیْ لَا شَیْءَ

اعظم منه وبكلماته التامات التي لا يجاوزهن بر ولا فاجر واسماء الله  
الحسنى ما علمت منها وما لم اعلم من شر ما خلق وذراؤه ومن شر  
كل ذي شر لا اطيع شره ومن شر كل ذي شر انت اخذ بناصره  
ان ربي على صراط المستقيم۔

یعنی ”میں خدائے بزرگ و برتر کے چہرہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس  
سے کوئی چیز بزرگ نہیں اور اس کے کلماتِ تامہ کے ساتھ جن سے  
کوئی نیک و بد نہیں بڑھ سکتا۔ اور اللہ کے اسماء الحسنیٰ کے ساتھ جو  
میں جانتا ہوں اور جو نہیں جانتا اور اس کے شر سے جو اس نے پیدا کیا۔  
تخلیق کیا اور عدم سے وجود میں لایا اور ہر شروانی چیز کے شر سے جس کے شر  
(سہنے کی) مجھ میں ہمت نہیں اور ہر اس شروانی چیز کے شر سے جس کی  
پیشانی کا تو مالک ہے۔ بے شک میرا پروردگار سیدھے راہ پر ہے۔

نیز، اللھم انت ربی لا الہ الا انت علیک توکلت وانت رب العرش العظیم  
ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن لا حول ولا قوۃ الا باللہ اعلم  
ان اللہ علی کل شیء قدیر وان اللہ قد احاط بكل شیء علما و احصى کل  
شیء غدا واللھم انی اعوذ بک من شر نفس و شر الشیطان و شرک  
ومن شر کل دابة انت اخذ بناصيتها ان ربي على صراط مستقیم۔

یعنی ”اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں  
نے تجھی پر توکل کیا اور تو ہی عرشِ عظیم کا پروردگار ہے جو اللہ چاہتا ہے وہ  
ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔ اللہ کے سوا نہ قوت ہے نہ  
توفیق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور  
بے شک اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار  
کیا ہے، اے اللہ میں اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر اور  
اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور ہر چلنے والے کے شر سے

پنام مانگتا ہوں، جس کی پیشانی کا تو مالک ہے۔ بے شک میرا پروردگار سیدھی  
راہ پر ہے۔“

جس نے بھی ان ادعویہ ماثورہ اور تعوذات کا تجربہ کیا وہ سمجھ لے گا کہ یہ کس  
قدر فوائد سے مملو ہیں اور ان کی کس قدر اہمیت ہے۔ ان سے نظر سے بچاؤ ہو  
سکتا ہے اور کہنے والے کی قوتِ ایمانی کے مطابق ان سے دفاع ہو سکتا ہے  
اور اس کی قوتِ توکل و ثباتِ قلب کے مطابق تحفظ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ایک  
مہتمیار ہے اور مہتمیار چلانے والے کے (فائدہ) کے لیے ہی ہوتا ہے۔

---

# خود اپنی نظر لگنا

## نظر بد سے بچنے کی ایک عام اور جامع دعا

اور جب عاین (نظر لگانے والا) کو اپنی نظر لگ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے دعا پڑھ کر اس شر کو دور کرنا چاہیے، دعا یہ ہے:

اللھم بارک علیہ یعنی اے اللہ اس پر برکت فرما۔

جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ بن ربیعہ سے فرمایا، جب سہیل بن حنیف نے انھیں نظر لگائی، کہ کیا تم نے دعائے برکت نہیں کی۔ یعنی اللھم بارک علیہ نہیں پڑھا؟

نیز ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ سے بھی نظر دور ہو جاتی ہے۔

ہشام بن عروہ اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ کوئی تعجب انگیز چیز دیکھتے، یا اپنے کسی باغ میں داخل ہوتے تو ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ پڑھ لیتے۔

اسی قبیل سے حضرت جبریل علیہ وسلم کا وہ دم ہے جو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا، جو صحیح مسلم میں مروی ہے۔



”باسم اللہ ارقیک من کل داء یوذیک من شر کل نفس اوعیت  
حاسد اللہ یشفیک باسم اللہ ارقیک،

یعنی ”اللہ کے نام سے میں آپ پر دم کرتا ہوں۔ ہر مرض سے جو آپ کو  
تکلیف دے۔ ہر نظر بد یا حاسد کی نظر کے شر سے اللہ آپ کو شفاء دے  
گا، اللہ کے نام سے میں آپ پر دم کرتا ہوں“

آیات قرآنی کھول کر پلانا | سلف کی جماعت کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اس مرض میں قرآن  
پاک کی آیات لکھ کر مریض کو پلا دیتے۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی ہرج نہیں کہ قرآن (کی آیات) لکھی جائیں پھر انہیں  
دھو کر مریض کو پلا دیا جائے۔

ابن قلابہؒ سے اس طرح مروی ہے، نیز حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انھوں  
نے ایک عورت کے لئے قرآن مجید کی آیات لکھ کر اسے دھو کر پلانے کا حکم دیا، تاکہ  
ولادت میں آسانی ہو جائے۔

ایوبؑ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو قلابہؒ کو دیکھا کہ انھوں نے قرآن میں کچھ لکھا۔  
پانی سے دھو کر درد والے کو پلایا۔

ایک علاج نظر بد کا یہ بھی ہے کہ نظر لگانے والے کو اطراف بدن داخل ازار وغیرہ  
غسل کا حکم دینا چاہیے۔ اس سے مراد دائیں جانب کا وہ حصہ بدن ہے جو متصل ازا  
ہے۔ پھر اسے مریض کے سر پر چھپے سے اچانک بہا دیا جائے یہ وہ علاج ہے جو اطباء  
کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا، اور منکرین اور استہزاء کرنے والے لوگ بھی  
اس سے مستفید نہیں ہو سکتے، بلکہ یوں کہیے کہ محض تجربہ کے طور پر اسے کرنا  
والے بھی فائدہ سے محروم رہتے ہیں۔ اگر انھیں فائدہ کا یقین نہ ہو، الغرض پانی سے  
دھونا اس کی ناریت کو ختم کر دینے کے اور اس کی سمیت کو زائل کرنے کے مترادف  
ہے اس سے نظر کو شفاء حاصل ہوتی ہے۔ نیز غسل کے اثرات قلب پر پہنچتے  
جو تمام مقامات سے زیادہ رقیق اور سریع النفوذ ہے۔

اس طرح (مرض) کی نارایت سمجھ جاتی ہے اور نظر بد کے مریض کو صحت حاصل ہو جاتی ہے، اس کی مثال اس طرح ہے۔ جیسے ڈسنے کے بعد اگر زہریلے کیڑوں کو مار دیا جائے تو مریض کے بدن سے زہر کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ اور اسے آرام محسوس ہوتا ہے کیونکہ ڈسنے کے بعد اس کا تنفس مریض کی جانب زہر اور سمیت کے اثرات زیادہ مقدار میں بھیجتا رہتا ہے اور جب اسے مار دیا جائے تو درد میں کمی آ جاتی ہے اور یہ مشاہدہ میں ہر روز آتا رہتا ہے۔

نیز ڈسنے والے کیڑے کو ہلاک کرنا مریض کی طبیعت کے لیے فرحت و انبساط کا باعث ہوتا ہے اس لیے اس کی طبیعت درد کے مقابلہ میں قوی ہو جاتی ہے اور اسے دور کر دیتی ہے۔

---

# نظر بد سے بچنے کا طریقہ

## حضرت عثمان بن عفان کا ایک واقعہ

نظر بد کے علاج اور اس سے تحفظ کے سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ ایسے مقامات کو چھپایا جائے، جن پر نظر بد کا خطرہ ہو جیسے کہ امام بغویؒ نے کتاب شرح السنہ میں لکھا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا، تو فرمایا، اس کی ٹھوڑی میں سیاہ داغ لگا دو، تاکہ اسے نظر نہ لگ جائے۔

اور خطابؓ ایک غریب حدیث میں فرماتے ہیں، جو عثمانؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک بچے کو دیکھا جسے نظر لگ جاتی تھی (حضرت عثمانؓ) نے فرمایا، اس کی ٹھوڑی میں سیاہ داغ لگا دو۔

# جھاڑ پھونک ورد

جن سے نظر بد کا اثر زائل ہو جاتا ہے

ابو عبد اللہ سیاحی سے منقول ہے کہ وہ حج یا غزوہ کے کسی سفر میں ایک سرریح الیمر  
اونٹنی پر سوار تھے۔ جماعت میں ایک آدمی تھا جس کی طرف نظر کرتا۔ اسے ہلاک ہی کر ڈالتا  
ابو عبد اللہ سے کہا گیا، کہ اپنی اونٹنی کو نظر بد سے بچا کر رکھنا۔

انھوں نے کہا، میری اونٹنی پر کوئی راہ نہیں پاسکتا۔

نظر لگانے والے کو اس کی خبر دی گئی، اس نے ابو عبد اللہ کی غیر حاضری سے فائدہ  
اٹھایا اور اس کے سامان کی طرف آکر اس کی اونٹنی کو (نظر بد) کے خیال سے دیکھا، وہ  
تڑپتی اور گر گئی۔

ابو عبد اللہ آئے تو انھیں بتایا گیا کہ نظر لگانے والے اس کو نظر لگادی، اور اب  
اس کی یہ حالت ہے جیسی تم دیکھ رہے ہو۔

انھوں نے کہا، مجھے (نظر لگانے والے) کی اطلاع دو، کہ وہ کہاں ہے؟ انہیں اطلاع  
دی گئی، وہ اس کے پاس آکر کھڑے ہوئے اور یہ دعا پڑھی:

بسم اللہ حبس حابس وحجر یا بس وشہاب قابس رددت عین العائن  
علیہ وعلیٰ حب الناس الیہ فارجع البصر هل تری من قطور شمر ارجع  
البصر کرتین یقلب الیک البصر خاسئاً و هو حسیر۔



یعنی ”اللہ کے نام سے روکنے والے کی روک، خشک پتھر، شعلے والا ستارا،  
میں نے نظر لگانے والے کی نظر اس پر اور اس کے سب سے زیادہ محبوب  
پر لوٹا دی۔ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے، تجھ کو دراڑ، پھر لوٹا کر دیکھ،  
دو دو بار لوٹ آئے گی تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر ہٹھک کر،“  
چنانچہ یہ دعا پڑھتے ہی نظر لگانے والے کی دونوں آنکھوں (کے حلقے) باہر نکل  
آئے، اور اونیسی اس طرح اٹھ گئی جیسے اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔

---

۱۔ جھاڑ پھونک اور دم بھی درحقیقت ایک طرح کی دعا ہی ہے، اور اس کا اثر حیرت انگیز طور پر  
مرتب ہوتا ہے، خاص کر ایسی چیزوں میں جو بجائے خود دوسرے انسان کے لیے اذیت رساں  
تکلیف دہ اور مضر ہوتی ہیں۔ مثلاً نظر لگنا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا  
اور روزمرہ کی زندگی میں ہر شخص کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ ہوتا رہتا ہے۔

# روحانی علاج

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
سنت طیبہ ،

سنن ابو داؤد میں حضرت ابو الدرداء سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا،

جسے تم میں سے کوئی تکلیف ہو، یا اس کا بھائی کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے اسے چاہیے کہ یہ دعا پڑھے:

ربنا اللہ الذی فی السماء تقدس اسمک امرک فی السماء والارض  
کما رحمتک فی السماء فاجعل رحمتک فی الارض واغفر لنا حوبنا وخطایانا  
انت رب الطیبین انزل رحمته من عندک وشفاء من شفاؤک علی  
هذا الوجه۔

یعنی: ”اے ہمارے پروردگار اللہ، جو آسمان میں ہے، تیرا نام مقدس ہے۔ تیرا امر آسمان اور زمین میں بھی اپنی رحمت فرما، اور ہمارے گناہوں اور لغزشوں کو معاف فرما دے، تو ہی پاک لوگوں کا پروردگار ہے۔ اپنے پاس سے رحمت نازل فرما، اور اپنی شفاء سے شفاء (نازل فرما) اس درد پر۔ چنانچہ یہ دعا پڑھتے ہی وہ اللہ کے اذن سے شفا یاب ہو جائے گا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا اے محمدؐ کیا آپ کو تکلیف ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ دم پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ سَاءٍ يُّوْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ  
حَاسِدٍ اِنَّ اللّٰهَ يَشْفِيْكَ بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ۔

یعنی، ”اللہ کے نام سے میں آپ پر دم کرتا ہوں۔ ہر مرض سے جو آپ کو تکلیف دے ہر جان کے یا نظرِ حاسد کے شر سے، اللہ آپ کو شفا دے گا۔ اللہ کے نام کے ساتھ میں آپ پر دم کرتا ہوں۔“

اے جو دعا حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی ہو اور جو گویا براہِ راست خدا کی طرف سے آپ پر نازل ہوئی ہو، اس کی افادیت میں کون صاحبِ ایمان شک کر سکتا ہے؟

ضرورت صرف اس کی ہے کہ ان دعاؤں کو ایقانِ کامل کے ساتھ پڑھا جائے۔ پھر ان کا اثر دیکھا جائے۔

# نیش عقبہ

سورۃ فاتحہ کے ذریعے علاج اور

اس کی مصلحت

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی ایک جماعت ایک مرتبہ ایک سفر پر نکلی۔ آخر کار یہ لوگ قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ کے ہاں اترے، اور ان سے کھانا مانگا، انھوں نے انکار کر دیا۔

اچانک قبیلہ کے سردار کو کوئی (دکیرا) ڈس گیا، انھوں نے اس کے لیے ہر دوا کر ڈالی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، کسی نے کہا، اس قافلے کے پاس جاؤ، جو یہاں اتر رہے، شاید وہاں کسی کے پاس اس درد کا درماں مل جائے۔

وہ آئے اور کہا اے قافلے والو! ہمارے سردار کو کوئی (دکیرا) ڈس گیا ہے، اور ہم نے اس کا ہر علاج کر ڈالا ہے، لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا، کیا تمہارے پاس کچھ (دوا وغیرہ) ہے؟ ایک نے جواب دیا، ہاں! اللہ کی قسم میں دم کرتا ہوں، لیکن ہم نے تم سے کھانا مانگا اور تم نے انکار کر دیا، اس لیے میں تب تک دم نہ کروں گا، جب تک کہ تم کچھ اُجرت ملے نہ کرو۔

چنانچہ انھوں نے بکری کا ایک ٹکڑا دینا منظور کر لیا۔ یہ اس پر دم کرنے لگے اور الحمد للہ رب العالمین الخ پڑھنے لگے۔ فوراً گویا اسے قید سے رہا کیا گیا، اٹھ کر چلنے لگا،



اور اسے کچھ بھی تکلیف نہ رہی۔

انھوں نے کہا، وہ وعدہ پورا کرو، جو طے ہوا ہے۔

بعض نے کہا اسے آپس میں تقسیم کر لو۔

دم کرنے والے نے کہا، ایسا مت کرو۔ جب تک کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوں، تاکہ آپ کے سامنے اس کا تذکرہ کریں اور دیکھیں کہ آپ اس کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

چنانچہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اور آپ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا گیا۔

آپ نے فرمایا، تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم بھی ہے۔ پھر فرمایا، تم نے ٹھیک کیا، تقسیم کر لو۔ اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سب سے بہترین دو قرآن مجید ہے۔

اور یہ کسے نہیں معلوم کہ بعض کلاموں کے مخصوص فوائد اور مجرب منافع ہوتے ہیں، پھر رب العالمین کے کلام کا کیا کہنا جس کی فضیلت تمام کلاموں پر مسلم ہے جیسے اللہ کی فضیلت اپنی مخلوق پر ہے۔ یہی شفاء کامل اور عصمت نافعہ، نور ہادی اور رحمت عامہ ہے۔ اگر اسے پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو اس کے عنکبوت و جلال سے پارہ پارہ ہو جاتا۔

قرآن میں شفاء اور رحمت ہے | اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ونزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنین یعنی ”اور نازل کرتے ہیں ہم

قرآن میں سے جو شفاء ہے اور رحمت ہے واسطے مومنوں کے“

اور یہاں وہ قولوں سے اصح کے مطابق جنس بیان مراد ہے، بعض حصہ مراد نہیں اللہ کا فرمان: وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظیما

پس سورہ فاتحہ کے متعلق تو بدرجہ اول ظاہر ہے، کہ اس جیسی کوئی سورت قرآن  
تورات، انجیل اور زبور میں نازل نہیں کیا گئی۔ نیز اس میں اللہ کی تمام کتب کے معانی  
پائے جاتے ہیں۔ یہ سورت رب تعالیٰ کے اسماء صفات اللہ رب رحمن۔ نیز  
اثبات معاد۔ ذکر توحید ربوبیت و توحید الہیت ذکر ضرورت استعانت از پروردگار  
کریم و طلب ہدایت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ نیز علی الاطلاق سب سے افضل اور نافع دعا  
بھی یہ سورت ہے۔

نیز طرح طرح کی مخلوق پر مشتمل ہے، جو معرفت حق اس کی محبت و اشیاء۔ نیز  
مغضوب و ضال مخلوق کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

اور یہ بھی قول مروی ہے کہ دم کے اصل کلمات ایاک نعبد و ایاک نستعین  
ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں کلمات سب سے قوی اجزاء پر مشتمل  
ہیں، کیونکہ ان میں تفویض و توکل، استعانت و احتیاج کی انتہا ہے۔

**میرا ذاتی تجربہ** | مکہ مکرمہ میں رہائش کے دوران مجھ پر بھی ایک وقت ایسا آیا کہ میں بیمار  
ہو گیا اور طبیب اور علاج کچھ میسر نہ آیا۔ چنانچہ میں آب زمزم پر سورہ  
فاتحہ دم کر کے اس سے علاج کیا کرتا، اور بار بار اس پر سورہ فاتحہ پڑھتا، پھر اسے  
پی لیتا۔ مجھے اس سے شفاء کامل حاصل ہوئی۔ اس کے بعد تو زیادہ تر امراض میں اسی  
سے علاج کرنے لگا۔ اور خوب فائدہ حاصل کیا۔

# دفع سمیت میں

## سورہ فاتحہ کی برکتیں اور فائدہ رسانیاں

سورہ فاتحہ وغیرہ کے دم سے زہر زدہ کے علاج میں مشقائی اثر بھی ایک عجیب راز ہے، کیونکہ زہر اپنے خاص غلط خواص کے لحاظ سے اثر کرتے ہیں، جیسا کہ گزر چکا، اور کیڑوں کا ہتھیار وہ ڈنک ہی ہوتا ہے جس سے وہ ڈستے ہیں، اور ڈستے اسی وقت ہیں جب کہ انتہائی طیش میں آتے ہیں، اور جب غصہ میں آتے ہیں تو ان کے ڈنک، میں زہر بن جاتا ہے، جسے وہ ڈنک کے ذریعہ منتقل کر دیتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی ہر مرض کا علاج فرمایا ہے اور ہر چیز کی ضد بنائی ہے اور دم کرنے والے اور دم کرانے والے کے تنفس مل کر آپس میں فعل و انفعال کا تعلق پیدا کر لیتے ہیں جیسے مرض اور دوا میں تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ دم کرتے وقت دم کرنے والے کا دم اور قوت مرض کے مقابلہ میں بڑھ جاتا ہے، اور اللہ کے اذن سے مرض کو دور کر دیتا ہے۔

ادویہ کی تاثیرات کا مدار بھی فعل و انفعال پر ہے اور جیسے مادی امراض اور علاج میں تعلق ہوتا ہے، اس طرح روح اور روحانی علاج کا آپس میں تعلق ہوتا ہے۔

الغرض جب روح، سورۃ فاتحہ کے معانی کے ذریعہ قوی اور مخصوص کیفیت کی حامل ہو جاتی ہے۔

اور پھونک یا لعاب سے استعانت حاصل کرتی ہے، تو یہ اثرات نفوس خبیثہ کے تمریض خواص کے مقابلہ میں آتے ہیں۔  
اور انھیں ختم کر دیتے ہیں۔

---



# پچھو کا ڈنک

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

حالت نماز میں آپ کی انگلی پر بچھو ڈسنا | مسند ابن ابی شیبہؒ میں حضرت  
عبداللہ بن مسعود سے حدیث

مروی ہے فرمایا:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بچھو نے آپ کی  
انگلی پر ڈس لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

سورۃ اخلاص اور نمک کے پانی سے علاج | اللہ تعالیٰ بچھو کو غارت کرے  
یہ کسی نبی اور غیر نبی کو نہیں چھوٹتا

پھر آپ نے برتن میں پانی منگایا، نمک ڈالا اور ڈسی ہوئی جگہ کو پانی اور نمک میں رکھا  
اور قل ہو اللہ احد اور معوذتین پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کو سکون ہو گیا۔

اس حدیث میں طبعی اور الہی دواؤں کا مرکب علاج ذکر ہوا ہے۔

سورۃ اخلاص کے برکات و فوائد | سورۃ اخلاص میں اعتقادی طور پر توحید نام ہے  
اور اللہ کے لیے اثباتِ احدیت ہے جس

سے شرک کی نفی ہوتی ہے نیز اثباتِ صمدیت ہے جس میں اس کے ہر کمال کا اثبات

ہوتا ہے۔ نیز مخلوق کا اس کی طرف محتاج ہونا بھی ثابت ہے۔ نیز سلسلہ توالد کی نفی بھی پائی جاتی ہے اور یہ ثلث قرآن کے برابر شمار کی گئی اور یہی تین اصول مرکز توحید ہیں اور معوذتین میں ہر کمرہ چیز سے مفصل و مکمل طور پر استفادہ ہے، کیونکہ من شر ما خلق میں ہر چیز اجسام یا ارواح کے شر سے استعاذہ (پناہ) پایا جاتا ہے اور من شر الفاسق یعنی رات کا استعاذہ قمر پر ہے کہ جب وہ غائب ہو جائے۔ تو اس وقت جو ارواح خبیثہ زمین میں پھیل جاتے ہیں ان سے استعاذہ مقصود ہے۔ دوسری سورت میں شیطین انس و جن سے استعاذہ بتایا گیا، گویا یہ دونوں مؤخرہ سورتیں ہر قسم کے شر سے استعاذہ کی راہ بتاتی ہیں۔

تحفظ اور مصائب آنے سے قبل دفاع کے سلسلہ میں ان دونوں سورتوں کی ایک عجیب شان ہے۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامر کو ہر نماز کے بعد یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا حکم دیا (جامع ترمذی)

اس میں ایک نماز سے دوسری نماز تک تحفظ کے لئے ایک عجیب راز ہے۔ آپ نے فرمایا کسی تعوذ کرنے والے نے ان جیسی (سورتوں) کے ساتھ تعوذ نہیں کیا۔ منقول ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ گرہیں لگا کر سحر کیا گیا اور حضرت جبریل علیہ السلام ان دو سورتوں کو لے کر نازل ہوئے۔ چنانچہ جوں جوں وہ ایک ایک آیت پڑھتے رہے ایک ایک گرہ کھلتی رہی۔ حتیٰ کہ تمام گرہیں کھل گئیں۔ اس طرح وہ گویا قید سے رہا ہوئے۔

اور اس میں علاجِ طبعی بھی ہے، چونکہ نمک کٹی زہروں خصوصاً بچھو کے زہر کے لئے وافعانہ اثر رکھتا ہے (اس لئے آپ نے اسے بھی استعمال فرمایا)

صاحبِ قانون کہتے ہیں کہ بچھو کے ڈسے پہنچ کتاں کے ساتھ ملا کر ضاد کیا جائے، ان کے علاوہ دوسرے اطباء نے لکھا ہے کہ نمک میں ایک ایسی قوتِ جاذبہ ہوتی ہے جو زہر کو جذب کر کے ودم کو تحلیل کر دیتی ہے۔

بچھو کے ڈنک سے بچنے کی دعا صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، گزشتہ شب مجھے ایک بچھو ڈس گیا۔

آپؐ نے فرمایا کاش تو شام کے وقت یہ دعا پڑھتا ہوتا۔  
 اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ تو تجھے ضرر نہ ہوتا۔  
 یاد رکھیے، ادویہ الہیہ مرض آنے کے بعد فائدہ دیتی ہیں اور مرض آنے سے قبل اس سے تحفظ کرتی ہیں اور اگر مرض آئے بھی تو ضرر رساں نوعیت اختیار نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ موذی ہی کیوں نہ ہو۔ اور طبعی ادویہ (طبی) مرض کے آنے کے بعد ہی فائدہ دیتی ہے۔ چنانچہ تعویذات واذکار یا تو اسباب (آفت) کو دور کر دیتے ہیں یا ان میں اور ان کے کامل اثرات میں حسب کمال تعوذ حائل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے تعوذ اور دم کو حفظانِ صحت اور ازالہ مرض ہر دو مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

پہلی قسم کے متعلق صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر تشریف لے جاتے تو دونوں ہاتھوں پر قل ہو اللہ اور معوذتین پڑھ کر بھونک لیتے، پھر اپنے چہرہ انور اور تمام بدن مبارک پر بھیر لیتے جہاں تک بھی ممکن ہوتا۔

نیز حضرت ابوالدرداءؓ کی موضوع حدیث میں مروی ہے کہ آپؐ:

اللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّي لَا اِلٰهَ اَنْتَ عَلَيَّ تَوَكَّلْتُ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ پڑھتے  
 یعنی اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے تجھ پر توکل کیا اور تو عرشِ عظیم کا رب ہے۔“

یہ گزر چکا ہے کہ جس نے اسے ابتدائے دن میں پڑھا، اسے شام تک کوئی مُصِیبت نہیں پہنچے گی، اور جس نے اسے دن کے آخر میں پڑھا، اسے صبح تک کوئی مُصِیبت لاحق نہیں ہوگی۔

مصائب سے بچنے کی دعا صحیحین میں مروی ہے کہ جس نے سورہ بقرہ کے دو آخری آیتیں رات کو پڑھ لیں، یہ دونوں اس کے لیے کافی ہیں۔

صحیح مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:  
جو کسی جگہ اترے، اور یہ دعا پڑھے:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، یعنی ”میں اللہ کے کلماتِ تامہ کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا کی“  
اپنی جگہ سے سفر کرنے تک اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔  
سنن ابی داؤد میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، اور رات کو یہ دعا پڑھ رہے تھے۔

يَا اَرْضُ رَبَّنِي وَرَبِّكَ اللَّهُ اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّكَ وَشَرِّ مَا فِيكِ وَشَرِّ مَا يَدِبُ عَلَيْكَ اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ اَسَدٍ وَاَسْوَدٍ وَاَحْيَاةٍ وَاَلْعَقْرَبِ وَمِنْ سَاكِنِ الْبِلَدِ وَمِنْ وَالدِّ وَمَا وَلَدَ۔

یعنی ”اے زمین میرا رب اور تیرا رب اللہ ہے۔ میں اللہ کے ساتھ تیرے شر سے اور جو تجھ میں ہے اس کے شر سے اور جو تجھ پر چلتا ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، میں شیر اور سانپ سے اور ازدہ سے اور بچھو سے پناہ مانگتا ہوں اور شہر میں رہنے والے سے اور باپ سے اور جو پیدا ہوا اس کے (شر سے پناہ مانگتا ہوں)“  
دوسرا وہ ہے جو سورہ فاتحہ کے ذریعہ دم کرنے اور بچھو کے دم میں ذکر ہوا۔

---

۱۔ ادعیہ ماثورہ کی اثر آفرینی شک و شبہ سے بالا ہے۔ اگر صدق دل اور صدق نیت سے ان دعاؤں کو پڑھا جائے تو ان کا حسب دل خواہ اثر ہونا لازمی اور قطعی ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔



# پھوٹے پھنسی کا علاج دم سے،

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی حدیث نقل ہو چکی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بخار، نظرِ بد اور نملہ (پھنسیوں) میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت شفاء بنت عبد اللہ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس تھی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا جس طرح تم نے کتابت سیکھ رکھی ہے کیا اسی طرح تم نملہ کا دم نہیں سیکھ لو گی؟

نملہ کا مرض اطرافِ بدن پر دانوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ایک مشہور مرض ہے اور اس کا نام نملہ اس لیے مشہور ہے کہ (نملہ کے معنی چھوٹی چھوٹی ٹیڑھی ہے) اور اس کا مریض یہ محسوس کرتا ہے کہ گویا ایک چھوٹی ٹیڑھی اس کے بدن پر رینگ رہی ہے، اور اسے ڈس رہی ہے، اس کی کئی اقسام ہیں۔

اس حدیث سے عورتوں کے لیے جوازِ کتابت ثابت ہے۔

# سانپ کا ڈس لینا

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھو اور سانپ کے ڈسنے کے لئے دم کرنے کی اجازت دی ہے۔  
ابن شہاب زہریؒ سے مروی ہے، انھوں نے بتایا، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابیؓ کو سانپ نے ڈس لیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی دم کرنے والا ہے؟  
لوگوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول آل حرم سانپ کے ڈسنے کا دم کیا کرتے تھے۔ جب آپؐ نے اس کی ممانعت فرمادی تو انھوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔  
آپؐ نے فرمایا، عمارہ بن حزم کو بلا لاؤ، انھیں بلایا گیا۔ انھوں نے دم کے الفاظ آپؐ کے سامنے پڑھے آپؐ نے فرمایا، اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔  
آپؐ نے دم کرنے کی اجازت دی، چنانچہ انھوں نے دم کر دیا۔

---

۱۔ یعنی اس دم میں ایسے الفاظ نہیں تھے، جو مشرکانہ ہوتے، لہذا آپؐ نے اجازت مرحمت فرمادی۔

# درد اور پھوٹے پھنسی کا علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ جب کسی کو کوئی تکلیف ہوتی، یا زخم ہو جاتا، یا پھوٹا نکل آتا، تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگشت شہادت کا سر اس طرح زمین پر گڑ دتے پھر اسے اٹھاتے اور پھر پڑھتے:

بسم اللہ توبہ بریقۃ ارضنا بعضنا یشفی سقیما باذن ربنا۔

یہ علاج از حد سہل ہے اور ہر جگہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی مرکب علاج ہے، دیگر ادویہ دستیاب نہ ہو سکنے کے موقع پر بطور خاص یہ علاج ایک کارگر معالجہ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ہر جگہ اسے عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ خالص اور شفاف مٹی سرد خشک ہوتی ہے، اور رطوبات زخم اور پھوٹوں کو خشک کر دیتی ہے، سرعت اندمال کے باعث ایسے روی اور خراب مادوں کو ختم کرتی ہے، جو صحت میں خلل انداز ہو جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ بیمار عضو کا مزاج اعتدال پر آجاتا ہے۔ اور جب مزاج اعتدال پر آگیا تو طبیعت کی قوت مدبرہ قوی ہو جائے گی۔ اور اللہ کے اذن سے تکلیف دور ہو جائے گی۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آپ انگشت شہادت کے سرے کو لعاب سے تھکر کے مٹی سے لگاتے پھر اسے مریض پر پھیر دیتے اس طرح ذکر الہی، تفویض امر اور

تو کل علی اللہ کی برکت بھی ساتھ ساتھ ہو جاتی۔

رہا یہ سوال کہ وہ ”تربة ارضنا“ سے مراد تمام زمین ہے یا صرف مخصوص طور پر اس سے مدینہ کی زمین مراد ہے؟

اس میں دو قول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ زمین میں ایسے خواص پائے جلتے ہیں جو کئی امراض میں فائدہ مند ہوتے ہیں اور کئی خراب قسم کے امراض میں مفید اور نافع اثر رکھتے ہیں۔

جالینیوس کہتا ہے کہ میں نے اسکندر یہ میں کئی معالجین کو دیکھا وہ مصر کی مٹی استعمال کراتے اسے پنڈلیوں، رانوں، کلائیوں پشت اور پسلیوں پر لیپ کراتے، اور اس سے خوب فائدہ ہوتا۔

کہتے ہیں، گاہے گاہے اور ام متعفنہ پر یہ لیپ بہت زیادہ فائدہ بخش ثابت ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ایک قوم کو دیکھا کہ زیریں حصہ سے اخراج خون کے باعث ان لوگوں کے بدن متورم ہو چکے تھے، انھیں اس مٹی سے کافی فائدہ ہوا، ایک دوسری جماعت کو دیکھا کہ انھیں مزمن درد سے صحت حاصل ہو گئی جو ایک طویل عرصہ سے بڑی شدت سے جاری تھا، اور کوئی تکلیف نہ رہی۔

جب عام مٹی کی یہ خاصیت ہوتی ہے تو زمین کی سب سے پاکیزہ اور بابرکت مٹی کا کیا کہنا جب کہ اس کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک بھی مخلوط ہو گیا ہو اور اس میں اللہ کا نام بھی ہو اور تمام امور میں تقریض اسی کی جانب ہو۔

دردِ پردم کرنے سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ صحیح مسلم میں حضرت

عثمان بن ابی عاص سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درد کی شکایت پیش کی، جب سے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا جسم میں ایک طرح کا درد سا محسوس کرتے تھے، بنی اکرم نے فرمایا، بدن میں جہاں درد محسوس ہوتا ہو اس جگہ ہاتھ رکھو اور یہ دعا پڑھو۔



بسم اللہ تین بار۔

پھر سات بار یہ دعا پڑھو: اَعُوذُ بِحُزْرَةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَازِرُ  
نیز صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ اپنے اہل میں سے کسی کو  
دم کرتے اور دائیں ہاتھ سے رگڑتے، اور یہ دعا پڑھتے:

اللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اِذْهَبِ الْبَاسَ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا بِشِفَاكَ  
شِفَاءَ لَا یُغَادِرُ سَقَمًا۔

یعنی، اے اللہ لوگوں کے پروردگار تکلیف دور کر دے اور شفا دے تو ہی  
صحت دینے والا ہے۔ تیری شفاء کے سوا کوئی شفا نہیں (ایسی شفاء دے)  
کہ کوئی تکلیف نہ رہے۔

اس میں شفاء حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی کمال ربوبیت و رحمت کا احساس کہ  
بس وہی ایک شفاء دینے والا ہے۔ اور اس کے سوا کسی سے شفاء نہیں مل سکتی، گویا  
اس کے ساتھ ساتھ توحید اور اس کے احسان و ربوبیت کا تذکرہ بھی ہو گیا۔

# مصیبت اور غم کے موقع پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعائیں

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ -

یعنی ”اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں، اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر“

مسند میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، کوئی شخص اگر مبتلائے مصیبت ہو جائے تو یوں دعا کرے۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللَّهُمَّ أَجِرْ نِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرَ مَنِهَا  
یعنی ”ہم اللہ کے ہی ہیں اور اسی کی طرف واپس جانا ہے، اے اللہ میری مصیبت

میں مجھے پناہ دے اور مجھے اس سے بہتر بدل عطا فرما۔“

اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں پناہ دے گا اور بہتر بدل عطا فرمائے گا۔ یہ کلام مصیبت کا سب سے بہتر علاج ہے، اور دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ فائدہ بخش ہے کیونکہ یہ دو عظیم اصولوں پر مشتمل ہے کہ اگر بندے کو ان کی معرفت ہو جائے تو مصیبت میں اسے اطمینان و سکون حاصل ہوگا۔ وہ اصول یہ ہیں:

**جو کچھ تمہارے پاس ہے سب خدا ہی کا ہے** | ایک یہ کہ بندہ اور اس کے اہل و عیال اس کا مال فی الحقیقت

اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور بندے کے پاس، یہ جو کچھ ہے محض مستعار ہے، جب وہ انھیں واپس لے لیتا ہے تو گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ مستعار دینے والا اپنا مال واپس لے لیتا ہے، نیز وہ عبادِ مامور کی طرح امور میں تصرف کرتا ہے، مالکانہ حیثیت میں (اسے تصرف کرنے کی اجازت نہیں) یہی وجہ ہے کہ اسے مالک حقیقی کے احکام کے مطابق ہی تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

**آخر کار اللہ کے پاس واپس جانا ہے** | دوسرے بندے کا مرجع و مصیر تو اللہ حق شانہ کی ہی طرف ہے اور دنیا کو چھوڑ

کر منفرد حالت میں پروردگار کے سامنے پیش ہونا ایک لا بدی اور یقینی امر ہے بالکل اس طرح جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے اہل و عیال اور مال کے بغیر تنہا پیدا کیا تھا۔ تب نہ اس کا کوئی مٹانداں تھا نہ اہل و عیال لیکن حسنات و سیئات کا معاملہ ضرور تھا۔ جب بندے کی ابتداء اور انتہا یہ ہے تو پھر موجود پر فرحت کیسی؟ اور مفقود پر غم کیوں؟ پس اس مرض کا علاج درحقیقت مبداء اور معاد کے غور و فکر میں پنہاں ہے۔ نیز ایک علاج یہ بھی ہے کہ اسے اس بات کا یقینی علم ہے کہ جو تکلیف پہنچی ہے۔ وہ ٹلنے والی نہ تھی اور جو ٹل گئی وہ پہنچنے والی نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا فِي نَفْسٍ مِنْكُمْ إِلَّا فِي

کتاب میں قبل ان نبراہا ان ذالک علی اللہ یسیرہ تکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخورہ  
یعنی ”نہیں پہنچتی کوئی مصیبت تمہاری جان کو نہ زمین پر، مگر وہ جو کتاب کے اندر لکھا ہوا ہے قبل اس سے کہ پیدا کر دیں ہم اس کو بلاشبہ یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے“ تو نہ غم کھاؤ تم اس چیز کے اور یہ کہ چوک گئی تم اور مت خوش ہو اس چیز پر کہ آئی تم کو اور اللہ نہیں دوست رکھتا کسی بھی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو“

اپنے غم پر دوسروں کا غم یاد کرو نیز اپنی مصیبت کو غمگینوں اور نجوروں کی دلجوئی کر کے ہلکا کرنا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ ہر جگہ خوش بخت اور غم و مشقت میں مبتلا لوگ موجود ہیں۔ اور یہ کہ دنیا کی خوشیاں محض خواب ہیں یا ڈھل جانے والا سایہ ہیں۔ اگر کچھ دیر ہنسناقی ہیں تو زیادہ دیر ملائی ہیں حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں، ہر فرحت کے بعد غم بھی ہے۔ اور جس گھر میں فرحت آئی غم بھی ضرور آیا۔

ابن سیرین فرماتے ہیں، کوئی ایسی ہنسی نہیں جس کے بعد رونانا ہو۔ ہند بنت نعمان فرماتی ہیں، ہم نے دیکھا ہم تمام لوگوں پر غالب اور طاقتور حکمران تھے پھر سورج غروب بھی نہ ہوا تھا، کہ ہم نے اپنے آپ کو سب لوگوں سے کم زیادہ کم درجہ اور فروتر دیکھ لیا، اور اللہ کو یہ حق ہے کہ جس گھر کو خیر سے بھر دے، اس میں غبار بھی اڑا دے۔ ایک آدمی نے اس سے اس کی حالت معلوم کی تو انھوں نے جواب دیا۔ صبح تھی کہ تمام عرب ہم سے (سناوت) کے امیدوار تھے اور شام ہوئی تو تمام عرب ہم پر رحم کھا رہے تھے۔ اور اس کا توڑ یہ ہے کہ آدمی یقین کر لے کہ جنہرے فزع اور اوایلا اسے دور نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اور درحقیقت زیادتی مرض کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے تو پھر اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ صبر و تسلیم و رضا کا ثواب ضائع ہو جانے کا خیال کرے۔ نیز یہ خیال کرے کہ صبر کے بعد جو



مسرت و لذت ملے گی وہ اس سے کئی گنا ہوگی۔ اور اگر وہ (صبر و استقامت) پر ثابت قدم رہا تو جنت میں بنا ہوا بیت الحمد (حمد کرنے والوں کا گھر) کافی ہوگا جو اسے اپنے پروردگار کی حمد اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے سے عطا ہوگا، پس انسان خود ہی سوچ لے، کون سی مصیبت بڑی ہے، دنیا کی مصیبت جس کے نتیجے میں جنت کا بیت الحمد چھن جائے؟

جامع ترمذی میں مرفوع روایت آئی ہے کہ قیامت کے روز لوگ خواہش کریں گے کہ (کاش) دنیا میں ان کے چمڑے قینچیوں سے کاٹے جاتے (اور انہیں صبر کرنے پر اجبر ملتا) جب وہ مصیبت زدگان (کے صبر کے باعث) ان کا ثواب عظیم دیکھیں گے

**مصائب نعمت الہی کا سبب ہیں** | بعض سلف سے منقول ہے ہم پر اگر دنیا میں مصائب نہ آتے تو ہم قیامت کے روز مفلس اور قلاش ہی اٹھتے۔

مسند احمد و ترمذی میں حضرت محمد بن بکر سے مرفوع روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت رکھتا ہے تو اسے مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ چنانچہ جو راضی ہو گیا۔ اسی کے لیے (اللہ) کی رضا ہے، اور جو ناراض ہوا، اس کے لیے (اللہ) کی ناراضگی ہے۔ امام احمد نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جو جزع کرے۔ اس کے لیے جزع (واویلا) ہے۔

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ وہ اس کے ذریعہ راضی ہو جاتے۔

حضرت عمران بن حصین اپنی بیماری کے دوران میں فرمایا کہ تھے۔ مجھے بھی وہی بات محبوب ہے، جو اللہ کو محبوب ہے۔

۱۔ یعنی جس نے صبر کیا۔

۲۔ یعنی جو صبر نہ کر سکا۔

حضرت ابوالعالیہ کا قول بھی ایسا ہی منقول ہے۔

یہ علاج و دوا، صرف مجبین کے ساتھ ہی کیا جاتا ہے اور ہر آدمی کے امکان میں بھی نہیں کہ وہ اس طریقہ پر علاج کر سکے۔

**مُصِیْبَت صبر اور ایمان کا امتحان ہے** | شیخ عبدالقادر نے فرمایا اے میرے بیٹے

مصیبت تجھے ہلاک کرنے کے لیے نہیں آتی، بلکہ تیرے صبر و ایمان کا امتحان لینے آتی ہے۔ نیز اس کا علاج یہ بھی ہے کہ تو سوچے کہ اگر دنیا میں مصائب و محن نہ ہوتے تو بندے عجب فرعونیت، شقاوتِ قلبی جیسے امراض میں مبتلا ہو جاتے، جن سے آدمی دنیا میں اور آخرت میں ہر جگہ تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے یہ تو وارحم الراحمین کا کمالِ رحمت ہے کہ بعض اوقات وہ مصائب کی دوا استعمال کر دیتا ہے جن کے باعث امراض سے تحفظ رہتا ہے اور صحتِ عبدیت قائم رہتی ہے نیز رکفر و عدوان و شرک وغیرہ کے فاسد مادوں کا استفراغ جاری رہتا ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو ابتلاء کے ذریعہ رحم فرماتی ہے اور انعامات کے ذریعہ ابتلاء میں ڈال دیتی ہے جیسا کہ مشہور شعر ہے۔

قد یتحمداً للہ بالبلوی وان عظمت ویبتلی اللہ بعض القوم بالتعم  
یعنی گا ہے گا ہے اللہ تعالیٰ مصائب کے ذریعہ انعام فرماتا ہے اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ بعض اقوام پر انعام کر کے انھیں ابتلاء میں ڈال دیتا ہے۔  
**دنیا کا دکھ آخرت کا ثمر شیریں** | نیز اس کا علاج یہ بھی ہے کہ آدمی یقین رکھے کہ دنیا کا دکھ ہی دراصل آخرت کا ثمر شیریں ثابت ہوگا۔ جنھیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ تبدیل کر دے گا اگر سمجھ میں نہ آئے تو نبی صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پڑھ

حققت الجنة بالمکاره وحقت النار بالشهوات۔

یعنی جنت کے سامنے ناپسند (تکلیفات) کی باڑ لگائی گئی اور دوزخ کے آگے مرغوبات (شہوات) کی باڑ لگائی گئی۔

پس اپنے آپ کو ان انعامات کے مطالعہ کی دعوت دو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اکرام اور فرماں بردار بندوں کے لیے دائمی انعامات سعادت ابدی اور کامرانی عظیمہ کی صورت میں تیار کر رکھے ہیں۔ نیز اس ذلت عذاب اور دائمی حسرتوں کا بھی (مطالعہ کرو) جو اہل باطل اور نافرمانوں کے لیے اس نے تیار کر رکھی ہیں، پھر انتخاب کرو کہ کونسی صورت تمہارے لیے زیادہ مناسب ہے؟ اور آدمی اپنے طریق کار پر عامل ہے اور ہر آدمی اپنے مناسب حال کی طرف لپک رہا ہے۔

---

# کرب الم اور حزن ملال کا علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے چینی کے موقع پر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:  
لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الہ الا اللہ رب العرش العظیم، لا الہ الا  
اللہ رب السموات السبع ورب الارض رب العرش الکریہ  
یعنی! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بزرگ اور حلیم ہے، اللہ کے سوا کوئی  
معبود نہیں، جو عرش عظیم کا پروردگار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ساتوں  
آسمانوں کا پروردگار اور زمین کا پروردگار عرش کرم کا پروردگار ہے۔  
نیز جامع ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کو کوئی غم لاحق ہوتا، تو آپؐ دعا فرماتے۔

یا حی یا قیوم برحمتک استغیث، یعنی ”اے زندہ اے ہر چیز کو قائم رکھنے  
والے تیری رحمت کے طفیل مدد مانگتا ہوں“

نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات کا  
صدمہ ہوتا تو آپؐ آسمان کی جانب سر مبارک اٹھاتے، اور سبحان اللہ العظیم پڑھتے،



اور جب دعائیں خوب سعی فرماتے تو یا جی یا قیوم پڑھتے۔

سنت اہل داؤدؑ میں  
حضرت ابو بکر صدیقؓ پر لیشانی اور حزن و کرب کے وقت کی دعائیں  
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ پر لیشانی آدمی کی دعائیں یہ ہیں:

اللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا فَلَا تَكُنْ لِيْ نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاصْلَحْ لِي شَانِي كُلَّهُ  
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ:-

یعنی اے اللہ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، اس لیے مجھے چشم زدنی کے لیے بھی میرے سپرد نہ کر مبری حالت درست فرما دے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، نیز حضرت اسماءؓ بذات عمیس سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نجر سے فرمایا:  
کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ بتاؤں جنہیں تکلیف اور کرب کے وقت یا کرب کی حالت میں کہہ لیا کرو؟ وہ یہ ہیں:  
اللّٰهُ رَبِّي لَا اَشْرَكَ بِهِ شَيْئًا، یعنی اللہ میرا پروردگار ہے، میں اس کا کسی کو شریک نہیں بناتا۔

ایک روایت میں ہے کہ اسے سات بار کہا جائے گا۔

سند امام احمدؒ میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ  
سُجَّ وَغَمٌ دُوْرُ كَرْنِي كِي دَعَا | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا۔  
جس بندے کو غم اور دکھ پہنچے اور وہ یہ دعا کرے۔

اللّٰهُمَّ اِنِّي عَبْدُكَ اَبْنُ عَبْدِكَ اَبْنُ اَمْتِكَ نَا صِبْتُ بِيَدِكَ مَاضٍ فِي حَكْمِكَ  
عَدَلٌ فِي قَضَائِكَ اَسْأَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِيَتْ بِهِ نَفْسُكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ اَوْ  
عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ اَسْبَغْتَ ثَرْتَهُ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ  
الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ رِيْحَ قَلْبِي وَنُوْرَ صَدْرِي وَجَلَاءَ عِزِّي وَنَهَابَ هَمِي۔

”یعنی اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے بندے کا بیٹا ہوں۔ تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے۔ مجھ پر تیرا حکم جاری ہے۔ مجھ پر تیرا فیصلہ ہی کارفرما ہے۔“

میں تیرے ہر اُس نام کے طفیل سوال کرتا ہوں جسے تو نے اپنا نام رکھا، یا تو نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ یا تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا تو نے اسے اپنے پاس علم غیب (مخفی علم) میں رکھا کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور، میرے غم کا دوا اور میرے حزن کو دور کرنے کا ذریعہ بنا دے۔“

جو بھی اسے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کا حزن و ملال دور کر دے گا اور اس کی جگہ فرصت عطا فرمائے گا۔

جامع ترمذی میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت ذوالنون علیہ السلام کی دعا | سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت ذوالنون علیہ السلام کی دعا جو انہوں نے چھپی کے پیٹ میں کی تھی یہ ہے۔

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین یعنی تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔“ کوئی مسلمان بھی ان الفاظ سے دعا کرے تو اس کی دعا (فرد بالفرد) قبول کی جائے گی۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ کوئی مصیبت زادہ ایسا نہیں ہو اسے کہے اور اس کی تکلیف دور نہ ہو جائے وہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کی دعا ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد میں تشریف لائے، اچانک ایک انصاریؓ حضرت ابو امامہؓ ان کے سامنے آئے۔

آپؐ نے فرمایا، اے ابو امامہؓ کیا بات ہے اس وقت نماز کا وقت بھی نہیں اور تم مسجد میں بیٹھے ہو؟

انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ مجھے قرض اور آلام نے گھیر رکھا ہے آپؐ نے فرمایا، میں تمہیں ایسا کلام نہ بتاؤں کہ جب تم اسے پڑھو تو اللہ عزوجل تمہارا غم دور کر دے اور تمہارا قرض ادا فرما دے؟

راوی کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، ہاں! ضرور اے اللہ کے رسول۔

آپؐ نے فرمایا، جب صبح ہو اور جب شام ہو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

اللهم انی اعوذ بک من الهم والحزن واعوذ بک من العجز والكسل واعوذ بک من الحبن والنجل واعوذ بک من غلبة الدين وقهر الرجال۔

یعنی، اے اللہ میں غم و حزن سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں عجز اور سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں بزدلی اور کتجوسی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں غلبہ قرض اور آدمیوں کے قہر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

راوی کہتے ہیں، میں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے تمام غم و حزن دور فرما دے۔ اور میرے سارے قرضے ادا کر دے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو استغفار لازم کر لے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات عطا کی، وہ اسے ہر تنگی سے نکال دے گا۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق ملے گا، جہاں کا اسے سان گمان بھی نہ ہوگا۔

اور سند میں مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی غم ہوتا تو آپ نماز کی طرف رجوع فرماتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ، یعنی اور صبر کر کے اور نماز پڑھ کر اللہ سے مدد مانگو۔

**جہاد جنت کا دروازہ ہے** | اور سنیق میں ہے کہ تم پر جہاد واجب ہے کیونکہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک

دروازہ ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ لوگوں کو غم و حزن سے بے نجات دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس پر غم و الم کی کثرت ہو، اسے کثرت سے لاقول والا باللہ پڑھنا چاہیے۔ صحیحین سے ثابت ہے کہ یہ (الفاظ) جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہیں۔

ترمذیؒ میں ہے کہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

**دعائی دوا کے پندرہ دور رس اہم فائدے** | نیز یہ ادویہ پندرہ انواع

غم و حزن ان سے نہ بھی ناکل ہو اور جب درد شکم اور اس کے اسباب محکم ہو گئے ہوں، اس وقت استفرغ کلی کی احتیاج ہوتی ہے۔

وہ پندرہ انواع یہ ہیں!

۱۔ توحید ربو بیت خدائے عزوجل۔

۲۔ توحید الہیت۔

۳۔ توحید علمی اعتقادی۔

۴۔ تنزیہ پروردگار عالم کہ وہ کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا اور نہ بندے کا بغیر سبب کے مواخذہ کرتا ہے۔

۵۔ بندے کا اعترافِ ظلم و خطا۔

۶۔ پروردگار کے تصور میں اس کی محبوب چیز کا توسل اور یہ ذریعہ توسل اس



کے اسماء حسنہ اور صفات ہیں۔

۷۔ حرف خدا سے استعانت۔

۸۔ ذات ربوبیت سے بندے کی آس اور اُمید کا اقرار۔

۹۔ توکل علی اللہ و تفویض الی اللہ یعنی اس کا اعتراف کہ بندہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جو سلوک اس سے چاہے کرے۔

۱۰۔ ریاض قرآن سے اس کا قلب شمیم انگیزیوں حاصل کرے جو اس سے قلب کے لیے موسم بہاراں بن جائے گا۔ جس کے باعث وہ شبہات و شہوات کے ظلمات میں روشنی لے کر چل سکے، جس کے باعث ہر فوت شدہ چیز پر تسلی حاصل کرے، ہر مصیبت کو سہ سکے، اور دل کے روگ دور کر سکے، جو اس کے حزن کو دور کر دے، اور صدمہ غم سے شفا بخشنے۔

۱۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے استغفار، و انابت و رجوع۔

۱۲۔ خدا کے راستے میں جہاد۔

۱۳۔ نماز۔

۱۴۔ توبہ خدائے بزرگ و برتر کی جناب میں۔

۱۵۔ لاجل و لا توقع کے سہارے براتہ اور تمام آلام و ہجوم کے بارے میں اللہ کی طرف محاملات کی سپردگی۔

اللہ تعالیٰ نے ابن آدم  
انے امراض میں ادویہ بالاکہ جہت تاثیر کو اور اس کے اعضاء  
 کو پیدا کیا۔ اور ہر عضو کا ایک کمال بنایا جب وہ کمال ختم ہو تو وہ عضو درد  
 محسوس کرتا ہے۔ اور اعضا کے بادشاہ "قلب" کو بھی ایک کمال دیا۔ جب  
 وہ مفقود ہو جائے تو اسے آلام و ہجوم کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ جب  
 آنکھ بصارت کی قوت کھودے گا تو شنوائی کی قوت سے محروم ہو۔ اور  
 زبان کلام کی قوت سے عاجز آ جائے، تو گویا ان اعضاء کا کمال چھن گیا، دل کا

کمال یہ ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے اس کی محبت و توجید اس کے ساتھ سرور و انتہا ج، توکل و رضا اسی کے لیے حب و بعض اور موالات و محادات رکھے۔ چنانچہ توجید بندے کے خیر و سرور۔ لذت و فرخت کا دروازہ کھولتی ہے، اور توبہ، اخلاط اور مواد فاسدہ کا استفراغ کرتی ہے۔ جو اس کی امراض کا سبب بنتا ہے۔ اور اختلاط سے تحتفظ ہوتا ہے۔ گویا وہ برائیوں کا دروازہ بند کرتی ہے۔ اور توجید کے ساتھ سعادت و خیر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور توبہ و استغفار کے ساتھ برائیوں کا دروازہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ متقدمین ائمہ اطباء کا کہنا ہے کہ جو شخص بدن کی صحت و عافیت چاہتا ہے۔ اسے کھانے اور پینے میں کمی کرنی چاہیے اور جو قلب کی عافیت کا جو یا ہو۔ اسے گناہ ترک کر دینے چاہیے۔

**ترک گناہ اور کم خوری و کم گوئی کے برکات** ثابت بن قرۃ فرماتے ہیں کہ جسم کی راحت کھانے

کی کمی میں ہے۔ اور روح کی راحت گناہوں کی کمی میں ہے اور زبان کی راحت کلام کی کمی میں ہے۔ قلب کے لیے گناہ زہروں کے قائم مقام ہوتے ہیں یہ اگر اسے ہلاک نہیں کرتے تو کمزور تو بہر حال کر دیتے ہیں۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ جب قوت میں ضعف آگیا، تو امراض کا مقابلہ دشوار ہو جائے گا۔

طیب القلب (دلوں، روحانی کے ماہر) حضرت عبداللہ بن مبارک نے

فرمایا ہے۔

رایت الذنوب تمیت القلوب وقد یورث الذل ومانہا

یعنی ہمیں نے گناہوں کو دیکھا کہ وہ دلوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

اور کبھی کبھی ان پر دوام ذلت ڈال دیتا ہے۔

وترک الذنوب حیات القلوب وخیر لنفسک عصیانہا

یعنی، اور گناہوں کا ترک دلوں کی زندگی ہے۔

اور تیرے نفس کی بھلائی اسی میں ہے کہ گناہوں کی نافرمانی کرے۔

اور آپ کے ارشاد:

## ”یا حی یا قیوم“ کے منافع و برأت

یا حی یا قیوم برحمتک استعیت۔

اس میں دفع مرض کی ایک عجیب مناسبت ہے، کیونکہ صف ”حی“ تمام صفات کمال کو مستلزم ہے اور صفت قیوم، تمام صفات افعال پر حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے کہ جب اس کے وسیلہ سے دعا کی جائے، تو قبول ہوتی ہے۔ اور جب کچھ سوال کیا جائے تو عطا ہوتا ہے۔ اور بلاشبہ یہ اسم اعظم ”الحی القیوم“ کا اسم مبارک ہے، چنانچہ ”حی قیوم“ کے اسماء ایسے تمام امراض کے زائل کرنے میں ایک عجیب اثر رکھتے ہیں جو مضریات ہوں۔ اور اس کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا میں ملتی ہے۔ جب آپ نے اپنے پروردگار کریم سے جبریل و میکائیل اور اسرافیل کے رب ہونے کے وسیلہ سے دعا فرمائی کہ انہیں حق کے متعلق اختلاف میں ہدایت دے کیونکہ قلبی حیات ہدایت سے وابستہ ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان تینوں فرشتوں کو حیات کے معاملات سپرد کر رکھے ہیں۔ چنانچہ جبریل وحی پر موکل ہیں جو قلوب کی اصل حیات ہے۔ اور میکائیل علیہ السلام بارش کے موکل ہیں جو ابدان و حیوان سب کے لیے حیات کا باعث ہے۔ اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے پر مقرر ہیں جو حیات عالم اور ارواح کے دوبارہ اجسام میں واپس آنے کا باعث ہوگا۔ چنانچہ ان عظیم ارواح ثلاثہ کی ربوبیت کے وسیلہ سے دعا کرنا استجابیت کے لیے بہت ہی موثر ہے۔

الغرض حی اور قیوم کے اسماء اجابت دعوات اور کشف تکالیف میں از حد فائدہ مند ہیں۔

سنن اور صحیح ابن حاتم میں مرفوع روایت

اسم اعظم والی آیات شریفہ

ہے کہ انہ دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم

اعظم ہے۔

وَأَدَّكَمُ إِلَهُ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ -  
اور آل عمران کی ابتداء میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا ہُوَ الْحَی الْقَیُّوْمُ  
ترمذی نے اسے حدیث صحیح بتایا ہے۔

سنن اور صحیح ابن حبان میں بھی حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی  
نے دعا کی اور یہ الفاظ کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بِدَارِ  
السَّعٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ يَا حَیُّ يَا قَیُّوْمُ -  
یعنی اے اللہ میں تجھ سے یہ وسیلہ لے کر دعا کرتا ہوں کہ تو ہی سزاوار حمد  
ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو بہت احسان کرنے والا، آسمانوں اور زمین  
کا پیدا کرنے والا ہے۔ اے بزرگی اور عزت والے اے زندہ اور ہر چیز کو قائم رکھنے  
والے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا  
کی جب اس کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے تو ضرور قبول ہوتی ہے اور جب مانگا  
جائے تو عطا ہوتا ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں خود سعی فرماتے  
تو یا حی یا قیوم کہتے۔ اور اس کی توجہ کے توسل کو مرض میں ایک موثر حیثیت  
حاصل ہے، اس طرح آپؐ کا یہ قول ہے، اللہ ربی لا اشکر بہ۔ یعنی اللہ میرا  
پروردگار ہے میں اس کے ساتھ شرک نہیں کرتا۔



# حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

اور اس کے معارف الہیہ اور اسرار عبودیت

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت -

اللہم انی عبدک و ابن عبدک اس دعا میں اس قدر معارف الہیہ اور رموز عبودیت ہیں جو اس کتاب میں سما نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ الفاظ اس کی عبودیت اور اس کے ابا و اجداد اور مال کی عبودیت پر مشتمل ہیں۔ نیز یہ کہ اس کی پیشانی (یعنی وہ بندہ خود) اُسی کے قبضہ میں ہے خدا جس طرح چاہتا ہے۔ اس پر تصرف کرتا ہے۔ اسی لیے بندہ اپنے نفع و نقصان کا تو کیا ذکر موت و حیا اور بعثت کا بھی مالک نہیں۔ کیونکہ اس کی پیشانی غیر عبداللہ کے ہاتھ میں ہے اس کے اپنے اختیار میں کوئی بات بھی نہیں۔ بلکہ وہ اس کی سطوت و سلطانت کے ماتحت بے بس اور مجبور ہے۔

اور آپ کا ارشاد!

ماضی فتی حکمک عدل فتی قضاءک۔

دو ایسے اصولوں پر مبنی ہے۔ جو درحقیقت

دو اصول جو مدار توحید ہیں | مدار توحید ہیں۔

ایک اثبات قدر یعنی یہ کہ پروردگار کریم کے احکامات بہر حال بندے پر نافذ ہیں اس میں جاری و ساری ہیں۔ اس سے الگ نہیں، نہ الگ ہونے کی کوئی صورت ہے۔ اور تران کو ہٹانے کا کوئی طریقہ ہے۔

پھر اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کا توسل اختیار کیا یعنی جو اس نے اپنے نام رکھے ہیں۔ خواہ بندے انہیں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں اور ان میں سے بعض ایسے اسماء مبارکہ بھی ہیں، جو اس کے ہاں غیب ہی کے پردہ میں مستور ہیں۔ اور ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین بھی ان سے آگاہ نہیں ہو سکے۔ اور یہ وسیلہ تمام وسائل سے زیادہ بڑا اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور قرب قبولیت کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

پھر آپ نے دعا کی۔ کہ قرآن مجید کو آپ کے قلب کے لیے بہارستان بنا دے، جہاں سے حیوان غذا حاصل کرتے ہیں، اسی طرح قرآن دلوں کی بہار ہے۔ اور یہ کہ اسے اس کے غم و الم کے لیے شفاء بنا دے، گویا یہ (قرآن مجید) ایسی دوا کا قائم مقام ہے۔ جو مرض کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔ اور بدلتے کو صحت و اعتدال کی جانب واپس لے آتا ہے۔

**دعائے یونس علیہ السلام کے اسرار و رموز** | یہی حضرت یونس علیہ السلام کی دعا! تو اس میں کمال توحید اور تنزیہ باری تعالیٰ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ نیز بندے کا اعتراف ظلم و خطا بھی موجود ہے۔ اور یہ پریشانیوں اور غم و حزن کو دور کرتے ہیں انتہائی طور پر موثر ہے اور قضاۃ حوائج کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک بہترین وسیلہ ہے۔ کیونکہ توحید و تنزیہ ہر کمال اللہ کے لیے ثابت کرنے اور ہر نقص و عیب کو اس سے جدا ماننے اور تسلیم کرنے پر مشتمل ہے اور اعتراف ظلم بندے کے لیے شرع۔ ثواب اور عتاب پر ایمان دار ہونے کی گواہی ہے۔ نیز اللہ جل شانہ کی جانب انکساری اور انابت کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس کی

عبودیت کے اعتراف اور پردہ دگاہ کی احتیاج کے اظہار کا ذریعہ ہے۔  
چار امور جو ذریعہ توسل ہیں | اس طرح یہاں چار امور ایسے ہیں۔ جن کے ذریعہ توسل کیا جاسکتا ہے۔

- ۱۔ توحید باری تعالیٰ عز اسمہ۔
- ۲۔ نیر حمد خدائے تبارک و تعالیٰ۔
- ۳۔ عبودیت کاملہ، خدائے مانا و بنیا کے حضور ہیں۔
- ۴۔ اعترافِ رظلم و گناہ۔

ابو امامہ کی حدیث کے اسرار و رموز | یہی ابو امامہؓ کی حدیث۔  
 اَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهُوَ وَالْحُزْنِ

اے اللہ میں غم اور حزن سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔  
 تو یہ دعا آٹھ اشیاء سے استفادہ پر مشتمل ہے۔ ہر دو ایک ایک جوڑے کی طرح بیان ہوئی ہیں۔

غم و حزن ایک جوڑا ہے۔ عجز و کسل ایک جوڑا ہے۔ جبین و نجل ایک جوڑا ہے۔ ضلع الدین و غلبۃ الرجال ایک جوڑا ہے۔

”ہم“ ”آوز حزن“ کے اسرار | کیونکہ ایذا دینے والا مکروہ امر جب بھی قلب پر آئیگا تو یا اس کا سبب کوئی گزشتہ امر ہوگا۔ تو حزن پیدا کرے گا۔ اور اگر مستقبل میں اس کا خطرہ ہوگا، تو ”ہم“ پیدا ہوگا۔

”عجز“ ”وکسل“ کے اسرار | اور کبھی کبھی بندہ اپنے مصالح سے پیچھے رہ جاتا ہے اور قادر نہیں ہو سکتا، یہ عدم

۱۔ غم اور سدمہ  
 ۲۔ اندیشہ، خطرہ، الم،

قدرت یا تو عجز کے باعث ہوگی۔ یا عدم ارادہ یعنی کسل کے باعث ہوگی۔  
**”جنت اور نجل کے اسرار“** | اور خیر کارک بنانا اپنے اور اپنی جنس سے نفع حاصل نہ کرنا، ایسی صورت میں بندہ یا تو اپنے بدن کے دراجہ نفع نہ حاصل کرتا ہوگا۔ یہ جہن ہے، یا مال سے نفع نہ حاصل کرتا ہوگا۔ یہ نجل ہے۔“

**”قہر رجال، اور ضلع دین کے اسرار“** | اور قہر رجال بھی یا تو حق پر مبنی ہوگا۔ مثلاً یہ ضلع الدین (قرض) ہے اور باطل کے سبب سے ہوگا۔ یہ محکومیت یعنی نبلتہ الرجال کہلائے گا۔ گویا یہ حدیث ہرثم کے شر سے استفادہ اور پناہ کو مقصود ہے۔  
**استغفار کے تاثیر عجیب** | یہی غم و حزن اور تنگی کو دور کرنے میں استغفار کی تاثیر تو جملہ اہل مل اور عقلائے امم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ معاصی اور فساد ہی غم و حزن، خوف و غم، نیز تنگی اور امراض قلب پیدا کرتے کامو جیب ہوتے ہیں پھر جیب گناہوں اور خطاؤں کے اثرات قلب میں اس طرح جاگزیں ہوتے ہیں۔ تو ان کا علاج بھی صرف تو یہ استغفار ہی ہو سکتا ہے۔

**نماز کے برکات و فوائد** | یہی نماز! تو تفریح و تقویت قلب اور اس کے اشراج و لذت میں اس کی ایک عجیب شان ہے۔ اس میں قلب و روح اللہ کے ساتھ جاملتے ہیں۔ اس کا قریب حاصل کرتے ہیں۔ اس کے انعامات کا تذکرہ کر کے مناجات میں تذلل دکھا کر اور اس کے سامنے قیام کر کے اور تمام بدنہ۔ اس کے قوی اور آلات بدن اس کی عبودیت میں مصروف کر کے اور ہر عضو کو اس کی عبادت کا ایک حصہ دے کر ایک طرح سے اتصال رحمت حاصل ہوتا ہے، تو گویا نماز دنیا و آخرت کے مصالح کے حصول اور دنیا و آخرت کی نکالیف دور کرتے کا ایک بہترین اور



سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ نیز یہ گناہ سے روکنے والی اور امراض قلب کو دور کرنے والی ہے۔ بدن سے بیماری ہٹانے والی۔ دل کو روشن کرنے والی ہے چہرے کو سفید (روشن) کرتے والی۔ اعضائے بدن اور روح کے نشاط کا باعث ہے۔ رزق دینے والی۔ ظلم دور کرنے والی ہے۔ مظلوم ناچار کا مدد کرنے والی ہے۔ اخلاط شہوانی کو جڑ سے اکھاڑنے والی ہے۔ انعامات کی محافظ۔ عذاب کی واقع۔ نزول رحمت کا سبب ہے۔ غم دور کرتے والی اور اکثر امراض شکم میں نفع دینے والی ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت مجاہدؒ کی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا میں لیٹا ہوا تھا۔ میرے پیٹ میں درد تھا۔

آپؐ نے فرمایا: اے ابو ہریرہؓ! کیا پیٹ میں درد ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! اے اللہ کے رسولؐ۔

آپؐ نے فرمایا: اٹھ اور نماز پڑھ۔ کیونکہ نماز میں شفاء ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث موقوف ہے۔

**دفع غم والم کے لیے جہاد کی تاثیر** | یہی غم و حزن کے دبیعہ کے لیے جہاد کی تاثیر۔ تو یہ وجدان سے ہی ظاہر

ہے۔ کیونکہ انسان جب باطل کی جارحیت اور استیلاء کو بلا مقابلہ چھوڑ دیتا ہے تو اس کا غم و حزن اور کرب و خوب شدید ترین حد تک بڑھا جاتا ہے۔ اور جب وہ اللہ کے نام پر اس سے جہاد کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے غم و حزن کو فرحت و نشاط اور قوت انبساط میں بدل دیتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے!

قَاتِلُوهُمْ رِيعَ بَہْمَا لَہٗ بِاَیْدِیْکُمْ وَیَخِذْہُمْ وَیَنْصُرْکُمْ عَلَیْہُمْ  
وَيُشَفِّ صُدُورَ قَوْمِ مُؤْمِنِیْنَ ۝ وَیَذْہِبْ غَیْطَ قُلُوبِہُمْ ۝

یعنی "اے لوگو! ان سے تاکر عذاب دے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں اور سوا

کرے، اور تم کو ان پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دلی مسلمانوں کے اور نکالے  
ان کے دل کی جلن۔“

چنانچہ جہاد سے زیادہ کوئی کام ایسا نہیں جو کہ قلب کے غم و حزن اور ملال کو  
دور کر سکے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ کی تاثیر  
رہی لا حول ولا قوۃ الا باللہ کی تاثیر مرض سے  
کے دور کرنے میں! تو اس کا رگز ترکیب سے

بندے نے تمام امور اللہ تعالیٰ کو سپرد کر دیے۔ اور دوسروں سے برأت حاصل  
کر لی اور کسی امر میں اس ذات باری تعالیٰ سے منازعت نہ رہی۔ اور عالم علوی  
داخلی کا ہر تحول عام ہے اور اور یہ تمام تر اللہ کے ماتھے میں ہے۔

بعض آثار میں آتا ہے کہ آسمان سے جو فرشتہ بھی اترتا ہے یا آسمان کی طرف  
چڑھتا ہے۔ تو وہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ہی کے الفاظ سے اترتا اور چڑھتا  
ہے۔ اور شباطین کو دور کرنے کے لیے اس میں ایک عجیب تاثیر ہے۔

# بے خوابی، وحشت اور پریشانی

دوا - دعا - علاج - تدبیر

جامع ترمذی میں حضرت بریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت خالدؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت پیش کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول - میں پریشانی کے باعث رات کو سو نہیں سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب بستر پر جاؤ، تو یہ دعا پڑھ لیا کرو!

اللہم رب السموات السبع ورمأظلت ورب الارضین ومأقلت ورب الشیاطین وما اضلت کن لی جاراً من شر خلقک کلہم جمیعاً ان یغترط علی احد منهم او یبغی علی عن جاءک وجل ثناؤک ولا الہ غیرک۔  
یعنی! اے اللہ ساتوں آسمانوں کے پروردگار اور جن پر ان کا سایہ ہے اور اے زمینوں کے پروردگار اور جنہیں انہیں نے پھر پوشیدہ کر لیا۔ اور اے شیاطین کے پروردگار اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا اپنی ساری مخلوق کے شر سے مجھے پناہ دینے والا بن جا۔ اس سے کہ ان میں سے کوئی مجھ پر افراط کرے یا مجھ پر زیادتی کرے۔ تیرا پڑوسی (پناہ میں آنے والا) عزت والا ہو گیا۔ تیری ثنا

بڑی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اسی کتاب میں حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہے، انہیں اپنے والد انہیں دادا سے روایت ملی۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبراہٹ میں یہ دعا سکھایا کرتے تھے۔

أعوذ بكلمات الله التامة من غضبه وعقابه وشر عباده ومن  
حمزات الشياطين وأعوذ بك رب أن يحضرون۔

یعنی! میں اللہ کے نام نہیں تام کھیٹے، کلمات کے ساتھ اس کے غضب اس کے عذاب۔ اس کے بندوں کے شر سے اور شبابیلین کے دوسو سوں سے پناہ مانگتا ہوں اور اے پروردگار اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔ کہ وہ (شبابیلین) ان موجود ہوں۔

راوی کہتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بڑے بچوں کو یہ دعا سکھایا کرتے تھے اور جو چھوٹے تھے۔ اسے لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے۔ اور اس مرض میں استعاذہ کی مناسبت بھی کوئی محقق بات نہیں۔



# جل جانے کا مدوا

آگ بجھانے کی تدبیر  
تکبیر کا اثر آگ بجھا دیتا ہے

حضرت عمرو بن شعیب سے منقول ہے۔ انہیں اپنے والد سے انہیں دادا سے روایت ملی۔ انہوں نے بتایا! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم آگ دیکھو۔ تو تکبیر کہو۔ کیونکہ تکبیر آگ کو بجھا دیتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی کبریائی کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ چنانچہ جب مسلمان تکبیر کہتا ہے۔ تو تکبیر کا اثر آگ بجھا دیتا ہے۔ اور شیطان کو بھی جھکا دیتا ہے جو آگ کا اصل مادہ ہے۔ چنانچہ آگ بجھ جاتی ہے۔

ہم نے نیز ہمارے سوا دوسروں نے بار بار اس کا تجربہ کیا اور ایسا ہی پایا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

# حفظانِ صحت کے اصول

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کی روشنی میں

جب ثابت ہو گیا کہ بدن کی صحت اور بقا اور اس کا اعتدال ہی حرمت کے لیے رطوبتِ مرافعہ کا ذریعہ ہے تو گویا رطوبت اس کا مادہ ہے اور حرارت اس کا نفعی کرتی ہے۔ اور اس کے فضلات کو دور کر کے اس کی اصلاح و تلطیف کرتی ہے ورنہ بدن فاسد ہو جائے اور اس کا درست رہنا ناممکن ہو جائے۔ اسی طرح رطوبت حرارت کی غذا ہے اگر رطوبت نہ ہو، تو بدن جل اٹھے اور اسے خشک کر کے ختم کر دے۔ گویا دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ قومی تعلق ہے اور بدن کی حیات ان دونوں کی ترکیب سے ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے مادہ کا کام دیتے ہیں۔ اس لیے حرارت ہمیشہ رطوبت کو تحلیل کرتی رہتی ہے اور بدل مائع کے طور پر مزید رطوبت کا محتاج ہوتا ہے۔ تاکہ اپنی زندگی قائم رکھ سکے۔ یہ رطوبت کھانے اور پینے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر رطوبت مقدار میں بڑھ جائے۔ تو حرارت اسے تحلیل کرنے سے عاجز رہ جاتی ہے، اس وقت یہ رطوبت فاسد مواد کی صورت اختیار کر لیتی ہے چنانچہ بدن متبلا ہو کر بیمار ہو جاتا ہے۔ اور مادہ کی نوع قبولیت اور استعداد مرض کے لحاظ سے مختلف

انواع کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ اور یہ تمام احتیاطیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مستفاد ہیں۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا (اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعتدال اور احتیاط اصلی اصول ہے اپنے بندوں کو بدل یا تحلیل کے

مطابق کھانے پینے کا حکم دیا۔ تاکہ اس سے بدن کی کیفیت اور کیفیت میں فائدہ مند حد تک استفادہ حاصل ہو لیکن جب یہ مقدار (خور و نوش) بڑھ جائے گی تو بہ اسراف میں داخل ہوگی، اس لیے دونوں باتیں صحت کے لیے مفید اور مرض کی ذمہ دار ہیں، یعنی خور و نوش بند کر دینا یا اس میں اسراف سے کام لینا۔ پس اللہ تعالیٰ کے ان دو کلمات طیبہ میں حفظانِ صحت کی تمام باتیں مکمل طور پر پائی جاتی ہیں، اور جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ کا مطالعہ کرے گا، وہ اسے حفظِ صحت کے لیے سب سے زیادہ اعلیٰ اور عمدہ پائے گا۔ کیونکہ صحت کی حفاظت، خور و نوش، لباس، رہائش، ہوا، نیند، بیداری، حرکت و سکون، نکاح، استقرا و احتیاس ہر بات میں حسن تدبیر پر موقوف ہے۔ اب اگر ان باتوں میں بدن، شہر، عمر اور عادت کے مطابق اعتدال قائم رہا۔ تو یہ مرنے تک بالکل صحت مند یا اس کے قریب ہی رہنے کا ذریعہ ہوگا۔ اور جب صحت و عافیت بندے پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام اور سب سے بہترین اور اعلیٰ علیہ اور سخاوت ہے۔ بلکہ صحت کاملہ علی الاطلاق تمام نعمتوں سے بڑھ کر بڑی نعمت ہے لہذا جسے اس کی حفاظت، مراعت اور دناغ کا موقع ملے۔ اس کے لیے اس کی حفاظت کرنا واجب ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

دو نعتیں ایسی ہیں۔ کہ جن کے بارے میں کئی لوگ دھوکے میں ہیں، ایک صحت اور ایک فراغت۔

**صحت بہت بڑی نعمت ہے** | اور ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن محسن انصاریؓ سے مروی ہے کہ جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو صبح اس حالت میں کرے۔ کہ اس کا جسم مامون ہو۔ اپنے گھر میں وہ عافیت سے ہو اور اس کے پاس اس دن کی روزی موجود ہو۔ گویا اسے ساری دنیا دے دی گئی۔

اور ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز انعامات میں سے اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اپنے بندہ سے پوچھے گا۔ اور اس سے کہا جائے گا: کیا ہم نے تجھے صحت مند بدن نہ دیا تھا اور تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہ کیا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ بعض نے اس آیت کی شرح۔

تَمَرُكَسْتَلْنِ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (پھر البتہ ضرور تم سے انعامات الہی کے متعلق باز پرس ہوگی) میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد صحت ہے۔

**دنیا و آخرت میں عافیت کی دعا** | اور مسند احمد میں مروی ہے۔ کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا: اے عباس اے رسول خدا کے چچا اللہ سے دنیا و آخرت میں عافیت کی دعا کیا کرو!

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا: کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ اللہ سے یقین اور معانات کی دعا کرو، کیونکہ یقین کے بعد عافیت سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں جو کسی کو عطا ہو، اس میں آپؐ نے دنیا و آخرت کی عافیت جمع فرمادی ہے۔ اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ دایرہ میں بندے کے حالات یقین اور عافیت کے بغیر اصلاح پذیر نہیں ہو سکتے۔



چٹا پنجہ یقین سے آخرت کی سزا میں دور ہوتی ہیں۔ اور عافیت سے قلب و بدن  
امراض دنیا سے نجات پاتا ہے، پس جب عافیت و صحت کی یہ شان ہے تو ہم  
جی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ ان امور میں مراعات کے متعلق بیان  
کریں گے۔ جو انہیں پڑھے گا۔ وہ محسوس کرے گا۔ کہ آپ کی سنت طیبہ علی الاطلاق  
سب سے کامل طریق زندگی ہے، جس سے ہر دو یعنی بدن و قلب اور دنیا و آخرت  
کی زندگی کی صحت و نعمت حاصل کی جاسکتی ہے۔

---

خوردنوش

میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنت اور معمولات



# سنت نبویؐ

## طعام و اغذیہ اور ماکولات کے سلسلے میں

**غذا کی یکسانیت مضر ہے** | خورد و نوش میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ نہ تھی کہ ایک ہی قسم کی غذاؤں پر قائم رہتے ان کے علاوہ دوسری استعمال نہ فرماتے کیونکہ یہ طریقہ طبیعت کے لیے از حد ضرر رساں ہوتا ہے، اور گاہے گاہے اس پر عمل پیرا ہونا دشوار ہو جاتا ہے، کیونکہ آدمی اگر دوسری اغذیہ استعمال نہ کرے گا تو کمزور ہو جائے گا یا ختم ہو کر رہ جائے گا۔ اور اگر اچانک دوسری اغذیہ شروع کر دیں تو پھر ضرر ہوگا۔ اور اسے طبیعت قبول نہ کرے گی۔ اس لیے دائمی طور پر ایک ہی نوع کی اغذیہ پر قائم رہنا اگرچہ وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہوں خطناک اور مضر ہے، بلکہ اہل شہر جس جس قسم کی اغذیہ کے عادی ہوں۔ مثلاً گوشت، پھل، روٹی اور کھجور وغیرہ سب استعمال کرنا چاہیے، جیسا کہ ہم ماکولات کے بیان میں لکھ چکے ہیں۔

اور اگر کوئی غذا کسر و تعدیل چاہتی ہے تو اس کی ضد ہی سے اس کی کسر اور تعدیل ہو سکے گی، جیسے تڑو نہ کے ساتھ کھجور کی حرارت کی تعدیل کی گئی اور اگر معدل نہ لے تو صرف اتنا کھائے کہ جس قدر ضرورت ہو اور طبیعت خواہش رکھتی ہو۔ اسراف سے بالکل کام نہ لے۔ اس صورت میں کوئی نقصان نہ ہوگا۔

اور جب طبیعت راعب نہ ہو، تو کھانا نہ کھائے اور زبردستی پیٹ میں



بھرتے کی کوشش نہ کرے۔ سفنجانِ صحت کے معاملہ میں یہ ایک مرکزی اصول ہے، کیونکہ اگر طبیعت کی خواہش کے خلاف کھائے گا، تو نفع سے زیادہ ضرر ہوگا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ **آپ نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا** | میں نبیؐ اندر صلی

اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا، یہی پیالہ، نوکھا لیا اور نہ چوڑ دیا اور نہ کھایا۔

نیز آپ گوشت پسند فرماتے تھے۔ بازو اور گردن کا گوشت آپ کو مرغوب تھا | درکا گوشت، آپ کو زیادہ اچھا لگتا، یہی درجہ تھی کہ (ایک یہودیہ نے) انہی اعضاء میں زہر ملا کر آپ کو کھلایا۔

اور صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا، تو کلائی (بازو) کا گوشت لایا گیا۔ آپ نے اسے پسند فرمایا، ابو عبیدہ وغیرہ نے صناعم بنت زبیر سے نقل کیا ہے کہ ان کے گھر میں بکری ذبح کی گئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہہ دیا کہ ہمیں بھی اپنی بکری میں سے گوشت بھیجنا۔

انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس گردن کے سوا کچھ باقی نہیں رہا، اور اسے آپ کی خدمت میں بھیجتے مجھے شرم آتی ہے۔ قاصد واپس آیا، اور آپ کو جواب سنا دیا۔ آپ نے فرمایا، صناعم کے پاس واپس جاؤ، اور کہو وہی بھیج دیں، کیونکہ یہ بکری کا بادی (الگلا حصہ) اور خیر کے قریب اور اذی (گندگی یا تکلیف) سے دور ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں بکری کے گوشت میں گردن، بازو، اور کلائی کا گوشت بہت ہلکا ہوتا ہے، اور زود ہضم بھی،

اس سے ثابت ہوا کہ اغذیہ میں یقین امور کی مراعات ضروری ہیں۔

۱۔ کثرت نفع و تاثیر۔

۲۔ عدم ثقل اور خفت (ہلکا ہونا)

۲۔ سرعت ہضم۔

**شیرینی اور شہد کا بھی آپ کو شوق تھا** | نیز آپ حلوائے (میٹھی چیز) اور شہد پسند فرماتے اور

یہ تینوں اشیاء یعنی گوشت - شہد اور شیرینی تمام اخذیہ سے افضل ہیں۔ اور بدن، جگر اور اعصاب کے لیے نافع ہیں۔ حفظِ صحت و قوت میں ان اخذیہ کو استعمال کرنا بہت زیادہ فائدہ بخش ہے اور صرف مریض اور بیمار ہی ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اور آپ کی خدمت میں جیسا سالن بھی پیش کر دیا جاتا، آپ بے قابل اسے تناول فرماتے۔ گاہے گاہے گوشت کے شوربے سے تناول فرماتے، اور فرمایا کرتے یہ دنیا و آخرت کے کھانوں کا سردار ہے۔ (ابن ماجہ وغیرہ) اور کبھی کبھی تزلزل یا کھجور کے ساتھ بھی تناول فرماتے اور ترقھور کو خشک کے ساتھ ملاتے اور فرماتے کہ یہ اسی کا سالن (مصلح) اس صورت میں غذائی طریق تدبیر ملحوظ ہے کہ جو کی روٹی سرد خشک ہوتی ہے اور کھجور اس قول کے مطابق گنترہ ہوتی ہے۔ اس طرح جو کی روٹی کو اس کے ہمراہ کھانا غذائی طور پر حسن تدبیر میں شامل ہوگا۔ خصوصاً ان کے لیے جنہیں اہل مدینہ کی طرح اس کی عادت بھی ہو۔

کبھی کبھی سرکہ سے بھی کھانا تناول فرمالتے، اور فرمایا کرتے، ”بہترین سالن سرکہ ہے۔ یہ جملہ مقتضائے حال کے مطابق ایک تعریفی کلمہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے سالنوں پر اسے کسی طرح کی فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ بعض جہال کا خیال ہے۔

اصل واقعہ یوں ہے کہ ایک دن آپ اپنے گھر میں تشریف لائے آپ کی خدمت میں روٹی پیش کی گئی۔

آپ نے فرمایا، کوئی سالن بھی ہے؟

عرض کیا گیا، سرکہ کے سوا کچھ نہیں۔

آپ نے فرمایا، ”سرکہ تو بہترین سالن ہے (لاؤ)

اُپ شہر کے تازہ پھل بھی استعمال فرماتے اور ان سے ہرگز پرہیز نہ کرتے۔ یہ طریقہ بھی آداب غذا میں سے ہے اور صحت و عافیت میں ایک موثر سبب کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اور ہر علاقہ میں ایسے ایسے میوے پیدا فرما دیے ہیں جو اپنے اپنے وقت کے مطابق وہاں کے رہنے والوں کے لیے فائدہ مند ہیں۔ اور ان کی صحت و عافیت کا سبب بنتے ہیں اور انہیں ادویہ کی کثرت سے بے نیاز کر دیتے ہیں اور جو شخص صحت کے خطرہ سے علاقائی پھلوں سے پرہیز کرتا ہے۔ وہ بدنی طور پر تمام لوگوں سے زیادہ مریض ہوتا ہے۔ اور صحت و قوت میں سب سے کمزور و ناتواں رہتا ہے، اور ان پھلوں کی رطوبت موسم، زمین اور معدہ کی حرارت نفع کرتی ہے۔ نیز ان کے برے اثرات کو زائل کرتی ہے بشرطیکہ کھانے میں اسراف سے کام نہ لیا جائے۔ اور معدہ کی قوت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ ڈال دیا جائے اور ہضم سے قبل ہی غذا خراب نہ ہو جائے، اور نہ اوپر سے پانی پی کر یا کھانا کھا کر انہیں فاسد کر دیا جائے، کیونکہ تو بوجھ کا مرض زیادہ تر اسی طرح غلطیوں سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی مناسب وقت اور مناسب طریقہ سے پھلوں کا ناشتہ کرے، تو بلاشبہ یہ فائدہ بخش دوا کی حیثیت سے نافع ثابت ہوں گے۔

# تناول طعام

## طرز نشست، آداب طعام اور اصول اغذیہ

صحیح روایت میں آپ سے مروی ہے، کہ آپ نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا بلکہ میں اس طرح بیٹھتا ہوں کہ جیسے بندہ بیٹھتا ہے اور اس طرح کھاتا ہوں کہ جیسے بندہ کھاتا ہے۔ ”اتکا“ سے مراد ٹیک لگانا بھی ہے، پلٹھی مار کر بیٹھنا بھی، اور پہلو کے بل بیٹھنا بھی، ان تینوں صورتوں میں آخری صورت مضر صحت ہے، اس سے ہضم میں فتور پڑتا ہے اور پہلی دونوں صورتیں جبارہ کی ہیں، جو منافی شان عبودیت ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ آپ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی چہرے کے بل لیٹ کر کھائے۔

نیز آپ سے منقول ہے کہ آپ عام طور پر دو زانو ہو کر کھانے کے لیے بیٹھتے تھے، اس لیے بھی کہ کھانے کے لیے بہترین نشست یہی ہے اور اس لیے بھی کہ اس سے احترام طعام مقصود تھا، اس ہیئت سے بیٹھ کر کھانا مناسب ہے کیونکہ تمام اعضا اپنی وضع طبعی پر ہونے ہیں، اور کھانا اچھی طرح کھایا جاتا ہے۔ اور ہضم بھی جلد ہوتا ہے۔



## کھانے میں تین انگلیاں استعمال کرنا چاہیے | آپ تین انگلیوں سے

کے لیے یہ صورت سب سے زیادہ نافع ہے۔ کیونکہ ایک یا دو انگلیوں سے کھانے والے کو نہ پورا مزہ آسکتا ہے اور دیر تک کھاتے رہنے پر مجبور ہے کہ بغیر اس کے وہ سیری حاصل نہیں کر سکتا۔ پانچوں انگلیوں اور پورے ہاتھ سے کھانا کھانے میں یہ قباحت ہے کہ کھانا ایک ہی دفعہ کثیر مقدار میں معدہ کے اندر آجاتا ہے۔ اس سے کبھی کبھی آلات ہضم کو ضرر پہنچ جاتا ہے اور موت تک واقع ہو جاتی ہے اور بڑی مقدار میں کھانا پہنچ جاتے سے آلات ہضم اور معدہ میں مروڑ ہوتی ہے اور اسے ذرا بھی لذت یا سیری حاصل نہیں ہو سکتی، اس لیے سب سے زیادہ نافع طریقہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ طعام ہے، اور اس شخص کا طریقہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کرتے ہوئے تین انگلیوں سے کھایا۔

## بعض چیزیں جو بیک وقت آپ نہیں کھاتے تھے | اور جو بھی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کی اغذیہ اور ماکولات پر غور کرے گا۔ اسے محسوس ہوگا کہ آپ دودھ اور ٹھیلی ایک ساتھ استعمال نہیں فرماتے تھے اور نہ دودھ اور کھٹی چیز نہ دو گرم غذاؤں یا سرد غذاؤں کو جمع فرماتے تھے اور نہ دو قابض نہ دو اسہال اور نہ دو غلیظ، نہ دو بلین غذاؤں کو، اور نہ دو ایسی غذاؤں کو جمع فرماتے جو ایک خلط کی صورت میں تجلبل ہو جاتی ہو۔

نیز آپ دو مختلف غذاؤں مثلاً قابض اور مسهل، سزج الہضم، بھنی ہوئی اور پکی ہوئی، تازہ اور باسی، دودھ اور انڈا، گوشت اور دودھ کو جمع نہیں فرماتے تھے اور نہ شدت حرارت میں کھانا کھاتے، اور نہ باسی چیز کھاتے اور نہ ہی متغض اور چٹ پٹی چیزیں استعمال فرماتے۔ یہ تمام انواع صحت و اعتدال کو ختم کرنے کی ذمہ دار اور ضرر رساں ہیں۔

نیز آپ بعض اغذیہ کے ضرر کے دوسری اغذیہ کے ذریعہ اصلاح فرما لیتے تھے۔ بشرطیکہ ایسا ممکن ہو، مثلاً آپ ایک غذا کی حرارت دوسری (غذا) کے برودت سے ایک کی پیوست دوسری کی رطوبت سے زائل کرتے، جیسے لکڑی اور کھجور کو ملا کر اصلاح فرمایا کرتے۔

نیز آپ کھجوریں گھی کے ساتھ بھی تناول فرماتے۔ نیز آپ کھجور کا نفیج۔ (آب زلال) کھا کر شدید اغذیہ کی تلطیف کرتے۔

نیز آپ عشاء (رات) کا کھانا بھی کھایا کرتے۔ اگرچہ کھجور کے چند دانے کیوں نہ ہو، فرمایا کرتے۔ عشاء کا کھانا چھوڑ دینا بڑھا پالاتا ہے (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ) ابو نعیم نے نقل کیا ہے کہ آپ کھاتے

**کھاتے ہی سو جانے کے محال** | ہی سو جانے سے منع فرماتے اور منقول

ہے کہ یہ دل کی قسادت پیدا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اطباء کی ہدایت ہے کہ جو حفظانِ صحت چاہتا ہو اسے طعام شب سے فارغ ہونے کے بعد چہل قدمی کرنی چاہیے۔ خواہ وہ ایک سو قدم ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد بھی آپ فوراً نہیں سوتے تھے۔ کیونکہ یہ بہت زیادہ ضرر رساں ہے۔

ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ (کھانے کے بعد) نمانہ پڑھتے، تاکہ قعرِ معدہ میں غذا کا استقرار ہو جائے اور ہضم میں آسانی ہو۔ یہ صورت صحت کے لیے بہت بہتر ہے۔

۱۰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جتنی سورتیں بھی مروی ہیں، اپنی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے، حد درجہ نافع ہیں، وہ ہیں۔ ان پر اگر سمجھتی اور پابندی سے عمل کیا جائے تو انسان کی صحت بہت عمدہ رہ سکتی ہے۔ یہ جتنی احتیاطیں اور ہدایتیں ہیں، وہ ہیں جن کی تائید و توثیق آج ۱۴ سو سال کے بعد عہدِ جدید کے محققین اور ماہرینِ طب و علاج کی طرف سے ہو چکی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔

# پانی پینا

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول اور معمول

**پانی کب نہیں پینا چاہیے** | کھانے کے بعد پانی پینا آپ کی سنت نہیں ہے  
 خصوصاً اگر پانی گرم ہو، یا زیادہ سرد ہو، کیونکہ  
 یہ دونوں صورتیں بہت زیادہ نقصان دہ ہوتی ہیں۔

نیز آپ ریاضت کرنے، تکان ہونے اور کھانا یا پھل کھانے اور جماع یا حمام  
 کے بعد پانی پینے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

پانی پیتے، میں آپ کی سنت سب سے زیادہ کامل ہے جس کے ذریعہ صحت  
 کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔

آپ سرد پانی کے ساتھ شہد ملا کر پانی پیتے اور حفظانِ صحت کے لیے یہ ایک  
 اہم اصول ہے جس کی صرف فاضل اطباء ہی معرفت رکھتے ہیں، چنانچہ اگر اسے  
 اس طرح پییا جائے یا بلغم کی حالت میں چاٹا جائے۔ تو یہ بلغم کو کاٹتا ہے اور معدہ  
 کی بھلی کو دھوتا ہے۔ اور اس کے مادہ لزج میں جلا پیدا کرتا ہے، اس کے فضلات  
 کو دور کرتا ہے۔ تسخین کرتا ہے اور سڈے کھوٹتا ہے۔ جگر اور گردے اور مثانے میں  
 بھی اس کا یہی اثر ہوتا ہے، اور یہ معدہ کے لیے دوسری قسم کی شیرینیوں سے  
 کہیں زیادہ نافع ہے۔ البتہ بالعرض صفراوی مزاج کو گرمی اور صفراوی عادت میں مضر



ہے۔ گاہے گاہے ہیجان پیدا کرتا ہے اور اس کی مصرت سرکہ سے دور کی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں یہ از حد فائدہ بخش ہو جاتا ہے۔ الغرض یہ صورت بروقت اسے جلا دینے والی چیز مثلاً شہد، کشمش، کھجور یا شکر اس میں ڈال لی جائے تو یہ بدن کے لیے از حد نفع بخش ہے اور اس سے صحت کی حفاظت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے محبوب سرد اور شیریں پانی تھا۔

جاننا چاہیے کہ خراب پانی نفع پیدا کرتا ہے اور اس سے طرح طرح کے امراض اور بیماریوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے اور چونکہ رکھا ہوا پانی بالکل تازہ پانی سے زیادہ نافع ہے اس لیے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ابو سہیم بن تیہان کے باغ میں تشریف لائے تو آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا باسی پانی ہے؟ یہ پانی پیش کیا گیا، اور آپؐ نے اس میں سے کچھ نوش بھی فرمایا۔ اسے بخاریؒ نے روایت کیا ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر تمہارے پاس مشکیزے میں پانی ہے تو خیر ورنہ ہم مونگھڑے پیتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے برفیاد سے شیریں پانی لایا جاتا، اور جو پانی تھے یا پرانے مشکیزوں میں ہوتا ہے وہ مٹی یا پتھر کے برتنوں میں رکھے ہوئے پانی سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ خصوصاً جو پھرے کے مشکیزے ہوں ان میں سے خاصیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے برتنوں کی بجائے مشکیزے کا پانی طلب فرماتے چونکہ مشکیزوں میں مسامات ہوتے ہیں اور ان سے پانی کا ترشح ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے اس پانی میں لطیف خصوصیات آجاتی ہیں، اور ایسا برتن جس میں ترشح ہوتا ہو اس کا پانی اس برتن کے پانی سے زیادہ لذیذ اور سرد ہوتا ہے۔ جس میں ترشح نہ ہو سکتا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کامل اور اعلیٰ طریقے پر ہیں اور آپؐ کی سنت طیبہ ہر بات میں سب سے افضل ہے۔ اور آپؐ نے امت کو ایسے امور کی خبر دی ہے جو قلوب و ابدان اور



دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سرد اور شیریں پانی سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اس سے یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ آپ کی مراد شیریں کنوؤں کا پانی ہو، کیونکہ ان کا پانی اکثر شیریں ہوتا ہے۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے آپ شہید امیرِ زیادہ پانی مراد لے رہے ہو، جس میں کھجور یا کشمش ڈال کر اس کا زلال تیار کیا جاتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ دونوں صورتوں کے لیے عام ہے۔ اور حدیث میں آپ کا فرمان ہے اگر تمہارے پاس مشکیزہ میں باسی پانی ہو تو ٹھیک در نہ ہم منو گھڑ سے پی لیں گے۔

یہ کرم (منہ لگا کر برتن کے بغیر) پینے کے جواز پر دلیل ہے لیکن اس قسم کی صورت صرف ضرورت کے وقت جائز ہو سکتی ہے، یا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کہہ کر آپ نے اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہو۔ کیونکہ بعض لوگ اسے مکروہ سمجھتے ہیں، اور اطباء تو اسے حرام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ معذہ کے لیے مضر ہے۔ ایک حدیث میں جس کی رصحت کی حالت سے میں آگاہ نہیں جو ابن عمر سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پیٹ کے بل یعنی صرف منہ سے بغیر برتن کے پانی پینے سے منع فرمایا، نیز ہمیں ایک ہی ہاتھ سے پینے کو بھی منع فرمایا، اور فرمایا:

تم میں سے کوئی اس طرح پانی کو نہ چاٹے جیسے کتا چاٹتا ہے۔

نیز آپ رات کو کسی برتن میں اس وقت تک پانی نہ پیتے جب تک معلوم نہ کر لیتے کہ اس میں سُکر تو نہیں آگیا، لیکن بخاری کی حدیث اس سے اصح ہے، اور اگر یہ حدیث بھی صحیح ہو تو بھی ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اغلباً اس وقت ہاتھ سے پانی پینا ناممکن ہو گا۔ اس لیے آپ نے فرمایا، ورنہ ہم منو گھڑ سے پی لیں گے۔

اور منہ سے پینا نقصان دہ ہوتا ہے جب کہ پینے والا اپنے چہرے اور پیٹ پر بھی اسے بہا دے، جیسے کہ نہر اور تالاب سے پینے والا پی لیتا ہے۔ اور اگر کھڑے ہو کر کسی اونچے حوض سے پیا جائے تو اس میں کچھ فرق نہیں، خواہ ہاتھ سے پیا جائے تو اس میں کچھ فرق نہیں، خواہ ہاتھ سے پیا جائے یا منہ سے پیا جائے۔

**آپ عام طور پر بیٹھ کر پانی پیتے تھے** | عام عادت کے طور پر آپ کی سنت طیبہ بیٹھ کر پینے کی تھی، اور صحیح روایت

میں آپ سے منقول ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پینے سے متع فرمایا ہے۔ نیز آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پینے والے کو قے کرنے کا حکم دیا۔ نیز آپ سے کھڑے ہو کر پینا بھی ثابت ہے۔

ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث نفعی کے حکم کی ناسخ ہے۔

دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ

نہی تحویم کے لیے نہیں، بلکہ ارشاد اور ترک اولیٰ کے لیے ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان روایتوں میں قطعاً کوئی تعارض نہیں، کیونکہ جب آپ زمزم کے پاس تشریف لائے اور وہ لوگ حجاج کو پانی پلا رہے تھے، تو آپ نے پانی طلب فرمایا۔ انہوں نے پیش کیا اور آپ نے کھڑے کھڑے پانی نوش فرمایا، تو یہ ایک ضرورت اور حاجت تھی، ویسے کھڑے ہو کر پانی پینے میں کئی اراضی کا خطرہ ہوتا ہے، اور اگر آپ نے نادر طور پر یا کسی ضرورت کی بنا پر ایک فعل فرمادیا، تو یہ مفسر نہ ہوگا۔

**پانی پیتے وقت تین بار سانس لینا** | صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے، کہ جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے وقت تین بار سانس لیا کرتے تھے، اور فرمایا

کرتے تھے کہ یہ طریقہ اچھی طرح سیراب ہونے اور حصول شفاء کے لیے اچھا ہے۔

شارع علیہ السلام اور عالمین شرع کے نزدیک شراب، مطلب پینے کی

چیز یعنی پانی ہے اور پینے کے دوران میں سانس لینے کا مطلب یہ ہے کہ پیالے کو منہ سے ہٹا کر سانس لیا جائے اور پھر دوبارہ پینا شروع کیا جائے، جیسا دوسری حدیث میں صراحت سے ذکر آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو پیالے میں سانس نہ لے، بلکہ پیالے کو منہ سے ہٹالے۔

اس طرح پینے میں کئی فوائد اور احکام و مصالح ہیں

### فوائد اور احکام و مصالح

۱۔ اور دوا امر ۱۔ برائے — میں جمع فرمادیا، چنانچہ اردی کا مطلب خوب سیر کرنا ہے جس میں مبالغہ بھی ہے اور نفع بھی ہے، اور ابرا کا صبیغہ البر سے ہے جس کا مطلب شفاء ہے، یعنی پیاس کی شدت اور اس مرض سے شفاء کی صورت ہے، کیونکہ گرم تیز بن معده پر بار بار ٹھنڈک پڑتی ہے۔ چنانچہ پہلی دفعہ جو کمرہ جاتی ہے دوسری دفعہ میں تسکین ہو جاتی ہے اور دوسری دفعہ کی کسر تیسری بار میں پوری ہو جاتی ہے۔ مزید برآں معده کی سلامتی کے لیے بھی یہ فائدہ بخش ہے اور اس بات سے حفاظت کرتی ہے کہ اچانک ایک ہی دفعہ سردی حملہ آور نہ ہو جائے، اور جو ایک ہی دفعہ سیراب کیا جاتا ہے، تو اس صورت میں خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں شدت برودت کے باعث حرارت غریزی ہی کم یا زیادہ نہ ہو جائے، جس سے معده اور جگر کا مزاج بگڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور گونا گوں امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ یہ خرابی گرم ممالک خصوصاً جانا اور عمان وغیرہ میں یا گرم موسموں میں زیادہ تر واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ ان گرم موسموں اور گرم علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی حرارت غریزی کمزور ہوتی ہے۔ اور دفعۃً زیادہ مقدار میں پانی پی لینے سے خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

زیادہ مقدار میں پانی پی لینے

### زیادہ مقدار میں پینے سے گزرتا کرنا چاہیے

ہے کہ اس سے پینے کی نالی کثرت آب سے بند ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے مروڑاٹھتا

ہے۔ اور اگر سانس لے کر پانی پیے گا تو اس آفت سے بچا رہے گا۔ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؓ دامام بیہقی وغیرہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پیے تو پانی کو نہ چوسے، نہ دفعۃً حلق میں اندر بل لے، کیونکہ اس سے دردِ جگر پیدا ہو جاتا ہے اور تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ اگر دفعۃً کبوتر مقدار میں جگر پر پانی ڈال دیا جائے تو دردِ جگر پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی حرارت کمزور ہو جاتی ہے۔

- جامع ترمذیؒ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں مت پیو، بلکہ دو باتین دفعہ کر کے پیو۔ اور جب پیو تو بسم اللہ کہو اور جب فارغ ہو تو حمد کہو۔
- خورد و نوش کی ابتداء میں بسم اللہ کہنا، اور آخر میں حمد کرنا عجیب و غریب فائدہ و منافع کا حامل ہے اس سے ضرر اور نقصانات سے تحفظ ہوتا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ طعام میں اگر چار باتیں جمع ہو جائیں تو وہ کامل طعام ہے۔
- ۱۔ جب اس کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھی جائے۔
  - ۲۔ اور آخر میں حمد کہی جائے۔
  - ۳۔ اور کھانے پر ہاتھ رکھتے والے کثرت سے ہوں۔
  - ۴۔ کھانا حلال کمائی کا ہو۔



# کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھکنے کی ہدایت

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے، فرمایا، میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔

برتنوں کو ڈھک دو، پینے کے برتنوں پر کپڑا ڈال دو، کیونکہ سال میں ایک شب ایسی بھی آتی ہے جب عذاب نازل ہوتا ہے اور وہ کسی ایسے برتن کے پاس سے گزرتی ہے جس پر ڈھکنا نہ ہو یا پانی کے برتن کے پاس سے گزرتی ہے جو کھلا ہوا ہو تو یہ وبا اس میں گر پڑتی ہے، امراض کے یہ ایسے اسباب ہیں جن کا حدک اطباء کے علوم و معارف حاصل نہیں کر سکتے اور تجربہ سے عقلاء نے بالآخر انھیں محسوس کیا۔

حبیب بن سعد فرماتے ہیں، یہ اعاجم کی احادیث کے ایک راوی ہیں کہ ہمارے ہاں سال میں ایک بار کا نون الاول کے مہینہ میں اس شب کو احتیاط کی جاتی ہے۔ اور آپ سے صحیح روایت میں منقول ہے کہ آپ نے برتن ڈھانک دینے کا حکم دیا۔ اگرچہ ایک لکڑی کا تختہ ہی رکھ دیا جائے۔

لکڑی کے تختہ کے رکھ دینے میں بھی ایک حکمت ہے، وہ یہ کہ گاہے گاہے کوئی کپڑا گزرتا ہے اور برتن میں گر جانا چاہتا ہے، لیکن تختہ پر سے گزر جاتا ہے، اور یہ لکڑی اس کے لئے ایک پل بن جاتی ہے اور اسے گرنے سے روک لیتی ہے۔

نیز صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے برتن ڈھانکتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ برتن ڈھانکتے وقت اگر بسم اللہ پڑھ لی جائے تو شیطان ہٹا دیا جاتا ہے اور (برتن) کا ڈھکنا کیڑوں وغیرہ کو دور رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دو مقامات پر ان مصالح و مفایم کے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزہ کے اندر سے پانی پینے کی ممانعت فرمائی، اس میں کئی فوائد و حکم ہیں۔ ایک یہ اس سے کئی بار پانی پینے والے کی سانس اندر جا کر مشروب کو مسموم و مکروہ بنا دیتی ہے۔

نیز پانی کا ایک حصہ اس کے جوف میں داخل ہو کر ضرر رساں بن جاتا ہے۔ نیز گاہے گاہے اس میں کوئی جاندار گم جاتا ہے کہ پیتے وقت اس کا پتہ نہیں چل سکتا اور اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پانی میں خس و خاشاک ہوتے ہیں، جو پیتے وقت نظر نہیں آتے اور پیٹ میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اگر یوں کہا جائے کہ جامع ترمذی کی اس روایت کا کیا جواب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز ایک مشکیزہ منگوا یا اور میں نے اس کا منہ کھولا۔ پھر اس میں منہ لگا کر پانی نوش فرمایا۔ ہم کہیں گے ہم کو اس روایت کے متعلق امام ترمذیؒ کا قول ہی کافی ہے، یعنی اس حدیث کے اسناد صحیح نہیں۔

**پیا لے کے ٹوٹے ہوئے حصہ سے پانی پینے کی ممانعت** | سنن ابی داؤد میں حضرت

ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کے ٹوٹے ہوئے حصہ سے پانی پینے اور مشروب کو بھونک کر پینے سے منع فرمایا ہے اور یہ پینے کے وہ آداب ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر پینے والے کی اصلاح ہو جاتی ہے، کیونکہ پیالے کے ٹوٹے ہوئے حصہ میں کئی قسم کے مناسد ہیں۔

اس حکم کے مصالح اور فوائد عامہ | ایک یہ کہ پانی کی سطح پر جوتنکا وغیرہ ہوگا وہ درست  
جانب کی بجائے ٹوٹی ہوئی جانب جمع ہو جائے گا

دوسرے اکثر اوقات یہ چیز غنے والے کے لیے باعث تشویش ہوتی ہے۔ اور  
ٹوٹی ہوئی جانب بہتر طریق سے پینا ناممکن ہو جاتا ہے۔

تیسرے ٹوٹی ہوئی جانب میں میل وغیرہ جمع ہو جاتا ہے، اور صحیح طرف کی اس  
حصہ کو صاف نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

۴ ہا پانی میں مچھونک مارنا، تو مچھونک مارنے سے منہ سے اکثر بدبودار ہوا خارج ہوتی  
ہے جس کی وجہ سے اس میں کراہت سی آجاتی ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ منہ میں  
کوئی بیماری ہو۔

# مشروبِ نبویؐ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی خالص صورت میں اور کبھی کبھی پانی ملا کر دودھ نوش فرماتے۔ حفظانِ صحت اور ترمطیب بدن و سیرابی جگر کے لیے گرم ممالک میں شربین دودھ کے استعمال میں بہت زیادہ فائدہ ہے۔

**دودھ کے فوائد** | خصوصاً ان چوپاؤں کا دودھ جو شیخ۔ قیسوم اور خزامی یا ان جیسی بوٹیاں چرتی ہیں۔ چنانچہ ان کا دودھ غذاؤں کی طرح غذا اور پانی کی طرح مشروب اور ادویہ کی طرح دوائی حیثیت رکھتا ہے۔

جامع ترمذی میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، کہ جب تم میں کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیے کہ یہ دعا پڑھے۔

اللہم بارک لنا فیہ و اطعمنا خیراً منہ (یعنی: "اے اللہ ہمارے لیے اس میں برکت فرما۔ اور ہمیں اس سے بہتر کھلا")

جب دودھ پئے۔ تو یہ دعا پڑھے۔ اللہم بارک لنا فیہ و خردنا منہ (اے اللہ ہمارے لیے اس میں برکت دے۔ اور ہمیں زیادہ عطا فرما۔)

بات یہ ہے کہ خورد و نوش دونوں کا قائم مقام صرف دودھ ہی ہو سکتا ہے۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

**آپ نبیؐ بھی نوش فرماتے تھے** | صحیح مسلم سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ



علیہ وسلم کے لیے رات کو نبیذ تیار کیا جاتا۔ اور آپ اسے اس کی صبح کو اور آنے والی شب پھر کل اور دوسری شب اور پھر کل عصر تک نوش فرماتے، اس کے بعد بھی اگر کچھ بچ جاتا۔ تو آپ اسے خادم کو پلا دیتے یا پھینک دینے کا حکم فرماتے۔

نبیذ وہ آب شیریں ہوتا ہے، جس میں کھجوروں کو میٹھا کرنے کے لیے ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ غذا اور مشروب دونوں میں داخل ہے۔ زیادتی قوت اور حفظانِ صحت میں یہ از حد نافع ہے۔ اور سکر کے خطرہ کے پیش نظر اسے تین روز کے بعد نہیں پیتے تھے۔

---

# لباس کا استعمال اور انتخاب

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ

لباس پہننے اور اتارنے میں آپ کی سنت سب سے زیادہ فائدہ بخش۔ ہلکی بھلکی اور سہل و آسان تھی۔

اکثر اوقات آپ چادر یا تہ بند استعمال فرماتے۔ یہ کپڑا بدن پر دوسرے کپڑے کی نسبت خفیف ہوتا ہے۔ نیز آپ قمیص بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ آپ کے نزدیک یہ سب سے زیادہ محبوب لباس تھا۔

لباس بدن میں آپ کا طریقہ سب سے زیادہ نافع اور صحت کے مطابق (فائدہ بخش) ہوتا تھا۔ اگرچہ آپ استینوں کو لمبا نہ کرتے۔ اور نہ انہیں زیادہ چوڑا کرتے۔ وہ صرف پہونچوں تک لمبی ہوتیں، (لیکن) ہتھیلیوں سے آگے نہ بڑھتیں۔ ورنہ پہننے والے پر تنگی کا باعث ہو جاتی ہیں۔ اور حرکت سے یا کسی چیز کو پکڑنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اور اس مقدار سے کم بھی نہیں ہوتی تھیں کہ حرارت و برودت سے تحفظ نہ ہو سکے۔

نیز آپ کی قمیص کی طوالت اور تہ بند کی لمبائی نصف پنڈلیوں تک ہوتی، ٹخنوں سے تجاوز نہ کرتی کہ چلنے والے کو تکلیف دے۔ اور ایک طرح کا قیدی بنا کر نہ رکھ دے۔

پنڈلی کے عضلات برہنہ نہ ہوتے تھے کہ برودت و حرارت سے تکلیف ہو۔ نیز آپ کا عمامہ مبارک اس قدر بڑا بھی نہ ہوتا جس سے سر کو اٹھانا مشکل ہو جائے۔

اور تکلیف میں مبتلا کر دے۔ انسان ضعف و ناتوانی محسوس کرے اور آفات و امراض میں گھر جائے۔ جیسا کہ بڑے پکڑ والوں کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ آپ کا عمامہ اس قدر چھوٹا ہوتا۔ کہ حرارت و برودت سے سر کا تحفظ نہ کر سکے، بلکہ متوسط ہی رہتا آپ عمامہ کا ایک بل ٹھوڑی کے نیچے سے لے آتے۔ اس میں کئی فوائد نہاں ہیں، کیونکہ اس طریقہ سے سردی و گرمی سے تحفظ ہو جاتا ہے۔ اور یہ زیادہ مفید ہوتا ہے خصوصاً گھوڑے یا اونٹ کی سواری یا بھاگ دوڑ کے موقع پر اس سے آرام ملتا ہے۔

کئی لوگوں نے اس طرح کے عمامہ کے بجائے کلاسیب (لوہے کی ٹوپیاں) بنا رکھی ہیں ان دونوں میں نفع اور زیئت ہر لحاظ سے بہت ہی فرق ہے۔ اور جب تم اس لباس پر غور کرو گے تو اسے از حد نافع صحت و قوت بدن کے لئے از حد فائدہ بخش محسوس کرو گے۔ نیز بدن پر مشقت اور تکلف سے بھی اسے خالی دیکھو گے۔

نیز سفر میں آپ ہمیشہ یا اکثر موزے پہنتے تاکہ پاؤں کو سردی گرمی سے بچا سکیں اور کبھی کبھی حضر میں بھی استعمال فرما لیتے۔

تمام کپڑوں میں سے آپ کو سفید اور جبرۃ (بیمنی کپڑا) زیادہ پسند تھا۔ جبرۃ بیمنی چادر کو کہتے ہیں۔

سرخ یا سیاہ یا زرد یا تیز چمکنے والا لباس استعمال کرنا آپ کی عادت طیبہ میں داخل نہ تھا اور سرخ جوڑا جو آپ نے زیب تن فرمایا۔ وہ دراصل بیمنی چادر میں تھیں۔ جن میں سیاہی سرخی اور سفیدی پائی جاتی تھی۔ جیسے سبزے جوڑے کے متعلق مروی ہے۔ گویا آپ نے کبھی اسے اور کبھی اسے زیب تن فرمایا۔

نیز جس نے غلطی سے یہ سمجھا ہے کہ آپ نے گہرا سرخ کپڑا استعمال فرمایا۔ اس کی تغلیط کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

# رہائش کے سلسلے میں

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز و اصول

جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ اب چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے، یہ دنیا مسافر کی ایک منزل ہے، جس میں وہ عمر دنیا تک ٹھہرتا ہے۔ پھر آخرت کے سفر پر چل پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہ کی سنت طیبہ یہ نہ تھی کہ اعلیٰ اور مضبوط مکانات ہوں کہ جن میں پردے لٹکائے جائیں اور پچی کاری کی جائے۔ فراخ فراخ حویلیاں تعمیر کی جائیں۔ بلکہ ایک مسافر کی سب سے بہتر منزل یہی ہو سکتی ہے کہ سردی سے گرمی سے تحفظ ہو جائے۔ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ اور چوپاؤں کے داخل ہونے میں رکاوٹ بن جائے، اور بوجھ کی زیادتی کے باعث گر جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور نہ فراخی کے باعث کیڑے مکوڑے اس میں گھونسلے بنانا شروع کر دیں اور نہ بلندی کے باعث آندھیاں اور تکلیف دہ ہوائیں اس میں ہنگامہ برپا کر دیں۔ اور نہ زیر زمین ہو کہ رہنے والے کو تکلیف ہو اور نہ بہت زیادہ اونچا ہو۔ بلکہ متوسط ہو۔

رہائش کے معاملہ میں یہ طریقہ سب سے زیادہ معتدل نافع اور سردی و گرمی سے تحفظ کرنے والا ہے۔ اس طرح یہ مکان نہ رہنے والے کو تنگ کرتا ہے کہ وہ مقید ہو جائے اور نہ بدوں کسی فائدہ و منفعت کے وسیع ہوتا کہ خالی حصہ میں کیڑے مکوڑے بھاگتے پھریں اور نہ اس میں کوئی گودام ہوتا۔ کہ جس کی بدبو سے رہائش رکھنے والا تکلیف اٹھائے



بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبوئیں تو خوب عمدہ اور (فرحت بخش) تھیں۔ کیونکہ آپ خوشبو کو پسند فرماتے تھے۔ اور ہمیشہ آپ کے پاس سے بہترین خوشبو آتی رہتی۔ اور آپ کا پسینہ بھی خوشبودار ہوتا۔ اور گھریں کوئی ایسا ذخیرہ نہ ہوتا جو بدبودار ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رہائش کے لیے یہ طریقہ سب سے زیادہ معتدل اور نافع ہے اور بدن و حفظانِ صحت کے لیے انتہائی موافق اور موزوں ہے۔

اے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفاست اور طہارت پسندی، ایک ایسی حقیقت ہے جو روز روشن کی طرح واضح اور نمایاں ہے، لیکن اس نفاستِ طبع کے ساتھ سادگی بھی آپ کی طبعِ مبارک کا ایک خاصہ تھا اور اس سادگی میں جلالِ شہریاری نہ تھا جمالِ فقر تھا! اور یہی آپ کی سب سے بڑی اور یکتا خصوصیت تھی۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری  
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

# خواب اور بیداری

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز و طرق

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بیداری و نوم، بدن، اعضاء اور قوائے جسم کے لیے سب سے زیادہ معتدل اور نافع تھا۔ کیونکہ آپ ابتداءً شب میں سوتے۔ اور نصف شب کی ابتداء میں بیدار ہو جاتے۔ اٹھ کر مسواک فرماتے اور وضو کر کے جس قدر اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھی ہوئی نماز پڑھتے۔ گویا بدن، اعضاء اور تمام قویٰ کو نیند اور سیرت سے حصہ مل جاتا۔ اور وفورِ اجر کے باعث ریاضت حاصل کرتے۔ اور یہ معاملہ اصلاحِ قلب و بدن اور دنیا و آخرت کی (بھلائی) کے لیے سب سے بہتر ہے۔

آپ ضرورت سے زیادہ نہیں سوتے تھے۔ اور ضرورت سے زیادہ جاگتے بھی نہیں تھے، چنانچہ جب ضرورت لاحق ہوتی۔ تو آپ دائیں طرف اللہ کا ذکر کرتے ہوئے آرام فرماتے۔ حتیٰ کہ آپ کی آنکھوں پر نیند غالب آجاتی۔ اس وقت آپ شکم سیر نہ ہوتے۔ نہ آپ سطحِ زمین پر لیٹ جاتے۔ اور نہ زمین سے بچھونا اونچا ہوتا بلکہ آپ کا بستر چمڑہ ہوتا۔ جس کے اندر کھجور کی روٹی بھری ہوتی۔ آپ تکیہ پر ٹیک لگاتے اور کبھی کبھی رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ لیتے۔ اور سب سے بہتر نیند دائیں جانب کی ہے تاکہ اس ہیئت میں کھانا معدہ میں بہتر انداز میں قرار پکڑ لے۔ اور سب سے خراب صورت یہ ہے کہ چہرہ کے بل لیٹے۔

مسند اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابی امامہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک آدمی کے پاس سے گذرے جو چہرہ کے بل سو رہا تھا۔ آپؐ نے اسے ٹھوکر لگائی اور فرمایا ”اٹھ“ یا فرمایا ”بیٹھ جا“ کیونکہ یہ دونوں کی سی نیند ہے۔  
بقراط نے بھی کتاب التقدیر میں لکھا ہے۔ غیر معتاد طور پر انسان کا پیٹ کے بل سونا اس کے اختلاط عقل یا پیٹ میں کسی جگہ درد کا ہونا ظاہر کرتا ہے۔

**دوپہر کے سوا دن کو سونے سے پرہیز کرنا چاہیے** | دن کا سونا سخت خراب ہے جو کئی مرطوب امراض

و آفات پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ رنگ خراب کر دیتا ہے۔ تلی کا مرض پیدا کرتا۔ اعصاب میں استرخاء اور کسل پیدا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں گرمیوں میں دوپہر کے وقت سونے کے علاوہ (دن میں سونا) قوت رجولیت کو ضعیف کرتا ہے۔

سب سے خراب نیند ابتدائے دن اور اس سے بھی خراب تر عصر کے بعد کی نیند ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے ایک بیٹے کو صبح کے وقت سوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔ اٹھ جاؤ۔ کیا تم اس گھڑی سوتے ہو جبکہ رزق تقسیم ہو رہا ہے؟ کہتے ہیں کہ دن کی نیند حرق یا حرق (حماقت) ہوتی ہے۔ البتہ دوپہر کو سونا (یعنی قیلولہ کرنا) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق ہے۔ اور چاشت کے وقت میں سونا دنیا و آخرت کے امور سے سوجانا (غافل ہو جانا) ہے۔ اور عصر کے وقت سونا حماقت (بے عقلی) پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ بعض سلفؒ سے مروی ہے کہ جو عصر کے بعد سو جائے۔ اور اس کی عقل مختل ہو جائے۔ تو وہ اپنے آپ کے سوا کسی دوسرے کو ملامت نہ کرے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

الان نومات الضعی تورث الفتی

خیالہ و نومات العصیر جنون

یاد رکھو چاشت کے وقت سونا نوجوان کو غم و حزن کا وارث بناتا ہے۔

اور عصر کا سونا جنون (لاتا ہے)

**صبح کے وقت سونا منحوس ہے** | صبح کے وقت سونے سے رزق میں کمی آجاتی ہے۔ کیونکہ یہ وقت مخلوق کے لیے

طلبِ رزق کا وقت ہوتا ہے۔ اور اس وقت رزق کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔ پس ایسے وقت بلا کسی مرض یا ضرورت کے سو جانا محرومی کی علامت ہے اور بدن کے لیے بھی مضر اور نقصان دہ ہے۔

دھوپ میں سو جانا پویشیدہ مرض کو اچھالنے کے برابر ہے۔

نیز کچھ دھوپ میں اور کچھ سایہ میں سونا از حد خراب ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی دھوپ میں لیٹا ہو، اور چھاؤں بڑھ آئے اس طرح کہ وہ

کچھ دھوپ اور کچھ چھاؤں میں ہو جائے تو اسے اٹھ جانا چاہیئے۔

اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت بریدہ بن حبیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے سایہ اور دھوپ کے درمیان بیٹھنے کی ممانعت فرمائی: "یا ان دونوں

کے درمیان بیٹھنے کی ممانعت کی تین جگہ ہے۔

**سوتے وقت پڑھنے کی دعا** | نیز صحیحین میں حضرت براء بن عازب سے مروی ہے

کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ

جب تو اپنے بستر پر جائے، تو نماز کے وضو کی طرح وضو کر لے، پھر دائیں جانب لیٹ

جا۔ پھر یہ دعا پڑھ۔

اللهم انی اسلمت نفسي الیک ووجهت وحببت الیک وفوضت امری

الیک واللحاجات ظہری الیک سرغیة و رغبة الیک لا ملجأ ولا مبعاض لك

الا الیک امنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت۔

یعنی اے اللہ میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی اور میں نے اپنا چہرہ تیری طرف

کر دیا اور میں نے اپنا معاملہ تجھے ہی تفویض کیا۔ اور میں نے تیری ہی جانب پناہ لی۔ تیری



طرف ہی رغبت سے اور ڈرتے ہوئے۔ تیرے سوا تجھ سے کوئی جائے پناہ نہیں اور نہ نجات ہے۔ میں ایمان لایا تیری کتاب پر جو تو نے نازل کی اور تیرے نبیؐ پر جو تو نے مبعوث فرمایا؛

سونے سے پہلے بس یہی کلام ہو۔ پس اگر تو اسی رات کو مر گیا، تو فطرت پر اس فخر کی سنتوں کے بعد آپ ذرا کے ذرا لیٹ جاتے تھے | صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی

ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعتیں یعنی سنتیں پڑھتے (تو اس کے بعد) دائیں جانب لیٹ جاتے۔ کہا جاتا ہے کہ دائیں جانب سونے میں یہ حکمت ہے کہ سونے والے کو نیند میں بالکل استغراق نہیں ہوتا۔ کیونکہ دل بائیں جانب ہوتا ہے۔ اور جب وہ دائیں جانب پر لیٹے گا۔ تو قلب اپنی بائیں جانب کی طلب میں ہوگا۔ اور اس طرح سونے والا نیند میں بالکل ڈوب کر نہ رہ جائے گا۔ بخلاف بائیں جانب سونے کے۔ کہ یہی جانب قلب کا مستقر ہے۔ اس صورت میں وہ عضو بالکل معطل ہو کر رہ جائے گا، اور نیند میں بالکل ہی مستغرق ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے اس کے کئی دنیوی و دنیوی مصالح و فوائد دھرے رہ جائیں گے اور چونکہ سونے والا مردہ کا قائم مقام ہوتا ہے اور نیند موت کی بہن ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گی اس پر نیند کا آنا محال ہے۔ نیز اہل جنت بھی وہاں نہیں سوئیں گے، کیونکہ سونے والا اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ کوئی اس کی جان کی حفاظت کرے اور خطرات سے اس کا تحفظ کرے۔ اور چونکہ پروردگار کریم اس کا پیدا کرنے والا اور تنہا اس کا کارساز ہے۔ اس وجہ سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمات التجا و تفویض اور رغبت و رہبت کی دعا سکھا دی۔ تاکہ اس کے ذریعہ وہ اپنی جان اور بدن کے لیے اللہ تعالیٰ کی حفاظت و حراست کی دعا کرے نیز اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد دلایا۔ کہ وہ تجدید ایمان کر کے سوئے، اور اپنا آخری کلام ان ہی الفاظ تک محفوظ رکھے۔ کیونکہ گاہے گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

سونے والے کو نیند میں موت دیتا ہے۔ اور اگر اس کا آخری کلام یہ الفاظ ہوں گے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ نیند کے متعلق یہ آپ کی سنت طیبہ تھی۔

لولا یقل انی رسول لکا۔

ن شاہد فی حدیث یم یطوق

اگر آپ خود نہ بھی فرمائیں کہ میں رسول ہوں۔

پھر بھی آپ کی سنت میں شاہد مل جائے گا۔ جو پکار اٹھے گا۔

---

# حرکت و سکون میں

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

جب صارخ آواز دیتا تو آپ بیدار ہو جاتے۔ اور صارخ سے مراد مرغ ہے آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کہتے تکبیر کہتے۔ تہلیل پڑھتے اور دعا کرتے۔ پھر مسواک فرماتے۔ اس کے بعد وضو کرتے۔ پھر اپنے پروردگار کے سامنے نماز کے لیے کھڑے ہو کر مناجات ثنا اور دعاؤں میں مشغول ہو جاتے۔ پس صحت قلب و بدن۔ روح اور قویٰ سب کے لیے اس سے زیادہ اور کس طریقہ سے حفاظت کی جاسکتی ہے؟ رہے دنیا و آخرت کے انعامات وہ اس سے زائد اور الگ ہیں۔!

ہم اس کے متعلق ایک فصل باقاعدہ طور پر لکھیں گے۔ تاکہ اس میں آپ سنت طیبہ اکمل طریقہ سے سامنے آجائے۔ اور سب سے زیادہ صائب اور بہتر طریقہ نمایاں ہو جائے۔

یہ تو معلوم ہی ہے کہ بدن زندہ اور باقی رہنے میں خورد و نوش کا محتاج ہے اور غذا تمام کی تمام جزو بدن نہیں بنتی۔ بلکہ ہر مضم کے بعد کچھ حصہ ایسا ضرور باقی رہ جاتا ہے کہ جب کچھ مدت تک وہ پڑا رہے اور اس کی مقدار بھی کثرت ہو جائے۔ تو وہ دیتا ہے۔ یعنی سڑھ پیدا کرتا اور بدن کو بوجھل کر دیتا ہے۔ اور سدی قسم کی امراض پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ اور اگر استفراغ کیا جائے۔ تو مسہل ادویہ کے ذریعہ بدن کو ضرر پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ اکثر سستی ہوتی ہیں۔ اور فائدہ بخش خلط کو بھی ساتھ ہی

خارج کر دیتی ہیں۔ نیز کیفیت کے اعتبار ضرر رسانی کرتی ہیں۔ کیونکہ ذاتی طور پر یا تفنن کے ذریعہ تسخین کرتی ہیں یا ذاتی طور پر سرد کر دیتی ہیں۔ اور یا حرارت غریزہ کو نفع کرنے سے در ماندہ وضعیف کر دیتی ہیں۔

فضلات کے سدے ہر حالت میں مضر ہوتے ہیں۔ چاہے انہیں اپنی حالت پر رہنے دیا جائے اور چاہے ان کا استفراغ کیا جائے اور حرکت سدوں کے پیدا ہونے میں ایک قوی مانع کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ اعضائے بدن میں تسخین ہوتی ہے اور ان کے فضلات بہ نکلتے ہیں اس لیے زیادہ مدت تک جمع نہیں رہ سکتے اور بدن میں ہلکا پن اور فرحت آجاتی ہے اور اسے مزید غذا کے قابل بنادیتی ہے۔

نیز جوڑ مضبوط ہوتے ہیں اور اعصاب اور رباطات میں توانائی آجاتی ہے۔

**ورزش کے فوائد اور مصالح** | تمام مادی امراض اور اکثر مزاجی امراض سے بھی انسان مامون ہو جاتا ہے۔ اگر ورزش اپنے وقت پر اور اعتدال کے ساتھ کرے اور ریاضت کا بہترین وقت غذا کے ہضم ہو جانے اور معدہ سے نکل جانے کے بعد کا ہے۔ نیز معتدل قسم کی ریاضت سے چہرہ سرخ اور بشاش ہو جاتا ہے۔ اور بدن توانا ہوتا ہے۔ اور وہ ریاضت جس میں پسینہ تک پہنچے۔ یہ افراط کی حالت ہے۔ اور جس عضو کی بھی کثرت سے ریاضت کی جائے وہ عضو قوی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کثرت حفظ سے قوت حافظہ مضبوط ہو جاتی ہے اور کثرت فکر سے قوت مفکرہ توانا ہو جاتی ہے۔

**ہر عضو کی جدا جدا ورزش** | ہر عضو کی مخصوص ورزش ہوتی ہے چنانچہ سینہ کی ورزش پڑھنا ہے۔ آہستہ آہستہ سے ابتداء کر کے بتدریج جہر تک پہنچے۔ سماعت کی ورزش آواز اور کلام سننا ہے، اس میں بھی آہستہ آواز سے تیز تک پہنچے۔ اسی طرح زبان کی ورزش کلام ہے۔ اور یوں ہی بصر اور چلنے کی ورزش تدریج سے کرنی چاہیے۔

**سارے بدن کی ورزش** | رہی گھوڑ سواری۔ تیر اندازی۔ کشتی۔ اور دوڑنے،



مقابلہ کرنا تو ان صورتوں میں تمام بدن کی ورزش پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ ورزش۔ جذام استسقاء اور قولنج کا قلع قمع کرتی ہے۔ اور نفوس کی ورزش تعلیم۔ تدبیر۔ فرحت و سرور۔ صبر و ثبات۔ اقدام و صرف نظر اور امور حسنہ میں ہے۔ جن سے طبیعت کو فرحت و انبساط حاصل ہو۔ اس کی سب سے بڑی اور عظیم ورزش صبر شجاعت اور احسان کرنا ہے۔ چنانچہ طبیعت آہستہ آہستہ ان سے مانوس اور راضی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ یہ صفات اس میں راسخ اور پکی ہو جاتی۔ اور اس سلسلہ میں جب آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ کا مطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ آپ کی سنت طیبہ صحت و قوائے بدن کی بہترین محافظ اور دنیا و آخرت میں از حد نافع ہے۔

**نماز کے جسمانی فوائد** | اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نماز صحتِ بدن اور اس کے اخلاط و فضلات کو دور کرنے میں دیگر ادویہ سے زیادہ فائدہ بخش

ہے۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ صحتِ ایمان اور دنیا و آخرت کی سعادت کی ضمانت ہے۔ اسی طرح قیام اللیل (تہجد) بھی حفظ صحت کا نہایت ہی نفع بخش سبب ہے اور کئی مزین امراض کو روکتا ہے۔ نیز بدن و روح اور دل کے لیے حد درجہ نشاط آور ہے جیسا کہ صحیحین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:

”شیطان تم میں سے ایک کے سر کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ ہر گرہ پر کہتا ہے۔ ”رات بہت لمبی ہے۔ اس لیے سوتے رہو“ پس اگر وہ آدمی اٹھ گیا۔ اور اللہ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل گئی۔ اور اگر اس نے وضو کیا تو دوسری گرہ بھی کھل گئی اور اگر اس نے نماز پڑھی تو تیسری گرہ بھی کھل گئی۔ چنانچہ وہ فرحت و نشاط سے صبح کمرے گا۔ ورنہ اس حالت میں صبح کو اٹھے گا کہ اس کی طبیعت پر خبت اور سستی طاری ہوگی“

منترعی روزوں میں بھی بدن اور طبیعت کے لیے ورزش اسبابِ حفظ صحت میں سے ہے۔ اور جہاد کی ورزشیں اور حرکات و قوت، حفظ صحت۔ قوت قلب بدن

اور فضلات کے دفعیہ کے لئے زبردست اور قوی اسباب ہیں۔ نیز غم و حزن اور ملال (دُور کرنے میں مدد دیتی ہیں) جو ان سعادتوں سے بہرہ ور ہوا ہے، وہ ان کا عارف ہے۔

حج اور تیراندازی اور اس کے برکات | اسی طرح حج اور اس کے تمام مناسک نیز گھوڑ دوڑ، تیراندازی کا مقابلہ اور

اپنی اور اپنے بھائیوں کی ضروریات کے لئے اور قضاۃ حقوق عیادتِ مرضاء اور جنازہ میں شرکت کے لئے بھاگ دوڑ نیز جمعہ اور دیگر اجتماعات کے لئے مساجد کی طرف جانا نیز وضو اور غسل وغیرہ کے لئے سعی و جہد، دیہ تمام امور یکساں نفع بخش اور موثر ہیں۔

# مباشرت اور جماع

## انواع واقسام حلال و حرام، افراط و اعتدال کا بیان

جامعت اور مباشرت کے سلسلہ میں بھی آپ کا طریقہ حفظِ صحت اور اتمامِ لذت و سرورِ نفس کے لحاظ سے ہر طرح کامل اور مکمل تھا اور مقاصد کے حصول کا ذریعہ بھی جن کے لیے یہ کام (جامعت و مباشرت) وضع کیا گیا ہے۔

اصل میں جماع تین امور کے لیے ہے اور یہی اس کے اصل مقاصد ہیں۔

۱۔ ایک حفظِ نسل و نوع اور اس بات کا اتمام کہ وہ تعداد پوری ہو جائے جو اللہ تعالیٰ عالم نمود میں لانا چاہتا ہے۔

۲۔ دوسرے وہ اخراجِ آب کہ جس کا احتباس (روکنا) بہت مضر ہوتا ہے اور بدن میں اس کا احتقان نقصان دہ ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرے حصولِ لذت، نعمت سے تمتع اور تکمیلِ خواہش۔ جنت سے صرف یہ آخری فائدہ ہی ہو گا کیونکہ وہاں سلسلہ تناسل نہ ہو گا اور نہ ہی انزال کے ذریعہ استفرغ ہو گا

اسبابِ صحت میں سے ایک اہم سبب | بڑے بڑے اطباء کا کہنا ہے کہ جماع بھی اسبابِ صحت میں سے

ایک اہم سبب ہے۔ جالینوس کہتا ہے کہ منی کے جوہر پرہ آگ اور ہوا کا غلبہ ہے اور اس کا مزاج گرم تر ہے، کیونکہ یہ صاف خون سے بنتی ہے اور جب مادہ منویہ پیدا ہو جائے۔ تو سمجھ لو کہ اسے صرف طلبِ نسل یا استفرغ کے لئے خارج کیا جاسکتا ہے

کیونکہ اگر اسے زیادہ مدت تک روک دیا گیا تو طرح طرح کے امراض روئیں مثلاً وہ بھی ہو جانا، یا مرگی اور جنون وغیرہ پیدا ہو جائے گا۔

اس کے فوائد بے شمار ہیں، آدمی فعل حرام سے بچنے اور نظریں نیچی رکھنے کی قوت حاصل کر لیتا ہے، اسے عفت پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور اس بات کا حصول مرد اور عورت دونوں کے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ رساں ہے۔

آپ نے اپنی امت کو نکاح کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا: نکاح کرو، کیونکہ میں تمہارے ذریعہ دوسری امتوں پر تمہاری کثرت دکھاؤں گا۔ اور ابن عباسؓ نے فرمایا، اس امت میں وہ شخص بہت اچھا ہے جو کثیر الاہل ہو۔ آپ نے فرمایا، میں نکاح کرتا ہوں، گوشت کھاتا ہوں، سوتا ہوں، اٹھتا ہوں۔ بیدار ہوتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، پس جو میری سنت پر عمل نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں۔

اور فرمایا، اے نوجوانوں کے گروہ جو تم میں سے استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ نکاح کرے۔ کیونکہ یہ غضب بھر اور حفاظت کردار میں سب سے زیادہ معاون ہے۔ اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ روزے رکھے۔ اس طرح اس کی شہوت ٹوٹ جائے گی۔

۱۔ اس سے ثابت ہوا کہ شادی اس شخص کو کرنی چاہیے جو استطاعت رکھتا ہو، یعنی بیوی کا اور اولاد کا خرچ برداشت کر سکتا ہو، اپنے مرتبہ کے موافق انھیں رکھ سکتا ہو، ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کر سکتا ہو، تاکہ وہ قوم کے لیے بوجہ نہ بن جائیں یہ شرط ایک شادی کے لیے ہے، تو تعدد ازواج کے لیے تو بدرجہ اولیٰ ہے، اور جو شخص استطاعت سے محروم ہے اس کے لیے آپ نے علاج بھی تجویز فرمادیا۔ یعنی روزہ رکھنا کہ روزہ انسان کے قوائے شہوانی کو کمزور کر دیتا ہے۔

چنانچہ قحط سالی شد اندر دمشق کہ یاراں فراموش کردند عشق  
(رئیس احمد جعفری)



جب حضرت جابرؓ نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی، تو آپؐ نے ان سے فرمایا، تم نے کسی کنواری سے شادی کیوں نہ کی کہ تو اس سے کھیلنا وہ تجھ سے کھیلتی؟<sup>۱</sup>  
سنن ابن ماجہ میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے، فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کا ظاہر و مطہر حالت میں دیدار کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔

**صالح عورت بہترین متاع دنیا ہے** | صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دنیا ایک متاع ہے، اور متاع دنیا میں سے سب سے بہتر زن صالحہ ہے۔  
سنن میں ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ہم نے محبت کرنے والے میاں بیوی سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا۔

آپؐ اپنی امت کے افراد کو برابر نکاح کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔  
سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، کونسی عورت زیادہ بہتر ہے؟  
آپؐ نے فرمایا، وہ عورت جسے (اس کا شوہر) دیکھے، تو اسے خوش کرے، جب وہ اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔ اور شوہر کے مال اور اپنی ذات میں ایسا کام نہ کرے جسے (شوہر) ناپسند کرتا ہو۔

صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپؐ نے فرمایا،  
عورت سے اس کے مال، حسب۔ جمال، اور دین کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے تیرے

---

۱۔ بیوہ سے شادی کی ممانعت نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث میں اس کی تاکید ہے اور اجر کی بشارت ہے اس موقع پر برسبیل تغنن آپؐ نے یہ فرمایا تھا۔  
۲۔ سوسائٹی میں آزاد عورت کا باندی کے مقابلہ میں مرتبہ زیادہ ہوتا ہے۔

ہاتھ گرد آلود ہوں، دیندار عورت سے (نکاح) کر! نیز آپ زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرنے کی ترغیب دیتے اور ایسی عورت کو ناپسند فرماتے جو بچے نہ جنتی ہو، جیسا سنن ابی داؤد میں حضرت معقل بن یسار سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا:

مجھے ایک بڑے خاندان والی اور خوبصورت عورت ملتی ہے لیکن وہ بچے نہیں جنتی، کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔

پھر وہ شخص دوسری بار حاضر ہوا، آپ نے پھر منع فرمادیا، پھر تیسری بار حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنتی والی عورت سے نکاح کرو، کیونکہ میں تمہارے ذریعہ کثرت امت چاہتا ہوں۔

اور ترمذی میں آپ سے مرفوعاً مروی ہے کہ چار کام انبیاء علیہم السلام کی سنت میں داخل ہیں؛  
۱۔ نکاح کرنا۔

۱۔ یہ ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا، اور مسلمانوں کی کثرت تعداد کی ضرورت تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کثرت تعداد کی ضرورت نہ ہو تو اسے عزل سے یا کسی اور ایسے طریقہ سے جو شرع کی نظر میں مورد اعتراض نہ ہو۔ روکا جاسکتا ہے۔ عہد رسالت میں اس کے بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں کہ لوگوں نے عزل کیا، اور اولاد نہ پیدا ہونے دی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عزل یعنی اولاد کا نہ پیدا کرنا، ایک ذاتی اور نجی معاملہ ہے، اگر کوئی شخص اپنے حالات مصالح کے اعتبار سے اسے ضروری سمجھتا ہے تو ایسا کر سکتا ہے اور حکومت اس میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ اور کثرت اولاد کی ضرورت ذاتی کے بجائے قومی مسئلہ ہے اس سلسلہ میں امام، یا حکومت کی طرف سے ہدایات جاری کیے جاسکتے ہیں۔ تاکہ ثابت ہو کہ وہ بھی بشر ہیں، اور انسانوں کی طرح جذبات بھی رکھتے ہیں۔

۲۔ مسواک کرنا۔

۳۔ عطر لگانا۔

۴۔ اور مہندی کا استعمال کرنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جماع متعددہ سے ایک غسل بھی کافی ہے اور ہر جماع کے لئے جدا غسل بھی۔

پہلی صورت صحیح مسلم کی ایک روایت سے ثابت ہے۔ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور دوسری صورت سنن ابی داؤد کی ایک روایت سے ثابت ہے، جو آں حضرت کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع سے منقول ہے کہ ایک ایسے موقع پر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جماع متعددہ کے لیے الگ الگ غسل کے بجائے ایک ہی غسل کے بارے میں عرض کیا، تو آپ نے فرمایا۔  
رموزِ طہارت اور پاکیزگی اس میں ہے۔

مشروع صورت یہ ہے کہ اگر غسل سے قبل دوبارہ جماع کا ارادہ ہو تو درمیان میں وضو کر لے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے پھر دوبارہ جانا چاہے تو اسے وضو کر لینا چاہیے۔

جماع کے بعد غسل اور وضو سے دوبارہ نشاط اور طبعی فرحت و قوت عود کرتی ہے اور جماع کا بدلہ مایہ تلل مل جاتا ہے۔ نیز کمالِ طہارت و نظافت بھی ہو جاتی ہے اور جماع کے ذریعہ، جو حرارتِ غریزی منتشر ہو گئی تھی وہ دوبارہ بدن میں مجتمع ہو جاتی ہے۔

۱۔ یہ طہارت اور پاکیزگی کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔

۲۔ اس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ انبیاء کا مزاج کس درجہ نفاست پسند ہوتا ہے اور وہ گندگی وغیرہ سے کتنے دور ہوتے ہیں۔

۳۔ مہندی سے مراد حسبِ ضرورت مہندی کا خضاب بھی ہو سکتا ہے۔ اور ویسے عام استعمال بھی۔

**مباشرت کے اداب اور اصول** | اور سب سے زیادہ نفع بخش طریق جماع غذا کے ہضم ہونے کے بعد اور سردی و گرمی میں بدن کی حالت اعتدال میں ہوتا ہے، جب خشکی تری، خلوے معدہ اور امتلاء معدہ میں بھی اعتدال ہو۔ امتلاء معدہ کے وقت جماع سے جو نقصان ہوتا ہے وہ خلوے معدہ کے وقت کے جماع سے کم ہوتا ہے۔ اس طرح بیوست کے مقابلہ میں، بحالت رطوبت نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے نیز حرارت کے موقع پر برودت سے کم خطرہ ہوتا ہے۔

مناسب یہ ہے کہ جب خواہش جماع خوب تیز ہو جائے اور انتشار کامل ہو، جو ازراہ تکلف یا خیالی صورت اور مسلسل نظر سے قصداً برپا نہ کیا جائے، بلکہ از خود ہو۔ اس وقت جماع کیا جائے اور یہ مناسب نہیں کہ خواہش جماع تکلف کے ساتھ پیدا کی جائے اور خواہ مخواہ طبیعت کو اس طرف راغب کیا جائے۔ بلکہ جب منی بکثرت ہو جائے اور خواہش از خود شدت اختیار کرے اس وقت یہ فعل کیا جائے۔

بڑھیا عورت، نیز بہت کم عمر کی بچیوں سے احتراز کرنا چاہیے جو ابھی بلوغ کو نہیں پہنچیں، اور جن میں ایسے جذبات نہیں پیدا ہوئے۔ نیز مریضہ، بد شکل اور مکروہ عورتوں سے بھی گریز کرنا چاہیے، کیونکہ ایسی عورتوں سے جماعت کرنا قوی کو کمزور اور قوت باہ کو ضعیف کر دیتا ہے۔

**”حور عین“ کا ذکر، اور بیان** | اللہ تعالیٰ نے جنت کی عورتوں کا کمال یہ ظاہر فرمایا ہے، کہ وہ ”حور عین“ ہوں گی، یعنی اس سے قبل کسی نے انھیں (ہاتھ تک) نہ لگایا ہوگا، وہ ان کے لیے جنت میں ربویاں ہوں گی حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، اگر آپ کسی درخت کے پاس سے گزریں جس سے (اونٹوں کو) چرایا گیا ہو، پھر کسی ایسے درخت کے پاس سے گزریں جس سے نہ چرایا گیا ہو تو آپ اپنا اونٹ کہاں چرائیں گے؟

آپ نے فرمایا جس میں نہ چرایا گیا ہو۔

نیز ایسی عورت سے جو محبوب ہو، جماع کرنا باوجود کثرت استفرغ کے بہت



کم ضعف پیدا کرتا ہے، اور مکروہ عورت سے جماع کرنا بدن کو تحلیل کرنا اور زہدیت استغراغ (کبھی کبھی جماع) کے باوجود قوی میں ضعف پیدا کرتا ہے۔

نیز حائضہ عورت سے جماع کرنا طہ اور شرع - ہر اعتبار سے حرام ہے، کیونکہ یہ بیحد مضر ہے۔ تمام اطباء اس کی ممانعت کرتے ہیں۔

صحیحین میں حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ جب انسان عورت سے بجانب عقب اندام نہانی میں جماع کرے تو لڑکا بھینگا ہوتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

نساء کم حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتہم (تمہاری عورت میں تمہاری کھیتی ہیں پس اپنی کھیتی میں جاؤ جہاں سے چاہو، اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر چاہے چہرہ کے سامنے سے آئے اور اگر چاہے تو دوسری طرف سے آئے، لیکن یہ ضروری ہے کہ غیر فطری اور طبعی طریقے سے قطعاً احتراز کیا جائے، کیونکہ پھر کھیتی کی مثال صادق نہیں آئے گی یہ

رہی دبر، تو یہ کسی نبی کی زبان سے مباح نہیں اور جس نے بعض سلف کا نام لے

لے جماع کا مقصد صرف حظ نفسی، اور لذت شہوانی نہیں ہے، تو والد و تناسل ہے اور جماع غیر فطری سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس طرح اولاد نہیں پیدا ہو سکتی، تو والد و تناسل میں مدد نہیں مل سکتی کھیتی کی اصطلاح بڑی بلیغ ہے۔ آدمی زمین کو جب جوڑتا اور بوتا ہے، تو اس میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے اور اناج، پھل، میوہ، جو کچھ بھی بویا جائے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر کھیتی کے بجائے زمین شور کو جوڑتا اور بویا جائے، تو ظاہر ہے یہ لا حاصل ہے۔ نہ روئیدگی پیدا ہوگی نہ پھل پھول اناج اگایا جاسکے گا۔ پس عورت مرد کی کھیتی ہے، اس سے جماع کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ کھیتی اُگے، یعنی اولاد پیدا ہو، نہ یہ کہ محض وقتی طور پر جنسی جذبات کی تسکین حاصل کر لی جائے یہ اللہ کی دی ہوئی قوت اور اہلیت و صلاحیت کا نہایت غلط استعمال ہے، اسی لیے عتاب و عقاب کا اسے سزا وار قرار دیا گیا ہے۔ "لعنت" سے بڑھ کر عتاب و عقاب کی انتہا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ اس کی راحت کا پہلو پیدا کیا ہے کہ ”عورت کی دبیروں وطی کرنا جائز ہے“ اس نے غلط کہا ہے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو اپنی بیوی کی دبیر کو استعمال کرے وہ ملعون ہے۔  
احمد اور ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہیں کرتا جس نے کہ اپنی بیوی کی دبیر میں جماع کیا۔

ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ جو حائضہ کے پاس آیا، یا عورت سے دبیر میں جماع کیا یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی۔ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی کا کفر کیا۔

امام بیہقی کے الفاظ یہ ہیں کہ جس نے عورتوں کی دبیر میں (جماع) کیا اس نے کفر کیا۔  
**اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا** | مصنف و کیسٹ میں ہے، مجھے زمزمہ بن صالح نے بتایا انھیں ابن طاووسؒ سے

انھیں اپنے والد سے انھیں عمرو بن دینار سے انھیں عبد اللہ بن یزید سے روایت پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ حق کہنے سے نہیں شرماتا۔ عورتوں کے پاس ان کے عقب سے نہ جایا کرو۔

امام بغوی فرماتے ہیں: ہمیں حدیبہ نے انھیں ہمام نے بتایا کہ حضرت قتادہؓ سے اس آدمی کے متعلق سوال کیا گیا، جو اپنی بیوی کی دبیر میں جماع کرتا ہے، تو انھوں نے فرمایا مجھے عمرو بن شعیب سے، انھیں اپنے والد سے انھیں دادا سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ چھوٹی لواطت ہے۔

(بقیہ حاشیہ) شدت کا اظہار اور کس لفظ سے کیا جاسکتا تھا۔

۱۔ اس سے ثابت ہوا کہ اغلام بھی اس فہرست میں آتا ہے، یعنی اغلام کرنے والا بھی درحقیقت ایک طرح کے کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔  
۲۔ لواطت، یعنی اغلام بازی۔

مسند احمد میں مروی ہے ہمیں عبدالرحمن نے بتایا انھیں صائم سے انھیں قتادہ سے انھیں عمرو بن شعیب سے انھیں اپنے والد بزرگوار سے انھیں دادا سے روایت ملی اور پھر اس کا ذکر فرمایا۔

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی طرف نظر بھی نہیں کرتا۔ جو مرد یا عورت کے ساتھ اس کی دبر میں جماع کرتا ہے۔

ہمیں حضرت ابو علی حسن بن حسین بن دوا سے روایت ملی، انھیں حضرت برائہ بن عازب سے مرفوع روایت ملی، کہ اس اُمت کے دس آدمیوں نے اللہ عظیم کے ساتھ کفر کیا

۱۔ قاتل ہو کہ جس نے کسی کو قتل کر ڈالا ہو۔

۲۔ جادوگر، سحر و شعبدہ کا مظاہرہ کرنے والا۔

۳۔ دیوث

۴۔ عورت کی دبر میں جماع کرنے والا

۵۔ زکوٰۃ نہ دینے والا۔

۱۔ جس نے بغیر کسی جائز اور شرعی عذر کے کسی کو قتل کر دیا ہو۔

۲۔ ساحر اور جادوگر اپنے شعبدوں سے غیر اللہ کی عظمت نا سمجھ لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے جو شرک پر ختم ہوتی ہے۔

۳۔ بے حیا قسم کا باپ یا شوہر، یا بھائی، جو لڑکی، یا بہن، یا بیوی سے پیشہ کرائے، یا انھیں فواحش میں مبتلا کر دینے میں ساعی ہو۔ کہ یہ اغلام ہی کی ایک صورت ہے۔

۵۔ زکوٰۃ خدا کا عائد کیا ہوا ٹیکس ہے جو قومی اور مصالح پر صرف ہوتا ہے، اسی لیے زکوٰۃ کو انفرادی

طور پر صرف کرنے کی اجازت نہیں، وہ بیت المال کا حق ہے، وہیں سے مقررہ اور معینہ مصارف میں

اسے صرف کیا جاسکتا ہے زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسالت مآب کے

انتقال کے بعد جب قبائلی عرب میں ارتداد پھیلا، تو ایک جماعت نے اسلام پر قائم رہنے کی شرط یہ

پیش کی کہ اس سے زکوٰۃ نہ لی جائے، حالات اتنے نازک تھے کہ حضرت عمرؓ جیسا شخص بھی اس



- ۶۔ جسے وسعت ملی اور مر گیا لیکن حج نہ کیا۔
- ۷۔ شراب پینے والا۔
- ۸۔ فتنہ برپا کرنے میں سعی کرنے والا۔
- ۹۔ اہل حرب سے ہتھیاروں کی بیع کرنے والا۔
- ۱۰۔ جس نے کسی محرم سے نکاح کیا۔

حضرت عبداللہ بن وہب فرماتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن لہیعہ سے انھیں مشرح بن ہاعان سے انھیں عقبہ بن عامر سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو عورتوں کی محاش یعنی دیر میں جماع کرے وہ ملعون ہے۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ | مسند حضرت بن ابی اسامہ میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن

عباسؓ کی حدیث مروی ہے۔ ان دونوں نے فرمایا، وفات سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، اور مدینہ میں یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔ پھر آپ اللہ عزوجل

(بقیہ حاشیہ) موقع پر یہ رعایت دینے کو تیار ہو گیا مگر حضرت ابو بکرؓ نے نگاہ عتاب سے حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔ انت جبار فی الجاہلیہ وجبان فی الاسلام یعنی تم حالت کفر میں تو بڑے طرہاں بنتے تھے، اور اسلام قبول کر کے بزدل بن گئے، پھر فرمایا ”خدا کی قسم رسول اللہ کی زندگی میں جو شخص رسی کا ایک تسمہ بھی زکوٰۃ میں دیتا تھا اور اب اس کے دینے سے انکار کرتا ہے تو میں تنہا اس سے جہاد کروں گا“ حضرت ابو بکرؓ نے جہاد کیا اور انتہائی ناموافق اور نامساعد حالات میں کیا اور نصرت الہی سے کامیاب رہا شاہ ولی اللہؒ نے اسے کارِ پیغمبری قرار دیا ہے۔

۱۔ اس نے امکان و استطاعت کے باوجود ایک فرض ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لیا۔

۲۔ اس لیے کہ شراب کو خدا نے حرام کر دیا ہے۔

۳۔ گویا وہ مسلمان ہو کر، مسلمانوں کے دشمنوں کو مدد پہنچایا۔ اور انھیں مروجہ سامان جنگ مہیا کرتا ہے۔

۴۔ جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان سے نکاح کر لیا۔ مثلاً یحییٰ کی زندگی اور موجودگی میں سانی سے شادی کر لی۔



سے جا ملے۔ آپ نے اس میں ہمیں نصیحت فرمائی، اور فرمایا۔

”جو عورت کے ساتھ اس کی دہریں جماع کرے یا مرد یا بچے کے ساتھ یہ حرکت کرے قیامت کے دن اس طرح اٹھے گا کہ اس کی بدبو مردار سے زیادہ سخت تر ہوگی، جس سے لوگوں کو از حد تکلیف پہنچتی ہے۔ آخر وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع کر دے گا، اور اس سے کوئی حرف و عدل قبول نہ کیا جائے گا۔ اور اسے آگ کے تابوت میں داخل کیا جائے گا اور اس پہ آگ کی میخ ٹھونک دی جائے گی۔“  
حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، یہ سزا اس کے لیے ہوگی، جو توبہ کرے۔ (یعنی اس فعل سے باز نہ آئے)۔

نیز یہ فعل بد چہرے کو سیاہ کرتا، سینے کو تاریک بناتا اور نورِ قلب کو ختم کر دیتا ہے اور چہرے پر ایسی وحشت برساتا ہے کہ جو معمولی سی بھی سمجھ بوجھ رکھتا ہو وہ اس نشان کو پہچان لیتا ہے۔

نیز یہ فعل شدید قسم کی نفرت اور بغض اور فاعل و مفعول میں تلخی پیدا کر دیتا ہے۔  
**اغلام کے بد اثرات و نتائج** | مزید برآں یہ فعل شنیع فاعل اور مفعول کی حالت اس درجہ خراب کر دیتا ہے کہ ان کی اصلاح کی امید ہی نہیں رہتی ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو توبۃ النصوح (کی توفیق بخش دے)۔

نیز یہ زوالِ نعمت اور اتیانِ ذلت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کا موجب ہے۔ پس سوچنا چاہیے۔ اس کے بعد کسی خیر کی امید ہو سکتی ہے؟ اور کسی شر سے پناہ مل سکتی ہے؟ اور اس بندے کی بھی کیا زندگی ہے۔ جو اللہ کے غضب اور لعنت کا سزاوار ٹھہرے یا جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ اعراض کر لیا ہو، اور اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے؟

نیز یہ فعل حیاء کو جڑ سے کاٹ دیتا ہے اور حیاء ہی دلوں کی زندگی کا نام ہے۔ اب جب دل سے یہ چیز مفقود ہو جائے، تو وہ برائی کو اچھائی اور اچھائی کو برائی سمجھنے لگے گا اور اس حالت میں اس کی خرابی اور زیادہ مستحکم ہو جائے گی۔

نیز یہ فعل اس قدر حقارت و ذلت اور کمینگی لاتا ہے جو دوسرے گناہوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے، اور بندے پر لوگوں کی جانب سے حقارت نفرت، غیظ و غضب اور پستی و ذلوتی آجاتی ہے، جس کا واقعی طور پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ پس اللہ کا صلوة و سلام اس ذات پر ہو کہ جس کی سنت طیبہ اور اس کے اتباع میں دنیا و آخرت کی سعادت ہے اور اس کی مخالفت میں دنیا و آخرت کی بربادی ہے۔

**ضرر رساں جماع کی دو قسمیں** | ایک شرعی طور پر ضرر رساں اور ایک طبعی طور پر ضرر رساں جو شرعی طور پر ضرر رساں ہے، وہ قطعاً حرام ہے۔

مراتب تحریم بھی کم و بیش ہیں۔ بعض کی حرمت عوارض کے سبب دوسرے سے اخف ہے۔ جیسے کہ احرام و صیام اور اعتکاف کی تحریم، اور تکفیر سے پہلے ظاہر کی تحریم، اور حائضہ سے وطی کرنے کی تحریم وغیرہ انک اس نوع میں کوئی حد نہیں۔

دوسری قسم لازم ہے، تو اس کی دو نوع ہیں:

**قسم لازم کے دو انواع** | ایک نوع وہ ہے کہ اس کی حلت کی کوئی سبیل نہیں ہے جیسے ذرات محارم (محرم رشتے) یہ سب سے زیادہ

ضرر رساں جماع ہے۔ چنانچہ علمائے کرام کے ایک گروہ کے نزدیک اس کا مرتکب قتل کا مستحق ہے، جیسا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے، نیز ایک مرفوع حدیث بھی ثابت ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی صورت میں حلال ہو سکے، جیسے اجنبی عورتیں۔ اب اگر یہ عورت شوہر والی ہے تو اس کے ساتھ کرنے سے دو حق (پامال ہوئے) ایک اللہ کا حق اور دوسرے شوہر کا حق۔ اور اگر مجبور کر کے یہ فعل کیا، تو تین حقوق ہو گئے۔ اور

۱۔ یعنی اسے کبھی بھی حلال نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً بہن یا بیٹی سے کبھی اور کسی حالت میں بھی جماع جائز نہیں ہے۔ حرام مطلق ہے ان کی حرمت دائمی ہے اور غیر دائمی وہ حرمت ہے جو کسی عارض کے سبب ہو۔ مثلاً بیوی کی موجودگی میں سالی سے شادی نہیں ہو سکتی، لیکن اس کے انتقال کے بعد

اگر اس عورت کے خویش و اقارب بھی ہیں جنہیں اس کے فعل سے ننگ عار لاحق ہوا تو اب چار حقوق ہو گئے۔ اور اگر یہ حرم عورت تھی۔ تو پھر پانچ حقوق ہو لیے۔ پس اب اس نوع کی حرمت درجاتِ حرم کے لحاظ سے شدید تر ہوتی جائے گی۔

**طبعی طور پر ضرر رساں طریقہ** | رہا طبعی طور پر ضرر رساں طریقہ، اس کی دو قسمیں ہیں؛ ایک کیفیت کے اعتبار سے مضر ہے۔ اس کی بحث

گزر چکی ہے وہ ایک کمیت کے لحاظ سے نقصان دہ طریقہ ہے، جیسے اس کی کثرت میں مبتلا ہو جانا، کیونکہ اس صورت میں قوت گم جاتی ہے اور اعصاب کو نقصان پہنچتا ہے نیز عشتہ، فالج اور تشنج پیدا ہو جاتا ہے۔ بینائی اور تمام قوی کمزور ہو جاتے ہیں۔ حرارت غریبی بجھ جاتی ہے۔ مجاری کھل جاتے ہیں، اور فضلاتِ فاسدہ کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔

**بہتر اور موزوں وقت** | جماع کے لیے سب سے زیادہ مفید اور بہتر وقت معدہ میں غذاء ہضم ہو جانے کے بعد کا ہے، جب بھوک بھی نہ ہو

اور معدہ بالکل خالی بھی نہ ہو۔ بلکہ اعتدال کی حالت ہو۔ کیونکہ بھوک کی حالت میں حرارت غریبی بجھ جاتی ہے اور سیری کی حالت میں کٹی شدید امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ نیز تھکاوٹ کی حالت میں، اور کام کرنے کے بعد یا استفرغ کے فوراً بعد جماع نہ کرنا چاہیے۔

علاوہ ازیں غم و حزن یا فرحت شدید کی حالت میں بھی اس سے بچنا چاہیے۔ سب سے بہتر وقت رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد کا ہے۔ جب کھانا ہضم ہو چکا ہو۔ پھر غسل کرے یا وضو کر کے سو جائے، تاکہ اس کی قوت عود کر آئے۔ اور حرکت شدید اور ورزش سے احتراز کرے۔ کیونکہ اس حالت میں یہ حد درجہ ضرر رساں ہے۔

(بقیہ حاشیہ) یا اسے طلاق دینے کے بعد ہو سکتی ہے۔

# عشق کا روگ اور اس کا علاج

## عشق کی قسمیں، کیفیتیں اور ان کا تفصیلی بیان

یہ مرض بھی امراض قلب سے تعلق رکھتا ہے اور ذات و اسباب اور علاج میں تمام دیگر امراض سے علیحدہ ہے۔ جب یہ مرض مستحکم ہو کر بڑھ پکڑے، تو اطباء کے لیے اس کا علاج دشوار ہو جاتا ہے۔ اور مریض کو بھی عاجز کر دیتا ہے۔

قرآن میں دو گروہوں کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی دو گروہوں کا واقعہ نقل فرمایا ہے۔ ایک عورتوں

کے عاشق کا، اور ایک لڑکوں کے عاشق کا چنانچہ عزیز مصر کی بیوی کا واقعہ یوسف علیہ السلام کے متعلق، اور قوم لوط کا واقعہ۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دیتے ہوئے بتایا۔ کہ جب ملائکہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ تو اہل شہر بھی خوشی خوشی آئے۔ (حضرت لوط علیہ السلام) نے فرمایا!

ان هولا وضيفی فله تفضحون ۵ واتقوا الله ۵ ولا تخزون ۵ اولم ننہک عن العالمین ..... یعنی لوط نے کہا یہ لوگ میرے بہانے میں سو مجھ کو رسوا مت کرو۔ اور ڈرو اللہ سے اور میری ابر و مت کھوؤ، بولے کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا دنیا



جہاں کی حمایت سے، لوط نے کہا۔

قال هؤلاء بناتى ان كنتم فاعلين لعمرك انهم لفي سكرتهم يعمهون۔  
یعنی! یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں، جو تمہارا جی چاہے کرو خدا کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔

**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عشق کی غلط نسبت** <sup>اور جس نے</sup> <sup>جواب سائل</sup>

صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا۔ کہ آپ بھی زینب بنت جحش کے متعلق عشق،  
میں مبتلا ہو گئے اور یہ کہ آپ نے جب انہیں دیکھا، تو پڑھا!

سبحان مقلب القلوب؛

اور آپ کے دل پر جا لگی، اور آپ نے حضرت زید بن حارث سے فرمایا!  
اسے روکے رکھو!

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

واذ تقول الذی انعم اللہ علیہ وانمت علیہ امسک علیک نروجک  
واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس ج واللہ احق ان تخشاه  
یعنی! اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا رہنے دے  
اپنے پاس اپنی جو رو کو اور ڈر اللہ سے اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز  
جس کو اللہ کھولنا چاہتا ہے۔ اور ڈرتا تھا۔ لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیے  
ڈرنا تم کو؟ پس اس گمان فاسد کرنے والے نے سمجھا۔ کہ یہ عشق کے متعلق حکم  
ہے، بعض نے تو عشق کے متعلق کتاب بھی لکھی ہے، جس میں انبیاء علیہم السلام  
کے عشق کا ذکر کیا ہے۔ اور اس واقعہ کو بھی اس میں ہی شمار کیا ہے۔ حالانکہ  
ایسا کہتا قرآن اور رسالت سے یکسر اور سراسر جہالت کا ثبوت ہے۔ اور کلام  
اللہ کو ایسی بات پر محمول کرنا ہے جس کا وہ مختل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے  
جس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برائت ظاہر فرمائی اسی کی طرف آپ

کی نسبت کرنا ہے۔

بات یہ تھی کہ حضرت زینب بنت جحش حضرت زید بن حارثہ کی زوجیت میں تھیں یہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت زیدؓ) کو متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا لیا تھا۔ اور وہ (زید) بن محمدؐ کے نام سے مشہور تھے۔ اور حضرت زینبؓ زیدؓ کو اپنا بھتیجا یہ نہیں سمجھتی تھیں۔ چنانچہ زیدؓ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انہیں طلاق دینے کے ارادہ کا اظہار کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

اپنی بیوی کو پاس رکھو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور دل میں سوچا کہ اگر زیدؓ اسے طلاق دے دی تو آپؐ خود اس سے نکاح کر لیں گے۔ یہ لیکن

۱۵: اگر آپؐ کو حضرت زینب سے عشق ہوتا، یا آپؐ ہر حالت میں ان سے نکاح کرنا چاہتے تو اس سے اچھا موقعہ اور کون تھا؟ آپؐ حضرت زیدؓ کو طلاق کی اجازت دے دیتے، اور نکاح کر لیتے، لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہیں طلاق دینے سے روکا اور منع کیا، خدا سے ڈرایا اور زینبؓ کو پاس ٹھہرا لے رکھنے کا حکم دیا۔

۱۶: جب حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کی، مصالحت اور بناہ کی کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی، تو آپؐ کے دل میں ان سے نکاح کا خیال آیا۔ اور اس لیے آیا کہ اسلامی مساوات کو برقرار رکھنے کے لیے آپؐ ہی تے حضرت زینبؓ کو جو آپؐ کی بہن ہوتی تھیں، ایک غلام (حضرت زیدؓ) سے شادی کرتے پر راضی کیا۔ مگر دونوں میں نبہ نہ سکی، حضرت زینبؓ کو (باقی صفحہ اگلے پر دیکھئے) ۱۷: اور حضرت زینبؓ کا یہ نکاح خود آپؐ نے کیا تھا۔ اگر آپؐ چاہتے تو زیدؓ سے نکاح نہ کرتے بلکہ خود ہی کر لیتے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؐ کے دل میں حضرت زینبؓ سے نہ نکاح کرنے کا خیال تھا، نہ آپؐ کو ان سے عشق تھا۔

لوگوں کے اعتراضات کا خطرہ تھا کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ کیونکہ حضرت زیدؓ آپ کے بیٹے ہی مشہور تھے۔

یہ معاملہ تھا جو نبی صلی اللہ  
**اصل معاملہ اور اس کے نوعیت و کیفیت**  
 رکھا تھا، اور یہی خطرہ تھا جو لوگوں سے متوقع تھا، اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت میں آپ پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا۔ اور عتاب نہیں کیا اور فرمایا! آپ کے لیے مناسب نہیں، کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہے۔ آپ اس کے متعلق لوگوں سے ڈریں۔ بلکہ اللہ اس بات کا زیادہ مقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ اس لیے لوگوں کے اعتراض کی وجہ سے حلال کام میں کچھ حرج نہ سمجھتے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے بتایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہی حضرت زیدؓ کے بعد زینبؓ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ تاکہ اس معاملہ میں آپ کی امت آپ کا اقتداء کرے اور آدمی اپنے متبئی کی بیوی سے (طلاق یا مرنے کے بعد) اگر چاہے نکاح کر لے۔ بشرطیکہ صلبی رط کے کی بیوی نہ ہو۔ اسی وجہ سے (صلبی رط کے کی بیوی کو) آیت تحریم میں بیان فرمایا!

وَحَلَّاهُ لَكُمْ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ

اور صورت زینہ بحث میں فرمایا!

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ۔

باقی حاشیہ! اس واقعہ سے فطری طور پر مغموم اور دیکھ بھولا چاہیے تھا، چنانچہ ہوتیں لہذا تالیف قلب کے مد نظر آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔ اور اس طرح ان کی دیگر دور ہو گئی، پہلے وہ ایسے شخص سے بیاہی گئی تھیں جسے وہ اپنے سے فروتر سمجھتی تھیں، اب ایسی ہستی کے حوالہ عقد میں آئیں، جو سرور کائنات تھا، صلی اللہ علیہ وسلم،

یعنی محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے۔

اور اس کی ابتداء میں فرمایا: ادعیاءکم ابناءکم ذلکم قولکم باقواہکم  
اور نہیں بنایا اس نے تمہارے پکارنے والوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہارے منہ کا قول  
ہے۔ ۱۰

چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت اور طعنہ دینے  
والوں کے طعن کا جواب خاص طور پر قابل غور ہے۔

عشق میں سے کونٹ لوگ متبلا ہوتے ہیں | عشق میں حرف وہی قلوب  
متبلا ہوتے ہیں، جو اللہ  
تعالیٰ کی محبت سے خالی ہوتے ہیں۔ اس سے اغراض کیے رہتے ہیں۔ اور کسی غیر کو دل  
میں بسا لیتے ہیں، لیکن اگر دل اللہ کی محبت اور اس کے شوق لقاء سے پر ہو تو صوری  
عشق کا مرض خود بخود زائل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ  
السلام کے متعلق فرمایا!

کذلک لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصین۔

یعنی: یوں ہی ہوا۔ تاکہ ہم ہٹا دیں اس سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے  
ہمارے برگزیدہ بندوں میں۔

چنانچہ بتایا۔ کہ خلوص ہی دفع عشق اور اس کی برائی اور فحاشی کو جو اس کا ثمرہ اور  
نتیجہ ہے دور کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔ گویا مسبب کو دور کرنے سے سبب دور  
ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سلفؒ نے فرمایا ہے: عشق فارغ دل کی حرکت  
خلیشہ ہے۔

۱۰: یعنی یہ رشتہ تم نے خود قائم کر لیا ہے۔ جس کی خدا کے ہاں کوئی حیثیت نہیں، اصل  
رشتہ تو خدا کا قائم کیا ہوا ہے۔



محبت کی کئی انواع ہیں۔  
**محبت کے انواع مختلفہ و متعدد** | سب سے اعلیٰ اور افضل قسم اللہ کے

(دین) میں اور اللہ کے لیے محبت ہے، یہ محبت اس کی محبت کو جسے اللہ محبوب رکھتا ہو۔ مستلزم ہوتی ہے۔ نیز اللہ اور اس کے رسول کی محبت بھی مستلزم ہو جاتی ہے۔

نیز ایک قسم کی محبت، ایک طریقت یا دین یا مذہب یا قبیلہ یا قرابت یا صنعت یا کسی مقصود و مطلوب میں اتفاق ہو جانے کی محبت ہے۔  
 نیز ایک قسم محبوب سے مطلب براری کی محبت ہے۔ چاہے اس کے مرتبہ سے ہو یا اس کے مال، تعلیم، ارشاد یا تکمیل ضرورت سے تعلق رکھتی ہو۔ یہ عارضی محبت ہوتی ہے جو سبب کے زائل ہو جانے پر معدوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص جو کسی ضرورت کے باعث محبت کرے گا۔ وہ ضرورت پوری ہونے کے بعد ضرور منہ پھیرے گا۔

رہی محبتِ مشاکلت و مناسبت جو محب اور محبوب کے درمیان ہوتی ہے تو یہ مستقل محبت ہوتی ہے۔ جو کسی عارض کے سبب زائل نہیں ہوتی اور عشق کی محبت بھی اسی نوع سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ نفسانی امتزاج اور روحانی استحسان کا مرکب ہے۔

محبت کی انواع میں وسوسہ۔ خاندانہ۔ مصروفیت قلب اور خطرہ ہلاکت قطعاً عامل نہیں ہوتا۔ اب اگر یہ اعتراض کیا جائے، آپ کے بیان کے مطابق اگر اتصال اور تناسب روحانی عشق کا سبب ہوتا ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہمیشہ جانبدار سے نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ تر صرف عاشق کی جانب سے ہوتا ہے۔ اگر اس کا سبب اتصال نفسی اور امتزاج روحانی ہوتا۔ تو محبت دونوں میں مشترک طور پر پیدا ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ گاہے گاہے ایک شرط کے فوت ہو جانے یا کسی مانع

کی وجہ سے سبب سبب سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور اس طرح جانب ثانی سے محبت بھی متخلف ہو جاتی ہے۔

اس صورت میں تین میں سے ایک | **محبت کے اسباب و علل** | نہ ایک سبب ضرور ہوتا ہے۔

محبت کا پہلا سبب یہ ہے کہ ذاتی نہیں ہوتی بلکہ غرض پر مبنی ہوتی ہے اور خود غرض کی محبت میں اشتراک محبت ضروری نہیں۔ بلکہ کبھی کبھی ایسی صورت میں محبوب کی طرف سے تنفر بھی ظاہر ہونے لگتا ہے۔

دوسرے محبت میں کوئی ایسا مانع ہوتا ہے کہ محبوب کو محبت کرنے سے روکتا ہے خواہ مانع اخلاق میں ہو یا شکل و صورت یا طریقہ و عادات یا افعال ہیئت وغیرہ کسی میں بھی ہو۔

تیسرے محبوب کے سامنے کوئی ایسا مانع ہوتا ہے جو عاشق سے محبت کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ مانع نہ ہوتا تو وہ بھی ضرور جانب ثانی کی طرح اپنے محب کے لیے اظہار کرتا۔ چنانچہ جب یہ موانع ہٹ جائیں گے۔ اور محبت ذاتی ہوگی۔ تو بلاشبہ وہ جانبدار سے ہوگی۔

اگر کفار میں بھی کبر۔ حسد۔ سلطنت و حکومت اور بعض وعناد نہ ہوتا۔ تو وہ بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اپنی جان، مال، اور اولاد سے زیادہ محبت کرتے اور انبیائے علیہم السلام کے تابعین کے دلوں سے جب یہ مانع زائل ہو گیا تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ۔ ان کی محبت اپنی جان و مال، اور اولاد سے زیادہ ہو گئی۔

مقصود یہ ہے کہ عشق ایک قابل علاج مرض | **عشق علاج پذیر مرض ہے** | ہے۔ اس کا علاج کئی طرح سے ہو سکتا ہے

اب اگر طبعا اور شرعاً عاشق کے لیے معشوق تک پہنچ جانے کی کوئی راہ موجود ہو تو یہی اس کا علاج ہے، جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی

کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

اے نوجوانوں کے گروہ۔ تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہیے۔ کہ وہ نکاح کر لے اور جسے استطاعت نہ ہو۔ اسے چاہیے کہ روزے رکھے۔! کیونکہ وہ اس کے لیے شہوت توڑنے والا ہوگا۔

اس ارشاد میں عاشق کو دو علاج بتائے ایک اصلی اور ایک اس کا بدلہ: اور اصلی علاج کا حکم کہ وہی اس مرض کا علاج ہے۔ اس لیے اگر اس کی استطاعت ہو، تو اس سے عدول و اعراض نہ کرنا چاہیے اور سق ابن ماجرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو محبت کرتے والوں کے لیے ہم نے نکاح سے زیادہ (بہتر) چیز نہیں دیکھی یہ

**اگر شرعی یا طبعی طوکر وصال محال ہو** اور اگر عاشق کے لیے شرعی یا طبعی طور پر محبوب کا وصال محال ہو۔

یانا ممکن ہو۔ تو اس صورت میں اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے آپ کو سمجھا دیا جائے کہ یہ عشق سر بہر نہیں ہو سکتا کیونکہ جب نفس کسی چیز سے بالوس ہو جائے گا تو اسے چین آجائے گا۔ اور اس کا اس طرف التفات نہ رہے گا۔ اور اگر ناامیدی کے باوجود مرض عشق قائم رہا۔ تو سمجھ لو کہ طبیعت شدید ترین حد تک فاسد ہو چکی ہے۔ پھر کوئی اور علاج کیا جائے گا۔ اور یہ اس کی عقل کا علاج ہوگا۔ کیونکہ کامرانی سے ناامید ہو کر بھی دل کا تعلق قائم رکھنا جنون کی ایک قسم ہے۔ اور اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی سوزج پر عاشق ہو جائے۔ اور اس کی روح آسمانوں میں اس کی جانب اوپر چڑھنے کی کوشش کرتی رہے۔ اور یہ نوع تمام عقلا۔ کے نزدیک مجنونوں میں داخل ہے۔ اور اگر اس کا وصال شرعاً محال ہو۔ قدر کے لحاظ سے ناممکن نہ ہو تو چاہیے کہ اسے قدراً غیر ممکن کے مقام پر لے آیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس

۱۵: نکاح کر لینا چاہیے۔

۱۶: یہ زندگی کو روشن بنا دیتی ہے۔



میں اذن نہیں دے رہا۔ اور بندے کی نجات بھی اس سے پرہیز کرنے میں ہی مضمر ہے۔ اس لیے چاہیے کہ اپنے آپ کو سمجھائے۔ کہ یہ ناممکن بلکہ معدوم ہے۔ اور اس تک رسائی کی کوئی راہ نہیں۔ اور بہ محالات کے قائم مقام ہے۔

اب بھی اگر نفس امارہ پرہیز پر آمادہ ہو۔ تو اسے چاہیے کہ دو امور میں سے کسی ایک کے لیے معاملہ ختم کر دے۔ یا خطرہ کے لیے یا محبوب کی خاطر فناء کے لیے۔ یہ اس کے لیے زیادہ پسندیدہ۔ نافع۔ بہتر اور دائمی لذت و سرور کا باعث ہوگا اور اگر یہ تمام معالجات بے کار ثابت ہوں۔ تو اسے چاہیے کہ وہ صدق دل کے ساتھ اس ذات تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو گرا دے۔ جو پریشان اور مضطر لوگوں کی دعا قبول فرماتا ہے۔ جب وہ اسے پکارے۔ اور اس کے دروازے پر اپنے آپ کو تضرع و خشوع کرتے ہوئے فریاد کناں ڈال ہی دے اب جب اس بات کی توفیق ہوئی تو گویا اس نے (قبولیت) کا دروازہ کھٹکھٹایا اب اسے چاہیے کہ فراموش کر دے۔ خاموش رہے اور محبوب کا ذکر بھی نہ کرے۔ اور نہ اسے لوگوں میں رسوا کر کے ایذا دے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی حیثیت ایک ظلم اور زیادتی کرنے والے کی ہوگی۔

ایک موضوع حدیث اور اس پر بحث | اور اس موضوع حدیث سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہونا چاہیے

کہ جسے عشق ہو گیا اور پھر وہ پاکدامن رہا اور مر گیا تو وہ شہید ہے۔

اور ایک روایت یہ مشہور ہے۔ کہ جسے عشق ہوا۔ اور اس نے چھپائے رکھا۔ اور پاکدامن رہا۔ اور صبر کیا۔ اللہ اسے بخش دے گا۔ اور اسے جنت میں داخل کرنے کا! یہ حدیث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے۔ صحیح نہیں ہے، اور یہ آپ کا کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہادت ایک عظیم الشان مرتبہ ہے جو مرتبہ صدیقیت سے متصل ہے۔ اور اس کے لیے کچھ اعمال و احوال مقرر ہیں۔ جو اس کے حصول کی شرط ہیں۔



اور اس کے دو اقسام ہیں۔ ایک خاص۔ اور ایک عام۔

خاص شہادت تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ (مبدا ان جہاد) میں ہو۔ اور عام کی پانچ انواع صحیح احادیث میں مذکور ہیں۔ اور یہ (شہادت عشق) ان میں شمار نہیں کی گئی۔ اور یہ اس میں ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ جب کہ یہ مرض (شرک فی المحبت) اللہ سے دور کر دے، یہ تو قلب اور روح کو غیر اللہ کی ملکیت میں دے دیتے کا نام ہے۔ اس سے درجہ شہادت کس طرح ملے گا؟ یہ بالکل محال ہے کیونکہ عشق صوری قلب کو حد درجہ فاسد اور خراب کر دیتا ہے۔ بلکہ یہ روح کی شراب ہے، جو اسے بدمست بنا کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کے سامنے مناجات کرتے اور اس سے متلذذ ہونے سے غافل کر دیتا ہے۔ اور اس بات کا موجب ہوتا ہے کہ دل غیر اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جائے۔ کیونکہ عاشق کا دل تو معشوق کی عبادت میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے کیسے ہو سکتا ہے کہ جو دل غیر اللہ کی عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ وہ اس قدر درجات حاصل کر لے۔ جو خواص اولیائے کرام اور بزرگات عظام کو ہی مل سکتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند سوزج کی طرح صاف اور نمایاں ہو، جب بھی غلط فہمی اور واہمہ ہے۔ لہٰذا اور صحیح حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ لفظ مروی نہیں۔

**حلال اور حرام عشق** | پھر بعض عشق حلال ہوتے ہیں، بعض حرام ہوتے ہیں۔ اس صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

لہٰ علامہ ابن قیم حدیث رسول کے پرستاروں میں ہیں، عین تعجب ہے ایسی بات انہوں نے کہی اگر، سوزج کی طرح صاف اور نمایاں سند، بھی، موجب یقین نہیں ہو سکتا تو دوسری اسناد جو اس سے فرق ہوں کس درجہ یقین میں رکھی جائیں گی، اصل علامہ کا یہ ارشاد بھی ان کی انتہا پسندی کا ایک ثبوت ہے۔

متعلق یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے ہر عشق کے متعلق فیصلہ فرادیا کہ اگر وہ عشق چھپالے اور عقیق رہے تو شہید ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ ایک آدمی کسی دوسرے کی بیوی پر عاشق ہو جاتا ہے۔ یا کسی فاحشہ عورت یا رط کے پر عاشق ہو جاتا ہے۔ کیا وہ اس عشق کے ذریعہ شہادت پالے گا۔ یہ تو اس دین کے بالکل خلاف واقع ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مرض عشق کی بھی شرعاً اور قدراً ہر طرح کی ادویہ پیدا فرمائی ہیں۔

اگر عشق حرام ہے تو اس کا علاج واجب ہے اور یاد دہری صورت میں مستحب ہے۔ اور جب آپ ان امراض پر غور کریں گے۔ جن میں مبتلا ہو کر فوت ہونے والوں کو، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید فرمایا۔ تو وہ سب لا علاج امراض ہوں گے۔ جیسے!

مطلعون (نیزہ زدہ)

مبطلون (پیٹ کی تکلیف والا)۔

۱۷: عشق اختیاری چیز نہیں، اگر کوئی شخص کسی ایسی ہستی سے عشق کرتا ہے۔ جو نامکن الحصول ہے، لیکن عشق کو چھپاتا، پاک دامن اور خاموش رہتا، یہاں تک کہ مر جاتا ہے، تو کیا اس کا یہ صبر و ضبط اور عزیمت موجب اجر نہیں؟

۱۸: یہ بھی ایک لا علاج مرض ہے۔

جو عشق نفسانی خواہشات پر مبنی ہو، وہ علاج پذیر ہے۔ لیکن جو ان

چیزوں سے بالا ہو، نہ وہ علاج پذیر ہے، نہ اس کے علاج کی ضرورت ہے۔

خود رسول اللہ کا یہ حال تھا، کہ حملہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ مساوات کامل کا برتاؤ فرماتے تھے، اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے، لیکن فراتے تھے جہاں تک قلبی لگاؤ کی زیادتی کسی کا تعلق ہے وہ اختیاری چیز نہیں۔

مجنوں (پاگل)

اگ میں جل جانے والا۔

پانی میں ڈوب جانے والا۔

اور اس عورت کی موت کو جو حالتِ حل میں کسی وجہ سے فوت ہو جائے  
کیونکہ یہ تمام امراض اللہ کا ابتلاء ہیں۔ جن میں بندے کا دخل بالکل نہیں  
نہ ان کا علاج ممکن ہے۔ اور نہ ان امراض کے اسباب حرام ہیں۔ اور نہ ان  
کے نتیجہ میں قلبی فساد اور غیر اللہ کی عبودیت لازم آتی ہے۔ جو مرضِ عشق کا  
لانہ می نتیجہ ہے۔

پس اگر یہ بحث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منطق اور اس روایت کو غلط ثابت  
کرنے کے لیے کافی نہیں۔ تو دنیا بھر کے ائمہ حدیث اور ان کے علل کا مطالعہ  
کر لیجیے۔ ایک امام سے بھی یہ مروی نہیں کہ اس نے اس حدیث کی صحت کا اعتراف  
کیا ہو بلکہ اسے حسن ہی کہا ہو۔ بلکہ انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ اور  
اسے مسترد کر دیا ہے اور بعض نے تو یہ کہا ہے کہ (جو اس حدیث کو روایت کرے)  
اس سے جنگ کرنا حلال ہے۔

نیز ابو الفرج ابن جوزی نے کتاب الموضعات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔  
نیز بیہقی بن مجیب نے بھی اس کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ راوی ساقط  
اور کذاب ہے۔ اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا۔ تو میں اس سے جنگ کرتا۔

۱۷: اس مرض میں بھی انسان کا کچھ دخل نہیں، اس لیے وہ موجب اجر و  
ثواب ہے۔

۱۸: کسی حدیث کا صحیح ثابت نہ ہو سکتا، اس کے غلط ہونے کی قطعی دلیل  
نہیں ہے، نہ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ کتب صحاح و سنن و مسانید و معاجم میں  
آپ کی تمام حدیثیں آگئی ہیں۔ کوئی باقی نہیں رہ گئی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ مزدک ہے۔  
نسائیؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ ثقہ نہیں۔

اور سب سے احسن وہ ہے جو ابو حاتم رازیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ یہ صدوق  
کثیر التذلیس ہے۔

---



# حفظِ صحت اور خوشبو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

بادِ شمیم انگیز اور ہوائے عطر خیز روح کی غذا ہے۔ اور روح قوی کے لیے مایہ زندگی ہے اور قوی میں خوشبو سے توانائی پیدا ہوتی ہے، جس سے دماغ قلب، بلکہ جملہ اعضائے باطنی کو نادمہ پہنچتا ہے۔ فرحت اور نشاط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ نفس کو مسرور اور روح کو انبساط حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ روح کے لیے حد درجہ خوشگوار، اور خوب تر چیز ہوئی۔ کہ اس کا اور روح طیبہ میں ایک طرح کا گہرا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اطیب الطیبین صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی چیزوں میں سے ایک چیز یعنی خوشبو بہت زیادہ محبوب تھی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوشبودار تحفہ مسترد فرماتے۔

صحیح مسلم میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا جسے ریحان پیش کیا جائے وہ اسے رو نہ کرے کیونکہ یہ لطیف و خوشگوار اور سبک تر ہے۔

سنن ابی داؤد و احمد نسائی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ

علی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،  
جسے خوشبو پیش کی جائے وہ اسے رو نہ کرے۔ کیونکہ یہ وزن میں سبک اور ہوائے  
خوشگوار کی حامل ہوتی ہے۔

مسند بزاز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا، اللہ  
تعالیٰ طیب ہے۔ طیب کو محبوب رکھتا ہے۔ پاک ہے اور پاک کو پسند کرتا ہے۔  
کریم ہے کریم کو پسند فرماتا ہے۔ سخی ہے سخاوت کو پسند فرماتا ہے، اس لیے اپنے  
سکان اور صحن کو صاف شفاف رکھو، اور یہود کی مشابہت نہ اختیار کرو۔ جو اپنے گھروں  
میں کوڑا کرکٹ کے ڈھیر جمع رکھتے ہیں، ہاں تھوڑا سا ہو تو خیر۔

ابن ابی شیبہ سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے  
پاس ایک عطر دان تھا۔ جس میں سے لے کر آپ عطر لگایا کرتے تھے۔

صحیح روایت میں آپ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر مسلمان پر یہ حق  
ہے کہ وہ ہر سات دن میں ایک بار غسل کرے اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو،  
تو وہ بھی لگائے۔ اور خوشبو میں یہ خاصیت ہے۔ کہ لاکھ اس آدمی سے جو  
معطر ہوتا ہے، محبت کرتے ہیں، اور شیاطین اس سے نفرت کرتے ہیں۔  
اور شیاطین لہ کے لیے سب سے زیادہ دل پسند اور مرغوب، مکروہ اور بدبود  
چیز ہے چنانچہ ارجح طیبہ کو رانجہ طیبہ محبوب ہوتی ہے، اور ارواح نجسہ کو

لہ مطلب یہ ہے کہ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور غسل کرنا چاہیے، لیکن  
اگر کوئی روز یا دن میں ایک سے زائد بار غسل کر لیتا ہے تو یہ اور زیادہ بہتر  
اور پسندیدہ امر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پاکیزگی، صفائی، ستھرائی  
اور لطافت حد درجہ مرغوب تھی، جس طرح آپ کے پاس دل اور پاک روح اور پاک  
دماغ تھے، اسی طرح پاک جامہ بھی تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رئیس احمد جعفری)  
لہ: بدروحیں۔

انہم خبیثہ پسند ہوتی ہے۔ یعنی ہر روح اپنی پسند کی طرف مائل ہوتی ہے لہ  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ، وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ  
وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ۔

رخیبیت عورتیں خبیث مردوں کے لیے، خبیث عورتوں کے لیے،  
پاک نہاد عورتیں پاک خود مردوں کے لیے، پاک سرشت مرد پاک نہاد عورتوں  
کے لیے،

اس آیت کرمہ میں خبیث اور طیب سے مراد، اگرچہ خبیث اور طیب مراد  
عورت ہیں لیکن درحقیقت یہ خبیث اور طیب مشتمل ہے اعمال و اقوال  
مطاعم و مشارب، اور ملبوس و رواج پر، عموم لفظ کے اعتبار سے بھی اور  
معنی کے اعتبار سے بھی۔

لے ”ہر روح اپنی پسند کی طرف مائل ہوتی ہے“۔ سچ پوچھیے تو ہر ایک بہت بڑا  
بے حد اہم نکتہ ہے، جو ایک ٹھوس اور ناقابل تردید حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے  
ہر انسان کی زندگی کے شب و روز اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔

۲: ان ارشادات و ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام  
نے، یہ کبھی نہیں چاہا کہ لوگ عبادت و ریاضت میں اس درجہ غرق ہو جائیں کہ انہیں  
دنیا اور مافیہا کی خبر نہ رہے، جیسا کہ دوسرے مذاہب کے راہبوں، اور سادھوؤں  
وغیرہ کا دستور ہے۔ بلکہ آپ اپنی امت کے افراد کو توانا، چست و چالاک اور تندرست  
دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے کہ اسلام دین کا مذہب بھی ہے اور دنیا کا بھی۔ وہ روح  
کی رہنمائی بھی کرتا ہے، اور بدلتے کو بھی سلامت رکھنا چاہتا ہے اور یہی اسلام  
کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

# حفظِ صحتِ چشم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

سنن ابی داؤد میں حضرت عبدالرحمن بن نعمان بن معبد بن ہوزہ انصاری سے مروی ہے، انہیں اپنے والد سے انہیں اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ امدمروح استعمال فرماتے تھے۔ فرمایا، البتہ روزے دار کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

ابو عبید فرماتے ہیں کہ مروح سے مراد ہے مشک سے خوشبو دار کرنا۔

سنن ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپ ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں ڈالاکرتے تھے۔

جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سرمہ ڈالتے، تو دائیں آنکھ میں تین سلائیاں ڈالتے، بائیں میں دو، داہنی آنکھ سے شروع فرماتے اور اسی پر ختم کرتے۔ ابو داؤد کی روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو سرمہ لگائے اسے چاہیے کہ وتر سلائیاں ڈالے۔

رات کے وقت سرمہ استعمال کرتے ہیں ایک ایسی خوبی ہے جو صرف سرمہ پر مشتمل ہے اور حرکت مضر سے سرمہ لگاتے کے بعد سکون حاصل ہوتا ہے۔ نیز امدمروح کی

۱: وتر سے مراد طاق عدد ہے۔ مثلاً ۱-۳-۵-۷-۹ وغیرہ۔



ایک مخصوص خاصیت ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت سالمؓ اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ ائمہ استعمال کرو کیونکہ اس سے بصارت میں جلا آتی ہے، یہ بال اگاتی ہے۔ ابو نعیم کی کتاب میں ہے کہ سرمہ بال اگاتا ہے۔ تنکوں کو دور کرتا ہے اور بصارت کو صاف کرتا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی مرفوع روایت ہے سب سے بہترین سرمہ ائمہ ہے، جو بنیائی کو جلاء دیتا ہے۔ اور بالوں کو اگانا ہے۔

۱۔ بنیائی اور بصارت بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ اگر چھوٹے جائے تو انسان دوسرے اعتبارات سے صحت مند اور توانا ہوتے ہوئے بھی اس کی زندگی بے کیف اور بیکار ہے پھر وہ نگما بن کر رہ جاتا ہے۔ نہ کوئی خوشی اسے خوش کر سکتی ہے، نہ کوئی منظر اس کے دل میں ارتزاز اور انبساط کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے۔ نہ کسی چیز کو دیکھ کر اس سے تاثر قبول کر سکتا ہے۔

بنیائی کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے اور ایسے وسائل اختیار کیے جائیں جو اس نور کو قائم رکھ سکنے میں مدد دیں۔

# ادویہ و اغذیہ مفردہ

جن کا ذکر

لسانِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آیا

بہ ترتیب حروف تہجی



## حرف الہمزہ (الف)

**اشمد** | یہ سرمہ سیاہ کا پتھر ہوتا ہے، اصفہان سے لایا جاتا ہے۔ سرمہ کے اقسام دانوٹا  
 ہیں اسے سب پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ مغرب کی طرف سے بھی  
 یہ درآمد کیا جاتا ہے۔ سب سے عمدہ وہ ہے جو ایک ہی چوٹ میں ٹکڑے ٹکڑے  
 ہو جائے۔ اس کا اندرونی حصہ ملائم ہوتا ہے جس میں گندگی نہیں ہوتی۔ اسے  
 کا مزاج سرد خشک ہے۔ آنکھوں کو فائدہ اور قوت دیتا ہے، اعصاب کو قوی  
 کرتا اور صحت کی حفاظت کرتا ہے۔ نیز زخموں سے زائد گوشت کو ختم کر کے انہیں  
 مندمل کرتا ہے اور گندگی صاف کر کے انہیں جلا بخشتا ہے۔ جب آب امیر  
 شہد کے ساتھ سرمہ میں ڈالا جائے، تو درد سر کو فائدہ کرتا ہے۔ اور جب اسے کوٹ کر  
 اس میں تھوڑی سی تازہ چربی ملائی جائے اور اسے آگ پر پختہ کر لیا جائے تو زیادہ  
 فائدہ مند ہوتا ہے اور تازہ پھنسون کو فائدہ دیتا ہے۔ آنکھ کے سرموں میں یہ  
 سب سے اعلیٰ قسم ہے، خصوصاً بوڑھے لوگوں کے لیے، اور ان کے لیے کہ جن  
 کی آنکھیں کمزور ہیں اندھ مفید ہے۔ اگر کچھ مشک بھی ملائی جائے تو فائدہ اور بڑھ  
 جاتا ہے۔



صحیح معنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، ایسے  
**اترج** مومن کی جو قرآن مجید پڑھتا ہے، مثال اترج کی طرح ہے، کہ اس کا ذائقہ  
 عمدہ ہے اور اس کی خوشبو بھی عمدہ ہے۔

اترج کئی فوائد کا حامل ہے، یہ چار اجزاء پر مشتمل ہے، پھلکا، گودا، کھٹاس  
 اور نیچ، ہر ایک کا مخصوص مزاج ہے۔

اس کا قشر پھلکا، گرم خشک ہے، گودام گرم تر ہے۔ کھٹاس سرد خشک اور  
 نیچ گرم خشک ہے۔ اس کے پھلکے کا فائدہ یہ ہے کہ جب اسے کپڑوں میں رکھ دیا  
 جائے، تو سوس (کپڑوں کا کبڑا) کو روکتی ہے، اس کی خوشبو ہوا اور دباؤ کی کیفیت  
 کی اصلاح کرتی ہے۔ اگر اسے منہ میں رکھا جائے تو اسے خوشبودار بناتی ہے اور ریاح  
 تحلیل کرتی ہے۔ اور اگر مسالوں کی طرح اسے کھانے میں ڈالا جائے تو ہضم میں مدد  
 دیتی ہے۔ اس کا گودا حرارتِ معدہ کا ملطف ہے۔ مرۃ صفراء کے مریضوں کے  
 لیے فائدہ بخش ہے۔ گرم بخارات کو کاٹتا ہے۔

غانتی کہتے ہیں کہ اس کا گودا کھانا بوا سیر میں نافع ہے۔ اس کی کھٹاس قابض  
 ہے۔ صفراء کو توڑتی اور گرم خفقان میں تسکین دیتی ہے۔ یرقان کے مرض میں اسے  
 پینا اور اس کا سرمہ لگانا فائدہ بخش ہے۔ قے صفراء کی کو فائدہ ہوتا ہے، اور حرارت  
 جگر کو بھی نفع بخش ہے۔ معدہ کو قوت عتی ہے۔ اور مرۃ صفراء کی حدت ختم ہو  
 جاتی ہے۔ تشنگی میں کمی ہوتی ہے۔ اس کے نیچ میں تحلیل کرنے، اور خشک کرنے  
 کی قوت ہوتی ہے۔ یہ طبعی طور پر بلینے اور مفرج ہے، نیز اس کے بیجوں میں  
 نہر کا تریاق بھی ہے، جب کہ اس کا عصا درہ رو متقال کی مقدار میں استعمال  
 کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس میں کثیر فوائد ہیں، اور یہی پھل اس قابل تھا کہ اس  
 سے ایک مومن کی مثال دی جاتی، جو قرآن کی تلاوت کر رہا ہو۔ بعض سلف  
 اس کی طرف نظر کرنا باعث تفریح سمجھتے تھے۔

**اُردو (چاول)** یہ گرم خشک ہے اور گندم کے بعد سب سے بہتر اور اعلیٰ خوراک ہے۔ یہ پیٹ میں سدھ پیدا کرتا ہے۔ معدہ کو قوت دیتا ہے۔ اور کافی دیر تک اس میں ٹھہرا رہتا ہے۔

ہندی اطباء اسے سب اغذیہ سے زیادہ فائدہ مند اور قابلِ تعریف سمجھتے ہیں۔ جب اسے گائے کے دودھ میں پکایا جائے۔ تو بدن کو موٹا کرنے میں بہت فائدہ دیتی، کثرت تغذیہ، اور رنگ صاف کرنے میں بہت ہی موثر ہے۔ یعنی صنوبر بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی مثال دیتے ہوئے فرمایا **دائرہ** مومن کی مثال ایسی ہے جیسے پودے کی شاخ، جسے ہوائیں کبھی ادھر اور کبھی ادھر مائل کرتی رہتی ہیں اور منافق کی مثال صنوبر کی طرح ہے، جو ہر طرف ایک ہی حالتِ نفاق میں کھڑا رہتا ہے، آخر کار بیکلخت خشک ہو جاتا ہے۔ اس کے بیج گرم تر ہیں، اور ان میں نیچے تلکیت اور تجلیل کا اثر پایا جاتا ہے پانی میں بھگو کر استعمال کیا جائے تو سوزش کو فائدہ دیتا ہے، جلن دور ہو جاتی ہے۔ یہ دیر ہضم ہے اور غذائیت سے پھر پور ہے۔ کھانسی کے لیے فائدہ بخش ہے۔ پھیپھڑے کی رطوبات کا تنقیہ کرتا ہے۔ مولد مٹی ہے۔ اور مروز پیدا کرتا ہے اس کا مصلح حامض (کھٹا) انار دانہ ہے۔

**اذخر** صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ نے لکھا میں فرمایا: خود رو پودے کوئی نہ اکھاڑے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اذخر (ایک قسم کی گھاس) کے سوا، اے اللہ کے رسول، کیونکہ یہ غلاموں اور گھروں کے لیے بہت ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں اذخر کے سوا۔

اذخر دوسرے درجہ میں گرم اور پیچے میں خشک ہے، لطیف ہے، سدوں اور رگوں کا منہ کھولتا ہے مدربول اور جھن ہے۔ پتھری کو توڑتا ہے، معدے جگر، گردوں کے سخت اور ام کو تجلیل کرتا ہے، اگر اسے پیسا جائے اور اس کا ضماد دیپ کیا جائے، اس کی جڑ، دانتوں اور معدہ کو قوی کرتی ہے البکا یاں دور کرتی اور پیٹ کو درست کرتی ہے۔

# حرف الباء

**بلطخ (تربوڑ)** | ابو داؤد اور ترمذی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ تربوڑ کو تر کھجوروں کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے اس کی حرارت اس کی برودت کو کاٹ دے گی، اس کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں، لیکن اس ایک حدیث کے سوا کوئی بھی صحیح نہیں ہے، اس سے مراد وہ اخضر ہے جو سرور ہوتی ہے اور اس میں قوتِ جلا ہے۔ اور یہ لکڑی اور کھیر کے ساتھ جلدِ معدہ سے اتر جاتی ہے۔ اور معدہ میں اسے کوئی سی بھی خلط مل جائے جلد حل ہو جاتی ہے، اور اگر کھانے والا گرم مزاج ہو تو اسے از حد فائدہ دیتی ہے اور اگر سرد مزاج ہو تو قدرے نہ نجیل وغیرہ (سونٹھ) سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ تربوڑ کو کھانے سے قبل کھانا بہتر ہے۔ ورنہ البکائی لاکرتے لے آئے گی بعض اطباء کا کہنا ہے، کہ اسے کھانے سے پہلے کھایا جائے۔ اور معدہ کو صاف کرتا ہے اور مرض کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔

**بلخ (تازہ کھجور)** | نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہیں اپنے والد سے انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے روایت پہنچی۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تازہ کھجور کو پرانی کھجور کے ساتھ کھایا کرو۔ کیونکہ شیطان جب ابن آدم کو تازہ



کھجور کے ساتھ پرانی کھجور کھاتے دیکھتا ہے۔ تو کہتا ہے۔

ابن آدم اتنی مدت زندہ رہا۔ کہ اس نے پرانے پھل کے ساتھ نیا پھل بھی کھایا  
ایک روایت یہ ہے۔ کہ تازہ کھجوروں کے ساتھ غمر (کھجور) بھی کھایا کرو۔ کیونکہ  
شیطان جب ابن آدم کو یہ کھاتے دیکھتا ہے تو غمگین ہوتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ  
ابن آدم اتنی مدت تک زندہ رہا کہ وہ پرانے کے ساتھ نیا پھل بھی کھاتا ہے۔

(مسند بزار)

بلخ میں رطوبت اور پیوست دونوں کیفیات ملتی ہیں، یہ منہ مسوڑھے  
اور معدہ کو تافح ہے۔ سینہ اور پیچھے کو مضر ہے۔ غذائیت کم ہے۔ یہ نخلہ کے  
لیے اس طرح ہے جیسے انگور کے دخت کے لیے حصوم ہوتا ہے۔ یہ دونوں ریا  
قرا اور نفخ پیدا کرتے ہیں۔ خصوصاً اس وقت کہ ان کے ساتھ پانی پییا جائے  
اور ثمر یا شہد اور مکھن کے ذریعہ ان کے ضرر کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

صحیح روایت میں حضرت ابو اٹیم بن یثمان سے ثابت ہے  
**بسر خشک کھجور** کہ جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر اور عمر رضی  
اللہ عنہما کی دعوت کی۔ تو کھجوروں کا خوشہ پیش کیا۔ جیسے انگور کا خوشہ ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے اس میں سے تر کھجوریں کیوں چن دیں؟

انہوں نے عرض کیا۔ میں نے چاہا۔ کہ آپ خشک اور تر ہر قسم کی کھجوریں استعمال  
فرما سکیں۔

بسر گرم خشک ہوتی ہے۔ اور اس کی پیوست حرارت سے زیادہ ہوتی ہے۔  
جو رطوبت کو ختم کرتی اور معدہ اور پیٹ کو خشک کر کے قبض کرتی ہے۔ مسوڑھے  
اور منہ کے امراض میں نافع ہے۔

اسے بطور شربتی کھانا فائدہ بخش ہے۔ اس کی کثرت اور بلخ کو بکثرت  
کھانے سے آنتوں میں سڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔



**بیض (انڈے)** | یہ بھی نے شعب الایمان میں مرفوع روایت نقل کی ہے کہ ایک نبی علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں ضعف کی شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں انڈے کھانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کی صحت مشکوک ہے۔

باسی کی بجائے نازہ انڈے زیادہ بہتر ہیں۔ اور مرغی کے انڈے تمام پرندوں کے انڈوں سے زیادہ فائدہ بخش ہیں۔ کیونکہ یہ معتدل قدرے مائل بہ برورت ہوتے ہیں۔ صاحب قانون نے لکھا ہے کہ اس کی زردی گرم تر ہوتی ہے۔ خون صالح پیدا کرتی ہے۔ اور قلیل خدائیت رکھتی ہے۔ معدہ سے جلدی اثر ہضم ہوا جاتی ہے، اگر نرم ہو۔

علاوہ ازیں دیگر حکمانے کہا ہے کہ اس کی زردی مسکن ورد۔ علق قصبہ ریہ کوزم کرتی کھانسی پھیپھڑوں، گردے اور مشاندہ کے زخموں میں فائدہ بخش ہے۔ خشونت کو زائل کرتی ہے۔ خاص کر جب اسے روغن بادام شیریں ملا کر لیا جائے سینہ کا مواد پکاتی ہے عین اور مسہل خشونت خلق ہے۔ اس کی سفیدی جب گرمی سے متورم آنکھ میں ڈالی جائے تو اس کی تبرید کرتی ہے اور درد کو تسکین دیتی ہے۔ اور جب آگ کے جلنے پر جائے ماؤف پر لگائی جائے تو پھنسیاں پیدا نہیں ہوتے دیتی اور جب درد کی جگہ لگائی جائے۔ تو دھوپ سے استراق واقع نہیں ہوتا۔ جب اسے کندر میں ملا کر پیشانی پر لگائی دیا جائے تو نزلہ میں فائدہ دیتی ہے۔ صاحب قانون نے قلب کی ادویہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اگرچہ مطلق اثر والی ادویہ میں سے نہیں لیکن تقویت قلب میں اس کا بہت زیادہ دخل ہے۔

**بصل (پیاز)** | سفن ابن داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے پیاز کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو آخری کھانا تھا۔ اُس میں پیاز بھی تھا۔

صحیحین سے ثابت ہے کہ آپؐ نے پیاز کھانے والے کو مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

بیانہ تیسرے درجہ میں گرم ہوتا ہے۔ نیز اس میں رطوبت زائد بھی ہوتی ہے۔ جو تبدیلی آب میں فائدہ بخش ہے۔ اور زہریلی ہوا کو دور کرتی ہے۔ نیز شہوت توڑتی معدہ کو قوی کرتی باہ میں ہیجان پیدا کرتی۔ مزید منی ہے۔ قاطع بلغم اور مچلی معدہ ہوتی ہے۔ نیز اس کا بیج بہق کو دور کرتا ہے۔ اور اسے والتغلب پر رگڑا جائے تو بہت ہی فائدہ دیتا ہے۔ نمک کے ساتھ ملا کر استعمال کرنے سے مسوں کا قلع قمع کرتا ہے، اور مسہلی دوا پینے کے بعد اسے سونگھا جائے تو قے اور متلی کو روکتا ہے۔ اور اس دوا (مسہلہ) کی بو کو زائل کرتا ہے۔ جب اس کے پانی کا سعوٹ رناک سے سڑکا کیا جائے تو سر کو ہلکا کرتا ہے۔ کانوں میں ڈالنے سے ثقل سماعت اور کان بچنے، پیپ اور کان میں پانی پڑ جانے کو نافع ہے۔ اس کا آنکھوں میں سرمہ ڈالا جائے تو موتیا بند کو روکتا ہے۔ اور اگر اس کے نیچوں کو شہد میں پیس کر آنکھوں میں ڈالا جائے تو سفیدی دور کرتا ہے اس کا مطبوخ کثیر النفع ہے۔ اور یرقان۔ کھانسی اور خشکی صدر میں فائدہ بخش ہے۔ نیز پیشاب آور ہے۔ طبع ہے اور کتے کے کاٹے میں مفید ہے اگر زخم پر اس کے پانی میں نمک اور بیری کے پتے ملا کر طلا کیا جائے۔ اور جب اسے رکھا جائے تو بواہر کا منہ کھولتا ہے۔ اس کی مضرت یہ ہے کہ درد شقیقہ اور سارے سر کا درد پیدا کرتا ہے مولد ریا ح ہے۔ بنیائی کو کمزور کرتا ہے زیادہ کھانے سے نسیان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور عقل خراب ہو جاتی ہے۔ منہ کا فالقہ بگڑ جاتا ہے۔ پاس میٹھنے والے اور فرشتوں کو تکلیف دیتا ہے۔ پکا کر اور مار کر کھانا اس کے تمام مضرات کو

۱۰! بدبر کے باعث فرشتے اس سے دور بھاگتے ہیں۔

۱۱! کیونکہ اس سے منہ بدبودار ہو جاتا ہے۔

دور کر دیتا ہے۔

سنن میں مروی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز اور لہسن کے کھانے والے کو حکم دیا کہ ان دونوں کو پکا کر مارے لے

اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سفید اور ایک سیاہ۔

**بازنجان**

اس میں اختلاف ہے کہ یہ سرد ہے یا گرم اور صحیح یہ ہے کہ یہ گرم ہے اور سودا، بواہیر، سردی، سرطان اور جذام پیدا کرتی ہے، زنگ کو بگاڑ کر سیاہ کرتی ہے۔ اور بوئے دہن کے باعث طرز رساں ہے۔ اور سفید جو قدر لمبی ہوتی ہے وہ ان نقائص سے مبرا ہے لے

لے! اس طرح اس کی بدبو ختم ہو جائے گی۔ پھر اس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں۔ لے! امراض دادویہ میں، یہ دونوں قسمیں حسب ضرورت و مصلحت استعمال ہوتی ہیں، لیکن سفید بازنجان جو معمولی نقائص سے مبرا ہوتی ہے اس لیے وہ قاعدہ بخش بھی ہے، اور امراض و علاج کے سلسلہ میں اس کا استعمال مفید اور حسب دل خواہ نتائج بھی پیدا کرتا ہے۔

لیکن، کوئی دوا بھی، خواہ اس کے خواص و فوائد سے متعلق معلومات کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہوں بطور خود نہیں استعمال کرنی چاہیے، استعمال اور ترکیب استعمال ماہر طبیب سے رجوع کرنا ضروری ہے۔

# حرف التاء

**تمر (کھجور)** | صحیح روایت میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو صبح کو سات تمر (کھجور) کھائے۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں۔ کہ سات عالی کھجوریں کھائے۔ اسے اس دن نہ ہر ضرر پہنچے گا۔ اور نہ بھاد و نقصان پہنچائے گا۔

نیز آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا! جس گھر میں کھجوریں نہ ہوں۔ اس گھر والے بھوکے ہیں۔ نیز آپ سے کھجور کو مکھن کے ساتھ کھانا۔ اور کھجور کو روٹی کے ہمراہ اور تنہا کھانا ثابت ہے۔

یہ دوسرے درجہ میں گرم ہوتی ہے۔ کیا یہ پہلے درجہ میں تر بھی ہے؟ یا اس درجہ میں خشک ہے؟ اس کے متعلق دو قول ہیں۔

یہ مقوی جگر۔ بلین اور مقوی باہ ہوتی ہے، خصوصاً جب صنوبر کے ساتھ ملا کر استعمال کی جائے۔ اور خشونت حلق میں فائدہ بخش ہے۔ اور جو لوگ اس کے عادی نہ ہوں جیسے سرد علاقوں کے رہنے والے انہیں اس سے سردی کی شکایت ہو جاتی ہے۔

یہ دانتوں کو تکلیف دیتی ہے۔ درد سر بڑھاتی ہے۔ اس کا ”صلح بادام“ اور خشکاش میں اور یہ دیگر پھلوں کی نسبت بدن کے لیے غذائیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے اندر گرم تر جو ہر غذا ہوتا ہے۔ اور خالی معدہ میں کھانے



سے کپڑوں کو ہلاک کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی حرارت میں قوتِ تریا قیہ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جب اسے مسلسل خالی پیٹ کھایا جائے۔ تو کپڑوں کو کم کرتی ہے اور ختم کر کے انہیں ہلاک ہی کر دیتی ہے۔ اس طرح یہ ایک پھل۔ غذاءِ دوا۔ مشروب۔ شربتی سب کچھ ہے۔ ہر چیز کے فوائد اس میں موجود ہیں۔

**تین رائیجیرا** | حجاز اور مدینہ کے علاقہ میں رائیجیرا نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کا تذکرہ حدیث میں نہیں آیا۔ کیونکہ وہاں کی زمین اس کے لیے سازگار نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں اس کی قسم کھائی ہے۔ اس کے منافع و فوائد کثیر ہیں۔ یہ گرم ہوتا ہے اس کے تریا خشک ہونے میں دو قول ہیں۔ سب سے عمدہ رائیجیرا ہے۔ جس کا چھلکا بختہ ہو اور سفید ہو۔ گروے اور مثانہ کی ریت کو خارج کرتا ہے۔ زہر سے حفاظت کرتا ہے اور تمام پھلوں سے زیادہ غذائیت رکھتا ہے، خشونتِ حلق۔ سینہ۔ قصبہ ریه کو مفید ہے۔ جگر اور تلی کو صاف کرتا ہے۔ معدہ سے خلطِ بلغمی کا تنقیہ کرتا ہے اور بدن کے لیے عمدہ غذا ہے۔ ہاں اس میں یہ ضرر ضرور ہے کہ اگر اسے بکثرت استعمال کیا جائے۔ تو جوں پیدا کرتا ہے۔ اس کا گروانہ زیادہ اعلیٰ ہوتا ہے اگر مزاج والوں کو پیاس لگاتا ہے۔ اور نمکین بلغم کی وجہ سے پیدا ہونے والی پیاس کو بھاتا ہے۔ مزمن کھانسی کو فائدہ بخش ہے۔ پشاپ کا ادراک کرتا اور جگر اور تلی کے سدے کھوتا ہے۔

**تلبینہ** | یہ پسے جو کا پانی ہوتا ہے۔ اس کے فوائد بہت ہیں۔ اہل حجاز کے لیے آتش جو سے یہ زیادہ فائدہ بخش ہے۔

# حرف الحیم

یہ کھجور کا گودا ہوتا ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے  
**جھار** کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھجور کا  
 جھار پیش کیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دوسرے درختوں کی طرح  
 یہ بھی ایک درخت ہے۔ مرد مومن کی طرح کہ اس کا پتہ نہیں گزتا (المحدث)  
 جھار پہلے درجہ میں سرد خشک ہوتا ہے۔ زخموں کو مندمل کرتا ہے، اور  
 نفث الدم، پیٹ کے امراض، مرۃ صفراء اور خون کے غلبہ میں نافع ہے۔  
 یہ ردی الکیموس نہیں ہے، اس میں غذائیت ہے، البتہ دیر بہ ہضم ہے  
 اس کا درخت منافع سے بھرپور ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے مرد مومن کو اس سے تشبیہ دی کہ خیر کثیر اور نفع بے شمار کا حامل ہوتا ہے۔  
 سنن میں حضرت عبداللہ عمرؓ سے مروی ہے کہ تبوک میں  
**جلین (پنیر)** نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پنیر کا ایک ٹکڑا  
 پیش کیا گیا۔ آپؐ نے چھری منگوائی۔ اُس کا نام لیا اور اسے کاٹا ابو داؤد  
 صحابہؓ نے شام اور عراق میں بھی پنیر کا استعمال کیا ہے، تازہ پنیر جو  
 نمکین نہ ہو معدہ کے لیے عمدہ غذا ہے۔ اعضاء معدہ کے لیے ملام ہے۔  
 بدن کا گوشت بڑھاتا ہے۔ اعتدال کے ساتھ پیٹ کو نرم کرتا ہے، جو پنیر  
 باسی ہو اس میں غذائیت کم ہوتی ہے، معدہ کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔  
 آنتوں کے لیے بھی ضرور سال ہے۔ پرانا پنیر قبض پیدا کرتا ہے۔

تازہ اور تپایا ہوا زخموں کو فائدہ دیتا اور اسہال بند کرتا ہے اور بہ سرد تر ہوتا ہے۔ اگر اسے بھلجھلا کر استعمال کیا جائے تو مزاج کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ آگ اس کی تبدیل و اصلاح کر دیتی ہے اور اس کے جوہر میں لطافت اس کے ذائقہ اور رائحہ میں خوشگوار سی پیدا کر دیتی ہے۔ نمکین پیتر کی ایک خاصیت یہ ہوتی ہے کہ ہزل (دبلا کرنے والا) ہوتا ہے، پتھری پیدا کرتا ہے گردے میں بھی، علاوہ انہیں پرانا پیتر نمکین اور گرم خشک ہوتا ہے یہ

لہ پیتر عربوں کی خاص غذا ہے، اور ان کی قابل رشک صحت و تندرستی میں اس کے استعمال کو بھی دوسری چیزوں کے علاوہ بہت دخل ہے۔ دودھ سے جتنی چیزیں بھی بنتی ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی اتنی نافع، مزاج الاثر، مقوی اعصاب اور امعاء و احشاء نہیں ہے۔ جتنا پیتر، اس میں دودھ کی مفرت کوئی نہیں ہوتی، فائدے تمام کے تمام موجود ہوتے ہیں۔ اُس حضرتؑ کی بنائی ہوئی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اپنے اندر فوائد و منافع کے ذخیرے نہ رکھتی ہو۔

# حرف الحاء

**حنامد مہندی** | اس کی فضیلت میں احادیث ذکر ہو چکی ہیں۔ اور اس کے فوائد بھی بیان ہو چکے، جن کے اعادہ سے کچھ فائدہ نہیں۔ صحیحین میں حضرت ابی سلمہؓ سے ثابت ہے، انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم پر یہ حبتہ السوداء استعمال کرنا واجب ہے کیونکہ اس میں سام کے سوا ہر مرض کے لیے شفاء ہے، اور سام موت کو کہتے ہیں۔ حبتہ السوداء کو فارسی میں شو نیز کہا جاتا ہے۔ یہی گلون اسود ہے اور اسے کمون ہندی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس میں بہت سے فوائد ہیں یہ تمام سرد امراض میں فائدہ بخش ہے۔ اور بالعرض گرم خشک امراض میں بھی اس کا عمل حل ہے۔ چنانچہ سرد ترادویہ کی قوت موثر سرحت نفوذ کے باعث اسے مقام مرض تک پہنچا دیتی ہے۔ اگر کم مقدار میں استعمال کیا جائے۔ شو نیز تیسرے درجہ میں گرم خشک ہے۔ نفخ دور کرتی ہے اور کدو دانہ کو خارج کرتی ہے۔ برص چوتھو کا بخار اور حمی بلغمیہ میں مفید ہے۔ سڈوں کو کھولتی اور ریا ح کو نہیں رتی ہے۔ رطوبت و فضلہ معدی کو خشک کرتی ہے، اور اگر اسے شہد میں کوٹ لیا جائے اور گرم پانی سے کھایا جائے تو گردوں! اور مثانہ کی پتھری کو نکال دیتی ہے۔ نیز مدربول و جیض ہے۔ اگر اسے چند ایام مسلسل



استعمال کیا جائے تو جو عورت دودھ کی کمی کی شاکہ ہے اسے یہ شکایت نہیں ہوتی اور اگر سرکہ میں گرم کر کے پیٹ پر اس کا طلا کیا جائے تو کدو دانہ کو مارتی ہے۔ اگر تر یا خشک حنظل کے پانی یا جو شانہ میں اسے گوندھ کر استعمال کر لیا جائے تو کپڑوں کو خارج کرنے میں اس کی قوت بڑھ جاتی ہے۔

نیز زکام بار دیں نافع ہے۔ اگر کوٹ کر ایک دھجی میں باندھ کر اسے سونگھا جائے، اس کا تیل داء الجبہ، مسوں اور جیلان کے لیے نافع ہے۔ اگر اسے پانی کے ساتھ ایک مثقال کی مقدار میں کھایا جائے تو بہر اور دمہ میں فائدہ بخش ہے۔ سرد درد سر میں اس کا ضماد دلیپ کرنا بہت فائدہ دینا ہے۔ اور اگر عورت کے دودھ میں اس کے سات دانوں کا نقوع تیار کر کے یرقان کے مریض کو اس کا سعوٹ رتاک سے مٹکا جائے، کرایا جائے تو اسے سرد درجہ فائدہ دیتا ہے۔ اور اگر سرکہ میں اسے پکا کر سردی کے باعث درد دندان والے کو کھلی کرائی جائے تو نفع دے گا۔ اگر اسے پیس کر اس کا سعوٹ کرایا جائے تو موتیا بند کے آغاز میں فائدہ کرتا ہے۔ اور اگر سرکہ کے ہمراہ اس کا ضماد کیا جائے تو پھنسیوں اور ترخارش میں مفید ہے۔ اور زمن بلغھی و رموں اور ام صلبہ میں نافع ہے۔ اس کے روغن کا سعوٹ نقوہ میں مفید ہے۔ نصف مثقال سے ایک مثقال تک کی مقدار میں پیا جائے تو کپڑے کے کاٹے میں نافع ہے۔ اگر اسے پیس کر روغن حبتہ الخضر کے ساتھ ملا کر یقین قطرے کان میں ٹپکائے جائیں تو سردی کے درد اور ہوا کے اثرات بد کو زائل کرتا ہے اور اگر سرکہ میں پیس کر برص بہق سیاہ میں اس کا طلا کیا جائے تو نفع دے گا اور شفاء بخشنے گا۔ اور اگر اسے پیس کر ہر روز دو درہم آب سرد کے ہمراہ استعمال کیا جائے۔ تو باؤلے کتے کے کاٹے سے فائدہ دیتا ہے اور ہلاکت سے مامون رکھتا ہے۔ بشرطیکہ ابھی پانی دیکھ کر ڈرنے کی حالت طاری نہ ہوئی۔ اور اگر اس کے روغن کا سعوٹ کیا جائے تو فالج اور کزاز سے حفاظت کرتا ہے۔ نیز اس کا مواد ختم کر دیتا ہے۔ اس کی دھونی دی جائے تو زہریلے کپڑوں کو بھگا دے گا۔ یہ بو اسیر میں

فائدہ مند ہے اور اس کے فوائد شمار سے خارج ہیں، اور ان کی تحدید انسانی دسترس سے باہر ہے۔

اس کی خواہش دور ہم ہے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس کا بکثرت استعمال موجب ہلاک ہے۔  
 اوپر کہیں گزر چکا ہے کہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ  
 حمید (لشیم) اور عبدالرحمن بن عوف کو خارش کے باعث حریر استعمال کرنے  
 کی اجازت دی تھی۔ اس کے فوائد اور اس کے مزاج کا ذکر ہو چکا۔ لہذا اب احادیث  
 کی ضرورت نہیں۔

ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ بیخ (دانه) ہے، جس سے علاج کیا جاتا  
 حرف ہے، اور یہی شفاء ہے جس پر متعلق بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

یہ ایک بوٹی ہے جسے حرف کہا جاتا ہے اور عام لوگ اسے رشاد کہتے ہیں۔  
 ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ ثناء ہی حرف ہے۔  
 میں کہتا ہوں۔ وہ حدیث کہ جس میں اس طرف اشارہ ہوا ہے، ابو عبیدہؓ وغیرہ کی روایت ہے،  
 جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،  
 دو امور میں شفاء ہے۔ ثناء اور جبر۔

ابو داؤد نے اسے مراسیل میں روایت کیا ہے۔

یہ دوسرے درجہ میں گرم خشک ہے، اور مسخن ہے نیز پیٹ کی تلپین کرتی۔ کیڑوں اور کردانہ  
 کو خارج کرتی ہے۔ تلی کے دم کو تحلیل کرتی، حرک باہ ہے۔ ترخارش اور قوباء کو مفید ہے۔  
 اگر اسے شہد میں ملا کر صنادیکہ جائے تو تلی کے دم کو دور کرتی ہے، نیز تمام بدن میں استرخاء کو  
 نافع ہے قوت باہ میں اضافہ کرتی اور صہوک لگاتی ہے۔ ربو، تنگی تنفس اور سختی طحال میں مفید ہے۔  
 پیچھے پڑے کو صاف کرتی ہے۔ در حین ہے۔ عرق النساء اور در دسرن میں فائدہ بخشی ہے۔ جب اسے  
 پس کر پیا جائے۔ تو بریں میں فائدہ دیتی ہے۔ حیب سرکہ کے ساتھ ملا کر بریں یا ہنق پر ملا کر کیا جائے تو

دونوں امراض میں نافع ہے۔ نیز سردی اور بلغم کے باعث دوسری فائدہ مند ہے۔ جالینوس کا قول یہ ہے کہ اس کی قوت دانہ خردل کے برابر ہے۔ اس لیے ان تمام امراض میں نافع ہے، جن میں خردل مفید ہے۔ خردل کی طرح یہ بھی اخلاط غلیظہ کو قلع کرتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے حضرت سعید بن ابی وقاص حلبیہ (میتھی) کی مکہ میں عیادت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اسی کے لیے کوئی طبیب بلاؤ۔

چنانچہ حارث بن کلابہ کو بلا یا گیا، حارث نے انہیں دیکھ کر کہا، خطرہ کی کوئی بات نہیں ہے ان کے لیے ”فرقیہ“ تیار کرو۔ یہ میتھی اور تر جوبہ کھجوروں سے تیار کیا جاتا ہے، دونوں کو پکا لیتے ہیں پھر انہیں گھونٹ گھونٹ کر کے پیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور شفا یاب ہو گئے۔

میتھی دوسرے درجہ میں گرم اور پہلے درجہ میں خشک ہے۔ جب اسے پانی میں پکایا جائے تو اس کی سینہ اوپیٹ کمزور کرتی ہے۔ اور کھانسی، خشونت، ربو اور تنگی تنفس کو کم کرتی ہے۔ باہ میں زیادتی کرتی ہے۔ نیز یہ ریح، بلغم اور بواسیر کے لیے ارمہ نافع ہے اور امعاء میں واقع کیموس کی نھیر کرتی ہے۔ سینہ سے بلغم کو دور کرتی ہے۔ پھوڑوں اور امراض ریہ میں فائدہ بخش ہے۔ اسی وجہ سے اسے گھی وغیرہ سے مخلوط کر کے استعمال کیا جاتا ہے۔

جب اسے پانچ درہم کی مقدار میں پیا جائے تو مدر حبض بھی ہے۔ جب اسے پکایا جائے، اور اس کے مطبوخ سے بال دھوئے جائیں تو انہیں لہر دار بناتی ہے۔ اور جب اسے سرکہ میں مخلوط کر کے ورم طحال پر ضماد کیا جائے تو اسے تجلبل کرتی ہے۔ اور اگر اس کے روغن کو موم میں ملا لیا جائے تو سردی کے باعث بدن جو پھٹنے لگتا ہے اس کیفیت کو دور کر دیتی ہے۔

اس کے گرم پانی میں اگر عورت بیٹھ جائے تو ورم کے باعث جو درد رحم ہو وہ دور ہو جاتا ہے۔ سینہ کا بلغم نکالتی ہے، معدہ کو نافع ہے، کھانسی دور کرتی ہے اس کے منافع اور فوائد بہت ہی زیادہ ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔

قاسم بن عبد الرحمن سے منقول ہے۔ انہوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میتھی سے شفا حاصل کرو۔

بعض اطباء کا کہنا ہے کہ اگر لوگوں کو میتھی کے فوائد کا علم ہوتا۔ تو اسے سونے کے جھاؤ بھی خرید لیتے۔



# حرف الخار

**خبر روٹی** صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ زمین قیامت کے روز ایک روٹی کی مانند ہوگی جسے (اللہ) جبار اپنی ہمتجہلی میں رکھ لے گا۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے محبوب کھانا روٹی کا شریعت تھا۔ شریعت ایک چورا سا ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن مزیہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس ایک سفید گندم کی روٹی گھی اور دودھ چولا کی ہوتی ہو۔

چنانچہ ایک آدمی اٹھا، اور تیار کر کے خدمت اقدس میں لے آیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ گھی کسی برتن میں تھا؟ اس نے عرض کیا گوہ کے مشکیزہ میں۔ آپ نے فرمایا، اسے اٹھا لے جاؤ۔

روٹی کی بہترین قسم خمیری اور گوندھی ہوتی ہے۔ پھر تنور کی روٹی تمام اقسام سے اعلیٰ ہے اس کے بعد تیسرا درجہ کوٹیلوں پر پکائی ہوئی روٹی کا ہوتا ہے۔ اور سب سے عمدہ اور اعلیٰ قسم نئی گندم کی روٹی ہے۔ تغذیہ سے بھرپور میدے کی روٹی ہوتی ہے لیکن دیر سے ہضم ہوتی ہے، کیونکہ اس میں سبوس گندم (پھوس) بہت کم ہوتا ہے۔ اسے خبر حواری بھی کہا جاتا ہے۔

سب سے عمدہ وقت روٹی کھانے کا دن کا آخری حصہ ہے، جس روز پکائی



جائے۔ اور نرم روٹی زیادہ طبعین مغزی اور مرطب ہوتی ہے اور بہت جلد معده سے اتر جاتی ہے، اور خشک اس کے برعکس اثرات رکھتی ہے۔

گندمی روٹی کا مزاج دوسرے درجے کے وسط میں گرم اور طوبیت و پیوست میں معتدل ہوتا ہے۔ اور اگر آگ زیادہ ہو تو پیوست غالب آجاتی ہے۔ ورنہ رطوبت غالب رہتی ہے۔ گندم کی روٹی میں یہ وصف ہے کہ بہ تیزی سے موٹا پالاتی ہے۔ نان و ظائف خلط غلیظ پیدا کرتا ہے اور نان فتنیت لفتح پیدا کرتی اور دیر ہضم ہوتی ہے۔ دودھ میں آمیزگی ہوئی سردے پیدا کرتی اور دیر میں معده سے اترتی ہے۔

جو کی روٹی سرد خشک درجہ اول میں اور گندم کی روٹی سے کم غذائیت رکھتی ہے۔  
**خل (سرکہ)** صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ گھر میں تشریف لائے اور سالن طلب فرمایا، عرض کیا گیا، اور تو کچھ نہیں، البتہ سرکہ موجود ہے۔ آپ نے وہی منگو کر کھانا شروع کر دیا، اور ارشاد فرمایا۔

بہترین سالن سرکہ ہے، بہترین سالن سرکہ ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ام سعیدہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (نے فرمایا) بہترین سالن سرکہ ہے۔ اے اللہ سرکہ میں برکت دے، اور جس گھر میں سرکہ ہو اس میں فقر نہیں۔

سرکہ حرارت و برودت دونوں صفات سے مرکب ہے البتہ برودت غالب ہے۔ اور قیصرے درجہ میں خشک ہے۔ شدید ترین مجفف ہے۔ اور مادوں کو گرنے سے روکتا اور طبیعت کو لطیف کرتا ہے اور نرمی سرکہ التهاب معده میں مفید ہے۔ صفراء کو کاٹتا ہے اور قاتل ادویہ کا ضرر دور کرتا ہے خون اور دودھ اگر معده میں منجمد ہو جائے تو اسے تحلیل کرتا ہے۔ تلی کو نافح ہے اور معده کی دباغت کرتا ہے۔ پیٹ کو درست کرتا اور پیاس دور کرتا ہے۔ اور کہیں درم ہو

رہا ہے تو اسے روک دیتا ہے معین مہتمم، دافع بلغم، ملطف اغذیہ غلیظ ہے نیز خون کو رقیق کرتا ہے۔

اس کے متعلق دو حدیثیں مروی ہیں لیکن وہ ثابت نہیں۔ ایک ابو خلل | ایوب انصاریؓ کی ہے۔

کھانے کے بعد خلل کرنے والے کتنے اچھے لوگ ہیں، فرشتوں پر اس سے زیادہ گراں کوئی چیز نہیں کہ منہ میں غذا کا کچھ حصہ باقی رہ جائے (اور بدبو پیدا کرے)۔

اس حدیث کے ایک راوی دراصل بن سائب، ہیں جنہیں بخاریؒ اور رازیؒ منکر الحدیث قرار دیتے ہیں۔

نسائی اور رازی نے متروک الحدیث کہا ہے۔

دوسری حدیث ابن عباسؓ کی ہے اس کے ایک راوی محمد بن عبد الملک تھے جو حدیث گھڑ لیا کرتے تھے اور کذاب تھے۔

بہر حال خلل کرنا دانتوں اور مسوڑوں کے لیے فائدہ بخش ہے۔ خلل کا استعمال صحت کی حفاظت کرتا ہے اور ضعف کے سبب تغیرات کو نافع ہے۔ سب سے بہتر خلل زیتون اور داخلہ کی لکڑیوں کا ہوتا ہے لیکن سرکنورے۔ اس، ریحان اور بادروج کی لکڑی کا خلل مضر ہے۔

# حرف الثاء

صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے دعا فرمائی  
اللہم اغسلنی من خطایا بالہاء والثلج والبرق یعنی اے اللہ میرے گناہوں  
کو پانی - برف اور ٹھنڈے سے دھو دے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ مرض کا ضد سے علاج کیا جاتا ہے۔ کیونکہ  
خطاؤں میں گرمی اور جلن ہوتی ہے۔ جو برف - سردی اور سرد پانی کی ضد ہے۔  
اور یہ نہیں کہا جاتا کہ گرم پانی سے دور کرنے میں زیادہ بہتری ہے کیونکہ سرد پانی  
سے صلابت جسم اور تقویت بدن کا فائدہ بھی ہوتا ہے، جو کہ گرم پانی میں نہیں  
ملتا۔ اور خطائیں میل اور رخا پیدا کرنے کا موجب بھی ہوتی ہیں۔ پس  
مطلوب یہ ہے کہ ایسی چیز سے علاج کیا جائے۔ جو قلب کی طہارت اور صلابت  
کا کام دے سکے۔ چنانچہ سرد پانی - برف اور ٹھنڈک کا ذکر فرمایا۔

البتہ برف معدہ اور اعصاب کو ضرر رساں ہے۔ اور اگر آنتوں میں حرارت  
مفرطہ کے باعث درد ہو تو اسے سکون بخشتی ہے۔

یہ پیانہ کے قریب قریب ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اسے مار کر  
**ثوم الہسن** کھانا چلے آئیے آپؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ اس میں لہسن  
تھا۔ آپؐ نے حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی طرف بھیج دیا۔ انہوں نے عرض کیا  
اے اللہ کے رسول آپؐ خود اسے ناپسند فرماتے ہیں۔ اور میری طرف بھیجے ہیں؟  
لے تاکہ اس کی بدبو ختم ہو جائے۔

آپ نے فرمایا! میں ایسی ذات سے سرگوشی کرتا ہوں۔ جس سے تو نہیں کرتا۔  
 لہسن چوتھے درجہ میں گرم خشک ہے۔ سخت ترین تسخیم کرتا ہے۔ اور از حد  
 مجفف ہے۔ بار مزاج والوں کے لیے نافع ہے۔ بلغمی مزاج کو بھی فائدہ دیتا ہے،  
 جس شخص کو فالج کا خطرہ ہو اس کے لیے بھی مفید ہے۔

جب اسے سر کر۔ نمک اور شہد کے ساتھ ملا کر کوٹ لیا جائے، پھر بوسیدہ ڈاڑھ  
 پر رکھا جائے۔ تو اسے توڑ کر گرا دیتی ہے، ڈاڑھ پر رکھنے سے درد کو تسکین  
 ہو جاتی ہے۔ اور اگر دودھ کی مقدار میں لے کر اسے اسی شہد کے ہمراہ استعمال کیا  
 جائے۔ تو بلغم اور کیڑوں کا اخراج ہو جاتا ہے۔

اگر اسے شہد میں ملا کر بہق پر لگایا جائے تو فائدہ مند ہے۔  
 اس کا ضرر یہ ہے کہ اس سے درد سر پیدا ہوتا ہے۔ دماغ اور آنکھوں کو نقصان  
 دیتا ہے، بینائی اور باہ کو کمزور کرتا ہے۔ صفراء میں ہیجان پیدا کرتا ہے اور پیاس  
 لگاتا ہے۔ بوٹے دہن پیدا کرتا ہے۔ لیکن برگ سداب چبانے سے اس کی بدبو  
 زائل ہو جاتی ہے۔

۱۷! مراد ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ۔

۱۸! طب جدید (ڈاکٹری) نے بھی لہسن کے بے شمار فوائد تسلیم کیے ہیں، اور بلڈ پریشر  
 کے مریضوں کے لیے تو اسے اکیسر قرار دیا ہے۔ اور فالج بلڈ پریشر ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔  
 ۱۹ یہ ضرر اس وقت ہے اگر بکثرت استعمال کیا جائے، اعتدال کے ساتھ اس  
 کا استعمال تو باقی فوائد رکھتا ہے۔

لہسن ایسی چیز ہے جس کے بے شمار طبی فوائد کو ہر زمانے میں تسلیم کیا گیا ہے۔  
 اور ہر طرز علاج نے اس کی افادیت اور اہمیت محسوس کی ہے، دیدک، طب اور  
 ڈاکٹری سب ہی اس کے شناخوال ہیں۔



صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا! **شرید** عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ویسی ہے جیسے شرید تمام کھانوں سے افضل

ہے۔ یہ مرکب ہوتا ہے۔ روٹی اور گوشت سے اسے ترکیب دیا جاتا ہے۔ اور روٹی تمام کھانوں سے اعلیٰ اور گوشت سالنوں کا سردار ہے، جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو ان کی افضلیت میں اختلاف ہی نہیں رہ جاتا۔ ان دونوں کی افضلیت میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ گوشت افضل اور اعلیٰ ہے۔

# حرف الدال

**دہن (روغن)** ترمذی نے کتاب الشائل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر کثرت سے تیل لگایا کرتے تھے اور ڈاڑھی میں کنگھی بھی فرماتے اور اکثر (سر پر) ایک کپڑے کا ٹکڑا رکھے رہتے،

تیل مسامات کو بند کرتا ہے۔ اور تحلیل ہونے والے مادوں کو روکتا ہے۔ اگر گرم پانی سے غسل کرنے کے بعد اسے استعمال کیا جائے۔ تو جسم کے لیے موزوں اور مرطب ہے۔ بالوں پر لگایا جائے۔ تو انہیں حسین اور طویل بناتا ہے، مرض حصہ میں مفید ہے۔ اور اکثر امراض میں فائدہ مند ہے۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرغوع روایت ہے۔ کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور (بدن) پر مالش کرو، اور عنقریب انشاء اللہ اس کا تذکرہ آئے گا۔ گرم محاک مثلاً حجاز وغیرہ میں حفظ صحت کے لیے (زیتون) کا تیل ایک نہایت ہی ضروری جزو ہے اور ان کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ البتہ سرد علاقہ کے رہنے والے اس کے محتاج نہیں۔

مفرد تیلوں میں سب سے اعلیٰ زیتون کا تیل ہے۔ پھر گھی۔ پھرتیلوں کا تیل۔ اور مرکب تیلوں میں بعض سرد تر ہیں جیسے روغن بنفشہ جو درد سر کو نافع ہے اور بلیند نہ آنے والے مریضوں کو مفید ہے، خوب نیند آتی ہے، دماغ کے لیے مرطب ہے۔ درد شقیقہ غلبہ ہوسٹ اور خشکی میں فائدہ بخش ہے اور خارش اور خشک کحل میں مالش کرنے سے فائدہ دیتا ہے۔

بعض تیل گرم تر ہوتے ہیں۔ جیسے روغن بان ہوتا ہے یہ اس کے پھولوں

میں سے نہیں نکالا جاتا۔ بلکہ روغن پستہ کی طرح اس کے سفید دانوں میں سے نکالا جاتا ہے۔ ان میں روغن کی مقدار کافی ہوتی ہے اور چربی صلابت اعصاب کے لیے اور اعصاب ملام کرنے کے لیے فائدہ بخش ہے۔ نیز داغوں، دھبوں اور بہق، جیسے جلدی امراض میں فائدہ دیتا ہے۔ بلغم غلیظ کا مسہل ہے، نیز اعصاب کے لیے حرارت بخش ہے، گردے کی سردی اور تقطیر بول کے لیے بھی ہے سر اور منہ پر اس کا لگانا مفید اثرات پیدا کرتا ہے۔

---

# حرف الذال

**ذریرہ** صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔  
 [جنتہ الوداع میں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس اور حرام  
 میں اپنے ہاتھوں سے ذریرہ کی خوشبو لگائی۔  
 ذریرہ اور اس کے فوائد و حقیقت کے متعلق بحث گزر چکی ہے۔ اس لیے  
 اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

**ذباب رکھی** متفق علیہ حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی روایت میں  
 [گزر چکا ہے کہ جب مکھی کھانے میں گر جائے تو جناب رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے میں ڈیونے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس کے  
 ایک پر میں شفاء ہے جو دوسرے پر کی سمیٹ کے لیے تریاق کا حکم رکھتی ہے۔  
 ابو داؤد اور ترمذی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
**ذہب (سونہ)** نے حضرت عرفجہ بن اسعد کو اس کے استعمال کی اجازت دی  
 جب یوم الکلاب کے موقع پر ان کی ناک کٹ گئی تھی۔ اور انہوں نے چاندی کی ناک  
 بنوائی تھی۔ لیکن اس میں بدبو پیدا ہو گئی۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 انہیں سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا۔

اس حدیث کے سوا حضرت عرفجہؓ کے متعلق کچھ مروی نہیں۔



سونا دنیا کی زینت - موجود کا ملسم - دلوں کے لیے مقوی اور مفرح اور زینت  
پر اللہ کا ایک راز ہے اس کے مزاج میں تمام کیفیات ملتی ہیں، نیز اس میں  
لطیف سی حرارت ہوتی ہے - اور تمام لطیف معجونوں اور مفرحات میں ڈالا  
جاتا ہے - یہ علی الاطلاق تمام معدنیات سے زیادہ لطیف اور اعلیٰ ہے - اس  
کی خاصیت یہ ہے - کہ جب اسے زمین میں دفن کر دیا جائے - تو مٹی اسے نقصان  
نہیں پہنچاتی - اور نہ اس میں کمی کرتی ہے - جب اس کے سفوف کو ادویہ  
میں ملایا جائے تو ضعف قلب اور سودا کے باعث لرزہ کے مرض کو دور کرتا  
ہے - نیز (مراتی) کیفیات غم و حزن اور عشق میں تافح ہے - بدن کو قویہ اور قوی  
کرتا ہے - یرقان کو دور کر کے رنگ نکھارتا ہے - جذام اور تمام امراض سوداوی  
اور دروں میں فائدہ بخش ہے اور جسے کوئی ایسی تکلیف ہو - جس میں داغنے  
کی حاجت ہو - تو اس دھات سے داغنے کے باعث ابلے نہیں بنتے - اور داغ  
کی جگہ تیزی سے شفا یاب ہو جاتی ہے -

اگر اس کی سلائی سے سرمہ ڈالا جائے تو آنکھ کو قوت ملتی ہے یہ اس کے لیے  
مُجلی اثر رکھتا ہے -

صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے -

اگر ابن آدم کے پاس ایک وادی سونے کی ہو تو وہ دوسری طلب کرے گا -  
اور اگر اس کے پاس دوسری بھی آجائے! تو تیسری طلب کرے گا - اور ابن  
آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے - اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں  
پر اللہ تعالیٰ بھی (رحمت) سے رجوع فرماتا ہے -

یہ دھات اہل زمین اور روز قیامت کی عظیم کامرانی کے درمیان بہت  
بڑی رکاوٹ ہے - اور سب سے بڑا ذریعہ ہے جس کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی  
ہوتی - اقرباء میں پھوٹ پڑی - خون بہائے گئے - محرمات کو حلال سمجھا گیا، حقوق  
مارے گئے اور بندوں پر ظلم و ستم ہوئے -

# حرف الراء

**رطب (ترکھجور)** اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام سے فرمایا!  
دھنئی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطباً جینا

فکلی واشرب وقرئی عینا۔

بلا اپنی طرف کھجور کی جڑ اس سے گریں گی تجویر بیگی کھجوریں۔ اب کھا اور آنکھ ٹھنڈی رکھو

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ میں نے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ لکڑی ترکھجوروں کے ہمراہ کھا رہے تھے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت انس سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند ترکھجوروں (رطب) کے ساتھ نماز پڑھنے سے قبل روزہ افطار فرماتے تھے۔ اور اگر رطب نہ ہوتی تو تمر (خشک) کھجور تبادل فرمالتے اور اگر خشک کھجور بھی نہ ہوتی تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرمالتے۔

ترکھجوروں کا مزاج پانی کے مطابق ہوتا ہے، یہ گرم تر اور سرد معدہ کے لیے مفوی اور اس کے مطابق ہوتی ہے۔ باہ کو قوت دیتی اور بدن میں تازگی پیدا کرتی، اور بار و مزاجوں کے موافق ہے۔ کثیر مقدار میں غذائیت رکھتی ہے یہ تمام پھلوں سے زیادہ عمدہ پھل ہے، جو اہل مدینہ اور اس جیسے علاقوں کے موافق ہے۔ جہاں یہ پھل ہوتا ہو بدن کے لیے از حد نافع ہے اور اگر انسان

اس کا عادی نہ ہو۔ تو جسم میں تیزی سے متعفن ہو جاتی ہے اور خراب قسم کا خون پیدا کر دیتی ہے۔ اکثر اس سے درد سر اور سودا پیدا ہو جاتا ہے۔ دانتوں کی خرد رساں ہے۔ سکینجین وغیرہ سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

افطار کرتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھجور کھانا، پانی پینا ایک قسم کی لطیف تدبیر ہے۔ روزے کی حالت میں معدہ غذا سے خالی ہوتا ہے اور جگر کو ایسی غذا نہیں ملتی کہ اسے جذب کر سکے۔ اور اعضاء کی طرف بھیج سکے۔ شیرینی تیزی سے جگر کی طرف پہنچتی ہے، اور جگر بھی اسے محبوب رکھتا ہے۔ خصوصاً جب تر کھجور ہوگی۔ تو جگر کا شوق قبولیت بھی تیز ہو جائیگا۔ چنانچہ دوسرے قویٰ کو اس سے خوب فائدہ حاصل ہوگا۔ لیکن اگر یہ نہ ہو۔ تو خشک کھجوریں ہی سہی جو شیریں ہیں اور مغزی بھی ہیں۔ لیکن اگر یہ بھی نہ ہوں۔ تو پانی کے چند گھونٹ جو التهاب معدہ اور روزے کی حرارت کو بجھا دیں۔ تاکہ اس کے بعد انسان کھانا کھانے کے لیے تیار ہو جائے۔ اور (کھانے کی) اشتہا پیدا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

**ریحان**

فاما ان كان من المقر بينه وفرد حوريجان وجنة لجم۔

(سو جو اگر وہ مردہ ہوا مقرب لوگوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا، اور دوسری جگہ فرمایا!

والحب ذوالحصف والریحان۔

(اور اسی میں اناج ہے جس کے ساتھ بھس ہے اور پھول خوشبودار) صحیح مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جسے ریحان پیش کیا جائے۔ وہ اسے روتہ کرے۔ کیونکہ یہ وزن میں ہلکا اور اچھی خوشبو والا ہوتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا!

خبردار جنت کے لیے تیار رہو کیونکہ جنت کو کوئی خطرہ نہیں، کعبہ کے رب



کی قسم وہ ایک نور ہے جو جگمگا رہا ہے۔ اور وہاں ترخان ہیں جو ہل رہے ہیں، اور پختہ محل ہے اور نہ ہمتی نہ رہے۔ اور بچی ہوئی کھجوریں اور حسین و جمیل بیویاں، اور کثرت سے زیورات ہیں اور ایسا مقام جو اب تک سلامتی کے گھر میں ہے۔ پھل والا بنرہ زار۔ انعامات و اکرامات کا قیام۔ بلند و بالا جگہ ہیں۔

صحابہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہاں! ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: کہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

لوگوں نے عرض کیا: انشاء اللہ۔

ہر خوشبودار بوٹی کو ترخان کہا جاتا ہے، چنانچہ ہر علاقے کے لوگ اُسے مخصوص نام سے یاد کرتے ہیں۔ اہل مغرب اُسے اُس کہتے ہیں عرب اسے ریحان کہتے ہیں۔ اہل عراق اور شام کے لوگ اُسے صبق کا نام دیتے ہیں۔

اس کا مزاج پہلے درجہ میں سرد اور دوسرے درجہ میں گرم ہوتا ہے، یہ اسہال صفراء کو روکتا ہے۔ گرم ترنخار میں گرم ہوتا ہے، یہ اسہال صفراء کو روکتا ہے۔ گرم ترنخار میں نافع ہے۔ اسے سونگھا جائے، تو تفریح قلب میں از حد مفید ہے۔ اس کا سونگھنا و باء میں فائدہ بخش ہے، اسی طرح اسے گھر کے فرش پر بکھیرنا بھی مذکورہ فائدہ دیتا ہے۔

جب اس کے پتوں کو کوٹ کر سرکہ میں ملا کر سر پر رکھا جائے تو تکبیر کو روکتا ہے۔ جب اس کے خشک پتوں کو کوٹ کر مرطوب زخموں پر اس کا سفوف ڈالا جائے تو فائدہ دیتا ہے۔

جب اس کے مطبوخ میں مرینس بیٹھے تو کاپنج نکلنے اور خروج رحم اور استرخانی مفاصل میں فائدہ مند ہے، جب ٹوٹی ہوئی ہڈی پر اس کا سفوف ڈالا جائے، جس پر ابھی گوشت نہ آیا ہو۔ تو نفع بخش ہے۔ نیز اس کے بھوسی، مرطوب زخموں پھنسیوں کو فائدہ دیتی اور اور گرتے ہوئے بالوں کو روکتی اور سیاہ کرتی ہے۔ اس کا بیج سببہ اور پھیپھڑے کے نفث الدم (خون حقو کنا) میں مفید ہے، معدہ



کو سحت دیتا ہے، اس کی جڑ سے خلال کرنا مضر ہے۔ اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

**رمانہ (انار)** اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فیہا ناکتھۃ۔ نخل و رمانہ: رانہ دونوں میں پھل اور کھجور اور انار ہیں، حضرت ابن عباسؓ

سے موقوف اور مرفوع روایت ہے کہ تمہارے یہاں کا ہر انار جنت کے دائرہ انار کا بیونہ ہے۔ عرب وغیرہ نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ آپؓ نے فرمایا: انار کو اس کے شحم سمیت کھاؤ۔ کیونکہ وہ معدہ کی دباغت کرتی ہے۔

انار شیریں گرم تر اور معدہ کے لیے نہایت مقوی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں لطیف سی قبض کی صفت ہے۔ حلق، سبتہ، اور پھیپھڑے کے لیے نافع ہے۔ کھانسی میں نہایت عمدہ ہے۔ اس کا آب ملیق اور مغزی ہے، اس میں غذائیت قلیل مقدار میں ہے لیکن رقت اور لطافت کے باعث اس کا نخل بڑی سرعت سے ہوتا ہے، بخار کی حالت میں مفید نہیں۔ اس میں ایک عجیب وصف ہے کہ جب اسے روٹی کے ہمراہ کھایا جائے۔ تو کھانے کو معدہ میں خراب ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ کھٹا انار قابض لطیف التہاب معدہ میں نافع ہے۔ اور دوری ادویہ کی نسبت زیادہ اور اربول کرتا ہے۔ مسکن صفراء صفرا۔ قاطح اسہال ہے اور قے کو روکتا ہے، حرارت جگر کو بجھاتا ہے۔

# حرف الزار

**زیت (زیتون)** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔  
یوقد من شجرة مباركة زيتونة لا شرقية

لا غربية یکارزیتہا یفی ولو تسمہ نار۔  
یعنی ایتیل جلتا ہے اس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ شرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، کہ آپؐ نے فرمایا: زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کی مالش بھی کرو۔

کیونکہ یہ ایک مبارک درخت سے نکلتا ہے۔ اور بیہقی و ابن ماجہ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی طرح کی روایت کی ہے،

زیتون کا مزاج درجہ اول میں گرم تر ہے، یہ سستیات کا دافع پیٹ کے امراض میں مفید ہے اور کیرٹوں کو خارج کرتا ہے۔ پرانا زیتون زیادہ سخن اور غللی ہوتا ہے، اس کی تمام انواع بشرہ کو نرم کرتی اور بڑھاپے کو دور کرتی ہیں، ناک آمیز آب زیتون جل جانے کے باعث آلے کو روکتا ہے، مسٹوروں کو مضبوط کرتا ہے، اس کے فوائد مد بیان سے باہر ہیں۔

**زبرد مکھن** | سنن ابی داؤد میں بشر سلیمیؓ کے دونوں بیٹوں سے مروی ہے انہوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، ہم نے ان کی خدمت میں مکھن اور کھجوریں پیش کیں۔ مکھن گرم تر ہے۔ اس میں نفخ و تحلیل کے فوائد بکثرت ہیں، عورتوں اور بچوں کے جسمی اور ام کو فائدہ بخش ہے۔ اگر اسے بچے کے دانتوں کی جڑ پر لگایا جائے، تو دانت جلد نکل آتے ہیں۔

**زربب (کشمش)** | اس کے متعلق دو احادیث مروی ہیں، لیکن وہ صحیح نہیں۔ کشمش پہلے درجہ میں گرم تر ہے اور اس کا مغز (داندہ) سرد خشک ہے، اور بہ انگور کے مانند ہے، اگر شیرین سے حاصل کیا جائے تو گرم تر اثر رکھتا ہے، اور کھٹے سے حاصل کیا جائے تو قابض اور سرد ہوتا ہے، جب اس کا گودا (پوست وغیرہ) کھایا جائے۔ تو قصبہ الریہ (پھیپھڑہ کی نالی) کو مفید ہے۔ نیز کھانسی و درگدہ، مثانہ کو نافع ہے۔ شیریں کشمش مقوی معدہ، جگر اور طحال ہے، درد حلق اور سینہ، پھیپھڑے اور گردہ اور مثانہ کے درد کے لیے فائدہ بخش ہے، اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اسے بیج کے بغیر ہی کھایا جائے۔ اس صورت میں یہ ایک صالح غذا ہے اور خشک کھجور کی طرح سڈے پیدا نہیں کرتا، نیز قوت حافظہ کے لیے فائدہ مند ہے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں، جو حدیث حفظ کرنا چاہے۔ تو اسے زربب کھانا چاہیے۔

**زنجبیل (سونٹھ)** | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ویسقون فیہا کاسا کان مزاجہا زنجبیل۔ (اور یہ لوگ پلائے جائیں گے وہاں وہ پیالہ جس کا مزاج سونٹھ والا ہوگا) ابو نعیمؒ نے کتاب الطب النبوی میں حضرت ابی سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ شاہ روم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل کی ایک تھیلی ہدیہ بھیجی، آپؐ نے ہر آدمی کو ایک ایک ٹکڑا

کھلایا۔ اور مجھے بھی ایک ٹکڑا دیا،

زنجبیل دوسرے درجہ میں گرم اور پہلے میں تر ہوتا ہے، مسخن اور کھانا ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ بلین ہے۔ سردی اور تری کے باعث پیٹ میں واقع ہونے والے سدوں کے لیے نافع ہے۔ انتڑیوں اور معدہ میں ریاح غلیظہ کی تحلیل کرتا ہے۔ اور عمومی طور پر سرد مزاج معدہ اور جگر کے لیے نافع ہے۔ بلغم کی تحلیل اور تنقیح کے لیے مجھونوں میں بھی اسے ڈالا جاتا ہے۔ اور گرم خشک ہوتا ہے۔ میسج باہ اور مزید منی ہے۔ معدہ و جگر کی تسخین کرتا ہے۔ بلغم چھانٹتا ہے۔ جگر و معدہ کی برودت دور کرتا ہے۔ رطوبات کو زائل کرتا ہے، ثقیل اور بارہ، ماکولات کا ضرر اس سے رفع ہو جاتا ہے،

۱۰ طب اسلامی، جو غلط طور پر طب یونانی کے نام سے زبان زد خلایق ہے، زنجبیل کے فوائد سے معمور ہے، ویدک میں بھی اس کے فوائد کا فیاضی کے ساتھ اعتراف کیا گیا ہے، جدید ڈاکٹری بھی اس کے منافع کا اقرار کرتی ہے۔ اور تجربہ بھی اس پر شاہد ہے کہ امراض معدہ اور امعاء و احشا۔ میں اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں، حد شمار سے خارج ہیں۔

لیکن یہ ہو، یا کوئی اور چیز، ان سب چیزوں کے استعمال میں بنیادی طور پر جو چیز ملحوظ رکھنی چاہیے، وہ ہے اعتدال، اگر اعتدال سے کام نہ لیا جائے تو مفید سے مفید چیز بھی نہر بن سکتی ہے، اور اس سے جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، جو لوگ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہیں، وہ خدا کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں، اور جو انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں، وہ بیماری اور علالت کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرتے ہیں۔



# حرف ال سین

سنا اور سنوت کے متعلق گندہ چکا ہے ۔

سفر جبل | ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت درج کی ہے کہ طلحہؓ کہتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپ کے ہاتھ میں سفر جبل تھا ، آپ نے فرمایا ! اے طلحہؓ یہ لو کیونکہ یہ دل کو قوت دیتا ہے ۔

یہ سرد اور قابض ہوتا ہے ۔ معده کے لیے اچھی چیز ہے ۔ شیریں سفر جبل سرد خشک ہوتا ہے اور اعتدال کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ البتہ کھٹا سخت سرد خشک ہوتا ہے ، سفر جبل کی تمام انواع پیاس اور قے کو سکون بخش ہیں ۔ مدر بول اور زخم امعاء نفث الدم اور ہیضہ میں مفید ہے ۔ نیز ایکائیاں آنے میں فائدہ بخش ہے ۔ جب اسے کھانے کے بعد استعمال کیا جائے ۔ تو تبخیر کو روکتا ہے ۔ اس کا بکثرت استعمال اعصاب کے لیے مضر ہے ۔ نیز قولنج پیدا کرتا ہے ۔ سب سے عمدہ صورت یہ ہے کہ اسے بھون کر یا شہد میں پکا کر کھایا جائے ۔ اس کے خوب خشونت حلق و قصیدہ الربہ ( پھیپھڑے کی نالی ) میں سفید ہیں ، اس کا روغن

پسینہ کو روکتا ہے اور معدہ کو قوت دیتا ہے۔

**مسواک** | صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اگر ہم اپنی امت پر اسے دشوار نہ سمجھتا۔ تو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ کہ رسالت ناب صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو مسواک سے منہ صاف فرماتے۔ صحیح بخاری میں تحلیقا روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ مسواک منہ کو پاک کرنے والی (اور) پروردگار کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔

اس کے متعلق کثرت سے احادیث ہیں۔ سب سے عمدہ مسواک درختی رک کی ہے۔ اور نامعلوم قسم کے درخت کی مسواک ٹھیک نہیں، کیونکہ بعض اوقات وہ زہریلہ ہوتا ہے اس کے استعمال میں اعتدال ضروری ہے اگر زیادہ استعمال کیا تو دانتوں کی چمک دمک چلی جاتی ہے۔ اور جب اعتدال کے ساتھ اسے استعمال کیا جاتا ہے تو دانتوں کو جلا کرتی ہے۔ جڑوں کو مضبوط اور زبان کو صاف کرتی ہے۔ نیز دماغ کو صاف کر کے کھانے کی اشتہا پیدا کرتی ہے۔ اور سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ اسے عرق گلاب میں تر کر کے استعمال کیا جائے۔

مسواک میں کمی فوائد ہیں، یہ منہ کو خوشبودار کرتی، مسوڑوں کو مضبوط کرتی ہے۔ بلغم چھانٹتی اور ہینائی کو تیز کرتی ہے۔ دانتوں کی زردی دور کرتی ہے۔ اور معدہ کو درست کرتی ہے آواز صاف کرتی ہے۔ نیز کھانا ہضم کرنے میں مدد دیتی ہے، مجاری کلام کو کھولتی اور قراءت اور نماز کے لیے نشاط پیدا کرتی ہے۔ بے بند کو ہٹاتی اور پروردگار کو راضی کرتی ہے۔

سنن میں حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان گنت بار مسواک کرتے دیکھا، حالانکہ آپ روزہ کی حالت میں ہوتے۔

**سمن (گھی)** محمد بن جریر صری رحمۃ اللہ علیہ حضرت صہیبؓ کی مسند سے مروی روایت کرتے ہیں کہ تمہارے لیے گائے کا دودھ (پینا) ضروری ہے۔ کیونکہ یہ شفاء ہے، اور اس کا گھی دوا ہے اور اس کا گوشت بیماری سے ہے۔

گھی درجہ اول میں گرم تر ہوتا ہے۔ نیز اس میں قدرے جلاء اور لطافت ہوتی ہے اور نرم ابدان میں پیدا ہونے والے اور ام کے لیے شفاء و بخشاڑ رکھتا ہے۔ اگر اسے شہد اور بادام کے ساتھ ملا لیا جائے تو سینہ اور پھیپھڑوں اور غلیظ لزج کیموس جلا کرتا ہے البتہ یہ معدہ کے لیے مضر ہے۔ خصوصاً اگر مریض کا مزاج بلغمی ہو۔ گائے اور بکری کا گھی جب شہد کے ہمراہ ملا کر استعمال کیا جائے۔ تو سمیت قاتلہ کو مفید ہے۔ نیز سانپ اور پھوڑ سنے میں مفید ہے۔

کتاب ابن سنی میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا! گھی سے بہتر چیز کوئی نہیں جس سے لوگوں کو شفاء ہوتی ہے۔

**سمک (مچھلی)** مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے۔ مچھلی اور ٹڈی اور جگر اور تنگی۔

مچھلی کی کئی انواع ہیں۔ اور سب سے اعلیٰ وہ ہے جس کا ذائقہ لذیذ اور خوشگوار اور اس کا جسم متوسط ہو نیز اس کی جلد پتلی ہو۔ اور اس کا گوشت نہ سخت ہو نہ خشک ہو۔ شیریں پانی میں ہو۔ تنکوں کی بجائے پودے کھاتی ہو۔ اور ان میں بھی سب سے اعلیٰ و افضل وہ ہے جو کہ کسی عمدہ نہر میں پائی جائے۔

سمندر کی مچھلی افضل اور لطیف ہوتی ہے ، اور تازہ مچھلی سرد تر دیر ہضم اور  
 مولدِ بلغم ہے ۔ (یہ صفت) سمندری مچھلی میں نہیں ہوتی ۔ بلکہ یہ مچھلی اچھے  
 اخلاط پیدا کرتی ہے اور بدن تر و تازہ کرتی متی بڑھاتی اور گرم مزاج کی اصلاح کرتی  
 ہے ۔

مچھلی میں سب سے اچھا حصہ اس کا پچھلا حصہ ہے ۔

---



# حرف الشین

**شونیز** | یہ سیاہ رنگ کے دانے ہوتے ہیں۔ اس کا ذکر حرف حاء میں گذر چکا ہے۔

**شبرم** | شبرم جھوٹا درخت ہے۔ اس کی بلندی آدمی کے قد کے برابر ہوتی ہے اعلیٰ قسم وہ ہے جس کی شاخیں سُرخ ہوں اور چمک رکھتی ہوں۔ اور شاخوں کے آخر میں پتوں کا ایک گچھا سا ہو، اس کی شاخوں کا پھلکا اور شاخوں کا دودھ مستعمل ہے۔ یہ چوتھے درجہ میں گرم خشک ہوتا ہے۔ سودا اور غلیظ کیموس کا مسہل ہے، نیز زرد پانی اور منلی اور سخت بلغم کا مسہل ہے۔ اسے کثرت سے استعمال کرنا مہلک ہے۔ اور جب اسے استعمال کیا جائے۔ تو چاہیئے کہ اسے ایک شب و روز دودھ میں تر رکھا جائے۔ اور دن میں دو یا تین بار دودھ بدل دیا جائے۔ پھر اسے نکال کر سایہ میں خشک کر لیا جائے۔ اور اس کے ساتھ گلاب کی آمیزش کر لی جائے۔ اور آبِ شہد کے ہمراہ یا عصارہ انگور کے ہمراہ استعمال کیا جائے۔ اور اس کی مقدار خوراک بقدر برداشت چار سے دو دانق ہے۔

حنین فرماتے ہیں، کہ شبرم کے دودھ میں کوئی فائدہ نہیں۔ اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا استعمال نافع ہے۔ کیونکہ کئی اطباء نے اس سے مریضوں کو ہلاک کیا ہے۔

**شعیر (جو)** | اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کسی کو خار ہو جاتا تو آپ جو کا دلیا سا بنانے کا حکم دیتے۔ وہ بنایا جاتا اور پلایا جاتا۔ پھر آپ فرماتے۔ کہ یہ نمکین کے دل کو قوت دیتا اور بیمار کے لیے دل کو سرور پہنچاتا ہے۔ جیسے کہ تم میں کوئی چہرے پر پانی ڈال کر فرحت محسوس کرتا ہے۔ اور بہ تو گذر چکا ہے کہ ایلے ہوئے جو کا جو، پانی ہوتا ہے۔ اس میں ستو سے زیادہ غذائیت ہوتی ہے۔ یہ کھانسی اور خشونت حلق کے لیے مفید ہے، حدت فضلات کے لیے نافع ہے۔ مجلی معدہ ہے۔ پیاس بجھاتا اور حرارت کو دور کرتا ہے۔ اس میں مجلی۔ ملطف اور محلل قوت پائی جاتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اعلیٰ قسم کے جو میں پانچ گنا شیریں پانی ڈال کر اب جو حاصل کیا جائے اسے صاف کر کے حسب ضرورت استعمال کیا جائے۔

**شحم (چربی)** | مسند میں حضرت انسؓ سے مروی ہے، ایک یہودی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کی۔ اور آپ کی خدمت میں جو کی روٹی اور باسی چربی پیش کی۔ صحیح روایت میں حضرت عبداللہ بن مغفل سے ثابت ہے کہ خیبر کے روزہ چربی کا ایک مشیکزہ ہاتھ آیا۔ چنانچہ میں اُسے چمٹ گیا، اور میں نے کہا: بخدا اس میں سے کسی کو کچھ نہیں دوں گا۔ میں نے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔ آپ نے کچھ نہ فرمایا۔

سب سے بہتر چربی اس جانور کی ہوتی ہے۔ جو مکمل عمر والا ہو۔ یہ گرم تر اثر رکھتی ہے۔ اور گھی سے کم مرطوب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب چربی اور گھی پگھلایا جائے تو چربی جلدی جم جاتی ہے۔ یہ خشونت حلق میں نافع ہے۔ نیز استرعاء اور تعنت پیدا کرتی ہے۔ اس کا فرر نمکین لیموں، سونٹھ سے دور کیا جاسکتا ہے۔

# حرف الصاد

**صلوٰۃ نماز** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ط وَأَتَاهَا لَكَبِيرَةً ط إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ۔**

نیز فرمایا!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ط إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔  
راے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو مدد چاہو۔ ساتھ صبر اور نماز کے۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

نیز فرمایا! **وَأْمُرُوا أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط لَا تَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى۔**

اور حکم دے اپنے اہل کو نماز کا۔ اور اس پر صبر کر، ہم تم سے کسی رزق کا سوال کرتے ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور (اچھا) انجام پر ریزگاری کے لیے ہے،  
سنن میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو آپ نماز کی طرف فوراً متوجہ ہو جاتے۔

نماز رزق لانے والی، صحت کی محافظہ۔ تکالیف دور کرنے والی اور مقوی قلب ہے۔ نیز چہرے اور روشن کرتی اور طبیعت کو فرحت بخشی ہے کاپلی کو دور کر کے تمام اعضاء میں نشاط لاتی قوی کی حمد اور شرح صدر کرتی ہے۔ نیز روح کے لیے غذا ہے قلب کو روشن کرتی العامت کی محافظ عذاب کی دافح۔ حصول برکت کا ذریعہ

شیطان سے دور کرنے والی اور دشمن کا قرب نصیب کرنے والی عبادت ہے۔ الغرض نماز دنیا و آخرت کی تکالیف دُور کرنے میں ایک عجیب و غریب اثر ہے۔ خصوصاً اس وقت جب اس کے تمام ظاہری و باطنی قوائد کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور اس کا راز یہ ہے کہ نماز اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر دیتی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ بندے کا جتنا نہ یادہ تعلق ہوگا۔ اتنے ہی اس پر خیر کے دروازے کھلتے جائیں گے اور تکالیف کے دروازے بند ہوتے جائیں گے۔

**صبر** صبر کرنا نصف ایمان ہے۔ کیونکہ ایمان صبر اور شکر سے مرکب ہے بعض سلف سے منقول ہے کہ ایمان کے دو برابر حصے ہیں، ایک صبر اور ایک شکر۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! ان فی ذلک لآیات لکل صبار شکور۔ اور ایمان کے لیے صبر ایسا ہی ہے۔ جیسا بدن کے لیے صبر،

صبر کے یقین اقسام ہیں، ایک اللہ کے فرائض پر صبر کرنا۔ کہ انہیں پابندی سے ادا کرے اور ایک محارم پر صبر کرنا۔ ان کا ارتکاب نہ کرے، اور ایک اللہ کی فضا و قدر پر صبر کرنا۔ کہ ان پر ناراض نہ ہو۔

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے صبر کے ذریعہ بہترین زندگی حاصل کی ہے۔ اور جسم و دل کے اکثر امراض بے صبری کے باعث پیدا ہوتے ہیں اس لیے صبر سے زیادہ کوئی ایسی چیز نہیں، جس کے ذریعہ بدن و قلب اور روح کی صحت قائم رکھی جاسکے۔

**صبر (ایلووا)** سنن ابی داؤد میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ کہ جب ابو سلمہؓ نے وفات پائی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ میں نے ایلوا لگا رکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اے ام سلمہؓ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول یہ ریلوا، صبر ہے۔ اور اس میں خوشبو نہیں



آپ نے فرمایا۔ یہ چہرے کو صاف کرتا ہے، اسے رات ہی کو استعمال کیا کرو۔  
آپ نے دن کو استعمال کرنے سے منع فرمایا۔

ایلوے میں بہت سے فوائد ہیں، خصوصاً صبر ہندی میں، بے دماغ اور اعصاب و بصارت کے صفراء کی خراب مادوں کا تنقید کرتا ہے۔ جب اسے روغن گلاب میں حل کر کے پیشانی اور کنپٹیوں پر ملا جائے۔ تو درد سر میں فائدہ دیتا ہے۔ نیز بے ناک اور منہ کے زخموں میں بھی نافع ہے سودا اور مالینجولیا کے مادہ کا مہل ہے، سیر فارسی عقل کا ترکیبہ کرتا دل کو قوت دیتا اور معدہ اور دماغ کے صفراء اور زائد مواد کا تنقید کرتا ہے۔ اس کے دو پچھے پانی کے ساتھ پینے چاہئیں۔

**صوم (روزہ)** روزہ قلب و روح اور بدن کا علاج ہے۔ اس کے فوائد بے شمار ہیں، حفظانِ صحت اور فضیلت ختم کرنے میں ایک عجیب تاثیر ہے روزہ ادویہ روحانیہ اور جسمانیہ ہر دو میں داخل ہے کیونکہ محض کھانا پینا چھوڑ دینے کے بجائے قصداً روزہ رکھنا ایک دوسرا فعل ہے، اسی وجہ سے یہ تمام اعمال میں زیادہ مخصوص شمار کیا گیا۔ اور چونکہ بندے اور اس کے قلب و بدن کے لیے مضر چیز کے درمیان عاجل اور اجل (دنیا و آخرت) ہر جگہ ڈھال اور پرہیز ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی حکم فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ**۔

راے وہ لوگو جو ایمان لائے۔ تم پر یہ فرض کیے گئے روزے جیسے فرض کیے گئے ان پر جو تم سے پہلے تھے۔ شاید کہ تم پر حرج نہ ہو۔

روزہ کا دوسرا مقصد اللہ تعالیٰ پر قلبی توکل اور اس کی طاعت و محبت میں تقوائے نفس کا و نورانہماک ہے۔

# حرف الضاد

**ضرب (گورہ)** صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گورہ پیش کی گئی تو آپؐ اس کے کھانے سے رک گئے۔ دریافت کیا گیا! کیا یہ حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا! نہیں لیکن یہ میری قوم کی سرزمین میں نہیں ہوتی اس لیے میں اس سے بچتا ہوں۔ ویسے گورہ آپؐ کے سامنے، آپؐ کے دسترخوان پر کھائی گئی۔ اور آپؐ دیکھتے رہے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ میں اسے حرام کرتا ہوں۔ گرم خشک ہوتی ہے۔ شہوت جماع کو قوی کرتی ہے جب اسے کوٹ کر کانٹا چھیننے کی جگہ پر رکھا جائے۔ تو اسے جذب (باہر نکال) دیتی ہے۔

**ضفدع (مینڈک)** امام احمدؒ نے فرمایا: کہ دوا میں ابھی مینڈک استعمال کرنا جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہلاک کرنے

سے منع فرمایا ہے۔

صاحبِ قانون کہتے ہیں۔ کہ جو مینڈک کا خون پیے یا اسے کھائے اس کا بدن متورم ہو جاتا ہے۔ اس کا زنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اس کی منی ختم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اطباء نے اس کی مفرت کے پیش نظر اس کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ آبی اور خاکی۔ خاکی کا کھانا ہلاکت کا باعث ہے۔

# حرف الطاء

**طیب (خوشبو)** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، مجھے تمہاری دنیا کی دو چیزیں مرغوب ہیں۔ عورت اور خوشبو میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔  
 آپ کثرت سے خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے۔ بدبو سے آپ کو از حد نفرت ہوتی۔

**طین مٹی** اس کے متعلق موضوع احادیث مروی ہیں، جن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ مثلاً جس نے مٹی کھائی، اس نے اپنے آپ کو قتل کرنے میں مدد دی۔

مٹی کے متعلق تمام احادیث نہ صحیح ہیں۔ نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مٹی خراب پیز ہے۔ مضر ہے اور مجاری عروق کو بند کرتی ہے۔ نیز یہ سرد خشک سخت ترین محفف ہے۔ پیٹ کی تلحیم کو بند کرتی ہے۔ نفث الدم اور منہ کے زخموں کا باعث ہوتی ہے۔

**طلح** اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ طلح منصوص رکیلے ہیں تہہ بہ تہہ اکثر مفسرین نے فرمایا ہے۔ کہ یہ کیلا ہے اور منظور کے معنی ہیں۔ ایک دوسرے میں گتھا

۱۰ اس لیے کہ عورت مرد کے لیے وجہ سکون و طمانیت ہے۔ اور خوشبو نشاط طلب و روح کا سبب ہے۔

ہوا، جیسے کنگھی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ طلح ایک خاردار درخت کا نام ہے۔ ہر کانٹے کی جگہ پر ایک پھل اُگاتا ہے۔ اور ایک دوسرے سے گھس جاتا ہے جیسے کیلا ہوتا ہے۔

یہ گرم تر ہوتا ہے اور اس میں اعلیٰ قسم وہ ہے جو پختہ اور شیریں ہو۔ یہ خشونت سینہ۔ ریح اور کھانسی گردوں اور مثانہ کے زخموں میں فائدہ بخش ہے۔ مدد بول مزید منی اور محرک شہوت ہوتا ہے۔ بلیق ہے اور کھانے سے قبل کھایا جاتا ہے۔ معدہ کے لیے مضر ہے۔ صفراء اور بلغم بڑھاتا ہے۔ اس کا فروشکر یا شہد سے دور کیا جاسکتا ہے۔

**طلح** اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والنخل باستقات لھا طل نصید، یعنی اور کھجوریں ہیں لمبی کہ ان کا خوشہ سے تہہ بہ تہہ۔ طلح النخل سے مراد وہ (کھجور کا) پھل ہے جو شروع میں ظاہر ہو۔

”طلح“ کی دو اقسام ہیں، ایک مذکر اور دوسری مؤنث، اور صحیح مسلم میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے مروی ہے، انہوں نے بتایا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کھجوروں کے ایک باغ میں سے گزرا، تو آپ نے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ پیوند لگا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا۔ یہ مذکر اور مؤنث میں پیوند لگا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، میں نہیں سمجھتا کہ اس سے انہیں کچھ فائدہ ہوگا۔ انہیں خبر ہوئی تو انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ چنانچہ (اس بار) فصل اچھی نہیں ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ میرا ذاتی خیال تھا اس لیے اگر معینہ ہو تو ایسا کر لیا کرو۔ میں تو تم جیسا کہ ایک بشر ہوں۔ اور ظنون بعض اوقات غلط ہوتا ہے اور بعض اوقات درست ہوتا ہے۔ البتہ جو کچھ میں اللہ عزوجل کے جانب سے حکم دوں تو اس میں میں اللہ پر جھوٹ نہیں بولتا۔ (نتہی) کھجور کا ابتدائی پھل رطلح النخل، مقوی باہ ہوتا ہے عورت اسے قبل از



مباشرت استعمال کرے، تو محل قرار پانے میں از حد معین ہوتا ہے۔ یہ بردت  
 یہوست کے اعتبار سے دوسرے درجہ میں ہے۔ مقوی معدہ اور مجفف ہے۔  
 غلیظ اور دیر ہضم ہونے کے باوجود مسکن دم ہے۔ سرف گرم مزاج لوگ اسے  
 برداشت کر سکتے ہیں۔ اور جو اسے کثرت سے استعمال کر بیٹھے اسے چاہیے  
 کہ وہ کچھ گرم ہوارشات بھی کھالے۔ یہ پھل طبیعت کو درست کرتا ہے۔ انٹریوں  
 کو قوت دیتا ہے۔

---

# حرف العین

**عنب (انگور)** | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق منقول ہے کہ آپ انگور اور خربوزے کو پسند فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے انگور کا اپنی کتاب میں پھر مواقع پر تذکرہ فرمایا ہے۔ اور یہ بندوں پر اس دنیا اور جنت میں بھی اللہ کے انعامات میں سے ایک انعام ہے۔ یہ تمام پھلوں سے افضل ہے اور فائدہ بخش ہے۔ اسے تر اور خشک کچا اور پکا ہر طرح کھایا جاتا ہے۔ یہ پھلوں کے ساتھ پھل غذا کی طرح غذا، سالن کی طرح سالن دوا کی طرح دوا، اور مشروب کی طرح مشروب ہے۔ اس کا مزاج گرم تر ہے۔ اعلیٰ قسم برے آبی انگور کی ہے اور سفید سیاہ کی نسبت زیادہ اچھا ہے۔ اور دو یا تین دن کا توڑا ہوا تازہ توڑے ہوئے سے بہتر ہے کیونکہ تازہ لغاخ اور پیٹ کے لیے مبین ہوتا ہے۔ یہ ایک عمدہ غذا ہے۔ مقوی بدن ہے، اس کے کثرت استعمال سے درد سر پیدا ہو جاتا ہے۔ انار سے اس کی حضرت دور کی جاسکتی ہے۔ انگور کا فائدہ یہ ہے کہ یہ سہل ہے۔ فریہ گزرا ہے عمدہ غذا ہے۔

**عسل (شہد)** | اس کے فوائد گزر چکے ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ نہ ہری نے فرمایا، تمہیں شہد (کھانا) واجب ہے، کیونکہ یہ حفظانِ صحت کے لیے نہایت عمدہ ہے۔ اور سب سے اعلیٰ وہ ہے جو سب سے زیادہ صاف اور سفید ہو، اور نرم اور خوب شیریں ہو، جو کہ پہاڑوں سے حاصل کیا جائے اور شہد کی مکھی چراگاہ کے لحاظ سے اس درخت کی ہو جو سب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔

صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم  
 ﷺ نے فرمایا۔ جو صبح کو سات عجوہ کھجوریں کھائے۔ اسے اس  
 روز کوئی زہر اور جادو ضرر نہیں دے گا۔ سنن نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت جابر اور  
 ابی سعید سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عجوہ جنت کا  
 پھل ہے۔ اور بہ زہر کا تریاق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ صفت مدینہ کی عجوہ میں ہے۔  
 عجوہ کھجور کی اقسام میں سے ایک ہے اور یہ قسم حجاز کی تمام اقسام کھجور سے اعلیٰ  
 افضل ہے۔ یہ ایک بہترین نوع ہے جو انتہائی لذیذ ہوتی ہے۔ بدن کو فربہ اور قوی  
 کرتی ہے۔ اور کھجور کی تمام اقسام سے زیادہ نرم۔ عمدہ اور ذائقہ دار ہوتی ہے۔  
 عنبہ ایک قسم کی گراں ڈبل مچھلی بھی ہے اور ایک قسم کی خوشبو بھی، مشک  
 کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ یہ سونے کی طرح طویل مدت تک بھی خراب  
 نہیں ہوتا۔

اس کی کئی انواع و اقسام ہیں۔ اس کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ سفید۔ گندمی  
 سرخ زرد، سنہرے۔ نیلا سیاہ اور دوزنگا۔ سب سے اعلیٰ قسم (شہب رنگ کی طرح)  
 پھر نیلا پھر زرد اور سب سے خراب نوع سیاہ کی ہوتی ہے۔ اس کا مزاج گرم خشک  
 ہوتا ہے۔ مقوی قلب، دماغ و حواس و اعضائے بدن ہے۔ فالج۔ لقوہ۔ امراض  
 بلغمیہ اور ریاح غلیظہ میں نافع ہے۔ جب اسے پیاجائے یا باہر سے طلا کیا جائے  
 تو سردوں میں بھی مفید ہے۔ جب اس کا بخور لیا جائے تو زکام، درد سر اور سردرد  
 شقیقہ میں بھی فائدہ بخش ہے۔

عود ہندی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دوا میں استعمال ہوتی ہے۔ اسے کست  
 عود کہتے ہیں۔ نیز اسے قسط بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا تذکرہ (حرف ق) میں  
 آئے گا۔ دوسری خوشبو میں استعمال کی جاتی ہے۔ اسے الوہ بھی کہتے ہیں۔  
 صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ الوہ (عود) کی دھونی لیا کرتے  
 اور ساتھ ہی کانور ڈال دیتے، اور فرمایا کرتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی

رج دھونی لی تھی۔ اہل جنت کے انعامات کے تذکرہ میں بھی آیا ہے کہ اہل جنت  
 ن انگلیٹھیاں بھی عود کی ہوں گی۔ اور اس کی کئی اقسام ہیں۔ سب سے اعلیٰ نوع  
 سیاہ، اور نیلی، جو سخت اور روغنی ہو۔ اور سب سے گھٹیا وہ ہے جو ہلکی ہو  
 اور پانی پر تیر جائے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک درخت ہوتا ہے جسے کاٹ کر ایک سال  
 تک زیر زمین دفن کر دیتے ہیں۔ پھر غیر مفید حصہ زمین کھا جاتی ہے۔ اور خوشبودار  
 عود باقی رہ جاتی ہے۔ یہ تیسرے درجہ میں گرم خشک ہے۔ جو اس کو قوی کرتی ہے۔  
 ورنہ ثنائی کی سردی کے باعث پیدا ہونے والے مسلسل بول میں فائدہ دیتی ہے۔

---



# حرف الغین

**غیث** غیث، یعنی بارش کا تذکرہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔ اس کا پانی ہر پانی سے زیادہ افضل، لطیف، نائدہ خش اور برکت عظیم کا حامل ہے خصوصاً اس وقت جب کہ گر جدار بادلوں سے بارش ہو، اور یہ پانی شفاف پہاڑوں پر جمع ہو۔ یہ ہر پانی سے زیادہ مرطوب ہوتا ہے۔ کیونکہ زمین پر یہ دیر تک نہیں رہتا کہ اس کی یہوست بھی اپنی ہو۔ اور نہ ابھی اس میں کوئی خشک جوہر مخلوط ہوتا ہے اسی لطافت اور سرعتِ انفعال کے باعث یہ پانی جلدی سے متغیر اور متعفن ہو جاتا ہے آیا جاڑے کی بجائے بہار کی بارش افضل ہوتی ہے، یا اس کے برعکس معاملہ ہے؟ اس باب میں دو قول ہیں جس نے جاڑے کی بارش کو افضل کہا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس وقت سورج کی حرارت بہت کم ہوتی ہے۔ اس وجہ سے سمندر سے طرف لطیف ترین حصہ کی بخیر ہوتی ہے۔ اور فضا بھی صاف ہوتی ہے۔ اس میں غبار یا بخاراتِ دغابہ نہیں ہوتے جو کہ اکثر پانی کے ساتھ آمیز ہو جاتے ہیں ان تمام وجوہ کی بناء پر اس کی لطافت۔ صفائی اور کسی دوسری آمیزش سے تحفظ کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور جس نے بہار کی بارش کو ترجیح دی اس کی دلیل یہ ہے کہ حرارتِ بخاراتِ غلیظہ کو تحلیل کر دیتی ہے اور ہوا کی رقت و لطافت کا موجب بنتی ہے۔ اس وجہ سے پانی خفیف ہو جاتا ہے اس میں ارضی اجزاء کم ہو جاتے ہیں۔ پودوں اور درختوں کی پیدائش کے مناسب موقع پر یہ بارش ہوتی ہے جب ہوا بھی اچھی حالت میں ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے چنانچہ بارش ہوئی۔ آپ نے اس کا پانی بارنوش فرمایا اور فرمایا کہ یہ اپنے پروردگار کے پاس سے نیا سنا آیا ہے

# حرف الفاء

**فائزۃ الکتاب** | یہ ام القرآن، سبع مثانی، شفاء تام، دوائے نافع، رقیبہ تامہ، کلید غناء، محافظ قوت اور دافع غم و سزن اور وہم و خوف ہے۔ جو بھی اس کی قدر کو پہچان لے اور اسے پڑھنے کا حق ادا کرے۔ اور طریقہ طب شفاء و علاج سے واقف ہو۔ اور اس راز سے بھی آگاہ ہوگا، جس کے باعث یہ برکات حاصل ہوتی ہیں۔ جب صحابہؓ کو ان اسرار کی خبر ہوئی تو ر ایک صحابی سے سانپ ڈسنے پر دم کیا۔ وہ اسی وقت صحت یاب ہو گیا۔

معرفت الہی۔ اعمال قلوب، امراض قلب کے تمام معالجات سورہ فائزہ میں ذکر ہیں۔ یہ ہی کنجی ہے۔ اور ان پر روشنی ڈالنے والی ہے۔ اور رب العالمین کی جانب جانے والے تمام راستوں کی منزل اس میں مذکور ہے۔ اور اللہ کی قسم اس کی شان اس سے بھی کہیں بالا و بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء نام عصمت بالغہ، نور مبین بنا کر نازل فرمایا۔ اور اگر خزانوں کے متلاشی اس سورت کے اسرار و رموز سے آگاہ ہو جائیں۔ اور اس کے معانی سے واقف ہو جائیں۔ اور اسے کبھی کو خوب مضبوطی سے پکڑ لیں، تو بغیر مشقت اور رکاوٹ کے وہ بڑے بڑے خزانے کے مالک بن جائیں۔ اور یہ الفاظ محض مجازی یا استعارہ نہیں بلکہ حقائق ہیں بیکس اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے اکثر لوگوں سے ان رموز کو مخفی رکھا ہے، جیسے زمین کے خزانوں کو مخفی رکھتے ہیں اس کی حکمت ہے۔ اور خزانوں

کے سامنے شیطان خبیث ارواح حاکم ہیں، اور ان پر صرف ارواح علویہ ہی قابو پاسکتی ہیں۔ ایمان ہی ان کا ہتھیار ہے جس کے سامنے شیاطین قلعہ نہیں ٹھہر سکتے اور اکثر لوگ اس حالت میں نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے نہ وہ ان ارواح (خبیثہ) کے سامنے ٹھہر سکتے ہیں اور نہ ان پر قابو پاسکتے ہیں۔ اور ان کا سلب حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ جو کسی کو (میدان جہاد میں) قتل کرے اس کا سلب اسی قاتل کے لیے ہوتا ہے۔

یہ مہدی کا عطر ہوتا ہے۔ اور یہ تمام خوشبوؤں سے زیادہ خوشبو فانغیمہ ہوتا ہے۔ امام بیہقی نے اپنی کتاب کے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے انہوں نے اپنے والد سے مرفوع روایت کی، کہ دنیا آخرت میں تمام خوشبوؤں کا سردار (فانغیمہ) عطر خاتم ہے۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ فانی خوشبو محبوب تھی۔ ان احادیث کی صحت کا حال خدا ہی خوب جانتا ہے۔ ہم تمہارا جانتے۔

یہ حرارت و پیوست میں معتدل ہے۔ اس میں کچھ قابض کیفیت ہوتی ہے۔ جب اسے سوت کے کپڑوں کی تہہ میں رکھا جاتا ہے تو کپڑے سے اس کی حفاظت کرتی ہے۔ نیز نالج اور تمدد کے مریضوں میں ڈالی جاتی ہے۔ اس کا روغن اعضائے بدن کی نخیل کرتا اور اعصاب کو نرم کرتا ہے۔

نابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت فضہ چاندی مبارک چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔ آپ کی تلوار کا دستہ چاندی کا تھا نیز لباس میں چاندی لگاتے یا اس کا زیور بنانے کی ممانعت اس طرح نہایت نہیں، جیسے اس کے برتنے میں پانی پینے



کی محافوت ہے۔ اور برتنوں کا معاملہ لباس اور زیور سے زیادہ تنگ ہے۔  
اسی وجہ سے عورتوں کو اس کا لباس اور زیور حلال ہے۔

سنن میں مروی ہے کہ ”چاندی سے کھیلو۔ اب محافوت کے لیے ضرورت  
اس کی ہے کہ ایک واضح دلیل نص یا اجماع سے ثابت ہو۔ اب اگر دونوں میں  
سے ایک بھی ثابت ہو جائے تو مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ایک لائق میں سونا اور دوسرے میں ریشم پکڑا اور فرمایا، کہ یہ دونوں  
مہری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں پر حلال ہیں۔ اور چاندی بھی نبی  
پر اللہ کے اسرار میں سے ایک راز اور بھید ہے، اور اہل دنیا پر آپس کے معاملہ  
قائم رکھنے کے لیے احسان ہے۔ اس کا مانک بڑا سمجھا جاتا ہے۔ مجلس میں اس کا  
اعلیٰ مرتبہ ہوتا ہے نہ اس سے مجالست رکھنے میں کوئی اکتاہٹ محسوس کرتا ہو  
نیز یہ مفرح ادویات میں سے ہے۔ غم و حزن - ضعیف قلب میں پیدا ہونے  
والے اخلاط فاسدہ کو جذب کر لیتی ہے۔ خصوصاً اگر اسے شہید مصطفیٰ اور زعفران  
میں ملا کر استعمال کیا جائے۔ اس کا مزاج سرد خشک ہوتا ہے۔ اور اس  
سے حرارت و رطوبت بھی پیدا ہوتی ہے۔

وہ جنت جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لیے بنا رکھی ہیں، چار ہیں  
دوسونے کی ہیں، اور دو چاندی کی ہیں۔ اور ان کے برتن اور لباس بھی اسی  
کے ہیں۔ صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ  
نے فرمایا: سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو اور نہ ان کی طشتریوں میں کھاؤ  
کیونکہ یہ دنیا میں ان (کفار) کے لیے ہے اور آخرت میں تمہارے لیے کہے۔ ایک  
قول یہ بھی ہے کہ اس کی حرمت کی علت، سکے میں کمی آجانے کا خطرہ ہے،  
کیونکہ جب اس سے برتن بنائے گئے تو جس حکمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے  
اسے بنایا تھا کہ نبی آدم کے مصالح (ملکی و خرید و فروخت) اس سے طے پائیں  
وہ فوت ہو جائیں گی یہ ایک قول یہ ہے کہ اس کی علت فقر و غرور ہے۔



ایک قول میں اس کی علت یہ ہے کہ فقراء و مساکین جب یہ برتن دیکھیں گے تو ان کے دل ٹوٹ جائیں گے۔ اور صحیح یہ ہے۔ اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ان کے استعمال سے عبودیت کی منافی اور متضاد حالت سامنے آتی ہے۔ اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دنیا میں کفار کے لیے ہے۔ کیونکہ انہیں دنیا میں عبادت میں سے کچھ حصہ نہیں ملا، جس کے ذریعہ وہ آخرت کما سکیں۔ اس لیے اللہ کے بندوں کے لیے دنیا میں اس کا استعمال درست نہیں، انہیں صرف وہی استعمال کرتا ہے، جو کہ اللہ کی عبودیت سے خارج ہو گیا۔ اور دنیا کی سہولتوں پر راضی ہو گیا۔

---

حاشیہ صفحہ نمبر ۵۶۷ کا! لیکن یہ علت وزنی نہیں ہے۔ کیونکہ زیورات کے مقابلہ میں برتنوں کا استعمال کبھی بھی عام نہیں تھا۔

# حرف القاف

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

**قرآن** | وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا ایہا الناس قد جاءکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور۔ یعنی رائے لوگو! تمہارے پاس اُنی نصیحت تمہارے رب کی جانب سے اور شفاء واسطے اس کے جو کہ سینوں میں ہے، تو قرآن تمام امراض قلبی و بدنی کے لیے اور دنیا و آخرت کے تمام دکھوں کے لیے شفاء نام ہے۔ اور ہر آدمی جو اس کا اہل ہو وہ ضرور اس سے شفاء حاصل کرتا ہے بشرطیکہ اس سے بہترین طور پر علاج کیا جائے۔ پورے صدق و ایمان، قبولِ تام، پختہ اعتقاد اور تمام شرائط کے ساتھ، تو پھر مرض کبھی بھی اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اور آسمان و زمین کے پروردگار کے کلام کے مقابلہ میں امراض ٹھہر بھی کیسے سکتے ہیں۔ جب کہ اس کلام کا یہ عالم ہے، کہ اگر اسے پہاڑوں پر نازل کیا جاتا ہے تو انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ زمین پر نازل کیا جاتا تو زمین شق ہو جاتی ہے اس لیے امراض قلب و بدن میں سے کوئی مرض ایسا نہیں، جس کا علاج، سبب اور پرہیز قرآن مجید میں ذکر نہ ہو۔

دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ مسند میں حضرت ام قیسؓ سے **قط و کست** | انہوں نے نبی اکرام صلی اللہ سے روایت کیا ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا تم جس سے علاج کرتے ہو ان میں سے بہترین چیز حجامت اور قسط مخری ہے۔

مسند میں حضرت ام قیسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی علیہ وسلم نے فرمایا، تم پر سودہ کا استعمال واجب ہے کیونکہ اس میں سات شفا ہیں جن میں سے ذات الحجب بھی ہے۔

قسط کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سفید جیسے قسط۔ بحری کہا جاتا ہے۔ دوسری قسط ہندی، آخر الذکر زیادہ گرم ہوتی ہے۔ سفید زیادہ نرم ہوتی ہے۔ دونوں میں کثیر فوائد ہیں اور یہ دونوں قیسرے درجہ میں گرم خشک ہیں۔ بلغم کو صاف کرتی ہیں۔ جب انہیں پیاجائے تو ضعیف جگر و معرہ اور ان کی برودت میں نافع ہیں نیز باری، چوتھے بخار میں فائدہ دیتی ہیں۔ درد پہلو کو دور کرتی اور سمیات میں فائدہ بخش ہیں۔ کدو دانہ کو مارتی ہیں۔ اکثر جاہل اطباء کو ذات الحجب میں اس کا فائدہ معلوم نہیں۔ اس لیے انہوں نے اس کا انکار کیا ہے اگر یہ جہلاء جالینوس سے یہ کلام اخذ کرتے تو اسے نص قطعی کے طور پر تسلیم کر لیتے۔ حالانکہ کئی معتقدین اطباء واضح کیا ہے کہ قسط ذات الحجب کی بلغمی قسم میں فائدہ بخش ہے۔ خطابی نے محمد بن جہم سے اسے نقل کیا ہے۔

بعض صحیح احادیث میں آیا ہے کہ حرض رکوثر کا پانی شکر سے زیادہ **قصب (گنا)** میٹھا ہوگا، اور میں نے شکر لفظ اس حدیث میں دیکھا ہے اور شکر ٹی چیز ہے۔ معتقدین اطباء نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ اور نہ وہ اسے جانتے تھے۔ اور نہ وہ اسے مشروبات میں استعمال کیا کرتے، بلکہ وہ لوگ تو صرف شہد کو جانتے تھے۔ اور ادویہ میں اس کو ڈالا کرتے۔

گنا گرم تر ہے، کھانسی میں فائدہ دیتا ہے۔ رطوبت مٹانہ اور قصبۃ الریہ کا مفلج ہے شکر سے زیادہ بلیم ہے۔ قے لانے میں مدد دیتا ہے۔ مدلول اور مقوی باہ ہے عفان بن مسلم الصفر نے کہا ہے، جو کھانے کے بعد گنا چوس لے۔ وہ دن بھر راحت و سرور سے شاد کام رہے گا (انہی)

یہ خشونت سینہ و حلق میں نافع ہے۔ اگر اسے بھون لیا جائے۔ مولد ریح

ہے اس کی اصلاح پھیلنے اور اسے گرم پانی سے دھونے سے ہو سکتی ہے۔ شکر اصح قول کے مطابق گرم تر ہے۔ ایک قول میں سرد ہے۔ جب اسے پکایا جائے اور اس کی جھاگ اتار دی جائے تو پیاس اور کھانسی کے لیے مسکن ہے۔ البتہ معدہ کے لیے مضر ہے۔ صفراء کی طرف متمیل ہو جانے کے باعث صفراء پیدا کرتی ہے۔ اس کا ضرر آب یسوں یا آب سنترہ یا آب انار ڈالتے سے دور کیا جاسکتا ہے۔ بعض لوگ اس کی کمی حرارت و نرمی کے باعث اسے شہد سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہ بات ان کی جانب سے شہد پر افتراء ہے کیونکہ شہد کے فوائد شکر کے فوائد سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کو شفاء دوا۔ سالن، اور شہیرینی بنایا ہے۔ اس لیے شکر میں شہد جیسے فوائد کہاں ہوئے؟ (شہد میں) تقویت معدہ، تبیین تقویت بصر، اندھیر دور کرنے، مغفرہ سے خفاق کے دور کرنے، فالج، لقوہ اور بار و امراض میں جو رطوبات کی وجہ سے جسم میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ شفا بخش اثر ہے۔ یہ انہیں قمر بدن سے جذب کرتا ہے۔ تحفظ صحت کرتا ہے۔ فربہ کرتا ہے۔ مقوی باہ مخمل۔ مجلی قشع اقواہ عروق۔ مفتی اور مخرج دوات ہے۔



# حرف الکاف

کتاب للحمی (بخار کے لیے تعویذ) | مروزی فرماتے ہیں کہ ابو عبد اللہ کو اطلاع ہوئی کہ مجھے بخار ہے۔ انہوں نے مجھے

بخار کا تعویذ دیا، جس میں لکھا تھا:  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ قُلْنَا  
يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَارَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ اللَّهُمَّ  
وَبِحَبْرَتِي وَصِيكَائِي وَاسْمَائِي أَشْفَعْ صَاحِبَ هَذَا الْكِتَابِ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ وَحَبِيبُوتِكَ  
اللَّهُ الْحَقُّ أَهْلِينَ -

امام احمد سے تعویذات کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ ان میں کچھ سرج نہیں۔

عسر (ولادت کا تعویذ) | خلال فرماتے ہیں کہ مجھے عبد اللہ بن احمد نے بتایا کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ انہوں نے ایک عورت کے لیے تعویذ لکھا جسے ولادت کی تکلیف ہو رہی تھی۔ یہ تعویذ ایک سفید پیالہ پر لکھا جاتا، یا کسی پاک چیز پر، یہ تعویذ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ذیل کی صورت میں تھا۔

لا اله الا الله العليم الحكيم سبحان الله رب العرش العظيم الحمد لله رب العالمين  
كانهم يوم يرون ما يوعدون لم يلبثوا الا ساعة من نهار بلاغ لا تضرهم يوم

یروخا لم یلثوا الا عشیة او صحاها

خلال فراتے ہیں کہ ہمیں ابو بکر مرفوزی نے بتایا کہ ابو عبد اللہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے عرض کیا اے ابو عبد اللہ کیا آپ ایک عورت کے لیے تعویذ لکھ دیں گے۔ جو دو دن سے بچہ کی پیدائش کی تکلیف میں مبتلا ہے؟ انہوں نے فرمایا اس سے کہو، ایک چوزا، پیالہ اور زعفران لا دے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ کئی ایک کے لیے لکھا کرتے تھے۔ حضرت عکرمہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا، فرمایا! حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک گائے کے پاس سے گزرے جس کے پیٹ میں بچہ پھنسا ہوا تھا، گائے نے عرض کیا: اے کلمۃ اللہ میرے لیے دعا کیجئے کہ جس مصیبت میں گرفتار ہوا۔ اس سے مجھے اللہ تعالیٰ نجات دے۔ انہوں نے دعا فرمائی۔  
یا عافی النفس من النفس ویا مخلص من النفس ویا مخرج النفس من النفس ویا مخلص من النفس خلاصہا۔

راوی فراتے ہیں اس نے بچہ جن دیا۔ اور اسی وقت کھڑی ہو کر اسے سو لگھنے لگی، کہتے ہیں، کہ جب عورت پر بچہ کی پیدائش دشوار ہو جائے، میں اسے یہ تعویذ لکھ دیتا ہوں۔

سلف کی ایک جماعت نے قرآن مجید کی بعض آیات کو لکھنے اور پینے کی اجازت دی ہے اور اس کو شفاء حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بتایا ہے۔

اگر ایک پاک برتن میں یہ الفاظ لکھے جائیں۔

اذا السماء انشقت واذنت لربها وحققت واذ اارض مدت ووالقت

ما فیہا وتخلت اور حاملہ عورت اس کو دھو کر پی لے۔ نیز اس کے پیٹ پر بھی پھڑک دیا جائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس کی پیشانی پر لکھا کرتے تھے۔  
نکسیر کا تعویذ | وقیل یا ارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی وغیض الماء

وقضی الامر۔

میں نے سنا کہ انہوں نے کئی آدمیوں کے لیے یہ لکھا اور وہ صحیفہ  
 ہو گئے اور فرمایا کہ یہ الفاظ بکبروائے کے خون سے لکھنا جائز نہیں کیونکہ  
 خون نجس ہوتا ہے اور اس سے کلام اللہ کے الفاظ تحریر کرنے کی اجازت نہیں۔

---

# حرف اللام

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،  
لحم (گوشت) | دامدناہم بفاکمة ولحم مما یشتون  
 نیز فرمایا: ولحم طیر مما یشتون۔  
 اللہ تعالیٰ نے اس طرح انعام کے طور پر گوشت کا ذکر فرمایا!  
 سنن ابن ماجہ میں ابوالدرداء کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا:۔

اہل دنیا اور اہل جنت کے کھانوں کا سردار گوشت ہے۔  
 بریدہ کی مرفوع حدیث ہے کہ دنیا و آخرت میں سب سے بہتر سالن گوشت  
 کا ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ عورتوں پر عائشہ رضی کی برزری ویسی ہے جیسے  
 مام کھانوں پر ثریدہ بالا ہے۔ — ثریدہ مرکب ہوتا ہے روٹی اور گوشت سے!  
 زہری کہتے ہیں گوشت کھانے سے ستر گنا طاقت پیدا ہوتی ہے۔ محمد بن واسع  
 کہتے ہیں گوشت سے بنیائی میں قوت آتی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی  
 ہے گوشت کھاؤ، اس سے خون صاف ہوتا ہے، اخلاق میں خوبی پیدا ہوتی  
 ہے، نافع کہتے ہیں، رمضان کے مہینہ میں ابن عمر رضی گوشت ناغہ نہیں کرتے  
 تھے۔ اس طرح سفر میں بھی گوشت ترک نہیں کرتے تھے۔

گوشت کی مختلف قسمیں اختلاف اسول و طبالہ کے مطابق ہوتی ہیں، اب



ہم ہر جنس کا اور اس کی منفعت و منفعت کا ذکر کرتے ہیں۔

**بھیر کا گوشت** | بھیر کا گوشت خون صالح پیدا کرتا ہے۔ بارہ اور معتدل مزاج رکھنے والوں کے لیے مفید ہے، ورزش کرنے والوں کے لیے بھی

سورمند ہے اس سے ذہن قوی ہوتا ہے۔ یادداشت بڑھتی ہے۔ بوڑھی بھیر کا گوشت بادی ہوتا ہے۔ خاص طور پر بزرگ گوشت ہلکا، لذیذ اور نافع ہوتا ہے، خاص اور زیادہ مفید اور بہتر ہے، اس کا آگے کے حصہ کا گوشت پیچھے کے حصہ سے زیادہ بہتر ہوتا ہے، بقول غزوق اس کے پیٹ اور سر میں بیماری ہوتی ہے کہ اس سے بچنا چاہیے، گردن اور بازو کا گوشت مزاج الہفم، لذیذ اور لطیف ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے پسند فرماتے تھے۔ پٹھ کا گوشت کثیر غذا ہے۔ خون صالح پیدا کرتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں مرفوعاً مروی ہے کہ بہترین گوشت پٹھ کا ہے۔ ٹر کا گوشت ہلکا، لذیذ اور نافع ہوتا ہے، خاص اور زیادہ مفید اور بہتر ہے۔ اس کا آگے کے حصہ کا گوشت پیچھے کے حصہ سے زیادہ بہتر ہوتا ہے بقول غزوق اس کے پیٹ اور سر میں بیماری ہوتی ہے کہ اس سے بچنا چاہیے گردن اور بازو کا گوشت مزاج الہفم، لذیذ اور لطیف ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے پسند فرماتے تھے۔ پٹھ کا گوشت کثیر غذا ہے۔ خون صالح پیدا کرتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں مرفوعاً مروی ہے کہ بہترین گوشت پٹھ کا ہے۔

**بکری کا گوشت** | یہ گوشت قلیل الحارث اور خشک ہے۔ اس سے جو خلط پیدا ہوتے ہیں اچھے نہیں ہیں۔ ہضم و غذا کے اعتبار سے بہتر نہیں ہے۔ بقول جاحظ اس سے سوداء میں تحریک ہوتی ہے۔

نسیان پیدا ہوتا ہے، خون خراب کرتا ہے۔

سنن نسائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، کہ اس سے اچھا بڑا وکرہ۔ اسے تکلیف نہ دو، کیونکہ یہ جنت کے جانوروں میں سے ہے، لیکن یہ مشکوک ہے، اطباء نے اس کی منفعت کا جو حکم لگایا ہے، وہ جڑی ہے۔ کلی

اور عام نہیں ہے۔

**بکری کا بچہ** قریب بہ اعتدال ہے، خاص طور حلوان کا گوشت، سربلج الہنم ہے، اور لذیذ بھی۔

**گائے کا گوشت** بارد، یا بس، دیر ہضم ہے، اس سے سودا دی خون پیدا ہوتا ہے۔ یہ صرف غیر معمولی محنت مشقت کرنے والوں

کے لیے نرا دار ہے۔ اس سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

**گھوڑے کا گوشت** بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ہم نے گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی۔

**اونٹ کا گوشت** یہود اور رافضی اس کی مذمت کرتے ہیں اور نہیں کھاتے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب نے

اسے سفر و حضر میں کھایا ہے۔ بچہ کا گوشت بہت لذیذ اور عمدہ ہوتا ہے، یہ سودا پیدا کرتا ہے، اور دیر ہضم ہے۔

**گاوہ کا گوشت** اس کی علت کا ذکر گزرہ ہو چکا ہے۔ اس کا گوشت حار اور یا بس ہوتا ہے، شہوت پیدا کرتا ہے۔

**ہرن کے بچہ کا گوشت** یہ بہتر شکار ہے۔ اس کا گوشت بھی بہتر بن ہوتا ہے۔ معتدل مزاج والوں کے لیے بے حد

مفید ہے۔

**ہرن کا گوشت** حار یا بس ہے، مجفف بدن ہے، تر مزاج والوں کے لیے سودمند ہے۔ صاحب قانون نے کا قول ہے، چو پاؤں

ہیں سب سے بہتر گوشت ہرن کا ہوتا ہے۔ سودا ویت کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے۔

**خرگوش کا گوشت** | حرارت اور پیوست کے اعتبار سے معتدل ہے، اس کے کوٹھوں کا گوشت بہت عمدہ اور لذیذ ہوتا ہے، اس کے کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے۔ پتھری کو توڑتا ہے۔ اس کا سرر عشرہ کے مرض میں مفید ہے۔ ابو طلحہؓ نے اس کے کوٹھوں کا گوشت آپ کی خدمت میں بھیجا جیسے آپ نے قبول فرمایا۔

**پرندوں کا گوشت** | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”و لحم طير مما يشھون“ مسند بزار وغیرہ میں مرفوعاً مروی ہے کہ بعض پرند حرام ہیں۔ بعض حلال، ذو غلیظ پرند حرام ہیں۔ مثلاً شکار، بازی، شاہین، اور وہ پرندے جو مزار کھاتے ہیں جیسے گدہ، تعلق۔ کوآ، جن پرندوں کو ہلاک کرنے سے منع کیا گیا ہے، وہ بدہ اور لٹور ہے، جن پرندوں کو ہلاک کرنے کا حکم ہے وہ بیوس، چیل، اور کوآ۔

**مرغی کا گوشت** | جو پرند حلال ہیں وہ بہت سی اقسام کے ہیں، ان میں ایک مرغی ہے۔ بخاری اور مسلم میں ابو موسیٰ کی حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے مرغ کا گوشت تناول فرمایا۔ یہ زود ہضم ہے۔ عمدہ برآسانی اسے قبول کر لیتا ہے۔ اس سے عمدہ خلط پیدا ہوتے ہیں۔ دمانی قوت بڑھاتا ہے۔ آواز صاف کرتا ہے۔ زنگ نکھارتا ہے۔ خون صالح پیدا کرتا ہے۔

**بطخ کا گوشت** | اس سے فضل بہت پیدا ہوتا ہے۔ دیر ہضم ہے، عمدہ اس سے موافقت نہیں کرتا۔

---

۱۰ حکیم بوعلی سینا کی کتاب القانون، عربی کے قدیم نصاب میں شامل ہے۔  
۱۱: یعنی وہ پرند جو جنگل والے ہوتے ہیں، جن کے نیچے فادار ہوتے ہیں کہ شکار کے بدن میں پیوست ہو جائیں۔



سنن نسائی میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **گوریا کا گوشت** کہ اگر کوئی انسانی بیضہ حق کے گوریا کو ہلاک کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس سے باز پرس کرے گا، مرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حق کیا ہے؟

آپ نے فرمایا، ذبح کرو۔ اور کھا لو، میرا ہو کر سرکاٹ ہو اور پھینک دو۔  
اس کا گوشت حلال اور یا بس ہوتا ہے۔ طبیعت کو تیز کرتا ہے، باہ میں اضافہ کرتا ہے۔ اس کا شور یا بلین بلع ہے، جوڑوں کے لیے مفید ہے۔  
اس کا گوشت ہلکا ہوتا ہے، غذائی اعتبار سے بہتر ہوتا ہے **کیوتر کا گوشت** تر کیوتر کا گوشت استرخاء کے مرض میں مفید ہے۔ سکتے اور عیشہ کو بھی فائدہ دیتا ہے۔

**ٹڈی کا گوشت** عبد اللہ بن ابی اوفیٰ کی صحیحین میں روایت ہے کہ سات غزوات کے مواقع پر ہم آپ کے ساتھ تھے۔ ہم نے ربر مرتبہ ٹڈی کھائی۔ مسند میں روایت ہے کہ ہمارے لیے دو مردار حلال ہیں، ایک مچلی، دوسری ٹڈی۔ اور دو خون حلال ہیں، کلیجی اور جگر۔  
اسے ہمیشہ کھانا و بلاین پیدا کرتا ہے، پیشاب اگر قطرہ قطرہ کر کے آتا ہو یا مشکل سے اترتا ہو، تو یہ مفید ہے۔ خاص طور پر عورتوں کے لیے، بواہر کو بھی فائدہ دیتا ہے۔ مرگی کے مریضوں کے لیے مضر ہے؟ روی النخلط ہے۔  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

**لبنہ (دودھ)** وان لکم فی الانعام لعبرةٰ نستیکم مافی بطونہن بلین قرث و مرینا خالصا سائطا للشاربین۔

نیر فرایا! فیہا انہار من ماء غیر اسن وانہار من لبن لمر تغیر طعمہ۔  
حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا جیسے اللہ دودھ پلائے، وہ یہ دعا پڑھو!  
اللہم بارک لنا فیہ وزونا منہ — بار الہا بچیں اس میں برکت دے



اور زیادہ عطا کر

دودھ بظاہر ایک بسیط چیز ہے لیکن درحقیقت اپنی اصل خلقت میں تین جوہروں سے مرکب ہے وہ یہ ہیں، جبینہ، سبینہ، مایئہ، ان میں سے جبینہ (پینر کا جز) بار داور تر ہے۔ بدن کا تغذیہ کرتا ہے۔ اور سبینہ (چکنائی) حرارت اور رطوبت کے اعتبار سے گرم تر ہے۔ دودھ علی الاطلاق بار داور تر ہے۔ تازہ دودھ ہوا دودھ بہترین ہے۔ جتنا جتنا وقت گزرتا جاتا ہے۔ ناقص ہوتا جاتا ہے۔ یہ بہترین غذا ہے، دوسو سے سو نجات دیتا ہے۔ پریشانی دور کرتا ہے۔ امراض سوداہ کا علاج ہے۔ شہد کے ساتھ پیا جائے تو باطنی زخموں کو جو اخلاط متعفن سے پیدا ہوتے ہیں صاف کرتا ہے شکر کے ساتھ آمیز کر کے اسے پینا زنگ کو نکھارتا ہے۔ یہ ضرر جماع کا تدارک کرتا ہے۔ سینہ اور ریہ کے لیے مفید ہے۔ سل کے مریضوں کے لیے نفع بخش ہے، معدہ، جگر اور طحال کے لیے روی ہے۔ اس کی کثرت دانت اور مسوڑے کو ضرر پہنچاتی ہے۔ بہتر ہے کہ دودھ استعمال کرنے کے بعد پانی سے کلی کر لی جائے۔ بخاری اور مسلم میں روایت درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا پھر پانی منگوا یا، اور کلی کی۔

بھیڑ کا دودھ غلیظ ہوتا ہے، بکری کا دودھ  
بھیڑ، بکری اور گائے کا دودھ | لطیف، اور معتدل ہوتا ہے۔ خلق کے  
 زخموں کے لیے مفید ہے۔ خشک کھانسی کو فائدہ دیتا ہے۔ نفث الدم کو بھی نافع ہے  
 بدن انسانی کے لیے مشروبات میں سب سے بہتر ہے۔ گائے کا دودھ بدن کا تغذیہ  
 کرتا ہے۔ یہ معتدل ترین ہوتا ہے۔ بھیڑ اور بکری کے دودھ سے افضل ہے۔

# حرف المیم

**ماءِ رپاتی** | یہ مادہ حیات ہے۔ سید الشراب ہے، یکے ازارکان عالم ہے، بلکہ عالم کا رکن اصلی ہے۔ آسمانوں کی تخلیق اس کے بخارات سے ہوئی۔ زمین اس کے بھاگ سے پیدا ہوئی۔ ہر چیز کی زندگی اللہ نے اس پر منحصر کی ہے۔ یہ بدن کی حرارت کو دور کرتا ہے۔ رطوبات بدن کا محافظ ہے۔ بدلے کا تحلیل کا سبب ہے، غذا کو رقیق کرتا ہے۔ رگوں میں پہنچاتا ہے۔

نیل، فرات، سیحون اور جیحون کا پانی بہت عمدہ ہوتا ہے۔ صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سیحان و جیمان اور نیل و فرات، جنت کی نہروں میں سے ہیں“

شیریں پانی مرینوں کے لیے بھی نافع ہے۔ اور تندرستوں کے لیے بھی بھڑکا پانی بہت زیادہ نافع اور لذیذ ہوتا ہے۔ جماع کے بعد پانی نہ پینا چاہیے، نہ سوتے سے اٹھ کر فوراً پینا چاہیے، نہ غسل کے بعد، نہ پھل کھانے کے بعد، البتہ کھانے کے اوپر پی لینے میں مضائقہ نہیں، نہ پٹے تو اچھا ہے۔ پٹے تو کم، اور وہ بھی گھونٹ گھونٹ کر کے، اسی طرح، نہ صرف مصرت نہیں باقی رہتی بلکہ عمدہ کی تقویت حاصل ہوتی ہے اور تشنگی دور ہوتی ہے۔

**آب زمزم** | قیمت کے لحاظ سے گراں بہا، صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ آپ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ بیماری کی شفا ہے۔

**مشک** | صحیح مسلم میں ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خوشبوؤں میں سب سے بہتر خوشبو مشک کی ہے۔

دوسرے درجے میں مشک حار اور یابس ہے دل کو سرد و بخشتا ہے اور قوی کرتا ہے۔ جمیع اعضاء باطنی کے لیے طاقت بخش ہے۔ دوسری چیزوں کی اس سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اسے کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاتی۔ اس کا پینا اور سونگھنا مفید ہے۔ بوڑھوں اور سرد مزاج کے لوگوں کے لئے ازہد نافع ہے۔ خاص طور پر موسم سرما میں غشی اور خفقان کو دور کرتا ہے۔ حرارت عزیزی کو قوت دیتا ہے۔ سمیت دور کرتا ہے۔ یہ مفرحات میں سب سے قوی ہے۔

سنن ابن ماجہ میں انسؓ کی مرفوع حدیث مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: **ملح (نمک)** "نمک تمہارے سالن کا سردار ہے۔"

نمک اجسام کا مصلح ہے، کھانے کا بھی مصلح ہے۔ جس چیز میں ملا دیا جائے اس کا مصلح ہے۔ یہاں تک کہ سونے اور چاندی کا بھی مصلح ہے۔ اس میں وہ قوت ہے کہ سونے کی زردی اور چاندی کی سفیدی میں اضافہ کرتا ہے یہ عفونت کو دور کرتا ہے۔ اسے سرمے کے طور پر لگایا جائے تو آنکھ کے زائد گوشت کو زکال دیتا ہے۔ قروح (زخم) خبیثہ کو پھیلنے سے روکتا ہے۔ دانت کی حفاظت کرتا اور اس کی بدبودار کرتا ہے۔ مسوڑھے کو مضبوط کرتا ہے۔ بے شمار فوائد کا حامل ہے۔

# حرف النون والہاء

**نخل (کھجور)** | قرآن میں متعدد مواقع پر اس کا ذکر آیا ہے۔  
 صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں خوشہ، نخل لایا گیا۔ آپ نے فرمایا ”درختوں میں ایک درخت ایسا ہے کہ مرد مسلمان اس کے پائندہ ہے جس کے پتے نہیں بھڑتے، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟۔  
 لوگ دوسرے درختوں کا نام لینے لگے، میراجی چاہا کہ عرض کر دوں، یہ نخل ہے لیکن حاضرین میں سب سے کم سن میں ہی تھا خاموش رہا، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ ”نخلہ“ ہے پھر یہ بات میں نے عرض سے کی، انہوں نے فرمایا، اگر تم نے کہہ دیا ہوتا تو تم فلاں فلاں سے مجھے عزیز ہوتے۔  
 اس حدیث سے متبادر ہوتا ہے کہ:

- - عالم، اگر چاہے تو مسائل کو اپنے اصحاب کے سامنے امتحان اور تربیت کے طور پر پیش کر کے جواب طلب کر سکتا ہے۔
- - حرب الامثال اور تشبیہ سے کام لیا جاسکتا ہے۔
- - اپنے اکابر کے مقابلہ میں صحابہ کا ادب، خاموشی، شرم۔
- - بیٹے کی قوت فہم پر باپ کی خوشی۔
- - بیٹے کے لیے جائز ہے کہ اگر کوئی چیز اسے معلوم ہے تو باپ کی موجودگی



میں بیان کر دے خواہ اس کا باپ اسے نہ جانتا ہو، یہ سوء ادب نہیں ہے۔  
 ● - مرد مسلمان کی مشابہت نخلہ سے اس کی کثرت جڑ، طیب ثمر، اور دائمی  
 طور پر سایہ افگنتی۔

● - نخلہ کو ہر حالت میں خواہ وہ خشک ہو، تر ہو، پکی ہو کچی ہو اور پچی  
 ہو رگڑا کھایا جاتا ہے، وہ غذا، دوا، شیرینی، شراب، اور پھل ہے۔

یہ دوسرے درجہ میں گرم خشک ہے۔ اس کی جڑ زخم کو مند مل کرتی ہے  
زکسے خواہ اتنا گہرا ہو کہ پھٹوں تک پہنچ گیا ہو، اس میں قوت عنالہ بالیہ  
 ہوتی ہے۔ اگر اسے پکا کر اس کا پانی پیاجائے یا اسے کھایا جائے تو یہ قمر معدہ کی  
 رطوبت جذب کر لیتا ہے۔ یہ زکام بارو میں فائدہ بخش ہے، دماغ کے سڈے  
 کھولتا ہے۔

اس کا مزاج انقلاب موسم کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ موسم سرما میں یہ سرہ  
صندبا تر ہے۔ موسم گرما میں گرم خشک، ربیع و خریف میں معتدل، یہ بقرس  
 کا مرض دور کرتا ہے۔ آنکھ کے درم کو نافع ہے۔ اس کی جڑ اور پتیوں کا اگر لپ  
 بچھو کے ڈنک زدہ مقام پر کیا جائے تو فائدہ دیتا ہے۔ معدہ کو قوی کرتا ہے جگر کے  
 سڈے کھولتا، درد جگر کو مفید ہے، اس کا افشردہ، یرقان، سردی کو فائدہ  
 دیتا ہے۔ اس کی قوت تریا قیہ ہرقم کے زہر کا ٹوڑ ہے۔

# حرف الواو وحرف الیاء

**قرس** | ترمذی نے اپنی جامع میں زید بن ارقمؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تیوں اور درس کو ذات الجنب کے لیے مفید بتایا ہے۔

ابو حنیفہ لغوی کہتے ہیں کہ درس کی کاشت ہوتی ہے، یہ خود رو نہیں ہے ارض عرب کے سوا میں نے اسے کہیں اور نہیں دیکھا، اور ارض عرب میں بھی بلا دین کے سوا کہیں نہیں پایا جاتا۔

سطح بدن پر جو دانے ابھرتے ہیں ان میں بھی یہ مفید ہے اگر اس کا طلا مالش کیا جائے۔

**وسمہ** | یہ بیل کی پتی ہے، بالوں کو سیاہ کرتی ہے۔ یہ لفظ کدو کے لیے بولا جاتا ہے۔ اگرچہ لفظین زیادہ عام ہے۔ انروئے لذت یہ ہر اس درخت پر بولا جاتا ہے جو تنے پر قائم نہ ہو، جیسے خرپوزہ، تربوزہ، کدو، لکڑی وغیرہ، قرآن مجید میں جس ”شجر لقیطن“ کا ذکر آیا ہے اس سے مراد کدو کی قسم کی نباتاتی بیل ہے۔ اس پھل کو کدو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سیحین میں انس بن مالکؓ کی حدیث ہے کہ خیاط نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی میں بھی آپ کے ساتھ گیا۔ آپ کے سامنے جو کی روٹی اور

۱۰ ایک قسم کا گھاس ہے جو رنگائی کے کام آتی ہے۔ یہ تیل کی طرح ہوتی ہے۔

شور با پیش کیا گیا جس میں کدو، اور گوشت تھا میں نے دیکھا آپ کدو چن چن کر کھا رہے تھے، اس دن سے میں کدو کو بہت مرغوب رکھنے لگا۔

یقیناً سروتز ہے، اس میں غذائیت ہے، جلدی سے معدہ میں اتر جاتا ہے اگر قبل از مضم فاسد نہ ہو جائے، اس سے خلط محمود پیدا ہوتی ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ خلط محمود پیدا کرتی ہے۔

گرم مزاج والوں کے لیے زیادہ مفید ہے۔ سرد مزاج والوں کے لیے مناسب نہیں۔ اس کا پانی تشنگی کو دور کرتا ہے اور درد سر کو اگر وہ گرمی سے ہو دفع کرتا ہے۔ معدہ میں اگر اس کا سابقہ کسی خلط روی سے پر جائے تو خلط روی پیدا کرتا ہے۔ اس کی مفرت سرکہ سے دور کی جاسکتی ہے۔ یہ بہت لطیف اور ترلح الہ نفعال غذا ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اکثر تناول فرمایا کرتے تھے۔

---

# خطرات سے متعلق طبی ہدایتیں

اب یہ حصہ طب ختم کرنے کے لیے ایک مختصر لیکن عظیم النفع فصل محاذِ خطرات میں اور طبی ہدایتوں سے متعلق ذیل میں درج کرتا ہوں۔ ابن ماسویہ نے کتاب المحاذیر میں ایک فصل اس موضوع پر لکھی ہے۔ میں وہی درج کر رہا ہوں۔

اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرو | ابن ماسویہ نے لکھا ہے کہ جس نے مسلسل چالیس روز تک پیاز کھایا، اور اس کے چہرے پر چھائیاں پڑ گئیں، وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جس نے فصد کھلوائی، پھر فوراً کھانا کھالیا، اسے اگر خارش کی شکایت ہو جائے، تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جو حمام میں داخل ہو، اور اس کی نبض میں امتلا ہو، اسے اگر فالج ہو جائے تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جس نے اپنے معدے میں دودھ اور نچلی کو جمع کر لیا، اسے اگر جذام، یا برص یا نقرس کی شکایت لاحق ہو جائے تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جس نے اپنے معدے میں دودھ اور نمبذ کو جمع کر لیا اور اسے برص یا نقرص کا مرض ہو گیا تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جسے اختلام ہو گیا، اور غسل نہیں کیا، پھر بیوی سے مباشرت کرنی، اسے کا بیٹا اگر پاگل پیدا ہو تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔



• جس نے رات کو آئینہ دیکھا، اور لقوے میں مبتلا ہو گیا، یا کوئی اور بیماری ہو گئی تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

**بقراط کا قول** | کو دائمی بنانا ہے بعض حکماء کا قول ہے جو صحت چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی غذا کھائے جب بھوکا ہو تب کھائے۔ جب پیاسا ہو تب پیئے، اور پانی زیادہ نہ پیئے۔ رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کرے۔ دن کے کھانے کے بعد قیلوہ کرے، بوڑھے جانور کا گوشت نہ کھائے، دوا اسی وقت استعمال کرے جب بیمار ہو۔ پھل پکا ہوا کھائے۔ لقمے چبا چبا کر کھائے، جب پیشاب ملے تو نہ روکے، کھانے پر کھانا نہ کھائے۔ ہر ہفتہ قے کر کے تنقیہ جسم کرے۔ غسل کی عادت ڈالے، کثرت جماع سے پرہیز کرے۔

**بیمار ڈالنے والی چار چیزیں** | (۱) کلام کثیر، (۲) جماع کثیر، (۳) نوم کثیر، (۴) اکل کثیر، چار چیزیں جو جسم کا ناکارہ بنا دیتی ہیں، (۱) حزن و غم، (۲) جوع و بھوک، (۳) گرم (پریشانی)، (۴) رات کا زیادہ جاگنا۔

# آنحضرت ﷺ کے احکام و قضایا

## آپ کا اصول اور معمول احکام جزئیہ کے نفاذ میں

اس باب میں ہم تشریح عام کا ذکر نہیں کریں گے۔ اگرچہ آپ قضایائے خاصہ بھی تشریح عام ہی کی حیثیت رکھتے تھے، مقصد صرف یہ ہے کہ احکام جزئیہ میں آپ کے اصول و معمول کا ذکر کیا جائے کہ آپ کس طرح خصوم کا فیصلہ فرماتے تھے، اور لوگوں کے مابین اجرائے احکام کے سلسلہ میں آپ کا طرز کار کیا تھا؟

غلام کو عمدراً یا غلطی سے قتل کرنے کی سزا | اور زامی عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے بواسطہ جد

روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے جان بوجھ کر اپنے غلام کو قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سو کوڑے لگائے۔ سال بھر کے لیے جلا وطن کر دیا اور حکم دیا کہ ایک غلام آزاد کرے یہ امام احمد نے سمرہ سے حسن کی حدیث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا، جو اپنے غلام کو قتل کرتا ہے ہم اسے قتل کی سزا دیتے ہیں۔ حسن کہتے ہیں کہ غلام کا قاتل امام کے سامنے پیش کیا جائے گا، اور وہ جو فیصلہ مناسب سمجھے لگا کرے گا۔

---

۱۔ یہ کوئی مخصوص صورت تھی، ورنہ قتل عمد کی سزا قتل ہے، خواہ مقتول غلام ہو، یا

ایک یہودی کو عبرت انگیز سزا | صحیح بخاری اور مسلم سے ثابت ہے کہ ایک  
سے کچل کر ریزہ ریزہ کر دیا، تاکہ اس کے زیور پر قبضہ کر لے، وہ پکڑا گیا اور آپ  
کے سامنے پیش کیا گیا کہ اس نے اقرار جرم بھی کر لیا، آپ نے حکم دیا کہ دو پتھروں  
سے اس کا سر بھی کچل دیا جائے۔

اس حدیث سے جو امور ثابت ہوتے ہیں یہ ہیں۔

● عورت کے قاتل کو سزائے قتل :

● مجرم کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جس میں وہ خود ماخوذ ہو۔

● سزائے قتل میں اذن دلی کی ضرورت نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے اسے مقتول کے اولیاء کے حوالے نہیں کیا، نہ ان سے یہ فرمایا کہ اگر چاہو  
تو اسے قتل کرو، چاہو معاف کر دو، بلکہ اسے قتل کر دیا۔ امام مالک کا بھی یہی مذہب  
ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

جنین کا تاوان، اور قتل خطا کی ویت | صحیحین میں روایت درج ہے کہ  
ہذیل کی دو عورتوں نے ایک دوسری

پر سنگ باری کی، جس سے ایک عورت قتل ہو گئی، اور اس کا جو بچہ پیٹ  
میں تھا، ہلاک ہو گیا۔ اس مقدمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین  
کے لیے تاوان کا حکم دیا۔ اور مقتولہ کی ویت قاتلہ کے عصیہ سے دلوائی۔

حضرت علیؑ کا ایک عجیب فیصلہ | امام احمد اور بزاز وغیرہ نے ذکر کیا ہے  
کہ یمن میں ایک جماعت نے ایک کنواں

کھودا، اس میں ایک آدمی گرتے گرتے اس نے دوسرے کو، دوسرے نے تیسرے  
کو، تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا، چاروں کنوئیں میں گر پڑے، اور  
مر گئے۔

ان لوگوں کے اولیاء نے حضرت علیؑ کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا۔ انہوں

نے ان لوگوں کو طلب کیا، جنہوں نے کنواں کھودا تھا، اور فیصلہ کیا کہ پہلے کی چوتھائی ویت ہوگی، اس لیے کہ اس نے اپنے اوپر کے تین آدمیوں کو ہلاک کیا دوسرے کی ایک تہائی ویت ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنے اوپر کے ایک آدمی کو ہلاک کیا۔ اور ہوتے کی پوری ویت ہوگی۔

دوسرے سال یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سارا ماجرا کہہ سنایا، آپ نے فرمایا علیؑ کا فیصلہ درست ہے۔

امام احمد اور  
انسان وغیرہ

**محرمات سے شادی کرنے والا، سزائے قتل کا مستحق ہے**

نے براہ بن عاذب رضی اللہ عنہ کی روایت درج کی ہے وہ کہتے ہیں میں اپنے خالو حضرت ابو براہؓ سے ملا، تو دیکھتا کیا ہوں ان کے ہاتھ میں ایک ٹھنڈا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی عورت سے شادی کر لی ہے کہ اسے قتل کر دوں اور اس کا مال ضبط کروں۔ ابن ابی خثیمہ نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث درج کی ہے جسے معاویہ بن قرہؓ نے اپنے والد سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے پاس بھیجا جس نے اپنے باپ کی عورت سے شادی کر لی تھی۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اور اس کا مال ضبط کر لیا۔

یحییٰ بن مجلیس کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جو عورت کے ساتھ مجامعت کرے اسے قتل کر دو“

جو زبانی نے ذکر کیا ہے کہ حجاج کے سامنے ایک آدمی پیش کیا گیا جس نے اپنی بہن کو اپنے لیے حلال کر لیا تھا، حجاج نے حکم دیا اسے قید کر دو، اور یہاں سے



جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان سے مسئلہ دریافت کرو، چنانچہ عبد اللہ بن مطرف رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا! ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو محرمات کے ساتھ بد فعلی کا ارتکاب کرے، اس کے تلوار سے دو ٹکڑے کر دو۔“ امام شافعیؒ مالکؒ اور ابو حنیفہؒ ایسے شخص کے لیے وہ سزا تجویز کرتے ہیں جو زانی کی ہے۔

تناخیر قصاص زخم مجروح کا مندل ہونے تک | سنن دارقطنی میں جابر مروی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جراح سے اس وقت تک تاوان لیتے سے منع فرمایا ہے جب تک مجروح کا زخم سمنڈل نہ ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ زخم جب تک مندل نہ ہو جائے یا سربت مستقرہ کی صورت نہ اختیار کرے قصاص لینا درست نہیں ہوگا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ ضرب کا قصاص ہے، خواہ وہ ضرب ڈنڈے سے لگائی گئی ہو یا کسی اور چیز سے۔

نیز یہ کہ اگر مضروب قصاص کی جلدی کرے پھر اس کے بعد اس کا زخم سربت اختیار کرے، یعنی ایک عضو سے دوسرے عضو تک پہنچ جائے، تو پھر قصاص لے چکنے کے بعد اس سربت کی الگ سے کوئی سزا نہیں ملے گی، قصاص کافی سمجھا جائے گا۔ اب امام کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ مجرم کو قید کرے، یا کوئی اور سزا دے۔ جمہور کا قول ہے کہ قصاص عقوبتِ رائدہ سے محفوظ کر دیتا ہے۔ اس کی مثال حد کی طرح ہے۔ اگر کسی آدمی پر حد جاری کر دی گئی تو اب وہ عقوبت دیگر کا سزاوار نہیں۔

مخاصی کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک قسم وہ ہے جس کے لیے حد مقرر ہے، تو اب اس حد کے ساتھ کوئی

دوسری تعزیر نہیں دی جائے گی۔“

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے لیے نہ کوئی حد مقرر ہے، نہ کفارہ، اس صورت میں امام تعزیر کا فیصلہ کرے گا۔

۳۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں کوئی حد تو نہیں مقرر ہے لیکن کفارہ ہے، جیسے احرام یا روزے کی حالت میں بیہوشی سے جماعت کر لے، اس صورت میں کفارہ لیا جائے گا، تعزیر نہیں ہوگی۔

گھر میں تاک جھانک کرنے والے کی سزا | صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص بغیر اذن کسی کے گھر میں جھانکتا ہے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے، تو اس کی کوئی دیت (تاوان) نہیں ہے۔ نہ قصاص ہے۔ فقہائے حدیث، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا فتویٰ یہی ہے، لیکن امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ کا یہ مسلک نہیں ہے۔

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند احکام و قضایا

ذیل میں آپ کے چند اور احکام و قضایا، متفرق مسائل کے سلسلے میں درج کیے جاتے ہیں۔

مقتول کی ویت کیا ہے | اہل سنن اربعہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی ہے کہ ایک آدمی قتل کر دیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ویت بارہ ہزار مقرر کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر خطبہ دیتے ہوئے اعلان فرمایا، کہ چونکہ اونٹ گراں ہو چکے ہیں، لہذا ان کے بدلے میں بارہ سو دینار، اہل زہرہ، اور بارہ ہزار درہم اہل سیم پر عاید ہوں گے، البتہ جو گائے دے سکیں وہ دو سو گائے دیں، جو بکری دے سکیں وہ دو ہزار بکریاں دیں، جو عٹے دے سکیں، وہ دو سو عٹے دیں نیز اہل ذمہ کی ویت ترک کر دی جائے۔

۱۰: مقتول کی ویت تسواونٹ ہے۔

۱۱: حملہ اعضاء انسانی مثلاً، ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ کی الگ الگ ویت بھی ہے۔

۱۲: جیسے اشرفی اور روپیہ، کہ ایک سونے کا سکہ ہے، ایک چاندی کا۔

معاهد کی دیت کیا ہے؟ اہل سنن اربعہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی دیت، نصف دیت لے مقرر فرمائی ہے۔ ابن ماجہ سے اسی طرح کی حدیث میں اہل کتاب میں یعنی یہود و نصاریٰ کے لیے اتنی ہی دیت مقرر کی گئی ہے۔ اس بارے میں فقہاء کا باہم اختلاف ہے۔

امام مالک کہتے ہیں کہ کسی معاہدہ کو اگر کوئی مسلمان قتل کر دے، تو مسلمان کی دیت سے نصف دیت دی جائے گی، خواہ یہ قتل غلطی سے ہو یا عمداً، امام احمد فرماتے ہیں کہ مسلمان نے اگر معاہدہ کو عمداً قتل کیا ہے تو اس کی دیت اتنی ہی ہوگی۔ مبتنی ایک مسلمان کی ہوتی ہے۔ اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو ایک قول کے مطابق مسلمان سے نصف، اور دوسرے قول کے مطابق ایک تنہائی دیت دینا ہوگی۔

امام شافعی کا ارشاد ہے کہ قتل خواہ غلطی سے کیا ہو یا جان بوجھ کر ایک تنہائی دیت واجب ہوگی۔

باقی حاشیہ صفحہ ۵۹۳ کا! لے! ویت، یا خراج، یا جزیہ، اگر یہ صورت نقد نہ دیا جائے تو بہ صورت پارچہ بھی لیا جاسکتا ہے۔

لے! لیکن معمول بہ اور متفق علیہ مسلک یہ ہے کہ ذمی کی ویت بھی ہوگی، اختلاف جو کچھ ہے وہ مقدار میں ہے۔

لے! معاہدہ شرع کی اصطلاح میں اس غیر مسلم کو کہتے ہیں جو از روئے معاہدہ سلامتی جان و مال خود، مسلمانوں کے ملک میں ان کی حکومت کے زیر سلاہ زندگی بسر کرے۔ متعدّد احادیث صحیحہ میں معاہدہ پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کو عذاب شدید کی وعید دی گئی ہے۔

لے! آزاد مسلمان۔



امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ جب قصاص کا اصول دونوں میں (یعنی مسلم اور غیر مسلم میں) جاری ہے، تو رویت بھی مساوی ہوگی، لہٰذا

لہٰذا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کا قول بھی، انفرادی حیثیت سے نہیں ہے، وہ بہر حال کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہے، بلکہ ہر ایک کا معیار اور قبول جدا ہے، اور درحقیقت یہیں سے اختلاف و نزاع کی صورت پیدا ہوتی ہے، ویت، یعنی خون بہا کے سلسلے میں، جو اختلافی اقوال ائمہ اربعہ کے اوپر گزرے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہی ہیں، ہر امام کا مسلک اس خیر یا اثر پر مبنی ہے، جو اس کے نزدیک زیادہ صحیح اور قابل قبول ہے، یہی صورت امام ابو حنیفہ کے ساتھ بھی ہے، لیکن چونکہ وہ لفظ کے ساتھ مغز و معنی پر غور کرتے ہوئے، قیاس سے بھی کام لیتے ہیں، اسی لیے بالعموم ان کے اقوال زیادہ ذہنی اور محکم نظر آتے ہیں۔

# جرم زنا کا اقرار اور اس کی سزا

## ایک زانی مرد اور ایک زانیہ عورت کا واقعہ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ ایک شخص جس نے اسلام قبول کر لیا تھا بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے زنا کا اعتراف کیا، بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، یہاں تک کہ چار مرتبہ اس نے اپنے خلاف گواہی دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا۔

”وہ آیا تو پاگل ہے!“

اس نے عرض کیا، ”نہیں، اے!“

”آپ نے پوچھا، کیا تیری شادی ہو چکی ہے؟“

اس نے اعتراف کیا، ”جی ہاں!“

اب آپ نے اسے وہیں مسجد میں سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ وہ سنگسار کیا

گیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خیراً“، پھر اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اقراری مجرم سے استفسار | بخاری اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا!  
تمہارے بارے میں مجھے جو خبر ملی ہے کیا وہ صحیح ہے؟  
اس نے پوچھا،

میرے بارے میں آپ کو کیا خبر ملی ہے؟  
آپ نے ارشاد فرمایا،

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے نلاں قلیبہ کی ایک باندی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا ہے۔“

اس نے کہا، جی ہاں یہ سچ ہے،!

پھر اپنے خلاف چار مرتبہ شہادت دی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پاس بلایا، اور پوچھا،  
”کیا تو پاگل ہے،!“

اس نے جواب دیا، ”نہیں ہاں،“

آپ نے پوچھا، ”کیا تیری شادی ہو چکی ہے؟“

اس نے اقرار کیا، ”جی ہاں،!“

پھر آپ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

اقراری مجرم کو جرم زنا کی تحریم سے واقف ہونا چاہیے | ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے

اس کی شہادت لینے کے بعد اس سے پوچھا،

کیا تو جانتا ہے زنا کیا ہے؟

اس نے جواب دیا، ————— ”جانتا ہوں، میں نے اس باندی کے ساتھ

وہ فعل حرام کیا ہے جو ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے تو حلال ہوتا ہے،!“

آپؐ نے پوچھا، ”یہ کہنے سے تیرا مطلب کیا ہے؟“  
اس نے جواب دیا۔

”میں چاہتا ہوں آپؐ مجھے پاک کر دیں“  
چنانچہ آپؐ نے حکم دیا، اور وہ سنگسار کر دیا گیا،  
صحیح مسلم میں ہے کہ غادیہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی  
ایک زانیہ کا واقعہ اس نے کہا۔

یا رسول اللہؐ میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔“  
آپؐ نے اسے واپس کر دیا، دوسرے دن وہ پھر حاضر ہوئی اور کہنے لگی،  
یا رسول اللہؐ، زنا سے، میں خدا کی قسم حاملہ بھی ہوں،!  
آپؐ نے فرمایا، ”ابھی جاؤ، جب بچہ جن لینا تب آنا،!“  
جب اس نے بچہ جن لیا، تو پھر حاضر خدمت ہوئی، بچہ ایک کپڑے میں  
لپیٹا ہوا تھا کہنے لگی،

”یہ ہے جسے میں نے بنا ہے،!“  
آپؐ نے فرمایا ”واپس جاؤ اسے دودھ پلاؤ، جب اس کے دودھ پینے کی  
مدت ختم ہو جائے تب آنا،!“  
جب دودھ پلانے کی مدت ختم ہو گئی، تو پھر بچہ لے کر حاضر ہوئی، بچہ کے  
ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا، وہ عرض گزار ہوئی۔

یا بنی اللہؐ، میں نے اس کا دودھ بڑھا دیا، اب یہ کھانا کھانے لگا ہے،“  
آپؐ نے وہ روٹی کا ایک مسلمان کو دے دیا، پھر آپؐ کے حکم سے ایک گڑھا کھودا  
گیا جو سینہ تک تھا، پھر آپؐ نے حکم دیا، اور لوگ اس پر پتھر پھینکنے لگے، خالد  
بن ولیدؓ نے بھی ایک پتھر اس کے سر پر پھینچ مارا، جس سے خون کے پھنیٹے اڑے  
ان کے منہ پر لگے، خالدؓ نے اسے گالی دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
خالدؓ سے کہا،



وہ اے خالد ٹھہرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس عورت نے وہ توہم کی ہے کہ کیسا ہی گنہگار البیسی تو بہ کرتا تو وہ قبول کر لی جاتی،! پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہ دفن کر دی گئی۔

غیر شادی شدہ زانی کی سزا صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ زانی کے لیے حد سنو کوڑے جاری کرنے کی سزا تجویز فرمائی۔ اور سال بھر کے لیے جلا وطنی کا حکم دیا۔  
فضلے رسول سے احکام و مسائل مستنبطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان قضایا سے جو امور

ثابت ہوتے ہیں یہ ہیں!

۱۔ حدود کا نفاذ مسجد میں بھی ہو سکتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی آزاد شادی شدہ شخص کسی باندی سے زنا کرے تو بھی سنگسار کیا جائے گا،

۳۔ شادی شدہ شخص کی سزائے زنا سنگساری ہے۔

۴۔ زانی جبت تک چار مرتبہ اقرار جرم نہ کرے، سنگسار نہیں کی جائے گی۔

۵۔ اگر چار مرتبہ اقرار نہ کرے، دو یا تیس مرتبہ کرے، تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ کیونکہ نصاب اقرار کی تکمیل نہیں ہوئی، امام کو چاہیے کہ اس سے اعراض کرے، اور عدم تکمیل اقرار کے باعث اس کو مانو نہ کرے۔

۶۔ بالکل، یا نشہ میں دھت شخص کا اقرار لغو ہے، اس پر اعتبار نہیں ہے

کیا جائے گا، اس طرح اس کی طلاق، عتاق، قسم، اور وصیت بھی غیر معتبر ہے۔

۷۔ امام کے لیے انسب یہ ہے کہ اقرار زنا کرتے والے کو، عدم اقرار پر سائل کرے۔

۸۔ جو شخص تخریم زنا سے لاعلم ہے اس پر حد جاری نہیں ہوگی، کیونکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی سے حکم زنا کے بارے میں پوچھا تھا۔ اور اس نے

جواب میں کہا تھا میں نے اس باندی کے ساتھ وہ فعل حرام کیا ہے، اگر شوہر

بیوی کے ساتھ کرے تو حلال ہوتا ہے۔

:- حاملہ عورت پر حد جاری نہیں ہوتی، جب تک وہ بچہ نہ جنم لے، اسے پوری مدت تک دودھ نہ پلائے،

:- اہل محاصی پر تائب ہونے کے بعد سب و شتم ناجائز ہے۔

:- حد زنا میں جو فتنی ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

: زنا کا اقرار کرنے والا، اگر اثناء حد میں بھاگ جائے، تو چھوڑ دیا جائے۔ اور حد پوری نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ فرار یا تو اقرار زنا سے رجوع ہے، یا تکمیل حد سے قبل تو یہ ہے، اب اس پر حد جاری نہیں ہوگی، ہماری شیخ ابن تیمیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

:- کوئی شخص اگر اقرار کرتا ہے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا ہے، تو اس پر حد تذف (تہمت) جاری نہیں ہوگی، زنا کی حد جاری ہوگی۔ :- عورت کو جلا وطنی کی سزا نہیں دی جائے گی۔

---

# لواطت

## وضع خلاف فطرت کی عبرت انگیز سزا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی قبیلہ لواطت (اعلام) کے بارے میں ثابت نہیں ہے، کیونکہ یہ عرب میں رائج نہیں تھی، لہذا ایسا کوئی مقدمہ آپ کے سامنے پیش نہیں ہوا، لیکن یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

”فاعل اور مفعول کو قتل کر دو،!“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ حکم نافذ کیا، اور صحابہ سے مشورہ کے بعد خالد بن ولید کو فرما دیا،

بھیج دیا،

ابن قسّار اور ہمارے شیخ ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ صحابہ کا لواطت کرنے والے کو قتل کر دینے کے بارے میں مکمل اتفاق ہے اگرچہ کیفیت قتل میں اختلاف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ اسے قتل کر دو!“

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جو کسی جانور کی ساتھ بد فعلی کرے اسے

اور جانور، دونوں کو قتل کر دو۔

اور یہ حکم، حکم شارع کے عین موافق ہے، کیونکہ محرمات جتنے غلبہ ہوں

گے، سزا بھی اتنی ہی سخت ہوگی، وہ مجامعت جو کسی حالت میں جائز نہیں

ہے۔ اس مجامعت سے کہیں زیادہ سنگین ہے، جو بعض احوال میں جائز ہے۔

سلف کا اس بارے میں اختلاف ہے، حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،  
اس کی حد، زانی کی حد ہے، ابو سہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، وہ ہر حال میں قتل  
کیا جائے گا۔ ۱

۱۔ وضع خلاف فطرت بہت بڑا سماجی گناہ ہے، ان افعال کا ارتکاب کرتے والے  
جتنے بے جیا ہوتے ہیں کوئی نہیں ہو سکتا، لہذا سزا بھی اتنی ہی سنگین ہوتی ہے  
چاہیے، جتنا سنگین جرم ہے۔  
بعض لوگ لواطت کو جرم نہیں سمجھتے، یا سمجھتے ہیں تو بہت ہلکا، لیکن اخلاقی  
طبی، ہر اعتبار سے یہ بہت بڑا جرم ہے، فاعل کے لیے بھی اور مفعول کے لیے  
بھی، اس کے ارتکاب سے نہ صرف سماج میں گندگی پیدا ہوتی ہے بلکہ فطرت بھی  
مسخ ہو جاتی ہے، اللہ نے انسان میں قوت رجولیت اس لیے پیدا کی ہے۔  
اور ہذب شہوانی کا مقصد یہ ہے کہ توالد و تناسل کا سلسلہ قائم رہے، یہ جذبہ اس  
لیئے نہیں ہے کہ انسان جانور بن جائے، بلکہ جانور بھی اس فعل شیفہ کا ارتکاب  
نہیں کرتے۔

لہذا اگر غور کیا جائے تو اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس جرم کی سزا انتہائی سنگین  
ہونا، مصلحت ملی و عمومی پر مبنی ہے۔



# زنا کا اقرار و انکار

اقراری زانی پر حد جاری ہوگی منکر عورت سے ساقط

اگر کسی شخص نے معیث اور مخصوص عورت کے ساتھ زنا کا اعتراف کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر زنا کی حد جاری فرمائی۔  
چنانچہ سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت کر لیا، اس نے ارتکاب زنا سے صاف انکار کر دیا۔

اُپ تے مرد پر کوڑے کی حد جاری کرادی، اور عورت کو نرا نہیں دی۔  
اس حکم سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ اقرار زنا کے بعد، مرد پر حد جاری ہو جائے گی، اگرچہ عورت نے اسے جھٹلایا کیوں نہ ہو۔ — امام ابو حنیفہ، اور امام ابو یوسف کا مسلک یہ ہے کہ مرد پر بھی حد جاری نہیں ہوگی۔

دوسرے یہ کہ مرد پر حد قذف (تہمت) جاری نہیں ہوگی۔  
باقی رہی سنت ابو داؤد کی روایت کہ ایسے موقع پر اُپ تے حد زنا کے ساتھ حد قذف بھی جاری کی تو نسائی کہتے ہیں یہ حدیث منکر ہے۔

لہٰذا یہ اقرار زنا کرنے والا شخص شادی شدہ نہیں تھا، اسی لیے سنگسار نہیں کیا گیا۔

# حَدِّ قَذْف

## ارتداد اور شراب نوشی کی سزائے شرعی

آسمان سے حضرت عائشہؓ کی جب تہمت سے برأت نازل ہوئی، تو اس جرم میں آپؐ نے دو آدمیوں اور ایک عورت کو سزائے تازیانہ دی، وہ دو مرد تھے جسّان بن ثابتؓ اور مسطح بن اثاثہؓ، ابو جعفر ثقیلی کا قول ہے کہ عورت کا نام جمنہ بنت محش تھا۔

مرتد کی سزا | آپؐ نے مرتد کے لیے قتل کی سزا کا حکم دیا، ارتداد کی سزا کا حکم دیا، ارتداد کی سزا اور عورت دونوں پر یکساں جاری ہوگی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک عورت ام قرفہ کو سزائے قتل دی، جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئی تھی۔ ۱۷

شرابی کی سزا | آپؐ شرابی کو لکڑی سے بھی پٹوایا، اور جوتے سے بھی، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کا عمل ثابت ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ آپؐ نے شرابی کو انسی کوڑے لگوائے۔

۱۸ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے، چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ”ہدایہ“ میں مرتد کے لیے سزائے قتل نہیں ہے۔

در حقیقت سزائے قتل ان مرتدوں کو دی گئی جو اسلام سے منحرف ہو کر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی منرا ثابت نہیں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابی کو چالبیس کوڑے لگوائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی یہی منرا دی، حضرت عمرؓ نے اسے دونوں کا مجموعہ اسی کوڑے نافذ کیا۔

اُپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس جرم کے چوتھی یا پانچویں مرتبہ ارتکاب کے بعد اُپ نے منرائے قتل دی۔

اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے بلکہ

شرابی کو حسب مصلحت منرائے قتل دی جاسکتی ہے | ایک قول یہ ہے کہ یہ منرا منسوخ

ہو چکی ہے، اس کی ناسخ عبداللہ بن حمار کی حدیث ہے کہ وہ بار بار جرم شراب نوشی میں ماخوذ ہو کر اُپ کی خدمت میں پیش کیے گئے، ہر مرتبہ اُپ نے منرائے تازیانہ دی، منرائے قتل کبھی نہیں دی۔

ایک قول یہ ہے کہ قتل ایسی تعزیر ہے جو حسب مصلحت روادھی جاسکتی ہے۔

# پہچور کی سزا

## قطع ید کا نصاب اور اس سے متعلق مباحث

آپؐ نے تین درہم کی چوری تک چور کے ہاتھ کٹوائے، آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ چار دینار سے کم کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹنے چاہئیں، آپؐ سے صحیح طور پر مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا چار دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ لو، اس سے کم کی چوری پر مرت کاٹو۔ اے،

اُچھے اور خائن کے لیے قطع ید نہیں | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے سا قطر فرمادیا۔ خائن سے مراد، خائن و راجت ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمدؑ بھی چوری کرے تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دوں گا۔ اے،

کھجور کے چور کا حکم | کھجور کے چور سے آپؐ نے قطع ید کی نرا سا قطر فرمادی، اور فیصلہ کیا اگر ان کے منہ میں کچھ پائی جائے، تو وہ محتاج ہے۔ اس پر کوئی سزا نہیں ہے، اور جس نے ڈال سے توڑ اس سے دو گنا تاوان لیا جائے گا۔ اور سزا دی جائے گی، اور جس نے کھیمان سے چوری کی اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، بشرطیکہ مالیت نصاب ایک ترکش کی قیمت کے برابر ہو۔

بکری چرانے کی سزا | چراگاہ سے کوئی شخص بکری چرالے تو اسے دو گنی قیمت بکری چرانے کی سزا | دینی پڑے گی۔ البتہ کسی نے اگر بکری کی چوری اس کی



چوری اس کی بیٹھک سے کی تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، بشرطیکہ وہ مالیت نصاب کے برابر ہو،

مقدمہ پیش کرنے کے بعد واپس نہیں لیا جاسکتا | صفوان بن امیہ کی چادر جب وہ مسجد میں سو رہے تھے، ایک شخص نے چرائی، آپ نے اس کے لیے قطعید کی سزا کا فیصلہ کیا، صفوان نے کہا میں یہ چادر اسے ہبہ کرتا ہوں۔ اسے معاف کر دیجیے آپ نے فرمایا،

”میرے پاس شکایت لے کر آنے سے پہلے تم یہ رہبہ کر سکتے تھے، (اب نہیں!) جو شخص خود چوری کا اقرار کر لے | ابن ماجہ کی روایت ہے کہ ایک شخص چوری نے چوری کا اعتراف کر لیا، لیکن اس کے پاس کچھ مال (چوری کا) نہیں پایا گیا، آپ نے فرمایا!

”میں نہیں خیال کرتا کہ اس نے چوری کی ہوگی!“

لیکن لازم نے کہا، ”میں نے چوری کی ہے!“

جب دو یا تین مرتبہ اس نے چوری کا اقرار اعدہ سوال کے بعد کر لیا تو آپ نے قطعید کا فیصلہ فرمایا۔

اسی طرح ایک اور شخص چوری کے الزام میں آپ چوری کا ایک اور اقرار مجرم | کے سامنے لایا گیا، آپ نے فرمایا۔

”میں نہیں خیال کرتا کہ اس نے چوری کی ہوگی!“

لیکن اس شخص نے اعتراف کر لیا،

آپ نے فرمایا، اسے لے جاؤ اور اس کے ہاتھ قطعید کر دو، پھر اس کا علاج کرو اس کے بعد میرے پاس لاؤ!

چنانچہ اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں پیش

کیا گیا، آپ نے اس سے فرمایا،  
خدا سے توبہ کرو،!

اس نے کہا، ”میں خدا سے توبہ کرتا ہوں،!  
آپ نے فرمایا، ”خدا نے تیری توبہ قبول کر لی،!“

جن لوگوں پر چوری کی تہمت لگائی جائے ان کا حکم | ابو داؤد نے ازہرنی  
عبداللہ کی روایت  
درج کی ہے کہ ایک جماعت کا کچھ مال چوری ہو گیا، ان لوگوں نے بعض جولاہوں پر چوری  
کی تہمت لگائی، اور صحابی رسولؐ نعمان بن بشیرؓ کے پاس شکایت لے کر حاضر ہوئے  
انہوں نے چند روز تک ان جولاہوں کو قید رکھا، پھر راکہ دیا، شکایت کرنے والے  
نعمان کے پاس آئے، اور کہا۔

”آپ نے بغیر مارے پیٹے اور سزا دیئے ان لوگوں کو چھوڑ دیا؟“  
نعمانؓ نے کہا! ”تم کیا چاہتے ہو کہ میں انہیں سزائے ضرب دوں، تو ایسا جب  
ہوگا کہ ان کے پاس سے مالیت برآمد ہوتی، اور اب اگر انہیں سزا ملے گی تم بھی سزا پاؤ گے  
انہوں نے کہا، ”یہ آپ کا فیصلہ ہے۔“

نعمانؓ نے جواب دیا، اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کے رسولؐ کا فیصلہ ہے،۔!“

احکام و قضایائے بالا سے احکام مستنبط | ان مذکورہ بالا احکام و قضایا  
سے جو مسائل مستنبط ہوتے

میں یہ ہیں!

۱۔ یقین درہم، یا چار دینار سے کم مالیت کی چوری، شراب سنا، غلام باز  
وغیرہ کے مرتکب پر لعنت کا جواز،۔ جیسا کہ آپؐ نے ایک مرتبہ رسن سفیثہ اور  
بیرضہ (آہن) پر لعنت فرمائی،!۔ لیکن عبداللہ بن حماد پر جو شراب کے رسیا تھے  
لعنت سے منع فرمایا۔

لیکن دونوں باتوں میں کوئی تمارض نہیں ہے، جس میں وہ وصف پایا جائے

جو مستحق لعن ہو، تو اس پر لعنت روا ہے، لیکن جس کے حسنات سیئات سے زیادہ ہوں، یا جس نے توبہ کر لی ہو۔ نو پھر انوار پر لعنت جائز ہے ایمان پر نہیں۔

۳۔ سڈ ذالٰح کا ارشاد بھی ملتا ہے، — کیونکہ آپ کا ارشاد ہے کہ رسن (سقیقہ) اور بیفہ (راہن) کے چور کو نہ چھوڑو، اس کا ہاتھ کاٹ دو، (کیونکہ ان کی قیمت ۳۔۴ درہم کے برابر ہوتی تھی)۔

۴۔ مستعار چیز لینے والا اگر واپس کرنے کے بجائے، جھگڑنے لگے، تو وہ بھی چور کے حکم میں ہے، لہذا اسے قطع ید کی سزا ملے گی، جیسا کہ ایک عورت کے لیے آپ نے حکم دیا تھا۔

۵۔ جس کی سزائے قطع ید ساقط ہوگی، اس پر دو گنا تاوان سے عائد کیا جائے گا، جیسا کہ شمار متعلقہ اور بیٹھک سے چوری کی ہوئی بکری کے بارے میں آپ نے فیصلہ کیا۔

۶۔ تاوان اور کچھ سزا کا اجتماع بھی درست ہے، یعنی عقوبت عالی بھی اور سزائے بدنی بھی۔

۷۔ حرر کا بھی لحاظ رکھا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت پر لٹکے ہوئے شمار کی چوری پر قطع ید کی سزا نافذ نہیں کی، لیکن کھلیان سے چوری کرنے والے کے لیے قطع ید کا حکم دیا۔

جمہور کا قول یہ ہے اور وہی صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کو تین احوال پر منحصر رکھا ہے۔

الف۔ کوئی سزا نہیں ہے، اگر شمار چور کے منہ سے برآمد ہوں،

ب۔ دو گنا تاوان اور سزائے ضرب، نہ کہ قطع ید، اگر شمار درخت پر لٹکے ہوں۔

۱۔ یعنی مال کی حفاظت کی ہو، اور پھر چوری ہو جائے تو دوسرا حکم ہے اور یوں ہی کھلا چھوڑ دیا ہو، پھر چوری ہو جائے، تو اب حکم بدل جائے گا۔

ج۔ قطع ید، اگر چوری کھلیان سے کی جائے، چاہے وہ پھل پکے ہوں، یا نہ پکے ہوں، اصل اعتبار مکان، رہ جائے حفاظت، اور حرز راخیاط و نگہداشت کا ہے، چنانچہ جس نے بکری چراگاہ سے چرائی تھی، آپ نے سزائے قطع ید نہیں دی، لیکن جس نے بیٹھک سے چرائی تھی اسے قطع ید سے معاف نہیں کیا۔

۸۔ اثبات عقوبات مالیہ،۔ یہ بات متعدد وغیرہ معارض سنن اور عمل خلفائے راشدین سے ثابت ہے۔

۹۔ انسان کے کپڑے اور فرش کو مال محفوظ مانا جائے گا، خواہ وہ سوراہا ہو، اند کہیں بھی ہو، مسجد ہی میں کیوں نہ ہو۔

۱۰۔ مسجد، جائے محفوظ ہے، پس وہاں سے جو چیز چٹائی، تبدیل، فرش وغیرہ چرائے گا وہ قطع ید کا مستحق ہے۔

۱۱۔ چوری کا مقدمہ دائر کرنے سے پہلے اگر آدمی پہلے تو چور کو مال مسروقہ صبر کر دے، یا معاف کر دے۔

۱۲۔ مقدمہ پیش ہوتے کے بعد، قطع ید کی سزا ساقط نہیں ہوگی، یہی حال دوسری شرعی سزائوں، حدود کا بھی ہے، بلکہ سنن میں ایسے شافع اور مشفق دونوں کیلئے لعنت آئی ہے۔

۱۳۔ اگر کسی نے کوئی ایسی چیز چرائی، جس میں اس کا بھی حق تھا، تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

۱۴۔ اقراری چور اگر دو یا تین مرتبہ اقرار نہ کرے تو ہاتھ نہیں کٹے گا۔ کیونکہ جب چور نے آپ کے سامنے پہلی مرتبہ اقرار کیا تو آپ نے فرمایا۔

میں نہیں خیال کرتا تو نے چوری کی ہوگی۔ ا،

پھر جب اس نے دوبارہ اقرار جرم کیا، تب حد نافذ کی، یعنی جب تک اس نے دو مرتبہ اقرار نہیں کر لیا۔ سزائے قطع ید نہیں دی۔

۱۵۔ جو خود سے جرم کا اقرار کرے، یعنی، خود اقرار کناں حاضر ہو گیا ہو، ماخوذ



کر کے لایا نہ گیا ہو۔ تو امام کو چاہیے، اسے ٹالنے کی کوشش کرے، تاکہ وہ اقرار کر کے مستحق سزا نہ بن جائے، اور اپنے ارادہ سے باز آجائے، اور قول سے اگر ایک مرتبہ اقرار کیا ہو) رجوع کر لے۔ !

۱۶۔ قطع ید کے بعد اس کا علاج کرو۔ پھر میرے پاس لاؤ، اس بات کی دلیل ہے کہ مصارف علاج سارق کے ذمہ نہیں حکومت کے ذمہ ہوں گے۔  
۱۷۔ تشکیل اور عبرت کے طور پر سارق کے ہاتھ اس کی گردن سے ٹکائے جاسکتے ہیں۔

۱۸۔ اگر علامات شبہہ موجود ہوں تو متہم کو سزائے ضرب دی جاسکتی ہے۔  
۱۹۔ اگر متہم کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہ ہو تو اسے نہ قید رکھا جائے گا، نہ سزا دی جائے گی، جیسا کہ نعمان بن بشر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے،  
۲۰۔ سزائے ضرب، کوڑے سے بھی دی جاسکتی ہے، اور چھڑی سے بھی۔

---

# مسلمان یا ذمی اور معاہد

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم کریں تو کیا سزا ہوگی

بعض یہودیوں کو اس جرم میں قتل کیا گیا کہ انہیں نے آپ پر سب و شتم کی تھی اور آپ کو ایذا دی تھی۔

فتح مکہ کے دن آپ نے عام لوگوں کو امن دے دی، سوا ان لوگوں کے جو آپ کو اذیت دیتے اور آپ کی بھجورتے تھے، یہ چار مرد تھے، اور دو عورتیں تھیں کہ ایک یہودیہ عورت کا انجام ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ ایک یہودیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی، ایک مرتبہ ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا جس سے وہ مر گئی، آپ نے اس کا خون بہا نہیں دلایا۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی لایا گیا، جو آپ کو گالیاں دیا کرتا تھا، انہوں نے

۱۔ وہ لوگ تھے، جنہیں بار بار معاف کیا گیا، مگر فتنہ کرنے کے بعد رہائی عطا کی گئی  
 قابو بالینے کے بعد پھوڑ دیا گیا، ان کے قول و اقرار پر اعتبار کیا گیا، لیکن انہوں نے صرف موقع سے فائدہ اٹھا یا اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے، ان کی زندگی کا مقصد یہ رہ گیا تھا کہ آپ پر سب و شتم کریں، اور تخریبی سرگرمیوں میں مصروف و منہمک رہیں، اسلام اور داعی اسلام کو ختم کرنے کی سازشیں کرتے رہیں۔

اسے قتل کر دیا، اور کہا۔

جو اللہ اس کے رسول کو گایاں دیتا ہے، یا انبیاء میں سے کسی

نبی پر سب و شتم کرتا ہے اسے قتل کر دو!

معاهد کا عہد اس وقت تک ہے کہ سب نبی نہ کرے | مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ

عنہما سے روایت کی ہے کہ!

”جو مسلمان اللہ اس کے رسولؐ اور انبیاء میں سے کسی نبی پر سب و شتم کرتا ہے وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتا ہے،

یہ ارتداد ہے اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر وہ رجوع کر لے تو خیر، ورنہ

اسے قتل کر دیا جائے اور جو معاہد اور اس کے رسولؐ اور انبیاء میں

سے کسی نبی پر سب و شتم کرتا ہے تو اس نے نقص عہد کا ارتکاب

کیا، اسے قتل کر دو!“

ایک راہب اور حضرت ابن عمرؓ | حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ

ایک راہب کے پاس سے گزرے

ان سے کہا گیا یہ شخص، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم کرتا ہے، انہوں نے فرمایا!

”اگر میں اس کے منہ سے ایسی بات سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا، ہم اسے

کی جان و مال کا ذمہ اس شرط پر لیتے ہیں کہ یہ ہمارے نبیؐ پر سب و شتم نہ کریں

صحابہ کے اشارہ اس باب میں بہت

شاتم رسولؐ کے قتل پر اجماع امت | زیادہ ہیں۔ اکثر آئمہ شاتم رسولؐ

کے قتل پر اجماع کے قائل ہیں، ہمارے شیخ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ اجماع

صدر اول کا ہے۔ اس میں صحابہ اور تابعین سب شامل ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل | اور آپؐ کا اپنے قاصد کو

قتل نہ کرنا، تو اس کی توجیہ

یہ ہے کہ یہ آپ کا حق تھا۔ آپ کو اختیار تھا کہ اسے یس یا ترک کر دیں۔ لیکن آپ کی امت حق بنیٰ کو ترک نہیں کر سکتی۔

نیز یہ بات بھی ہے کہ آپ عفو و صفحہ پر مامور تھے، آپ تالیف تلبیہ کی مصلحت کے پیش نظر معاف کر سکتے تھے۔

نیز جمع کلمہ سوء کے لیے بھی آپ عفو اور درگزر سے کام لے سکتے تھے۔ کہ لوگ آپ سے بیزار نہ ہو جائیں، اور یہ چرچا نہ کریں کہ آپ اپنے اصحاب (منافقین) تک کو قتل کر دیتے ہیں۔

لیکن بہ ساری باتیں، (عفو و درگزر) آپ کی زندگی تک تھیں، آپ کے بعد امت اس حق کو حاصل کرے گی، اور معاف نہیں کرے گی۔



# نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوراک

میں

زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش اور آپ کا طرز عمل

• بخاری اور مسلم سے ثابت ہے کہ ایک یہودی عورت نے بکری زہر الود کر دی اور اس کا گوشت پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ نے اس میں سے ایک لقمہ کھایا، پھر اسے تھوک دیا، آپ کے ساتھ بسر بن برام بھی شریک طعام تھے۔ !

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ کو معاف کر دیا، اور اسے کسی طرح کی سزا نہیں دی، یہ صحیحین کی روایت ہے۔

ابو داؤد کی روایت ہے کہ اس یہودی عورت کے لیے جس نے زہر ملا یا تھا۔ آپ نے قتل کا حکم صادر فرمایا۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ نے جہاں تک خود آپ کے حق کا تعلق تھا یہودی عورت کو معاف کر دیا، سزا نہیں دی، لیکن اس سم الود کھانے کے باعث بشر بن برام کا انتقال ہو گیا، تو آپ نے اس کے قتل کا فرمان صادر کر دیا۔

# اگر جاسوس مسلمان ہو

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول اور معمول

ثابت ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے جب آپ کے خلاف جاسوسی کی تو حضرت عمرؓ نے اجازت مانگی، کہ گردن اڑا دیں آپ نے اجازت نہیں دی، اور فرمایا: "وتم کیا جانو اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے دو گزر کر دیا ہے فرمایا ہے اعملوا ما شئتم نقد غصت لکم (یعنی جو چاہو کرو میں نے تم سے دو گزر کیا)!"

جاسوس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، اس باب میں فقہاء کا اختلاف ہے، سحنون کا قول ہے اگر کوئی مسلمان اہل حرب کا کاتب ہو تو قتل کر دیا جائے گا، اس کی توبہ نہیں قبول کی جائیگی، اس کا مال و زنا میں تقسیم کر دیا جائے گا،

اصحاب مالک میں سحنون کے سوا دوسروں کا خیال ہے کہ بڑی سخت کوڑوں کی مار ماری جائے گی، لمبی سزائے قید دی جائے گی، اور کسی ایسی جگہ جلا وطن کر دیا جائے گا، جو کفار کے علاقہ کے قریب ہو۔

ابن القاسم کہتے ہیں کہ ایسا شخص قتل کر دیا جائے گا، اس جرم کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، وہ زندیق کی طرح ہے۔

امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قتل نہیں کیا جائے گا۔

۱۰ یعنی وہ کافر جن سے مسلمانوں کا معاملہ جنگ کا ہو، صلح و امن کا نہ ہو،

دونوں فریق حاطبؓ کے واقعہ سے دلیل لاتے ہیں۔

۱۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ جب آپؐ نے فتح مکہ کے لیے کوچ کی تیاریاں شروع کیں تو حاطبؓ نے مکہ میں اس کی اطلاع دیدی، جب آپؐ کو خدا نے یہ بات بتادی، تو باز پرس پر انھوں نے عذر پیش کیا کہ ہاجرین کے جو متعلقین مکہ میں ہیں وہ بہر حال مامون ہیں لیکن میرا وصال کوئی نہیں ہے میں نے اطلاع اس لیے دی کہ ان پر میرا احسان ہو جائے، اور وہ میرے متعلقین کو گزند نہ پہنچائیں، فتح تو آپؐ کو خدا ہر حالت میں دے گا، حاطبؓ جنگ بدر میں شریک تھے، اور اس جنگ کے جاں بازوں کو اللہ نے مغفرت کی بشارت دیدی تھی، چنانچہ آپؐ نے حاطبؓ کا عذر قبول فرمایا، اور انہیں کوئی سزا نہیں دی، جاسوسی بہت بڑا جرم ہے — خواہ وہ نیک نیتی ہی سے کیوں نہ کیا گیا ہوا — لیکن اس بہت بڑے جرم کو بھی بدر کی شرکت نے محو کر دیا۔

# اسیرانِ جنگ

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول اور معمول

اسیرانِ جنگ کے لیے آپؐ نے بعض کے قتل کا حکم بھی دیا، بعض کو احسان رکھ کر رہا کر دیا، بعض نے قیدیہ لیا پھر چھوڑ دیا، بعض کو مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں رہائی عطا کی۔ بعض کو غلام بنایا، لیکن یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ نے کبھی کسی بالغ شخص کو غلام نہیں بنایا۔

جنگ بدر کے اسیروں میں عقبہ بن ابی سیط اور نصر بن حارث کو قتل کا حکم دیا، یہودی اسیرانِ جنگ میں سے بھی کئی کے لیے یہی حکم نافذ فرمایا، جنگ بدر میں جو مشرکین گرفتار ہو کر آئے ان سے چار ہزار سے لے کر چار سو تک

یہ ثبوت ہے اس کا کہ اسلام نے درحقیقت نظامِ غلامی کا یکسر خاتمہ کر دیا کیونکہ غلام وہی بنائے جاتے، میں جو میدانِ جنگ میں گرفتار ہوں  
 ۱۔ حد درجہ سائنسی اور تخریبی لوگ تھے، طرح طرح کے احسانوں اور بار بار کی رعایتوں کے باوجود اپنے حرکات سے باز نہ آئے۔

۲۔ اہل کتاب سے خواہ وہ یہودی ہوں، یا عیسائی، آپؐ کا برتاؤ خاص طور پر نرم باقی آگے ہے۔



قدیر لے کر چھوڑا، بعض اسیران جنگ کا فدیہ صرف یہ قرار دیا کہ وہ چند مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں، یوم بدر کے موقع پر ابو غذہ شاعر کو احسان رکھ کر رہا کر دیا، آپ نے دو مسلمانوں کا فدیہ ایک مشرک کو قرار دیا، شمامہ بن اثال کو ازراہ احسان پر وائے رہا عطا کیا، فتح مکہ کے دن قریش کی ایک بڑی جماعت کو اسی طرح رہا کر دیا، اور انہیں ”طلقاً“ (آزاد کر کے) فرمایا۔

ان احکام میں سے کوئی بھی اسیران جنگ اہل کتاب میں بھی مشرک بھی | منسوخ نہیں ہے بلکہ امام کو اختیار ہے کہ حسب مصلحت جو صورت چاہے اختیار کرے۔

اسیران جنگ میں سے جو لوگ غلام بنائے گئے، وہ اہل کتاب بھی تھے، بلکہ بت پرست تھے، عربوں کے دیوتاؤں اور دیویوں کے پجاری،

اسی طرح عہد صحابہ میں بنو حنیفہ کے قیدی بھی اہل کتاب نہیں تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نعلے نے اختیار دیا تھا کہ فدیہ، احسان، قتل اور استعمار میں سے جو صورت چاہیں عمل میں لائیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ بات پسچ ہے۔

یہود کے ساتھ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قضا یا | آپ کے متعدد

قضا یا وابستہ ہیں۔

پہلے پہل آپ نے یہود مدینہ سے معاہدہ صلح وامن کیا، لیکن بنو قینقاع نے (معاہدے کو نظر انداز کرتے ہوئے) آپ سے جنگ کی، آپ غالب آئے، اور ازراہ احسان چھوڑ دیا۔

پھر بنو نضیر نے آپ سے (خلاف عہد) جنگ کی، آپ غالب آئے اور انہیں

باقی مافیہ صفحہ ۶۲۱ کا! لیکن یہود اپنی سرکشی، شرارت اور طغیان سے کبھی باز نہیں آئے۔

جلا وطن کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد بنو قریظہ نے پھر آپ سے جنگ کی، آپ غالب آئے، آپ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔

پھر خیبر کے یہود نے آپ سے جنگ کی، ہار گئے، آپ نے انہیں ارضہ خیبر میں دودو باش کی اجازت دے دی، سوا ان لوگوں کے جنہیں سزائے قتل دی گئی۔

پھر جب یہود کی حسب مرضی سعد ابن معاذ۔ رجوا سلام لائے سے پہلے یہودی تھے کو بنو قریظہ پر حاکم بنایا گیا، تو انہوں نے فیصلہ دیا کہ ان کے جنگ جو قتل کر دیے جائیں، بچے غلام بنالیے جائیں، مال ضبط کر لیا جائے۔

خیبر کے یہودیوں کے ساتھ معاملہ | فتح خیبر کے دن آپ نے یہود کو ارض خیبر باڑی کرنے کی اجازت دیدی۔ اور ابن ابی الحقیق کے قتل کا حکم دیا۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت کا اعلان | فتح مکہ کے دن آپ نے فرمان صادر فرمایا کہ! جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے اسے اماں ہے۔

جو شخص ابوسقیان کے گھر میں پناہ لے اسے اماں ہے۔

جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے اماں ہے۔

جو ہتھیار رکھ دے اسے اماں ہے۔

آپ نے اس موقع پر سات آدمیوں کے قتل کا حکم دیا، جن میں متقیس بن

صحابہ اور ابن اخطل تھے، اور دو متقیسہ تھیں جو آپ کی بھوگایا کرتی تھیں۔

آپ نے حکم دیا کہ زخمی کو نہ چھیڑا جائے، بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے

اور کسی جنگی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ واقعہ ابو عبید نے اپنی کتاب الاموال

میں ذکر کیا ہے۔

اُپ نے بنو قزاعہ کو حکم دیا کہ نبو بکر پر نماز عصر کے وقت تک تنوار چلاتے رہیں  
پھر اُپ نے فرمایا۔

قزاعہ، قتل سے اپنے ہاتھ (اب) اٹھا لو، اے

---

# مقتول کا سلب قاتل کا ہے

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ سلب سار کا سارا قاتل کا ہے، اس میں سے خمس لے نہیں لکالا جائے گا۔ نہ اسے خمس میں شمار کیا جائے گا، اس کی اصل ہے، یہ تھا آپ کا فیصلہ اور قضا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ! **سلب کے چار احکام** ۱۔ سلب قاتل کا ہے، (۲) اور یہ خمس کے علاوہ ہے۔ ۳۔ آپ نے ایک آدمی کی شہادت پر سلب دلوادیا۔ (۴) اور قتل کے بعد بھی اسے دینے کا فیصلہ فرمادیا،

پس بخاری کی اس حدیث سے مذکورہ چار احکام نکلتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر مبنی ہیں۔ کہ سلب اسی کا ہے جو مقتول کو قتل کرے۔ **کیا سلب کا شمار خمس میں ہوگا** مالک اور ان کے اصحاب کہتے ہیں! کہ سلب مالک اور ان کے اصحاب کہتے ہیں! کہ سلب کا شمار خمس میں ہوتا ہے، اُن حضرت کا کوئی قول و فعل سوا جنگ حنین کے ہمارے پاس اس خیال کی تائید میں نہیں ہے، لے سلب میدان جنگ کے مقتول کے لباس اور اسلحہ وغیرہ کو کہتے ہیں۔ اور یہ اس کا حق بلا شرکت غیر سے ہوتا ہے جو دشمن کو لکار کو قتل کرتا ہے۔



نہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا کیا، ابن اعوان کہتے ہیں۔ کہ یرار بن مالک کے سوا کسی کو آپ نے سلب نہیں عطا فرمایا!

لیکن جو مالک اور اصحاب مالک کے اس خیال سے متفق نہیں ہیں وہ کہتے ہیں۔

سلب صرف قاتل کا حق ہے

:- سلب قاتل کا حق ہے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین سے سات سال قبل ارشاد فرمائی تھی۔ چنانچہ بخاری نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ معاذ بن الجموح اور معاذ بن عفر، دو انصاریوں نے جنگ بدر کے موقع پر ابو جہل بن ہشام کو اپنی تلوار سے ہلاک کیا۔ پھر یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی۔

آپ نے دریافت فرمایا، ”تم دونوں میں کس نے اسے قتل کیا ہے؟“  
دونوں میں سے ہر ایک نے جواب دیا، ”میں نے اسے قتل کیا ہے!“  
آپ نے پوچھا، ”کیا تم دونوں نے اپنی تلوار پونچھ ڈالی ہے؟“  
دونوں نے کہا، ”ابھی نہیں!“

پھر آپ نے دونوں تلواروں پر ایک نظر ڈالی، اور سلب معاذ بن عمرو بن الجموح کا قرار دیا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سلب کا قاتل کے لیے ہونا ایک امر معلوم شروع ہی سے چلا آ رہا تھا البتہ اس کی تجدید جنگ حنین کے موقع پر اعلام عام اور منادی کے ذریعہ ضرور ہوئی تھی۔

یہاں ابن اعوان کا قول کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ایسا نہیں کیا تھا۔ اس کے دو

ابن اعوان کے قول کی تردید

جواب ہیں۔

بقیہ ماثیہ ۶۲۱ کا

۷۵ خمس - پانچواں حصہ، جو اللہ اور رسول کے لیے ہوتا ہے۔

ایک جواب تو یہ ہے کہ منفی شہادت درخور اعتنا نہیں ہوتی اور یہ منفی شہادت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان دونوں رحضرت ابو بکر و عمر کے عہد میں چونکہ یہ بات ثابت اور طے شدہ تھی، لہذا اعلام و مذاکی ضرورت نہ رہی، اور یہ فرض محال اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ترک کی روایت ان دونوں کے بارے میں صحیح ہے تو بھی اسے ارشاد رسولؐ پر مقدم نہیں رکھا جاسکتا۔

وہ لوگ جنہیں آپؐ نے سلب دلوایا | اور یہ بات کہ آپؐ نے مقتول کا سلب برا، بن مالک کے سوا کسی کو نہیں دیا غلط ہے کیونکہ ثابت ہے کہ آپؐ نے مسلم بن الاکوع، معاذ بن عمرو، ابو طلحہ انصاری کو بھی جنہوں نے جنگ حنین کے موقع پر عیسٰی آدمی قتل کیے تھے، سلب دیا۔

یہ تمام واقعات صحیح ہیں اور ان کا بڑا حصہ صحیح بخاری میں موجود ہے،

سلب کا خمس میں ہونا بے دلیل ہے | باقی رہی یہ بات کہ سلب کا شمار خمس میں ہے تو اس کی تائید میں کوئی اثر موجود نہیں ہے اور اگر ہے تو اس کے خلاف ہے، چنانچہ سنن ابی داؤد میں خالدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب میں پانچواں حصہ نہیں لگایا۔

ایک آیت اور اس کی تفسیر | اصحاب مالک اپنے خیال کی تائید میں یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں کہ واعلموا انما غنمتم منہ شئ من فانی اللہ عنہ لیکن یہ حکم عام ہے، اور سلب کا قاتل کو دیا جانا خاص ہے اور عموم کتاب و قرآن کی تحقیق جائز ہے۔

حضرت ابو قتادہؓ کا واقعہ اور اس سے استدلال | اور یہ قول کہ اگر سلب قاتل کا حق ہوتا تو ابو قتادہؓ نے

جنگ حنین کے موقع پر منادی کی ندا سننے سے پہلے مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس

کام جواب یہ ہے کہ اس واقعہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ بات مقرر اور معلوم نہیں ہے  
 نھی اسی لیے وہ خاموش رہے، ان کے سکوت کی وجہ یہ تھی کہ مجرد دعوے کی بنا پر  
 سلب نہیں حاصل کر سکتے تھے، جب ایک گواہ نے شہادت دیدی تو انہیں سلب  
 دیدیا گیا۔

اور صحیح یہ ہے کہ دعوائے سلب کے لیے ایک  
ایک گواہ کی شہادت کافی ہے | گواہ کی شہادت کافی ہے، دوسرے گواہ یا قسم  
 کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ سنت صحیحہ و طریقہ سے ثابت ہے۔

---

# جب دشمن مسلمان کے مال و املاک پر قبضہ کرے

پھر اس کے قبول اسلام کے بعد وہ چیزیں اسی کی رہیں گی

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ | بخاری میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک گھوڑا بھاگ آگئے، لیکن ابن عمر نے وہ گھوڑا واپس لینے سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ہے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا واقعہ | جب غالب آئے تو خالد نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بھاگے ہوئے غلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آل حضرت کافضلہ | اونٹ مال غنیمت میں پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا،

”اگر وہ تمہیں مل جائے تو پھر مال غنیمت کے ساتھ تقسیم نہیں ہوگا، اور اگر تقسیم ہو چکا ہے تو پھر اس کی قیمت نہیں ملے گی۔“

مہاجرین فتح مکہ کے بعد اپنا مال و املاک واپس نہ لے سکے | فتح مکہ کے دن مہاجرین



جب مکہ واپس آئے تو انہوں نے اپنے مکانوں کا مطالبہ کیا جن پر مشرکین نے قابض ہو چکے تھے لیکن آپ نے کسی مشرک کے قبضہ سے چھین کر مسلمان کا چھنا ہوا مکان اسے واپس نہیں دلایا۔

**آلے حضرت اور جناب عقیلؓ** فتح مکہ کے روز آپ سے پوچھا گیا: ”آپ مکہ میں کل کہاں اتھرے گے؟“

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا!

عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا بھی ہے؟

**اصلی صورت واقعہ** اور معاملہ یوں تھا کہ جب آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو عقیل نے مکہ میں املاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قبضہ کر لیا، پھر جب وہ اسلام لائے، تو آپؐ کی مملوکہ چیزیں ان کے قبضہ اور تصرف میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اسلام قبول کرتے وقت جس کے قبضہ میں جو چیز ہوگی وہ اسی کی ہے۔

عقیلؓ ابو طالب کے وارث ہوئے۔ علی کرم اللہ وجہہ باپ کے وارث تقدم اسلام کے باعث نہ بن سکے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میراث عبدالمطلب میں سے کچھ حصہ نہیں ملا، کیونکہ آپؐ کے والد عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور ان کے والد عبدالمطلب ابھی زندہ تھے۔ پھر جب عبدالمطلب کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اولاد وارث ہوئی، جو اعمام نبیؐ تھے، لیکن اکثر اولاد کا انتقال ہو گیا۔ اور ابو طالب تنہا وارث بنے، پھر جب ان کا انتقال ہوا، تو عقیل اس وارث پر قابض ہو گئے اور علی کرم اللہ وجہہ کو باپ کے ترکہ میں سے اختلاف دیں کے باعث کچھ نہیں ملا۔ پھر جب بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو عقیل ان کے گھر پر بھی قابض ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

”عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا بھی ہے؟“

کفار محاربین قبول اسلام کے بعد | مشرکین نے یہ دطیرہ بنالیا تھا کہ جہاں کسی مسلمان نے ہجرت کی۔ اور مدینہ کی طرف

روانہ ہوا، فوراً ہی انہوں نے اس کے گھر، اور املاک و جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ یہ سنت جاری ہو گئی، کہ کفار محاربین جب اسلام قبول کرتے تھے تو انہوں نے مسلمانوں جو کچھ بھی مال اور جانی نقصان پہنچایا ہوتا تھا، نہ اس کا تاوان دینا پڑتا تھا نہ جو کچھ ان کے قبضہ میں رہ گیا ہو وہ واپس کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کا مالی منصوبہ بدستور ان کے قبضہ اور تصرف میں رہتا تھا کیونکہ آپ کا ارشاد یہ تھا کہ اسلام قبول کرتے وقت جس کے قبضہ میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کا مال اور اسی کا حق ہے۔ یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں فیصلہ اور قضا۔

باقی حاشیہ: وارث نہیں بن سکتا۔ ابو طالب کے انتقال کے وقت علی کرم اللہ وجہہ مسلمان ہو چکے تھے لہذا باپ کی وراثت سے محروم رہے۔ عقیل اپنے دین پر قائم تھے لہذا وراثت انہیں مل گئی۔

# مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مخالف ہدایا

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل و طریق کار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ کھانا وغیرہ پیش کیا کرتے تھے اور آپ قبول فرمالتے تھے، اور جو کچھ قبول فرماتے تھے اس کی مکانات دو گنا تحفہ یا عطیہ دے کر فرمایا کرتے تھے۔

بادشاہوں کی طرف سے ہدایا اور تحائف | آپ کی خدمت میں ہدایا آتے رہتے تھے۔ آپ ان کے ہدایا قبول فرمایا کرتے تھے، اور انہیں اپنے اصحاب کے مابین تقسیم کر دیتے تھے۔ کبھی کچھ حصہ اپنے لیے بھی رکھ لیتے تھے۔ یہ گویا مالِ غنیمت میں سے آپ کا حصہ ہوتا تھا۔

صبح بخاری میں ہے کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم | صبح بخاری میں ہے کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم دیباچ کی زرکار قباؤں کی تقسیم کی خدمت میں دیبا کی زرکار قباؤں بطور ہدیہ پیش کی گئیں۔ یہ قباؤں آپ نے صحابہ میں سے کئی لوگوں کو تقسیم فرمادیں، اور ایک مخزمہ بن نوفل کے لیے رکھ لی۔

پھر مخزمہ آئے۔ ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے مسعد بھی تھے۔ وہ دروازے پر کھڑے ہوئے اور اذن طلب کیا۔ ان کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی لی آپ ان سے ملے، اور ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا! یہ (قباء) میں نے تمہارے لیے چھپا رکھی تھی!

**مقوقس (شاہ مصر) کا تحفہ** | آپ کی خدمت میں بادشاہ مصر مقوقس نے  
 مارہ کو، اور سیرس کو ہدیت بھیجا۔ آپ نے  
 حسان بن ثابت کو سیرس دے دی۔ اور مارہ کو اپنے پاس رہنے دیا، مقوقس  
 نے آپ کی خدمت میں ایک نجر اور گدھا بھی بھیجا تھا۔

**نجاشی بادشاہ حبشہ کا ہدیہ** | حبش کے بادشاہ نجاشی نے آپ کی خدمت میں  
 ہدیہ بھیجا۔ آپ نے اسے قبول فرمایا، اور عوض  
 میں اپنی طرف سے ہدیہ بھیجا، لیکن یہ ہدیہ پہنچنے سے پہلے اس کے مرنے کی خبر آگئی  
 اور وہ واپس آگیا۔

**آپ کی خدمت میں نجر کی پیش کش** | نیز آپ کی خدمت میں فروہ بن  
 تناثہ جذامی نے سفید رنگ کا ایک  
 نجر ہدیہ بھیجا۔ یہی نجر تھا جنگ جبین کے موقع پر آپ نے جس پر سواری کی تھی۔  
 بخاری کی روایت ہے کہ بادشاہ ایلہ نے آپ کی خدمت میں  
 بادشاہ ایلہ کا ہدیہ | ایک سفید رنگ کا نجر ہدیہ بھیجا۔

**ابو سفیان کا تحفہ آپ نے قبول کر لیا** | ابو سفیان نے بھی آپ کی خدمت  
 میں ہدیہ پیش کیا، اور آپ نے  
 اسے قبول فرمایا۔

**مشرک کا ہدیہ ناقابل قبول** | ابو عبید نے ذکر کیا ہے کہ عامر بن ماک نے آپ  
 کی خدمت میں ایک گھوڑا بطور ہدیہ بھیجا  
 لیکن آپ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا!

”ہم کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے!  
 اسی طرح، عیاض مجاشعی نے جب آپ کو ہدیہ دیا تو فرمایا۔  
 ہم مشرکوں کا عطیہ نہیں قبول کرتے!“

ابو عبید کہتے ہیں کہ حالت شرک میں ابو سفیان نے کا ہدیہ آپ نے اس لیے



قبول کر لیا کہ اس زمانہ میں آپ کے اور اہل مکہ کے مابین صلح تھی۔

مقوقس نے اقرار نبوت کر لیا تھا | مقوقس صاحب اسکندریہ رشاہ مصر کا ہدیہ آپ نے قبول فرمایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے حاطب بن ابی بلعتہ کی بڑی تکریم و توقیر کی تھی۔ یہ اس کے پاس آپ کے قاصد اور سفیر کی حیثیت سے گئے تھے۔

علاوہ ازیں مقوقس نے آپ کی نبوت کا بھی اقرار کیا تھا۔

محارب مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کیا جاسکتا | اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی محارب مشرک کا ہدیہ بھی اور کسی زمانہ میں بھی قبول نہیں فرمایا۔

غیر مسلموں کا تحفہ مالِ غنیمت سمجھا جائے گا | لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ائمہ مسلمین کے پاس ہدایا کے بارے میں سحنون یکے از اصحاب مالک کہتے ہیں کہ اگر امیر روم، امام المسلمین کو ہدیہ بھیجے تو اس کے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔  
اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ ہدیہ مسلمانوں کے لیے ہوگا۔ اور اس کی مکافات اسی پہنچ سے بیت المال سے کی جائے گی۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ کفار امام المسلمین کو جو ہدیہ دیں یا مسلمانوں کے امیر عسکر اور سپہ سالاروں کو کوئی ہدیہ پیش کریں تو وہ مالِ غنیمت ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو غنائم کا ہے۔

۱۰ یعنی وہ مشرک جن سے صلح و امن کا معاہدہ نہ ہو، بلکہ جنگ برپا ہو یا جنگ کی سی کیفیت

# دشمن سے وفار عہد کا حکم

## قاصدوں و سفیروں کے قتل و حبس کی ممانعت

• آپؐ نے مسلمہ کذاب کے قاصدوں سے جب انھوں نے مسلمہ کے رسول خدا ہونے کی شہادت دی فرمایا:

”اگر قاصد کا قتل جائز ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔“

• قریش نے ابورافع کو اپنا پیامی بنا کر آپؐ کے پاس بھیجا، ابورافع نے آپؐ ہی کے پاس رہ جانا چاہا، اور قریش کے پاس واپس جانے سے انکار کر دیا۔ آپؐ نے ان سے کہا۔

”و میں عہد شکنی کرنا نہیں چاہتا (اب) اپنی قوم کے پاس جاؤ، اور اگر وہ بات (اسلام) جواب تمہارے دل میں ہے قائم رہے تو واپس آ جاؤ۔“

• آپؐ نے ابو جندل کو (جو مسلمان تھے) اس عہد کی بنا پر جو قریش سے تھا، یعنی جو مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ آئے گا واپس کر دیا جائے (جو مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکہ جائے گا، واپس نہیں طلب کیا جائے گا) ابو جندل کو واپس کر دیا۔

# غیر مسلم کو امان اور پناہ دینا

امان مسلمان مرد بھی دے سکتا ہے اور مسلمان عورت بھی

ام مانی کا واقعہ | آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے ان دو آدمیوں کو امان عطا فرمائی۔ جنہیں آپ کی بنت عم ام مانی نے پناہ دی تھی۔  
 آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے ابو العاص بن ربیع کو امان عطا فرمائی۔ جب آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے انہیں پناہ دی تھی۔

حکم قتال کے بغیر دعوت اسلام | اللہ عزوجل نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تو آپ کے ذمہ اسلام کی دعوت بغیر قتال اور بغیر جزیہ کے تھی، اس حالت میں آپ دس سال سے زیادہ مکہ میں مقیم رہے۔  
 اس کے بعد آپ کو حکم ملا کہ جو مقاتلہ کرے اس سے قتال کی مشروط اجازت | قتال کیا جائے، جو مقاتلہ نہ کرے۔ اسے چھڑا نہ جائے۔

قتال سے معاہدہ بننے کا استثناء | پھر شہر میں سورہ برأت نازل ہوئی جس میں آپ کو حکم دیا گیا کہ جمیع عرب سے جو اسلام قبول نہ کریں، قتال کیا جائے، اور صرف ان لوگوں سے قتال کیا جائے جو معاہدہ ہوں۔ اور اپنے عہد پر راستی کے ساتھ قائم ہوں! ساتھ ہی ساتھ آپ کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ آپ بھی وفائے عہد کریں، لیکن مشرکین سے جزیہ لینے کا حکم نہیں دیا گیا۔

متعدد مرتبہ آپ نے یہودیوں سے جنگ کی، لیکن ان سے بھی جزیہ لینے کا آپ کو حکم نہیں دیا گیا۔

اہل کتاب سے قتال کا حکم | اس کے بعد آپ کو تمام اہل کتاب سے قتال کا حکم دیا گیا۔ بجز اس صورت کے کہ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں۔

آپ نے حکم الہی کی پابندی کی اور اس پر عمل کیا آپ نے ان سے مقابلہ کے نتیجہ میں بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ بعض جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ بعض جنگ و پیکار پر قائم رہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران اہل ایلہ سے جزیہ قبول کر لیا۔ یہ لوگ عرب عیسائی تھے۔ اہل دومتہ الجندل سے بھی آپ نے جزیہ لینا منظور کر لیا۔ ان کی اکثریت بھی عرب تھی۔

مجوس سے بھی جزیہ لیا گیا | آپ نے مجوس (پارسی) سے بھی جزیہ لیا اور یمن کے اہل کتاب سے بھی جو یہودی تھے لیکن مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا۔

مجوس اور اہل کتاب کے سوا کسی سے جزیہ نہیں | احمد اور شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جزیہ سوا مذکورہ تین گروہوں کے کسی اور سے قبول نہیں کیا جاسکتا یعنی یہود، نصاریٰ، اور مجوس، ان تین کے علاوہ جو لوگ ہیں ان سے یا اسلام قبول کیا جائے گا یا قتل؟ جزیہ ہر غیر مسلم سے لیا جاسکتا ہے | ایک دوسری جماعت کا قول ہے کہ جو قوم بھی جزیہ دے اسے قبول کر لیا جائے گا

اہل کتاب (یہود اور نصاریٰ) سے اس لیے کہ قرآن کا حکم ہے۔

مجوس سے اس لیے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتضا بھی ہے۔

اور دوسری قوموں سے اس لیے کہ وہ بھی ان سے ملحق مافی جائیں گی۔ کیونکہ مجوس



اہل شرک ہیں ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں، اگر ان سے جزیہ لینا جائز ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام مشرکوں سے خواہ وہ مجوس ہوں یا کوئی اور، جزیہ قبول کر لیا جائے گا۔

عربوں سے جزیہ کیوں نہیں لیا گیا؟ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے بت پرستوں سے جزیہ نہیں لیا کیونکہ یہ سب کے سب آیہ جزیہ کے نزول سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے کیونکہ آیہ جزیہ غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں قتال عرب سے فارغ ہو چکے تھے۔ اور یہ سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اور کوئی اگر باقی رہ جاتا تو یقیناً آپ قبول فرما لیتے طرح آپ نے صائبان رصلیب، اوثانہ (صنم) اور نیراتہ (آگ) کے پرستاروں سے جزیہ قبول کر لیا۔

مجوس اور مشرکین کا فرق | اور بعض طوائف کے کفر کا دوسرے کے گردہ کے مقابلہ میں زیادہ سخت اور سنگین ہونا معنی نہیں رکھتا، بلکہ بت پرستوں کا کفر اگر دیکھا جائے تو مجوس کے مقابلہ میں ہلکا ہے۔ اور غور کیجیے، تو بت پرستوں اور آتش پرستوں کے درمیان فرق بھی کیا ہے؟ اور اگر ہے تو مجوس کا کفر، بت پرستوں کے مقابلہ میں زیادہ غلیظ اور سخت ہے۔

بت پرست اور مجوس کا امتیاز | بت پرست توحید ربوبیت کا افراد کو نہیں، وہ مانتے ہیں کہ خالق خدا کے یکتا کے سوا کوئی نہیں۔ وہ دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا تقرب الہی کے لیے کرتے ہیں، انہیں صالح عالم نہیں مانتے۔ نہ یہ مانتے ہیں کہ صالحین عالم میں سے ایک خالق خیر ہے۔ دوسرا خالق شر، جیسا کہ مجوس کہتے ہیں۔ نہ وہ ماہیوں اور بہنوں کے ساتھ شادی جائز رکھتے ہیں۔ وہ بقیہ دین ابراہیم علیہ السلام

السلام پر قائم ہیں لیکن مجوس، ان کے پاس سرے سے کوئی آسمانی کتاب ہی نہیں ہے نہ وہ انبیاء ہیں سے کسی نبی کے دین کے پیرو ہیں ان کے عقائد و شرائع ہیں کوئی ایسا اثر نہیں پایا جاتا جس سے معلوم ہو کہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب یا شریعت تھی جو اٹھالی گئی اور اگر یہ اہل کتاب تھے بھی تو وہ اٹھالی گئی اور ان کی شریعت باطل ہو گئی۔ اب ان میں سے کوئی چیز ان کے پاس باقی نہیں ہے۔

اور یہ معلوم ہی ہے کہ عرب دین ابراہیم علیہ السلام کے پیرو تھے۔ ان کے پاس صحف تھے۔ شریعت تھی۔ اور ان بت پرستوں نے دین ابراہیم علیہ السلام میں وہ عظیم تبدیلی نہیں کی، جو مجوس نے اپنے نبیوں کے دین میں کر ڈالی اور بخلاف عرب کے شرائع انبیاء میں سے کسی پر ان کا تمسک ثابت نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مجوس جنہوں نے اپنے دین کو اقبح الادیان بنا دیا، مشرکین عرب کے مقابلہ میں بہتر حالت میں ہیں۔

**عرب اور غیر عرب میں تفریق** | ایک تیسرا گروہ ہے جو عرب اور غیر عرب میں تفریق کرتا ہے وہ کہتا ہے جزیرہ ہر کافر سے قبول کیا جاسکتا ہے۔ سوا مشرکین عرب کے۔

**قریش اور غیر قریش میں تفریق** | ایک چوتھا گروہ ہے جو قریش اور غیر قریش میں تفریق کرتا ہے لیکن یہ بے معنی سی بات ہے کیونکہ قریش میں کوئی کافر باقی نہیں رہ گیا تھا جس سے قتال کیا جاتا، یا جزیرہ لیا جاتا۔

**عرب اور غیر عرب کا کوئی سوال نہیں** | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہجر اور مندر بن ساری اور ملوک طوائف کو اسلام یا جزیرہ کی دعوت دی، عربی اور غیر عربی کا کوئی سوال نہیں پیدا کیا۔

**جزیرہ کی تعداد کا تعین** | اب رہی جزیرہ کی تعداد تو آپ نے معاذ کو یمن  
 بھیجا اور حکم دیا، کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس  
 قیمت کی بھتی چار در جزیرہ میں لیں۔

بعد میں عمر رضی اللہ عنہ نے اس مقدار میں اضافہ کر کے چار دینار اہل ذہب  
 رسونا، پیرہ اور چالیس درہم اہل فتنہ (چاندی) پر سالانہ عائد کر دیئے۔

---

# اہل مکہ سے معاہدہ صلح

نقض عہد کی صورت میں بغیر اعلان کے جنگ کی جاسکتی ہے

• نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے اہل مکہ سے دس سال کے لیے جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر صلح کر لی۔ قریش کے خلیفوں میں بنو بکر تھے اور آپ کے خلفائیں بنو خزاعہ،

خلفاء قریش نے بد عہدی کی، قریش نے ان کا ساتھ دیا، انھیں منع نہیں کیا۔ اس طرح وہ نقض عہد کے مرتکب ہوئے اور ان سے لڑائی بغیر اعلان جنگ کے جائز ہو گئی۔ کیونکہ اب وہ جنگ آزما تھے، انھوں نے خود باہمی رضامندی سے معاہدہ صلح توڑا تھا۔

• نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ مدینہ میں وارد ہوئے، تو یہود سے آپ نے معاہدہ صلح کر لیا۔ لیکن یہود نے بار بار نقض عہد اور بد عہدی کا مظاہرہ کیا ہر مرتبہ جب آپ نے ان سے جنگ کی غالب آئے۔

• آخر میں آپ نے خیبر کے یہود سے صلح کی، شرط یہ رکھی کہ زمین آپ کی ہوگی۔ وہ وہاں کارکن کی حیثیت سے رہیں گے۔ جب تک آپ چاہیں۔

آپ کے اس عمل سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ کام کے وقت دشمن سے صلح کرنا اپنی معین کی ہوئی مدت کے لیے جائز ہے اور اس معاہدے کو وہ اپنی صواب دید پر جب چاہے فسق کر سکتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر فسخ حکم ہے۔





زاد المعاد

حصہ چہارم

## زاد المعاد جلد چہارم

## مندرجہ اور مباحث پر ایک طائرانہ نظر

زاد المعاد کے تین حصے آپ کی خدمت میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ یہ چوتھا حصہ ہے اور اگر میں یہ کہوں تو ذرا مبالغ نہ ہو گا کہ اپنی انادیت اور اہمیت کے اعتبار سے یہ حصہ جان سخن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں اتنے اہم اور فکر انگیز مباحث موجود ملیں گے جو گزشتہ تین حصوں میں مجموعی طور پر بھی نظر نہیں آئیں گے۔

## فقہی خصوصیات

اس حصہ کی ایک سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے نہایت اہم اور دور رس نتائج کے حامل فقہی مباحث بہ کثرت موجود ہیں۔

مصنف نے جب کسی فقہی مسئلہ پر بحث کی ہے پہلے قرآن کریم کی آیتیں پیش کی ہیں۔ پھر احادیث نبویؐ میں سے وہ تمام حدیثیں پیش کر دی ہیں جن سے موافقت یا مخالفت میں استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد ترجیح اولہ سے کام لیتے ہوئے صورت مسئلہ کو منقح اور صاف کر دیا ہے۔

اس طرح نہ صرف ہر مکتب فکر کے افکار و خیالات سے آگاہی بہم پہنچ جاتی ہے نہ صرف ائمہ فقہ کے فقیہاء مسائل علم میں آجاتے ہیں، نہ صرف ان کے اولہ، اقوال اور

وجوہ ترجیح و واضح ہو جاتے ہیں۔ بلکہ مطالعہ کرنے والا خود بھی اپنی بصیرت اور فراست کی روشنی میں ایک رائے قائم کر سکتا ہے اور اس ذخیرہ معلومات کو سامنے رکھ کر کسی ایک نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ اس طرح مطالعہ کرنے والے میں بجائے خود اجتہاد کی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے جہاں وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے وہاں یہ حقیقت بھی نظر کے سامنے آ جاتی ہے کہ کم از کم ترجیح اولہ سے ہر دینی ذوق رکھنے والا، اور پڑھا لکھا شخص کام لے سکتا ہے۔

### ایک اور نمایاں خصوصیت

اس حصہ کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جو مسائل زیادہ جامعیت اور نسبتاً بسط و تفصیل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ وہ ایسے ہیں جن سے ہر شخص کو، اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہے، یا ذاتی طور پر۔ یا صفاقی طور پر۔ یعنی یا تو ان مسائل سے انسان خود دوچار ہوتا ہے یا اگر وہ نہیں دوچار ہوتا تو اس کے دوستوں عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں کچھ ایسے لوگ ضرور ہوتے ہیں جو ان میں سرگرداں اور پریشان ہوتے ہیں، ضیق سے نکلنا چاہتے ہیں مگر نہیں نکل پاتے۔ آسان دین (الدین لیسیر) کی آسانوں سے مستفید ہو چاہتے ہیں مگر نہیں ہو پاتے۔ لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ جائز حدود کے اندر کوئی دشواری ایسی نہیں ہے جو حل نہ کر دی گئی ہو۔

اور یہ بہت بڑی نعمت ہے جو معاد کی طرف سے ملت کو دی جا سکتی ہے۔

### آنحضرت کے احکام و قضایا

علامہ ابن قیم مصنف کتاب نے، آغاز ہی میں بسط و تفصیل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام و قضایا کی جامعیت کے ساتھ اجمالی تفصیل پیش کی ہے جو نکاح و طلاق سے متعلق آپ نے صادر فرمائے۔

نکاح اور طلاق — بظاہر یہ دو لفظ ہیں جنہیں ہم ہر روز سنتے رہتے، اور جن کا انعقاد اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں، کون ہے جس نے کسی کا نکاح ہوتے نہ دیکھا ہو؟



ایسے بھی بہت کم لوگ ہوں گے طلاق کے واقعات جن کے علم میں نہ ہوں۔  
 لیکن یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ دو سادہ سے اور معمولی لفظ اپنے اندر ایک  
 کائنات پوشیدہ رکھتے ہیں۔ یہ کائنات نشاط و انبساط کی بھی اور رنج و ملال کی بھی ہے۔  
 ان الفاظ کا صحیح استعمال جہاں زندگی کو سرسبز اور شاداب بنا دیتا ہے وہاں غلط استعمال  
 اس سرسبزی اور سادابی کو ویرانے میں بھی تبدیل کر دیتا ہے۔  
 نکاح سے جہاں زندگی بنتی ہے وہاں طلاق سے بگڑ بھی جاتی ہے۔  
 یہ بڑا نازک مسئلہ ہے۔

اور کوئی شبہ نہیں اس نازک مسئلے کو بڑی خوبی سے مصنف علام نے سمجھانے  
 کی سعی کی ہے۔

### تین طلاقیں ایک وقت میں

ہمارے ہاں عام طور پر ایک مجلس میں تین طلاقیں اگر شوہر دے دے تو وہ نافذ  
 ہو جاتی ہیں۔

مثلاً اگر شوہر بیوی سے کہتا، یا اسے اطلاع دیتا ہے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں  
 دیں، تو یہ ایک وقت میں دی ہوئی تینوں طلاقیں نافذ ہو جائیں گی، یعنی طلاق مغلطہ  
 واقع ہو جائے گی۔ اب شوہر اور بیوی ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں  
 گے۔ ان کا خاندان تباہ ہو جائے گا۔ ان کے بچوں کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اور  
 ایک سرور شادماں خاندان، غم و حسرت کے سیہ خانے میں ہمیشہ کے لیے اسیر  
 ہو جائے گا۔ اب وہ عورت شوہر پر اس وقت تک حرام ہے۔ جب تک کسی دوسرے  
 آدمی سے نکاح نہ کر لے۔ اور وہ شخص اس سے وظیفہ زوجیت نہ ادا کرے۔ اور  
 جب تک وہ مرنے جائے، نہ خوشی اور رضا مندی سے طلاق نہ دے دے۔

### بیک وقت تین طلاقیں کی اصل و حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ تین طلاقیں ایک وقت میں دنیا بہت بڑی معصیت ہے۔ اور  
 یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک معصیت کو واقع اور نافذ کر دیا جائے۔

قرآن میں صاف طور پر ارشاد ہوا ہے :

الطلاق مرتان ، فامساک بمعروف أو تسريح بإحسان  
یعنی طلاق دو مرتبہ ہے۔ اس کے بعد یا تو بھلائی کے ساتھ اسے روک لو (رجعت  
کر لو) یا شرافت کے ساتھ رخصت کر دو۔

پہلی طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کا حق ہے۔

دوسری طلاق کے بعد۔ یا تین طلاق کی عدت گزرنے کے بعد، عورت بائنہ ہو جاتی  
ہے۔ اب شوہر رجعت نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر بیوی راضی ہو تو تجدید نکاح ہو  
سکتی ہے۔

یہ صورت انسانی مصالح کے بالکل مطابق ہے، اور اس کی تنقید و انتقاد بالکل  
بجائے۔ اور درحقیقت شرع کا بتایا ہوا یہی صحیح ترین طریقہ ہے۔ یہی شرعی طلاق ہے  
اس میں نہ کسی طرح کی قباحت ہے۔ نہ طرفین میں سے کسی کا زیاں اور خسارہ ہے۔ اس  
طرح نہ کوئی خاندان تباہ ہوتا ہے، نہ زندگی برباد ہوتی ہے۔ نہ اولاد کے مستقبل کا  
سوال پیدا ہوتا ہے۔

**حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان**

چنانچہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابو بکر صدیق کے پورے  
عہد خلافت میں اور حضرت عمر کے عہد خلافت کے اوائل میں بھی شرعی طلاق کی صورت  
راج اور نافذ و شائع رہی۔

لیکن بعد میں لوگوں کی جلد بازی سے تنگ آ کر حضرت عمرؓ نے ایک وقت میں  
دی ہوئی تین طلاقیں نافذ کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

ظاہر ہے حضرت اپنی جلالتِ قدر کے باوجود شارع نہیں تھے۔ لہذا شرع کے  
کسی اصول و آئین میں وہ ترمیم یا تیسرے نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ امیر المومنین اور  
اور امام المسلمین ہونے کی حیثیت سے انھیں یہ حق ضرور تھا کہ وقتی اور ہنگامی  
طور پر کسی شرعی حکم کو ملتوی کر دیں، یا معطل کر دیں، اور یہ حق صرف انہیں کو نہیں

ہر امیر اور امام کو حاصل ہے۔ چنانچہ قحط کے زمانہ میں چور کے ہاتھ نہ کاٹنا اس دعوے کا بہترین ثبوت ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کو وقتی اور ہنگامی فیصلہ یا آج کل کی اصطلاح میں آرڈی ننس کہا جاسکتا ہے۔ اسے ابدی اور دائمی حیثیت دے دینا، اور فقہ کا ایک مستقل اور قائم بالذات مسئلہ بنادینا زیادتی ہے۔ جب کہ یہ بات بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم نے اپنی ایک دوسری کتاب ”اعلام الموقعین“ میں لکھا ہے کہ۔ حضرت عمرؓ نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس فیصلہ پر ندامت کا اظہار فرمایا۔

اس مسئلہ پر اگر خالی الذہن ہو کہ غور کیا جائے۔ اس کے الہ و اعلیہ کو سمجھا جائے۔ آیات قرآنی سنت نبویؐ۔ آثار صحابہ و تابعین و تبع تابعین کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں کا نفاذ، شرعی طور پر جائز نہیں خیال کیا جاسکتا۔ حضرت عمرؓ کا فیصلہ ایک وقتی فیصلہ تھا۔ دائمی اور ابدی نہیں تھا۔ جس طرح آرڈی ننس ہنگامی حالات میں نافذ کیے جاتے ہیں۔ کتاب الالین میں ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی۔

اس مسئلہ پر علامہ ابن قیم نے بڑی خوبی کے ساتھ تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور کوئی گوشہ بحث بھی تشنہ نہیں رہنے دیا ہے۔ قرآن سے بھی استدلال کیا ہے۔ احادیث کی روشنی میں بھی بحث کی ہے۔ اسناد کو بھی پرکھا ہے اولیوں کی جرح و تعدیل بھی کی ہے۔ آثار صحابہ بھی پیش کیے ہیں ائمہ فقہ کے جو مسلک ہیں، انھیں بھی پیش کیا ہے۔ اور ان کے دلائل سے بھی بحث کی ہے اور پھر ہر طرح سے منقح کر کے اس مسئلہ دشوار کو آسان بنادیا ہے۔

### ظہار۔ ایلاء اور لعان کے مسائل

اسی طرح ظہار، ایلاء اور لعان کے مسائل بھی ہیں۔ یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینا، یا اس کے پاس نہ جانے کی قسم کھالینا، یا اس کی عصمت کے خلاف حلف اٹھانا۔ یہ بڑے ٹیڑھے مسئلے ہیں اور ہماری روزمرہ کی زندگی میں اکثر پیش آتے



رہتے ہیں۔ ناواقفیت اور لاعلمی کے باعث لوگ اس طرح کی حرکتیں کر کے پریشان بھی ہوتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا اب کیا کریں؟ اور اس گتھی کو کیونکر آسانی کے ساتھ سلجھائیں۔

ان مسائل پر حسن استدلال کے ساتھ علامہ ابن قیم نے بحث کی ہے اور مسئلہ کے ہر پہلو کو اس طرح اجاگر کر دیا ہے کہ شک و شبہ کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور حقیقت کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے۔ اور صحیح صورت مسئلہ نظر کے سامنے آ جاتی ہے۔

ان مباحث و مسائل کے ذکر میں بھی حسب سابق، مصنف علامہ نے مدار استدلال قرآن اور حدیث کو بنایا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ آئمہ فقہ کے استدلال اور وجوہ ترجیح کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے ان کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ اپنے قاری کو اندھیرے اور دھوکے میں نہیں رکھتے، اس کے سامنے سارا مواد رکھ دیتے ہیں۔ اپنی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ پھر یہ توقع رکھتے ہیں کہ قاری اب خود ایک رائے قائم کرتے اور بلاشبہ یہی اصح طریقہ ہے۔

### تختہ ازواج، عدت اور سوگ کے مسائل

ایک شوہر کی اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو وہ کس طرح عدل و انصاف کے سرشتہ سے مضبوطی کے ساتھ منساک رہ سکتا ہے؟

ایک عورت کو اگر طلاق دے دی جائے یا اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت کیا ہے اور یہ زمانہ عدت اسے کس طرح بسر کرنا چاہیے؟

کسی شخص کا کوئی عزیز قریب وفات پا جائے تو شرعی طور پر اس کا سوگ کس طرح اور کب تک منانا چاہیے؟

یہ مسائل بھی روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کون ہے جسے ان سے کسی نہ کسی صورت میں سابقہ نہ پڑتا ہو؟

علامہ ابن قیم نے ان مسائل سے بھی بحث کی ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بتایا ہے کہ ان مسائل کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ اور اگر ان سے دوچار



ہونا پڑے تو ان سے عہدہ برآ ہونے کی صورت کیا ہے ؟

ان مسائل کی اہمیت اور افادیت اس کی متقاضی تھی کہ ان کا ذکر کیا جاتا اور اس سلسلہ میں شرع دین متین کے احکام و ہدایات واضح کر دیے جاتے۔ کتاب کے مصنف علام نے یہ فریضہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔

**خلع، اقسام طلاق اور مسائل متضمنہ**

خلع یہ ہے کہ عورت کسی وجہ سے شوہر کے ساتھ رہنا نہ چاہے اور وہ اپنے مہر اور حقوق سے دستبردار ہو کر طلاق کی طالب ہو۔

طلاق دینے والے کئی قسم کے ہوتے ہیں۔

وہ بھی جو بہ ثبات ہوش و حواس یہ کام کرتے ہیں۔ وہ بھی جو ازراہ مذاق اس طرح کی بات منہ سے نکال دیتے ہیں۔ وہ بھی جو نشہ میں ہوتے ہیں یا جن پر غصہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے یا یہ الفاظ استعمال کرتے وقت جن کا ارادہ کچھ اور ہوتا ہے۔ یا جو دباؤ اور جبر کے ماتحت ایسا کر گزرتے ہیں۔

یہ ساری صورتیں پیش آتی ہیں اور پیش آ سکتی ہیں۔

لہذا ضروری ہے کہ شرع کی روشنی میں ان پر غور کیا جائے۔ اور صورت مسئلہ واضح کی جائے۔

اسی طرح ان مسائل سے متفرع ہو کر، اور بھی بہت سے ضمنی مسائل پیدا ہوتے ہیں جن سے قاضی اور حاکم کو عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے ان تمام چیزوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ دلائل و براہین کا سررشتہ کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ اپنے نقطہ نظر کے ساتھ دوسروں کا نقطہ نظر بھی پیش کیا ہے جس کے باعث حقیقت کی تہہ تک پہنچنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

**مہر، محرمات، اور مسائل متفرقہ**

مہر عورت کا حق ہے جو اسے ملنا چاہیے، لیکن یہ حق کبھی سوخت بھی ہو جاتا ہے، کبھی اس میں کمی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ کبھی یہ واجب ہی نہیں ہوتا۔

اس طرح نکاح و طلاق کے محرمات ہیں۔ اور ان مسائل مربوطہ میں کچھ اور مسائل ہیں، جو خود بھی اپنے اندر محرمات کا ایک سلسلہ رکھتے ہیں۔

شادی اور بیاہ، نکاح اور طلاق کے سلسلے میں اور بھی بہت سے متفرق مسائل پیدا ہوتے ہیں جو کافی نازک ہیں، اور جن پر نہایت احتیاط کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب مسئلہ سے متعلق تمام مواد سامنے ہو۔ ہر نقطہ نظر کا علم ہو۔ لوگ اپنے مسلک کی بنیاد جن دلائل اور براہین پر رکھتے ہیں ان سے پوری پوری واقفیت ہو۔ اور کوئی شبہ نہیں یہ کار صوب علامہ ابن قیم نے بڑی حد تک اُسان کر دیا ہے۔ پڑھنے والا اگر صاحب نظر ہے، تو اس کے سامنے زیر بحث مسائل کے تمام پہلو اُجاگر ہو جائیں گے، وہ کہیں بھی تشنگی محسوس نہیں کرے گا، اور اس میں یہ استعداد پیدا ہو جائے گی کہ اپنی بصیرت اور فراست کی رہنمائی میں وہ ان مسائل کو سمجھے۔ اور ان کے مالہ و ماعلیہ پر خود رائے قائم کر سکے۔

### مسائل بیع و نفقہ اقارب وغیرہ

بیع کے مسائل بھی ان گنت ہیں۔ ان کی نوعیتیں اور کیفیتیں بھی جدا ہیں۔ ان کے قسم، انواع بھی رنگارنگ ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے، جسے نہ نظر انداز کیا جاسکتا ہے نہ جس سے دامن چھڑایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح نفقہ اقارب کا معاملہ ہے۔

بیوی کا نفقہ، والدین کا نفقہ۔ غریب عزیزوں اور قرابت داروں کا نفقہ ان نفقات کی حیثیت کیا ہے؟ نوعیت کیا ہے؟ وجوب کیا ہے؟ لزوم کی صورت کیا ہے؟

استحسان اور استحباب کے مدارج کیا ہیں؟

یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن سے ہمیں واقف ہونا چاہیے اور ہمارے معلومات مستند بھی ہونے چاہئیں۔ ساتھ ہی ساتھ، وہ معلومات یک طرفہ نہ ہو۔ تمام متعلقہ مسائل پیش نظر ہوں۔ ان کے دلائل ان کے ماخذ، اور ان کے مصادر بھی نظر کے روبرو

ہوں۔ تب ہی ہم کوئی فیصلہ کر سکتے۔ اور کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔  
مسائل بیع اور نفقہ اقارب کے سلسلہ میں کتاب کے مصنف علام نے بحث و  
نظر کا کوئی پہلو نا تمام اور نا مکمل نہیں چھوڑا ہے۔ صرف اصولوں ہی پر اکتفا نہیں کیا  
ہے۔ جن جزئیات کو اہم اور ضروری سمجھا ہے، انہیں بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا  
ہے بلکہ ان پر کھل کر گفتگو کی ہے۔ اور اس طرح کی ہے کہ صورت مسئلہ آئینہ کی طرح  
صاف اور واضح ہو جائے۔

### سخن ہائے گفتنی

یہ تو تھا اس کتاب کے عام مباحث اور مسائل پر ایک اجمالی تبصرہ۔

اب میں ایک دوسری بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

کوئی مشہر نہیں علامہ ابن قیم اپنے علم و فضل تحقیق و تدقیق، ثروف نگاہی، اور  
وسعت نظر کے اعتبار سے یکتا اور یگانہ ہیں۔ وہ علم کا ایک بجز خار ہیں۔ وہ زم حقیقت  
کے آشنا ہیں۔ شرع کے مسائل پر ان کی حد درجہ وسیع نظر ہے، قرآن کے وہ ماہر  
ہیں؛ حدیث کے فن کے امام ہیں۔ فقہ کے دلائل و براہین مسالک اور مفروضات،  
مسائل اور مذاہب کے ایک ایک جزئیہ سے وہ واقف ہیں، ان سب چیزوں نے  
مل کر ان میں مجتہدانہ موقف پیدا کر دیا ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں، مجتہد کی مسند انہیں  
زیب دیتی ہے۔ ان جیسے یگانہ روزگار اور عالم اجل شخص کو بھی اگر مرتبہ اجتہاد پر فائز  
نہ مانا جائے، تو اور کسے مانا جائے گا؟

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود، یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ وہ بہر حال  
ایک انسان تھے اور انسانوں میں — نبی کے سوا — کوئی معصوم اور لغزش و خطا  
سے مبرا نہیں ہوتا، خواہ وہ کتنی ہی بڑی اور جلالت مآب شخصیت کامل کیوں نہ ہو؟  
چنانچہ علامہ ابن قیم بھی انسان تھے۔ ان سے بھی لغزش اور خطا کا صدور ممکن تھا۔  
چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں ان کی ہر رائے واجب تسلیم نہیں ہے۔ اپنے  
مسئلے میں وہ متشدد بھی بہت ہیں اور مخالفین کے ساتھ رعایت کم کرتے ہیں اور ان

کامیہ لرز عمل تمام تر حسن نیت، خلوص، للہیت، اور الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کے اصول کے تحت ہے۔ اسی لئے انھیں مورد الزام نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لیکن بایں ہمہ، جس طرح انھوں نے دوسروں کے مسلک کو پرکھا، جانچا۔ اس پر تنقید اور جرح کی ہے۔ اسی طرح ان کے افکار و آثار کو بھی پرکھا، جانچا، اور ان پر تنقید اور جرح کی جاسکتی ہے، تقلید اعمیٰ ایک مسلمان کا شیوہ نہیں اسے اپنی بصیرت اور فراست کا دروازہ ہر وقت کھلا رکھنا چاہیے۔

رئیس احمد جعفری

۸۹۔ ٹیگور پارک لاہور



# مباحث کتاب کا اجمالی خاکہ

قبل اس کے کہ اصل کتاب شروع ہو میں زاد المعاد جلد چہارم کے مباحث کا اجمالی خاکہ پیش کر دینا چاہتا ہوں، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ مصنف علام نے کتنی کاوش و زحمت کی ہے، اور جامعیت و اہمیت کے ساتھ، زیر بحث مسائل پر گفتگو کی ہے، بغیر اس کے اتنی ضخیم کتاب کا مطالعہ چنداں سود مند نہ ہوگا۔

● نکاح اور توابع نکاح کے سلسلہ میں مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قضایا پیش کیے ہیں، کیونکہ وہ ہر مسلمان کے لیے فیصلہ کن ہیں۔ ان سے سرتابی یا اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

یہ بحث خاصا طویل ہے۔ لیکن اس میں جو متفرع اور متضمن مسائل آگئے ہیں۔ ان کی اہمیت متقاضی بھی اس طوالت کی تھی، مثلاً مصنف نے بتایا ہے کہ:

- ۱۔ کنواری یا بیوہ یا مطلقہ کی شادی اگر باپ کر دے تو آپ کا حکم کیا ہے؟
- ۲۔ پھر نکاح بلا وئی اور نکاح مفوضہ پر روشنی ڈالی ہے۔

- ۳۔ بعد از ان زنا سے حاطہ عورت اور شروط نکاح کے سلسلہ میں آپ کے احکام کا ذکر ہے۔

- ۴۔ پھر نکاح شغار اور نکاح محلل پر بحث کی ہے۔

- ۵۔ بعد میں نکاح محرم اور نکاح متعہ پر، فکر انگیز اور سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

- ۶۔ جو شخص اسلام قبول کر لے اور اسلام سے پہلے اس کے سالہ اعتقاد میں

چار سے زیادہ بیویاں ہوں۔ تو ان کا کیا حکم ہے؟ ان میں سے کس کو طلاق دے

پڑے گی؟ اور کس طرح پڑے گی؟ اس سلسلہ میں احکام نبویؐ کے ساتھ ساتھ آئمہ فقہہ کا مسلک بھی بیان کیا ہے۔

•۔ نکاح عبد کا ذکر اس کے بعد ملے گا۔

•۔ پھر یہ معلوم ہوگا کہ نکاح کس سے حرام ہے؟

•۔ بعد ازاں قیدی عورتوں سے نکاح کی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

•۔ اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ زوجین میں سے اگر ایک دوسرے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو کیا حکم ہوگا؟

•۔ عزل، جو آج کل کی اصطلاح میں ”منع حمل“ کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔

ایک بہت اہم مسئلہ ہے، موجودہ عہد میں اس مسئلہ کی اہمیت نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کے دوران میں جہاں یہ معلوم ہوگا کہ یہ نیا مسئلہ نہیں ہے۔ آج سے ۱۴ سو برس پہلے بھی موجود تھا، وہاں یہ امر بھی واضح ہو جائے گا کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

•۔ یہ بھی بتایا ہے کہ کنیز کی آزادی اس کا مہر قرار پاسکتی ہے۔

•۔ نیز یہ بات بھی واضح کی ہے کہ صحت نکاح عورت کی اجازت پر موقوف ہے

•۔ علاوہ ان کے کفارہ نکاح، اور اس ذیل میں فقہاء اور روایات کا اختلاف بھی زیر

بحث آیا ہے۔

•۔ خیال معقہ شرط فاسد کی بحث۔ مرد آزاد یا غلام کی زیر نکاح کنیز کے خیال کا مسئلہ

ان مسائل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ سب اس کتاب میں موجود ہیں۔

•۔ صداق (مہر) اور نکاح کی بحث بھی پوری ضروری تفصیل کے ساتھ موجود ہے

•۔ مرد یا عورت کے وہ غیوب، جن کی بنا پر فسخ نکاح کی صورتیں واقع ہو سکتی

ہیں، یا جن کی بناء پر نکاح یا طلاق قرار دیا جاسکتا ہے۔ یا جن کے باعث، تفریق زوجین

ممکن ہے۔ یہ مسئلہ نازک بھی ہے اور اہم بھی۔ کتاب میں اس کے تمام پہلوؤں پر

روشنی ڈالی گئی ہے۔

۰۔ شوہر کی خدمت گزاری، یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور اس سلسلہ میں ضمنی طور پر کئی مباحث پیدا ہوتے ہیں، خدمت گزاری کے حدود، اس کی نوعیت، کیفیت، لزوم، یہ ساری باتیں زیر بحث آتی ہیں۔

۰۔ خلع اور طلاق کے مسائل، جتنے پیچیدہ ہیں، اتنے ہی ضروری بھی ہیں۔ ان سے واقفیت اور ان کے متضمنات کا علم ہر شخص کے لیے لازمی ہے۔ اور یہ علم بہرحال وجود ان ابواب و مضمون کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے، کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔

۰۔ حائض اور نفساء حالت طہر میں طلاق دینے کی تحریم پر جو بحث ہے وہ دلچسپ بھی ہے، مدلل بھی اور فکر انگیز بھی۔

۰۔ طلاق مرد کا حق ہے۔ عدت عورت کا، لیکن مرد اور عورت کو یہ حق دینے میں مصلحت کیا ہے؟ اس کے اسباب و عوامل کیا ہیں؟ اس کے مضمرات و نتائج کیا ہیں؟ یہ بھی بڑا اہم سوال ہے اور اس سوال کا تسلی بخش جواب کتاب میں موجود ہے۔

۰۔ اگر کوئی شخص کسی جائز چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، یا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے تو صورت مسئلہ کیا ہوگی؟ اور اس کے اس فعل کے اثرات و نتائج شرعی نقطہ نظر سے کیا ہو سکتے ہیں؟ یہ بحث اس کتاب میں دل نشین طور پر موجود ہے۔

۰۔ کبھی شوہر اپنی بیوی سے کہہ دیتا:

جا اپنے گھر والوں کے ساتھ رہ

آیا اس لفظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس کا شمار کنایات طلاق میں کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ان سوالات کا جواب اطمینان بخش طور پر کتاب میں موجود ہے۔

۰۔ کنایات طلاق، یعنی ایسے الفاظ کہ صاف اور واضح طور پر جن سے طلاق نہ ثابت ہوتی ہو، لیکن جن کے مفہوم اور مضمرات ایقاع طلاق پر دلالت کرتے ہوں؟ وہ کون سے کنایات ہیں جن سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

وہ کون سے کنایات ہیں جو لغو اور باطل ہیں، جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی؟

یہ بحث بھی اس کتاب میں وضاحت کے ساتھ ملے گی۔

•۔ استلحاق کا مسئلہ بھی بڑا نازک۔ اہم اور پیچیدہ ہے۔  
 استلحاق سے مراد ہے۔ ولد الزنا کو اپنے نسب میں شریک کر لینا۔  
 اس مسئلہ کے علاوہ اس سے متعلق اور متضمن احکام بھی ذکر کیے۔  
 •۔ اسی طرح حضانت کا مسئلہ ہے، یعنی اولاد صغیر کی پرورش اور پرداخت کس کا حق ہے، یا کون اس کا ذمہ دار ہے؟

یہ ایسا مسئلہ ہے جو آٹے دن اختلاف و نزاع کا سبب بنتا رہتا ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ صحیح اور مستند شرعی صورت مسئلہ کیا ہے تو اختلاف نزاع کا سلسلہ خود بخود ختم ہو جائے گا، کیونکہ حکم خدا اور رسولؐ سے سرتابی کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔

اس سلسلے میں بھی بتایا گیا ہے کہ ماں کا حق حضانت کب اور کس طرح ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ چیز بھی معلوم کرنے کی ہے۔

یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے مباحث کتاب سے متعلق جو میں نے پیش کیا ہے تفصیل خود کتاب سے معلوم ہوگی تو خود حدیث مفصل بخواں انہیں مجمل۔

رئیس احمد جعفری



مسائل ضروریہ

# نکاح و نواہج نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قضایا

## اس عنوان کے ماتحت ذیل کے اہم ترین مسائل زیر بحث آئے ہیں



- نکاح بلاولی
- نکاح مفوضہ
- زانیہ عورت سے نکاح کے احکام اور شروط نکاح
- نکاح شغار
- نکاح محلل
- نکاح محرم
- نکاح متعہ
- عزل اور اس کے احکام
- خیال معتقہ
- مہر وغیرہ

اور ان مذکورہ بالا مسائل و احکام و قضایا کے علاوہ دوسرے احکام و مسائل پر بھی بحث و نقد کی گئی ہے

# نکاح اور اس کے متعلقات

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے

صحیحین سے ثابت ہے کہ حضرت خنساء بنت حذام کا ان کے والد نے نکاح کر دیا، حالانکہ انھیں یہ نکاح ناپسند تھا۔ اور یہ تنبیہ تھیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے ان کا نکاح رد کر دیا۔

**حضرت ابن عباسؓ کی روایت** | نیز سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک باکرہ لڑکی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا ہے حالانکہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار (فسخ) نکاح دے دیا۔ یہ واقعہ

۱۔ تنبیہ اس عورت کو کہتے ہیں جو کنواری نہ ہو۔ اور باکرہ اسے کہتے ہیں جو کنواری ہو۔  
(ترمذی احمد جعفری)

۲۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت کو شادی کے معاملہ میں مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس کی مرضی اور اذن کے بغیر باپ بھی اس کی شادی نہیں کر سکتا اور اسلام کی دی ہوئی اس آزادی کو خود مسلمانوں نے کس طرح چھینا ہے، اسے کون نہیں جانتا۔

۳۔ تنبیہ تو خیر، بہر حال دانا و بینا عورت ہوتی ہے۔ لیکن کنواری لڑکی تک کو اسلام یہ حق دیتا ہے کہ اگر والدین اس کی شادی خلاف مرضی کر دیں تو وہ قاضی کی عدالت میں اس نکاح کو فسخ کر سکتی ہے اسلام کے عورت پر بے شمار احسانات ہیں، انھی میں ایک بے عظیم و جلیل احسان بھی ہے جسے مسلمانوں نے ”ناک“ کے خیال سے غصب کر رکھا ہے۔ گویا ان کی ناک اسلام سے بڑی ہے۔

خضاء کے علاوہ دوسری عورت کا ہے۔ یہ دو واقعات ہیں۔ ایک میں آپ نے بیوہ کو اختیار دیا اور دوسرے میں کنواری کو بھی اختیار دیا۔

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، باکرہ سے اجازت لئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے۔

لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ، اس سے کیسے اذن لیں؟

آپ نے فرمایا، وہ خاموش رہے، (تو بھی اس کا اذن سمجھ لیا جائے۔

اور صحیح مسلم میں ہے، اس کے دل میں اذن ہے۔ یعنی اس کی خاموشی ہی اذن ہے۔ اور اس حکم کا سبب یہ ہے تاکہ بالغہ باکرہ عورت کو (مرضی کے خلاف) نکاح پر مجبور نہ کیا جاسکے اور اس کی رضا کے بغیر اس کی شادی نہ ہو۔ یہی جمہور سلف ابوحنیفہ کا قول ہے۔ اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ اور اسی قول پر اللہ کا دین ہم اپناتے ہیں اور اس کے سوا ہمارا کچھ عقیدہ نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور امر و نہی کے مطابق بھی ہے۔ نیز قواعد شریعت اور مصالح امت سے بھی موافق ہے حکم کا توافق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم ایک مجبور کردہ کنواری کو اختیار دینے کے متعلق ہے اور یہ حدیث کسی علت سے بھی مرسل نہیں، کیونکہ یہ مسند اور مرسل ہر طرح مروی ہے اگر ہم فقہاء کے قول کے مطابق یہ کہیں کہ اتصال افضل ہوتا ہے اور متصل مرسل پر مقدم ہوگی، تو ظاہر ہے کہ وہ اکثر احادیث میں تصرف کرتے ہی رہتے ہیں۔ آخر یہ روایت اس تصرف سے کس طرح بچ گئی۔ اور اگر ہم ایسا ہی حکم دے دیں، جیسا اکثر محدثین نے فرمایا ہے تو یہ آثار صحیحہ صریحہ، قیاس اور قواعد شریعت سے قوی ہو جائے گی، لہذا قول اسی کے ساتھ متعین ہو جائے گا۔

کنواری عورت سے اذن لیا جائے گا [ رہا آپ کے امر کے ساتھ توافق قول، تو آپ نے فرمایا ”کنواری عورت

سے اذن لیا جائے گا۔“

یہ امر موکد ہے کیونکہ صیغہ خبر کے ساتھ امر دیا گیا۔ جو مجزیہ اور اس کے ثبوت و لزوم



کے تحقق پر دلالت کرتا ہے اور آپ کے اوامر کے متعلق یہ اصول ہے کہ جب تک اس کے خلاف اجماع ثابت نہ ہو تب تک آپ کے اوامر و حوہب کے معنی میں ہیں۔

**نکاح بغیر اذن جائز نہیں** | اور نہی کے ساتھ توافق، کہ آپ کا فرمانا، کنواری کا نکاح اس کے اذن کے بغیر نہ کیا جائے۔ اسی طرح امر و نہی اور

تخیر یہ طریقہ اثبات حکم کے لئے سب سے زیادہ بلیغ ہے۔ رہا قواعد شرع سے توافق، تو کنواری اگر بالغہ عاقلہ سمجھ دار ہو تو اس کا والد اس کی مملوکہ میں سے کسی معمولی سی چیزیں بھی اس کی مرضی کے بغیر تصرف کرنے کا مجاز نہیں۔ اور نہ اس کی مرضی کے بغیر اسے اس بات پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ معمولی سی چیز بھی اپنی ملکیت سے خارج کر دے۔ تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اسے کنیز بنادے اور اس کی مرضی کے بغیر جس کو چاہے اس کی ملکیت میں دے دے، حالانکہ وہ شخص اس کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند ہے، اور وہ اسے سب سے زیادہ مبغوض سمجھتی ہے۔ اس کے باوجود وہ جبراً اس کا نکاح کسی کے ساتھ کیسے کر دے گا؟ اور اس کے پاس ایک قیدی کی حیثیت میں کیونکہ بھیج دے گا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ یہ تمہارے پاس پابند یعنی قیدی نہیں۔ اب اگر یہ صریح حدیث اس کے متعلق مروی نہ بھی ہوتی پھر بھی قواعد شریعت کا یہی

سلو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ زندگی کے جملہ معاملات میں، یعنی نکاح، ملکیت، تجارت، کاروبار ہر چیز میں اسلام نے عورت کی انفرادیت غیر مشروط طور پر تسلیم کی ہے۔ خواہ وہ ثیبہ ہو یا باکرہ اس کے اس حکم میں نہ والدین مداخلت کر سکتے ہیں، نہ شوہر، نہ کوئی اور،

یہ ایسی آزادی ہے جو اس ترقی کے دور میں بھی بہت سی قوموں اور ملتوں کی طرف عورتوں کو نہیں ملی ہے۔ مسلمان فخر کر سکتے ہیں کہ انھوں نے انسان کے ”بنیادی حقوق“ جس طرح مرد کو دیئے ہیں بالکل اسی طرح عورت کو بھی دیئے ہیں۔ دونوں میں کسی طرح کی تفریق اور امتیاز روا نہیں رکھا ہے۔

مقتضی تھا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری اور بیوہ میں فرق کیا۔ اور فرمایا، بیوہ کا نکاح اس کا اذن لئے بغیر نہ کرو۔ اور کنواری کا نکاح اس کا اذن لئے بغیر نہ کرو۔

اور فرمایا، بیوہ اپنے ولی کی بجائے خود اپنے آپ کی زیادہ حقدار ہے اور کنواری سے اس کا والد اجازت لے۔ تو آپ نے بیوہ کو ولی سے زیادہ اپنے آپ کا حقدار قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کنواری کا ولی (والد) اس کا اس سے بھی زیادہ حقدار ہے ورنہ پھر اس بات سے بیوہ کی تخصیص قائم نہ رہی۔

**نثیبہ اور باکرہ کے طریق اذن میں فرق** | نیز طریقہ اذن میں بھی آپ نے فرق فرمایا۔ نثیبہ کا اذن بولنا قرار دیا اور باکرہ کی طرف خاموشی ہی کو اذن تسلیم کیا۔ یہ چیز اس بات کی شاہد ہے کہ اس کی رضا کا کچھ اعتبار نہیں اور والد کے ہوتے ہوئے اسے کچھ حق حاصل نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کے بالغہ، عاقلہ اور سمجھدار ہونے کے باوجود اس کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا جائے۔ اور ایسے آدمی کی بیوی اسے بنا دیا جائے جسے وہ تمام مخلوق سے زیادہ مبغوض سمجھتا ہے۔

**جن احادیث سے استدلال مروی ہے** | اور جن احادیث سے تم نے استدلال کیا ہے وہ اس قول کے ابطال

میں واضح تر ہیں اور تمہارے پاس اس قول کے سوا کچھ دلیل نہیں کہ بیوہ اپنے ولی سے زیادہ اپنے آپ کی حقدار ہے۔ اور یہ تو طریقہ افہام پر دلالت کرتا ہے۔ اور تم سے

لے بیوہ عورت چونکہ آزادی کی فضا میں سانس لے چکتی ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز سے واقف ہو چکتی ہے، زندگی کو برت چکی ہوتی ہے، لہذا اس کے لئے کسی ولی کی بھی ضرورت نہیں وہ خود اپنی ولی ہے۔

تہا زعمہ کرنے والے اس بات پر بحث کر رہے ہیں کہ یہ حجت بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر اسے حجت مان بھی لیا جائے تو حکم صریح پر اس سے مقدم نہیں سمجھا جاسکتا۔ نیز یہ بھی اس وقت اس قسم کی دلیل ہو گا جب کہ یہ کہا جائے کہ اس کا مفہوم عموم پرمبنی ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ عموم میں داخل نہیں کیونکہ اس کی دلالت تخصیص مذکورہ پر ہے جس سے کچھ حاصل نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کے ماسوا سے حکم کی نفی ہو گئی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اس کے ماسوا کو اثبات حکم اور انتفاء حکم کی طرف تقسیم کرنا بلاشبہ فائدہ مند ہے۔ نیز مسکوت عنہ کے لئے دوسرا حکم ثابت کرنا بھی مفید ہے۔ اگر حکم منطوق کے خلاف نہ ہو۔ اور اس کی وضاحت سے بھی ایک فائدہ ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب مفہوم قیاس صریح کے خلاف ہو۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ قیاس اس سے بہتر ہے۔ اور یہ بات نصوص مذکورہ کی مخالف بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر غور کیجیے۔

”کنواری عورت سے اس کا باپ اجازت لے۔“

اور یہ جملہ آپ نے اس کے بعد فرمایا۔

”بیوہ اپنے ولی سے زیادہ اپنے آپ کی حقدار ہے۔“

یہ کلام اس قول کو وسیم ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور ثبوت کے اپنے آپ کے حقدار ہونے کے قول سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ کنواری کو اپنے نفس اور وجود پر کوئی استحقاق حاصل نہیں۔

اجبار کے بارے میں فقہاء کا اختلاف رائے | فقہاء میں اجبار کے متعلق اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں چچا قوال

مروی ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ بکارت کے باعث اس پر جبر ہو گا۔

یہ شافعیؒ۔ مالک کا قول ہے اور ایک روایت میں احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

۲۔ دوسرا، صغریٰ کے باعث جبر ہو گا یہ ابو حنیفہ کا قول ہے۔ اور دوسری روایت

میں احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔

۳۔ تیسرا دونوں مذکورہ عل کے باعث جبر ہوگا۔ یہ احمد سے تیسری روایت ہے۔

۴۔ چوتھا، یہ کہ دونوں میں سے کسی ایک سبب کے باعث بھی جبر کیا جاسکتا ہے۔ یہ احمد کا چوتھا قول ہے جو ان سے مروی ہے۔

۵۔ پانچویں، ایلا د کے باعث جبر ہوگا۔ چنانچہ بالغ ثیبہ پر بھی جبر ہوگا۔ اسے قاضی اسماعیل نے حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے۔ اور یہ خلاف اجماع ہے۔ لیکن بقول سبب پر مبنی ہے، لیکن یہ سبب سراسر ظلم و جور ہے۔

۶۔ چھٹے یہ اس لیے جائز ہے کہ عورت باپ کی عیال ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اذن باکرہ خاموشی ہے۔ اور اذن ثیبہ زبان سے ہوگا، لیکن اگر باکرہ بھی زبان سے اذن دے، تو یہ زیادہ پختہ اذن ہوگا۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ صرف خاموشی ہی کی صورت میں نکاح کر دینا چاہیے۔ ظاہر الفاظ کے لحاظ سے یہ مسلک زیادہ درست ہے۔



# یتیم لڑکی کا نکاح اسکی بلا منظور نہیں کیا جاسکتا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یتیم لڑکی سے اس کی شادی کے بارے میں اجازت لی جائے گی۔ لیکن بلوغ کے بعد اس پر نفاذ امر نہیں ہے۔  
یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلوغ سے پہلے بھی یتیم بچی کا نکاح کیا جاسکتا ہے۔  
حضرت عائشہؓ کا مذہب یہی ہے اس پر قرآن و حدیث مشاہد ہے، اور احمد اور ابو حنیفہ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا۔  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تَوْتُونَهُنَّ مَأْكُتِب لِهِنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ۔  
یعنی اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی، کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے، ان کی، اور وہ جو تم کو نایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے ان یتیم عورتوں کا، جن کو تم نہیں دیتے، جو ان کے۔ اے مقررہ کیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ یتیم بچی کے متعلق ہے، کہ جس نے اپنے ولی لے گھڑیں پہر ورش پائی ہو، اور ولی اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔

لیکن اس سے سنتِ صداق (مہر) ختم نہ ہوگی۔ اس لئے ان کے نکاح سے منع فرمایا ہے۔ ہاں اگر ان کا مصداق مناسب (مہر) مقررہ نہ لیا جائے (تو کوئی ہرج نہیں)

سنن اربعہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ یتیم بچے کے متعلق اس کا اذن طلب کیا جائے۔ اب اگر وہ خاموش رہے تو یہی اس کا اذن ہے۔ اور اگر انکار کر دے تو پھر اس کا نکاح، جائز نہ ہوگا۔

---

اے یتیموں کی بے بسی اور کس پر سی اظہار من اشمش ہے اور یتیم لڑکی تو معاشرہ میں ایک پونجی ہوتی ہے۔ جس پر ہر شخص کو پوری دسترس حاصل ہوتی ہے۔

لیکن اسلام نے یتیموں کا خیال رکھا ہے۔ ان کے حقوق کی پوری نگہداشت کی ہے۔ ان پر ظلم و زیادتی کو روکا ہے اور انہیں وہی حقوق و مراعات دینے ہیں جو دوسروں کو حاصل ہیں اور خاص طور پر یتیم لڑکی کے بارے میں تو اس کے احکام اور زیادہ سخت ہیں۔ چنانچہ نکاح کے بارے میں اس پر کوئی تعدی نہیں ہو سکتی۔ وہ آزاد ہے اس کا نکاح صرف اس کی مرضی اور اجازت سے ہو سکتا ہے۔

# نکاح بلا ولی

سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے گی اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔

اور اگر وہ کرے تو مہر کی مستحق ہوگی، جیسا رواج ہو۔

لیکن اگر ولی سے جھگڑا ہو جائے۔ تو اس صورت میں بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں (ترمذی حسن صحیح) اور سنن اربعہ میں آپ سے مروی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح درست نہیں ہے نیز صحیحین میں آپ سے مروی ہے ایک عورت دوسری عورت کا ولی بن کر نکاح نہیں کر سکتی۔ اور نہ اپنا خود نکاح کر سکتی ہے۔ کیونکہ زنا کرنے والی ہی اپنا نکاح خود کرتی ہے۔

آپ نے فیصلہ فرمادیا کہ جب دو ولی ایک عورت کا نکاح کر دیں تو پہلے ولی کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کسی نے دو آدمیوں کے ہاتھ (ایک چیز) فروخت کر دی تو وہ پہلے خریدار کی ہوگی۔

---

لہ ولی کے بغیر اس عورت کا نکاح درست نہیں ہوگا جو نابالغ اور صغیر سن ہو۔ بصورت دیگر جائز ہے۔ اس میں ولی کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ۔

# نکاح تفویض کے بارے میں آپ کا فیصلہ

ثابت ہے کہ آپ نے ایک آدمی کے متعلق، جس نے ایک عورت سے نکاح کیا، مگر مہر مقرر نہیں کیا، نہ خلوت کی اور فوت ہو گیا۔ فیصلہ فرمایا کہ عورت کے لئے مہر مثل ہوگا، نہ افراط ہوگی اور نہ تفریط۔ اس کا میراث میں حصہ ہے اور اس پر چار ماہ دس دن کی عدت لازم ہے۔

اور ترمذیؒ میں آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک آدمی سے فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ میں تمہارا فلاں عورت سے نکاح کر دوں؟ اس نے عرض کیا، جی ہاں!

پھر آپ نے (عورت کو خطاب کر کے) فرمایا، کیا تم راضی ہو کہ میں فلاں مرد سے تمہارا نکاح کر دوں؟

وہ کہنے لگی۔ جی ہاں! آپ نے دونوں کا نکاح فرما دیا۔ چنانچہ مرد نے عورت سے خلوت کی اور مہر مقرر نہ کیا اور نہ عورت کو کچھ دیا۔ چنانچہ مرض و فوات میں آپ نے مرد کا وہ حصہ جو خیر کی غنیمت میں اسے ملا تھا۔ عورت کو مہر کے طور پر عطا فرما دیا۔

احکام متضمنہ حدیث | یہ احکام آل بات پر متضمن ہیں کہ

۱۔ یعنی جو خاندانی مہر ہے نہ اس سے زیادہ دلایا جائے گا نہ کم  
۲۔ اس سے ثابت ہوا کہ انعقاد نکاح مہر کو واجب کر دیتا ہے۔



(۱) مہر مقرر کیے بغیر نکاح جائز ہے۔ اور نکاح کے بعد خلوت بھی جائز ہے۔  
 (۲) اس صورت میں موت ہو جانے پر مہر مثل واجب ہوگا۔ اگرچہ خلوت نہ کی ہو۔  
 (۳) اس موت پر عدلت و فوات لازم ہوگی، اگرچہ خاوند نے اس سے خلوت کی ہو۔  
 یہی مساک ابن مسعودؓ، فقہائے عراق اور علمائے حدیث احمدؒ اور شافعیؒ نے بھی  
 ایک روایت کے مطابق اختیار کیا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن ثابت کا قول ہے کہ عدم خلوت کی صورت  
 میں عورت مہر کی مستحق نہ ہوگی۔ اہل مدینہ، مالکؒ اور دوسرے قول کے مطابق امام شافعیؒ  
 نے بھی یہی مساک اختیار کیا ہے۔

(۴) نیز یہ روایت اس پر بھی متضمن ہے کہ دونوں طرف سے ولی بننا جائز ہے۔ جیسے  
 جانبین کا خرید و فروخت میں وکیل ہوتا ہے یا دونوں میں سے کسی ایک کا وکیل ہو یا ایسا  
 ولی ہو جسے زوج نے مقرر کیا ہو یا زوج کو ولی نے وکیل بنایا ہو۔  
 ولی کے لیے صرف اس قدر کہ دینا کافی ہے۔

میں نے فلاں مرد کا فلاں عورت سے نکاح کر دیا۔

یا میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا جب کہ کہنے والا خود خاوند ہو۔

یہ ظاہر مذہب احمد کا ہے۔ ان سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے کہ ”یہ قول صرف  
 ولی مجبر کے لیے جائز ہے جیسے کسی نے اپنی کنیز مجبرہ کی لڑکی کا نکاح عبد مجبر سے کر دیا۔  
 اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طرفین سے ایک ہی (کی) رضا معتبر نہیں ہو سکتی۔ نیز احمد کے  
 مذہب میں اک تیسرا قول بھی منقول ہے کہ یہ صورت صرف خاوند کے لیے جائز ہے  
 کیونکہ احکام طرفین متضاد ہونے کے باعث ولدیت طرفین صحیح نہیں ہوگی۔

# نکاح کے بعد اگر معلوم ہو عورت حاملہ ہے

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ

سنن اور مصنف میں حضرت سعد بن حسیبؓ کی بصرہ بن اکثم سے روایت ہے کہ میں نے ایک عورت سے جو کہ باکرہ تھی نکاح کیا۔ میں نے خلوت کی تو معلوم ہوا وہ حاملہ تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو نے چونکہ اس سے خلوت کر لی، اس لیے تجھے مہر دینا پڑے گا۔ اور لڑکا تیرا غلام ہو گا۔ اور جب یہ بچہ جن چکے گی تو اس پر حد جاری ہوگی۔

۱۔ بیوی کیسی ہی خطا کار اور عصیان شعار، بلکہ فریب کار ثابت ہو۔ ان جرائم کی اسے قاضی کی عدالت سے سزا بھی ملے گی، لیکن اگر شوہر اس سے خلوت کر چکا ہے، متمتع ہو چکا ہے۔ تو مہر بہر حال ادا کرنا پڑے گا۔

۲۔ کوئی آزاد غلام نہیں بنایا جاسکتا۔

۳۔ ایک کی سزا دوسرے کو دی جاسکتی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے، لا تزر وازرة وزرا  
۱۔ آخری۔ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔ پھر ماں کے جرم کی سزا وہ بچہ کیوں بھگتے جو معصوم پیدا ہوا ہے۔ جس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ جسے صلح مواقع حاصل ہوتی تو وقت کا بہت بڑا عالم، فاضل، متقی اور پرہیزگار بن سکتا ہے۔

اس روایت کو اگر روایت کی کسوٹی پر علامہ ابن قیمؒ رکھتے تو نہ اسے درج کرنے کی ضرورت تھی، نہ اس پر نکتہ سنجیوں کی۔

پھر دونوں میں آپ نے تفریق کرادی ہے۔

**اہل مدینہ اور جمہور فقہاء کا قول** | اس سے ثابت ہوتا ہے کہ :  
(۱) زنا کے باعث حاملہ عورت کا نکاح باطل ہے

یہی اہل مدینہ اور امام احمدؒ اور جمہور فقہاء کا قول ہے۔

۲۔ نکاح فاسد میں مقرر کردہ مہر دینا واجب ہے۔ اقوال ثلاثہ میں سے یہی قول صحیح ہے

۳۔ نیز یہ کہ مہر مثل واجب ہے۔ یہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۴۔ دونوں میں سے ہلکا امر اختیار کیا جائے گا۔

۵۔ نیز یہ روایت محل کی وجہ سے حد گانے کو بھی متضمن ہے، اگرچہ بینہ (دلیل) قائم نہ

ہو اور نہ اعتراف ہو۔ کیونکہ محل تمام دلائل سے زیادہ پختہ دلیل ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ

رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی

یہی مذہب ہے۔

**حدیث مذکور سے متعلق چند اقوال** | اور آپ کا یہ حکم کہ جو بچہ اس عورت کے بطن  
سے پیدا ہوگا، وہ غلام ہوگا، تو اس کے بارے

میں چند قول ہیں۔

• یہ لڑکا ولد الزنا ہے اس کا کوئی باپ نہیں۔ اس کی ماں نے شوہر کو دھوکا دیا۔ اور

شوہر نے مہر بھی دے دیا۔ لہذا اس نے تاوان کے طور پر بیٹے کو خدمت میں دے

دیا، اور وہ بہ منزلہ غلام ہو گیا۔ حالانکہ وہ باقاعدہ غلام نہیں ہے۔ بلکہ ماں کے ساتھ

۱۔ قاضی کے سامنے اگر اس طرح کا مقدمہ آئے تو وہ میاں بیوی میں اس فریب کاری کے باعث

تفریق کرادینے کا مجاز ہے۔

۲۔ پھر اسے کس اصول کے ماتحت، قرآن کی کس آیت کے مطابق۔ کس سنت صحیحہ صریحہ

کے مطابق کن آثار صحابہ و تابعین کے مطابق، کن آئمہ فقہ و شریع کے اقوال، احکام اور قضایا

کے مطابق غلام قرار دیا جاسکتا ہے؟

تبعاً آزاد ہے۔

- یہ محتمل مسئلہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ غلامی ماں کی عقوبت کے طور پر ہو، کہ اس نے شادی سے پہلے زنا کی تھی۔ اور شوہر کو دھوکا دیا تھا۔
- یہ فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہوئے اس صورت میں یہ حکم ایسے کسی دوسرے مقدمہ میں متعدی نہیں ہوگا۔
- ہو سکتا ہے کہ یہ منسوخ ہو۔
- یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اسلام کے ابتدائی عہد کا موقع ہو۔ جب قرض کے بدلے میں آزاد غلام بنایا جاسکتا تھا۔

۱۔ ماں نے شادی سے پہلے یا بعد میں اگر کوئی جرم کیا، اسے سزا مل گئی اور یہ کافی ہے اور افروشنا اگر اسے سزا نہیں بھی ملی، تو بھی کسی اصول کے مطابق بھی اس کے لڑکے کو، جس کا ماں کے گناہ سے کوئی تعلق نہیں کس طرح سزا دی جاسکتی ہے۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمتہ للعالمین تھے وہ تو گنہگاروں اور معصیت شعاروں کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کرتے تھے ان کے بارے میں یہ خیال کہ ناحد درجہ متبعدا از عقل ہے کہ وہ گنہگار کی سزا، بے گناہ کو دیں گے۔ نہ یہ تخصیص ہے نہ تعمیم۔

۳۔ اسلام کے ابتدائی عہد میں ایسا کوئی واقعہ نہ سنت سے ثابت ہے نہ تاریخ سے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ عہد جاہلیت میں یہ اصول رائج ہو، لیکن اسلام تو جہالت کی رسمیں مٹانے آیا تھا۔ ان کی تجدید و احیاء کے لیے عالم وجود میں نہیں آیا تھا۔



# شرائطِ نکاح

## عقد نکاح کے شرائط لازمہ و معلومہ

صحیحین میں آپ سے مروی ہے کہ شرائطِ نکاح کا حق یہ ہے کہ بیوی سے خلوت کر لینے کے بعد، وہ تمام شرائط پورے کرے۔ جو تم نے یہ سلسلہ نکاح کیے تھے۔

**ایک حکیمانہ فرمان** نیز صحیحین میں آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ کوئی عورت اپنی (مسلمان) بہن کی طلاق کی خواہاں نہ ہو بلکہ جو کچھ اس کے کشکول میں ہے اسے بھی خود ہی حاصل کر لے، کیونکہ جس کا جو مقدر ہے وہ اسی کے لیے ہے

**طلاق کا مطالبہ نکاح ثانی کے لیے حرام ہے۔** نیز صحیحین میں آپ سے مروی ہے، کہ آپ نے اس بات

سے اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، اور اس کی پہلی بیوی موجود ہے، تو یہ عورت اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ وہ پہلی بیوی کو طلاق دے دے یہ مطالبہ اقدارِ انسانی کے یکسر منافی ہے۔ اور اسلام اقدارِ انسانی کو سر بلند کرنے کے لیے آیا ہے نہ کہ انہیں پامال کرنے۔

موجودہ دور میں بھی اس طرح کی شرطیں ہوتی رہتی ہیں، اور ان سے معاشرہ میں جو فتنے اور مفسدے پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ کس کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔

سے منع فرمایا کہ عورت اپنی بہن کو طلاق دینے کی شرط لگائے۔

مسند امام احمدؒ میں آپؐ سے مروی ہے کہ کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ دوسری عورت کو طلاق دینے کی شرط پر نکاح کرے۔

ان سنن سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے موقع پر جو شرائط کیے گئے ہوں۔ ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ بشرطیکہ یہ شرائط اللہ اور اس کے رسول کے احکام میں تغیر کرنے کا باعث نہ ہوں۔

نیز مہر فوری طور پر یا بعد میں ادا کرنا واجب ہے۔ یا اس کی ضمانت یا رہن کی صورت (جانبین کے اتفاق سے) اختیار کی جاسکتی ہے۔

اور اگر شرائط میں ترک خلوت، ترک انفاق اور ترک مہر وغیرہ ہوں تو ان کی پابندی ضروری نہیں ہے۔

بیوی کے شہر اور بیوی کے گھر میں رہنے کی شرط کی وفا و عدم وفا پر اختلاف ہے، اس

۱۔ نکاح کے وقت جو شرائط بیوی کی طرف سے پیش ہوں۔ اور شوہر انہیں منظور کرے۔ نکاح کے بعد پوری دیانت اور سچائی کے ساتھ ان کا ایفا کرنا اور ان پر عمل کرنا شوہر کے لیے واجب اور لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو بیوی فسخ نکاح کا عوی کر سکتی ہے۔ لیکن شرائط کے لیے پہلی اور آخری شرط یہ ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اصول سے معارض نہ ہوں۔ ان کی بجا آوری، احکام خدا اور رسول کی بجا آوری میں مانع نہ ہونا اگر ایسا ہوگا تو خدا اور رسول کے احکام قائم رہیں گے اور شرائط ساقط ہو جائیں گے۔

۲۔ مہر کی دو قسمیں ہیں، ایک معجل، دوسرا موجل۔ پہلا مہر فوراً ادا کر دینا چاہیے دوسرا عند الطلب۔ ۳۔ ترک خلوت، یعنی یہ شرط کہ شوہر بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا۔ اس صورت میں نکاح درست ہوگا۔ بشرط خود بخود ساقط ہو جائے گی۔

۴۔ ترک انفاق کی شرط بھی واجب العمل نہیں ہے اس پر عمل کرنا پڑے گا۔

۵۔ ترک مہر کی شرط بھی نافذ نہیں ہوگی۔ مہر حالت میں دینا ہوگا، بجز اس صورت کے کہ بیوی خود معاف کر دے۔

شرط کی وفا اور عدم وفا میں بھی اختلاف ہے کہ شوہر بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا یا اس پر سوت نہیں لائے گا۔

امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ ان شرائط کو پورا کرنا لازم ہے اگر کسی نے یہ شرط پوری نہ کی تو عورت نسخ نکاح کی مجازی ہے۔

بکارت و نسب اور جمال و سلامتی عیوب کی شرطیں اگر کی گئی ہوں، اور وہ نہ پائے جائیں تو نکاح فسخ نہیں ہوگا۔

عدم ایفاء شرائط نکاح | اور آیا عدم ایفاء شرائط نکاح، فسخ نکاح میں موثر ہے۔ اس کے بارے میں چند قول ہیں۔

• عدم نسب کی صورت میں فسخ نکاح نہ  
• بشرط نکاح اگر یہ ہو کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دی جائے، تو ارشاد نبویؐ کے مطابق یہ باطل ہے، اس کی وفا لازم نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ پہلی بیوی کی طلاق اور سوت نہ لانے میں فرق کیا ہوا؟ پھر کیا وجہ ہے کہ تم ایک کو جائز اور دوسری کو باطل ٹھہراتے ہو؟

تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق واضح ہے۔ پہلی بیوی کی طلاق کی شرط پہلی بیوی کے لیے اضرار، دل شکنی، خانہ ویرانی اور شہادت وعدا پر ملتج ہوگی۔ اس کے برعکس سوت نہ لانے میں یہ صورتیں نہیں پیش آتیں، چنانچہ نص نے دونوں میں فرق کیا ہے اور ایک کا دوسرے پر قیاس، قیاس فاسد ہے۔

---

۱۔ وہ شرطیں جو عقلا اور عرفا ناروا ہوں، ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

# نکاح شغار

## ادلابدلی کے نکاح کی شدید ممانعت

حضرت ابن عمرؓ اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایت کے مطابق نکاح شغار کی ممانعت ثابت ہے۔ نیز امیر معاویہؓ کی روایت سے بھی ممانعت ثابت ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ اسلام میں شغار نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں شغار کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی دوسرے سے اس شرط پر بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اسے بیاہ دے گا۔ اور ان کے درمیان مہرنہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں شغار کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دوسرے سے کہے تو اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دے اور میں اپنی بیٹی کا تجھ سے نکاح کر دیتا ہوں، یا تو اپنی بہن کا مجھ سے نکاح کر دے اور میں اپنی بہن کا تجھ سے نکاح کر دیتا ہوں۔

امیر معاویہؓ کی حدیث یہ ہے کہ عباس بن عبد اللہ بن عباسؓ نے عبدالرحمن بن حکم سے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ اور عبدالرحمنؓ نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی، لیکن انھوں نے مہر بھی مقرر کیا تھا۔ امیر معاویہؓ نے مروان کو لکھا کہ ان دونوں میں تفریق کرادے اور فرمایا، یہ شغار ہے۔ جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

نکاح شغار کے بارے میں فقہاء کے اندر اختلاف ہے۔



امام احمد فرماتے ہیں کہ شغار اس صعدت میں باطل ہے۔ جب ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے شخص سے اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے گا۔ اعدان دونوں کے درمیان مہر بھی نہ ہو۔ امام محمد کا یہ قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر مبنی ہے۔

لیکن اگر دونوں نے مہر طے کر لیا۔ تو مہر معین کرنے کی وجہ سے نکاح درست ہوگا۔

خرقی فرماتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کی حدیث کے مطابق اگر مہر کا نام لے بھی لیا جائے، تو بھی نکاح درست نہ ہوگا۔

**امام ابن تیمیہ کا قول** | اصحاب احمد میں سے ابوالبرکات علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا قول ہے کہ اگر مہر کا نام اس طرح لیا جائے کہ ایک عورت سے تمتع کو دوسری سے تمتع کا مہر قرار دیا جائے۔ تو نکاح درست ہے۔ لیکن اگر یہ شرط نہ لگائی جائے اور سیدھا سادھا مہر کا نام لیا جائے تو درست ہے۔

**علت نہی اور فقہاء اسلام** | علت نہی میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دونوں عقدوں میں سے ہر ایک کی شرط کو دوسرے کی شرط قرار دینا علت نہیں۔

ایک قول یہ ہے

کہ علت نہی تشریک بضع۔ یعنی اشتراک تمتع ہے، کیونکہ ایک سے تمتع کو دوسری سے تمتع کا مہر قرار دیا گیا ہے۔ جس سے عورت کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ نہ اسے مہر مل سکتا ہے۔

بلکہ مہر ولی کی طرف عائد ہو جائے گا۔ اور یہ ظلم ہے ہر دو عورتوں کے لیے اور نکاح کا مہر سے خالی ہونا ہے۔ حالانکہ مہر وہ چیز ہے جس سے وہ مفتقع ہوتی ہے، لیکن

اگر مہر مقرر کر دیا جائے تو مخدور زائل ہو جائے گا۔ اور ایک دوسرے کے لیے اشتراط فاسد باقی نہیں رہے گا، لہذا فساد عقد بھی واقع نہیں ہوگا۔

لے نکاح شغار بھی ان برائیوں میں ہے جو سماج، سوسائٹی اور معاشرہ کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نکاح شغار ایک طرح کا سودا ہے۔ جس میں عورت کی حیثیت مال تجارت سے زیادہ کچھ نہیں وہ ایک بے بس معمولی کی طرح اپنی قسمت پر مہر لگتے دیکھتی ہے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ پھر اولاد بنی کے نکاح میں جو مفاسد شنیعہ ہیں وہ کس سے پوشیدہ ہیں؟ زید نے خالد کی بہن سے خالد نے زید کی بہن سے اس اصول پر شادی کر لی، زید اپنی بیوی سے نہ نباہ سکا۔ خالد کی اچھی طرح سمجھ رہی ہے، لیکن چونکہ زید سے خالد کی بہن کو تکلیف پہنچی، لہذا خالد زید کی بہن یعنی اپنی بیوی کو بے خطا اور بے قصور تکلیف دے گا۔

یہ صورتیں ہماری سماج میں اب بھی جاری ہیں اور ان کے ہولناک اور لرزہ خیز نتائج بھی سب کے سامنے ہیں۔

# نکاح محلل

## حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے پر لعنت کی وعید

ترمذی اور مسند میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت کی ہے۔

مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ محلل اور محلل لہ پر لعنت کرتا ہے۔ اس کی سند بھی حسن ہے۔ نیز ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہے۔

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میں تمہیں مستعار بکرا نہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں! اے اللہ کے رسول۔

---

لہ محلل وہ ہے، جو تین طلاق والی عورت سے شادی کرے اس ارادہ سے کہ اس سے خلوت کیے بغیر طلاق دے دے گا، تاکہ سابقہ شوہر پھر اس سے نکاح کر سکے۔ اور یہ چیز منافی مقصد نکاح ہے۔ یہ صرف قانونی خانہ پوری ہوگی، قواعد شرع سے بچ نکلنے کا ایک چور دروازہ اور ظاہر ہے اس طرح کی عملیہ گری احکام خدا و رسولؐ کے ساتھ تمسخر ہے۔ محلل لہ وہ ہے جس کے لیے حلالہ کیا جائے

آپ نے فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ حلالہ کرنے والے پر، اور جو حلالہ کرائے اس پر۔

یہ چار سادات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی کہ آپ نے اس فعل کے کرنے والے پر یعنی حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرنے والے پر لعنت کی۔ اور یہ اگر اللہ کی جانب سے خبر ہے، تو خبر صادق ہے اور یا بد دعا ہے، تو قطعی طور پر دعائے مستجاب ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فعل کبائر معاصی میں سے ہے، جس کا مرتکب ملعون ہے۔ اہل مدینہ اہل حدیث اور فقہائے کرام کے نزدیک قول یا و طی اور قصہ میں کچھ فرق نہیں کیونکہ عقود میں قصد کا اعتبار ہے اور اعمال نیت پر منحصر ہیں اور شرط و طی سے تو جانبین کے نزدیک طے شدہ ہوتی ہے۔ جیسے ملفوظ ہی ہو۔ اور الفاظ کے معنی بعینہ وہی ہیں بلکہ ولالۃ لیے جاتے ہیں۔ پس جب معافی اور مقاصد ظاہر ہو گئے، تو محض الفاظ کا کیا اعتبار رہا، کیونکہ یہ تو وسائل کا درجہ رکھتے ہیں۔ جب مقصود متعین ہو گیا، تو اس کے احکام بھی مرتب ہو گئے۔



# نکاح متعہ

## حلت اور حرمت سے متعلق روایات

آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے نکاح متعہ کو فتح کے سال سے حلال کیا، اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے اسی سال اس سے منع بھی فرمایا۔ اور خیبر کے روز آپ نے اس کی ممانعت کی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اس باب میں دو قول ہیں۔

اور صحیح یہ ہے کہ ممانعت فتح کے سال میں ہوئی۔ اور خیبر کے سال میں پالتو گدھوں کی ممانعت ہوئی۔

**روایت علیؑ و ابن عباسؓ** حضرت علیؑ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے خیبر کے سال عورتوں سے متعہ کی ممانعت کی۔ اور پالتو گدھوں کی ممانعت فرمائی۔

اس روایت سے دو مسائل کی دلیل ملتی ہے۔ چنانچہ بعض روایات نے سمجھا کہ یوم خیبر کی تقیید دونوں کی طرف راجع ہے۔ لہذا روایت بالمعنی کر دی۔ پھر بعض نے ایک

ایک حصہ کو مفرد کر کے بیان کیا۔ اور دوسرے کو خیر کے دن سے مقید کر دیا۔ ویسے غزوہ فتح میں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔

**اباحت متعہ از روئے روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ** | ابن مسعود کے ظاہر کلام سے نکاح متعہ کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ صحیحین میں ان سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جہاد تھے، لیکن ہمارے ساتھ عورتیں نہیں تھیں۔ پس ہم نے عرض کیا،

”یا رسول اللہ کیا ہم خسی ہو جائیں؟“

آپ نے اس سے منع فرمایا، اور بعد میں ہمیں اجازت دے دی کہ ہم مدت معینہ کے لئے کسی عورت سے نکاح چند گز کپڑے ہی پر کر سکتے ہیں۔ پھر عبداللہ نے یہ آیت پڑھی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا حَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا  
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔

**حرمت متعہ از روئے روایت علی رضی اللہ عنہ** | لیکن صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ کو حرام کر دیا ہے۔

اور کوئی شبہ نہیں یہ تحریم رخصت اباحت کے بعد کی ہے، ورنہ اس سے دو مرتبہ نسخ لازم آجائے گا۔

**ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ حلت متعہ کے لئے** | حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عند الضرورت اور خوف مصیبت

کی صورت میں نکاح متعہ کو مباح قرار دیا ہے، اور ضرورت کے وقت اس کی حلت کا فتویٰ دیا ہے۔

لیکن جب لوگوں نے نکاح متعہ کو صرف حد ضرورت تک محدود نہ رکھا، بلکہ وسیع پیمانہ پر اسے اختیار کرتے تھے تو ابن عباسؓ حلت کے فتوے سے باز آ گئے اور اباحت کی رائے سے رجوع کر لیا۔

۱۔ اس بحث کو اگر مختصر کیا جائے تو صورت مسئلہ یہ ہے۔

۱۔ حضرات شیعہ کے نزدیک متعہ حلال ہے، اور اس پر عمل درآمد جائز ہے۔

۲۔ اہل سنت کے نزدیک حرام ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔

۳۔ از روئے روایات ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اسے حلال سمجھتے تھے۔ اور اس

کی حلت کا فتویٰ دیتے تھے چنانچہ ان سے اور حضرت عمرؓ سے اس بارے میں ایک مرتبہ سخت گفتگو بھی ہو گئی، لیکن حضرت ابن عباسؓ نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا۔

اس پر حضرت عمرؓ نے بدھم ہو کر فرمایا ”تم متعہ کر کے دیکھو پھر میں تمہیں بتاؤں گا“

تفصیل درکار ہو تو کتب روایت تاریخ سے رجوع کیا جائے۔ شرح نوروزی کے ساتھ میں

نے صحیح مسلم کا تمام و کمال ترجمہ کیا ہے۔ اس میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث، طرفین کے

دلائل، اور مسئلہ مفتی بہ پیش کر دیا ہے۔

# نکاح محرم

حالتِ احرام میں شادی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**روایات مختلفہ و متعددہ** | نکاح محرم کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن عفانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حالتِ احرام میں نکاح نہ کیا جائے اور نہ محرم نکاح کرے۔  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا آپؐ نے حضرت میمونہؓ سے حالتِ احرام میں نکاح کیا یا حلال ہونے کی حالت میں؟  
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ان سے حالتِ احرام میں نکاح فرمایا۔  
ابورافعؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا۔ اور میں دونوں کے درمیان قاصد تھا۔

ابورافع رضی اللہ عنہ کا قول کئی وجوہ سے قوی تر ہے۔

۱۔ اول یہ کہ (ابورافعؓ) ایک بالغ آدمی تھے۔ اور ابن عباسؓ اس وقت کم سن تھے، بلکہ ان کی عمر تقریباً دس کی تھی۔ اس لیے ابورافعؓ ان سے زیادہ کسی بات کو یاد رکھ سکتے تھے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ابورافعؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ کے درمیان قاصد تھے۔ انہی کے ذریعہ یہ معاملہ ہوا۔ اس لیے بلاشبہ ان کا بیان اس واقعہ سے متعلق



زیادہ مستند ہے۔

۳۔ ابن عباسؓ اس عمرہ میں جو عمرہ قضا کہلاتا ہے، آپ کے ساتھ نہ تھے۔ وہ اس واقعہ کے شاہد نہیں ہیں۔

۴۔ چوتھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے، تو آپ نے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف فرمایا، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، پھر حلق کرایا۔ پھر آپ نے احرام اتارا اور معلوم ہے کہ آپ نے راستہ میں نکاح نہیں کیا۔ اور نہ طواف سے قبل نکاح کیا۔ نہ حالت طواف میں نکاح کیا۔ یہ سب واقعات معلوم و معروف ہیں۔ لہذا حضرت ابورافعؓ کا قول یقینی طور پر درست ہے۔

۵۔ پانچویں صحابہ کرام نے ابن عباسؓ کی روایت کی تغلیظ کی ہے۔ لیکن ابورافعؓ کی روایت کو کسی نے غلط نہیں بتایا۔

۶۔ قول ابورافعؓ نکاح محرم کی نہی کے عین مطابق ہے اور قول ابن عباسؓ اس کا مخالف جو مستلزم ہے یا تو فسخ پر یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تقیض جو از نکاح بہ حالت احرام ہے، اور دونوں باتیں بے اصل ہیں، ان کی تائید میں کوئی دلیل نہیں، لہذا ناقابل قبول ہیں۔

۷۔ حضرت میمونہ کے بھانجے یزید بن الاصم نے شہادت دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا۔

# نکاح زانیہ

## فاحشہ عورت سے عقد اور اس کے اثرات و نتائج

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ نور میں تحریم نکاح زانیہ کی صراحت فرمادی اور فرمادیا، کہ جو اس سے نکاح کرے، وہ زانی ہے یا مشرک۔

پس کوئی شخص یا تو حکم الہی کو مانتا اور اس کے وجوب کا قائل ہے، یا نہیں مانتا اور نہیں قائل ہے۔ اگر اس حکم کو نہیں مانتا اور اس کے وجوب کا قائل نہیں ہے تو وہ مشرک ہے اور اگر حکم لازم بھی مانتا ہے اور اس پر اعتقاد بھی رکھتا ہے۔ مگر زانیہ سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ زانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس حرمت کی وضاحت بھی کر دی، چنانچہ فرمایا:

وَحَرَّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، یعنی اور یہ (نکاح) مومنوں پر حرام کر دیا گیا۔ اور اُنکھو! یا مہی منکم کی آیت سے تحریم نکاح زانیہ پر دعوائے نسخ بالکل بوردی اور کمزور دلیل ہے اور یہ اور زیادہ مستبعد ہے کہ نکاح کو زنا پر محمول سمجھ لیا جائے اور آیت کا مطلب یہ لیا جائے کہ زانی صرف زانیہ عورت یا مشرکہ ہی سے زنا کرے گا۔ اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک ہی سے زنا کرے گی اور کلام اللہ ایسی باتوں

---

لے اس لیے کہ اس نے اسلام کے بنائے ہوئے اساسی اصول اور ضابطہ کی خلاف ورزی کی ہے اور یہ خلاف ورزی ایک ایسا جرم ہے جو ذاتی نہیں، بلکہ سوسائٹی کے لیے حد درجہ مضر ہے۔

سے بالکل محفوظ ہے۔

اسی طرح آیت کو مشرکہ زانیہ عورت پر محمول کرنا بھی لفظی اور سیاق کلام ہر لحاظ سے بعید تر بات ہے، اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جب کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آزاد اور غلام عورتوں سے نکاح پر یہ شرط لگا دی کہ وہ محسنہ اور عفیف ہوں، چنانچہ فرمایا  
فَانْكَحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مَحْصَنَاتٍ غَيْرِ  
مَسَافِحَاتٍ وَلَا مَتَّحِنَاتٍ احداث۔

یعنی، سوان سے نکاح کرو۔ ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دوان کے مہر موافق دستور کے۔ قیدیں آنے والیاں، نہ مستی نکالنے والیاں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں گویا کسی اور صورت میں نہیں صرف اس صورت میں نکاح مباح کیا۔

اور یہ بات از قبیل دلالت المفہوم بھی نہیں کیونکہ اصل میں ابضاع تحریم یہ ہوتی ہے۔ اس طرح اباحت محض مسائے شریعت میں رہ جاتی ہے اور جو اس کے علاوہ ہو وہ اصل تحریم ہوگی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الْمَخْبِثَاتُ لِلْمَخْبِثِينَ وَالْمَخْبِثُونَ لِلْمَخْبِثَاتِ، یعنی خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے اور خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں، خبیثات سے مراد زانیہ عورتیں ہیں۔ اس کا مقتضی یہ ہے کہ جن سے وہ نکاح کریں وہ ان کی طرح خبیث ہوں۔ نیز یہ بھی از حد قباحت کی بات ہے کہ ایک آدمی فاحشہ عورت سے نکاح کرے اور اس کی قباحت مخلوق کی فطرت میں داخل ہے اور ان کے ہاں یہ بات گالی کی حد تک قابل نفرت ہے۔

حضرت مرشد بن ابی مرشد غنوی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ عناق سے نکاح کر لیں جو ایک آوارہ عورت تھی۔ آپ نے سورہ نور کی آیت پڑھی اور فرمایا:

”اس سے نکاح مت کرو“

چار سے زیادہ بیویوں اور دو بہنوں کا ایک نکاح میں اجتماع

## قبل از اسلام کے ازواج کو اسلام نے کس طرح بدلا؟

ترمذی میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ غیلان مسلمان ہو گیا، اس کی دس بیویاں تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔  
ان میں سے چار رکھ لے۔

فیروزہ و یمنی مسلمان ہوئے ان کی زوجیت میں بہنیں تھیں۔  
آپؐ نے فرمایا، ان میں ایک رکھ لے جسے تو پسند کرے۔  
یہ حکم اس بات کا متضمن ہے کہ نکاح کفارہ درست ہے۔ اور اسے حق حاصل ہے  
کہ پرانی اور نئی میں سے جسے چاہے پسند کرے، کیونکہ آپؐ نے (غیلان اور فیروزہ)  
کو یہی اختیار دیا، جمہور کا قول ہے۔

امام ابو حنیفہ کا ارشاد | ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:  
اگر اس نے ان عورتوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تھا

---

۱۔ کیونکہ اسلام نے چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔  
۲۔ کفر کی حالت میں جو نکاح کیا جاتا ہے، وہ قیو اسلام کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ تجدید کی  
ضرورت نہیں،



تو سب کا نکاح ٹوٹ گیا، اور ترتیب وار نکاح کیا تھا۔ تو پہلی چار کا باقی رہا۔ اور ان کے علاوہ سب کا نکاح ٹوٹ گیا۔  
اب اسے حق تخییر حاصل نہیں ہے۔

---



---

امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک عقلی اعتبار سے بالکل درست ہے، ویسے شوہر اگر چاہے تو کسی بیوی کو طلاق دے کر، اس بیوی سے نکاح کر سکتا ہے، جسے طلاق پڑ گئی ہو، لیکن اصولی اعتبار سے ترتیب ازواج طلاق میں قائم رہے گی۔

# حضرت علیؓ کے نکاح ثانی کا معاملہ

## ارشادات نبویؐ کی روشنی میں

اور بنو ہاشم بن مغیرہ نے اجازت چاہی کہ علیؓ بن ابی طالبؓ کا ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کر دیں۔ آپؐ نے اس کی اجازت نہ دی، اور فرمایا:

ابن ابی طالب یہ چاہتا ہے کہ میری بیٹی کو طلاق دے دے، اور ان کی بیٹی سے نکاح کرے۔ یاد رکھو کہ فاطمہ میری نختِ جگر ہے، جو اسے تکلیف دیتا ہے۔ وہ مجھے تکلیف دیتا ہے، جو اسے ایذا دیتا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ فاطمہ اپنے دین کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور میں حلال کو حرام نہیں کرتا، اور حرام کو حلال نہیں کرتا، لیکن اللہ کی قسم رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ (اللہ کے دشمن) کی بیٹی کبھی بھی ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

۱۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے حضرت فاطمہ کے نکاح کی شرط یہ تھی کہ وہ ان کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کریں گے، اور یہ شرط شرعی طور پر بالکل جائز ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح فرماتے ہوئے کہ میں حلال کو حرام، اور حرام کو حلال نہیں کرتا۔ حضرت علیؓ سے کہا کہ اگر وہ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں تو فاطمہ کو طلاق دے دیں کیونکہ اندرونی شرع عدم ایفاء شرط نکاح کی صورت میں عورت فسخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے

اس حکم سے امور واضح متعددہ | اس حکم سے کئی امور واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ جب مرد اپنی بیوی سے وقت نکاح وعدہ کر لے۔ کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے گا تو اس وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے اور اگر شادی کر لی۔ تو پہلی بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے اور اس سلسلہ میں حدیث کو شامل کرنے کا باعث یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ چیز فاطمہ رضی اللہ عنہ کو ایذا دینے اور پریشان کرنے کا سبب ہے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا اور پریشانی کی وجہ بھی بن جائے گی۔ اور یہ تو قطعی طور پر معلوم ہی ہے کہ اگر وقت عقد بھی یہ شرط نہ ہوتی۔ تو یہ حرکت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے اور پریشان کرنے کے برابر تھی، کیونکہ اس کا ہونا بداعتنا معلوم تھا۔

اور شرط کی عدم وفا سے مشروط کو فسخ کا حق حاصل ہے۔ اس لیے اگر فرض کیا جائے کہ کسی قوم کی عادت یہ ہے۔ کہ ان کی عورتیں اپنے علاقہ سے باہر نہیں جاتیں۔ اور یہ ان کی عادت مسلل اس طرح چلی آ رہی ہے۔ جیسے یہ ان کی مشروط ہو۔ تو قواعد اہل مدینہ اور امام احمد کے مسلک کے مطابق ہی ان پر عمل ہوگا کہ عرفی مشروط لفظی شرط کے

(باقی حاشیہ) لیکن اس حدیث میں رسول اللہ اور عدو اللہ کی بیٹی کے ایک جگہ مجتمع ہونے کے بارے میں جو قول آپ سے منسوب ہے، مجھے اسے صحیح ماننے میں تامل ہے، یہ الفاظ شان رسالت کے بھی منافی ہیں اور مساوات اسلام کے بھی اور سب سے بڑھ کر عمل رسول کے بھی مخالف، عکبر بنہ ابی جہل کے بیٹے تھے اور جلیل القدر صحابی تھے، اور آنحضرتؐ نے ان کے اسلام پر حد درجہ مسرت کا اظہار فرمایا تھا اور ہمیشہ ان کا بہت لحاظ کرتے رہے، ”عدو اللہ“ کے بیٹے کا اگر آپ اس درجہ لحاظ کر سکتے تھے تو عدو اللہ کی بیٹی کو بھی، حقیر نہیں سمجھ سکتے تھے، واللہ اعلم بالصواب،

برابر حیثیت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے اس پر اجرت دینا لازم قرار دیا ہے جو دھو بی کو کپڑا دے یا نانابائی کو آٹا دے یا باورچی کو کھانا پکانے کے لیے دے۔ جو اجرت پر کام کرتے ہیں۔ یا حمام میں داخل ہو اور وہاں غسل کرے جہاں عموماً لوگ اجرت کی بنیاد پر غسل کرتے ہیں، غرض اسی قسم کے معاملات میں اگرچہ انھوں نے اجرت کی شرط نہ لگائی ہو، پھر بھی اجرت مثل دینی پڑے گی۔

**اگر شرط ہو تو تزوج لازم ہے** | اسی طرح جو یہ جانتا ہے کہ پہلی بیوی پر سوت لانا باعث لانا ممکن نہیں ہے، تو اس پر ترک تزوج تسلیم شدہ شرط کی طرح عائد ہوگا، چنانچہ اس اصول کے ماتحت سیدہ نساء عالمین اور بنت سید اولاد آدم اجمعین، اس کی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

اور اگر حضرت علیؑ لفظی طور پر یہ شرط لگا دیتے تو زیادہ موکھ بات ہو جاتی، لیکن نہ لگاتے تو بھی قائم رہتی۔

**ایک عجیب و غریب حکمت** | اور حضرت فاطمہؑ اور بنت ابی جہل جمع کو کرنے کے

سے امام احمد رحمہ اللہ کا یہ مسلک بے حد قوی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عرف یعنی مقامی رسم و رواج، جو معارض قواعد شرعیہ نہ ہو، بجائے خود ایک واجب التعمیل قانون ہے اور اسلام کی حکمت امین شریعت کا یہ کمال ہے کہ اس نے عرف کو اگر اس کے خلاف کوئی شرط واضح طور پر پہلے سے موجود نہ ہو واجب التعمیل قانون ہی کی طرح سے تسلیم کیا ہے۔

امرواقعہ یہ ہے، کہ جائزہ حدود کے اندر اسلام نے اپنے احکام و ضوابط، اور قواعد و آئین میں بہت زیادہ لچک رکھی ہے۔ تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سہولت ہو، اور دین پر عمل کرنا حیل کے قواعد پر عمل کا مترادف نہ بن جائے، جیسا دوسرے مذاہب میں پایا جاتا ہے۔

چنانچہ خاص حالات میں ترک تزوج کا عرف بھی تسلیم شدہ شرط کی طرح واجب العمل ہے۔



ممانعت میں ایک عجیب و غریب حکمت ہے، وہ یہ کہ عورت اپنے خاوند کے مساوی درجہ کی ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذات سے بھی اعلیٰ و ارفع ہوتی ہے۔ اور شوہر کے باعث بھی درجہ عالیہ پر متمکن ہوتی ہے، یہی شان حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ دونوں کی تھی، اور اللہ عز و جل کو یہ گوارا نہ تھا کہ ابو جہل کی لڑکی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک ہی درجہ میں رکھے۔ نہ ذاتی طور پر، نہ شوہر کے باعث، اور دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہے اس لئے سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنا نہ شرعاً مستحسن تھا، نہ قدرًا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اپنے اس فرمان میں ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم بنت رسول اللہ اور بنت عدو اللہ ایک گھر میں کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

---

# وہ عورتیں

جن سے از روئے شریعت نکاح حرام ہے

اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو حرام کر دیا۔ یعنی ہر وہ عورت جس کے درمیان اور مرد کے درمیان ماں یا باپ کی جانب سے ایلا و رپیدائش کا تعلق ہو۔ جیسے مائیں۔ باپ کی مائیں، مردوں اور عورتوں کی جانب سے دادا۔ دادی۔ اگرچہ اوپر تک چلے جائیں۔ اسی طرح بیٹیاں حرام ہیں۔ اور یہ ہر وہ عورت ہے۔ جسے اس کے ساتھ ایلا و کا تعلق ہو جیسے صلبی بیٹیاں، بیٹیوں کی بیٹیاں، اور ان کے بیٹے، اگرچہ نیچے تک چلے جائیں۔ یہ سب ہر جہت سے بہنیں حرام ہیں، نیز پھپھیاں حرام ہیں اور یہ وہ عورتیں ہیں جو باپ کی بہنیں ہوں۔ اگرچہ ہر جہت سے اوپر چلی جائیں۔

بہن چچی۔ تو اگر یہ باپ کا چچا ہے۔ تو وہ گویا اس کے باپ کی چچی ہے، اور اگر ماں کی چچی ہے تو اجنبی چچی۔ اس لیے یہ چچوں میں داخل نہ ہوگی۔ رہی ماں کی چچی کی چچی تو یہ ان میں داخل ہے۔ جیسے باپ کی چچی اس کی چچیوں میں داخل ہے۔ کیسی خالائیں حرام ہیں۔ یہ وہ عورتیں نہیں، جو اس کی ماں یا باپ کی ماں کے بہنیں ہوں۔ اگرچہ اوپر تک جائیں اور چچی کی خالہ، اگر باپ کی طرف سے چچی ہے۔

تو اجنبیہ ہے۔ اور اگر ماں کی جانب سے ہے تو اس کی خالہ حرام ہے۔ کیونکہ وہ خالہ ہے، رہی خالہ کی چچی؛ تو اگر ماں کی خالہ ہے تو اس کی چچی اجنبیہ ہے اور اگر باپ کی ہے تو اس کی چچی حرام ہے، کیونکہ وہ باپ کی چچی ہے۔

نیز بھائی کی بیٹیاں حرام ہیں اور بہن کی بیٹیاں بھی حرام ہیں۔ تو گویا بھائی اور بہن پر یہ حکم ہر جہت سے حاوی ہوگا۔ نیز ان دونوں کی بیٹیوں پر بھی یہی حکم ہوگا۔ اگرچہ نیچے تک چلے جائیں اور رضاعی ماں حرام ہے۔ اس میں باپ یا ماں کی جانب سے (رضاعی ماں) کی ماں بھی داخل ہوگی۔ اگرچہ اوپر تک چلے جائیں۔

اور اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی) اس کی ماں ہوئی۔ تو یہ دودھ والا ہو گیا۔ اور وہ خاوند یا آقا ہوتا ہے۔ اگر یہ اس کے باپ کی باندی ہو، اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لبن فحل کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ یہ نص سے ثابت ہے۔ اور حرمت رضاع مرتضیٰ کی ماں اور رضاعی باپ تک چلی گئی۔ اور یہ ان دونوں کا بیٹا اور وہ اس کے ماں باپ بن گئے۔ اس سے خود ہی لازم آگیا۔ کہ ان دونوں کی بہنیں اور بھائی اس کے لئے خالائیں اور چھو پھیاں ہو جائیں گی اور ان دونوں کے بیٹے اور بیٹیاں اس کے بھائی اور بہنیں قرار پائیں گی۔ چنانچہ اسی فرمان سے اس بات پر تنہ فرمایا کہ تمہاری رضاعی بہنیں حرمت رضاع کے باعث اسی طرح حرام ہوں گی۔ جیسے سگی بہنیں اور بھائی اور یہ حرمت ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو جائے گی۔ پس جس طرح رضیع (بچہ شیر) کے بھائی اور بہنیں ہو گئیں، اسی طرح ان دونوں رضاعی والدین کے بھائی بہنیں، اس بچہ کے ماموں اور خالائیں چچا اور چھو پھیاں قرار پائیں گی۔ پہلی بطریق نص اور دوسری بطریق تنبیہ و اشارہ! جیسے کہ حرمت رضاع بطریق نص ماں کی جانب منتقل ہوئی۔ اور بطریق تنبیہ باپ کی جانب بھی منتقل ہو گئی، اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ اس پر صرف وہی آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔ جو معانی قرآن اور وجوہ اولہ میں ورک رکھتا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ نسب سے جو حرام ہو جاتا ہے۔ وہ

رضاعت سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔

اب دالالتیں دو ہیں۔ ایک خفی اور ایک جلی۔

چنانچہ آپ نے امت کے سینے دونوں بیان فرما دیے، تاکہ وضاحت مکمل ہو جائے اور شک زائل ہو جائے۔

نیز عورتوں کی ماؤں کو حرام قرار دیا۔ عورت کی ماں داخل ہے۔ نسب اور رضاع کے لحاظ سے اگرچہ اوپر تک چلی جائے۔ اور اگرچہ اس نے عورت سے خلوت کی ہو۔ ان سب پر یہ نام صادق آئے گا۔

بہن بیویوں کی گود میں پرورش پانے والی لڑکیاں بھی حرام ہوں گی، اور یہ ان کی مدخولہ بیویوں کی بچیاں کہلا میں گی۔ اس جملہ سے ان کی بیٹیوں۔ بیٹی کی بیٹیوں اور بیٹیوں کی بیٹیوں شمار میں آگئیں۔ یہ سب کی سب ربائبہ کے ضمن میں ہیں۔

اور تحریم کی قید و شرطوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایک یہ بیویوں کی گود میں ہوں اور دوسرے یہ کہ ان کی مائیں ان کی مدخولہ ہوں۔ اگر یہ صورت نہ ہوئی، تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ چاہے فرقت موت یا طلاق سے ہو۔ یہ مقتضائے نص ہے۔

حضرت زید بن ثابت اور ان کے اتباع اور ایک روایت میں امام احمدؒ بھی اس کی طرف گئے ہیں کہ ربیبہ کی حرمت اس کی ماں کی موت سے بھی اسی طرح ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ اس کے تمتع سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ اس کے حہر کو مکمل کر دیتا ہے۔ عدت کا پابند بنا دیتا ہے۔ اور وراثت کو واجب کرتا ہے۔ تو گویا مدخولہ کے مساوی ہو گئی۔

لیکن جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ میت غیر مدخولہ بھائی کی بیٹی حرام نہیں ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمتع کے ساتھ حرمت کی قید لگا دی۔ اور عدم تمتع کے موقع پر اس کی صراحت سے نقل کر دی، رہا اس کی گود میں پرورش پانا۔ تو یہ حرمت



کی قید کے طور پر نہیں ہے، گویا یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قائم مقام آگیا،  
 لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمَّا يَكُونُ لَكُمْ عَرْشٌ أَوْ نِكَاحٌ أَوْ خَيْرٌ مِمَّا يَتَذَكَّرُونَ  
 اور جب لڑکی اپنی ماں کے پاس ہوگی۔ تو وہ گویا خاوند کی ہی پرورش میں ہے واقعہً  
 بھی اور جوانہ کے لحاظ سے بھی۔ تو گویا فرمایا: وہ عورتیں جن کی حالت ہے۔ کہ وہ تمہاری  
 گود میں آن پڑیں۔ اس کے تذکرہ میں ایک بہت ہی بڑا فائدہ ہے یعنی یہ اس کی  
 گود میں اسے لا ڈالنا جائز ہے۔ اور اسی بچی کو دودھ کر دینا۔ اسے کھلانے سے اجتناب  
 برتنا اور خاطر و مدارت سے ہٹنا واجب نہیں۔ تو اس سے نہ رکنے سے یہ بات  
 مستفاء ہوتی۔

اور چونکہ یہ چیز بعض اہل ظاہر پر پوشیدہ رہی۔ اس لیے انھوں نے تحریم ربیبہ  
 کے خاوند کی گود میں ہونا شرط قرار دیا۔ اور ماں کے مدخول بجا ہونے کو حرمت  
 کی قید قرار دے دیا۔ اور عورت کی ماں کو مطلق حرام کر دیا۔ اور تمتع کی شرط نہیں لگائی۔  
 چنانچہ جمہور صحابہؓ اور ان کے بعد کے علماء کا فرمان ہے کہ ماں اسی وقت حرام  
 ہو جاتی ہے، جب اس کی بیٹی سے عقد کیا گیا۔ خواہ بیٹی کے شوہر نے اس سے  
 خلوت کی ہو، یا نہ کی ہو۔

اور بیٹی صرف اس وقت حرام ہوتی ہے، جب اس کی ماں سے خلوت کر لی گئی  
 ہو۔ اسی طرح ہی ہم کہتے ہیں کہ جب کسی نے اپنی لونڈی سے وطی کی۔ تو اس کی  
 ماں اور بیٹی بھی اس پر حرام ہو گئی۔ اور اگر کہا جائے کہ تم نے کہا تھا۔ کہ ماں کی حرمت  
 کے لیے بیٹی سے دخول شرط نہیں۔ تو یہاں کیسی شرط لگا رہے ہو۔ ہم کہیں گے۔ تاکہ  
 اس کی بیویوں میں ہو جائے؛ کیونکہ اس کی زوجہ محض عقد ہی سے اس کی بیویوں میں سے  
 ہو گئی۔ اور مملوکہ عورت اس بیویوں میں سے نہیں بن سکتی۔ جب تک کہ اس سے  
 وطی نہ کر لی جائے۔ جب وطی کر لی۔ تو اس کی ازواج میں شامل ہو گئی۔ اب اس  
 کی ماں اور بیٹی حرام ہو گئی۔

نیز اللہ تعالیٰ بیٹیوں کی ازواج کو حرام فرمایا۔ اور یہ وہ عورتیں ہوتی ہیں۔ جو ان کے

بیٹوں سے موجود ہوں، نکاح یا مالکِ یمین کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اس وقت یہ حلیہ  
یعنی محللۃ بن جائے گی۔ اور اب اس میں اس کے صلب کا بیٹا، بیٹے کا بیٹا اور اس کی  
بیٹی کا بیٹا داخل ہو جائے گا۔ لیکن متبنی اس سے خارج ہوگا۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے باپ کی منکوحہ کو حرام کر دیا۔ اور یہ حکم باپ کے  
مالکِ یمین یا عقد نکاح ہر طرح کی منکوحہ عورتوں پر حاوی ہے، نیز دادا اور نانا پر بھی  
صادق آتا ہے۔ اگرچہ اوپر تک چلے جائیں۔ (یعنی الا ما قد سلف) سے استثناء  
کر دیا۔ اور استثناء منجملہ نہیں ہے۔ یعنی وہ تحریم جو متلزم تاثیم و عقوب (سزا اور گناہ)  
ہے لیکن کتاب و سنت کی حجت قائم ہونے سے پہلے کی بات جدا ہے۔

---

# ایک نکاح میں

دو بہنوں کو جمع کرنا از روئے شریعت حرام ہے

اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کے نکاح میں دو بہنوں کا جمع کرنا حرام قرار دیا یہ حکم عقدِ نکاح اور ملکِ یمین ہر دو پر مشتمل ہے، جیسے آیتِ محرمات کے دیگر احکام کی حالت ہے۔

جمہور صحابہؓ اور تابعین کا یہی فرمان ہے۔ اور یہی درست بھی ہے۔

البتہ ایک گروہ تحریم ملکِ یمین کے بارے میں توقف کرتا ہے۔ کیونکہ یہ عموم اللہ تعالیٰ کے فرمان عام سے معارض ہے: وَالَّذِينَ لَفِسُوا وُجُوهَهُمْ خَافِظُونَ أَلَا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ  
أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ۔

یعنی اور جو اپنی خواہش نفسانی کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر سوان پر کچھ الزام نہیں۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کا مسلک | اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو ایک آیت

سے حلال بتایا اور دوسری آیت سے حرام بتایا۔

**امام احمد کی ایک روایت** | اور امام احمدؒ سے ایک روایت مروی ہے کہ فرمایا۔  
 میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے۔ لیکن ہم اس سے منع ضرور کرتے ہیں، اور ان کے اصحاب میں سے بعض نے ان سے روایت کرتے ہوئے اسے مباح بتایا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ انھوں نے اسے مباح نہیں بتایا۔ بلکہ صحابہؓ کے معاملہ میں ادب کا طرز عمل اختیار کیا۔ جس معاملہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ نے توقف فرمایا ہو۔ اس میں لفظ حرام استعمال نہیں کیا۔ بلکہ یوں کہا، کہ ہم اس سے منع کرتے ہیں۔

**آیت تحریم کے اسباب ترجیح** | اور جو لوگ اس کی حرمت پر مصر ہیں۔ انھوں نے کئی وجوہ سے آیت تحریم کو ترجیح دی ہے  
 ۱۔ ایک یہ کہ محرمات کے تمام احکامات عقد نکاح اور ملک یمین ہر جگہ عام ہیں۔ تو پھر کو ان سے کیوں خارج کیا جائے؟

۲۔ دوسرے ملک یمین کے ذریعہ آیت اباحت قطعی طور پر کئی لحاظ سے مخصوص ہے جس میں بیان کردہ دو احکام مختلف نہیں ہو سکتے۔ جیسے ماں اور اس کی بیٹی، بہن اور بھوپھی اور رضائی خالہ۔

۳۔ تیسرے ملک یمین کا حلال ہونا محض جہت اور سبب حلت کو واضح کرنے کی غرض سے ہے۔ اور اس میں شرائط حلت سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔ اور نہ موانع کا بیان ہے اور آیت تحریم میں نسب۔ رضاع اور مہر وغیرہ کے باعث موانع حلت بیان ہو رہے ہیں۔ اسی لیے ان دونوں میں کسی قسم کا تدارض نہیں، ورنہ ہر وہ مقام جہاں شرط حلت اور موانع ذکر ہوتے وہ تقاضائے حلت سے متعارض ہوتے اور یہ قطعی طور پر باطل ہے۔ جہاں شرط و موانع کے سلسلہ میں دلیل حلت سے خاموشی اختیار کر لی گئی۔ وہاں یہ اس بات کی وضاحت بھی ہے۔

۴۔ چوتھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنا پانی (مادۂ تولید) دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ کرے۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے۔



کہ جس طرح عقد نکاح سے ”مادہ تولید“ جمع ہوتا ہے۔ اسی طرح ملکِ یمین سے بھی جمع ہوتا ہے اور ایمان اس سے روکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت اور اس (عورت) کی پھوپھی اور اس کی خالہ کو جمع کرنے سے منع فرمایا۔

یہ تحریم دراصل دو بہنوں کو جمع کرنے کی ممانعت سے ماخوذ ہے اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام بتایا ہے۔ وہ بھی اسی طرح حرام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام بتایا۔ لیکن (حضور) کا بتایا ہوا دلالتِ کتاب سے مستنبط ہے اور صحابہؓ قرآن مجید سے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استنباط کرنے کے از حد شائق تھے۔ اور جو بھی اس کام میں لگ گیا۔ تو اسے محسوس ہو گا۔ کہ تمام سنت (حدیث) قرآن پاک کی تفسیر۔ اس کے مخفیات کی وضاحت اور مراد اللہ کا بیان ہے۔ اور یہ کام مراتب علم کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔ جو بھی اس پر ظفر یا ب ہوا۔ اسے چاہیے کہ اللہ کی حمد کرے۔ اور جو اس سے محروم رہا۔ وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے اور اپنے ضعف ہمت اور عجز کا اقرار کرے۔

جمع بین الاختین، نیز عورت اور اس کی پھوپھی بیٹی اور خالہ کو جمع کرنے کی حرمت سے پتہ چلتا ہے۔

کہ ایسی دو عورتیں جن کی آپس میں قرابت ہو اور اگر ان میں سے ایک مذکر ہو۔ اور دوسری مونث تو ان کا آپس میں نکاح حرام ہو۔ پس ان کا بھی ایک ہی عقد میں جمع کرنا حرام ہے۔ اور اس کلیہ سے کوئی بھی صورت خارج نہ ہوگی۔

البتہ اگر ان کی آپس میں قرابت ہوگی۔ تو ان کا آپس میں جمع کرنا حرام نہیں۔

اور آیا یہ مکر وہ ہے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ اور یہ ایسے ہی سے جیسے کہ ایک آدمی کی بیوی اور دوسرے کی بیٹی کو جمع کرنا (کہاہت کی بات ہے) اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ محرمات مذکور سے استفادہ ہے کہ ہر وہ عورت جس کے ساتھ نکاح حرام ہو۔ ملکِ یمین کے ذریعہ اس سے وطی کرنا جائز نہیں۔ سوائے اہل کتاب کی لونڈیوں

کے۔ کیونکہ ان کا نکاح اکثر کے نزدیک حرام ہے۔ اور ملک یمین کے ذریعہ ان سے وطی کرنا جائز ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے اسے مساوی قرار دیا اور فرمایا ہے کہ ان سے نکاح بھی اسی طرح مباح ہے جیسے ملک یمین کے ذریعہ ان سے وطی کرنا مباح ہے، اور جمہور نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وصف ایمان کے باعث لونڈیوں سے نکاح حلال قرار دیا ہے۔

ومن لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنات المومنات فمن ما ملكت  
من قتياتكم المومنات والله اعلم بايمانكم  
یعنی اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لاوے بیبیاں مسلمان تو نکاح کرے  
ان سے جو تیرے ہاتھ کا مال ہیں، یعنی تمہارے آپس کی مسلمان لونڈیاں، اور اللہ کو خوب  
معلوم ہے تمہارا ایمان۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن یعنی اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ حتیٰ کہ  
ایمان لے آئیں۔

اسی طرح اہل کتاب کی آزاد عورتیں مخصوص کر دی گئیں۔ البتہ لونڈیاں حرمت کے حکم پر  
باقی رہ گئیں۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہؓ نے اس آیت کے تحت کتابیہ عورتوں کو  
داخل سمجھا ہے اور فرمایا ہے:

میں اس سے بڑا شرک نہیں جانتا۔

کہ یوں کہا جائے:

کہ مسیح خدا ہے۔

تو اصل بات ایقاع حرمت میں ہے۔ البتہ مومن لونڈیوں کا نکاح مباح قرار دیا گیا ہے  
اور جس نے انہیں بھی اصل تحریم پر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ ان کی حرمت اس مفہوم سے نہیں

نکلتی اور سیاق آیت اور اس کے مدلول سے متضاد ہوتا ہے۔ کہ ہر وہ عورت جو حرام ہو اس کی بیٹی بھی حرام ہوئی۔ سوائے اس کی بھوپھی۔ خالہ۔ بیٹے کی زوجہ اور باپ کی زوجہ اور زوجہ کی ماں کے۔

چنانچہ سورۃ انخاب میں چار مذکورہ کے سوا تمام اقارب حرام ہیں۔ اور چچی اور بھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں نہیں۔

---

# گرفتار شدہ منکوحہ عورتیں

آیا ان سے تمتع کی شرط اسلام ہے یا نہیں؟

ملکِ بمبئی کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔

کئی لوگوں کو اس استثناء سے اشکال ہو گیا۔ کیونکہ شادی شدہ لونڈی سے آقا کو وطی کرنا حرام ہے۔ اب استثناء کا موقع کہاں رہا؟  
دوسرے گروہ نے جواب دیا ہے کہ یہ منقطع۔ یعنی ”لیکن وہ جن کے تم مالک (آقا) ہو“ تو گویا لفظی اور معنوی طور پر اسے رد کر دیا۔

**منکوحہ عورت باندی بننے کے بعد پہلے شوہر سے مطلقہ ہو جائیگی** | دوسری جماعت کا خیال ہے۔

کہ استثناء اس کے باب (آغاز) میں ہے۔ اور جب مرد اپنی منکوحہ لونڈی کا مالک ہو جائے گا۔ تو اس کی ملکیت ہی اس کے لیے طلاق بن جائے گی اور اسے وطی کرنے کا حق حاصل ہو گا۔  
اور یہ مسئلہ بیع کنیز کا ہے کہ آیا (فروخت سے) اس کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟  
اس بارے میں صحابہؓ کے دو مذہب متقول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اسے طلاق قرار دیتے ہیں۔ اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے صحابہؓ اس سے انکار کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ جس طرح ملک سابق نکاح لاحق کے ساتھ اتفاقاً جمع ہو جاتا ہے۔ اور



اس میں باہمی منافات نہیں۔ اسی طرح مالک لاحق نکاح سابق کا منافی نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بریرہؓ کو جب فروخت کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اختیار دیا، ورنہ اگر نکاح فسخ ہو جاتا۔ تو آپ اختیار کس طرح دیتے؟

**گرفتار شدہ عورت کی مالک اگر عورت ہو تو کیا حکم ہوگا؟** | ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ اگر خریدار عورت ہو، تو نکاح

فسخ نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ لونڈی سے تمتع (وطی) کی مالک نہیں ہوتی۔ اور اگر مالک مرد ہوگا تو (نکاح) فسخ ہو جائے گا، کیونکہ وہ تمتع (جماع) کر لینے کا مالک ہوتا ہے۔ اور ملک یمین ملک نکاح سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور ملکیت کی یہ قسم (ملک یمین) نکاح کی ملکیت کو باطل کر دیتی ہے لیکن اس کا عکس نہیں ہو سکتا۔

وہ کہتے ہیں کہ اس توضیح و تشریح کے بعد حدیث بریرہؓ میں کوئی اشکال باقی نہیں رہ جاتا لیکن سلف نے اس کا جواب دیا ہے کہ خریدنے والی عورت اگرچہ باندی سے فائدہ (وطی) وغیرہ کا حاصل کرنے کی مالک نہیں ہوتی، لیکن وہ اس کے معاوضہ اور قیمت کی مالک ہوتی ہے۔ نیز اس کا نکاح کرنے کی مالک ہوتی ہے، علاوہ انہیں اس کا مہر لینے کی حق دار ہے، اور یہ ملکیت ایسی ہی ہے۔ جیسی مرد کی ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ بضع امت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتی یعنی اس سے تمتع نہیں کر سکتی۔

**گرفتار شدہ عورت کا شوہر اگر زندہ ہو تو کیا حکم ہے؟** | ایک دوسرا گروہ یہ ہے جو کہتا ہے، دوسری آیت قیدی

عورتوں کے لیے خاص ہے۔ کیونکہ ایک عورت جب قید ہو جاتی ہے تو اس کے باندی بننے، اور اس سے استبرا کے بعد وطی کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ منکوحہ ہو۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔

اور اصحاب ائمہ کا بھی ایک قول ہے، اور یہی صحیح ہے۔ جیسے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی جانب ایک لشکر روانہ فرمایا۔ دشمن سے مقابلہ ہوا۔ اور جنگ ہوئی، اور فتح یاب ہونے کے ساتھ

انہیں باندیاں ہاتھ آئیں، اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عورتوں کے بارے میں تردد ہو کہ ان کے مشرک خاوند بھی زندہ ہیں۔ (پھر یہ مسلمانوں پر کیسے حلال ہو سکتی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق حکم نازل فرمایا:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ بَيْنِي وَأَنْتُمْ خَائِدَاتُ النِّسَاءِ مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ یعنی ان عورتوں کی جب عدت ختم ہوگی۔ تو یہ تمہارے لئے حلال ہوں گی۔ اس طرح یہ حکم جنگی قیدی عورت سے وطی کی اباحت کا متضمن ہے اگرچہ اس کا کافر خاوند موجود ہی کیوں نہ ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ (گرفتاری) کے بعد عورت کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اور ان کی زائل سمجھی جائے گی، اور یہی صحیح مسلک ہے،

گرفتار کرنے والا عورت کا مالک ہے | کیونکہ جس نے عورت کو گرفتار کیا ہے۔ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے، پھر اس پر اس کی بضع

(تمتع) کیونکر حرام ہو سکتی ہے؟

اس قول کی نہ نص معارض ہے، نہ قیاس۔

اور اصحاب احمد میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ گرفتار شدہ عورت سے جماع اس وقت جائز ہے جب وہ تنہا گرفتار ہوئی ہو، کیونکہ اس کے شوہر کی بقا مجہول ہے، اور مجہول معدوم کے مانند ہوتا ہے۔ لہذا استبراء کے بعد اس سے وطی جائز ہے۔

اور اگر گرفتار شدہ عورت کے ساتھ اس کا شوہر بھی گرفتار ہو تو اس لئے کہ اس کی بقا مجہول نہیں معلوم ہے، اس کی گرفتار شدہ بیوی سے مجامعت جائز نہیں ہے۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عورت جو گرفتار شدہ عورت کسی چیز کی مالک نہیں | گرفتار ہوئی ہے۔ اب کسی چیز کی مالک

نہیں ہے، اصل چیز ہے قروء کا الحاق اعم اغلب سے، یعنی جو بات عمومی طور پر زیادہ قرین

قیاس ہو، لہذا ان عورتوں کی تنہا گرفتاری کے وقت ان کے شوہروں کا زندہ ہونا زیادہ قرین قیاس ہے، اور سب شوہروں کا مرجانا قطعاً سقم ہے۔ !

اور اگر یہ کہا جائے کہ گرفتار شدہ مرد خود غلام ہو گیا، اور اس کی املاک سابق (گرفتار کرنے والے) کی ملکیت ہو گئی۔ پھر اس کی بیوی کی عصمت خاص طور پر کیونکر مملوکہ نہیں مانی جائے گی؟ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ عورت اور اس کی املاک سابق ہو گئی۔

**بُت پرست اور مشرک باندیوں کا حکم** | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بت پرست اور مشرک باندیوں سے

وطی کی جاسکتی ہے کیونکہ ادھاس کی گرفتار شدہ عورتیں کتابیہ نہیں تھیں، اور آپ نے ان سے وطی کی شرط اسلام نہیں قرار دی تھی۔ اور مانع تمتع استبراء کے سوا کسی چیز کو قرار نہیں دیا۔ اور بوقت حاجت تاخیر حاجت منع ہے۔ حالانکہ یہ لوگ حدیث (جدید) الاسلام تھے، اور ان عورتوں میں سے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ نہ انہیں اسلام کے بارے میں کوئی بصیرت حاصل تھی۔ نہ اسلام سے رغبت اور محبت۔ جس کے باعث انہوں نے یہ معرفت اسلام قبول کر لیا ہو۔

**آل حضرت اور صحابہؓ کا تعامل** | چنانچہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد صحابہؓ کا عمل یہی تھا۔ کہ مملوکہ عورتوں کے ساتھ وطی کرنا

چاہیے، وہ کسی بھی دین کی ہوں۔ اور یہی طاؤس وغیرہ کا مذہب ہے۔ اور صاحب کتاب نے اس کو قوی قرار دیا ہے، اور اس کے دلائل کو ترجیح دی ہے۔

**باندی سے تمتع کے لیے اسلام کی شرط نہیں** | اور وہ حدیث ان کے اسلام کے عدم اشتراط پر دلالت کرتی ہے جو جامع

ترمذی میں حضرت عراب بن ساریہ سے مروی ہے، کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندیوں سے اس وقت تک وطی کرنا حرام بتایا، جب تک کہ وہ وضع حمل نہ کر لیں۔ گویا آپ نے ایک ہی سبب حرمت وطی کا بتایا اور وہ وضع حمل (تک کا زمانہ) ہے اور اگر یہ چیز اسلام پر موقوف ہوتی۔ تو اس کا بیان کرنا استبراء (وضع حمل) کے بیان کرنے سے زیادہ اہم تھا۔



**شرط صرف وضع حمل یا استبراء ہے** | اور سنن اور مسند میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

کسی ایسے آدمی کے لیے جائز نہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ وہ کسی لونڈی سے مباشرت کرے۔ جب تک کہ وہ وضع حمل نہ کرے۔ اور یہ نہیں فرمایا۔ کہ جب تک وہ اسلام نہ لے آئے۔

اور سنن میں آپ سے مروی ہے کہ آپ نے لوطاس کی گرفتار شدگان کے متعلق فرمایا کہ کسی حاملہ سے وضع حمل تک وطی نہ کی جائے۔ اور غیر حاملہ سے وطی کی جائے جب تک کہ اُسے ایک حیض نہ آجائے، اور یہ نہیں فرمایا۔ کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے گویا کہیں بھی آپ سے باندیوں کے لیے شرط اسلام مروی نہیں، لہ

لہ ان ساری نکتہ سنجیوں اور دقیقہ آفرینیوں کے باوجود یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی کہ گرفتار شدہ عورت باندی بننے کے بعد، خاص طور پر اگر وہ مشرکہ ہو، اس طرح حلال ہو جاتی ہے کہ صرف وضع حمل اور استبراء کافی ہو، کتابیہ عورت کے بارے میں تو یہ بات درست ہو سکتی ہے، لیکن مشرکہ کے بارے میں قطعاً نہیں مانی جاسکتی۔

اسلام نے مشرکہ عورت سے نکاح حرام قرار دیا ہے۔

پھر مشرکہ باندی سے جماع کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ جب کہ اس سے جماع ایک طرح کا نکاح ہی ہے، بلاگواہ اور قاضی کے، اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد، باپ کی وارث اور مشرکہ نسب ہے، جس عورت سے نکاح حرام ہو، اس کے بطن سے جو اولاد پیدا ہو۔ وہ شرعی اصطلاح میں صرف ولد الزنا ہی جاسکتی ہے۔

لہذا ماننا پڑے گا۔ مشرکہ باندی سے جماع کے لیے اسلام شرط ہے، اور یہ اتنی واضح شرط ہے کہ اس کے لیے ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی کہ الگ سے اسے بیان کیا جاتا۔ اس کے سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مشرکہ عورت سے نکاح حرام ہے۔ جب نکاح حرام ہے تو وطی بھی حرام ہے اور اس کے بطن کی اولاد بھی حلال نہیں ہے۔



# زینبؓ میں سے کسی ایک کے سبقت اسلام کے بعد

تفریق، بقار نکاح اور تجدید عقد کے احکام

قبول اسلام سے پہلے محرمات نکاح کا مسئلہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ  
 صاحبزادی، حضرت زینبؓ کو نکاح ہوتے ہی ابوالعاص بن ربیع کے ہاں رخصت کر دیا۔ اور  
 مزید کچھ نہ کیا، اسے احمدؒ۔ ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت کے لفظ یہ  
 ہیں کہ چھ سال کے بعد (بھیجا) اور نیا نکاح نہیں کیا۔

ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں کچھ نقص نہیں۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ حضرت  
 زینبؓ کا اسلام ان کے اسلام سے چھ برس پہلے واقع ہوا۔ بغیر شہادت اور صدق (مہر) کے۔  
 ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک  
 عورت نے اسلام قبول کیا۔ پھر اس نے نکاح کر لیا۔ اس کا  
 (پہلا) خاوند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول، میں تو اسلام قبول کر چکا ہوں۔ اور آپ کو میرے اسلام کا علم بھی  
 ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو دوسرے خاوند سے واپس لے  
 لیا۔ اور پہلے خاوند کے ہاں بھیج دیا۔ اس کے راوی ابوداؤد ہیں۔

نیز مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک آدمی اسلام  
 قبول کرتا ہوا حاضر خدمت ہوا۔ اس کے بعد اس کی بیوی بھی اسی طرح اسلام قبول کر کے حاضر

ہو گئی اس نے عرض کیا :

اے اللہ کے رسول ، یہ (میری بیوی) بھی میرے ساتھ اسلام لے آئی ہے۔

آپ نے اسے خاوند کے پاس بھیج دیا۔

ترمذی فرماتے ہیں ، یہ حدیث صحیح ہے۔

نیز ترمذی کا قول ہے کہ حارث بن ہشام کی بیٹی ام حکیم فتح مکہ کے روز اسلام لائیں۔ ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل اسلام سے فرار ہو کر یمن چلے گئے۔ چنانچہ ام حکیم نے یمن کا سفر اختیار کیا۔ اور وہاں پہنچ کر انہیں بھی اسلام کی دعوت دی ، وہ مسلمان ہو گئے۔ اور فتح کے سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے ، تو آپ جوش مسرت و انبساط سے بے قابو ہو کر اٹھے۔ آپ کے جسد مبارک پر چادر بھی نہ تھی آپ نے عکرمہ سے بیعت لی۔ اور دونوں (میاں بیوی) کو سابقہ نکاح پر باقی رکھا۔

راوی فرماتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں کہ کسی عورت نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی ہو۔ اور اس کا خاوند دار الحرب میں بہر حال کفر مقیم رہا ہو۔ اور ہجرت نے ان دونوں کے مابین تفریق نہ کر دی ہو۔ ہاں عدت ختم ہونے سے قبل ہی اس کا خاوند بھی اگر ہجرت کر کے حاضر ہو جائے تو الگ بات ہے ، جیسا کہ امام مالک نے مؤطا میں ذکر کیا ہے۔

**احکام متضمنہ حدیث** | یہ حکم اس بات کا متضمن ہے کہ جب دونوں ساتھ ساتھ اسلام لے آئیں تو انھیں سابق نکاح پر باقی رکھا جائے گا۔ اور یہ معلوم نہ

کیا جائے گا کہ اسلام سے قبل وقوع نکاح کی کیفیت کیا تھی ؟ صحیح ہوا تھا ، یا غلط ؟ جب تک کہ کوئی باطل کرنے والی کوئی بات موجود نہ ہو۔ مثلاً دونوں مسلمان ہوئے اور (حالت کفر) میں یہ نکاح یوں ہوا تھا کہ عورت غیر کی عدت میں تھی ، یا مسلمہ طور پر اس کے لیے حرام تھی۔ یا موبد تھی اور نسبی یا رضاعی طور پر اس کے لیے حرام تھی۔ یا ایسی عورت تھی کہ دیسی دو عورتوں کا آپس میں جمع کرنا جائز نہیں۔ مثلاً دو بہنیں یا پانچ بیویاں ، یا پانچ سے زائد بیویاں۔ ان تین صورتوں میں احکام مختلف ہوں گے۔ چنانچہ جب دونوں اسلام لے آئیں اور عورت و مرد کے درمیان نسبی۔ رضاعی یا صہری حرمت ہو۔ یا زوجہ کی بہن ہو یا اس کی پھوپھی یا خالہ ہو یا

ایسی ہو کہ جن دونوں کے درمیان جمع کرنا حرام ہو۔ تو دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی۔

لیکن اگر محض دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی حرمت ہو۔ تو اسے اختیار دیا جائے گا۔ ان دونوں میں سے جسے چاہے اپنے لیے اختیار کر لے۔

یا یہ عورت بہ سبب زنا اس کی بیٹی ہو تو بھی دونوں کے درمیان جہور کے نزدیک تفریق کر دی جائے گی۔

اور اگر اسے یقین ہے کہ یہ زنا ہی کی ہے، تو بالاتفاق ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اور زوجین میں سے ایک نے اسلام قبول کر لیا، لیکن وہ کسی ایسے مسلمان کی عدت میں تھی اور اس کے عقد سے مقدم تھی، تو بھی دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

اور اگر کافر کی عدت میں تھی۔ اب اگر دوام فساد یا اس کے اجماع کا اختیار ہو تو تفریق نہیں کرائی جائے گی۔ کیونکہ کافر کی عدت دوام اختیار نہیں کر سکتی اور ان اصحاب سے نزدیک مانع نکاح ہو سکتی ہے جن کے خیال میں نکاح کفار باطل ہے اور اسے وہ زنا کا حکم دیتے ہیں۔

اور اگر ایک مسلمان ہو گیا۔ اور یہ عورت قبل از عقد زنا سے حاملہ تھی، تو پھر مفسدہ کے خطرے یا اجماع کی صورت میں دونوں ہیں۔

اگر دونوں اسلام لے آئے اور انھوں نے (حالت کفر) میں بغیر کسی وئی یا گواہوں کے۔ یا عدت کے اندر نکاح کیا تھا۔ اور اب عدت گزر چکی ہے۔ یا بہن پر نکاح کیا تھا۔ اور اب وہ بہن مرچکی ہے۔ یا پانچویں عورت تھی (اور اب ایک مرچکی ہے) تو پھر یہ قائم رکھا جائے گا۔ اسی طرح کسی حربی نے کسی حربیہ عورت پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے بعد دونوں نے نکاح کر لیا۔ پھر دونوں مسلمان ہو گئے، تو ان کا نکاح باقی رہے گا۔

اسی طرح اگر زوجین میں سے ایک پہلے مسلمان ہو جائے۔ تو نکاح فسخ نہ ہوگا، اگرچہ ہجرت نے دونوں کے درمیان تفریق کی ہو، یا نہ کی ہو، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے زوجین کے نکاح کی تجدید کی ہو۔ جن میں سے ایک پہلے مسلمان ہو گیا ہو، بلکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہی واضح ہوتا ہے کہ نکاح موقوف ہے۔



اگر عدت پوری ہونے سے قبل ہی مرد اسلام لے آیا۔ تو وہ اس کی زوجہ ہے۔ اور اگر عدت ختم ہو گئی تو اسے اختیار ہے جہاں چاہے نکاح کرے۔

تجدید نکاح قبول اسلام کے بعد ضروری نہیں | اور اگر عورت پسند کرے تو (خاوند کے) اسلام لانے کا انتظار

کرے۔ پھر اگر وہ کسی وقت اسلام لے آئے، تو وہ بغیر تجدید نکاح کے اس کی بیوی ہوگی۔ اور ہم نہیں جانتے کہ آپ نے کسی کے نکاح کی تجدید کی ہو۔ بلکہ وہی کام ہوگا یا دونوں میں افتراق ہو گیا اور دوسرے سے نکاح ہوا۔ اور یا پھر نکاح سابق قائم رہا چاہے مرد کا اسلام متاخر ہو یا عورت کا اسلام متاخر ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ | اور حضرت حماد بن سلمہ کی سند سے ثابت ہے۔ انھوں نے ایوبؓ اور قتادہؓ سے روایت کیا

انھوں نے ابن سیرینؒ سے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن یزید حطمیؓ سے، کہ ایک نصرانی کی بیوی مسلمان ہو گئی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے اختیار دیا، کہ چاہو، تو اس نصرانی سے جدا ہو جاؤ۔ اور چاہو تو اسی پر قائم رہو۔ اور یہ تو واضح طور پر معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے اسے اس بات کا اختیار دیا کہ چاہو تو نصرانی کے اسلام قبول کر لینے کا انتظار کرو۔ تو تم پہلے کی طرح اس کی زوجہ ہو گئی۔ اور یا جدا ہو جاؤ۔

حضرت عمرؓ کا ایک اور فیصلہ | اسی طرح صحیح طور پر حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک نصرانی کی عورت مسلمان ہو گئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا۔ اگر وہ مرد بھی مسلمان ہو گیا تو یہ اس کی بیوی ہے۔ اور اگر اسلام نہ لایا تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ آخر وہ مسلمان نہ ہوا، تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی گئی۔

اسی طرح عبادة بن نعمان تغلبی کے متعلق فرمایا: جب ان کی بیوی مسلمان ہو گئی۔ کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ۔ یا اس عورت کو جدا کر دیا جائے گا۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ جدا کر دی گئی۔

لے بہر حال یہ ثابت ہے کہ میاں بیوی ساتھ ساتھ یا تقدیم و تاخیر کے ساتھ لیکن زمانہ عدت میں مسلمان ہوں، تو سابقہ عقد، کیا زمانہ کفر کا نکاح قائم رہتا ہے۔ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔



# عزل کا مسئلہ

## تقلیل اولاد کا ایک وسیلہ عہد رسالت<sup>۲</sup> میں

**سوال و جواب** | صحیحین میں حضرت ابی سعیدؓ سے ثابت ہے، انھوں نے بتایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا، تو آپؐ نے فرمایا بے شک تم ایسا کرتے ہو۔ یہ کلمہ تین مرتبہ دہرایا پھر فرمایا، یاد رکھو، قیامت تک جو جان آنے والی ہے وہ آکر رہے گی۔

**آپؐ نے عزل سے منع نہیں کیا** | ائمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپؐ نے ممانعت نہیں فرمائی۔ نیز صحیح مسلم میں مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔

میرے پاس لونڈی ہے۔ اور میں اس سے عزل کرتا ہوں۔

لے عزل، یعنی بیوی سے جماع کرنا، لیکن انزال نہ کرنا، تاکہ اولاد نہ ہو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ راوی بتاتے ہیں کہ پھر وہ آدمی حاضر ہوا۔ اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول جس ٹونڈی کا میں نے آپ کی خدمت میں تذکرہ کیا تھا۔ وہ حاملہ ہو گئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ نیز صحیح مسلم میں حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، تم یہ کیوں کہتے ہو؟ اس آدمی نے عرض کیا، میں اس کے بچے پر شفقت کے باعث ایسا کرتا ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ مضر ہوتا تو اہل فارس اور اہل روم کو بھی ضرر دیتا۔

آزاد عورت کی اجازت کے بغیر عزل نہیں | سند احمد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرہ (آزاد عورت) کی اجازت کے بغیر اس سے عزل کرنے سے منع فرمایا۔ اور ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ کو سنا کہ انھوں نے ابن ہبیرہ کی حدیث بیان فرمائی۔ انھوں نے جعفر بن ربیعہ سے انھوں نے زہری سے انھوں نے محمد بن ابی ہریرہ سے انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حرہ سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کیا جائے۔

عزل کی تائید احادیث سے | یہ احادیث عزل کے جواز میں صراحت سے منقول ہیں نیز دس صحابہؓ سے اس کے متعلق رخصت (اجازت)

مروی ہے، جو یہ ہیں:

علی۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابی ایوب۔ زید بن ثابت۔ جابر۔ ابن عباس۔ حسین بن علیؓ

خباہ بن ارت ، ابی سعید خدری اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ اور یہی صحیح ہے ۔

**بعض لوگ عزل کو حرام قرار دیتے ہیں** | اور ایک جماعت نے اسے حرام قرار دیا ہے جس میں سے ابو محمد بن حزم وغیرہ شامل

ہیں ۔ اور ایک جماعت نے تفریق کی ہے کہ اگر حرہ کی اجازت سے ہو تو مباح ہے اور اگر اجازت کے بغیر ہو تو حرام ہے ۔ اور اگر بیوی لونڈی ہو تو آقا کی اجازت سے مباح ہے ۔ اور آقا کی اجازت کے بغیر مباح نہیں ۔ اور یہی امام احمد سے منصوص ہے اصحاب احمد میں سے بعض فرماتے ہیں کہ یہ کسی صورت میں مباح نہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ہر حالت میں مباح ہے ۔

**بیوی کے اذن سے عزل مباح ہے** | اور بعض کا خیال ہے کہ بیوی کے اذن سے مباح ہے چاہے وہ حرہ ہو یا لونڈی ۔ جس

نے اسے مباح مطلق قرار دیا ۔ اس نے مذکورہ احادیث سے استدلال کیا ہے اور یہ کہ بیوی کا حق صرف خط حاصل کرنے کا ہے ۔ انزال کا نہیں ہے ۔

**حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت** | اور جس نے اسے حرام کہا ہے ۔ اس نے صحیح مسلم کی اس روایت سے استدلال کیا ہے ۔ جو حضرت

عائشہ سے مروی ہے ۔ جو حضرت جذامہ کی بہن حضرت عکاشہؓ نے بیان کی ۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تشریف فرما تھے ، اور میں حاضر ہوئی انھوں نے عزل کے متعلق دریافت کیا ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ یہ مخفی طور پر زندہ درگور کرنا ہے ۔ اور اللہ کا اس فرمان کا یہی مطلب ہے واذا المؤودة سئلت ۔

۱۔ یہ ذاتی رائے ہے ، کتاب و سنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔

اولاد کا پیدا کرنا یا نہ کرنے کا جذبہ بیوی میں بھی ہوتا ہے ۔ اور وہ انسانی نقطہ نظر سے قطعاً قابل احترام ہے ۔ لہذا یہی مسلک درست ہے کہ عزل بیوی کی اجازت سے کیا جاسکتا ہے ۔

۲۔ یہ قیاس مع الفارق ہے ۔

ان کا کہنا ہے کہ اس سے اباحت کا حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ وہ اصل سے ناقل ہے۔ اور احادیث اباحت کی روایات کے موافق ہیں۔ اور احکام شرع براءت اصلہ سے نقل ہونے والے ہوتے ہیں۔

**حضرت جابرؓ کی روایت صریحہ تائید عزل میں** | حضرت جابرؓ کا قول ہے۔ قرآن نازل ہو رہا تھا۔ اور ہم عزل کرتے تھے۔ اس لیے اگر یہ ممنوع بات ہوتی تو قرآن اس سے منع کر دیتا، تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے، کہ جس نبیؐ پر قرآن نازل ہوا اس نے اپنے قول سے اس کی ممانعت فرمادی کہ یہ زندہ درگور کرنا ہے۔

**حسن بصریؒ کا مسلک** | اور حضرت حسن بصریؒ نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے ممانعت ہی کا مفہوم لیا ہے۔ جب کہ انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”اگر تم یہ نہ کرو۔ تو بھی تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ یہ تو مقدمہ کی بات ہے۔ ابن عون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسنؒ کے سامنے یہ بات عرض کی، تو وہ واللہ یہ ہے (اور اس کی توضیح) میں بتاتے ہیں کہ اس میں نکاح کے باعث جو نسل مطلوب تھی۔ اس کا انقطاع پایا جاتا ہے۔ نیز سوء معاشرت اور طبیعت کی چاہت کے وقت لذت کا انقطاع بھی ہے۔ اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عزل نہ کرتے اور فرماتے، کہ اگر مجھے علم ہو جائے کہ میرا کوئی بیٹا عزل کرتا ہے تو میں اسے سزا دوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ عزل کو مکروہ سمجھتے تھے، جیسا کہ شعبہ نے عاصم سے روایت کیا ہے۔

**ابن مسعودؓ کی روایت** | اور حضرت ابن مسعودؓ سے صحیح روایت میں ہے کہ انھوں نے عزل کو ایک طرح کا زندہ درگور کرنا قرار دیا ہے۔

اور حضرت ابی امامہؓ سے ثابت ہے کہ ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا میں نے کسی مسلمان کو اس کا مرتکب نہیں پایا۔

حضرت نافعؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے



کسی بیٹے کو عزل کرنے پر مارا۔

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ انصاری نے حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما عزل سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ احکامات ان احادیث کے متعارض ہیں۔ جن میں یہ بات صراحت سے مباح ہے۔

**جواز عزل میں حضرت جابرؒ کے مرویات** | اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت جابرؒ کی احادیث جواز عزل میں صراحت

سے آتی ہیں اور صحیح ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا اور کئی اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ انھوں نے اس کی اجازت دی ہے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں خیال کیا۔

بیہقی فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت سعد بن ابی وقاصؒ - ابی ایوبؒ انصاریؒ زید بن ثابتؒ اور ابن عباسؒ وغیرہ سے بھی روایت ملی ہے۔ نیز امام مالکؒ اور شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اہل کونہ اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔

**حضرت جذامہ کی حدیث** | اور حضرت جذامہ کی حدیث کہ یہ حکم تنزیہ کے لیے ہے۔ ایک جماعت نے اسے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق یہود کی تکذیب کریں۔ پھر اس نے اس کی خبر بھی دے دیں۔ یہ واضح طور پر محال ہے۔

اور دوسرے گروہ نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث تکذیب میں اضطراب ہے اور حدیث جذامہ صحیح ہے۔

**کچھ یہود کے بارے میں** | دوسرے گروہ نے ان دونوں احادیث کو جمع کیا ہے اور کہا ہے۔ یہود کہا کرتے تھے کہ عزل کرنے سے حمل

نہیں ہوتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تکذیب فرمائی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی اس پر شاہد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا ارادہ کر لیا۔ تو تم اس کو روک نہیں سکتے۔ اور آپؐ کا فرمان یہ وار خفی (مخفی زندہ درگور کرنا) اگرچہ

قطعی طور پر حمل میں مانع نہیں لیکن اس کی تفہیل اس سے ممکن ہے۔ جیسے بیوی سے جماع نہ کرنا۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ دونوں احادیث صحیح ہیں۔ البتہ حدیث تحریم ناسخ ہے اور یہ ابو محمد بن حزم کا طریق ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ اصل سے ناقل ہے۔ اور حرمت سے قبل احکامات صرف اباحت کے ہوا کرتے تھے۔ ان کا یہ دعویٰ واضح تاریخ کے تعین کا محتاج ہے کہ ایک حدیث دوسری کے بعد اور کب فرمائی گئی۔

باندی سے بغیر اجازت عزل کیا جاسکتا ہے | اور ایک روایت میں صالح، ابن منصور حنبل۔ ابن الحرث۔ فضل

بن زیاد اور مروزی فرماتے ہیں کہ حرہ سے اس کے اذن کے ساتھ اور لونڈی سے بغیر اجازت عزل جائز ہے۔ اور ابن ہانی کا قول ہے، جو عزل کرے گا اس پر بچہ لازم ہو گیا کیونکہ گا ہے عزل کے باوجود بھی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے میرا ہر بچہ عزل ہی سے ہوا۔

۱۔ عزل کے بارے میں، یہ واقع اور مخالف حدیثیں آدمی کو اضطراب فکر میں مبتلا کر دیتی ہیں لیکن صحیح مسلک از روئے حدیث، اور از روئے فقہ اسلامی یہی ہے کہ عزل جائز ہے، بشرطیکہ بیوی بھی اس پر رضامند ہو۔ اگر وہ رضامند نہ ہو تو عزل نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ شادی کا اصل مقصد، اور مرد و عورت کی تخلیق کا رمز صرف توالد و تناسل ہے، تاکہ اللہ کے بندوں میں اضافہ ہو، لیکن اگر حالات و مصالح کے ماتحت کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بچے پیدا ہوں، تو بیوی کی رضامندی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ رضامندی طرفین ہی سے ہو سکتا ہے۔ بیوی اگر چاہتی ہے کہ اس کے بچے ہوں تو شوہر اس کی اس آرزو کو ٹھکرا نہیں سکتا۔

## مرضع سے جماع کا مسئلہ

صحیح مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، میں نے ارادہ کیا کہ غیلہ سے روک دوں۔ آخر میرے سامنے روم و فارس کا تذکرہ کیا گیا کہ انھیں اس سے کچھ ضرر نہیں ہوتا۔ نہ ان کی اولاد کو کچھ نقصان پہنچتا ہے۔

اور سنی ابی داؤد میں حضرت اسماء بنت یزید کی حدیث سے آپ سے منقول ہے۔ اپنی اولاد کو مخفی طور پر قتل نہ کرو۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر یہ ایک بٹہ سوار کو پکڑ لے تو اُسے بھی گرا دے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ اس سے آپ کا کیا مطلب تھا؟ انھوں نے فرمایا: آپ کا مطلب غیلہ سے تھا کہ ایک آدمی حالتِ رضاعت میں بیوی کے پاس آئے۔ اور حالتِ رضاحت میں وطی نہ کرنے سے ابتلاء عام ہو جاتا ہے۔ اور انسان کے لیے بہت ہی دشوار ہے کہ مدتِ رضاعت کے اندر عورت سے رکا رہے اور اگر اس وقت وطی کرنا حرام ہوتا تو بہر حال یہ دین کا ایک مسئلہ تھا، اور ضرور تھا کہ اس کی وضاحت کی جاتی۔ اور اُمت اور اصحاب خیر القرون اسے کبھی بھی خارج از بحث نہ خیال کرتے۔ نہ کسی نے اس کی حرمت بیان کی ہے۔ پس معلوم ہوا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث بچہ کے لئے محض بر بنائے ارشاد و احتیاط سے عربوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی اولاد کو ماؤں کے علاوہ، دوسری عورتوں سے دودھ پلایا کرتے تھے۔ اور اس سے منع کرنا محض ایسے اسباب کو بند کرنے کے مترادف ہے کہ جن سے بچے کو ضرر ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور سب ذرائع کا قاعدہ جب کسی مصلحت رائج سے ٹکراتا ہو تو اس وقت اس کو مقدم سمجھتے ہیں۔

---



# کئی بیویوں میں باری کی تقسیم

صحیحین میں حضرت انسؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: یہ سنت ہے کہ جب ایک آدمی یتیمہ کے بعد کنواری لڑکی سے شادی کرے۔ تو اس کے پاس سات روز رہے۔ اور پھر (ایام کو) تقسیم کر دے۔ اور جب یتیمہ سے شادی کرے، تو اس کے پاس تین روز رہے پھر اس کے بعد تقسیم کر دے۔

ابو قلابہؓ فرماتے ہیں: کہ اگر تم چاہو۔ تو کہو۔ کہ حضرت انسؓ نے اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور یہ ہے وہ بات، جو ابو قلابہؓ نے فرمائی اور جس کی صراحت حضرت انسؓ نے کر دی۔ جیسا کہ مسند بزازؒ میں حضرت ایوب سختیانیؒ اور انھوں نے ابو قلابہؓ سے انھوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری کے لیے سات دن اور یتیمہ کے لیے تین دن مقرر فرمائے۔

اور سنن میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری کے لیے سات دن اور یتیمہ کے لیے تین دن مقرر فرمائے۔

اور سنن میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے اور عدل کرتے اور کہتے: اے اللہ یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں، اس کے لیے جس کا تو مالک ہے اور میں اس کا مالک نہیں۔ یعنی ”دل“ اس

کے متعلق مجھے ملامت نہ کرنا۔

**سفر کی صورت میں قرعہ اندازی** | اور صحیحین میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ چنانچہ جس کا نام نکلتا۔ اسی کو ہمراہ لے جاتے اور صحیحین میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ دونوں کا دل (حضرت عائشہؓ) کے لیے تقسیم فرماتے۔

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس قیام کے معاملہ میں ہمیں ایک دوسرے پر فضیلت نہ دیتے۔ اور شاذ ہی کوئی ایسا دن ہوتا۔ کہ آپ ہم سب کے پاس تشریف نہ لاتے۔ حتیٰ کہ باری والی بیوی کے پاس تشریف لے جاتے اور وہاں شب گزارتے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ (ازواج مطہرات) ہر رات وہاں جمع ہو جاتیں۔ جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شب گزارنی ہوتی۔

**اپنے حق سے دست برداری** | صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے متعلق مروی ہے۔

وَأَمْرًا أَنْ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُفُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا۔  
یہ آیت ایک خاتون کے متعلق اتری۔ آپ اسے طلاق دینے کا ارادہ کر رہے تھے تو وہ کہنے لگی مجھے طلاق نہ دیجیے۔ اور میرے اخراجات کے لیے آپ کو اختیار ہے۔ نیز میری باری بھی آپ (دوسری ازواج) میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ تو یہی وہ معاملہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہوا۔ فلا جناح علیہما ان یصلحا بینہما صلحا والصلح خیر۔ یعنی آپس ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ کہ آپس میں صلح کر لیں صلح بہتر ہے۔

۱۔ آیت کی یہ شان نزول ایک مختلف فیہ مسئلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

### حضرت علی کا مسئلہ

آپ کے خلیفہ راشد اور ابن عم علی بن ابی طالب نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جب لونڈی کے بعد آزاد عورت سے نکاح کیا جائے تو لونڈی کے لیے ایک شب اور آزاد کے لیے دو راتوں کی تقسیم ہوگی۔ اور آپ کے خلفاء کی قضا اگرچہ (مرتبہ کے لحاظ) سے آپ کے فیصلوں کے مساوی نہیں، لیکن بہر حال امت پر ان کا اتباع واجب ضرور ہے۔

### امام احمد کا استدلال

امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے استدلال بھی کیا ہے۔ نیز محبت کے لحاظ سے عورتوں میں مساوات قائم رکھنا واجب نہیں۔ کیونکہ یہ اختیاری چیز نہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی تمام ازواج و مطہرات سے زیادہ محبوب تھیں۔ اسی سے یہ لیا گیا کہ خلوت میں بھی عورتوں کے درمیان مساوات ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ چیز بھی محبت اور میلان طبعی پر موقوف ہے۔ اور یہ چیز مقلب القلوب ذات کے ہاتھ میں ہے۔

نیز جب سفر کا ارادہ کرے۔ تو بغیر قرعہ کے کسی ایک کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ جب کہ دوسری عورتیں ہمراہ نہ ہوں۔ نیز جب واپس آئے تو باقی دونوں کے لیے فیصلہ نہ کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ نہ فرماتے۔

اس مسئلہ میں تین مذاہب ہیں۔

ایک یہ کہ قرعہ کے ساتھ یا بغیر قرعہ کے فیصلہ نہ کرے۔ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کا یہی قول ہے۔

دوسرے یہ کہ باقیوں کے لیے فیصلہ کرے۔ خواہ قرعہ سے، یا بغیر قرعہ کے، یہ اہل ظاہر کا مذہب ہے۔

اور تیسرے یہ کہ اگر قرعہ ڈالا۔ تو فیصلہ نہ کرے، اور اگر قرعہ نہ ڈالا تو فیصلہ کرے۔ یہ احمدؒ اور شافعیؒ کا قول ہے۔

نیز عورت کو حق حاصل ہے کہ اپنی باری دوسری سو کن کو دے دے۔ اس صورت

میں شوہر موہو بہ کے علاوہ کسی اور کو یہ دن نہیں دے سکتا۔  
اور اگر وہ یہ باری خاوند کو بہہ کر دے۔ تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ جسے چاہے  
دے دے۔

نیز مرد کو حق حاصل ہے کہ ایک ہی دن میں باقی دوسری بیویوں سے ملے جلے۔ لیکن  
جس کی باری ہے اس کے علاوہ خلوت نہ کرے۔

تمام بیویاں ایک بیوی کے ہاں جمع ہو سکتی ہیں | نیز باری وانی عورت کے ہاں  
سب بیویوں کو جمع ہونے

کی اجازت ہے اور یہ کہ وہ اس کے ساتھ سونے کے وقت تک بات چیت کریں  
پھر ہر ایک اپنے اپنے گھر چلی جائے۔

نیز جب ایک مرد ایک عورت سے خلوت کرے۔ اور پھر وہ اس سے بیزار ہو جائے  
یا وہ اس کے ادائے حقوق سے عاجز آجائے۔ تو وہ اُسے طلاق دینے کا مجاز ہے۔  
اور اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ اُسے اختیار دے دے کہ چاہے تو اس کے  
ٹھہری رہے۔ اور تقسیم خلوت اور نفقہ میں اس کا کچھ حصہ نہ ہو۔ یا حسب مصالحت  
ان میں بعض سے محروم رہے۔ جب رضامندی ہو گئی تو اب یہ واجب ہے۔

اور رضامندی کے بعد عورت کو مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔

یہ سنت کا موجب اور مقتضی ہے۔ اور یہی صائب ہے۔

نیز شادی شدہ باندی آزاد عورت سے نصف حق رکھتی ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین  
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ اور صحابہؓ میں اس کے متعلق اختلاف بھی  
نہیں۔ اور جہور کا قول بھی یہی ہے۔

ہاں مالک کی ایک روایت مروی ہے کہ یہ دونوں صورتیں  
امام مالک کا مسلک | مساوی ہیں۔ اور اہل ظاہر نے بھی یہی کہا ہے۔

اور جہور کا قول عدل کا مقتضی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آزاد اور غلام  
میں مساوات نہیں بنائی۔ نہ طلاق میں نہ عدت میں، نہ حد میں نہ ملک و میراث میں



نہ جج ہیں۔ نہ خاوند کے پاس دن رات رہنے میں۔ اور نہ اصل نکاح میں بلکہ اس کا نکاح ضرورت کے درجہ پر رکھا۔ اور تعداد مشکوحات میں۔ کیونکہ غلام دس سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتا۔

---



---

۱۔ اس جگہ ایک نازک فرق ہے اسے ملحوظ رکھنا چاہیے۔  
بے شک نکاح، طلاق، میراث، عدت، اور ملک و میراث میں آزاد اور غلام یکساں نہیں ہیں لیکن اس عدم یکسانیت کو عدم مساوات قرار دینا بھی درست اور روا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عدم مساوات نہیں، بلکہ غلام کے مخصوص حالات اور مصالح، اور عذرات کی بنا پر ذمہ داریوں کی کفالت اور انجام دہی میں رعایت ہے، اس رعایت کو عدم مساوات کہنا غلط فہمی کا دروازہ کھولتا ہے۔

# کنیز کی آزادی

## کیا اس کا مہر ترار پاسکتی ہے

اے حضرت اور حضرت صفیہؓ کا نکاح! | از روئے روایت صحیحہ آپؐ سے ثابت ہے۔  
 کہ آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو مہر قرار دیا۔

حضرت انسؓ سے دریافت کیا گیا کہ ان کا مہر کیا تھا؟

انہوں نے فرمایا: ان کی حریت وجود!

علی بن ابی طالب بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اور انسؓ بن مالک نے اس پر عمل بھی کیا ہے تابعین میں سب سے بڑے عالم اور سردار حضرت سعید بن مسیدؓ۔ ابی سلمہ بن عبدالرحمانؓ۔ حسن بصریؓ۔ زہریؓ۔ احمدؓ اور اسحاقؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام احمدؓ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے کہ کنیز کی آزادی اس کا مہر اس وقت تک قرار نہیں پاسکتی، جب تک اس سے اذن لے کر یہ کام اتمام کو نہ پہنچے، اور اگر وہ باندی آزادی کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔ تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔

# صحیح نکاح موقوفہ اجازت

## نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قضایا

**لڑکی کے کورد و قبول کا اختیار** | سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ ایک کنواری لڑکی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔

میرے والد نے میرا نکاح جبراً کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا۔ جی چاہے اس نکاح کو قائم رکھے جی چاہے رد کر دے۔

امام احمد سے جو نص مروی ہے، وہ اس حدیث کے مقتضا کے مطابق ہے چنانچہ حسب روایت صالح انہوں نے اپنے چچا کے چھوٹے لڑکے کے بارے میں جس کی شادی بے حالت نابالغی ان کے چچا نے کر دی تھی فرمایا ہے۔ کہ اگر کسی وقت بھی وہ (بعد بلوغ) راضی ہو گیا۔ تو جائز ہو گیا۔ اور اگر راضی نہ ہوا۔ تو نکاح فسخ ہو گیا۔

**یتیمہ کو بعد بلوغ حق اختیار ہے** | نیز ان کے بیٹے عبداللہ نے ان سے نقل کیا ہے کہ یتیم عورت کا جب نکاح کیا جائے۔ تو جب وہ بالغ ہوگی تو اسے اختیار ہوگا کہ قبول کر لے یا رد کر دے، اسی

طرح ابن منصور نے ان سے نقل کیا ہے۔ ان کے سامنے سفیان کا قول پیش کیا گیا کہ یتیم بچی کا نکاح ہو جائے۔ اور خاوند اس سے خلوت بھی کر لے اس کے بعد سے خاوند کے پاس حاکفہ ہو جائے تو کہتے ہیں اسے اختیار دیا جائے گا، اگر اس نے اپنے نبیؐس اختیار کر لیا تو تزویج واقعہ نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرنے کی کسی دوسرے کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہے۔ اور اگر وہ کہے کہ میں نے اپنے خاوند کو اختیار کر لیا تو ان دونوں کے نکاح پر دو گواہیاں ہونی چاہئیں۔ احمد کے نزدیک یہی درست ہے۔

**آقا غلام کا نکاح فسخ کر سکتا ہے** | غلام کے بارے میں حنبلی کی ایک روایت ہے کہ فرمایا۔

اگر آقا کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح کر دیا جائے۔ پھر آقا کو اس کا علم ہو۔ تو آقا کو حق ہے، کہ طلاق واقع کر دے، کیونکہ طلاق در حقیقت آقا کا حق ہے، البتہ اگر آقا خود غلام کو نکاح کی اجازت دے دے۔ تو پھر طلاق غلام کے ہاتھ میں ہوگی۔ آقا کے حق طلاق واقع کرنے سے مراد یہ ہے کہ عقد باطل ہو جائے گا اور اس کی تنفیذ و اجازت رک جائے گی۔ قاضی نے اس کی تاویل اس طرح کی ہے جو بظاہر نص کے خلاف ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور مالکؒ کا مذہب یہی ہے۔ اور ازروئے قیاس صحیح ہے۔



# کفو کا مسئلہ

## فقہاء اور علماء کے اقوال اور اختلافی مباحث

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

**قرآن و سنت کا مقتضاء** | یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا

و قبائل لغفار فوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

یعنی : اے لوگو ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے ۔ اور رکھا تمہیں ذاتیں اور قبیلے میں تاکہ متعارف ہو سکو ، بلاشبہ عزت اللہ ہی کے ہاں اسی کو حاصل ہے جو زیادہ متقی ہو ۔

نیز فرمایا : انما المؤمنون اخوة ۔ یعنی بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔

نیز فرمایا : والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض یعنی اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں ۔

اور فرمایا : ناستجاب لہم ربہم انی لا اضع عمل منکم من ذکر و انثی بعضکم من بعض یعنی پس قبول کر لیا ان کے رب نے ان کے لیے کہ ہیں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل مرد یا عورت کا ضائع نہ کروں گا ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے ۔ نہ کسی سفید کو سیاہ پر اور نہ سیاہ کو سفید پر ، ہاں مگر تقویٰ سے تمام لوگ اہم کی اولاد ہیں ، اور آدم مٹی سے بنے تھے ۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آل بن فلاں میرے دوست نہیں۔  
میرے دوست تو متقی لوگ ہیں۔ خواہ وہ کوئی ہوں۔ اور کبھی بھی ہوں۔

اور ترمذی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، جب  
**نکاح کی تائید** تمہارے پاس ایسا آدمی آئے جس کا دین اور اخلاق تمہیں  
پسند ہو، تو اس کا نکاح کر دو۔ اگر تم نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا  
فساد پیدا ہو جائے گا۔

عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ۔ اور اگر اس میں یہ بات ہو؟  
آپ نے فرمایا! جب تمہارے پاس وہ آدمی آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں  
پسند ہو۔ تو اس کا نکاح کر دو۔ یہ آپ نے یقیناً فرمایا۔  
اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیباک سے فرمایا! ابوہند کا نکاح کر دو۔ اور  
یہ ابوہند حجام (سنگیاں لگانے والے) تھے۔

**عالی خاندان عرب عورتوں کی شادی کم نسب لوگوں سے** نیز

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش قریشہ کا زید بن حارثہ اپنے غلام کے  
ساتھ نکاح کر دیا۔ اور فاطمہ بنت قیس قہرہ کا اسامہ بن زید سے نکاح کر دیا  
اور بلال بن رباح کی شادی عبدالرحمان بن عوف کی ہمیشہ سے کردی،  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الطيبات للطيبين والطيبون للطيبات یعنی پاک عورتیں پاک مردوں کے  
لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔

نیز فرمایا! فانكحوا ما طاب لكم من النساء۔ پس نکاح کر لو جو عورتیں تمہیں  
خوش (اچھی) لگیں۔

**نکاح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے**  
**کفو میں اصل اعتبار دینے کا ہے** اقتضائے احکام کے مطابق کفو میں

بنیادی طور پر دین کا اعتبار ہے، چنانچہ مسلمہ کا نکاح کافر سے نہیں ہو سکتا، نہ کسی عقیقہ کا کسی فاجر شخص سے عقد ہو سکتا ہے۔ قرآن و سنت نے اس سے زیادہ کفو سے متعلق کوئی اور بات نہیں فرمائی۔ چنانچہ اس نے مسلمہ کی شادی ایک بدکار اور زانی شخص سے روا نہیں رکھی ہے، اور اس کے نسب اور پیشے کا اعتبار نہیں کیا ہے، نہ دولت و ثروت کا اعتبار رکھا ہے۔ چنانچہ کنکال غلام کا ایک اعلیٰ نسب والی دولت مند آزاد عورت سے نکاح بالکل جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ پاکباز مسلمان ہو۔ اور غیر قریشی مرد، قریشی عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور غیر ہاشمی مرد کو ہاشمی عورتوں سے نکاح میں کوئی قباحت نہیں، نیز فقراء کو اجازت ہے کہ وہ دولت مند خواتین سے نکاح کر لیں، فقہاء نے کفو کے اوصاف میں اختلاف کیا ہے۔ مالکؒ نے ظاہر مذہب میں فرمایا ہے (کفو) صرف دین میں ہے۔ ایک روایت ان سے یہ بھی ہے کہ کفو تین باتوں میں ہے۔

۱۔ دینے۔

۲۔ آزادی۔

۳۔ اور محبوب سے سلامتی۔

ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ نسب اور دین (دونوں) میں ہے۔

امام احمدؒ سے ایک روایت میں ہے، کہ کفو دین میں اور خاص کر نسب

میں ہے۔

انہی سے ایک دوسری روایت مروی ہے۔ کہ

کفو پانچ باتوں میں ہے۔

کفو کے امور معتبرہ خمسہ

۱۔ دینے۔

۲۔ نسب۔

۳۔ حریت۔

۴۔ صنعت۔

۵۔ مال۔

اور جب نسب میں کفو کا اعتبار کیا جائے۔ تو اس میں دو روایتیں ہیں۔  
ایک یہ کہ عرب ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں۔ دوسرے یہ کہ قریشی صرف  
قریش کا اور ثبوہا شتم صرف ثبوہا شتم کے لیے کفو ہوں گے۔

اور اصحاب الشافعی نے فرمایا ہے کہ اس میں  
**اصحاب شافعی کا مسلک** | حین، نسب، حریت، صنعت اور نفرت

انگیز عیوب سے سلامتی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور ان کے نزدیک یقین اور وجوہ  
میں۔ اس کا اعتبار کرنا۔ اسے کفو کر دینا اور بادیہ کی بجائے مدن میں اس کا اعتبار  
کرنا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک عجمی، عربی کا کفو نہ ہوگا۔ اور نہ غیر قریشی  
قریشی کا، اور نہ غیر ہاشمی ہاشمی کا کفو ہو سکتا ہے۔ نہ علماء و صلحا سے نسب رکھنے  
والوں کا کفو علماء و صلحا سے نسب نہ رکھنے والا ہو سکتا ہے، نہ غلام آزاد عورت کا کفو  
ہوگا، نہ تو آزاد پیدائشی حرہ کا کفو بن سکتا ہے۔ اور وہ آدمی کہ جس کے باپ  
دادا میں سے کوئی غلام رہا ہو۔ وہ اس کا کفو نہ ہوگا جس کی کوئی نسل غلام نہ رہی ہو۔  
ماں کی طرف غلامی کی نسبت میں دو وجوہ ہیں۔

نیز ایسا آدمی جس میں کوئی قابل  
**عدم کفو کے قابل فسخ اسباب** | فسخ والا عیب ہو۔ ایسی عورت

کا کفو قرار پا سکتا ہے، جو ان عیوب سے بری ہو۔  
اور اگر قابل فسخ نہ ہوگا، مگر قابل نفرت ہو، جیسے اندھا پن، عضو کا کٹا ہونا۔  
اور پیدائشی خرابی میں دو وجوہ ہیں۔ روایاتی نے فرمایا ہے۔ کہ ایسا شخص  
کفو نہیں ہو سکتا۔

نیز حجام۔ جو لاہ اور پیرے دار ایک تاجر، درزی وغیرہ کی بیٹی کا کفو نہیں بن  
سکتا۔ اور صاحب حرفت ایک عالم کی بیٹی کا اور فاسق ایک شریفہ عورت کا  
کفو نہیں بن سکتا۔ اور ایک بدعتی ایک اہل سنت عورت کا کفو نہیں بن سکتا



جمہور کے نزدیک کفایت عورت اور اس کے ولی کا حق ہے۔

**فسخ کا اختیار عورت کے ولی کو ہے** | اختلاف کفو میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اصحاب شافعی رحمۃ

اللہ کے کفو کے سلسلہ میں فسخ نکاح کا اختیار عورت کے ولی کو ہے۔

امام احمد کے نزدیک یہ حق جمیع اولیا کو حاصل ہے، خواہ وہ قریب کے ہوں یا بعید کے ان میں سے اگر ایک ولی بھی نارضا مند ہو تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔

امام احمد سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ کفو اللہ کا حق ہے، لہذا اس کے الفاظ پر ان کی رضا کا کوئی اثر مترتب نہیں ہوگا، لیکن اس روایت پر حریت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

**ائمہ سے منسوب غلط باتیں** | یہ قول تہ امام احمد کا ہے نہ علماء میں سے کسی اور کا کہ غریب آدمی کا دولت مند عورت

سے نکاح باطل ہے، اگرچہ عورت رضا مند کیوں نہ ہو، امام احمد نے یا کسی اور عالم نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ نکاح ہاشمیہ غیر ہاشمی سے، اور نکاح قرشیہ غیر قرشی سے باطل ہے۔

یہ بات ہم نے اس لیے واضح کر دی کہ ہمارے اصحاب میں سے اکثر اس باب میں مختلف الآراء ہیں کہ کفارہ (کفو) آیا خدا کا حق ہے یا آدمی کا؟

لہٰذا کفایت یعنی کفو ہونے کے بارے میں ائمہ فقہیہ کے جو اقوال سطور بالا میں پیش کیے گئے ہیں۔ وہ صرف بحث کے اور نفس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے ہیں تاکہ ہر پہلو نظر کے سامنے آجائے، اور کوئی گوشہ فکر و نظر اور منطق و کلام تشنہ نہ رہ جائے۔

ورنہ فقہ اسلامی کا مسئلہ مسلک یہ ہے کہ اگر بالغہ عورت اپنی مرضی اور پسند (باقی اگلے صفحہ پر)

# شادی شدہ غلام اور باندی

## باندی اگر آزاد ہو جائے تو نکاح قائم رہے گا یا نہیں؟

شوہر کی آزادی کا انتظار کیا جاسکتا ہے | کہ بریرہؓ نے اپنے آقا سے نکاح

کرتی، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حدود کی درخواست کے لیے حاضر ہوئیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ اگر تیرا آقا اس پر رضا مند ہو کہ تیرا حق ولا مجھے حاصل ہوگا۔ تو میں حدود کے لیے تیار ہوں، وہ واپس اپنے آقا کے پاس آئیں اس نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ولایت ہمیں حاصل رہے گی۔

ولا آزاد کرنے والے کا حق ہے | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ اسے

خرید لو۔ اور ولان کے آقاؤں کے لیے رہنے دو۔ کیونکہ ولا کا حق آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔

(بقیہ ماثیہ)  
سے، کسی مسلمان سے شادی کر لے تو وہ جلاڑ ہے، لیکن اگر کسی ایسے شخص سے شادی کرے، جو خاندانی اعتبار سے باعث ننگ ہو تو صرف باپ قاضی کے ہاں جا کر ایسا نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ فتح نہ کرائے تو نکاح نافذ رہے گا۔ اور باپ کے سوا کسی دوسرے کو اس سلسلہ میں قاضی کے ہاں جا کر فسخ نکاح کی درخواست کرنے کا حق نہیں ہے۔

خلاف کتاب اللہ کوئی شرط قابل قبول نہیں ہے | پھر آپؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا

اور فرمایا:

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ ایسی شرائط لگاتے ہیں، جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ (یاد رکھو) جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ شرط باطل ہے۔ اگرچہ سو شرائط لگا دیں۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ اتباع کے قابل ہے۔ اور اللہ کی شرط زیادہ بختہ اور محکم ہے۔ ولا صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

عورت شادی پر مجبور نہیں کی جاسکتی | پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(حضرت بریرہؓ) کو اختیار دیا چاہیں تو اپنے خاوند سے نکاح قائم رکھیں۔ مرضی ہو تو فسخ کر دیں۔ انہوں نے اپنے تئیں اختیار کر لیا، یعنی نکاح فسخ کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا: وہ تمہارا خاوند ہے۔ اور تمہارے بچے کا باپ ہے۔ بریرہ نے کہا،

اے اللہ کے رسول کیا یہ آپؐ کا حکم ہے؟

آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ میں محض سفارش کر رہا ہوں۔

بریرہ نے کہا۔ مجھے اس کی سفارش کی ضرورت نہیں۔

آپؐ نے بریرہ کو حق اختیار دیتے ہوئے فرمایا۔

اگر اس نے تم سے مقاربت کر لی۔ تو پھر تمہارا حق خیار قائم نہیں رہے گا۔

بعد ازاں آپؐ نے بریرہ کو عدت گزارنے کا حکم دیا۔ اور بریرہ کو گوشت

کا صدقہ دیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔

اور فرمایا: یہ اس کے لیے صدقہ ہے ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

مسائل فقہیہ کا استنباط | فقہی طور پر حضرت بریرہؓ کے واقعہ میں !  
۱۔ عورت کے لیے مکاتبت کہ لینے کا جواز

نکلتا ہے۔

۲۔ نیز یہ کہ مکاتبت کی بیع جائز ہے۔ اگرچہ اس کا آقا عاجز نہ ہو۔ یہ امام احمد کا مشہور مذہب ہے۔ اور ان کے اکثر نصوص اس پر وال ہیں۔

۳۔ اور ابی طالب ہے مروی ہے کہ مکاتبت عورت سے اس کا آقا مجامعت نہ کرے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اب اسے فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ ابو حنیفہ مالک اور شافعی نے یہی فرمایا ہے۔

۴۔ نیز بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی خد خرید اور بریرہ کے آقا کی فروخت کو درست قرار دیا۔ اور یہ دریافت فرمایا کہ آیا وہ عاجز ہے یا نہیں کیونکہ ان کا مدد کی درخواست کے لیے حاضر ہونا۔ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عاجز ہو گئی تھیں۔

۵۔ نیز اس واقعہ میں سکوں میں گنتی کے لحاظ سے معاملہ کرنا بھی جائز ہے۔ اگر اس کی مقدار مختلف نہ ہو۔

۶۔ نیز اس میں یہ بھی ذکر ہوا۔ عقد کرنے والوں میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کوئی شرط عائد کر دے۔

۷۔ اور آپ کے اس فرمانے کہ کتاب اللہ میں نہیں کا مطلب یہی ہے۔ کہ اللہ کے احکامات میں اس کا جواز نہیں۔ کہ قرآن میں اس کا ذکر اور اباحت نہیں۔

۸۔ اور آپ کا فرمانے کہ کتاب اللہ زیادہ مستحق ہے اللہ کی شرط زیادہ اوثق ہے، اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

۹۔ اور جس نے ایسے عقد کو درست قرار دیا ہے، جس میں شرط فاسد



بھی ہو، اس نے اسی سے استدلال کیا ہے، لیکتی یہ مسئلہ نزاعی ہے، اور وضاحت سے صائب پہلو ظاہر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس قول میں لوگوں کے لیے اشکال ہو گیا ہے، کہ ”ان کے لیے ولا کی شرط لگا دو، کیونکہ ولا اسی کی ہوتی ہے۔ جو آزاد کرے، چنانچہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس شرط (فاسد) کی اجازت دی اور خبر دی۔ کہ یہ اس (آقا) کے لیے فائدہ مند نہ ہوگی۔

**اما شافعی کا مسلک** | شافعی نے اس لفظ میں طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ عروۃ بن ہشام اس میں منفرد ہے، اور دوسرے نے اس کے خلاف کہا ہے۔

چنانچہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روکیا ہے۔ لیکن اصحاب صحیحین وغیرہ نے اس کی تخریج کی ہے۔ اور اس میں کوئی طعن نہیں کیا اور ہمارے علم کے مطابق شافعی کے سوا کسی نے اسے معلول بھی نہیں قرار دیا۔

پھر اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا۔ کہ لام ”و علی“ کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے ان احسنتم احسنتم لا تفسکروا ان اسأتو فلہا — میں مطلب ”فعلیہا“ ہے جیسا اللہ تعالیٰ فرمایا فلنفسہ ومن اساء فعلیہا۔

اور ایک گروہ نے سیاق و سباق اور موضوع کے باعث اس اعتذار کو رد کر دیا ہے۔ ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ لام اپنے معنی ہی میں ہے۔ لیکتی حذف تقدیر کے ساتھ یعنی ”اشترطی ام لا بشرطی“ (شرط لگاؤ یا نہ لگاؤ) کیونکہ اشتراط سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ شرط کتاب اللہ کے خلاف ہے۔

دوسروں نے اس عذر کو بھی رد کیا ہے کیونکہ یہ دلیل اضمحار لازم آتا ہے۔

**آپ حضرت کا فرمان کہ ولا آزاد کرنے والے کے لیے ہے** | یہ عموم میں ہے

سے ہے جس کے ثبوت کی ضرورت ہے۔ جو سائبہ کو آزاد کرے یا زکواتہ یا کفارہ یا عتق واجب میں کسی کو آزاد کرے۔ یہ شافعی اور ابو حنیفہ

کا قول ہے۔

اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے، دوسری روایت میں ان کے قول یہ ہے کہ اسے حق ولا نہیں۔ اور تیسری روایت یہ ہے کہ اس کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ مسلمان جب کسی زمی غلام کو آزاد کرے، پھر وہ نو آزاد مرجائے۔ تو ولا کے باعث یہ وارث ہوگا۔ یہ عموم اس قول سے خاص ہے۔ کہ مسلمان کا فر کا وارث نہیں ہوتا۔ چنانچہ یا اس کی تخصیص کرتا ہے۔ یا تقلید کرتا ہے، شافعی و مالک اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ ولا کے باعث صرف اسی صورت میں وارث ہوگا۔ جس صورت میں کہ نو آزاد مسلمان ہو کر مرے۔ گویا ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آزاد کرنے والے کو حق ولا اس صورت میں ملے گا کہ نو آزاد مسلمان ہو چکا ہو، ورنہ نہیں۔

اس واقعہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ!

### چند اور مسائل فقہی کا استنباط

۱۔ منکوحہ نو ذری جب آزاد ہو جائے اور اس کا خاوند غلام ہو، تو اسے حق اختیار حاصل ہے۔ البتہ بربرہ کے خاوند میں اختلاف ہے، کہ وہ غلام تھا یا آزاد؟

قاسمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ غلام تھا۔ اور اگر وہ آزاد ہوتا، تو آپؐ بربرہ کو اختیار نہ دیتے۔

عروہؒ نے نقل کیا ہے کہ وہ آزاد تھا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کہ وہ حبشی غلام تھا۔ اسے مغیث کہا کرتے تھے۔ اور یہ بنی فلاح کا غلام تھا، گویا بنی اسے ابھی دیکھ رہا ہوں، کہ میرے کی گلیوں میں وہ بربرہ کے پیچھے پھرا کرتا تھا۔ یہ تمام روایات صحیح ہیں۔

اور سنت ابی داؤد میں مروی ہے کہ وہ آل احمد کا غلام تھا۔ چنانچہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بربرہ) کو اختیار دیا اور فرمایا۔

اگر وہ تیرے نزدیک گیا (قریت کی) تو پھر تجھے اختیار نہ ہوگا۔

امام احمدؒ میں سے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ کہ بریرہؓ ایک غلام کی زوجیت میں تھیں۔ جب انہیں آزادی ملی۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تجھے اختیار ہے۔ اگر چاہے تو اس غلام کی زوجیت میں رہ، اور اگر مرضی ہو تو اس سے الگ ہو جا۔

آزادی کے بعد باندی کو حق خیار حاصل ہے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب باندی کو آزادی ملے۔ اور اس کا خاوند غلام ہو۔ تو اسے حق خیار حاصل ہے۔

لیکن جب رخواوند آزاد ہو۔ تو اس میں اختلاف ہے شافعیؒ اور مالکؒ امام احمدؒ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ اسے کوئی اختیار نہیں ہے، امام احمدؒ نے ایک روایت میں فرمایا ہے کہ اسے اختیار ہے۔ اور یہ دونوں روایات اس بات پر مبنی نہیں ہیں۔ کہ اس کا خاوند غلام یا آزاد ہو، بلکہ اسے اختیار حاصل ہو جانے کی تحقیق میں ہے۔

اور فقہاء کے اس باب میں تین ماخذ ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اس طرح کفو زائل ہو جاتی ہے۔

ب۔ دوسرے یہ کہ عتقا کے باعث خاوند کو تیسری طلاق کا حق حاصل ہو گیا۔ جو عقد کے وقت نہ تھا۔ اور یہ ابو حنیفہؒ کے اصحاب کا ماخذ ہے، اور اسی اصل پر انہوں نے کہا ہے کہ طلاق کا اعتبار عورتوں کے ساتھ ہے، مردوں کی حالت کے ساتھ نہیں ہے۔

ج۔ تیسرے اس کی ملکیت اپنے نفس پر!

اور ہم اس کے متعلق مزید وضاحت کریں گے، پہلا ماخذ ہے، ناقص کے تحت کامل کا ہونا، تو یہ دوامی طور پر کفو کے اعتبار کرنے کی طرف راجع ہے، جیسے ابتداء میں تھا۔ اب اگر زائل ہو جائے، تو عورت کو حق خیار حاصل ہے، بالکل اسی طرح جیسے مرد کی عدم کفو ظاہر ہونے کے بعد



عورت کو اختیار حاصل ہے، لیکن یہ قول دُورِ جہ سے ضعیف ہے۔  
ایک یہ کہ شرائط کفو و دومی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اور نہ انہیں مستمر سمجھا جاسکتا  
ہے۔ اور عقد میں ان کے توابع کو بھی دوام نہیں بخشا جاسکتا۔  
دوسرے خاوند کی فسق و فجور کے باعث اگر دورانِ نکاح میں کفو زائل ہو جائے  
یا موجب فسخ عجیب آجائے، تو بھی ظاہرِ مذہب کے مطابق عورت کو اختیار حاصل  
نہ ہوگا۔ اور فقہاء کا، نیز مالک کا یہی اختیار و مذہب ہے۔  
اور قاضی نے نئے عیب پر اختیار ثابت کیا ہے۔ اور خاوند کے فسق کے  
حدوت پر اس کا ثبات مستلزم ہے۔

شافعی فرماتے ہیں، اگر خاوند میں یہ نیا پیدا ہوا ہے تو اختیار ثابت ہوگا  
اور اگر زوجہ میں ہے۔ تو اس کے بارے میں دُورِ قول ہیں۔  
یہاں دوسرا ماخذ کہ عورت کے عتق نے خاوند کو تیسری طلاق کا مالک بنا دیا۔ تو  
یہ از حد ضعیف ماخذ ہے، تیسری طلاق کے ثبوت اور عورت کے اختیار کے  
ثبوت میں کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ باقی تیسرا ماخذ یعنی یہ کہ اب وہ عورت  
اپنے نفس کی مالک ہے، یہ سب سے زیادہ قابلِ ترجیح ماخذ ہے اور اصول  
شرع کے سب سے زیادہ قریب اور تناقض سے بعید تر ہے۔ اور اس ماخذ  
کی لم یہ ہے۔ کہ آقا جب اس کا ہر اعتبار سے مالک تھا۔ اس نے حکمِ ملک کے  
ذریعہ اس کا عقد کیا تھا۔ اور عتق اس بات کا متقاضی ہے کہ تملیک رقبہ و منافع  
آزاد کنندہ کے لیے ہو۔ اور عتق سے مقصود اور حکمت یہی ہے۔ اب  
جب وہ اپنے آپ کی مالک ہو گئی، تو اپنی ہر حیثیت اور منافع کی بھی مالک  
قرار پائے گی اور منافع و بضع، (حق تمتع) بھی اس میں شامل ہے۔ تو (خاوند)  
محض اس کے اختیار سے ہی اتنے چیزوں کا مالک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شارع  
علیہ السلام نے عورت کو اختیار دیا، چاہے تو اپنے خاوند کے ساتھ رہے۔  
اور چاہے تو نکاح فسخ کر دے۔ کیونکہ وہ اپنی بضع (تمتع کرانے) کے



اختیار کی مالک بننے چکی ہے۔

فسخ کے بعد مجامعت سے حق خیار ساقط ہو جاتا ہے | اور بعض طرق

میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہما کے متعلق آیا ہے کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
ان سے فرمایا۔

تو اب اپنی خود مالک ہو گئی۔ اس لیے جو چاہے اختیار کر لے۔ (تجھے اختیار  
ہے بقائے نکاح یا فسخ نکاح کا)

امام احمد نے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔  
کہ جب باندی کو آزاد کر دیا جائے۔ تو اسے حق خیار حاصل ہے۔ بشرطیکہ اُس سے  
جماع نہ کیا جائے، وہ چاہے تو جدا ہو جائے، لیکن اگر اعتق کے بعد شوہر  
نے مجامعت کر لی۔ تو اب اُسے کوئی اختیار باقی نہیں رہا۔ اور نہ وہ جدا ہو سکتی  
ہے۔

اور اس سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ جب وہ جماع یہ رضا مندی نہ کر لے، تب تک اسے اختیار  
رہتا ہے، اور یہ مالک۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

امام شافعی کے تین اقوال | امام شافعی سے تین اقوال مروی ہیں۔ ان

میں سے ایک یہ ہے۔ دوسرا یہ کہ فوراً ہی فیصلہ  
کر لے۔ تیسرا یہ کہ اسے تین روزہ ایک اختیار حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ جب  
وہ جماع کرنے کی شوہر کو اجازت دے گی، تو اس کا اختیار ساقط ہو جائے  
گا۔ اور یہ جب ہو گا۔ کہ اُسے آزاد ہو جانے اور اختیار کا حق ثابت ہو  
جانے کا علم ہو چکا ہو، اور اگر وہ دونوں سے ناواقف ہے تو محض جماع  
کرانے سے حق خیار ساقط نہ ہو گا۔

اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ ملک فسخ ہونے ہوئے

اس کا جہل دشوار ہے بلکہ جب اسے عتق کا علم ہو گیا اور پھر اس نے جماع کرانے کا موقع دیا۔ تو اس کا اختیار ساقط ہو گیا۔

اگر چہ اسے اس مسئلہ کا علم نہ ہو کہ اسے فسخ کا حق حاصل ہے۔

پہلی روایت اصح ہے، کیونکہ عتق زوج اختیار سے قبل کی بات ہوتی ہے۔

آزاد شوہر کی بیوی آزاد ہونے کے بعد حق خیار نہیں رکھتی | اور ہم کہتے ہیں کہ آزاد

کی زوجیت میں آزاد ہونے والی کا اختیار باطل ہو گیا، کیونکہ اسے خاوند کے ساتھ مساوات اور فسخ سے قبل کفو میں برابری حاصل ہے اور مدت طلاق میں اس کا اختیار صحیح ہے، کیونکہ اس زمانہ میں اس کا اختیار ایک محال تفریق کی جانب راجع ہے، چنانچہ جب رجوع ہو گا، تو اسی وقت حق ہے کہ وہ اسے اختیار کرے اور اس کے ہمراہ رہائش رکھے، کیونکہ وہ اب اس کی بیوی بن چکی ہے، اختیار کا عمل اس کا ذاتی عمل ہے، اور اس کا اثر مرتب ہو چکا۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب خلوت کے بعد لونڈی کا خاوند مرتد ہو جائے، پھر اس کے زمانہ ازداد میں اسے آزادی مل جائے، تو پہلے قول کے مطابق (لونڈی) کو اس کے مسلمات ہوتے سے قبل اختیار حاصل ہے۔ اب اگر اس نے اسے اختیار کیا۔ پھر وہ اسلام لے آیا۔ تو اس کی ملکیت فسخ (اختیار) ساقط ہو گئی۔

اور امام شافعی کے قول کے مطابق اس کے اسلام لانے سے قبل اس کا حق خیار درست نہیں۔ کیونکہ عقد باطل کی طرف راجع ہے۔ جب وہ اسلام لے آیا۔ تب اس کا اختیار صحیح ہوا۔

بریرہ کے سوال اور آپ کے جواب سے احکام مستنبط | بریرہ کا سوال

کہ آیا یہ آپ کا حکم ہے؟ اور آپ کا جواب کہ نہیں میں تو صرف سفارش

کہ رہے ہوں، پھر بریرہ کا کہنا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، اس سے یہ احکام ملتے ہیں۔

الف۔ ایک یہ کہ آپ کا حکم وجوب کے لیے ہے، اسی وجہ سے آپ نے امر اور شفاعت میں فرق فرمایا۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ آپ کی شفاعت قبول کرنا بھی تمام مستجاب سے بڑا استجاب ہے۔

ب۔ دوسرے یہ کہ حضور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ کے انکار پر برا نہیں منایا اور نہ ہی آپ برہم ہوئے جب انہوں نے آپ کی شفاعت قبول نہیں کی کیونکہ شفاعت میں مشفوع کا حق ساقط کیا جاتا ہے۔ اور یہ اس کی مرضی ہے، چاہے اس سے دستبردار ہو جائے، اور چاہے تو اسے باقی رکھے۔ یہی وجہ ہے، کہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نہ ماننا حرام نہیں۔ البتہ آپ کے حکم کا ماننا حرام ہے۔

بنی صلی اللہ علیہ وسلم

اپنا صدقہ نہ خریدا جاسکتا ہے نہ ہدیہ لیا جاسکتا ہے

بریرہؓ کو صدقہ میں آٹے گئے گوشت کا تناول فرمانا اور ارشاد کرنا کہ یہ اس کے لیے صدقہ ہمارے لیے ہدیہ، اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص بے نیاز اور غنی ہو، یا بنو ہاشم میں سے ہو، وہ ایسے صدقہ کو ہدیہ کے طور پر کھا سکتا ہے۔

اور ہر وہ آدمی جس پر صدقہ کھانا حرام ہے، اگر فقیر اپنا صدقہ ہدیہ کے طور پر پیش کرے تو اختلاف جہت، ماکول کے باعث کہ وہ اپنے صحیح محل پر پہنچ چکا ہے۔ وہ اسے خرید بھی سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ خود اس کا اپنا صدقہ نہ ہو، اور اگر اپنا صدقہ ہو، تو اسے خریدنا، یا ہبہ لینا یا اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں کیونکہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا صدقہ خریدنے کی ممانعت فرمائی تھی، اسے مت خریدو اگرچہ وہ تمہیں ایک ہی درہم میں دے دے۔

# مہر اور اس کی قلت و کثرت

ہر دو صورتوں میں نکاح جائز اور نافذ رہے گا

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ تھا، لیکن پھر پانچ سو اوقیہ تک پہنچ گیا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی بارہ اوقیہ سے زیادہ پر نکاح کیا ہو، یا کسی بیٹی کا نکاح اس سے زیادہ مہر پر کیا ہو۔

ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔  
ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت سہیل بن سعد | ایک معمولی انگشتی بھی مہر بن سکتی ہے

سے مروی ہے۔ کہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا۔  
نکاح کرو۔ چاہے ایک لوہے کی انگوٹھی (مہر) پر ہی کیوں نہ کرو،  
اور سنو ابی داؤد میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ کہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا۔ جس نے مہر میں مٹھی بھر ستویا کھجوریں (مہر میں) دیں۔ اس نے حلال  
کام کیا۔



ترندیٰ میں ہے۔ نبی فزارة کی ایک عورت نے ایک جوڑا جوتوں پر نکاح کیا۔  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریاوت فرمایا، کیا تو اس پر رضامند ہے؟  
اس نے عرض کیا جی ہاں!

آپ نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی،! ترندیٰ فرماتے، عیسے۔ کہ یہ حدیث  
صحیح ہے۔

مسند امام احمد میں حضرت عائشہؓ کی روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے!  
کہ، سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں دشواریوں کو آسان بنایا گیا ہو۔

**قرآن سکھانا بھی مہربان سکتا ہے** | صحیحین میں ہے کہ ایک عورت  
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت  
میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول۔ میں اپنے تیلے آپ کو ہبہ کرتی ہوں! پھر وہ طویل  
قامت عورت کھڑی ہو گئی۔

ایک آدمی نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول اگر آپ کو اس کی حاجت نہ ہو، تو  
اس کا مجھ سے نکاح کر دیجئے۔

آپ نے فرمایا! کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے جو تم مہربان دے سکو؟  
اس نے عرض کیا میرے پاس صرف یہ میراثہ بند ہے۔

جناب رسالتنا ب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر اسے تہ بند دے دو گے۔ تو  
اس کے بعیر رہو گے۔ اس لیے کسی اور چیز کی جستجو کرو۔

اس نے عرض کیا! میرے پاس اس تہ بند کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا! تلاش کرو اگر چہ لوہے کی ایک انگوٹھی کیوں نہ ہو، اس نے  
کوشش کی لیکن کچھ نہ ملا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے کچھ  
قرآن یاد ہے۔

اس نے عرض کیا، فلاں فلاں سورت مجھے حفظ ہے پھر اس نے سورتوں کا نام لیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے پاس جو حصہ قرآن ہے اسی میں تیرا اس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہوں۔

**قبول اسلام کی شرط بھی مہر بن سکتی ہے** | اور نسائی میں ہے کہ ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ کو

پیغام نکاح بھیجا، انہوں نے جواب دیا: اے ابو طلحہؓ تم جیسے شخص کو مسترد نہیں کیا جاتا، کیونکہ تم کافر ہو، اور میں مسلمان عورت ہوں۔ میرا تم سے نکاح حلال نہیں۔ اگر مسلمان ہو جاؤ تو یہی میرا مہر ہے۔ میں اس کے سوا تم سے اور کچھ طلب نہ کروں گی۔ وہ اسلام لے آئے۔ اور یہی ان کا مہر قرار پایا۔

حضرت ثابتؓ فرماتے ہیں: ہم نے کوئی ایسی عورت ایسی نہیں سنی کہ جس کا اس قدر اعلیٰ اور قیمتی مہر ہو، جیسا ام سلیمؓ کا تھا۔ چنانچہ وہ ان کی زوجیت میں آئیں، اور ان کے ہاں بچے ہوئے۔

**حدیث سے احکام و مسائل مستنبط** | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہر کے قلیل ہونے کی کوئی معین

مقدار نہیں اگرچہ ستو کی ایک مٹھی، نوپے کی ایک انگوٹھی، اور ایک جوڑ بھوتے ہی ہوں۔ ان سب کو مہر قرار دینا جائز ہے، اور زوجہ اس سے حلال بنتی ہے۔

۲۔ نیز یہ حدیث اس کی متضمن ہے کہ نکاح میں اتحد نہ یا دتی مہر مکروہ

ہے، اور اس سے برکت کم ہو جاتی ہے۔

۳۔ نیز یہ کہ عورت جب خاوند کے علم اور حفظ قرآن سے واقف ہو جائے۔

یا اس کے بعض حصہ کا۔ تو اس سے مہر قرار دینا جائز ہے اور بہ تمام مہروں سے زیادہ افضل اعلیٰ اور نافع ہے۔

۴۔ بعض کا اس میں اختلاف ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ مہر صرف مال ہی کی

صورت میں ہونا چاہیے۔ اور دوسرے منافع و علوم اور تعلیم کو مہر قرار دینا

درست نہیں، ابو حنیفہؒ اور احمدؒ کا یہی قول ہے۔

۵۔ بعض کا کہنا یہ ہے، کہ مہر تین درہم سے کم نہ ہونا چاہیے، امام مالک کا خیال یہی ہے۔ اور دس درہم بھی ہے جو ابو حنیفہ کا قول ہے۔ اور اس میں شاذ اقوال بھی مروی ہیں، لیکن ان پر کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے کوئی دلیل نہیں۔

اور جس نے ان احادیث کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تخصیص کا دعویٰ کیا ہے۔ یا انہیں منسوخ مانا ہے، یا اہل اہل مدینہ کو ان کے خلاف بتایا ہے۔ یہ دعویٰ قطعاً اور یکسر بلا دلیل ہے۔

۶۔ اہل مدینہ کے سردار حضرت سعید بن مسیب (تابعی) نے اپنی بیٹی کا دو درہم مہر پر نکاح کیا، اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی، بلکہ اسے ان کے فضائل و مناقب کا ایک حصہ سمجھا۔ اور حضرت عبدالرحمان بن عوف نے پانچ درہم پر نکاح کیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی منظوری دی۔ اور مقدار کے ثبوت کے لیے صاحب شریعت کی جانب سے کوئی دلیل ضروری ہے۔

---

# زوجین میں کسی کا جذامی مبروص اور مجنون ہونا

فسخ نکاح کا موجب بہ بشر الطین سکتا ہے

نامرد کے نکاح کا مسئلہ | مسند احمد میں یزید بن کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی غفار کی ایک عورت سے نکاح کیا۔ لیکن اس کی بغل میں برص کا اثر دیکھ کر، اس سے علیحدگی اختیار کر لی، لیکن جو کچھ اس نے اسے دیا تھا، واپس نہیں لیا۔

موطا امام مالک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: جس عورت کو کسی مجنون جذامی، یا مبروص کی بیوی ازراہ فریب بنا دیا جائے، تو وہ مہر کی حق دار ہے، (پھر جذامی کر دی جائے گی) اور مرد کا مہر اس پر ہوتا ہے جو دھوکہ دے۔ اس روایت کے دوسرے لفظ یہ ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مبروص، جذامی اور مجنون عورت کے متعلق فرمایا: ان کے درمیان تفریق کر دی جائے، اور اس کے مس کرنے کے باعث مہر واجب ہوگا۔ اور وہ اس عورت کے وئی پر لازم ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ | اور سعید بن منصور نے نقل کیا ہے، کہ ہمیں حشتم نے بتایا۔ انہیں عبداللہ بن عوف نے ابن سیرین سے روایت ملی، کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کسی جگہ بھیجا۔ وہاں اس نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ وہ نامرد تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نے اسے بتایا تھا کہ تم نامرد ہو۔ اس نے عرض کیا، نہیں۔



راوی بتاتے ہیں کہ وہ چلا اور جا کر اس (عورت کو) خبر کر دی، پھر اُسے اختیار دیا، اور  
مجنوں کو ایک سال کی مہلت ہے، اگر اسے آفاقہ ہو جائے، تو ٹھیک ورنہ اس کے اور عورت  
کے درمیان جدائی کر دی جائے گی۔

**فقہاء کے اقوال مختلفہ** | لیکن فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔ داؤد ابن حزم اور ان کے  
معاقدین نے فرمایا ہے کہ کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ نہ  
ہوگا۔

ابو حنیفہ کا قول ہے کہ: نکاح نامردی کے باعث فسخ ہوگا۔  
امام شافعی اور مالک نے فرمایا ہے: جنون۔ برص۔ جذام۔ شرمگاہ اور منہ کی بدبو۔  
پیشاب گاہ کے انحراف۔ شرمگاہ میں سیلان اور قروح عیالہ (بہنے والے زخم) بواسیر۔ ناسور  
استمانہ۔ سلسل بول۔ خص یعنی خصلتیں کے مقطوع ہونے اور سل کی امراض میں نکاح فسخ ہو  
جائے گا۔ یا وح کی حالت یعنی اسی حالت میں جبکہ مرد عورت کا تعین کرنا مشکل ہو، یعنی خفتی  
مشکل ہو، یا ان ساتوں عیوب میں سے کوئی عیب ہو۔

**عیوب منفردہ کی صورت میں حق اختیار حاصل ہے** | اور عقد کے بعد اگر کوئی عیب  
پیدا ہو جائے، تو اس کے متعلق

دو وجوہ ہیں۔

اور مطلق طور پر نکاح کر لینے کا مطلب سلامتی کا ہوتا ہے۔ اور حضرت عمر بن خطاب  
رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ اور وہ بچے پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تو  
چاہے کہ عورت کو بتا دے میں نامرد ہوں۔ اور اسے اختیار دے (کہ چاہے تو جدا ہو جائے)  
قیاس یہی کہتا ہے کہ ہر وہ عیب جس کی وجہ سے فریق ثانی متنفر ہو جائے اور مودت و  
محبت یعنی نکاح کا مقصود حاصل نہ ہو۔ تو اس صورت میں اختیار دینا واجب ہے۔ اور  
یہ اختیار بیع سے زیادہ اولیٰ ہے، جیسے نکاح کے وقت کی طے شدہ شرائط ایفاء شرائط  
بیع سے زیادہ واجب ہے۔ اور اللہ اس کے رسول نے کبھی بھی دھوکہ دہی کو واجب قرار  
نہیں دیا۔ اور جو شخص مقاصد شریعت اور ان کے عدل و حکمت کا مطالعہ کرے گا، اور ان پر

مشتمل مصالح پر غور کرے گا۔ اس پر اس قول کی ترجیح اور قرب الی شریعت مخفی نہ رہے گا۔

یحییٰ بن سعید انصاری نے حضرت ابن مسیبؓ سے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جو عورت نکاح کرے اور اسے جنون یا جذام یا برص ہو، اور مرد نے خلوت کرنی، پھر اُسے اس کی خبر ہوئی، تو عورت کو جماع کے باعث مہر لینے کا حق ہے۔ اور ولی پر واجب ہے کہ وہ اُسے مہر ادا کرے۔ کیونکہ وہ فریب کا رہے، لیکن بعض اسے اس بنا پر رد کرتے ہیں کہ ابن مسیبؓ نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی، لیکن یہ تمام محدثین کے اجتماع کے خلاف ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر سعید مسیبؓ کی روایت حضرت عمرؓ سے قبول نہ کریں گے، تو کس کی روایت قبول کی جائے گی؟ حالانکہ جہور ائمہ اسلام حضرت سعید مسیبؓ کی روایت جب رسول اللہؐ کے بارے میں قبول کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ سے کیوں قبول نہ کریں گے؟

اور صورت حال یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسا شخص حضرت سعیدؓ کے پاس پیغام بھیج کر حضرت عمرؓ کے فیصلوں کے متعلق دریافت کیا کرتا تھا، اور اس پر فتویٰ دیتا تھا، اور اہل عصر اور ان کے بعد کسی نے بھی ان پر طعن نہیں کیا۔

**حضرت علی کا فیصلہ** | حضرت شعبیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ جو عورت نکاح کرے، اور اُسے برص یا جنون یا جذام ہو۔ تو اس کے خاوند کو اختیار ہے، جب تک مس نہ کرے۔ چاہے تو روک لے اور چاہے تو طلاق دے دے۔ اور اگر اس نے مس کر لیا (مجامعت کرنی) تو خلوت کر چکنے کے باعث اُسے مہر کا حق حاصل ہوگا۔

اور وکیعؒ نے حضرت ثقیان ثوریؒ سے انھوں نے حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے، انھوں نے سعید بن مسیبؓ سے انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب مبروص یا اندھی عورت سے کوئی نکاح کرے۔ اور اس سے خلوت بھی کر لے۔ تو اسے مہر کا حق حاصل ہے۔ اور دھوکہ دینے والے سے مہر وصول کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان گزشتہ عیوب کو تخصیص و حصر کی بنا پر ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح قاضی اسلام شریح کا فیصلہ ہے۔ جن کے علم دین کی مثال پیش کی جاتی ہے۔

عبدالرزاق فرماتے ہیں۔ (کہ ہمیں) مہر سے انہیں ایوب سے، انہیں ابن سیرین سے روایت ملی، کہ ایک آدمی مقدمہ لے کر قاضی شریح رضی اللہ عنہ کی عدالت میں گیا اور عرض کیا۔ کہ ان لوگوں نے مجھ سے کہا۔ کہ ہم تیرا حسین ترین عورت کے ساتھ نکاح کر دیتے ہیں چنانچہ ایک نابینا عورت لے کر آئے تو قاضی شریح نے فرمایا! اگر تیرے ساتھ کسی عیب کے باعث فریب ہوا ہے تو یہ جائز نہیں۔

اس فیصلہ پر غور کیجئے، ان کا قول اگر تیرے ساتھ کسی عیب کے باعث فریب ہو کس طرح اس بات کا متقاضی ہے۔ کہ عورت جس عیب میں تدلیس کرے۔ تو خاوند کو رد کرنے کا حق حاصل ہے۔

اور زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہر مرض نامرغوب کے باعث نکاح رد ہو جائے گا۔ اور جو بھی صحابہؓ اور سلفؓ کے فتاویٰ پر غور کرے گا۔ وہ سمجھ لے گا۔ کہ انھوں نے کسی خاص عیب کو رد کے لیے مخصوص نہیں کیا تھا۔

**حضرت ابن عباس کا مسلک** | اور حضرت ابن عباسؓ سے سند متصل کے ساتھ مروی ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت ہو گا۔ جب خاوند نے مطلق طور پر نکاح کیا ہو، یا جب اس نے سلامتی یا حسن کی شرط لگائی ہو، اور اس کی بد صورتی ظاہر ہو جائے، یا نوجوان اور کم سن ہونے کی شرط لگائی ہو، لیکن وہ بڑھیا نکلی۔ یا سفید نام ہونے کی شرط لگائی۔ اور کافی نکلی، یا کنواری ہونے کی شرط لگائی اور تشبیہ نکلی، تو ان تمام صورتوں میں مرد کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ اگر یہ معاملہ خلوت سے قبل ہوا۔ تو کوئی مہر نہ ہو گا۔ اور اگر خلوت کے بعد ظاہر ہوا۔ تو عورت کو مہر کا حق حاصل ہو گا۔ اور یہ تاوان ولی پر ڈالا جائے گا۔ اگر اس نے دھوکہ دیا ہے۔ اور اگر خود عورت نے دھوکہ دیا ہے، تو مہر ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر اس کا مہر پر قبضہ ہو چکا ہے تو مرد



اس سے واپس لے گا۔

آنے والے شوہر کے عیوب کا افشاء کیا جاسکتا ہے | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بن قیس سے فرمایا

جب انھوں نے امیر معاویہ یا ابی جہم سے نکاح کرنے کا مشورہ کیا تھا کہ معاویہ کنگال ہے اس کے پاس کچھ نہیں اور ابو جہم کاندھوں سے لاٹھی نہیں اتارتا۔ اس سے معلوم ہوا، کہ نکاح میں عیب کا ظاہر کر دینا اولیٰ اور واجب ہے، پھر اس کو پورے شیدہ رکھنا اور تدبیر کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ اور غش (دھوکہ) تو حرام ہے۔ اور غل کو شدت تنفر کے باعث دھوکہ دینے والے کے گردن پر لازم بتایا۔ خصوصاً جب سلامتی کی شرط موجود ہو۔ اس سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ شریعت کے قواعد و احکام اس کے خلاف ہیں۔

سلامتی عیوب کی شرط کے بعد عیب پایا جائے تو نکاح باطل ہے | ابو محمد بن حنفیہ اس طرف

گئے ہیں۔ کہ جب خاوند عیوب سے سلامت ہونے کی شرط لگا دے۔ اور پھر کوئی سا بھی عیب دیکھ لے تو نکاح بالکل ہی باطل ہے۔ عقد ہی نہیں ہوا، اور نہ اس کا اس میں اختیار یا اجازت یا نفقہ یا میراث ہوگا۔



# بیوی پر شوہر کا حق

بیوی سے کون کون سی خدمتیں لی جاسکتی ہیں

ابن حبیب نے "ابو لؤصہ" میں فرمایا ہے

**اہم مباحث فقہیہ**

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ رسالت مآب کی خدمت میں شکایت کناں حاضر ہوئے جو خدمت باہمی کے بارے میں تھی۔ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ حضرت فاطمہ الزہرا امور خانہ داری کی خدمت بجا لائیں۔ اور حضرت علی جو بیرون خانہ سے متعلق ہوں انہیں انجام دیا کریں۔

ابن حبیب کہتے ہیں خدمت باطنہ یعنی امور خانہ دار سے مراد ہے، اٹنا گوندھنا۔ کھانا پکانا، بستر بچھانا، گھر صاف کرنا، پانی بھرنا، غرض گھر کے جملہ کام۔

اور صحیحین میں ہے کہ فاطمہ زہرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور چکی چلانے کے باعث

**حضرت فاطمہ اور حضرت علی کا معاملہ**

تکلیف کی شکایت کرتے ہوئے خادم کی درخواست کی، لیکن کامیابی نہیں ہوئی، پھر انھوں نے یہ بات حضرت عائشہؓ سے کہی، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو (حضرت عائشہؓ) نے آپ کو اس بات کی خبر دی۔

حضرت علی اکرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم بستروں میں گھس چکے تھے آپ کو دیکھ کر ہم اٹھنے لگے۔

آپ نے فرمایا۔ اپنی جگہ رہو۔ چنانچہ آپ تشریف لائے، اور ہمارے درمیان بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے پیٹ پر آپ کے قدم مبارک کی برودت محسوس کی۔ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں

وہ بات بتاؤں جو اُس سے بہتر ہے۔ جسے تم نے طلب کیا ہے؟ جب تم بستر پر چلے جاؤ تو ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھو۔ اور ۳۳ بار الحمد للہ پڑھو اور ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھو۔ یہ بات تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے اب تک اسے ترک نہیں کیا حتیٰ کہ شب جنگ صفین میں بھی نہیں!

**حضرت اسماء بنت ابی بکر کا واقعہ** | حضرت اسماءؓ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

میں حضرت زبیرؓ کے گھر تمام خدمات سرانجام دیتی تھی۔ ان کا گھوڑا تھا، جس کی مالش اور دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس کے لیے تمام انتظامات کرتی، اور اس کا خیال رکھتی تھی، نیز ان سے صحیح روایت میں مروی ہے کہ اسماءؓ ان کے گھوڑے کو چارہ دیتیں، پانی پلاتیں، ڈول کھینچتیں۔ اٹا گوندھتیں۔ اور تین فرسخ کی مسافت سے گھٹلیاں سر پہ لاد کر لاتیں۔

**خاوند کی خدمت مستحسن ہے واجب نہیں** | فقہاء کو اس مسئلے میں مختلف رائیں ہیں۔ چنانچہ سلف اور خلف کے

ایک گروہ نے اس کام کو بھی مصالح خانہ میں واجب قرار دیا ہے۔

ابو ثورؒ فرماتے ہیں کہ بیوی پر ہر بات میں خاوند کی خدمت ہے۔ مگر دوسرے گروہ نے اس معاملہ میں خاوند کی خدمت کے وجوب کا انکار کیا ہے۔ امام مالکؒ۔ شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ اس طرف گئے ہیں۔ اہل ظاہر کا کہنا یہ ہے، کہ عقد نکاح استمناع کا متقاضی ہے استخدام اور بدل منافع کا نہیں، اور ان کا قول یہ ہے کہ احادیث مذکورہ کا مطلب صرف اخلاق حسنہ اور قطوع ہے ان سے شوہر کی خدمت کا وجوب نہیں ثابت ہوتا۔

اور جو لوگ بیوی پر شوہر کی خدمت واجب مانتے ہیں، ان کی بنا سے استدلال یہ ہے، کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام مبین میں انہیں مخاطب فرمایا ہے، اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے اعتبار سے عورت کے لیے خاوند کی خدمت، گھر کی صفائی، اٹا پیسنا، چکی چلانا (کپڑے)، دھونا بستر بچھانا اور گھر کی جملہ خدمات مکمل کرنا شامل ہے

کیا اس کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ وہ بھی اس صورت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔  
 وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَ بِالْمَعْرُوفِ یعنی عورتوں پر اس قدر (خدمت) واجب  
 ہے جو بہ طریق معروف ہو۔

نیز فرمایا: الرجال قوامون على النساء ترجمہ: مرد عورتوں کے سرزہرے ہیں  
 پس جب عورت مرد کی خدمت نہ کرے گی۔ بلکہ (مرد) خادم ہوگا۔ تو عورت مرد  
 پر حکمران اور قوام بن جائے گی۔ نیز مہر کی رقم کا مقصد بضع سے (تمتع) ہے۔

عقود مطلق عرف عام پر فروع پذیر ہوتے ہیں | چنانچہ زوجین میں سے ہر ایک  
 دوسرے سے اپنی حاجت روائی

کرتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے (مرد) پر (عورت) کا نفقہ، لباس اور جائے رہائش  
 استمناع اور خدمت کے عوض واجب کیا ہے، جو حسب عرف و رواج معمول میں داخل  
 ہو۔ کیونکہ عقود مطلقہ عرف عام کے مطابق وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اور عرف میں عورت کا  
 خدمت کرنا اور گھر کے تمام اندرونی مصالح سرانجام دینا داخل ہے۔

اور یہ قول کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماءؓ محض احسان اور تبرع (رضا  
 کارانہ) کے طور پر کام کر دیا کرتی تھیں، اسے یہ روایت رد کرتی ہے، کہ حضرت فاطمہؓ  
 خدمت کے متعلق فریادے کر جاتی ہیں۔ تو آپؐ حضرت علیؓ سے یہ نہیں فرماتے، فاطمہؓ پر  
 شوہر کی خدمت واجب نہیں تم ان کی خدمت کرو۔

اسی طرح جب آپؐ نے حضرت اسماءؓ کو چارے کا گٹھر سر پر اٹھائے دیکھا۔ اور  
 حضرت زبیرؓ ان کے ہمراہ تھے۔ تو یہ نہیں فرمایا: کہ اسماءؓ پر خدمت کرنا واجب نہیں۔  
 اور یہ ظلم ہے، بلکہ انہیں خدمت پر قائم رہنے دیا اور تمام صحابہؓ کی ازواج کو ان کی خدمت  
 کرنے پر قائم رکھا حالانکہ ان میں سے بعض اس کام سے راضی تھیں اور بعض کو ناپسند  
 بھی تھا۔ یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ معاملہ خدمت میں شریف، ذلیل، فقیر اور امیر  
 عورت کے مابین کوئی امتیاز نہیں، چنانچہ یہ اشرف نساء العالمین فاطمہؓ الزہراء ہیں۔  
 جو اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد لے کر

حاضر ہوتی ہیں، لیکن شکایت قبول نہیں ہوتی۔

عورت کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہو | حدیث میں فرمایا ہے کہ عورت

تمہارے بس میں ہے، پھر فرمایا: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ وہ تمہارے بس میں ہیں۔ اور جو جس کے بس میں ہو وہی اس کی خدمت کرتا ہے۔

اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ نکاح ایک قسم کی چاکری ہے، جیسا کہ بعض سلف نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ چاکری ہے۔ پس تم پر لازم یہ ہے کہ دیکھو کہ جس کے پاس چاکر ہو، وہ بااخلاق ہو، انصاف پسند طبائع کے لیے دونوں مسئلوں سے اقویٰ اور راجح دلیل کا سمجھ لینا مسعد نہیں۔



# تفرق زوجین

## احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت جلیلہ بنت سہل ثنابت بن شماس کی زوجیت میں تھیں ثنابت نے انہیں مارا جس سے ان کے اعضائے جسم میں سے کوئی عضو ٹوٹ گیا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز صبح کے بعد حاضر ہوئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنابت کو بلایا اور فرمایا:

اس سے (اپنے دئے ہوئے مال میں سے) کچھ لے لو، اور اسے چھوڑ دو !  
انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا اس پر بات طے ہو جائے گی۔؟  
آپ نے فرمایا: ہاں !

انہوں نے عرض کیا: میں نے دو باغیچے اس کے مہر میں دئے تھے۔ وہ اس کے قبضہ

میں ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو لے لو۔ اور انہیں

چھوڑ دو۔

انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اختلاف زوجین

کے موقع پر فرمایا ہے۔

اختلاف زوجین کے معاملات و حالات

لے یعنی خلع دے دو۔

وان خفتم شفاق بينهما فابعثوا حكما من اهلہ و حكما من اهلها ان يريدوا  
اصلاحا يوفق الله بينهما ان الله كان عليهما خبيرا۔

یعنی تم کو ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک مرد کے اہل سے حکم لاؤ۔  
اور ایک حکم لاؤ عورت کے اہل سے وہ ان دونوں میں ارادہ کرنے میں اصلاح کا۔ اللہ توفیق  
دے گا۔ ان کو بے شک اللہ جاننے والا خبر والا ہے۔

**حکمین کی حیثیت کیا ہے؟** | سلف اور خلف نے حکمین میں اختلاف کیا ہے کہ  
آیا یہ دونوں حاکم ہوں گے؟ اس میں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ دونوں وکیل ہوں گے۔ یہ ابو حنیفہ اور شافعی کا قول ہے، اور ایک روایت  
میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ دوسری روایت میں ان کا قول یہ ہے کہ وہ دونوں  
حاکم ہوں گے، اہل مدینہ، مالک اور دوسری روایت کے مطابق امام احمد اور امام شافعی  
کا یہی قول ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

**حکمین حاکم ہیں وکیل نہیں** | اور یہ از حد تعجب انگیز امر ہے کہ بعض لوگ حکمین کو  
حاکم کے بجائے وکیل قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ

نے خود ان دونوں کو حکم قرار دیا ہے اور ان کو غیر زوجین کی طرف نصب کیا ہے۔ اگر یہ  
وکیل ہوتے تو اللہ تعالیٰ فرماتا:

فليبعثوكيلا من اهلہ ولتبعثوكيلا من اهلها

نیز اگر وکیل ہوتے تو ان کے لیے اہل میں سے ہونے کی تخصیص نہ ہوتی۔ نیز حکم  
کا ایما میاں بیوی کی طرف ہے، فرمایا ہے کہ:

ان يريدوا اصلاحا يوفق الله بينهما یعنی اگر یہ دونوں ارادہ کریں صلح  
کا اللہ توفیق بخشنے گا: اور وکیلوں کا ذاتی ارادہ کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض موکل کے  
ارادہ پر تصرف کرتے اور اس کے ترجمان ہوتے ہیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے،  
اور وکیل کو حکم کہنا نہ از روئے لغت درست ہے، نہ از روئے عرف عام نہ از روئے  
عرف خاصہ، علاوہ انہیں لسان شارح پر بھی یہ لفظ اس مفہوم اور معنی میں نہیں آیا ہے۔

## حضرت عثمان کا فیصلہ

حضرت عثمان بن عفان نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو عقیل بن ابی طالب اور ان کی بیوی فاطمہؓ بابت

عتبہ بن ربیعہ کے درمیان حکم بنا کر بھیجا، اور ان سے کہا، اگر مناسب سمجھو، کہ تفریق ہو جائے۔ تو ان دونوں میں تفریق کر دو۔

اور صحیح روایت میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے زوجین کے درمیان حکم بننے

والوں سے فرمایا:

اگر تفریق مناسب سمجھو۔ تو تفریق کر دو۔ اور اگر زوجین کو اکٹھا رکھنا مناسب سمجھو

تو انہیں جمع کر دو،

پس حضرت عثمانؓ، علیؓ ابن عباسؓ اور معاویہؓ نے اس سے حکم ہی مراد لیا ہے۔ اور

صحابہؓ کا اس میں اختلاف بھی نہیں ہے، ہاں بعد میں تابعین کے اندر اختلاف ہوا،

یا تبع تابعین میں!

# خلع کا مسئلہ

عورت کن حالات میں خلع حاصل کر سکتی ہے

صرف ناپسندیدگی بھی وجہ خلع بن سکتی ہے | صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا اے اللہ کے رسول، ثابت بن قیس کے اخلاق و دین میں مجھے کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔

اے ”ثابت کے اخلاق و دین میں مجھے کوئی عیب نظر نہیں آتا“ اور میں اسلام میں کفر ناپسند کرتی ہوں!“ اس کا مطلب یہ ہے کہ ثابت (شوہر) کے اخلاق اور دین میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے، لیکن میرا دل ان سے نہیں ملتا، میں خلوص اور دیانت کے ساتھ حق و فاداد نہیں کر سکتی۔ اگر میں ان کی بیوی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ میرا دین اس طرزِ عمل کے باعث خطرے میں پڑ جائے گا۔

آں حضرت نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اور خلع کرادی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی کا اگر شوہر سے دل نہ ملتا ہو تو اس بنیاد پر بھی وہ قاضی کی عدالت میں جا کر خلع حاصل کر سکتی ہے۔



جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تو اس کا باغ (جو مہر میں ملا تھا) اُسے واپس کر دے گی؟

انھوں نے عرض کیا: جی ہاں!

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ

باغ قبول کر لو، اور اسے ایک طلاق دے دو۔

**سنن نسائی کی ایک روایت** | سنن نسائی میں حضرت ربیع بنت معوذ سے مروی ہے کہ ثابتؓ بن قیس بن شماس نے اپنی زوجہ

کو مارا۔ اور ان کا ہاتھ توڑ دیا۔ بیوی کا نام جمیلہ بنت عبد اللہ بن ابی تھا۔ وہ اپنے بھائی کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کر کے حاضر ہوئیں، آپؐ نے (ثابت) کو بلا بھیجا۔ اور فرمایا: جو کچھ تمہارا اس کے اوپر ہے لے لو، اس کی راہ چھوڑ دو، (طلاق دے دو)

ثابت نے عرض کیا: بہت اچھا!

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ سے کہا، ایک حیض تک انتظار کرو۔ اور پھر اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔

اور سنن ابی داؤدؒ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثابتؓ بن قیس بن شماس کی زوجہ نے اپنے خاوند سے خلع کرایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا۔

اور سنن دارمی میں یہ واقعہ یوں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ سے فرمایا۔

کیا تم وہ باغ اُسے واپس کر دو گی، جو اس نے تمہیں دیا تھا؟

جمیلہ نے عرض کیا، جی ہاں! بلکہ زیادہ بھی دینے کو تیار ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں زیادہ نہیں! بلکہ صرف اس کا باغ۔

انھوں نے عرض کیا: ہاں! (تیار ہوں)

اپنے مال لیا۔ اور اسے طلاق دیدی۔ حضرت ثابت بن قیس کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے کہا۔ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا فیصلہ قبول کیا۔  
دارقطنی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

**فیصلہ نبوی سے احکام متضمنہ** | یہ فیصلہ نبوی کئی احکام کا متضمن ہے۔  
۱۔ ایک یہ کہ خلع جائز ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے بھی اس کی صراحت کر دی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آيَتْكُمْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْ يَخَافَ أَنْ لَا يَقِيمَ أَحَدٌ مِنَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا يَقِيمَ أَحَدٌ مِنَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ  
یعنی تمہارے لیے روا نہیں ہے کہ کچھ تم عورت کو دے چکے ہو واپس لے لو کچھ بھی، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکو گے تو دونوں کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ عورت فدیہ دے کہ الگ ہو جائے۔

۲۔ صرف ایک قلیل شاذ گروہ نے خلع کی مخالفت کی ہے، لیکن درحقیقت وہ نص ابو اجماع کے خلاف کیا ہے۔ کیونکہ آیت میں اذن حاکم کے ساتھ جواز خلع کی دلیل مطلق ہے ایک گروہ نے حاکم کی اجازت کے بغیر اس سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ ائمہ اربعہ اور جمہور اس کے خلاف ہیں۔

۳۔ اور آیت میں جدائی حاصل کر سکنے پر دلیل بھی موجود ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے فدیہ کا نام دیا ہے اور اگر رجعی طلاق ہوتی جیسا بعض لوگوں نے کہا ہے کہ تو عورت اپنے پاس سے کچھ دینے دلانے کے باوجود شوہر سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکتی۔

**ارشاد خداوندی** | ۴۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے فدیہ کی قلت و کثرت کے جواز پر بھی دلیل نکلتی ہے فرمایا!

۵۔ اس سے ثابت ہوا کہ حاکم خود بھی اگر عورت کا مقدمہ مضبوط دیکھے تو شوہر کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے، اور وہ نافذ ہوگی۔

فلا جناح علیہما فی ما افتدت بہ

نیز مرد کے لیے جائز ہے، کہ جس قدر اس نے بیوی کو دے رکھا ہے، اس سے زیادہ بھی لے سکتا ہے۔

خلع حاصل کرنے کے لیے عورت جو چاہے دے دے | اور عبدالرزاقؒ نے معمر سے انھوں

نے عبداللہ بن عقبیل سے روایت کی ہے۔ کہ ربیع بنت معوذ بن عقرء نے بتایا۔ کہ انھوں نے اپنے خاوند سے ہر چیز جس کی وہ مالک تھیں سب کے عوض خلع کرایا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مقدمہ پہنچا۔ تو انھوں نے اجازت دی۔ اور حکم دیا۔ کہ اس کے سر کی اوڑھنی تک لے لو۔

نیز ابن جریج نے ابو موسیٰ سے، انھوں نے عقبہ سے، انھوں نے نافعؒ سے روایت کی۔ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی بیوی کی باندی حاضر ہوئی، جس نے اپنی ہر چیز کے بدلہ میں اپنے شوہر سے خلع حاصل کیا تھا۔ ہر پارچہ تک کے عوض جو اس کے پاس تھا۔ حتیٰ کہ اپنے نقاب تک کے بدلے میں۔

مرد حق خلع کے طور پر اپنے دیے ہوئے سے زیادہ بھی لے سکتا ہے | زہریؒ فرماتے

ہیں کہ مرد کے لیے جائز ہے۔ کہ اس سے زیادہ لے لے جس قدر اس نے دیا ہے۔ اور میمون بن مہران نے فرمایا۔ کہ اگر اس نے عطا کردہ سے زیادہ لیا۔ تو اس نے احسان نہ کیا۔

اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ قضاۃ اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔ کہ اس سے کوئی بھی ایسی چیز لی جائے۔ ہاں جو اسے پہلے سے دے رکھی ہو۔

ظاہر قرآن و آثار صحابہؓ سے استدلال | اور جنہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے انھوں نے ظاہر قرآن اور آثار صحابہؓ

سے استدلال کیا ہے۔ اور جنہوں نے اسے روکا ہے۔ انھوں نے حضرت ابی زبیرؒ

کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس کی زوجہ نے جب خلع کرنا چاہا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ تم اس کا باغ واپس کرنا چاہتی ہو؟ انھوں نے عرض کیا: ہاں! بلکہ زیادہ بھی! حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں زیادہ نہیں دارقطنی فرماتے ہیں۔ کہ اسے ابو زبیر نے ایک سے زیادہ سے سنا۔ اور اس کے اسناد صحیح ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ آثار صحابہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے زیادتی کو حرام کہا ہے اور بعض نے مباح کہا ہے۔ اور بعض سے کراہت منقول ہے۔

---



# خلع کیا ہے

## مسائل ضروریہ

خلع میں حاکم بھی تفریق کر سکتا ہے اور باہمی رضامندی سے بھی ممکن ہے | نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کا خلع کو فدیہ کا نام دینا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اس میں معاوضت (بدلہ دینے لینے) کے معافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں زوجین کی رضامندی معتبر ہے۔ سو جب خلع میں تقابل ہوگا۔ اور جو اس سے لیا ہوا سے رد کرے گا۔ اور دوران عدت میں رجوع کر لے گا تو کیا یہ ان دونوں کے لئے جائز ہے۔

خلع سے عورت بائن ہو جاتی ہے | ائمہ اربعہ وغیرہ نے اس کی ممانعت کی ہے اور کہا ہے کہ نفس خلع سے وہ بائن (جدا) ہو گئی۔

عبدالرزاق نے معمرؓ سے انھوں نے قتادہؓ سے، انھوں نے سعید بن مسیبؓ سے روایت کیا ہے، انھوں نے خلع کرانے والی کے متعلق فرمایا، اگر مرد چاہے تو خلع سے رجوع کر سکتا ہے اس صورت میں اسے عدت کے اندر اندر (عورت)

لے لیکن فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ نہیں کر سکتا، خلع طلاق بائن کی حیثیت رکھتی ہے جس میں شوہر رجعت کا حق نہیں رکھتا۔

سے حاصل کردہ مال واپس کرنا ہوگا۔ اور رجعت پر گواہ پیش کرنے ہوں گے۔ عورت فرماتے ہیں۔ کہ زہریؒ کا مسلک بھی یہی تھا۔

قتادہؒ فرماتے ہیں؛ کہ حضرت حسنؒ کا قول ہے، کہ باقاعدہ پیام کے بغیر رجوع نہ کرے عورت چاہے تو بعد از خلع نکاح کر سکتی ہے | نیز سعید بن مسیب اور زہریؒ کا قول لطیف الماخذ دقیق فقہی

مسئلہ پر مشتمل ہے جو قواعد و اصول فقہ کے مطابق ہے۔ اس میں کوئی نیکر نہیں، ہاں البتہ عمل اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ عورت جب تک عدت کے اندر ہوگی، تو وہ مرد کی گرفت میں ہوگی، اور علماء کے ایک گروہ کے نزدیک طلاق کامل لاحق ہوگی کیونکہ وہ محض اجنبی عورت بن چکی ہے، پیام دیکر اب رضا مندی طرفین سے نکاح ممکن ہے، اور یہ قواعد شرع کے خلاف نہیں کیونکہ اسے حق حاصل ہے کہ وہ غیر کی بجائے عدت کے اندر اندر شوہر سے نکاح کر لے۔

فرمان نبوی کہ خلع کرنے والی ایک حیض عدت گزارے | یہ فرمان دو حکموں کی دلیل ہے ایک یہ کہ

خلع والی عورت پر تین حیض واجب نہیں، بلکہ ایک ہی حیض عدت کے لیے کافی ہے اور یہ گویا صریح سنت ہے۔ یہی مذہب امیر المومنین حضرت عثمانؓ بن عفانؓ۔ عمرؓ بن خطابؓ۔ ربیع بنت معوذ اور ان کے چچا کا ہے۔ کبار صحابہؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔ صحابہؓ میں سے یہ چار ایسے ہیں کہ ان کا کوئی مخالف معروف نہیں۔ جیسے کہ لیث بن سعد نے نافعؓ مولیٰ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ربیع بنت معوذ سے سنا، وہ عبداللہ بن عمرؓ کو بتا رہی تھیں کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کے عہد میں اپنے خاوند سے خلع کرایا۔ چنانچہ (ربیعؓ) کا چچا حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا: معوذ کی بیٹی نے آج خلع کرایا ہے۔ کیا وہ گھر چھوڑ سکتی ہے؟

خلع کے بعد عورت شوہر کا گھر چھوڑ سکتی ہے | حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں وہ جہاں چاہے

مقتل ہو جائے اور اب دونوں کے درمیان میراث کے احکام نہیں نافذ ہوں گے اور اس پر کوئی عدت نہیں ہاں مگر ایک حیض سے پہلے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اس اندیشہ سے کہ کہیں حاملہ نہ ہو، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ عالم اور بہتر ہیں۔

اسی طرف اسحاق بن راہویہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی گئے ہیں شیخ السلام ابن تیمیہ نے یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جو بھی اس قول پر غور کرے گا اسے تقاضائے شریعت کے مطابق پائے گا۔ کیونکہ عدت کو زمانہ رجعت کو طویل کرنے کے لیے تین حیض طویل کیا ہے۔ تاکہ خاوند زمانہ عدت میں رجعت پر قادر ہو سکے۔ اگر (زمانہ عدت میں بھی) رجعت نہ ہوئی۔ تو مقصود رحم کو (حمل) سے خالی ثابت کرنا ہے اور اس کے لیے استبراء کی طرح ایک حیض بھی کافی ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ طلاق والی میں یہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ باب طلاق میں حکم عدت ایک ہی ہے، چاہے وہ بائنہ ہو یا رجعیہ

**خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں** | ان کا کہنا ہے کہ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ خلع فسخ نکاح ہوتا ہے۔ طلاق

نہیں ہوتا یہی ابن عباسؓ، عثمانؓ، ابن عمرؓ ربیعؓ اور ان کے چچا کا مذہب ہے۔ اور کسی صحابیؓ سے اسے طلاق کہنا ثابت نہیں۔ چنانچہ امام احمدؒ نے یحییٰ بن سعید سے انھوں نے سفیانؓ سے، انھوں نے عمروؓ سے، انھوں نے طاؤسؓ سے، انھوں سے ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔ خلع (خاوند بیوی کے درمیان) تفریق ہے، یہ طلاق نہیں۔

**دو طلاقوں کے بعد بھی خلع جائز ہے** | عبدالرزاقؒ نے سفیانؓ سے نقل کیا ہے انہیں عمروؓ سے انہیں طاؤسؓ

سے روایت ملی۔ کہ ابراہیم بن سعد نے ایک آدمی کے متعلق سوال کیا۔ جس نے کہ اپنی بیوی کو دو طلاقیں دی تھیں۔ پھر اس نے اس سے خلع کرا لیا۔ لیکن اب



وہ اس سے نکاح کر لے سکتا ہے ؟

ابن عباسؓ نے فرمایا: ہاں ! اللہ تعالیٰ نے آیت کے شروع اور آخر میں طلاق کا ذکر فرمایا ہے۔ اور درمیان میں خلع کا ذکر فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طلاق نہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے خلوت کے بعد طلاق پر جو تعین احکام مرتب فرمائے ہیں، سب کے سب خلع سے منتفی ہیں

الف۔ ایک یہ کہ خاوند کو رجعت کا حق حاصل ہے۔

ب۔ دوسرے یہ تین طلاقیں شمار کی جائیں گی، اس لیے تکمیل عدت کے بعد صرف نئے خاوند سے نکاح اور اس سے ہمبستری کے بعد ہی نکاح جائز ہے۔

ج۔ تیسرے یہ کہ عدت کی مدت تین حیض ہوگی۔ اور اجماع و نص سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ خلع میں رجعت نہیں ہو سکتی، نیز سنت اور اقوال صحابہؓ سے ثابت ہے، کہ اس میں عدت ایک حیض ہے، اور نص سے یہ بھی ثابت ہے کہ دو طلاقوں کے بعد بھی خلع جائز ہے۔ اور تیسری کے بعد یہ واقع ہو جاتا ہے اور اس سے ثابت ہے کہ یہ طلاق نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ، و تعالیٰ نے فرمایا: اطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آیتموهن شیئاً الا ان ینحوا فان لا یقیم احدود اللہ فان خفتم ان لا یقیم احدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت به

یعنی: طلاق رجعی ہے دو بار تک۔ اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں سے مگر جب کہ خاوند عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے۔ حد حاکم البتہ اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کے حکم کو تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس بات میں کہ عورت بدلہ دے کہ چھوٹ جاوے۔

اس میں اگرچہ دو طلاقوں کی تخصیص ذکر نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ ہر طرح پر حاوی



ہے۔ اور غیر مذکور کی طرف ضمیر کو راجع کرنا جائز ہے۔ کہ مذکور اس سے خالی ہو۔  
بلکہ یا تو سابق سے مختص ہوگا۔ غیر پر حاوی ہوگا، پھر فرمایا:

وان طلقها فلا تحل له من بعد یعنی پس اگر وہ اسے طلاق دے۔  
(تیسری بار)

یہ اس پر متضمن ہے، جسے فدیہ اور دو طلاق کے بعد طلاق دی جائے۔ کیونکہ یہی مذکور  
ہے۔ اسی لیے اس کا لفظ میں داخل ہونا ضروری ہے۔

یہ ترجمان القرآن کا فہم ہے۔ جس کے لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے دعا فرمائی کہ انے اللہ اسے تاویل قرآن کا علم عطا فرما اور آپ کی دعا یقیناً  
قبول ہوئی۔

خلع الگ جنس ہے طلاق الگ | اور جب احکام فدیہ احکام طلاق سے مختلف  
ہیں۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ  
الگ جنس ہے، یہی نص و قیاس اور اقوال صحابہ کا مقتضا ہے۔

عمر و طاؤس سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، کہ خلع تفریق ہے  
طلاق نہیں۔

ابن جریج طاؤس سے روایت کرتے ہیں، کہ میرے والد فدیہ (خلع) کو طلاق  
نہیں مانتے تھے۔

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میرے والد (امام احمد) قول ابن عباس پر فتویٰ  
دیتے تھے۔

مسائل و معاملات

اور

انواع طلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قضایا اور اقوال

# طلاق غیر معتبر

کن لوگوں کی طلاق شرعی طور پر ناقابل قبول ہے

**حضرت علیؓ کی روایت** | بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت علیؓ کی روایت درج کی ہے کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا!

”کیا آپ نہیں جانتے یقین آدمی مرفوع القلم ہیں یہ

- مجنوں جب تک تندرست نہ ہو جائے۔
- لڑکا جب تک صاحب فہم و ادراک نہ ہو جائے۔
- محو خواب، جب تک بیدار نہ ہو جائے۔

نیز صحیح بخاری میں آئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں کو معاف کر دیا ہے جو دل میں گزریں، لیکن زبان سے کہیں۔

**لزام نیت پر نہیں عمل پڑتا ہے** | اس سے ثابت ہوا کہ طلاق

کے معاملات میں جب تک زبان سے کچھ نہ کہے محض نیت اور قصد سے کوئی بات لازم نہ ہوگی۔ جمہور کا قول یہی ہے۔

اس مسئلہ میں دو قول اور ہیں۔

۱۔ مرفوع القلم، اس شخص کو کہتے ہیں جس سے کوئی مواخذہ نہ کیا جائے۔

ایک ہے توقف۔ چنانچہ عبدالرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں کہ ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ جو شخص دل میں طلاق دے، وہ نافذ ہوگی یا نہیں۔

ابن سیرین نے جواب دیا۔

”تمہارے دل میں جو کچھ ہے خدا کو اس کا علم ہے کہ نہیں ہے؟“  
”سائل نے جواب دیا ”ضرور ہے۔“

ابن سیرین نے فرمایا، ”اب مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے!“  
دوسرا قول یہ ہے کہ اگر آدمی دل میں قطعی فیصلہ کرے تو وہ واقع ہو جائے گا۔ یہ امام مالک سے اشہب کی روایت ہے۔ نیز نہ ہری سے بھی یہی مروی ہے۔  
اس قول کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الاعمال بالنیات یعنی اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔

لہذا جو شخص دل میں کفر کرتا ہے وہ کافر ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفروا یحاسبکم بہ اللہ یعنی اپنے دل کی بات

چاہے ظاہر کرو، چاہے چھپائے رکھو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے محاسبہ ہوگا۔“

اور معصیت پر اصرار کرنے والا ناسق ہے، اگرچہ ارتکاب معصیت نہ کرے

پھر بھی قابل مؤخذہ ہے۔ کیونکہ اعمال قلوب پر بھی ثواب و عتاب اسی طرح مرتب

ہوتا ہے جس طرح اعمال جوارج پر لہذا حب، بعض۔ دوستی، دشمنی، اگر اللہ

کے لیے دل میں رکھے گا ثواب پائے گا۔ اسی طرح توکل رضا، عزم اور طاقت

پر بھی ثواب ملے گا لیکن کبر حسد، غرور، شکریا۔ سوء ظن اکابر اور صالح لوگوں

کے ساتھ، یہ وہ چیزیں ہیں جن پر عتاب ہوگا۔



لیکن ان میں

نیت اور قصد بے معنی ہے اصل چیز اقدام و عمل ہے | سے کوئی بات

بھی ایسی نہیں ہے جو اس بات کی دلیل ہو، کہ صرف نیت اور قصد سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، یا غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوگا۔ جب آدمی صاف الفاظ میں بے بات کہے۔

یہی الاعمال بالنبات والی حدیث سو یہ تو آنحضرت کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ نیت کے ساتھ اگر عمل ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ نہ کہ محض نیت کا۔

اور دل میں جو شخص کفر پر اعتقاد رکھتا ہو، یا شک ریب میں مبتلا ہو تو وہ زوال ایمان کے باعث بے شک کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے۔ اور اگر قلب ایمان سے خالی ہے تو پھر اس کی ضد یعنی کفر موجود ہے اس کی مثال علم و جہل کی طرح ہے۔ اگر علم نہ ہوگا تو جہل ضرور پایا جائے گا۔ یہی حال تمام تقیضین کا ہے۔ ایک کا زوال دوسرے کے وجود کا ثبوت ہے۔ اسی طرح ایہ احتساب کا معاملہ ہے۔

انسان کے دل میں جو کچھ ہے اور اسے وہ چھپاتا ہے، تو احکام شرع کے لحاظ سے اسے کوئی سزا نہیں ملے گی۔ سزا کا فیصلہ صرف ان باتوں پر ہوگا جنہیں وہ ظاہر کرتا ہے۔

اب جن باتوں کو ظاہر کرتا ہے، یا جنہیں صرف دل میں رکھتا ہے۔ ان پر بخش دیا جائے یا سزا پائے۔ لیکن اس سے بہر حال یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قصد اور نیت کے باعث طلاق واقع ہو جائے گی۔

باقی رہا معصیت پر اصرار کرنے والا

ثواب و عقاب کا تعلق اعمال سے ہے | تو بے شک وہ فاسق ہے۔ اور

قابل مواخذہ ہے، کیونکہ نیت کے ساتھ عمل معصیت بھی موجود ہے، اور اس پر

وہ اصرار کر رہا ہے تو سزا سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ لیکن اگر مقصد و نیت کے ساتھ عمل نہیں ہے تو یا تو اس کی معصیت پسندی زیرِ تحریر نہیں آئے گی یا اُٹے گی اس کے حسنات لکھ لیے جائیں گے۔ اگر وہ اس قصد و نیت سے خدا کے لیے باز آگیا۔

بہر حال ثواب و عقاب کا تعلق اعمالِ قلوب سے ہے۔ قرآن و سنت میں یہ بات بار بار اور بکثرت آئی ہے، لیکن صرف نیت سے وقوعِ طلاق و عتاق، جب کہ لفظ استعمال نہ کیے گئے ہوں۔ خارج از ثواب و عتاب ہیں۔ اور انہ دونوں امور میں کسی طرح کا تلامذہ نہیں ہے۔

اور کبر، غرور، ریا، سوءِ ظن، یہ رباتِ غالب ہیں، ان کا شمار امورِ اختیار میں ہے، ان سے اجتناب ممکن ہے۔ لہذا ان کا ارتکاب مستحقِ عقوبت ہے لیکن عتاق و طلاق ایسے مسلمی کا اسم ہیں جن کا وجود الفاظ کا محتاج ہے۔

# طلاق ہازل و مکرہ

کیا مذاق میں دی ہوئی طلاق اور جبر سے لائی ہوئی طلاق جاننے

**ہازل کی طلاق واقع ہو جائے گی** | **تصریحات بالا اس بات کو متضمن ہیں کہ**  
**مکلف اگر طلاق نکاح، رجعت میں دل**

لگی، اور مسخرے پن سے کام لیتا ہے، تو یہ چیزیں اس پر لازم ہو جائیں گی۔  
 لیکن اگر اس نے طلاق دی ہے واقع ہو جائے گی۔ نکاح کیا ہے نافذ ہو جائے گا۔  
 رجعت کی ہے۔ تسلیم کرنی جائے گی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسخرے شخص  
 کی مزاجیہ باتوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ البتہ جو شخص سوتے ہیں کچھ کہہ گزرے،  
 یا کمزور حافظہ کا شخص جو کہہ کر بھول جاتا ہو، یا فاجر العقل شخص یا مکرہ ان لوگوں کی  
 کہی ہوئی بات کا اعتبار شرعی طور پر نہیں کیا جائے گا۔

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہازل نے منہ سے جو الفاظ نکالے ہیں قصداً اور

۱۔ مکلف شرع کی اصطلاح میں وہ عاقل و بالغ شخص ہے جو مرفوع القلم نہیں

ہے۔ ذمہ دار یا سے قبول کر سکتا ہے، اور ان کی بجا آوری پر مجبور ہے۔

۲۔ مکرہ سے مراد شرعاً وہ شخص ہے، جو اپنے ارادے اور نیت کے خلاف کسی

کام پر مجبور کیا جائے اور بے بس ہو کر اسے کر گزرے۔

ارادہ سے نکالے، میں گوان کے نفاذ حکم کا اس نے ارادہ نہ کیا ہو، لیکن اعتبار اس سے  
 کا کیا جائے گا کہ ان الفاظ کو اس نے اس وقت استعمال کیا جب اس کے ہوش  
 وحواس درست تھے، اور وہ اچھی طرح مکلف تھا، پس جب اس نے اپنے الفاظ  
 کے ذریعہ ایک قصد کیا، تو شارع نے اس قصد کا حکم اس پر مرتب کر دیا، خواہ اس  
 نے یہ بات سنجیدگی سے کی ہو یا ازراہ مذاق، بخلاف، نام، مجنوں اور فاجر العقل  
 وغیرہ کے ان کا قصد، قصد صحیح نہیں مانا جاسکتا، کیونکہ یہ ازروئے شرع مکلف  
 نہیں ہیں۔ لہذا ان کے الفاظ لغو ہیں، جیسے ایک طفل نادان کے الفاظ ہوتے  
 ہیں جو اپنے الفاظ کے مفہوم اور مقصد سے آشنا نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ کا مزوہ فرق ہے، جس کی رو سے ایک آدمی وہ ہے کہ جو کچھ  
 کہتا ہے اس کے مفہوم اور نتائج سے خبردار نہیں ہوتا۔

**جو شخص مجبور کیا جائے اس کی طلاق لغو ہے** | چنانچہ اس بنیاد  
 پر، مکرہ کا کلام لغو

تصور کیا جائے گا، اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، چنانچہ قرآن کریم  
 سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے، تو وہ کافر نہیں ہوگا  
 اسی طرح جو قبول اسلام پر مجبور کیا جائے وہ مسلمان تسلیم نہیں کیا جائے گا۔  
 سنت سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مکرہ کی ان باتوں پر مواخذہ  
 نہیں کرے گا۔ جو اس نے مجبور اور بے پس ہو کر کی ہوں۔

**اباحت مکرہ کے دو پہلو** | لیکن مکرہ کے قول و فعل میں اباحت کے دو  
 پہلو ہیں۔

جہاں تک قول کا تعلق ہے، اس سے بالکل درگزر کیا جائے گا۔ اور جہاں  
 تک افعال کا تعلق ہے، تو اس کی تفصیل موجود ہے کہ حالت، کراہ میں کیا مباح  
 ہے اور کیا نہیں؟ مثلاً رمضان کے مہینے میں دن کے کھانے پر مجبور کیا جائے۔  
 یا نماز کے دوران میں کام پر مجبور کیا جائے یا حالت احرام میں سلا ہوا لباس پہننے



پر مجبور کیا جائے یا اسی طرح کے دوسرے کاموں پر مجبور کیا جائے تو وہ قابل معافی ہے۔

لیکن جو یا تین بر حالت اکراہ مباح نہیں ہیں، ان میں کسی معصوم کا قتل کرنا، یا کسی کے مال کا تلف کرنا شامل ہے۔

لیکن بعض چیزیں  
زنا اور چوری پر جو مجبور کیا جائے وہ قابل مواخذہ ہے | مختلف فیہ بھی

ہیں، جیسے شراب پینے، زنا کرنے اور چوری کرنے پر کسی کو مجبور کیا جانا، آیا اس صورت میں مکروہ پر حد جاری ہوگی یا نہیں؟

اس بارے میں احمد کے دو قول ہیں۔ ایک قول کے ماتحت مکروہ پر حد جاری ہوگی۔ دوسرے کے مطابق نہیں، کیونکہ مکروہ کے قول و فعل میں فرق ہے۔ افعال جب واقع ہو جائے تو ان کا مفسدہ مرتفع نہیں ہوتا بلکہ صدور افعال کے ساتھ ہی واقع ہو جاتا ہے۔ بخلاف اقوال کے کہ ان کے کالغا اور ازالہ ممکن ہے۔ اور انہیں بمنزلہ اقوال و مجنوں قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہذا مفسدہ فعل و عمل بالاکراہ بھی مباح نہیں ہے۔

امام مالک عدم وقوع طلاق مکروہ کے قائل ہیں | امام مالک اور ان کے اصحاب عدم وقوع طلاق مکروہ کے

قائل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا! دو آدمی کو اگر اذیت دی جائے، یا اسے مارا پیٹا جائے یا اسے شکنجہ میں کس دیا جائے تو وہ اپنے آپ کا مالک نہیں رہتا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے شہید حاصل کرنے کے لیے رستی (درخت پر چڑھنے کے لیے) لٹکائی (اور چڑھا)، اتنے میں اس کی بیوی آئی اور کہنے لگی:

”یا تو مجھے طلاق دو، ورنہ میں رستی کاٹے دیتی ہوں، مرد نے اسے خدا کا

واسطہ دیا۔

لیکن وہ نہ مانی۔ آخر اس نے طلاق دے دی۔ وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور یہ ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے ارشاد فرمایا، اپنی بیوی کے پاس واپس جا، یہ طلاق نہیں ہے۔

**حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فیصلہ** | حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی طلاق مکروہ کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

ثابت الاسرج کہتے ہیں۔

میں نے ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ سے طلاق مکروہ کے بارے میں سوال کیا، دونوں نے بالاتفاق جواب دیا، یہ کچھ نہیں ہے۔

**مدہوش کے سوا ہر طلاق جائز ہے** | لیکن اگر یہ کہا جائے کہ عمرو بن اعصم کی اس روایت کے جواب میں کیا

کہو گے جو انہوں نے ایک صحابی سے بیان کی ہے کہ ایک آدمی کے سینہ پر اس کی بیوی بیٹھ گئی۔ اور پھر اس کے حلق پر رکھ دی اور کہا مجھے طلاق دو، ورنہ میں تمہیں ذبح کر دوں گی، اس نے خدا کا واسطہ دیا، لیکن وہ نہ مانی۔ آخر اس نے تین طلاقیں دے دیں۔ اس شخص نے اس واقعہ کا آپؐ سے ذکر کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”طلاق میں قیل وقال نہیں ہے۔“

اسی طرح عطاء بن عجلانؓ سے، وہ حکمران سے، وہ ابن عباسؓ سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

”ہر طلاق جائز ہے سوا مغلوب العقل اور مدہوش کے۔“

اسی طرح سعید بن منصورؓ فرج بن فضالہؓ سے، اور وہ عمرو بن شراحیلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

ایک عورت نے نکوار سونت لی اور اسے اپنے شوہر کے پیٹ پر رکھ دیا اور کہا!

خدا کی قسم میں یہ تیرے پیٹ میں بھونک دوں گی ورنہ مجھے طلاق دے۔  
اس شخص نے یقین طلاقیں دے دیں، پھر یہ معاملہ عمر بن الخطاب رضی  
اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے یہ طلاق نافذ کر دی۔

اسی طرح حضرت علیؓ کا قول ہے کہ مدہوش کے سوا، ہر طلاق جائز ہے  
تو ان ایرادات کے جواب میں کہا جائے  
**ایرادات اور ان کے جواب** | گا کہ جہاں تک پہلی روایت کا تعلق

ہے، اس میں یقین علل ہیں۔

ایک یہ کہ صفوان بن عمر ضعیف راوی ہے۔

دوسرے اس روایت کا ایک اور راوی، نماز بن جبہ ہے۔ یہ بھی ایسا  
ہی ہے۔

تیسرے، باقی رواۃ اس روایت کے مرسل ہیں۔

اور ظاہر ہے اسی طرح کی روایت نہیں قبول کی جاسکتی۔

محمد بن حزم کہتے ہیں۔

یہ خبر روایت احمد درجہ ساقط ہے۔

یہی ابن عباس والی حدیث کہ ہر طلاق جائز ہے۔

تو اس روایت کے سلسلہ اسناد میں ایک راوی عطاء بن عجلان ہیں۔

اور ان کا ضعیف ہونا اصحاب رجال کے نزدیک مشہور و معلوم ہے۔ ان پر دروغ  
گوئی کا الزام ہے۔

ابو محمد بن حزم اس حدیث کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”یہ پہلی حدیث سے بھی زیادہ ساقط الاعتبار اور ناقابل قبول ہے۔“

اب رہ جاتا ہے حضرت عمر بن الخطاب کا اثر،

**حضرت عمر کا اثر غلط ہے** | سودہ بھی غلط، اور یکسر ناقابل قبول ہے

اور اس کے ناقابل قبول ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ معافی، اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محاورت ثابت نہیں ہے ۔  
 اس کے دوسرے راوی فرح بن فضالہ ہیں ۔ لیکن یہ بھی ضعیف ہیں ۔  
 البتہ حضرت علیؑ کا اثر جسے کافی لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے طلاق مکروہ  
 درست نہیں ہے ، بالکل صحیح ہے اور اس کا تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ہے ۔

---



# طلاق سکران

## شرابی کی طلاق جائز ہے یا نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد طلاق سکران (شرابی) کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے :-

یا ایہا الذین آمنوا تقربوا الصلوۃ وانتم سکران حتی تعلموا ما تقولون  
یعنی اے ایمان والو! نماز کے قریب حالت سکر (نشہ) میں نہ جاؤ، جب تک جان لو تو تم کیا کہہ رہے ہو!

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قول سکران غیر معتبر ہے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کیا کہہ رہا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا۔

”مجنون اور سکران کی طلاق، طلاق نہیں،!“

ابن ابی شیبہ وکیع سے، وہ ابی ذنب سے، وہ زہری سے، وہ ابان

بن عثمان سے۔ وہ عثمان سے بھی یہی روایت کرتے ہیں۔

عطاء کہتے ہیں طلاق سکران جائز نہیں،

ابن طاؤس کا قول ہے کہ طلاق سکران ناجائز ہے۔

قاسم بن محمد فرماتے ہیں، کہ سکران کی طلاق جائز نہیں ہے۔

**نشرابی سے پردہ جاری ہوگی طلاق نہیں مانی جائے گی** | حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے

ثابت ہے کہ انہوں نے ایک شرابی پر جس نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ حد جاری کی، اور طلاق تسلیم نہیں کی، تیجی بن سبید الانصاری حمید ابن عبد الرحمن ربیعہ اور لیث بن سعد اور عبد اللہ بن الحسن اور اسحاق بن راہویہ، ابو ثور اور شافعی ایک قول کے مطابق، کامسک بھی یہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔

**احناف طلاق سکرانے جائز سمجھتے ہیں** | یہ مذہب جو اوپر ذکر ہوا حضرات اہل ظاہر کا تھا، لیکن حنفیہ میں سے ابو جعفر طحاری، اور ابوالحسن الکرخی، وغیرہ سکرانے کی طلاق کو جائز سمجھتے اور نافذ قرار دیتے ہیں۔

ان حضرات کے مذہب کی بنیاد سات ماخذ پر ہے، جو یہ ہیں،!

۱۔ یہ کہ سکرانے مکلف ہے، لہذا، جرائم اور خیایات پر مانع ہوگا، اور شرابی گناہ،

۲۔ ایقاع طلاق اس کے کئے کی سزا ہے،

۳۔ طلاق دیتے ہی طلاق کا واقع ہونا اپنے اسباب کے لحاظ سے منجملہ ابواب ربط احکام ہے، لہذا، سکر اور نشہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ واقع ہو جائے گی۔

۴۔ صحابہ کرام نے اسے از روئے کلام اسے مقام صافی میں رکھا ہے۔ ان کا قول ہے کہ جب کوئی آدمی شراب پیتا ہے تو اسے نشہ ہو جاتا ہے جب نشہ میں آتا ہے تو ہذیان بکنے لگتا ہے، اور جب زیادہ کوئی ہذیان پیرا تر آتا ہے، تو فترا پر درازی کرنے لگتا ہے، اور فتویٰ کی حد انٹی کوڑے ہے۔

۵۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طلاق میں قبیل و قال نہیں

ہے، یعنی وہ نافذ ہو جائے گی، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔

۶۔ مدہوش کے سوا، ہر ایک کی دی ہوئی طلاق جائز ہے، اس کا ذکر بھی گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

۷۔ صحابہ کرام سکران و شرابی کی طلاق واقع کر دیتے تھے۔

**حضرت عمر تفریق کر دیتے تھے** چنانچہ ابو عبید نے عمر و اور معاویہ سے اسی طرح کی روایت کی ہے، اسی طرح ابن عباس

رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

ابو عبید کہتے ہیں ہم سے بزرید بنے ہارونہ نے، انہوں نے جریر بن حازم سے انہوں نے زبیر بن حارث سے، انہوں نے ابو لبید سے روایت کی کہ ایک آدمی نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی، معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا چار عورتوں نے گواہی دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کے مابین تفریق کر دی۔

**جو از طلاق سکران کی کوئی دلیل نہیں** بہر حال یہ ہیں وہ دلائل جن سے وہ لوگ جو طلاق سکران کے قائل

ہیں۔ دلائل لاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی دلیل بھی دلیل نہیں ہے۔

۱۔ ان حضرات کا پہلا ماننا یہ ہے کہ سکران مکلف نہیں ہے | مکلف ہے، لیکن یہ سراسر باطل ہے، کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ شرط تکلیف یعنی مکلف ہونے کی شرط عقل ہے۔ اور جو عقل سے ماہر ہو وہ مکلف نہیں مانا جائے گا۔

۲۔ دوسرا ماننا یہ ہے کہ ایقاع طلاق بطور عقوبت **اجرائے حد کافی ہے** ہوگی لیکن یہ نہایت بودی بات ہے، کیونکہ

عقوبت کے لیے حد سنائے تازیانہ کافی ہے اور از روئے شریعت ہم اس پر محمور نہیں ہیں، کہ سنائے تازیانہ کے علاوہ اس کی طلاق واقع کر کے نہ جین کے مابین تفریق کر دیں

۳۔ تبصرہ ماخذ یہ ہے ایقاع طلاق از روے رابط احکام کی دلیل بودی ہے | اسباب منجملہ رابط احکام ہے۔ لیکن یہ دعویٰ

غایت فساد و سقوط کا مظہر ہے۔ کیونکہ اس طرح تو اس شخص کی طلاق بھی واقع ہو جائے گی جو شراب پینے پر مجبور کیا جائے یا جسے شراب پلا دی جائے، اور وہ جانتا نہ ہو کہ یہ شراب ہے، بلکہ مجنوں اور نام تک اس زد سے نہیں بچ سکیں گے۔

۴۔ چوتھا ماخذ کہ صحابہ نے سکرانے (شرابی) صحابہ سے مروی آثار غلط ہیں | کو صحابی کے درجہ میں رکھا ہے۔ کہ شراب

پینے کا تو مخمور ہو گا تو اول فول بکے گا۔ یہ ایسی روایت ہے جو قطعاً صحیح نہیں ہے۔

ابو محمد بن حزم کہتے ہیں یہ خبر کذب ہے۔

علاوہ ازیں اس میں تناقص بھی ہے۔ اور یہی اس کے بطلان کی دلیل ہے، کیونکہ اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو اول فول بکنے والے پر حد لازم ہوگی، حالانکہ ہاذی پر، اول فول بکنے والے پر حد نہیں ہے۔

۵۔ پانچواں ماخذ وہ حدیث ہے کہ ایک غلط حدیث سے استدلال | طلاق میں قبیل و قال نہیں (وہ جائز

ہے) لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور اگر صحیح ہے، تو اس کا محل مکلف کی طلاق پر کیا جائے گا، جو ہوش میں ہوتا ہے، نہ کہ اس پر جو ہوش میں نہیں ہوتا، لہذا اس میں میرسم (میرسام میں مبتلا) مجنوں، اور نابالغ کی داخل نہیں ہے۔

سکرانی کی عقل زائل ہو چکی ہوتی ہے | چھٹا ماخذ یہ روایت ہے کہ

کی طلاق جائز ہے۔ | یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے، اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو بھی تو



اس کا اطلاق مکلف پر ہی ہوگا۔

علاوہ ازیں سکران (شرابی) عقل کھو چکا ہوتا ہے، پس وہ بھی مدہوش ہی ہوتا ہے۔ یا کم از کم اسی کے ذیل میں آتا ہے، چنانچہ ایک نو اسے معتوہ (مدہوش) ہی قرار دیتا ہے۔

لغت میں مدہوش، اس شخص کو کہتے ہیں۔ جس کی عقل نراٹل ہو چکی ہو۔ اور وہ یہ نہ سمجھتا ہو کہ اس کے منہ سے جو بول نکل رہے ہیں، وہ کیا ہیں۔ — ؟

۷۔ ساتواں ماخذ یہ ہے کہ صحابہ کرام  
ابن عباس کا اثر غیر صحیح ہے۔ | نے سکران کی طلاق واقع کی ہے۔

لیکن اس باب میں خود صحابہ باہم مختلف رائے ہیں، حضرت عثمان سے منسوب روایت ہم بیان کر چکے ہیں، اور یہ صحیح ہے، ابن عباس کا اثر صحت سے خالی ہے۔

# طلاق اخلاق

غصہ میں دی ہوئی طلاق نافذ ہوگی یا نہیں؟

طلاق اخلاق کے بارے میں امام احمد، حنبل سے حضرت عائشہؓ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ:

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اخلاق یعنی حالت غضب میں طلاق وعتاق کا وقوع نہیں ہوتا۔“  
یہ احمد کی نص ہے جس کی روایت حلال اور ابوبکر نے ”الشافی“ میں کی ہے اور اس میں مسافر کا لفظ زیادہ ہے۔

”اخلاق“ سے مراد کیا ہے؟ | ابوداؤد نے بھی اخلاق سے غضب مراد لیا ہے اور باب اطلاق میں اس لفظ کی غضب سے تعبیر کی ہے۔ ابو عبیدہ وغیرہ اس سے اکراہ مراد لیتے ہیں۔ یعنی دوسرے لوگوں نے اس کی تفسیر ”جنون“ سے کی ہے۔

ہمارے شیخ کا قول ہے کہ اخلاق سے مراد یہ ہے کہ آدمی کے دل پر جیسے تالا پڑ جائے، اس کے منہ سے جو کلام نکلے وہ بے مقصد ہو، یا وہ اس کی حیثیت سے نا آشنا ہو، گویا اس کے مقصد اور ارادے پر تالا پڑ گیا۔

ابو العباس المبرور کا قول ہے کہ ”غلق“ کے معنی ہیں، ضیق صدر، اور قلت صبر، جس سے کوئی خلاصی نہ حاصل کر سکے۔

اخلاق بہت سے مفہام کا جامع ہے | ہمارے شیخ کا ارشاد ہے کہ اس لفظ (اخلاق) میں طلاق مکرہ، طلاق

مجنون، طلاق سکران طلاق غضب، ہر ایسی طلاق داخل ہے جس کا ارادہ درحقیقت نہ ہو، اور آدمی جو کچھ کہہ رہا ہو اس کی معرفت سے محروم ہو چکا ہو۔

غضب کی تین قسمیں | غضب کی تین قسمیں ہیں: (۱) عقل زائل ہو جائے۔ اور آدمی کو احساس نہ رہے

کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس صورت میں بلا نزاع طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۲۔ غصہ زیادہ شدید نہ ہو، اور آدمی اپنے کہے کو سمجھ رہا ہو یعنی اس کے قصد و قول میں غصہ مانع نہ ہو۔ اس صورت میں بلا نزاع طلاق واقع ہو جائے گی۔

۳۔ غصہ شدید ہو۔ لیکن بالکل عقل زائل نہ ہوتی ہو اور اپنی زیادتی پر اسے ندامت کا احساس ہو جب غصہ اتر جائے۔

یہ صورت محل نظر ہے، لیکن اس حالت میں عدم وقوع طلاق زیادہ قوی ہے۔

# طلاق قبل نکاح

آیا یہ واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟

سنن میں عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ابن آدم کی نذر نہیں ہے مگر اس میں جس کا وہ مالک ہو، عتق نہیں ہے مگر اس میں جس کا وہ مالک ہو، طلاق نہیں ہے مگر اس میں جس کا وہ مالک ہو!“

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

نکاح سے قبل طلاق بے معنی ہے | ابو داؤد روایت کرتے ہیں کہ بیع اس چیز کی ہو سکتی ہے جو ملکیت میں ہو، وفا، نذر اس وقت لازم ہے جب وہ ملکیت میں ہو۔

سنن ابن ماجہ میں مسعود بن محزمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نکاح سے قبل طلاق نہیں، ملک سے قبل عتق نہیں“

وکیع ابن ابی زریب سے، وہ محمد بن المنکدر سے وہ عطاء بن ابی رباح سے، اور یہ دونوں جابر بن عبد اللہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ



نکاح سے قبل طلاق نہیں ہوتی !

عبدالہزاق ابن جریج سے اور وہ عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے -

” طلاق نکاح کے بعد ہو سکتی ہے !

ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن عباس کو اطلاع ملی کہ ابن جریج طلاق قبل از نکاح کو جائز سمجھتے ہیں، ابن عباس نے فرمایا،

” انھوں نے غلطی کی اس مسئلہ میں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اذ انکحتم المؤمنات شوطلقتموهن یہ نہیں ارشاد فرماتا کہ اذ اطلقتم المؤمنات شو نکحتموهن

حضرت علی کا قول: نکاح کے بعد ہی طلاق ہو سکتی ہے | ابو عبیدہ، علی بن ابی طالبؓ سے

روایت کرتے ہیں کہ ان سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کہتا ہے اگر میں نے فلاں عورت سے شادی کی تو اسے طلاق ہے -

علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا، ملکیت سے پہلے طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔

نیز حضرت علی سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ” نکاح کے بعد ہی طلاق ہو سکتی ہے، اگرچہ کوئی شخص اسے کیوں نہ دے !

حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے -

امام شافعیؒ وغیرہ کا مسلک | امام شافعی، احمد، اسحاق اور ان کے اصحاب،

داؤد اور ان کے اصحاب، اور جمہور اہل حدیث اسی طرف گئے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ اگر میں نے فلاں عورت سے شادی کی تو اسے طلاق ہے

تو گویا وہ ایک غیر اور اجنبی عورت کو طلاق دیتا ہے، اور یہ امر محال ہے -

# طلاق محرم

تحریم طلاق حائض و نفسار و تحریم طلاق ثلاثہ

حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ | صحیحین میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد مبارک میں طلاق دیدی۔

حضرت عمرؓ نے اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپؓ نے فرمایا،

”اسے حکم دو کہ رجعت کر لے، پھر اسے روک رکھے، جب تک وہ حالت طہر میں نہ آجائے پھر حائضہ ہو، پھر طہر سے ہو، اس کے بعد اگر چاہے تو روک لے، چاہے طلاق دے دے، بغیر اس سے خلوت کیے ہوئے، یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے طلاق نساء کے سلسلہ میں حکم دیا ہے،“  
مسلم کی روایت میں ”حاملہ“ کا لفظ زیادہ ہے، بخاری کی روایت میں ”قبل عدت“ کے الفاظ ہیں۔

طلاق کے وجوہ اربعہ | اس حکم سے ثابت ہوا کہ طلاق وجوہ اربعہ پر مبنی ہے، ان میں سے دو حلال ہیں، دو حرام ہیں۔

حلال صورت یہ ہے کہ

۱۔ آدمی بغیر جماع کیے ہوئے حالت طہر میں عورت کو طلاق دے۔

۲۔ یا اس حالت میں طلاق دے کہ اس کا حمل ظاہر ہو۔

اور حرام صورت یہ ہے کہ:

۱۔ آدمی حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دیدے۔

۲۔ جس طہر میں جماع کیا ہو اس میں طلاق دیدے،

لیکن یہ صورت اس عورت کے ساتھ ہے جس سے خلوت ہو چکی ہو، لیکن جس

سے خلوت نہ ہوئی ہو، وہ خواہ حائضہ ہو یا طاہرہ، اسے طلاق دی جاسکتی ہے جیسا

کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضوهن فریضة

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

یا ایہا الذین امنوا اذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن

ما لکم علیہن من عداۃ تعتدوہن

غرض طلاق نسائ کے لئے یہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے،

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب سنن نسائی وغیرہ میں محمود بن لبید وغیرہ کی حدیث ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک

ساتھ تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے

اور ارشاد فرمایا:

”میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اور وہ کذب اللہ سے

کھینتا ہے۔؟۔!“

اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اس نے عرض کیا۔

”کیا میں اس کی گردن اڑا دوں؟“

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ: **مطلقة عورت کے اقسام** | ۱۔ مطلقہ کی دو قسمیں ہیں، ایک مدخول بھا۔ دوسرے

غیر مدخول بھا۔ اور ان دونوں کو ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں ہے۔  
۲۔ جہاں تک غیر مدخول بھا کا تعلق ہے، اسے حائضہ اور طاہرہ، ہر حالت میں طلاق دی جاسکتی ہے۔

۳۔ لیکن مدخول بھا کو اگر وہ حیض سے ہے یا نفاس سے ہے، طلاق دینا حرام ہے، اگرچہ وہ طہر کی حالت میں نہ ہو۔

۴۔ ہاں اگر وہ حمل سے ہو تو اسے طلاق دینا جائز ہے۔ خواہ جماع سے پہلے دی جائے یا بعد میں۔

۵۔ اور اگر وہ حاملہ نہ ہو تو یہ حالت طہر اسے جماع کے بعد طلاق نہیں دی جاسکتی یہ ہے طلاق کے بارے میں وہ اصول جو رسول کی زبان پر اللہ نے جاری کیا ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وہی طلاق واقع ہوتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے مباح کیا، اور جس کا اذن دیا ہے، جیسا کہ طلاق دینے والا، مختار، مکلف، مدلول لفظ کا عالم، اور اس کا قصد ارادہ کرنے والا ہیں۔

**وقوع محرم میں اختلاف فکر و رائے** | البتہ وقوع محرم کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے اس میں دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ اس طلاق کا ہے جو حالت حیض میں دی جائے! طہر میں جماع کے بعد دی جائے۔ اور دوسرا مسئلہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کا ہے۔  
اب ہم فریقین کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔

**اجماع کا دعویٰ کرنے والا کاذب ہے** | پہلا مسئلہ یعنی وقوع طلاق محرم چنانچہ اس

لے ”مدخول“ بھا، فقہ کی اصطلاح میں وہ عورت ہے۔ جس سے شوہر جماع کر چکا ہو۔



کے بارے میں سلف اور خلف کے مابین ہمیشہ سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔  
امام احمد فرماتے ہیں جو اس کے اجماع کا مدعی ہے وہ کاذب ہے اور ایسا  
کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف معلوم الثبوت ہو،  
مستقلین اور متاخرین کے نزدیک۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کے بارے میں جس نے  
اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تھی فرمایا، اس کی عدت نہیں ہے، ابو محمد  
بن حزم نے خطی میں بھی یہ روایت اسناد کے ساتھ درج کی ہے۔

عبدالرزاق اپنی ”مصنف“ میں ابن جریر سے، انھوں نے ابن طاؤس سے  
انھوں نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ وہ اس طلاق کو تسلیم نہیں کرتے تھے  
جو وجہ طلاق کے خلاف ہو یا وجہ عدت کے خلاف ہو، اور وجہ طلاق یہ ہے کہ آدمی  
اپنی بیوی کو بغیر جماع حالت طہر میں طلاق دے، یا جب وہ حاملہ ہو۔

نذیر بن ثابت اور ابو محمد کی رائے | نذیر بن ثابت سے مروی ہے کہ انھوں نے  
کہا جو شخص اپنی بیوی کو اس حالت میں طلاق  
دی کہ وہ حائضہ ہو۔ اس پر طلاق لازم کر دی جائے گی، اور عورت تین حیض کی عدت  
گزارے گی۔

ابو محمد کہتے ہیں کہ اہل علم میں اس مسئلہ کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے حتیٰ کہ  
ہمارے مخالفین بھی اسے مانتے ہیں کہ جو طلاق حیض میں دی جائے، یا طہر میں جماع  
کر کے دی جائے۔ وہ بدعت ہے۔

مانعین وقوع طلاق کے افکار | جو لوگ وقوع طلاق محرم کے قائل نہیں ہیں۔  
وہ کہتے ہیں کہ اولہ متکاثرہ سے اس کا عدم  
وقوع ثابت ہے، یہ وہ طلاق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا ہے، نہ  
اس کی اجازت دی ہے لہذا یہ شرع کے ماتحت نہیں آ سکتی، پھر اس کے نفوذ اور  
صحت کے بارے میں کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔؟

**اذن شارع اور اذن مخلوق** | اگر کوئی شخص وکیل بنا کر کسی کو بیوی کے پاس بھیجے اور اس کے ذریعہ سے طلاق دے، تو یہ جائز ہے، لیکن اگر اس نے طلاق حرام دی تو وہ واقع نہیں ہوگی، کیونکہ وہ غیر ماذون ہے، یہ کیونکہ ممکن ہے کہ صحت ایقاع طلاق میں اذن شارع کے مقابلہ میں اذن مخلوق مان لیا جائے؟

علاوہ ازیں شارع نے شوہر کو حالت حیض میں یا بہ حالت طہر بعد از جماع کی ممانعت کی ہے، پس اگر یہ طلاق صحیح مان لی جائے تو شارع کی ممانعت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم جمعہ کی اذان کے وقت بیع کو باطل قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس وقت کی بیع شارع نے ممنوع قرار دی ہے، لہذا اس کی تنقید و تصحیح جائز نہیں،

نیز طلاق محرم، منہی عنہ ہے، پس اگر اس طلاق کو ہم صحیح قرار دیں تو پھر طلاق منہی عنہ اور ماذون میں فرق کیا رہ جائے گا صحت فساد کے اعتبار سے؟

اس کے علاوہ طلاق حرام کی شارع نے ممانعت کی ہے، اسے مبعوض قرار دیا ہے اس کے وقوع کو غیر پسندیدہ بنایا ہے، بلکہ مکرمہ اور حرام کیا ہے، لیکن اس کی تصحیح اور تنفیذ کے معنی یہ ہوئے کہ مقصود شارع کے بالکل خلاف عمل کیا گیا۔

پھر ایک بات اور بھی ہے،

جب نکاح منہی عنہ صحیح نہیں ہے اور اس کی عدم صحت کی بنیاد نہیں ہے، پھر اس میں اور طلاق منہی عنہ میں کیا فرق ہے؟ پھر تم کس طرح نکاح منہی عنہ کو باطل قرار

۱۔ طلاق حرام، یا طلاق محرم وہ ہے، جو حالت حیض یا حالت طہر میں بعد جماع دی جائے۔

۲۔ غیر ماذون، یعنی جس کی اجازت نہیں ہے۔

۳۔ منہی عنہ یعنی ممنوع۔

۴۔ ماذون، جس کی اجازت ہو۔

دیتے ہو۔ اور طلاق منہی عنہ کو جائز قرار دیتے ہو؛ حالانکہ منہی کا مقتضا بطلان ہے اور وہ دونوں جگہ موجود ہے۔

پھر یہ بھی ہے حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جو بات ہمارے حکم کے خلاف ہو وہ قابل رد ہے!“

یہ بالکل صریح بات ہے کہ طلاق محرم کا آپؐ نے حکم نہیں دیا ہے، لہذا وہ مردود اور باطل ہے، اسے صحیح کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اور لازم و ماخذ کیونکر مانا جاسکتا ہے؟ علاوہ ازیں یہ طلاق محرم اللہ تعالیٰ نے کبھی مشروع نہیں فرمائی، پس یہ اسی طرح باطل ہے۔ جیسے کسی اجنبی عورت کو طلاق دینا، اور تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اجنبیہ محل طلاق نہیں ہے، زوجہ بھی طلاق محرم کی محل کب ہے؟

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ طلاق کی دو ہی صورتیں ہیں، یا امساک بمعروف یا تسريح باحسان، اور تشریح محرم مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت ہے، لہذا اس کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ ہم طلاق محرم کے جواز کا فتویٰ دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

**قائلین وقوع طلاق محرم کے دلائل** | جو لوگ طلاق محرم کے وقوع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں، اسے لوگوں جو طلاق محرم کے

قائل نہیں ہو، تم نے جس سیڑھی پر قدم رکھا ہے، اس پر چڑھنا بہت مشکل ہے تمہارے دعوے کی تصدیق، نہ جمہور سے ہوتی ہے، نہ فتاویٰ صحابہ سے، نہ قرآن و سنت سے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فان طلقها فلا تغل له من بعد حتی تنكح زوجا غیرہ (یعنی طلاق کے بعد پہلے شوہر کے لئے بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک دوسرے



شخص سے نکاح نہ کر لے۔

اور یہ ارشاد ہر طلاق کو عام ہے،

والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء۔

یعنی طلاق شدہ عورتیں تین قرو (حیض) تک رکی رہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

الطلاق مرتان یا فرماتا ہے والمطلقات متاع

پس طلاق محرم والی عورت بھی اس عموم میں داخل ہے، اس کے خلاف نص

یا اجماع کے بغیر تخصیص جائز نہیں۔

چنانچہ حماد بن زید عبد العزیز بن صہیب سے، وہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت

کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

”جو طلاق بدعی دے گا ہم اس پر اس کی بدعت کو لازم کر دیں گے،“

نیز عبد الباقی بن قانع اسماعیل بن امیۃ الدراع سے اور وہ حماد سے یہی روایت

کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں عثمان بن عفان، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما بھی طلاق محرم کے

وقوع کا فتویٰ دے چکے ہیں۔

نیز، یہ طلاق بے شک حرام ہے، لیکن اس کی تحریم اس کے ترتیب اثر کو روک

سکتی، اس کا حکم ظہار کی طرح ہے جو قول منکر ہے، اور دروغ ہے، اور محرم ہے،

لیکن بائیں ہمہ ترتیب اکثر تحریم زوجہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب تک وہ

انکار نہ کر دے، اسی طرح طلاق بدعی محرم ہے، اور اس کا اثر اس پر ضرور مرتب

ہوگا، جب تک رجعت نہ کر لے، لہذا ظہار و طلاق محرم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح قذف (تہمت) حرام ہے، لیکن اس کا اثر حد اور رد شہادت کی

لے مراد وہی طلاق ہے، جو حیض کی حالت میں یا حالت طہر میں بعد جماع دی جائے۔



صورت میں مرتب ہوتا ہے۔

اسی طرح طلاق ہازل کو لیجئے، وہ بھی حرام ہے کیونکہ آیات اللہ کے ساتھ ہزل و مزاح حلال نہیں ہے، پھر اگر طلاق ہازل باوجود تحریم واقع ہو سکتی ہے، تو بہ ثبات ہوش و حواس تو اور اولیٰ ہے کہ باوجود تحریم واقع ہو۔

علاوہ ازیں عہد نکاح میں تشدید و تائید ہے، ایجاب و قبول ضروری ہے، ولی کا اور دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، زوجہ کی رضا مندی (بلاجبر) ضروری ہے۔ لیکن دائرہ نکاح سے نکل جانا بہت آسان ہے، اس خروج کے لیے مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ضروری نہیں ہے۔

نیز طلاق کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ طلاق سنت۔

۲۔ طلاق بدعت۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں طلاق کی چار قسمیں ہیں۔ دو حلال۔ دو حرام، پس یہ اطلاق و تقسیم دلیل ہے اس امر کی کہ طلاق بدعی بھی طلاق ہی ہے، اس کے لیے بھی طلاق کا لفظ اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے جس طرح طلاق حلال کے لیے، اگر یہ لفظ لغو ہوتا تو اس کا وجود عدم کی طرح ہوتا، اور اس فعل کو طلاق کے لفظ سے یاد نہ کیا جاتا، نہ اقسام طلاق میں شامل کیا جاتا۔

**قائلین عدم وقوع طلاق محرم کے دلائل** وقوع طلاق محرم سے تمسک کرنے والوں کے یہ تھے دلائل، لیکن عدم وقوع طلاق محرم کے قائل ان کا توڑ یوں کرتے ہیں۔

تمہارا دعوائے اجماع یکسر غلط ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں البتہ انتفاء معلوم ہے۔

کسی بات پر جمہور کا فتوے دینا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہے۔  
طلاق محرم شارع کے مرتب کیے ہوئے نصوص طلاق میں شامل نہیں ہے۔

تمہاری دعویٰ کہ طلاق کرم نصوص طلاق کے ماتحت ہے اور وہ طلاق کی دو قسموں میں سے ایک ہے، تو پھر ”بیع محرم“ اور ”نکاح محرم“ بھی تو نصوص بیع و نکاح کے ماتحت ہیں، بلکہ جملہ عقود (معہ الفاظ نفوذ شرعیہ کے تحت بیان کی جاتی ہیں، تو کیا انہیں صحیح مان لیا جائے گا؟

اور تم نے جو حدیث انسؓ کی پیش کی ہے کہ جس نے طلاق بدعت دی اس پر ہم اس کی بدعت لازم کر دیں گے۔

تو یہ حدیث باطل ہے حماد بن زید کے اصحاب نقات میں سے کسی نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔ یہ اسماعیل بن امیہ الدراع کی حدیث ہے اور وہ کذاب ہے، اس کا ایک اور راوی عبدالباقی بن قانع ہے، برقانی نے اس کی تصنیف کی ہے، دارقطنی کہتے ہیں یہ بہت غلطی کرتا ہے اگر کسی حدیث میں یہ منفرد ہو، تو اس کی حدیث ہرگز حجت نہیں ہو سکتی۔

تم نے عثمان بن عفان، اور زید ثابت رضی اللہ عنہما کے فتوے کا ذکر کیا ہے کہ یہ وقوع طلاق محرم کے قائل تھے، لیکن یہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔

تم نے کہا ہے کہ تحریم ظہار کی طرح ترتب اثر کو مانع نہیں ہے، لیکن ظہار کی دو صورتیں نہیں ہیں کہ ایک حلال ہو دوسری حرام ہو، بلکہ وہ سراسر حرام ہے، وہ تو (سکر اور دروغ ہے پس ممکن نہیں کہ اس کی دو قسمیں کی جاسکیں ایک حلال اور جائز، دوسری حرام اور باطل، پس ظہار ان افعال محرمہ کی نظیر ہے جو بہ صورت وقوع اپنے مفاسد سے مقارن ہوتے ہیں اور ان پر ویسے ہی احکام کا ترتب ہوتا ہے۔

یہی طلاق ہازل سو وہ بر محل ہے یعنی حالت طہر میں بغیر جماع دی گئی ہے، لہذا اسے نافذ ہونا ہی چاہیے۔

تم کہتے ہو دائرہ نکاح میں آدمی عزیمت و احتیاط کے ساتھ داخل ہوتا ہے اور اس دائرے سے نکلنا بہت آسان ہوتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ خروج اللہ کے مقرر کیے ہوئے قواعد کے ماتحت ہی ممکن ہے۔

ہر دو فریق کے دلائل و افکار | طلاق محرم کے وقوع اور عدم وقوع کے سلسلہ میں یہ تھے، دونوں گروہوں کے دلائل، اور افکار

خیالات، اس معرکہ آراء اور نہایت نازک اور پیچیدہ مسئلہ سے متعلق۔  
 میں نے انھیں بسط و تفصیل کے ساتھ اس لیے بیان کر دیا کہ ان معرکہ آرائیوں کی روشنی میں آدمی ان کے ماخذ، دلائل، اور اسلوب فکر کو اچھی طرح پرکھ لے، اور ان سے پوری پوری واقفیت پیدا کر لے۔

لے بہر حال یہ ایک نہایت اہم اور بے انتہا معرکہ آرا مسئلہ ہے، اور سلف و خلف کے مابین، مابہ امتزاع چلا آ رہا ہے، جو مقلد جامہ ہے، وہ حدود تقلید سے باہر نہیں جاسکتا، جو صاحب فکر و نظر ہے وہ اس مواد کی روشنی میں خود ایک رائے قائم کر سکتا ہے۔

# تین طلاقیں ایک دفعہ میں

شریعت کے ساتھ استہزا اور تمسخر کی بدترین مثال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب | محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں، آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

”میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور کتاب اللہ کے ساتھ یوں وہ کھیل رہا ہے؟ اس حدیث کے اسناد صحیح مسلم کی شرط پر ہیں۔ ابن وہب نے محزمہ بن بکیر بن اشجع سے انھوں نے اشجع سے روایت کیا کہ میں نے محمود بن لبید کو اس حدیث کا ذکر کرتے سنا ہے۔

محزمہ بن بکیر پر جرح و تعدیل | اس سلسلہ اسناد میں محزمہ ایک ثقہ شخص ہیں مسلم نے اپنی صحیح میں ان کی روایت ان کے والد سے قبول کی ہے بعض کا دعویٰ ہے کہ محزمہ نے بکیر سے خود سماعت نہیں کی ہے بلکہ انھوں نے اپنے والد کی کتاب سے روایت کی ہے۔ ابوطالب کہتے ہیں میں نے احمد بن حنبل سے محزمہ بن بکیر کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں



نے جواب دیا۔ وہ ثقہ ہیں، انھوں نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ہے بلکہ ان کی کتاب سے روایت کی ہے۔ ابو بکر ابن ابی خثیمہ کہتے ہیں، میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا کہ مخزمہ بن بکیر کے پاس ان کے والد کی کتاب تھی جس سے وہ روایت کرتے تھے۔ اپنے والد سے انھوں نے سماعت نہیں کی ہے۔

کیا مخزمہ نے کتاب سے روایت کی ہے؟ | عباس الدوری کی روایت ہے کہ مخزمہ ضعیف ہیں اور ان کی حدیث اپنے والد کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ انھوں نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ہے ابو داؤد کہتے ہیں مخزمہ نے اپنے والد سے صرف ایک حدیث، حدیث وتر کی سماعت کی ہے اور بس!

سعید بن مریم اپنے ماموں موسیٰ بن مسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مخزمہ کے پاس گیا۔ میں نے ان سے پوچھا:

”کیا آپ کے والد نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے؟“

مخزمہ نے جواب دیا۔

”میں نے اپنے والد کو نہیں پایا، لیکن یہ ان کی کتابیں ہیں۔“

کیا مخزمہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی؟ | مخزمہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ان کی کتاب سے

روایت کی ہے اس کا جواب دو طرح سے دیا جاسکتا ہے۔

ایک جواب تو یہ ہے کہ اپنے والد کی کتاب مخزمہ کے پاس محفوظ تھی، لہذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انھوں نے حدیث کی روایت باپ سے سن کر کی ہے یا ان کی کتاب دیکھ کر کی ہے۔ بلکہ کتاب سے اخذ کرنا زیادہ محتاط طریقہ ہے بشرطیکہ راوی کو یقین ہو کہ یہ اس کے شیخ کا نسخہ ہے۔

صحابہ اور سلف کا بھی یہی طریقہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکاتیب ملوک و سلاطین کو بھیجا کرتے تھے اور اسی سے ان پر حجت قائم ہوتی تھی۔ بلاد اسلام

میں اپنے فرامین ارسال فرماتے تھے۔ اور عمال ان پر عمل درآمد کرتے تھے اور ان سے حجت لاتے تھے، سلف و خلف کا ہمیشہ سے معمولی رہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تحریر پر اعتماد کرتے تھے کیونکہ حفظ خیانت کر سکتا ہے۔ کتاب خیانت نہیں کر سکتی متقدمین اہل علم میں سے کسی نے بھی احتجاج بالکتاب سے انکار نہیں کیا ہے نہ یہ کہا ہے کہ میں نے تو کاتب سے بالمشافہ بات نہیں کی ہے، اور اس کی کتاب کو قبول نہیں کرتا بلکہ سب کا قبول کتاب پر اجماع ہے۔

**خود محرمہ کا قول کیا ہے؟** | دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ محرمہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ہے۔ اور محرمہ کہتے

ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سماعت کی ہے تو دوسرا قول زیادہ قابل قبول ہے۔  
عبدالرحمن بن خاتم کہتے ہیں کہ میرے والد سے محرمہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا، وہ صالح الحدیث ہیں۔

ابن ابی ذئب کتاب مالک میں فرماتے ہیں کہ میں نے محرمہ سے پوچھا کہ آپ کی جو حدیثیں آپ کے والد سے روایت کی گئی ہیں آیا آپ نے وہ اپنے والد سے سنی ہیں؟ محرمہ نے اب البنیۃ یعنی مسجد کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے اپنے والد سے سماعت کی ہے۔

علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ میں نے معن بن عیسیٰ کو کہتے ہوئے سنا کہ محرمہ نے اپنے والد سے سماعت کی ہے۔

**امام مالک کا محرمہ سے استفسار** | اور ویسے اتنا ہی کافی ہے کہ امام مالک نے ان کی کتاب بھی دیکھی اور اس سے اپنی مؤطا

میں احتجاج کیا، اور فرمایا کرتے تھے۔

”مجھ سے یہ حدیث محرمہ نے بیان کی اور وہ ایک صالح شخص تھے۔

ابو حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن ابی اویس سے پوچھا:

”مالک بن انس یہ جو کہا کرتے ہیں کہ حدیثی الثقی (مجھ سے ایک ثقہ شخص

نے حدیث بیان کی، تو یہ ثقہ کون ہے؟  
انہوں نے جواب دیا، "محترمہ ابن بکیر!

کیا ایک دفعہ کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں | (اب ہم اصل مسئلہ پر آتے ہیں،  
صحیح مسلم میں ابن عمرؓ نے ایک

دفعہ تین طلاقیں دینے والے شخص سے کہا۔

اب تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔ جب تک وہ تیرے علاوہ کسی غیر شخص سے  
نکاح نہ کر لے۔ یہ طلاق دے کر تو نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

یہ ہے ابن عمرؓ کی تفسیر طلاق ماموریہ سے متعلق، اور یہ تفسیر ایک (جلیل القدر)  
صحابی کی ہے جو بہر حال حجت ہے۔ حاکم کا قول ہے کہ ابن عمرؓ کی یہ تفسیر درحقیقت  
مرفوع حدیث ہے۔

طلاق مشروع کیا ہے؟ | جو شخص قرآن کریم پر پوری طرح غور کرے گا اس پر  
یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ طلاق مشروع بعد خلوت

صحیحہ وہ طلاق ہے جس میں رجعت ممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دفعہ میں تین  
طلاقیں کا کہیں بھی حکم نہیں دیا ہے وہ فرماتا ہے:

والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء

نیز فرماتا ہے:

ولبعولتهن الحق بروهن، یعنی شوہروں کو (طلاق دے کر) انہیں واپس لے

لینے کا زیاد حق ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر طلاق بعد جماع میں شوہر کو رجعت کا حق ہے، سوا اس

طلاق کے جو ان دو کے بعد ہو یعنی تیسری۔

قرآن میں اقسام طلاق کا ذکر | غرض اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جملہ اقسام  
طلاق اور ان کے احکام بیان کر دیے ہیں چنانچہ

لے مامور یہ، یعنی جس کا حکم دیا گیا ہے۔



قرآن میں طلاق قبل از خلوت کا ذکر نہ جس کے لیے کوئی عدت نہیں تیسری طلاق کا ذکر ہے جس کے بعد بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ جب تک کسی دوسرے شخص سے شادی نہ کر لے۔ طلاق فدیہ یعنی خلع کا ذکر ہے۔ طلاق رجعی کا ذکر ہے۔ اس سے احمد اور شافعی وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ شرع میں بعد جماع پہلی طلاق کے بغیر دوسری طلاق (بائنہ) نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے۔  
 ”میں نے تجھے طلاق بائنہ دی“

تو یہ بائنہ کے بجائے رجعی قرار دی جائے گی اور اس کا وصف بنیونت لغو ہوگا کیونکہ شوہر کو حق ابانت بغیر رجعی طلاق دینے نہیں حاصل ہو سکتا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک | لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاق

واقع ہو جائیں گی، کیونکہ رجعت شوہر کا حق ہے اور وہ اپنے اس حق سے چاہے تو فائدہ نہ اٹھائے۔

لیکن اس کے برعکس جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ بے شک رجعت شوہر کا حق ہے لیکن مطلقہ رجعیہ کا نفقہ اور لباس، عورت کا حق ہے۔ شوہر کو اسے ساقط کرنے کا حق کہاں سے ملا؟ یہ اسی وقت ساقط ہو سکتا ہے۔ جب بیوی خود اس سے دستبردار ہونے پر تیار ہو جائے۔

علاوہ ازیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اکمل وجوہ پر مشروع پر کیا ہے، جو مرد اور دونوں کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش ہیں۔ جاہلیت کے زمانہ میں طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ مرد جب چاہتا طلاق دے دیتا جب چاہتا رجعت کر لیتا اس طرح مرد کے لیے تو آسانی ہی آسانی تھی۔ لیکن عورت کے لیے ضرر ہی ضرر تھا اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا۔ تین طلاقیں کی حد مقرر کر دی، اور قبل از انقضاء عدت تک رجعت کا حق دیا۔ استیفاء عدت کے بعد عورت کو مرد پر حرام کر دیا۔ اس طرح مرد کو یہ آسانی ہو گئی کہ ایک طلاق سے عورت حرام نہیں ہوتی، اور عورت



کو یہ سہولت ہے کہ تین طلاقیں ختم ہونے کے بعد مرد کا اس پر کوئی زور نہیں رہا، پس یہ اللہ کی کوئی شرع اور حکمت ہے اور حدود ہیں جن میں صالح عباد کا خیال رکھا گیا ہے۔ پس اگر ایک ہی دفعہ کی طلاق میں وہ حرام ہو جاتی تو بہ خلاف شرع و حکمت ہوتا۔ مرد ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کا مجاز نہیں ہے، بلکہ ایک ایک کر کے دے سکتا ہے ایک سے زیادہ اگر دیتا ہے تو وہ غیر مباح ہے، پس جس طرح ایک طلاق دے شوہر ابانت (بائٹنہ) کا مالک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ خلاف شرع ہے، اسی طرح، ایک ساتھ تین طلاقیں دے کر ابانت کا حق نہیں حاصل کر سکتا۔ کیونکہ یہ بھی خلاف شرع ہے۔

**مسئلہ زیر بحث کا اصل نکتہ** | اس مسئلہ میں اصل نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے طلاق بائنہ کی صرف دو موقعوں پر اباحت رکھی۔

ایک طلاق غیر مدخول بہا — یعنی جس عورت سے ابھی جماع نہ کیا گیا ہو۔  
دوسری تیسری طلاق کے بعد۔

ان دونوں صورتوں کے علاوہ شوہر کے لیے رجعت کا حق رکھا ہے، اور یہ بالکل مقتضائے قرآن ہے اور یہی جمہور کا قول ہے، مثلاً امام احمدؒ، امام شافعیؒ وغیرہ۔  
**اہل ظاہر کا قول** | اہل ظاہر کا قول ہے کہ بدون طلاق ثلاث، شوہر ابانت کا مالک نہیں ہو سکتا سوا خلع کے۔

**ابن وہب کا مسلک** | اصحاب مالک میں، ابن وہب ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو رجعی قرار دیتے ہیں۔ یہی کتاب، سنت اور قیاس کا مقتضا ہے اور یہی اکثر فقہاء کا مسلک ہے۔

**اس مسئلہ سے متعلق مذاہب فقہ** | اور ایک ساتھ تین طلاقوں کے واقع ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اس میں چار

مذاہب ہیں۔

الف۔ ایک مذہب یہ ہے کہ ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ یہ ائمہ اربعہ، جمہور تابعین، اور اکثر صحابہ کرام کا مذہب ہے۔  
 ب۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی بلکہ رد کر دی جائیں گی۔ کیونکہ یہ بدعت خرمہ ہے۔ اور بدعت مردود ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

”جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا ہے وہ قابل رد ہے“  
 اس مذہب کی حکایت ابو محمد بن حزم اور امام احمد کی طرف کی جاتی ہے لیکن وہ اس کے منکر ہیں۔ ؟ کا قول بھی یہی ہے۔

ج۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق مانی جائے گی جو رجعی ہوگی۔ یہ مسلک ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی تھا۔ جس کی ابو طوڈ نے ان سے روایت کی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں ابن اسحاق کا مذہب بھی یہی ہے وہ کہتے ہیں خلاف سنت بات، سنت کی طرف رد کر دی جائے گی۔ طاؤس اور عکرمہ کا قول بھی یہی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

د۔ اس معاملہ میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق کیا جائے گا۔ چنانچہ مدخول بہا (جس سے جماع کیا جا چکا ہو) پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اور غیر مدخول بہا پر ایک واقع ہوگی۔

یہ اصحاب ابن عباس کی ایک جماعت کا قول ہے۔ اسحاق بن راہویہ کا مذہب بھی یہی ہے جن سے محمد بن نصر مروزی نے کتاب اختلاف العلماء میں نقل کیا ہے۔  
 جو لوگ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں کو ایک قرار دیتے ہیں، وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ نص اور قیاس کا تقاضہ یہی ہے۔

ابن عباس سے سوال و جواب | جہاں تک نص کا تعلق ہے، معمر اور ابن جریج ابن طاؤس سے اور وہ طاؤس سے روایت کرتے

ہیں کہ ابوالصباح نے ابن عباس سے کہا۔

کیا آپ کو نہیں معلوم کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں؟ اسی طرح حضرت ابو بکر کے پورے عہد خلافت میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ نیز امارت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی کافی مدت تک یہی طریقہ جاری رہا۔

ابن عباس نے جواب دیا ”ہاں!“

یہ روایت مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔

**امام احمد کا ارشاد** | امام احمد کہتے ہیں کہ ہم سے سعد بن ابراہیم نے، انھوں نے اپنے والد ابراہیم سے، انھوں نے محمد بن اسحاق سے انھوں نے داؤد بن حصین سے انھوں نے عکرمہ موئی ابن عباس سے انھوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ

رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں مجلس واحد میں (بیک وقت) دیں، پھر بعد میں اپنی اس حرکت پر بہت ملول اور غمگین ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا۔  
”وتم نے کس طرح طلاق دی تھی۔؟“  
رکانہ نے جواب دیا۔

میں نے تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں؟

آپ نے پوچھا، ”مجلس واحد میں؟“

رکانہ نے کہا، ”جی ہاں!“

آپ نے فرمایا،

”وہ ایک ہے چاہو تو رجعت کر لو!“

رکانہ کہتے ہیں ”پھر میں نے رجعت کر لی!“

ابن عباس کے نزدیک طلاق ہر طہرہ ہی میں دی جاسکتی ہے۔

**قیاس کیا کہتا ہے** | اب رہا قیاس۔ سو اس نقطہ نظر سے بھی جیسا کہ بتایا جا چکا ہے تین طلاقوں کا بیک وقت جمع کرنا حرام ہے اور بدعت ہے اور ہر بدعت مردود ہے۔ کیونکہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہیں ہے۔ غرض بیان تحریم طلاق ثلاثہ سے متعلق جو کچھ بتایا اور کہا جا چکا ہے وہ اس پر دال ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں۔

**اپنے خلاف چار شہادتیں بھی تابڑ توڑ نہیں** | اقرار زنا سے متعلق حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بعض صحابہ نے

ماغز سے کہا،

”اگر تو نے چار مرتبہ اقرار (زنا) کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے سنگسار کر دیں گے!“

اور یہ چار مرتبہ تابڑ توڑ کہنا خلاف عقل ہے، ایک ہی واقعہ میں چاروں اقرار نہیں ہو سکتے۔

**مدخول مبہا اور غیر مدخول مبہا کی تفریق** | وہ لوگ جو مدخول مبہا اور غیر مدخول مبہا میں فرق کرتے ہیں، ان کی دو دلیلیں ہیں، ایک تو وہ ہے جو ابو داؤد نے اسناد صحیح کے ساتھ طاؤس سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی جس کا نام ابوالصعب تھا، ابن عباس سے اکثر سوالات کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ اس سے ابن عباس نے کہا۔

”کیا تم نہیں جانتے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو جماع سے پہلے تین طلاقیں دے دیتا، تو وہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابو بکر صدیق اور صدر امارت عمرؓ تک ایک ہی مانی جاتی، پھر جب عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بہ کثرت یہ کام کرنے لگے ہیں تو انھوں نے فرمایا:

”ان لوگوں پر پھر اسے مسلط ہی کر دو!“



**نقل و قیاس کی تائید** | یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تین طلاقوں کو لازم کر دینا حضرت عمرؓ کا فیصلہ تو تھا، لیکن مدخول بہا کے لیے ہے اور حدیث

ابو الصعباء غیر مدخول بہا کے لیے ہے۔

مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کی تفریق میں جانبین کے پاس منقولی دلائل موجود ہیں قیاس تائید بھی دونوں کو حاصل ہے، اور بقول ابن حزم ان اقوال میں سے ہر قول کے ساتھ اہل فتویٰ کی جماعت موجود ہے۔

**مذہب امامیہ اور اہل بیت کا مسلک** | لیکن ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کا قطعاً کسی صورت میں بھی واقع

نہ ہونا امامیہ فرقہ کا مذہب ہے، اہل بیت کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے

**ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں پر گفتگو** | جو لوگ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو درست

مانتے ہیں وہ کہتے ہیں، اس مسئلہ پر گفتگو کرو گے تو دو باتیں سامنے آئیں گی، ایک تحریم جمع ثلاث، یعنی ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کی حرمت، دوسرے، ان طلاقوں کا فوری وقوع، حرمت کے باوجود،

اب ہم اس مسئلہ پر دو طرح گفتگو کریں گے،

پہلی بات یہ کہ شافعی، ابو ثور، احمد بن حنبل (ایک روایت میں) اور اہل ظاہر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ جمع ثلاث سنت ہے، اور دلیل قول خدائے تعالیٰ سے یہ ہے کہ (یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی، جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے)۔

اس ارشاد خداوندی میں اس کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے کہ طلاق ایک ساتھ دی جائے یا الگ الگ کر کے اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جس چیز میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تفریق نہیں کی ہے ہم کرنے لگیں، بالکل اسی طرح جیسے اس چیز میں ہم جمع نہیں کر سکتے جس میں خدا نے تفریق کر دی ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

(یعنی اگر تم، عورتوں کو ہاتھ لگانے (جماع) سے پہلے طلاق دو۔  
اس طلاق میں بھی جمع و تفریق کا کوئی ذکر نہیں ہے، (اسی طرح کئی دوسری آیتیں  
ہیں جن میں طلاق کا بغیر جمع و تفریق کی تصریح کا ذکر ہے۔

فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال | صحیحین میں ابوسمہ بن عبدالرحمان  
کی حدیث ہے کہ فاطمہ بنت قیس

نے انھیں خبر دی کہ ان کے شوہر ابو حفص بن مغیرہ خزومی نے انہیں تین طلاقیں ایک  
ساتھ دیں، پھر میں چلے گئے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا،  
”ابو حفص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، آیا وہ نفقہ کی مستحق ہیں؟“  
آپ نے فرمایا، ”وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے، عدت گزارے!“

صحیح مسلم کی ایک روایت میں اسی قصہ سے متعلق یہ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا  
”جس عورت کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائیں، اس کے لیے نہ نفقہ  
ہے، نہ سکنی!“

عبدالرزق نے اپنی ”مصنف“ میں یحییٰ بن علاء سے انھوں نے عبید اللہ بن ولید  
سے، انھوں نے ابراہیم بن عبید اللہ بن عبادہ بن صامت سے انھوں نے داؤد  
سے، انھوں نے عبادہ بن صامت سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا، میرے دادا نے  
اپنی (ایک) بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!  
”تمہارا خدا سے نہیں ڈرا، ان (طلاقوں میں سے) تین تو ہو گئیں باقی ۹۹۷ ظلم  
وعدوان کی حیثیت رکھتی ہیں، خدا نے اگر چاہا تو اس حرکت پر عذاب دے گا، چاہے  
گا تو بخش دے گا!“

بیہقی کہتے ہیں سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، عکرمہ، عمرو بن ابی بنار، مالک  
بن حارث، محمد بن ایاس بن بکر وغیرہ، نیز معاویہ بن ابی عیاش انصاری، یہ سب کے  
سب ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک وقت میں دی گئی تین

طلاق کو جائز رکھا۔ اور انھیں ماخذ کیا۔

ابن متنفذ کہتے ہیں یہ بات قطعاً نادرست ہے کہ ابن عباس کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات جانتے ہوں، اور اس کے خلاف فتویٰ دیں۔

**حدیث میں تعارض ہو تو عمل صحابہ دیکھا جائے گا** | اور اگر احادیث میں کچھ تعارض نظر آئے، تو ہم اصحاب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دیکھیں گے، کیونکہ وہ سنت رسول کے زیادہ عالم تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کی ایک ہزار دی ہوئی طلاقوں میں سے تین نافذ کر دیں، جب اس نے مذاق کا عذر کیا تو اسے درے سے مارا بھی، اسی طرح، وکیع، اعمش سے، اور وہ حبیب بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس نے کہا۔

”میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں!“

حضرت علی نے فرمایا، ”وہ تین طلاق سے بائٹہ ہو گئی! باقی طلاقیں اپنی دوسری بیویوں پر تقسیم کر دے!“

اسی طرح حضرت عثمان کا فیصلہ بھی مروی ہے۔

ابوداؤد نے اپنی سنن میں محمد بن ریاس کی روایت درج کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوہریرہ و عبد اللہ بن عمرو بن العاص، رضی اللہ عنہم سے ایک باکرہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا۔ جس کے شوہر نے اسے تین طلاقیں دیدی تھیں ان سے یہ فتویٰ دیا کہ اب یہ عورت اپنے شوہر پر اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے۔ اور ظاہر ہے یہ سب (جلیل القدر) اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے! انھوں نے ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو جائز ٹھہرایا۔

**امر صواب حرام نہیں کیا جاسکتا** | غرض اس مسئلہ میں ہم اصحاب رسول صلی اللہ



علیہ وسلم کے تابع ہیں کہ یہ سنت و شرع رسولؐ کے زیادہ عالم تھے۔ اگر شریعت سے یہ ثابت ہوتا کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق کے حکم میں ہوں گی، تو یہ بات ان سے مخفی نہ رہتی، تو یہ ہرگز ایک امر صواب کو حرام نہ قرار دیتے۔

**مانعین طلاق ثلاث کا قول** | مانعین وقوع طلاق ثلاث کہتے ہیں کہ ہم اپنی طرف سے تم پر کوئی بات نہیں ٹھونسے ہم تو جو کچھ کہتے ہیں۔ وہ منصوص من اللہ ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص ثابت ہے، یا اجماع متیقن ہے جو شک و شبہہ سے ماوراء ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فان منارعتہ فی اشی فردوہ الی اللہ والرسول (یعنی اگر تم میں کسی مسئلہ پر پختہ ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ)!

پس یہ مسئلہ خدا اور رسول کے سوا، کسی اور طرف لوٹایا نہیں جاسکتا۔

**قرآن سے جمع ثلاث ثابت نہیں** | تمہارا یہ دعویٰ کہ قرآن جو از جمع طلاق ثلاث پر دال ہے یہ سراسر غیر مقبول دعویٰ ہے، بلکہ باطل ہے، تم نے قرآن کے لفظ طلاق کو مطلق طور پر لیا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ قرآن ہر طلاق کو جائز نہیں قرار دیتا، اسی نے احکام طلاق کو صاف اور واضح طور پر بیان کر دیا ہے، اور حلال و حرام کی تشریح کر دی ہے۔

**روایت کا اخذ اور فتوے سے اعراض** | اور تمہارا فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال تو حد درجہ حیرت انگیز ہے۔

تم نے اس چیز کی تو مخالفت کی ہے جو صریح ہے اور جس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے یعنی بائن کے لیے سقوط نفقہ و کسوہ (لباس) حالانکہ صحت صراحت کے ساتھ ثابت ہے، اور اس کی معارض کوئی اور حدیث بھی نہیں ہے۔ اور تمسک اس چیز سے کیا ہے جو یہ ہے اس حدیث میں ”طلقتھا ثلاثہ“ (فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں دیں) یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ تین طلاقیں ایک ساتھ دیں، بلکہ نہری نے عبید اللہ



بن عبد اللہ بن عتبہ سے جو روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ ابو حفص نے فاطمہ بنت قیس کو وہ طلاق دی جو باقی تھی، بلکہ صحیح کے لفظ یہ ہیں کہ ابو حفص نے اپنی بیوی کو تین طلاقوں کی آخری (تیسری) طلاق دی، یہ سند صحیح متصل ہے اور آفتاب کی طرح روشن ہے، پھر اس سے اپنے مطلب کی دلیل لانا کس طرح روا ہو سکتا ہے؟ جب کہ درحقیقت یہ حجت خود تمہارے خلاف ہے۔

**ساقط الاعتبار حدیث** | تم نے عبادہ بن صامت کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، جسے عبدالرزاق نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے

لیکن یہ حدیث قطعاً ساقط الاعتبار ہے، اس کے سلسلہ روایت میں یحییٰ بن علاء ہیں، جنہوں نے عبید اللہ بن ولید و صافی سے، اور انھوں نے ابراہیم بن عبید اللہ سے روایت کی ہے اور یہ ضعیف ہیں، مجہول ہیں،

اور سب سے بڑھ کر اس حدیث کے کذب و بطلان کی جو دلیل ہے وہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن صامت نے اسلام قبول کیا تھا پھر وہ اپنے دادا کی طلاق کے بارے میں کس طرح سوال کر سکتے تھے؟

**حدیث ابوالصہبائے پر گفتگو** | اور حدیث ابوالصہبائے کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو مسالک گونا گوں اختیار کیے ہیں، ان میں سے

ایک بھی صحیح اور درست نہیں ہے۔

اس حدیث کے بارے میں یہ اعراض کہ اس کی روایت میں مسلم منفرد ہیں اور بخاری نے اسے قبول کرنے سے اعراض کیا ہے، حدیث کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہے؟ کیا بخاری نے کبھی بھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے جو حدیث اپنی کتاب میں درج نہیں کی وہ باطل ہے؟ حجت نہیں ہے؟ ضعیف ہے؟

تم نے ابن عباس کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی مناقض سے خالی نہیں، ابن عباس نے بریرہ کی حدیث و تخییر کی روایت کی ہے، مگر یہ بیع طلاق نہیں تھی، ابن عباس کی رائے میں باندی کی بیع اس کی طلاق ہے، تم نے ابن عباس کی روایت

لے لی، اور رائے چھوڑ دی۔ تم کہتے ہو، روایت معلوم ہے، اور صحابی کی رائے غیر معلوم ہے، حالانکہ روایت بھی احتمالات عدیدہ مثلاً، انبیان، تاویل، نسخ، تخصیص وغیرہ کی محتمل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تسبیح ہے جو وقوع قلب سے متعلق ہے، جس کے خلاف انھوں نے فتویٰ دیا ہے۔ تم نے ان کی روایت قبول کر لی، اور فتویٰ ترک کر دیا، اگر ہم اس طرح کی مثالیں پیش کرنے پر آئیں کہ تم نے صحابی کی روایت لے لی۔ اور اس کا فتویٰ نظر انداز کر رہے ہو تو فہرست لمبی ہو جائے گی۔

تم نے ابن عباس سے عکرمہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے جو طلاق ثلاث کے بعد نسخ مراجعت (رجعت) پر مشتمل ہے، اسے اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی تمہاری حسب دل خواہ بات اس سے نہیں نکلتی، اس میں بھی تو ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور اس سے جتنی بار چاہے مراجعت کر لے، بے شک یہ بات منسوخ ہے پھر معاملہ تین طلاقیں پر محدود ہو گیا۔ جس کے بعد رجعت کی اجازت نہیں رہی، لیکن اس سے تین طلاقیں ایک دفعہ میں کب ثابت ہوتی ہیں؟ علاوہ ازین کونکر ممکن تھا کہ عہد رسالت مآب، عہد ابوبکر صدیق، اور دور خلافت عمرؓ کے زمانہ وسطیٰ تک نسخ کے بعد بھی یہ تعامل جاری رہتا؟ کیونکر ممکن تھا کہ امت ایک ایسے مسئلہ سے لاعلم رہتی جس پر کسی عورت کے حلال یا حرام ہونے کا انحصار تھا۔

**قضاے عمر رضی اللہ عنہ کی مصلحت** | نیز حضرت عمرؓ کی قضا جمع طلاق ثلاث کی تو یہ ایک طرح کی عقوبت تھی۔ کہ طلاق دینے والا جان لے کہ اگر اس نے بیک مجلس تین طلاقیں دیں تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، تو وہ باز رہے گا۔ اور طلاق مشروع و ماذون کی طرف لوٹ آئے گا، یہ رعیت کے لیے حضرت عمرؓ کی تادیب تھی، کیونکہ لوگوں نے بکثرت یہ کام مشروع کر دیا تھا۔

**تعارض حدیث اور عمل صحابہ** | تم کہتے ہو کہ اگر ہمارے سامنے متعارض حدیثیں ہوں تو ہم عمل صحابہ کو دیکھیں گے، یہ ٹھیک ہے

لیکن تمہیں یہ کب زریب دیتا ہے، کہ ہمیں تو ایک امر کی دعوت دو، اور خود ہی اس سے روگرداں ہو جاؤ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جب ہوئی، تو کم و بیش ایک لاکھ صحابہ موجود تھے۔ جنہوں نے آپ کو دیکھا تھا اور آپ سے سنا تھا، کیا تم ان سب سے یا ان کے دسویں حصہ سے یا دسویں کے دسویں حصہ سے

بیک وقت لزوم طلاق ثلاث ثابت کر سکتے ہو؟ تم پوری کوشش کر ڈالو، بیس صحابی بھی جو آپس میں گو مختلف الراے ہوں، ایسے نہیں ملیں گے جن سے تم اپنا دعویٰ نقل کر سکو، اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔ اور ہمارا کہنا سچ ہی ہوگا کہ اس مسئلہ پر قدیم سے اجماع ہے، رسول اللہ کے وقت سے لے کر ابوبکر صدیق کے عہد تک دو صحابی بھی ایسے نہیں ملیں گے، جنہوں نے عدم وقوع طلاق ثلاث سے انکار کیا ہو، اور یہ عصر اجماع اس وقت تک ختم نہیں ہوا، جب تک اختلاف رہنا نہیں ہوا، اور صحابہ کے دوقولوں پر ہونے کے باعث اجماع اور مستقر بھی نہیں رہ سکتا تھا، چنانچہ ان کے مابین اختلاف پیدا ہوا، اور یہ مستمر طور پر آج تک موجود ہے

**حضرت عمرؓ کی رائے، حدیث نہیں** | ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ عمرؓ نے اپنے عہد سے پہلے کے اجماع سے اختلاف نہیں کیا

بلکہ وقوع طلاق ثلاث کو عقوبت کے طور پر لازم کیا، تاکہ لوگ جان لیں کہ ایک وقت تین طلاقیں دینا حرام ہے، اور کوئی شبہ نہیں کہ امام وقت کے لیے یہ روا ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو تادیب عقوبت کے طور پر قضی طور پر اللہ کی دی ہوئی رخصت واپس لے لے۔ اور شدت اور سختی کی پالیسی اختیار کر لے، ائمہ نے ایسا کیا ہے، پھر حضرت عمرؓ جیسا شخص جس کی نگاہ امت اور اس کی تادیب پر بہت زیادہ تھی، اس فعل حرام کے شیوع عام پر ایسا کیوں نہ کرتا؟ عقوبت، اختلاف، اشخاص و ازمنہ کے ساتھ مختلف ہوتی رہتی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس فعل کے جواز میں یہ کبھی نہیں کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، یہ صرف ان کی رائے ہے جو امت کی مصلحت عمومی کی بنیاد

پہر انھوں نے قائم کی تھی، جو انہیں ایقاع طلاق ثلاث میں جلد بازی سے روکنے کے لیے کافی تھی، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا۔

”بہتر ہو کہ ہم اسے (تین طلاقیں ایک دفعہ) ان پر عائد کر دیں!“  
کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کی رائے تھی،  
حدیث نبوی نہیں تھی؟

---



# غلام کی طلاق

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اس بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ایک غلام نے اپنی بیوی کو — جو خود بھی باندی ہے — دو طلاقیں دیں پھر اسے آزاد کر دیا، آیا اب وہ اس کے لیے حلال ہو گئی۔

ابن عباس کا فتویٰ اہل سنن نے ابو الحسن موئی بنی نوفل کی حدیث روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے ابن عباس سے فتویٰ پوچھا کہ ایک غلام اپنی بیوی کو جو باندی ہے، اور طلاقیں دے دیتا ہے، اس کے بعد دونوں آزاد ہو جاتے ہیں، تو کیا اب یہ آزاد شدہ غلام اس آزاد شدہ باندی سے شادی کر سکتا ہے؟

ابن عباس نے جواب دیا، ”ہاں“ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا ہے!

ایک اور روایت میں ہے کہ ابن عباس نے کہا، اور اب اس شخص کے لیے ایک طلاق باقی رہ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اسی طرح کا ہے،!

نسائی کہتے ہیں، اگر غلام آزاد ہو گیا، اور زوجہ اس کے  
**فقہاء کے اقوال اربعہ** | حوالہ عقد میں ہے تو اب وہ پوری تین طلاقوں کا  
 مالک بن گیا، اور اس نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں، تو اس بارے میں فقہاء کے  
 چار اقوال ہیں!

۱۔ وہ عورت اب اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی۔ جب تک  
 کسی دوسرے شخص سے شادی نہ کر لے، عام اس سے کہ وہ حرہ ہو یا باندی، یہ امام  
 شافعی، اور احمد کا قول (ایک روایت کے مطابق) ہے اس کی بنیاد اس اصول پر ہے  
 کہ طلاق مرد کا حق ہے۔ اور یہ غلام دو طلاقوں کا حق رکھتا ہے بیوی آزاد ہو یا غلام  
 اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۲۔ یہ کہ طلاق کے بعد فوراً پھر اس عورت سے بغیر کسی شرط کے عقد کر لے۔  
 جیسا کہ عمرو بن معتب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے، امام احمد کی دو روایتوں میں  
 سے ایک روایت یہ بھی ہے، نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے اشواہ  
 کی دو وجہوں میں سے ایک ہے۔

یہ قول فقہ رفیق کا حامل ہے، کیونکہ غلامی کے باعث اسے دو طلاقوں سے  
 زیادہ کا حق نہ تھا، اب اگر وہ آزاد ہوا، اور بیوی عدت میں ہے تو نقص  
 غلامی زائل ہو گیا، اور تین طلاقوں کی ملکیت کا سبب پیدا ہو گیا، چونکہ نکاح  
 کے آثار باقی ہیں، لہذا اسے رجعت کا حق حاصل ہے۔

البتہ انقضائے عدت کے بعد اگر وہ آزاد ہوا، تو بیوی بائن ہو گئی،  
 البتہ بغیر دوسری شادی کیے ہوئے برحیثیت باندی کے وہ اس کے لیے  
 حلال ہو سکتی ہے۔

۳۔ دوران عدت میں شوہر کو رجعت کر لینے کا حق حاصل ہے، اور اس  
 کے بعد، بدون زوج و اصحابہ کے اس سے نکاح کر لے، اگرچہ وہ آزاد نہ ہوا ہو۔  
 تمام اہل ظاہر کا مذہب یہی ہے، ان کے نزدیک طلاق میں عید اور حرہ برابر ہیں۔

سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے ابو معبد مولیٰ ابن عباس سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ان کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں، ابن عباس نے اسے حکم دیا کہ رجعت کر لے، مگر اس نے رجعت کرنے سے انکار کر دیا ابن عباس نے کہا۔

”یہ رہہر حال، تیری ہے، اے“

”نکاح عینیت“ کی حیثیت سے انہوں نے اس کے لیے اسے حلال کر دیا، ۴۴۔ اگر زوجہ حرہ ہے، تو شوہر کو اس کے لیے تین طلاقوں کا حق حاصل ہے، اور اگر باندی ہے۔ تو جب تک کسی دوسرے شخص سے شادی نہ کرے حرام ہر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا یہی قول ہے،

لیکن یہ مسئلہ سلف و خلف  
مسئلہ زیر بحث سے متعلق چار اقوال کے مابین اختلافی ہے اس

مسئلہ میں چار اقوال ہیں!

۱۔ عبد اور حر کی طلاق یکساں ہے۔ تمام اہل ظاہر کا مسلک یہی ہے، طلاق سے متعلق عموم نص سے انہوں نے احتجاج کیا ہے کہ اس میں عبد اور حر کی تفریق نہیں ہے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو طلاق منغلظ دی، جو باندی تھی، اس پر ابن عباس نے فرمایا۔

”و تجھے طلاق کا حق نہیں ہے، لہذا رجعت کر لے، اے“

عبدالرزاق معمر سے وہ سماک بن فضل سے روایت کرتے ہیں کہ اس غلام نے اس بارے میں ابن عمرؓ سے سوال کیا، انہوں نے جواب میں کہا۔  
”ہرگز رجعت مت کر، اگرچہ تیرا سر اڑا دیا جائے، اے“

اس فتوے کی اساس یہ تھی کہ غلام کا نکاح اور طلاق آفاکے ہاتھ میں ہے۔

عبدالرزاق نے ابن جریر سے، انہوں نے ابوالزہیر سے روایت کیا کہ انہوں نے جابر بن عبد اللہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے۔

” غلام اور باندی کو آقا نکاح کے بندھن میں جمع کر سکتا، اور وہی ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے۔“

ابوالشفتاء کا قول بھی یہی ہے۔

شعبی کا قول ہے کہ اہل مدینہ کے نزدیک غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر طلاق نہیں دے سکتا، ابن عباس کا ماننا یہی ہے، نہ یہ کہ غلام کو تین طلاقوں کا حق ہے اگر اس کی شادی باندی سے ہوئی ہو، لیکن ہمارے علم میں کسی اور صحابی کا اس طرح کا قول نہیں ہے۔

۲۔ زوجین اگر غلام ہیں، تو یہ سبب رقی (غلامی)، دو طلاقیں ہوں گی۔

۳۔ طلاق رجال کا حق ہے،

مرد حصہ تین طلاقوں کا مالک ہے اگرچہ اس کی بیوی باندی ہو، غلام دو طلاقوں کا مالک اگرچہ اس کی بیوی حرہ ہو،

امام شافعی، مالک، اور احمد کا قول یہی ہے، علاوہ ان سے زید بن ثابت، عائشہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین، عثمان بن عفان، اور عبد اللہ بن عباس کا قول بھی یہی ہے، نیز قاسم، سالم ابو سلمہ، عمر بن عبد العزیز، یحییٰ بن سعید ربیعہ، ابوالزناد، سلیمان بن یسار، عمرو بن شعیب، ابن المسیب، اور عطاء کا مذہب بھی یہی ہے۔

۴۔ عدت کی طرح طلاق بھی عورت کی ہے۔

حسن، ابن سیرین، قتادہ، ابراہیم، شعبی، عکرمہ، مجاہد ثوری، حسن بن بی، اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے اصحاب کا مسلک بھی یہی ہے۔

ام المومنین ام سلمہ کی روایت | اگر کہا جائے کہ اس قول کی دلیل کیا ہے تو جواب میں کہا جائے گا کہ عبدالرزاق



ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ انصاری سے، اور وہ نافع سے، اور وہ ام سلمہ اور ام المومنین سے کہ ان کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں جو حرہ تھی، ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کیا، وہ کہتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، اب یہ عورت اس پر حرام ہو گئی، جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے، اے،

**آثار و قیاس میں تعارض** لیکن یہ آثار از روئے روایت ثابت نہیں ہیں، آثار صحابہ و قیاس بھی متعارض ہیں۔

جو لوگ مطلق رطلاق دینے والے، کی طرف مائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ طلاق کا مالک وہی ہے، اور غلامی کی وجہ سے یہ ملکیت معتف رہ جائے گی، جیسے نصاب منکوحات غلامی کے باعث نصف رہ جاتا ہے۔

جو لوگ مطلقہ کی طرف مائل ہیں، وہ کہتے ہیں طلاق عورت پر واقع ہوتی ہے، عدت، تخریم اور تونترج اس پر لازم آتے ہیں، لہذا عدت کی طرح یہاں بھی نصف کا معاملہ ہوگا۔

**اطلاق نصوص سے تمسک** جو لوگ مملوک کے لیے تین طلاق کا حق تسلیم کرتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ آثار ثابت نہیں ہیں، اور صحابہ سے جو کچھ منقول ہے وہ متعارض ہے، یہی حال قیاس کا ہے، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر بھروسہ کیا جاسکے ہے، لہذا وہ اطلاق نصوص سے تمسک کرتے ہیں جو اس پر دال ہیں کہ طلاق رجعی دو ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس باب میں مرد و عورت اور غلام میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ نہ حرہ اور باندی کے مابین کسی طرح کا فرق رکھا ہے۔

**ائمہ فقہ کے اقوال** | امام مالک کہتے ہیں کہ مملوک بھی مرد حر کی طرح چار بیویاں رکھ سکتا ہے کیونکہ اس کی حاجت بھی مرد حر کی طرح ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مملوک اور مرد حر کی طلاق عملاً یکساں ہیں اگر ان کی بیویاں حرہ ہوں، کیونکہ نصوص طلاق مطلق طور پر وارد ہوتی ہیں۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ مملوک اور مرد حر کے صیام کفارات یکساں ہیں اسی طرح مملوک اور حر کی حد سرقہ اور شراب نوشی کی یکساں ہے۔

اگر آثار صحابہ متفقہ ہوتے تو ہم کسی اور طرف رخ نہ کرتے، کیونکہ حق وہیں مل سکتا ہے،



# طلاق حق رنج ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ ، یعنی اے مسلمانوں  
جب تم مؤمنات سے نکاح کرو، اور پھر انہیں طلاق دو،  
نیز فرمایا،!

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجْلَهُنَّ نَامَسْكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَاوَقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ۔

اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دو، پس جب وہ اپنی عدت گزرالیں، تو یا خوبی  
کے ساتھ رجعت کرلو، یا خوبی کے ساتھ جدائی اختیار کرلو،  
اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کا حق اسے دیا ہے جو نکاح  
کرتا ہے۔ کیونکہ اسی کو امساک یعنی رجعت کا حق بھی ہے۔

ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ابن عباسؓ کی حدیث  
سنن ابن ماجہ کی روایت درج کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس  
ایک شخص آیا اس نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ، میرے آٹا نے اپنی ایک باندی سے میری شادی کر دی، اور اب  
وہ میرے اور اس کے درمیان تفریق چاہتا ہے،!،  
ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ سن کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے  
اور فرمایا،!

لوگو یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنے غلام کی شادی، اپنی باندی

سے کر دیتا ہے، پھر انے دونوں میں تفریق کرنا چاہتا ہے ریاد رکھو بے شک طلاق اس کا حق ہے، جو اپنی بیوی سے تمتع کرتا ہے، اے“

کیا نکاح و طلاق کا مالک آقا ہے | عید الکریم جزری عطا سے روایت کرتے ہیں کہ ”غلام کی طلاق کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اے“

ابوالزبیر جابر سے روایت کرتے ہیں کہ:

باندی اور غلام کو آقا جمع رکھ کر نکاح کر سکتا ہے، اور وہی ان دونوں میں تفریق سے رطلاق کر سکتا ہے، اے“

لیکن بہر حال قضا رسول اللہ ﷺ پر مقدم ہے | قضاے رسول اللہ ﷺ سب پر مقدم ہے | صلی اللہ علیہ وسلم اتباع اور پیروی کی زیادہ حقدار ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث اوپر ذکر ہوئی، اگرچہ اس کی اسناد کمزور ہے، لیکن قرآن سے اسے قوت حاصل ہے، اور اس پر لوگوں کا عمل ہے، اے“



# تین طلاقیں

دوسرے شخص سے نکاح کے بعد پہلا شوہر پورا کرے گا

ابن مبارک عثمان بن مقم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبیہ بن بنت وہب کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی عورت کے بارے میں جسے اس کے شوہر نے تین سے کم طلاقیں دی تھیں، اس کی دوسری شادی کے بعد پھر اس سے شادی کرنی تو اب وہ صرف بقیہ طلاق کا مالک ہوگا۔

**حضرت عمرؓ کا فیصلہ** | یہ اثر اگرچہ ضعیف اور مجہول ہے لیکن اکابر صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے، جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنی "مصنف" میں، مالک اور ابن وہب نے زہرا سے، انہوں نے ابن مسیب اور حمید بن عبد الرحمن اور عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود اور سلیمان بنے بسار سے روایت کی کہ ابوہریرہ کو کہتے ہوئے سنا،:

"اگر کسی عورت کو اس کا شوہر ایک یا دو طلاق سے دے دے، پھر اسے چھوڑ دے، اور وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے، پھر وہ دوسرا شخص مرجائے یا اسے طلاق دے دے پھر وہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے نکاح کر لے، تو اب اس عورت کی صرف بقیہ طلاقیں شوہر کی ملکیت ہوں گی،"۔

اسی طرح کی روایت حضرت علی بن ابی طالب، ابی کعب، اور عمران بن حصیب

رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

امام احمدؒ کہتے ہیں، :

**اکابر صحابہ کا قول** | دو اکابر صحابہ کا یہی قول ہے، :

ابن مسعود، ابن عمر، اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اب وہ عورت  
تین طلاقوں کی طرف جاٹے گی، یعنی اسے تین طلاقیں حاصل کرنے کا حق ہوگا،  
ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں،  
”و نکاح بھی جدید، طلاق بھی جدید،“

**امام ابو حنیفہ کا مسلک** | قول اولؒ کی طرف اہل حدیث حضرات گئے ہیں  
جن میں امام احمدؒ شافعیؒ، اور مالکؒ بھی ہیں،  
دوسرے قولؒ کی طرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ گئے ہیں۔

۱۔ یعنی صرف بقیہ طلاقیں حاصل ہوں گی، دوسرے شوہر کی وفات یا طلاق کے بعد پہلے شوہر  
سے پھر نکاح کی صورت میں۔

۲۔ یعنی دوسرے شوہر سے شادی کے بعد سابقہ شوہر کے جہالہ عقد میں آنے کے بعد  
نیا معاملہ ہوگا، یعنی تین طلاقیں ملک شوہر ہوں گی۔

# طلاق مغلط کے بعد

زوج ثانی کے تمتع کے بغیر پہلے شوہر پر عورت حلال نہیں ہو سکتی

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ رفاعہ قرظلی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض گزار ہوئیں،

”اے اللہ کے رسول رفاعہ نے مجھے طلاق دی، اس کے بعد میں

نے عبد الرحمان قرظلی سے شادی کر لی، لیکن وہ اس جیسا نہیں ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شاید تو رفاعہ کے پاس واپس جاؤ

چاہتی ہے، نہیں، جب تک تم دونوں ایک دوسرے سے تمتع (مجاہت) نہ کر لو،

سنن نسائی میں عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا، ”و عبیلہ“ سے مراد جماع ہے، اگرچہ انزال نہ ہو۔

صحیحین میں ابن عمرؓ سے مروی ہے

**حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت** کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس سے

ایک دوسرے آدمی سے شادی کرنی، دروازہ بند کر لیا، پردہ ڈال دیا، پھر قبل از جماع

اسے طلاق دے دی، آپؐ نے فرمایا یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی

جب تک دوسرا شوہر اس سے جماع نہ کر لے۔

مذکورہ بالا حکم سے مسائل متبسط | اس حکم سے کسی امور واضح ہوتے ہیں  
۱۔ عورت کا یہ قول قبول نہیں کیا جا

سکتا کہ شوہر جماع پر قادر نہیں ہے۔

۲۔ پہلے شوہر کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کی شرط اصابت زوج ثانی

ہے،

۳۔ مجرد جماع کافی ہے، انزال کی شرط نہیں۔

۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرد عقد کو، یا خلوت کو، یا دروازہ بند کر لینے

اور پردہ ڈال دینے کو کافی نہیں قرار دیا ہے، بلکہ وطی جماع ضروری قرار دی ہے۔



# بیوی کی طرف سے طلاق کا ایک گواہ

اور شوہر کا طلاق دینے سے انکار

ابن وضاح ابو مریم سے، وہ عمرو بن ابی اسلمہ سے، وہ زبیر بن محمد سے، وہ ابن جریج سے، وہ عمرو بن شعیب سے، وہ شعیب سے، وہ اپنے والد سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، اگر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے، اور ایک عادل گواہ کی شہادت پیش کرے تو شوہر سے قسم لی جائے گی کہ آیا اس نے طلاق دی ہے یا نہیں؟ اگر اس نے حلف کرے کہ انکار کیا تو گواہ کی شہادت اس کے خلاف باطل قرار دی جائے گی،

اس حکم سے چار مسائل کا استنباط | اس حکم سے چار امور واضح ہوتے ہیں۔  
۱۔ طلاق میں ایک گواہ کی شہادت

عورت کی قسم کے باوجود کوئی حیثیت نہیں رکھتی،

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ شاہد و بیعت کا معاملہ مالی معاملات سے خاص ہے، لیکر حد، نکاح، طلاق، اعتناق، اور سرقہ میں کافی نہیں ہے۔

یہ حدیث جو اوپر ذکر ہوئی، اپنے راویوں کے ثقہ ہونے کے اعتبار سے صحیح ترین حدیث ہے۔

۲۔ عورت کی طرف سے دعوائے طلاق میں شوہر سے حلف لیا جائے گا، اگر وہ اپنے دعوے کا بیٹہ نہ پیش کر سکے۔

۳۔ اگر مدعا الیہ حلف نہ لے تو پھر ایک گواہ کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے گا بلکہ امام احمدؒ تو کہتے ہیں کہ عورت صرف دعویٰ کرے کہ شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے اور کوئی گواہ نہ پیش کرے، اور شوہر حلف لینے سے انکار کر دے، تو بھی طلاق کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۴۔ شوہر کا حلف لینے سے انکار خود ایک ثبوت ہے اس کے طلاق دینے کا —!۔

---

# مسئلہ تخیر ازواج و توکیل طلاق

فقہ کا ایک بے حد اہم، نزاعی اور اختلافی مسئلہ

حضرت عائشہؓ کی روایت صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہما سے ثابت فرماتی ہیں :-

”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو تخیر کا حکم دیا، تو مجھ سے آغاز کیا، آپ نے فرمایا، میں تم سے ایک بات کا ذکر کرنے والا ہوں، لیکن تم جلد بازی سے کام نہ لینا جب تک اپنے والدین سے اجازت نہ لے لو، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ جانتے تھے میرے والدین آپ سے جدائی کا مجھے حکم نہیں دے سکتے تھے، اس کے بعد آپ نے وہ آیت پڑھی جس میں امر ہوا ہے: ”اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی جہات و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دلا کر خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دوں، اور اگر تم اللہ، اور رسول، اور دار آخرت کی مہمندی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے محسنات کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔“

میں نے عرض کیا!

کیا اس بارے میں مجھے اپنے والدین سے اجازت نہیں ہے؟

میں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں پھر دوسری ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

بھی ایسا ہی کیا جو میں نے کیا تھا، اور یہ طلاق نہیں تھی!

مسئلہ تخبیر میں لوگوں کا اختلاف دو صورتوں

میں ہے، ایک یہ کہ اس کی نوعیت کیا تھی،

## مسئلہ تخبیر میں اختلاف

اور دوسرے یہ کہ اس کا حکم کیا ہے؟

جہاں تک پہلے امر کا تعلق ہے تو جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تخبیر اس باب

میں تھی کہ ازواج کو آپ کے ساتھ رہتے اور جدائی اختیار کر لینے کا اختیار دیا گیا تھا۔

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ:

”ازواج نبی کو دنیا اور آخرت میں سے ایک چیز اختیار کر لینے کا اختیار دیا گیا

تھا، لیکن یہ اختیار طلاق سے متعلق نہ تھا،

لیکن سیاق قرآن، اور قول عائشہؓ سے مذکورہ قول درست ثابت نہیں ہوتا

بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ازواج نبی کو اختیار دیا کہ

وہ اللہ، رسول، وراثت، اور حیات و زینت دنیا میں سے جو چاہیں اختیار کر لیں،

اور بلا شک و نزاع یہ طلاق کی صورت تھی،

اب رہ جاتا ہے کہ تخبیر کا مسئلہ، اس کے بھی دو پہلو

## حکم تخبیر کے دو پہلو

ہیں، ایک حکم اختیار زوج، دوسرا حکم اختیار نفس

ان میں سے پہلی رائے پر اکابر صحابہؓ کی دو جملہ ازواج نبی متفق ہیں، یعنی ازواج

نبی میں سے جس نے آپ کو اختیار کر لیا، اس پر طلاق نہیں پڑی، اور تخبیر مجرور طور

پر طلاق نہیں ہے، حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عباس، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا

مسئلہ یہی ہے، وہ فرماتی ہیں،!

دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا، ہم نے آپ کو اختیار

کر لیا، ہم نے کبھی اسے طلاق نہیں سمجھا،!



**کیا تخبیر طلاق رجعی ہے؟** لیکن حضرت علی، زید بن ثابت، اور صحابہ کی ایک جماعت یہ رائے رکھتی ہے کہ تخبیر کے بعد اگر بیوی نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو یہ طلاق رجعی ہے، حسن کا قول بھی یہی ہے، امام احمد سے اسحاق بن منصور نے روایت کی ہے کہ اگر بیوی نے شوہر کو حق تخبیر کے بعد اختیار کر لیا تو ایک طلاق پڑ گئی، اور شوہر کو رجعت کا حق ہے، صاحب مغنی کہتے ہیں کہ اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ تخبیر گناہ ہے، جس سے مراد طلاق ہوتی ہے، اور فوراً واقع ہو جاتی ہے، جس طرح دوسرے کنایات سے فوری طور پر واقع ہو جاتی ہے۔

**تخبیر سے طلاق نہیں پڑتی** لیکن حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی ازواج کی تخبیر کے بعد اختیار فرمایا تو یہ نہیں فرمایا دو تم پر طلاق پڑ گئی، ا،، نہ رجعت فرمائی، اور حضرت عائشہ ساری امت میں سب سے زیادہ شان تخبیر سے واقف ہیں، ان سے مروی ہے کہ ”یہ طلاق نہیں تھی، ا،“ ایک اور روایت میں ہے۔ ”ہم نے اسے کبھی طلاق نہیں سمجھا، ا،“

**کیا تخبیر سے مراد تملیک مستلزم وقوع طلاق ہے؟** لیکن جو لوگ تخبیر کو طلاق رجعی مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تخبیر سے مراد تملیک ہے، اور تملیک مستلزم وقوع طلاق کو۔ یہ دعویٰ دو مقدموں پر مبنی ہے، ایک یہ کہ تخبیر تملیک ہے دوسرے یہ کہ تملیک وقوع طلاق کو مستلزم ہے۔

اور یہ دونوں مفادات غلط ہیں، تخبیر سے تملیک مراد لینا درست اور روا

نہیں ہے اور اگر ہو تو بھی اس سے وقوع طلاق کا مستلزم ہوگا اور نہ یادہ نادر سیت ہے، جب تک وہ شخص طلاق نہ دے دے جو اس کا مالک ہے نیز اگر یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے تو پھر طلاق رجعی کے بجائے یا سنہ ماننا پڑے گی، اس لیے کہ رجعی میں عورت اپنے نفس کی مالک نہیں ہوتی۔

**تختہ تملیک ہے یا توکیل؟** | فقہاء کا اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ تختہ تملیک آیا تملیک ہے یا توکیل؟ یا کچھ تملیک اور کچھ

توکیل؟ یا وہ تطبیق منجز ہے؟ یا اسے یکسر لغو قرار دیا جائے گا؟ اور اس کا کوئی اثر تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ اور تفریق واقع نہیں ہوگی، امام احمد اور مالک کا یہی مذہب ہے! ابو الخطاب نے روس و سائل میں بیان کیا ہے کہ یہ تملیک ہے جو قبول پر متوقف ہے صاحب المغنی فرماتے ہیں اگر شوہر نے بیوی سے کہا،

”امساك بیدك“ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے

اور جواب میں بیوی نے کہا، ”تہاست“ (میں نے قبول کیا)، تو کچھ واقع نہیں ہوگا، کیونکہ ”تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے“، یہ توکیل ہے، اور عورت کا جواب کہ ”میں نے قبول کیا“ قبول و کالت سے انصاف ہے، لہذا کچھ بھی واقع نہیں ہوگا، یہ ایسے ہی جیسے کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے کہدے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور جواب میں وہ کہدے میں نے قبول کیا۔

اسی طرح اگر کوئی اپنی بیوی سے کہتا ہے،  
”اختاری“ (اپنے آپ کو اختیار کر لے)

اور وہ جواب میں کہتی ہے، ”قبیلت نفسي“ (میں نے اپنے آپ کو قبول کر لیا) یا، ”اخترت نفسي“، (میں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا) تو یہ زیادہ اصح صورت ہے حنفیہ رحمہم اللہ اسے توکیل مانتے ہیں۔

حن اور صحابہ کی ایک جماعت نے اسے تطبیق مانا ہے، جس سے ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور شوہر کو رجعت کا حق ہوگا، ابن منصور نے امام احمد سے یہی روایت

کی ہے۔

اہل ظاہر اور ایک جماعت صحابہ کا خیال ہے کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، چاہے عورت اپنے نفس کو اختیار کرے یا زوج کو، وقوع طلاق میں تخبیر کچھ بھی اثر انداز نہیں ہوتی۔

**اقوال بالا کے ماخذ و مصادر** اب ہم مختصر طور پر ان اقوال کے ماخذ بیان کریں گے۔

اصحاب تملیک کہتے ہیں کہ جب عورت کی طرف بضع (فرج) کی ملکیت لوٹ اُٹے تو یہ تملیک ہے،

ایک قول یہ بھی ہے کہ توکیل مستلزم ہے اہلیت وکیل کو، یعنی وہ اپنے فرائض صحیح طور پر انجام دے سکے، اور عورت ایقاع طلاق کی اہل نہیں ہے، لہذا اگر عورت کو شوہر کی طرف سے طلاق کی وکالت سونپ دی جائے، تب بھی یہ صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وہ طلاق نہیں دے سکتی۔

لیکن جو لوگ اس توکیل کو صحیح قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں، جس طرح یہ درست ہے کہ کسی مرد کو، کسی عورت کی طلاق کا وکیل بنا دیا جائے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ عورت خود اپنی طلاق کی وکیل بنا دی جائے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس جگہ توکیل مراد لینا درست نہیں ہے، کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو اپنے موکل کے لیے تصرف کرتا ہے نہ کہ اپنے لیے اور یہاں عورت اپنے لیے تصرف کر رہی ہے، اور یہ تصرف، وکیل کے منافی ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ

طَلَقِي نَفْسَكَ (اپنے آپ کو طلاق دیدے۔)

اور پھر قسم کھائے کہ وہ طلاق نہیں دے گا، اور عورت اپنے آپ کو طلاق دے لے تو مرد حانت (حلف شکست) ہوگا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کو شوہر نے وکیل نہیں نامب بنایا تھا، اصلی طلاق دینے والا وہ خود ہے۔

کنایات طلاق میں تخییر شامل ہے؟ بعض لوگ اور انہ میں اصحاب مالک بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ شوہر نے جب بیوی سے کہا۔

امرٹ بعدٹ (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے)  
جعلت امرٹ البیٹ (میں نے تیرا معاملہ تجھے سونپ دیا)  
ملکتٹ امرٹ (میں نے تجھے تیرے معاملہ کا مالک بنا دیا)  
تو یہ تملیک ہے، اور اگر کہا۔  
اختاری (اپنے آپ کو اختیار کر لے)

تو یہ تخییر ہے،

اور تملیک و تخییر میں فرق حقیقت اور حکم کا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اختاری کہنے کی صورت میں تخییر کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، عورت اپنے نفس کی مالک نہیں ہوگی، اسے صرف دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لینے کا حق ہے، بخلاف "اساٹ" "بیڈٹ" کے کیونکہ عورت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ اس کی مالک نہ ہو۔

یہ حکم، تو اگر شوہر کہے "اساٹ بیڈٹ" اور دعویٰ کرے کہ میں نے اس سے مراد ایک طلاق لی تھی، تو بیعت کے بعد اس کا قول قبول کر لیا جائے گا، لیکن اگر وہ اختاری کہے اور عورت اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دے تو یہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اگرچہ شوہر دعویٰ کرے کہ میں نے تو ایک طلاق مراد لی تھی، یہ دعویٰ صرف اس صورت میں قبول ہوگا کہ عورت غیر مدخول بہادر جس سے جماع نہ کیا گیا ہو پھر ایک طلاق کے بارے میں اس کا قول تسلیم کر لیا جائے گا،

یہ حضرات کہتے ہیں کہ تخییر اس بات کی تقاضی ہے کہ وہ اپنے نفس کو اختیار کر لے، اور یہ بات بغیر بیعت کے حاصل نہیں ہو سکتی، لیکن اگر وہ مدخول بہا (جس سے جماع نہ کیا گیا ہو) ہوگی تو بائن نہیں ہوگی، جب تک تین طلاقیں نہ



دی جائیں، اور اگر غیر مدخول بہا ہوگی، تو ایک ہی طلاق سے بائن ہو جائے گی، بخلاف ”امساٹ بیدٹ“، کہ یہ تنجییر کا مقتضی نہیں ہے، جو شوہر اور بیوی کے مابین ہو، رتبہ تملیک امر ہے، اور یہ عام ہے تملیک اباتت کو، خواہ وہ تین طلاقیں ہوں یا ایک، عورت کو عدت اس صورت میں پوری کرنی پڑے گی، اختاری کا لفظ عام ہے، خواہ عورت ایک طلاق سے بینوت اختیار کرے یا تین سے، لیکن امساٹ بیدٹ، تملیک طلاق ثلاث کے بارے میں زیادہ صریحی اور واضح ہے،

تنجییر سے مراد طلاق منجبر ہے؟ | جو لوگ اس سے تطبیق منجبر مراد لیتے ہیں ان کے قول کا ضعف ظاہر ہے،

اور جو لوگ اسے لغو قرار دیتے ہیں، ان کے دو ماخذ ہیں، ۱۔ ”ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کا معاملہ عورتوں کے ہاتھ میں نہیں دیا ہے اسے مردوں کو سونپا ہے، اور اللہ کی شرع میں کوئی بندہ تغیر نہیں کر سکتا۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ ہم سے عبد الغفار بن داؤد نے، ان سے ابن لعبہ نے، ان سے یزید بن ابی جلیب نے بیان کیا کہ ہمیشہ ایک پارسی خاتون، محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکر کے نکاح میں تھیں، محمد نے انہیں ان کے امر کا مالک بنا دیا، انہوں نے شوہر سے تین مرتبہ کہا، ”تمہیں طلاق ہے، ۱۔“

اس پر حضرت عثمان بن عفان نے کہا۔

وہ تم نے غلطی کی، ہمیشہ پر طلاق نہیں پڑی کیونکہ عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے، اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبد اللہ بن عباس کی بھی ہے،

طاؤس کا مذہب مزح یہ ہے کہ طلاق شوہر | تملیک زوجہ ایک لغو امر ہے؟ | کے سوا کوئی نہیں دے سکتا، اور تملیک

زوجہ ایک لغو امر ہے، اسی طرح توکیل ہے، ابو محمد بن حزم کہتے ہیں ہمارے جمیع اصحاب کا بھی قول ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے طلاق کا امر، مرد کو سونپا ہے۔

عورت کو نہیں، کیونکہ وہ ناقص العقل ہیں۔ ان پر سلفہ رحمت غالب ہے، اگر طلاق کا حق انہیں دے دیا جائے تو اس میں ضرر عظیم ہے شوہروں کے لیے، لہذا خدا کی رحمت و حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ فراق اور جدائی سے متعلق کوئی معاملہ ان کے ہاتھ میں نہ دیا جائے، اور اسے صرف ازواج شوہروں تک محدود رکھا جائے اگر ازواج کو اجازت دی جائے کہ وہ اس حق کو عورتوں کی طرف منتقل کر سکیں تو یہ خدا کی رحمت و حکمت سے متناقض ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ حدیث سے حرف  
حدیث سے صرف تخبیر ثابت ہے | تخبیر ثابت ہے، پس اگر انہوں نے

اللہ، رسولؐ، اور دار آخرت کو اختیار کر لیا، جیسا کہ ہوا بھی تو وہ حسب سابق آپؐ کی بیوی رہیں۔ اور اگر وہ اپنے نفس کو اختیار کر لیتیں تو آپؐ انہیں ان کا حق دے کر خود سے طلاق دیتے، اور خوبی و خوش اسلوبی سے رخصت کر دیتے، انہیں یہ اختیار نہیں تھا کہ اپنے آپ کو اختیار کر کے طلاق دے لیں۔

اس مسئلہ میں صحابہ سے جو آثار منقول ہیں وہ باہم شدید طور پر  
آثار صحابہ | مختلف ہیں۔

۱۔ چنانچہ حضرت عمر، ابن مسعود، اور زید بن ثابت سے صحیح طور پر مروی ہے کہ انہوں نے ایک ایسے معاملہ میں کہ شوہر نے بیوی کو اس کے امر کا اختیار دے دیا تھا، اور بیوی نے تین لڑکیاں اپنے آپ کو شوہر کی طرف سے دے لی تھیں، ایک طلاق قرار دیا۔

۲۔ ایک روایت صحیحہ حضرت عثمان کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک ایسے ہی معاملہ میں فرمایا:

”جو ہونا تھا ہو گیا!“

۳۔ حضرت علی، زید، اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ تخبیر کے بعد اگر عورت نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق بائنہ پڑے گی، اور اگر شوہر

کو اختیار کر لیا، تو ایک طلاق رجعی پڑے گی۔

۴۔ بعض صحابہ سے ثابت ہے کہ بہر حال تین طلاقیں پڑیں گی،

۵۔ ابن مسعودؓ کی ایک روایت ہے کہ کچھ نہیں واقع ہوگا۔

**مروزی اور زید بن ثابت کی روایت** | ابو محمد ابن حزم کہتے ہیں صحابہ سے جو کچھ مروی ہے ہم نے بیان کر دیا، یہ

اقوال سب طرح کے ہیں، اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے۔

مروزی کی روایت ہے کہ یہ صورت تینیز ایک طلاق واقع ہوگی، اور رجعت

کا حق ہوگا۔ زید بن ثابت کی روایت ہے کہ ابو محمد نے کہا، جس نے اپنی بیوی کو حق

تینیز دیا، اور اس نے اسے اختیار کر لیا، یا طلاق اختیار کر لی، یا شوہر کو اختیار کر لیا یا

کچھ بھی نہیں اختیار کیا، یہ ساری باتیں بیکار اور لا حاصل ہیں، اس طرح نہ طلاق

پڑے گی، نہ تحریم واقع ہوگی، نہ کوئی اور حکم عمل میں آئے گا، اگرچہ تینیز کا حق بار

بار دیا جائے، اور یہ حق بار بار استعمال کیا جائے سب یکساں ہیں، حکم خدا و رسول کے

خلاف، شوہر کے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ جس چیز بیوی کو اللہ نے

صباح کیا ہے اسے حرام قرار دے لے۔

**مجرد تینیز سے طلاق واقع ہو جائے گی؟** | اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا مجرد تینیز سے طلاق واقع

ہو جائے گی؟ یا نہیں واقع ہوگی؟ اور اس اختلاف پر صفحات بالا میں کافی گفتگو

ہو چکی ہے۔

اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معاملہ مجلس کے ساتھ خاص ہے، یا ابداً

عورت کے اختیار میں ہے اس باب میں دو قول ہیں، ایک تقیید مجلس کو ضرور

قرار دینا ہے، یہ ابو حنیفہ، شافعی، اور مالک رحمہم اللہ کا قول ہے اور دوسرا یہ ہے

کہ ابداً عورت کو یہ حق حاصل ہے، یہ منذر، ابو ثور اور ایک دوسری روایت

کے مطابق امام مالک کا قول ہے۔



بیوی سے تمکین لی جائے گی؟ | اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ آیا بیوی سے تمکین لی جائے گی کہ اس نے ترک کر دیا؟ یا نہیں لی جائے گی؟ اس بارے میں دو قول فقہاء اور اثباتاً میں،

کیا شوہر کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا؟ | اس معاملہ میں بھی اختلاف ہے کہ اگر آیا شوہر جب اپنے بیوی سے

دو تو اس کی نیت کیا تھی اس بارے میں اس سے قسم لی جائے گی یا نہیں؟ احمد، شافعی، اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ نیت دیکھی جائے گی، مالک کہتے ہیں نیت کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

مضطرب اور مختلف فروع کثیرہ | بہر حال اس مسئلہ میں فروع کثیرہ ہیں، جو حد درجہ مضطرب ہیں، ان کی تائید میں

کتاب و سنت اور اجماع سے دلیل لانا مشکل ہے، بہر حال بیوی شوہر کی بیوی ہے جب تک اس کے خلاف کوئی محکم دلیل قائم نہ ہو جائے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے نکاح اور طلاق کا معاملہ عورتوں کو نہیں مردوں کو سونپا ہے، اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام بنایا ہے، عورتوں کو ان کی قوامہ نہیں بنایا ہے، کہ چاہے نورک جائے چاہے تو طلاق دے دے۔

کیا اجماع کا دعویٰ صحیح ہے؟ | جو شخص اجماع کا دعویٰ اس مسئلہ میں کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے، کیونکہ صحابہ اور

تابعین کے مابین نزاع ثابت ہے۔

حکم تجنیس میں اختلاف، اعتبار تجنیس میں اختلاف | اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے لیے نشان راہ ہیں، وہ اگرچہ حکم تجنیس میں مختلف ہیں لیکن اعتبار تجنیس



میں متفق ہیں۔ اگر شوہر جسے پورے اختیارات حاصل ہیں اس میں مصلحت دیکھنا ہے کہ حق تفویض طلاق عورت کو دیدے تو بہ دونوں کے لیے مناسب ہے اگر وہ شوہر سے محبت کرتی ہے اس کے ساتھ رہنا پسند کرے گی، اور اگر اس سے بیزار ہے تو جدائی اختیار کرے گی، یہ بیوی کی مصلحت کے مطابق ہے، اور شوہر کی مصلحت کے بھی مطابق ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو اقتضائے شرع خداوندی اور اس کی حکمت کے خلاف ہو، نیز توکیل کا حق خود بیوی کو دیا جائے یا کسی اجنبی کو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اور طلاق میں منح توکیل اجنبی کا بھی کوئی جواز نہیں ہے، اگر اس کی توکیل، نکاح، اور خلع میں صحیح ہے تو اس میں کیوں نہ ہوگی؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکمین کو حجاز بنایا ہے کہ وہ اگر زوجین کے وجوہ شفاق پر نظر ڈالنے کے بعد، مناسب سمجھیں تو تقربق کر دیں، ورنہ علی حالہ نکاح قائم رہنے دیں یہ طلاق یا فسخ نکاح، غیر زوج کی طرف سے ہے، خواہ بہ جبر و کراہ اگر یہ دونوں حکم ہوں۔

شوہر کو تفویض کا حق ہے | اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حاکم کو اس کا اختیار دیا ہے کہ بطریق نیابت بعض صورتوں میں وہ شوہر کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے، پس اگر شوہر خود ہی کسی کو وکیل بنادیتا ہے، اپنے حالات کے پیش نظر تو بہ عین مصلحت ہے، وہ اپنی مصلحت کا زیادہ شناس ہے لہذا جسے مناسب سمجھتا ہے اپنا حق تفویض کردیتا ہے پھر جب توکیل حملہ معاملات میں جائز ہے، تو اس میں کیوں غلط ہوگی؟

# خود ساختہ تحریم و تحلیل

## کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،:

**ایک آیت قرآنی**

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ

وَاللَّهُ عَفْوٌ رَحِيمٌ، قَدْ فَرَضَ اللَّهُ تَحْلَةَ أَيْمَانِكُمْ۔

یعنی اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے آپ رقم کھا کر اس کو اپنے اوپر، کیوں حرام کرتے ہیں پھر وہ بھی اپنی ازواج کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کھولنا یعنی کفارہ مقرر فرما دیا ہے۔

صحیحین سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حفرت میمونہ

**احادیث نبوی**

کے گھر میں شہید نوش فرمایا، حفرت عائشہ اور حفصہ کی جیلہ گبری

کے باعث آپ نے آئندہ اسے استعمال نہ کرنے کا عہد کر لیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق آئندہ شہید نہ استعمال کرنے کی قسم کھالی۔

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی

کو اپنے پر حرام کرنے تو یہ بیعت ہے اس کا کفارہ دینا ہوگا۔

لیث بن سعد یزید بن ابی حبیب سے، وہ عبداللہ بن جبرہ سے وہ تسمیہ بن زبیب

سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زید بن ثابت اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا، جس نے اپنی بیوی سے کہہ دیا ہو کہ تو مجھ پر حرام ہے، دونوں بزرگوں نے جواب دیا۔

”اس پر کفارہ یمین واجب ہوگا،!“

عبدالرزاق ابن ابی یحییٰ سے وہ مجاہد سے، وہ ابن مسعود سے رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تحریم کے بارے میں فرمایا، یمین یمین ہے، اور اس کا کفارہ لازم آئے گا،!“

ابن حزم کہتے ہیں ابو بکر صدیقؓ اور عائشہؓ سے بھی یہی مروی ہے، عبدالرزاق معمر سے، وہ یحییٰ بن ابی کثیر اور ایوب سنینانی سے روایت کرتے ہیں، اور یہ دونوں بزرگ عکرمہ سے، اور وہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ”تحریم کی حیثیت یمین کی ہے،!“

اس مسئلہ میں لوگوں کے متعدد مذاہب ہیں، آئندہ **مذہب متعددہ مختلفہ** | صفحات میں ہم ان کا، اور ان کے وجوہ و ماخذ کا، اور ان میں سے راجح مذہب کا ذکر کریں گے۔

۱۔ تحریم لغو ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، نہ زوجہ کے معاملہ میں نہ کسی اور معاملہ میں، یہ نہ طلاق ہے، نہ ایلاء نہ ظہار،

عبدالرزاق ثوری سے، وہ صالح بن مسلم سے، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، ”عورت کو اپنے اوپر حرام کر لینا عقل پا پوش کی برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا،!“ یہ قول اہل ظاہر کا ہے۔

۲۔ یعنی کسی حلال چیز کو قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لینا۔

تحریم سے تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں | ۲۔ زوجہ کو اپنے اوپر حرام قرار دینے سے تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔

ابن حزم کہتے ہیں علی بن ابی طالب زید بن ثابت اور ابن عمر کا مسلک یہی ہے۔ نیز حسن محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ کا قول بھی یہی ہے، لیکن مستند روایات کے مطابق یہ دونوں روایتیں صحیح اور مستند نہیں ہیں۔ بقول شعبی نہ حقت علی نے ایسا کہا نہ ابن عمر نے، حسن کے بارے میں ابو محمد کی یہ طریق فتادہ روایت ہے کہ جو حلال کو حرام کہ لیتا ہے، تو یہ یحیٰ ہے جس کا کفارہ واجب ہے۔

طلاق صرف مدخول بہا پر واقع ہوگی | ۳۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہتا ہے کہ تو مجھ پر حرام ہے، اس سے تین طلاقیں تو پڑیں گی لیکن صرف مدخول بہا پر، غیر مدخول بہا پر نہیں، اس کے بارے میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص، اپنی باندی کو، یا طعام کو، یا متاع کو حرام کہ لیتا ہے۔ اپنے اوپر تو یہ بیکار سی بات ہے، امام مالک کا مذہب یہی ہے۔

نیت کا اعتبار کیا جائے گا | اگر اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دیتے ہوئے کوئی شخص طلاق کی نیت کر لیتا ہے تو طلاق

واقع ہو جائے گی، اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور اگر کم کی نیت کی ہے تو ایک بائسہ پڑے گی، اور اگر نیت یحیٰ کی ہے تو پھر یحیٰ ہے، جس کا کفارہ لازم آئے گا۔ ۱۵ اور اگر کوئی نیت نہیں کی ہے تو



پھر یہ ایلا ہے، اس پر ایلاء کا حکم نافذ ہوگا اور اگر طعام وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، تو یہ بیکین ہے جس کا کفارہ دینا ہو گا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا مذہب یہی ہے۔

۵۔ اگر بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے والے نے

### اطلاق کی صورت میں طلاق واحدہ بائنہ

نیت طلاق کی رکھی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور جتنی طلاقیوں کی نیت واقع کی ہے اتنی ہی واقع ہوں گی، اور اگر یہ بات مطلق رکھی تھی تو پھر صرف ایک طلاق پڑے گی۔ اور اگر ظہار کی نیت کی ہے تو پھر یہ صورت ظہار کی بن جائے گی، اور اگر بیکین

بقیہ حاشیہ! ۲۔ یہ ممکن نہ ہو تو دس مسکینوں کو کھانا کھانا۔

۳۔ ورنہ ایک غلام کو آزاد کرنا۔

۲۔ ایلا

ایلا سے مراد ہے بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا۔

اس کی مدت چار ماہ ہے، اس معاملہ میں، بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے آدمی یا تو کفارہ بیکین ادا کرائے، پھر کوئی بات نہیں، ورنہ طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔

### ۱۵ ظہار

ایلا کی طرح ظہار بھی فقہ کی ایک اصطلاح ہے، اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو میری ماں ہے، یا بہن ہے، تو کوئی بات لازم نہ آئے گی، لیکن اگر شبیہ کے ساتھ کہتا ہے تو میری ماں کی طرح ہے، تو میرے لیے بہن کی سہی ہے، میرے لیے تو بیٹی کی مانند ہے، تو یہ ظہار ہے۔ (ظہار پر کفارہ لازم آتا ہے، جس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک غلام کا آزاد کرنا۔

۲۔ یا دو مہینے کی مسلسل رشتہ بن متا بعینے) روزے، اگر ایک مہینہ اور ۲۵ دن

روزے رکھ لیے، آخری نہ رکھ سکا، تو سب ضائع گئے، اب پھر سے مسلسل دو مہینے کے

روزے رکھنا ہوں گے۔ ۳۔ یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھانا۔

کی نیت کی ہے تو پھر یمن ہے، اور اگر تحریم یمن کی نیت کی ہے۔ یعنی طلاق اور اظہار کے، تو پھر کفارہ یمن سے ادا کرنا پڑے گا، اور کسی بات کی نیت نہیں کی ہے تو اس بات میں ذوقول ہیں، ایک تو یہ کہ کچھ لازم نہیں آئے گا، دوسرے یہ کہ کفارہ یمن لازم آئے گا۔

اور اگر جاریہ کا معاملہ ہو، اور نیت عتق رازدی کی ہو، تو عتق واقع ہو جائے گا، اور اگر نیت تحریم کی ہے تو کفارہ یمن لازم آئے گا، اور اگر اظہار کی نیت کی ہے تو اظہار صحیح نہیں ہوگا۔ اور کوئی چیز بھی لازم نہیں آئے گی، ایک قول یہ ہے کہ کفارہ یمن لازم،

**تحریم مرآۃ ظہار ہے** ۶۔ بیوی کو اپنے پر حرام کر لینا ظہار ہے، اور مطلق طور پر ہے، خواہ نیت کی ہو، یا نہ کی ہو، بجز اس صورت کے کہ طلاق یا یمن کی طرف تصرف کر لیا ہو، اس صورت میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا، امام احمد کا ظاہر مذہب یہی ہے اور ان سے ایک دوسری روایت ہے کہ تحریم بالا طلاق یمن سے ہے، بجز اس صورت کے ظہار یا طلاق کی طرف تصرف کر لیا ہو، پھر نیت کا اعتبار کیا جائے گا، ان سے ایک تیسری روایت ہے کہ ہر حال میں یہ تحریم ظہار ہے، اگرچہ نیت کچھ ہی کیوں نہ کی ہو، طلاق ایک واقعہ ہوگی، اور یہ بائنہ ہوگی، اگر یمن کی نیت کی ہے تو یمن ہے اور اگر کچھ نیت نہیں کی ہے، تو یہ کذب و دروغ ہے، ان سے ایک چوتھی روایت ابوالسہب کی ہے کہ یہ تحریم طلاق بائنہ ہے۔

**ہر حالت میں نیت کا اعتبار** ۷۔ اگر تحریم سے مراد تین طلاقیں ہیں تو تین طلاقیں پڑیں گی، ایک ہی ہے تو ایک پڑے گی، لیکن بائنہ اگر یمن کی نیت کی ہے تو یمن ہے اور اگر کوئی نیت نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے صرف ایک قسم کی دروغ گوئی ہے یہ سفیان ثوری کا مذہب ہے، جسے ابو محمد ابن حزم نے روایت کیا ہے۔

۸۔ عورت کو اپنے اوپر حرام کر لیتے سے ہر حال میں طلاق سے  
طلاق واحدہ بائنہ | واحد بائنہ پڑتی ہے، یہ حدیث ابی سلیمان کا مذہب

ہے۔

۹۔ اگر نیت تین طلاقوں کی ہے تو تین طلاقیں واقع  
اگر نیت نہ ہو تو بائنہ واحدہ | ہوں گی، اگر ایک کی نیت کی ہے، یا کوئی نیت  
 ہی نہیں کی ہے، تو واحدہ بائنہ پڑے گی، یہ ابراہیم کا مذہب ہے، جس کی حکایت  
 ابو محمد بن حزم نے کی ہے۔

۱۰۔ عورت کو اپنے لیے حرام قرار دے دیتے سے طلاق  
طلاق رجعی پڑے گی | رجعی پڑے گی، اس کی حکایت ابن صباغ، اور ابو بکر  
 اللثاشی نے نہری سے، انہوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔

۱۱۔ تحریم کے اعلان سے بیوی اس  
بغیر طلاق کے بیوی حرام ہو جائے گی | پر حرف حرام ہو جائے گی، لیکن ظہار  
 یا طلاق، یا یحیٰ بنے نہیں۔

ابن حزم کہتے ہیں یہ بات علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت سے  
 ثابت ہے، یہ حضرات اس فعل کو کسی کام سے موسوم نہیں کرتے نیز ابو ہریرہ وغیرہ کا مسلک  
 یہ ہے کہ یہ لوگ اس صورت میں بیوی سے مجتنب رہنے کا حکم دیتے ہیں،

۱۲۔ بارہواں مذہب توقف کا ہے، یعنی  
ایک مذہب توقف کا بھی ہے | مفتی اس صورت میں نہ بیوی کو شوہر پر  
 حرام کرنے کا، جیسا کہ شعبی نے علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے، حضرت علی کا قول  
 ہے،

”اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے والے شخص پر  
 اس کی بیوی کو نہ حرام قرار دے سکتے ہیں نہ حلال، وہ خود  
 جو مناسب سمجھے کرے،“

**تحریم منجز اور تحریم معلق** ۱۳۔ تحریم منجز بہر حال ظہار ہے، اگرچہ نیت طلاق کی ہو، اور تحریم معلق یحیٰی ہے جس کا کفارہ

لازم ہے، مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا۔

”تو مجھ پر حرام ہے!“

یا کہا، ”جب رمضان کا مہینہ شروع ہو جائے پھر تو مجھ پر حرام ہے!“، تو بہر ظہار

ہے۔

اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا۔

”اگر تو نے سفر کیا،!“

یا ”اگر تو نے یہ بات منہ سے نکالی،!“

یا ”اگر تو نے فلاں شخص سے بات کی،“

پھر تو مجھ پر حرام ہے!“

یہ یحیٰی مکفرہ ہے، یعنی ایسی یحیٰی جس کا کفارہ لازم آئے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

لہٰذا ظہار کا مسئلہ، عوام میں ایک نہایت خطرناک چیز بن گیا ہے، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے

ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہہ دے تو بہری ماں کی طرح ہے، تو اس سے طلاق واقع

ہو جاتی ہے۔ اور میاں بیوی میں تفریق واقع ہو جاتی ہے، حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں

ہے، اس طرح کے الفاظ کہہ دینے سے طلاق نہیں پڑتی، ہاں اگر آدمی کفارہ نہ ادا کرے،

اور مدت معینہ گزر جائے تب طلاق بے شک پڑ جاتی ہے۔



# مسئلہ تحریم زوج سے متعلق

مختلف مذاہب و مسالک کے دلائل و براہین

**قول تحریم کی لغویت کا ثبوت** | جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے والے شخص کا قول باطل ہے

اور لغو ہے۔ وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بندے کو حق تحریم دیا ہے۔ نہ حق تحلیل۔ یہ حق خدا کا ہے۔ کسی چیز کا حرام و حلال کرنا اس کے ہاتھ میں ہے بندے کے ہاتھ نہیں۔ فرماتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السُّنْتُكَمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۔

یعنی جن چیزوں کے بارے میں تمہارا محض بھڑا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے!

اسی طرح فرمایا یا ایہا النبی لہم تحرموا حلل اللہ لک ————— یعنی اے

نبی اللہ نے جو چیز حلال کر دی ہے تم اسے حرام کیوں کرتے ہو؟  
پس جب خدا اپنے رسولؐ کو یہ حق نہیں دیتا کہ اللہ نے جو کچھ حلال کر دیا ہے اسے حرام کر دے۔ پھر کسی دوسرے کو یہ حق تحریم کس طرح دے سکتا ہے؟

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے -

”جو شخص ایسا کام کرتا ہے جو ہمارے حکم کے خلاف سے وہ رد ہے!“

پس خود ساختہ تحریم بھی رد ہوگی، اور اسے باطل قرار دیا جائے گا۔

نیز تجلیل حرام - اور تحریم حلال کے مابین کوئی فرق نہیں ہے، دونوں لغو اور بے اثر ہیں۔ اسی طرح عورت اور کھانے کو حرام قرار دے لینے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، یہ بھی لغو اور بے اثر ہیں۔

علاوہ انہیں مرد کا عورت سے یہ کہہ دینا کہ ”تو مجھ پر حرام ہے تو اس سے باتو انشاء تحریم مراد ہوگی، یا اخبار کہ وہ حرام ہے۔ انشاء تحریم محال ہے کیونکہ یہ کسی شخص کا حق نہیں ہے۔ یہ اسی کا حق ہے جو حلال کو حلال کرتا، اور حرام کو حرام کرتا ہے، اور احکام کو مشروع کرتا ہے۔ اور اگر مراد اخبار سے تو یہ جھوٹ ہے، پس خبر کا ذب اور انشاء باطل دونوں لغو اور بے اثر ہیں۔

اور جو لوگ تحریم مرآۃ کو ہر حالت میں  
**تحریم کو تین طلاق ماننے کی دلیل**  
تین طلاق مانتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے تحریم کو طلاق ثلاث کا کنا یہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحابہ نے خلیہ اور برہہ کے معاملہ میں تین طلاق کا فتویٰ دیا تھا۔

جو لوگ اس تحریم کو مدخول  
**تحریم کو مدخول بہائک محدود رکھنے کا سبب**  
بہائک محدود رکھتے ہیں

اور طلاق واحد بائنہ غیر مدخول بہا کے لیے مانتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ مدخول بہا تین طلاقوں کے بغیر حرام نہیں ہو سکتی، اور غیر مدخول بہا طلاق واحد سے حرام ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ طلاقیں اگر دے دی جائیں تو وہ بوازم تحریم ہیں سے نہیں ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ مدخول بہا بھی شوہر کی ایک طلاق سے بائنہ ہو سکتی ہے، تو جواب یہ ہے کہ یہ ابانت عقیدے، بخلاف تحریم کے کہ وہ ابانت مطلق ہے، اور ابانت مطلق طلاق ثلاث کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

**تحریم کو طلاق واحد بائنہ ماننے کی دلیل** | جو لوگ تحریم کو طلاق واحد بائنہ

حق میں تقسیم کرتے ہیں ان کے قول کا ماخذ یہ ہے کہ عدد سے بحث بیکار ہے  
شوہر نے جب بیوی سے کہا کہ :  
میں نے تجھے طلاق بائنہ دی ہے

تو اسے رجعت کا حق حاصل ہے ، وہ خود ہی اس حق کو ساقط کر دے تو بے  
شک حق رجعت ساقط ہو جائے گا۔ اب اگر وہ ساقط کر دے ، اور بائن ہو جائے  
تو ایسا کر سکتا ہے ۔

**تحریم کو طلاق واحد رجعیہ ماننے کا ماخذ** | جو لوگ تحریم کو طلاق واحد

رجعیہ ماننے ہیں ۔ ان کا ماخذ یہ  
ہے کہ تعلق انتقاع ملک کو مفید ہے ، اور یہ بات ایک طلاق سے حاصل ہو جاتی  
ہے ، کیونکہ تحریم (اعم) زیادہ عام ہے ۔ تحریم رجعیہ یا تحریم بائنہ سے ۔ اگر چاہو  
تو کہہ سکتے ہو کہ اعم مستلزم اخص نہیں ہوتا ، یا یوں کہو کہ اخص لوازم اعم میں  
سے نہیں ہے ۔

**تحریم کو ارادے اور نیت پر منحصر رکھنے کا ماخذ** | یہ قول کہ معاملہ ارادے

طلاق وجہی ، یا محرم ، یا بکیت کا ارادہ تحریم سے ابا سے ، جو حسب ارادہ امر ظہور میں  
آئے گا ، اس قول کا ماخذ یہ ہے کہ یہ لفظ انتقاع طلاق کے لیے خاص طور پر وضع  
نہیں کیا گیا ہے ۔ یہ طلاق ، ظہار ، ایلاء ، سب کو مختل ہے ۔ اگر نیت کا تصرف ان  
میں سے کسی ایک کی طرف ہو گا تو وہی واقع ہو گا ، اس سے مستحاض و نہ نہیں ہو گا ،  
نہ اس سے کم ہو گا ۔ چنانچہ اگر اس سے باندی کی آزادی مراد لی تو وہ آزاد ہو جائے  
گی ، یا اگر ایلاء کی نیت کی تو وہ لازم آجائے گا ۔ عرض وہی لازم آئے گا ، جس کی  
نیت کی گئی ہوگی ۔ اور اگر تحریم بکیت کی نیت کی ، تو نفس کا لزوم واقع ہو گا ۔

یہ ایک طرح کی یحییٰ ہوگی جس کا کفارہ دینا ہوگا۔

نیز یہ لفظ انشا اور اخبار دونوں کو متحمل ہے، اگر مراد اخبار ہے تو یہ سر عمل آئے گا، اور قبول کر لیا جائے گا، اور اگر ارادہ انشا کا ہے، تو سبب حرمت دریافت کیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا میری مراد تین طلاقیں سے تھی، یا ایک سے تھی، یا دو سے تھی تو صلاحیت لفظ کے باعث اس کی بات قبول کر لی جائے گی اس طرح اگر ظہار کی نیت کی تھی تو وہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ اور اگر تحریم مطلق مراد کی تھی تو وہ یحییٰ مکرہ ہے۔ یعنی اس پر یحییٰ حسب کفارہ لازم آئے گا۔

**تحریم کو ظہار ماننے کے وجود** | اور جو لوگ اسے ظہار قرار دیتے ہیں بایں صورت کہ مراد طلاق نہ لی گئی ہو، تو ان کے

قول کا ماخذ یہ ہے کہ یہ لفظ تحریم کے لیے ہے، اور یہ قول منکر و دروغ ہے کیونکہ بندے کو تحریم و تحلیل کا اختیار نہیں ہے۔ وہ صرف انشاء اسباب کا مالک ہے جو مرتب ہو کر رہیں گے۔ پس اگر وہ اس چیز کو حرام کر لیتا ہے اپنے اوپر جسے خدا نے حلال کیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دراصل ظہار کرتا ہے۔

**ظہار اور طلاق کی نیت و نفاذ** | اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نیت طلاق کے باوجود لفظ تحریم سے مراد ظہار لیا

جائے گا، تو اس قول کے ماخذ کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ پس اگر وہ طلاق بھی مراد لیتا ہو تو ایسی چیز کی نیت کرتا ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے باطل کر دیا ہے۔ اس کی یہ نیت حکم شرع پر متحمل نہیں ہے، لہذا یہ نیت اللہ تعالیٰ کے حکم مستقر کے تغیر پر موثر نہیں ہوگی۔ اس صورت میں کفارہ ظہار لازم آئے گا، جبکہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے، ایک مرتبہ انہوں نے اس تحریم کو ظہار قرار دیا اور ایک مرتبہ یحییٰ۔



**تحریم کو یحیٰ بنے مکفرہ قرار دینے کا سبب** | اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تحریم ہر حالت میں یحیٰ بنے مکفرہ ہے۔

ان کے قول کا ماخذ یہ ہے کہ طعام، شراب لباس جیسے حلال کی تحریم یحیٰ بنے ہے جس کا کفارہ لازم آئے گا۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ نے اس مسئلہ کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

تحریم زوہر یحیٰ بنے ہے، اس کا کفارہ وہ ہے جو ظہار کا کفارہ ہے، اور یحیٰ بنے صغریٰ اس کے علاوہ دوسرے امور میں۔ ان کا کفارہ صرف کفارہ یحیٰ بنے ہے۔

**کفارہ یحیٰ بنے لازم اور ثابت ہے** | اور جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو شخص زوہر

کے علاوہ دوسری چیزیں از قبیل طعام و شراب و لباس، کینز، اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، تو یہ حرمت واقع نہیں ہوتی۔ اس پر کفارہ یحیٰ بنے لازم آئے گا۔ جمہور کا قول یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ تحریم مقید واقع ہو جائے گی۔

جس کا ازالہ کفارہ یحیٰ بنے سے ہو گا، جیسا کہ تحریم زوہر کے بارے میں ظاہر ہے کہ جب تک یہ لفظ کہنے کے بعد کفارہ نہ ادا کر دیا جائے اس سے مجامعت اور تمتع جائز نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ، و تعالیٰ نے اس کا حل کفارہ ہی قرار دیا ہے، کیونکہ جو شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے وہ بمنزلہ حلف کے ہے کہ اب وہ اسے استعمال نہیں کرے گا، اور جو شخص ایسی قسم کھاتا ہے اس کے لیے تنک حرمت مخلوف جس کے بارے میں قسم کھائی جائے، اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ کفارہ نہ دے لے۔ کفارہ ادا کرنے کے بعد فعل مخلوف پر اس کا اقدام جائز ہو گا۔ اور اگر اس نے ترک کفارہ کا عزم کیا تو شارع اس کے لیے اپنے حلف کے خلاف اقدام کو جائز نہیں رکھتا۔ یہ اجازت اس وقت ہوگی جب کفارہ ادا کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بندے کی آسانی ملحوظ رکھتا ہے اس لیے

شرط کفارہ کے ساتھ اس نے حنث (حلف شکنی) کو جائز قرار دیا ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ کفارہ جب تک ادا نہ کر دیا جائے۔ اس کا حلف تحریم برسر عمل رہے گا۔ یہ مسئلہ مفردات امام ابو حنیفہؒ میں نہیں ہے، بلکہ امام احمد کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی ہے، خلاصہ کلام یہ کہ تحریم ثابت ہے اگر کفارہ کا التزام نہ کیا جائے، اور اگر التزام کیا جائے تو پھر تحریم مستمر نہیں رہتی۔

**تحریم یحین ہے جس کا کفارہ واجب ہے** | تحریم یحین ہے۔ اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے یہ قول

صحیح اور سوا مالک و شافعی کے فقہائے راے و حدیث کا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کا قول ہے کہ اس طرح کی تحریم پر کفارہ واجب نہیں ہے، لیکن یہ بات ظاہر الامتناع ہے کیونکہ تحریم ہتک حرمت شرع کو متضمن ہے، کیونکہ شرع نے جسے حلال کیا ہے مکلف اسے حرام کر لیتا ہے۔ یہ تحریم ہتک حکم شریعت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حنث (حلف شکنی) یا جائز ہے یا واجب اور مستحب ہے، حالانکہ اللہ نے اسے کسی کے لیے جائز نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا کفارہ مقرر کیا ہے، حدیث نبویؐ ہے کہ جو قسم کھائے، اور بھلائی قسم پر عمل نہ کرتے ہیں، تو وہ کفارہ یحین دے کر مخلوف پر عمل کر سکتا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ کفارہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم کا حل کفارہ ہے۔

# الحقی باھلک

اس لفظ سے طلاق پڑتی ہے یا نہیں

**کعب بن مالک کا واقعہ** | صحیحین سے ثابت ہے کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ کے پیامبر نے یہ حکم پہنچایا کہ اپنی بیوی سے الگ رہیں، تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا، **دو الحقی باھلک**، اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ، اے

اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے، کہ دو الحقی باھلک، کہنے سے عورت پر طلاق پڑتی ہے، یا نہیں؟

ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ طلاق نہیں ہے، ان الفاظ کے کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، خواہ طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو، یہ اہل ظاہر کا قول ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو واقعہ انبتہ الجون کا بیان کیا جاتا ہے وہ نکاح کا نہیں پیام نکاح کا ہے۔

۱۰ یہ جہاد میں غفلت سے بچھڑ گئے تھے، لہذا تعزیراً ان سے مقاطعہ کا حکم دیا گیا تھا۔

**جمہور فقہاء کا مسلک** | اور جمہور جن میں ائمہ اربعہ وغیرہ بھی شامل ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کی نیت ہو تو یہ الفاظ طلاق کے بن جائیں گے اور وہ واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق ائمہ المجون سے آپ نے نکاح کیا تھا۔

**ابن عباس کی روایت** | ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث قصہ اسماعیل میں صریح ہے، وہ کہتے ہیں یہ لفظ ان الفاظ میں ہے جو جاہلیت اور اسلام میں طلاق کے لیے بولے جاتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی انہیں علی حالہ قائم رکھا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے طلاق کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے لیے کوئی لفظ معین نہیں کیا ہے، اس نے یہ بات لوگوں کے عرف پر چھوڑ دی، جو لفظ عربی طور پر لفظ طلاق کا حامل ہو گا اس سے بشرط نیت طلاق پڑ جائے گی۔ پس اگر شوہر نے مقصد و ارادے کے ساتھ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جو معنی طلاق پر دال ہو تو اس پر طلاق کا لفظ مرتب ہو جائے گا، چنانچہ بلخی، ترکی، ہندی اپنی زبان میں اس طرح کا لفظ استعمال کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن ان عجیبوں میں اگر کوئی شخص بزبان عربی صریح طلاق دیدے، لیکن عربی کا نہ جانتا ہو، اور ان الفاظ کے مفہوم سے لاعلم ہو تو قطعاً طلاق نہیں پڑے گی۔ اور کچھ لازم نہیں آئے گا، کیونکہ اس کے منہ سے وہ الفاظ نکلے ہیں جن کا مفہوم اسے نہیں معلوم، نہ اس کا یہ مقصد تھا، چنانچہ حدیث کعب بن مالک بھی اس بات پر دال ہے کہ ان الفاظ اور اس طرح کے الفاظ سے طلاق نہیں پڑتی، بجز اس کے کہ نیت طلاق ہو،



قرآن کے الفاظ سے استدلال | بہت سے صریحی لفظ بعض اقوام میں بطور کنایہ ! اور بعض کنایہ کے الفاظ

بعض اقوام میں بطور صریح استعمال ہوتے ہیں، یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقام اور ایک زمانہ میں کوئی لفظ صریح ہوتا ہے بعد کو کسی زمانہ اور کسی مقام میں کنایہ بن جاتا ہے،

لفظ، "سراج" را کرنا رخصت کرنا، کسی زمانہ میں بھی کنایہ طلاق کے طور پر استعمال نہیں ہوں لہذا اس لفظ سے نیت اور عدم نیت کسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، جو اسے شرعی اور عرفی طور پر مانتا ہے اس کا دعویٰ باطل ہے، عملی طور پر بھی اور شرعی طور پر بھی، عملی طور پر یوں کہ کبھی کسی نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال نہیں کیا، اور شرعی طور پر یوں کہ شرع نے اسے غیر طلاق کے موقع پر استعمال کیا ہے، مثلاً:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ وَمِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عَدْلَةٍ تَعْتَدُونَهَا - فَمَتَّعُوهُنَّ ۖ أُسْرَحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيعًا -

یعنی: اے مسلمانو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں جس کا شمار کرنے لگو، انہیں کچھ مال دیدو، اور خوبی کے ساتھ رخصت کردو، اسی طرح فراق کا لفظ بھی ہے، شرع نے اسے بھی غیر طلاق کے لیے استعمال کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتِ الْمَرْءَ فَلْيَطْوَهِنَّ لَعَدَّتْهُنَّ - فَإِذَا بَلَغَ أَجَلَهُنَّ فَاْمَسْكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَادِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ -

یعنی: اے نبی کہہ دیجئے جب تم لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انہیں زمانہ عدت رطہر، میں طلاق دو — پھر جب وہ مطلقہ عورتیں

اپنی عدت گزارنے کے قریب پہنچ جائیں تو تا عدے کے مطابق روک لویا خوبی سے  
رخصت کر دو،

یہاں امساک سے مراد رجعت ہے، اور مفارقت سے مراد ترک رجعت  
نہ کہ طلاق ثانی کا انشاء اور اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے،



# مسئلہ ظہار

ظہار طلاق ہے یا قابل کفارہ معصیت؟

آیہ قرآنی | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے -

الذین یظاہرون منکم من نساءہم ما هن امہاتھم ان امہاتھم  
الاولیٰ ولدھم وانھم لیقولون منکم امن القول وزدوا وان اللہ لعفو غفور،  
والذین یظاہرون من نساءہم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان  
یتما سائرکم تو عظون بہ واللہ بما تعملون خبیر ممن لم یجدھا قسیام شہرین  
متتابعین من قبل ان یتما ساء من لم یستطع فاطعام سین مسکینا ذلک لترموا  
باللہ ورسولہ وتلك حدود اللہ وللكافرين عذاب الیم -

یعنی! تم میں جو لوگ ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں  
ہیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ  
ایک نامعقول اور رچونکہ جھوٹ بات کہتے ہیں اس لیے گناہ ضرور ہوگا اور  
یقیناً خدا معاف کرنے اور بخش دینے والا ہے، اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار  
کرتے ہیں پھر اس سے اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ  
ظہار سے مراد یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو، ماں کی طرح، کہہ دے، مثلاً رانت منی کظہر امی  
یہ ایک فقہی مسئلہ ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے -

ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں۔ اس طرح تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے، پھر جس کو غلام یا لونڈی (میسٹر نہ ہو تو اس کے ذمہ لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں، قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں، پھر اس سے یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاتا ہے، یہ حکم اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ اور رسولؐ پر ایمان لے آؤ، اور یہ ہیں حدیں اللہ تعالیٰ کی اور کافروں کے لیے سخت دردناک عذاب ہو گا۔

**خولہ بنت مالک کا واقعہ** | سنن اور مسانید سے ثابت ہے کہ اوس بن صامت نے اپنی بیوی خولہ بنت مالک بن ثعلبہ سے ظہار کیا، خولہ اس باب میں رسول اللہ سے الجھ پڑیں، اور رجب آپؐ سے حسب دل خواہ جواب نہ پایا، تو اللہ سے فریاد کی، اللہ نے ہفت آسمان کی بلندی سے یہ فریاد سنی، خولہ نے کہا،

اے اللہ کے رسول اوس بن صامت نے جب مجھ سے شادی کی تھی تو میں ایک نوجوان اور خوب رُوعورت تھی، اور اب کہ میری عمر ڈھل گئی ہے، اور میرا پیٹ پھیل گیا ہے اس نے مجھے اپنی ماں کی طرح بنادیا ہے، (ظہار کر لیا ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ بنت مالک کی یہ بات سنکر ارشاد فرمایا،!

”دو تمہارے معاملہ میں میرے پاس کچھ نہیں ہے، اے“

۱۰ بعثت نبوی سے قبل ظہار ایسی طلاق مانی جاتی تھی جو تحریم ابدی کی حامل تھی، یعنی پھر کبھی اور کسی صورت میں اس سے شادی نہیں ہو سکتی تھی۔

خولہ جب آپؐ کے پاس آئیں تو چونکہ اینٹک قرآن نے اس بارے میں کوئی حکم نازل نہیں فرمایا تھا، لہذا اسے عرف عام قرار دے کر آپؐ نے بحال رکھا، اور فیصلہ صادر فرمایا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا لیکن خدا نے سن لی، اور حکم ظہار نازل فرمادیا۔



خولہ نے کہا،

اے اللہ میں تجھ سے فریاد کرتی ہوں، اے

ایک روایت یہ ہے کہ خولہ نے کہا،

”میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر اس انہیں لے لیتا ہے تو یہ ضائع ہوں

گے، اور اگر میں لے لیتی ہوں تو بھوکے رہیں گے۔“

اس پر قرآن کی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں خولہ بنت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں گھر کے ایک گوشے میں بیٹھی تھی۔

بعض باتیں سن پائی، بعض سننے میں نہ آئیں، کہ اللہ عزوجل کی وحی آئی۔

قد سمع اللہ قول التي تجارلك في زوجها وتشتكي الى الله والله يسمع تحاور

كما ان الله سميع بصير۔

یعنی! بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی، جو آپ سے اپنے

شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی، اور اپنے رنج و غم کی اللہ تعالیٰ سے شکایت

کرتی تھی، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اور اللہ (تو) سب کچھ

سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی

ادائے کفارہ میں مدد

اللہ علیہ وسلم نے خولہ سے فرمایا،

”تیرے شوہر کو چاہیے کہ ایک غلام یا باندی کو آزاد کرے (بطور کفارہ کے)

خولہ نے کہا، ”اس کے پاس نوٹری غلام آزاد کرنے کی طاقت کہاں؟

آپ نے فرمایا، اچھا تو پھر لگاتار (بطور کفارہ کے) دو مہینے کے روزے رکھے!

خولہ نے عرض کیا، وہ تو ایک بوڑھا شخص ہے، لگاتار دو مہینے کے روزے

کیسے رکھ سکتا ہے؟“

آپؐ نے ارشاد فرمایا،

”دو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے،“

وہ کہتے لگی، اس کے پاس ہے کیا، جو وہ مسکینوں کو کھانا کھلائے؟

آپؐ نے فرمایا، ”اچھا ایک میں اس کی مدد کرتا ہوں، کھجوروں کی ایک تھیلی دے

دیتا ہوں،“

خولہ نے عرض کیا، ”میں اسی طرح کی مدد ایک تھیلی کھجور کی دے کر، کردوں گی!“

آپؐ نے فرمایا، ”دو شاباش، بس وہی ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو،“ اور اپنے

ابن علم، لاؤس بن صامت، شوہر، کے پاس واپس چلی جاؤ،“

سنن میں ہے کہ سلمہ بن صحرا البیاضی نے  
سلمہ بن صحرا البیاضی کا واقعہ  
 اپنی بیوی سے مدت ماہ رمضان میں ظہار

کیا، پھر ایک رات یہ مہینہ ختم ہونے (اور کفارہ دینے) سے پہلے ہی جماع کر لیا،  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا،

”اے سلمہ کیا تم نے یہ کیا ہے؟“

سلمہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا،

”یا رسول اللہ، میں نے دو مرتبہ ایسا کیا ہے، اور اب میں امر الہی کا منتظر

ہوں،“ فرمائیے اللہ تعالیٰ کا حکم اس باب میں کیا ہے؟“

آپؐ نے فرمایا،

ایک غلام یا ایک لونڈی آزاد کر دے۔

سلمہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا۔

”اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بنی بنا کر مبعوث کیا ہے میرے

پاس ”گردن“ (غلام) کے سوا کوئی اور نہیں ہے، پھر میں نے اپنی گردن پر ہاتھ

مارا۔

آپؐ نے فرمایا، ”اچھا تو پھر دو مہینے کے لگاتار روز سے رکھو،“ یا پھر ساٹھ

مسکینوں کو کھجور بھی کھلا دو، میں نے عرض کیا،  
 ”اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، ہمارے پاس  
 کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے،“  
 آپ نے فرمایا، تم بنی زریق کے صاحب صدقہ کے پاس جاؤ، وہ تمہیں دے  
 دے گا، پھر اس سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو، اور جو باقی بچے وہ تم کھاؤ، اور اپنا  
 عیال کو کھلا دو۔

سلمہ کہتے ہیں میں اپنی قوم کے پاس واپس گیا، اور میں نے کہا،  
 ”تم سے میں نے تنگی اور سوڑے پائے، اور رسول اللہؐ کے پاس وسعت  
 اور حسن رائے دیکھی،“

یہ مسئلہ چند احکام کو متضمن  
**احکام متضمنہ مسئلہ**  
 ہے،

**۱۔ ابطال طلاق** | جاہلیت اور صدر اسلام کے اس رواج کا ابطال کہ ظہار طلاق  
 ابدی ہے اگر اس سے طلاق کی نیت ابدی ہو تو بھی طلاق نہیں  
 پڑے گی ظہاری مراد لیا جائے گا، اس پر سب کا اتفاق ہے، اگر کوئی اختلاف ہے  
 بھی تو وہ شاذ ہے، احمد اور شافعی رحمہما اللہ اور دو سروں کا مسلک یہی ہے۔  
 امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر ظہار سے مراد لے تو بھی طلاق نہیں پڑے گی، اسی طرح اگر  
 طلاق دی، اور نیت ظہار کی رکھی تو طلاق پڑ جائے گی،  
 امام احمد کے نزدیک اگر شوہر نے بیوی سے کہا،  
 انت کظہر اھی ر تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔

اور اس سے مراد طلاق ہی، تو یہ طلاق نہیں ظہار ہے، کیونکہ ظہار جاہلیت میں  
 طلاق تھی، جسے اسلام نے منسوخ کر دیا، پھر ایک منسوخ حکم کی طرف اعادہ کس طرح  
 جائز ہو سکتا ہے۔

**۲۔ ظہار فعل منہی عنہ ہے** | اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب ظہار کو حرام کر دیا ہے اور اس سے روک دیا ہے، تو اب اگر کوئی اس کی طرف عود کرتا ہے تو فعل منہی عنہ کی طرف عود کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔  
 عسیٰ ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا۔ یعنی اگر تم نے گناہ کی طرف عود کیا، تو ہم عقوبت کی طرف عود کریں گے،

**۳۔ وجہ کفارہ عود کی صورت میں** | جمہور کا قول ہے کہ وجہ کفارہ صرف عود کی صورت میں ہے، جو ظہار کے بعد ہو، لیکن عود کے معنی میں اختلاف ہے، کہ آیا اس سے مراد اعادہ لفظ ظہار ہے کیونکہ زبان عرب میں عود اسے کہتے ہیں جو دوسری بار ہو، اسی طرح قول خدا ہے۔ وانے عدم عذاب، یعنی اگر تم نے گناہ کی تکرار کی تو ہم عقوبت کی تکرار کریں گے پس اس سے مراد دوسری مرتبہ کا ارتکاب ہے، اور اس کے علاوہ کی تکرار لفظ خواہ امساک ہو، یا عزم، یا فعل، تو ان میں سے کوئی چیز بھی ظہار کی طرف عود نہیں قرار دی جاسکتی،

**۴۔ عود سے مراد کیا ہے** | جو لوگ عود کو ایسا امر قرار دیتے ہیں جو اعادہ لفظ امساک ہے، بعد ظہار ہے یا کوئی امر دیگر۔

ایک گروہ کا کہنا ہے وہ امساک زبانی ہے جو قول طلاق تک وسیع ہے اور چونکہ ظہار سے طلاق نہیں ہوتی لہذا کفارہ لازم آئے، امام شافعیؒ کا یہی قول ہے، لیکن سنا زبانی کا کہنا ہے۔ کہ لفظ ظہار کے بغیر کفارہ لازم نہیں آئے گا، اور لفظ طلاق غیر مؤثر ہوگا! "بجا" بھی، اور نفیاً بھی۔

**۵۔ امر ورائے امساک** | اور جو لوگ اسے امر ورائے امساک مانتے ہیں وہ بھی باہم مختلف رائے ہیں، امام مالکؒ کی چار روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے اور ابو عبیدہؒ اسے عزم و طمے



قرار دیتے ہیں، قاضی ابویلی کا قول بھی یہی ہے لیکن امام احمدؒ اس کے خلاف ہیں امام مالکؒ کہتے ہیں، اگر ظہار اور طلاق کو، کوئی شخص جمع کر دے تو کفارہ لازم آئے گا پھر اس قول کے اصحاب اس میں بھی مختلف ہیں کہ اگر میاں بیوی میں سے کو ایک مر جائے یا عزم کے بعد، اور وطی سے پہلے طلاق دے، تو کیا کفارہ اس پر مستقر ہے گا،

امام مالکؒ اور ابوالخطابؒ کہتے ہیں، اس پر کفارہ مستقر ہے گا؟  
قاضی اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کفارہ مستقر نہیں ہوگا،

**۶۔ کفارہ ظہار مجبور سے بھی ساقط نہیں ہوگا** | اگر کوئی شخص ادا کرنے سے عاجز ہو تو کفارہ

ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی مدد کی، اور اس کی بیوی نے بھی مدد کی، مگر کفارہ سے خلاصی نہیں ہوئی، اسی طرح آپؐ نے سلمہ بن صخر سے صدقہ کی رقم سے کفارہ دلوایا، اگر یہ ساقط ہو سکتا، تو آپؐ ایسا نہ کرتے، لیکن ایک گروہ کا خیال ہے کہ عجز کی صورت میں کفارہ ساقط ہو جائے گا، جیسے واجبات بہ صورت عجز ساقط ہو جاتے ہیں۔

ایک اور گروہ کا خیال ہے کہ کفارہ رمضان ساقط ہو جائے گا، دوسرے کفارات ساقط نہیں ہوں گے، اسے ابوالبرکات امنیؒ نے بھی صحیح قرار دیا ہے،

اور سنن اس امر پر دال ہے کہ اگر آدمی عسرت کے باعث کفارہ نہ ادا کر سکے اور کوئی دوسرا اس کی طرف سے دیدے تو یہ کفارہ خود اس شخص پر جس پر کفارہ واجب ہے، بھی صرف کیا جاسکتا ہے، اور اس کے اہل و عیال پر بھی صرف کیا جاسکتا ہے۔

**۷۔ ادائے کفارہ سے قبل حجامت جائز نہیں** | منظر ظاہر کرنے والا، جب تک کفارہ نہ دے

لے بیوی سے مجامعت نہیں کر سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دامن قبل ان تیما سا، فرمایا ہے۔

۸۔ کھانا کھلانے کی مقدار معین نہیں | اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اطعام مسکین کا ذکر مطلق طور پر کیا ہے، کوئی

مقدار کھانے کی معین نہیں کی ہے، اس کا اقتضایہ ہے کہ چاہے اناج کھلائے، یا کھجور، جائز ہے، امر الہی کا امتثال ہو جائے گا، جمہور کا قول یہی ہے۔  
ساتھ مسکینوں کو کھانا چاہے ایک ساتھ کھلایا جائے، یا متفرق طور پر، دونوں صورتیں یکساں ہیں،

۹۔ ساتھ کی تعداد پوری کرنا لازمی ہے | ساتھ مسکینوں کا عدد پورا کرنا لازمی ہے اگر ایک ہی

آدمی کو ساتھ دن تک کھلایا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ جمہور کا مسلک یہی ہے۔  
ایک مذہب یہ ہے کہ واجب ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، خواہ ایک ہی آدمی کو ساتھ دن تک کھلایا جائے یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

ایک فقیر مذہب یہ ہے کہ اگر ایک سے زیادہ مسکین دستیاب ہو سکیں تو پھر ایک ہی کو کھلانا جائز نہیں ہے، — اور یہی تمام اقوال میں صحیح تر قول ہے۔

۱۰۔ کفارہ ظہار کے مستحق صرف مسکین ہیں | کفارہ ظہار کا مستحق مسکین کے علاوہ کوئی

اور نہیں ہے، اس میں فقراء بھی داخل ہیں جیسے فقراء میں مسکین شامل ہیں۔

ہمارے اصحاب نے اسے عام قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں، جو اپنی ضرورت و احتیاج کے باعث زکوٰۃ لے سکتا ہے، وہ اس کفارہ ظہار میں بھی شریک ہو سکتا ہے، زکوٰۃ چار قسم کے آدمیوں کو دی جاسکتی ہے، فقراء مسکین مسافر، اور قرضدار، اور مکاتب،

لیکن ظاہر قرآن سے مساکین کا اختصاص ثابت ہوتا ہے، لہذا، ان کے علاوہ کسی اور کو شریک نہ کرنا چاہیے۔

**۱۱۔ کافر غلام بھی آزاد کیا جاسکتا ہے** | غلام آزاد کرنے کا ذکر اللہ نے مطلق طور پر کیا ہے، ایمان کی شرط نہیں رکھی ہے، البتہ کفارہ قتل میں یہ شرط رکھی ہے۔

غیر کفارہ قتل میں اشراط ایمان کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ مالکؒ احمدؒ شرط ایمان لگاتے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہؒ شرط ایمان نہیں لگاتے، جو لوگ عدم اشراط ایمان کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں اگر یہ شرط ہوتی تو خدا نے اس کا ذکر کر دیا ہوتا، جس طرح کفارہ قتل میں کر دیا ہے، اس جگہ اس نے مطلق رکھا ہے، لہذا مطلق طور پر عمل کیا جائے گا، حنفیہ کہتے ہیں اشراط ایمان نص پر زیادتی ہے، جو شیخ ہے، اور قرآن کا کوئی حکم صرف قرآن، یا خیر متواتر ہی سے منسوخ ہو سکتا ہے،

جو اشراط ایمان کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں جس طرح اللہ نے زکوٰۃ مسکین مسکین پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، مشرکین پر نہیں، اسی طرح اللہ نے جو صدقا فرض کیے ہیں وہ بھی مسلمان کے سوا کسی پر خرچ نہیں کیے جاسکتے،

**۱۲۔ غلاموں کی تنصیف کب جائز ہے؟** | اگر دو غلاموں کو اُدھا اُدھا آزاد کر دیا، تو ایک غلام

کا آزاد کرنا نہیں ہوگا۔

لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ اگر اُدھا اُدھا غلام آزاد کرنے سے دو غلاموں کی حریت مکمل ہو جاتی ہے تو یہ جائز ہے، ورنہ نہیں،

**۱۳۔ خلاف ورزی سے کفارہ مضاعف نہیں ہوتا** | کفارہ ادا کرنے سے جماعت کر لینے سے

کفارہ ساقط نہیں ہو جاتا نہ دو گنا ہو جاتا ہے، بلکہ علی حالہ قائم رہتا ہے، جیسا کہ حکم

رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، حدیث بن دنیا کہتے ہیں میں نے ظاہرِ ظہار کرنے والا  
 کے بارے میں فقہا سے پوچھا کہ اگر وہ کفارہ دینے سے پہلے جماعت کر لے تو کیا  
 حکم ہے؟ سب نے یہی جواب دیا کہ ایک ہی کفارہ دینا پڑے گا، اور یہ جواب  
 دینے والے حسن، ابن سیرین، مسروق، بکر، خنساء عطاء، طاؤس، مجاہد، عکرمہ  
 اور نافع تھے۔

ائمہ اربعہ کا قول بھی یہی ہے۔





# مسئلہ ایلاء

بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کے اثرات و نتائج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاء | صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی ازواج سے ایلاء فرمایا۔

آپ ۲۹ دن تک بالا خانہ پر مقیم رہے۔ اس کے بعد نیچے واپس تشریف لائے  
لوگوں نے پوچھا:

کیا آپ نے ایک مہینہ ایلاء فرمایا؟

آپ نے فرمایا ”مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔“

ایلاء کے بارے میں آیت قرآنی | جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں  
ان کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِلَّذِينَ يُولُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرِيصًا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَأَنْفَاقًا اللَّهُ غَفُورٌ

الرَّحِيمُ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

یعنی، جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے سے ان کے  
کے لیے چار مہینہ تک مہلت ہے، سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر بیوی کی طرف)

رجوع کر لیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا رجم کرے گا، اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

ان روئے لغت ایلا کے معنی یہ ہیں کہ بکینے  
ایلاء کے معنی از روئے لغت | کے ساتھ کسی چیز سے امتناع، اور شرع کے عرف میں زوجہ سے عدم مباشرت کی قسم کھا لینا ہے۔

ایلاء کا حکم | اللہ سبحانہ، و تعالیٰ نے شوہروں کے لیے چار مہینہ کی مدت رکھی ہے کہ اس عرصہ میں وہ ایلا کے باعث بیویوں سے رُکے رہ سکتے ہیں۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد یا رجوع کر لیا جائے یا طلاق دے دی جائے۔

حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ایلا حالت غضب میں ہوتا ہے، حالت رضامندی میں نہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ اپنی ازواج کے ساتھ پیش آیا تھا۔

آیت بالا سے احکام مستنبط | اس آیت سے جو احکام مستنبط ہوتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جو چار مہینے سے کم کی مدت کے لیے ترک مباشرت کی قسم کھائے گا وہ مولیٰ (ایلا کرتے والا) نہیں ہوگا، جمہور کا قول یہی ہے ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ ایلا چار مہینے سے کم کی مدت کا بھی ہو سکتا ہے۔

ایک اور حکم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکم ایلا اس وقت تک ثابت نہیں ہوگا جب تک حلف چار ماہ سے زیادہ کا نہ ہو، پس اگر مدت امتناع چار ماہ ہو گئی تو حکم ایلا ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مدت رکھی ہے وہ چار ماہ کی ہے۔ اس کے ختم ہونے کے بعد ہی رجوع باطلاق کی اجازت ہے۔ جمہور کا قول یہی ہے، جن میں احمدؒ، شافعیؒ، اور مالکؒ بھی شامل ہیں۔ لیکن ابو حنیفہؒ مولیٰ (ایلا کرنے والے) کے لیے چار ماہ کی مدت رکھتے ہیں۔ اس قول

بناءً اس اصل پر ہے کہ مدت معینہ کا اختتام ہی وقوع طلاق کی مدت ہے۔ اور  
جمہور اس مدت کو استحقاق مطالبہ کی مدت تسلیم کرتے ہیں۔

**صحابہ تابعین اور تبع تابعین کا اختلاف** | یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں  
سلف..... صحابہ تابعین  
تبع تابعین۔ کا اختلاف ہے۔

سہلی بن ابی صالح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول  
اللہ میں سے بارہ اصحاب سے مولیٰ رایلا کرنے والے ا کے بارے میں استفسار  
کیا۔ ان سب نے جواب دیا۔

ووجب تک چار مہینے نہ گزر جائیں اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی!

جمہور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کا قول یہی ہے۔

ابن مسعود اور نہید بن ثابت رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کی مدت گزر جائے  
اور شوہر رجوع نہ کرے، تو یہ مدت ختم ہوتے ہی طلاق پڑ جائے گی، تابعین  
کی ایک جماعت کا قول یہی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے  
سے پہلے مطالبہ کا حق ہے۔ اگر شوہر نے رجوع کر لیا، تو ٹھیک ورنہ مدت ختم  
ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔

جمہور کے نزدیک مدت ختم ہونے سے پہلے مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے  
بعد شوہر سے کہا جائے گا یا رجوع کرو۔ یا طلاق دو، اگر اس نے رجوع نہیں کیا تو  
اسے ایقانہ طلاق پر مجبور کیا جائے گا یا حکم حاکم سے، یا وہ اس وقت تک قید  
رکھا جائے گا جب تک طلاق نہ دے دے۔

**آیہ ایلان سے متعلق دس دلیلیں** | قول جمہور یہ ہے کہ آیہ ایلان سے متعلق  
ہمارے پاس دس دلیلیں ہیں۔

۱۔ ایلا کی اضافت شوہروں کی طرف ہے، جو مطالبہ رجوع یا طلاق کب؟ رضا کارانہ ہے جبری نہیں۔ لہذا مطالبہ رجوع

یا طلاق مدت کے اندر نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ختم ہونے کے بعد کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

رجوع مدت کے بعد فان فاؤ فان الله غفور رحيم یعنی اگر وہ رجوع کر لیں

تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

اس میں اللہ نے فیئیت (رجوع) کا ذکر مدت کے بعد کیا ہے، کیونکہ آیت میں ”ف“ تعقیب کی ہے، اور یہ بعد مدت کی مقتضی ہے۔ اور اس کے مثال یہ ہے کہ الطلاق متافا مساک بمعروف او تسریح باحسان“ تو اس امساک اور تسریح کا تعلق قطعاً بعد طلاق سے ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

عزم کیا ہے؟ وان عزموا الطلاق اور عزم وہ ہے جو عازم کسی

فعل کا کرے، اگر کہا جائے کہ ترک فیئیت (رجوع) عزم طلاق ہے، تو کہا جائے گا کہ عزم وہ ارادہ بجا نہم ہے۔ جو معزوم علیہ کے ترک و اختیار سے متعلق ہوتا ہے، اور تم مجھ کو انقضائے مدت سے طلاق واقع کیسے دیتے ہو۔ اگرچہ اس کا عزم نہ ہو نہ مباشرت کا نہ ترک کا، بلکہ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ اگر آدمی عزم فیئیت (رجوع) کرے، لیکن مجامعت نہ کرے تو بھی تمہارے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ مدت گزر گئی، لہذا آیت تمہارے خلاف حجت ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آیہ ایلا میں طلاق و فیئیت (رجوع)

تخیر بہت امر بہت میں سے کسی ایک کا اختیار دیا ہے۔ اور تخیر بہت امر بہت

کفارات کی طرح ایک حالت میں نہیں ہو سکتی، اور اگر اس کی دو حالتیں مانی جائیں گی، تو پھر ترتیب لازم آئے گی نہ کہ تخیر، اور جب یہ ثابت ہو گیا تو تمہارے نزدیک فیئیت (رجوع) نفس مدت ہے۔ اور عزم طلاق انقضائے مدت، لہذا



اتخیر حال واحد میں تو بہر حال نہ ہوئی۔

۵۔ اگر یہ کہا جائے کہ شوہر کو اختیار ہے کہ مدت ترک رجوع طلاق نہیں کے اندر رجوع کرے۔ یا اسی اثنا میں ترک فلیت

(رجوع) کرے، تو مدت گزرنے کے بعد وہ عازم طلاق تصور کیا جائے گا، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ترک فلیت عزم طلاق نہیں ہے۔ انقضائے مدت کے بعد وہ تمہارے نزدیک عزم طلاق ہے۔ پھر عزم طلاق اور فلیت کے مابین تخیر کیسے ہوئی؟ کیونکہ مدت گزرنے کے ساتھ تمہارے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور پھر فلیت ممکن نہ ہوگی۔ اور مدت میں فلیت ممکن ہے، لیکن یہ عزم طلاق کا وقت نہیں ہے۔

۶۔ تخیر بین امرین اس کی مقتضی ہے کہ آدمی دونوں میں سے ایک کو اختیار کر لے اور دوسرے کو ترک

کر دے، ورنہ حکم خیار باطل ہو جائے گا اور بہ مدت سے ہی ہو سکتا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد، "وان عزموا طلاق

طلاق قولی ہوئی چاہیے" فان الله سمیع علیم۔ اس کا مقتضی ہے کہ طلاق

قولی ہو۔

۸۔ کوئی شخص اپنے مدت گزرنے کے بعد وفا اور جس کی صورت قرضدار سے کہتا ہے۔

، تمہیں چار ماہ کی مہلت ہے اگر تم نے ادا کر دیا تو میں قبول کروں گا اور نہیں ادا کیا تو قید کروں گا۔

اس قول کا مقتضا یہ ہے کہ وفا اور جنس مدت گزرنے کے بعد ہوں۔ نہ کہ مدت

کے اندر، اور مخاطب اس قول سے یہی مراد لینے پر مجبور ہے۔

۹۔ اگر یہ کہا جائے کہ کوئی آدمی کہتا ہے۔

فسخ بیع کی مثال تمہیں نہیں دن کا اختیار ہے کہ بیع فسخ کر دو، ورنہ یہ

تم پر لازم ہو جائے گی۔

گویا فسخ بیع تبین دن کے اندر ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد نہیں۔

لیکن یہی دلیل سب سے زیادہ قوی دلیل تمہارے خلاف پڑتی ہے کیونکہ موجب عقد لزوم ہے۔ اور بائع نے خیابار کی مدت تبین دن رکھی ہے۔ یہ مدت ختم ہو جانے پر اگر مشتری بیع فسخ نہیں کرتا تو عقد (معاہدہ) قائم رہتا ہے، یعنی بیع لازم آجائے گی۔ ایسا ہی معاملہ زوجہ کا ہے۔ زوجے پر اس کا حق مباشرت ہے جیسے شوہر کا بیوی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولہن مثل الذی علیہن بالمعروف تو گویا شارع نے چار ماہ کا امتناع رکھا ہے نہ کہ حق زوجہ اس مدت کے گزرنے کے بعد، بیوی بموجب عقد اپنے حق پر واپس آجائے گی اور مطالبہ ہے نہ کہ وقوع طلاق۔

تر بلس، رجوع، طلاق | (۱۰) اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مولین (ابلا کرنے والوں) کے لیے ایک چیز رکھی ہے، اور ان کے خلاف دو چیزیں رکھی ہیں، جو چیز ان کے لیے رکھی ہے وہ ہے تر بلس (اختطار) مدت مذکورہ، اور جو ان کے خلاف ہے، وہ ہے رجوع یا طلاق، اور تمہارے نزدیک فیئت (رجوع) کے سوا کچھ لازم نہیں ہے۔ اور یہ خلاف نص ہے۔



# مسئلہ لعان

لعان کی نوعیت و کیفیت اور حکم لعان کی شان نزول

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

**لعان کے بارے میں قرآنی آیات** | والذین یرمون ازواجہم ولم یکن لہم

شہداء الا انفسہم، فشہادۃ احدہم اربع شہادات باللہ ۱ نہ لمن  
الصادقین والخامسة ان لعنة الله عليه ۲ ان كان من الکاذبین ویدروا  
عنہا العذاب ان لشہد اربع شہادات باللہ ۲ نہ من الکاذبین والخامسة  
ان غضب الله علیہا ۳ ان كان من الصادقین

یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر (بدکاری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس (یعنی) گواہ نہیں  
ہیں سو خود اپنے آپ کے، تو ان میں سے ہر ایک خدا کی قسم کھا کر شہادت دے گا کہ وہ سچا ہے اور  
پانچویں بار شہادت دے گا کہ اگر جھوٹا ہے تو اس پر خدا کی لعنت، اور بیوی پر سے سزا ساقط ہو  
جائے گی۔ اگر چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر شہادت دے گی اس کا شوہر جھوٹا ہے، اور پانچویں مرتبہ شہادت  
دے گی کہ اس پر خدا کا غضب نازل ہوا اگر شوہر ہی ہو۔

**عوبیر الجملانی اور ان کی بیوی کا قصہ** | صحیحین میں حدیث سہل بن سعد  
سے ثابت ہے کہ عوبیر الجملانی نے

عاصم بن عدی سے کہا، اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی (غیر) آدمی کو  
(ملوث) پائے تو کیا اسے قتل کر دے؟ لیکن وہ بھی قتل کر دیا جائے گا۔ پھر وہ  
کیا کرے؟ میری طرف سے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو،  
انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے اس سوال

سے کراہت محسوس فرمائی اور اسے برانا، عاصم نے جو کچھ آپ سے سنا وہ انہیں گراں گزرا۔ آخر خود عومیر نے آپ سے یہ سوال کیا آپ نے فرمایا، تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں حکم الہی نازل ہو چکا ہے، جاؤ اسے لے آؤ۔ پھر ان دونوں (میاں بیوی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک دوسرے پر لعنت کی اس کے بعد عومیر نے کہا:

یا رسول اللہ اگر میں اسے روک لوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹ بولا۔

اس کے بعد تین طلاقیں قبل اس کے کہ آپ حکم دیتے دے دیں۔

سہل کہتے ہیں عومیر کی بیوی حاملہ تھی، اس کا بیٹا ماں کی طرف منسوب ہوا۔ پھر توبہ اصول بن گیا کہ اس طرح کی صورت میں، ماں بیٹے کی وارث بن جاتی، اور بیٹا ماں کا وارث بن جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔

اس روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ عومیر اور ان کی بیوی نے مسجد میں ایک دوسرے پر لعنت کی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ان دونوں کے مابین تفریق ہو گئی۔

اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ عومیر کی بیوی حاملہ تھی، مگر عومیر نے اس حمل کو اپنا ماننے سے انکار کیا۔

لعان سے پہلے وعظ و تذکیر اور پند و نصیحت | صحیح مسلم میں ابن عمر کی حدیث ہے کہ

فلاں بن فلاں نے کہا:

”یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو فحش فعل کا مرتکب پائے تو کیا کرے؟“

اگر اس بات کا چرچا کرتا ہے۔ ایک امر عظیم نہ بان پر لانا ہے۔ اگر خاموش رہتا ہے تو ایسی رشتہ مناک بات پر خاموش رہتا ہے۔



نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ اور کوئی جواب نہیں دیا۔  
اس کے بعد وہ شخص پھر آپ کے پاس آیا، اور عرض گزار ہوا کہ جو سوال میں نے  
آپ سے کیا تھا وہ خود میرا جراثیم ہے۔  
چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ نور میں مذکورہ آیات نازل فرمائیں.....

والذین یرمون ازواجہم  
آپ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں، اور اس شخص کو پند و نصیحت کی، اور فرمایا، عذاب  
دینا عذاب آخرت سے آسان ہے۔ اس نے کہا۔  
اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا ہے، میں اپنی بیوی  
پر جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔  
اس کے بعد آپ نے اس کی بیوی کو طلب فرمایا، اور پند و نصیحت کے بعد فرمایا:  
عذاب دینا عذاب آخرت سے آسان ہے،  
وہ کہنے لگی، نہیں اس ہستی کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے،  
یہ شخص جھوٹا ہے۔

پھر کارروائی کا آغاز مرد سے ہوا، اس نے خدا کی قسم کھا کر چار مرتبہ کہا کہ وہ سچ  
بول رہا ہے اور پانچویں مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اس پر خدا کی لعنت ہو اگر وہ  
جھوٹ بول رہا ہو۔  
پھر عورت کی باری آئی، اس نے چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہا کہ وہ جھوٹا ہے۔ اور پانچویں  
مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اس پر خدا کا غضب نازل ہو اگر وہ سچا ہو۔  
اس کے بعد آپ نے دونوں میں تفریق کر دی۔

لعان کے بعد شوہر بیوی سے کچھ واپس نہیں لے سکتا کہ رسول اللہ  
صحیحین میں ہے

صلی اللہ علیہ وسلم نے متلانیوں (لعنت والوں) سے ارشاد فرمایا:  
”وتمہارا حساب خدا کے حوالے ہے (قطعاً) تم میں سے ایک جھوٹا ہے (بہر حال)“

اب تو عورت پر کوئی داعیہ نہیں رکھتا۔ اس نے عرض کیا،  
”یا رسول اللہ اور میرا مال؟“

آپؐ نے فرمایا۔

”دو تیرا مال کیسا؟ اگر تو سچا ہے تو اب تک تو نے اس سے جو تمتع کیا ہے، وہ اس سے  
کا صلہ ٹھہرا۔ اور اگر تو جھوٹا ہے تو وہ عورت زیادہ بعید ہے تیرے لیے!“

پچھ ماں کے حوالہ کیا جائے گا | ایک اور روایت ہے کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم میں ایک شخص نے لعان کیا۔ آپؐ  
نے ان دونوں میں تفریق کرادی۔ اور پچھ کو ماں کے ساتھ ملحق کر دیا۔

لعان والی عورت کو متہم کرنے والے مستحق سزا ہیں | ابی داؤد کی روایت  
ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں میں تفریق کرادی، اور فیصلہ صادر فرمایا  
کہ پچھ اب باپ کی نسبت سے نہ پکارا جائے۔ اور نہ عورت متہم کی جائے، نہ پچھ،  
اور اگر کوئی عورت کو یا پچھ کو متہم کرے تو اس پر حد جاری کی جائے۔

نیز آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اب عورت کو شوہر کی طرف سے نفقہ اور سکنی کا حق  
نہیں ہے کیونکہ دونوں میں بغیر طلاق اور وفات کے تفریق ہوئی ہے، عکرمہ کہتے  
ہیں یہ رط کا بعد ہیں مصر کا امیر بنا اور اسے باپ سے منسوب نہیں کیا گیا۔

ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کا واقعہ لعان | بخاری نے ذکر کیا ہے کہ فلاں  
ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی

پر بدکاری کی، تہمت شریک بن سحار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے  
لگائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

”وہ نہ حد (مزا)!“

ہلال نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میں سے اگر کوئی اپنی بیوی کو کسی مرد کے

ساتھ الودہ دیکھے تو کیا وہ ثبوت (گواہ) تلاش کرنے چلا جائے گا؟  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر یہی فرماتے رہے کہ یا ثبوت لاؤ ورنہ تم پر حد جاری ہوگی۔

ہلال نے کہا ”اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں سچا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل کرے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بچالے گا۔“

اتنے میں جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے، اور یہ آیت نازل ہوئی۔

والذین یرمون ازواجہم  
سعد بن عبادہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو صحیحین میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے کہا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو (ملوث) دیکھے تو کیا وہ اسے قتل کر سکتا ہے؟  
آپ نے فرمایا، نہیں۔“

سعد نے کہا، بلکہ ضرور، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین سے) فرمایا،

”سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟“

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے عرض کیا۔  
یا رسول اللہ اگر میں اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ الودہ دیکھ لوں، تو اسے مہلت دوں یہاں تک کہ چار گواہ (تلاش کر کے) لے آؤں؟

آپ نے جواب دیا، ”ہاں، ہاں۔“

سعد نے کہا ”ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں تو رگواہ لانے سے پہلے فیصلہ کر دوں تلوار سے؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا: ”سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟ اے شک وہ غیور ہے، لیکن میں اس سے زیادہ غیرتمند ہوں۔ اور اللہ مجھ سے زیادہ باغیرت ہے!“

ایک اور روایت میں ہے کہ سعد نے کہا: ”اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو الودہ دیکھ لوں تو میں تلوار سے اس کا خاتمہ کر دوں!“

”کیا تمہیں سعد کی غیرت پر تعجب ہے؟ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں۔ اور اللہ مجھ سے زیادہ باغیرت ہے!“

---



# مسئلہ لعان سے متضمن

احکام و مسائل عدیدہ و مختلفہ!

کیا لعان غیر مسلموں کے لیے بھی ہے؟ | اس حکم نبوی سے متعدد احکام  
مستفاد ہوتے ہیں، جو ذیل  
میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ یہ کہ لعان ہر طرح کے زوہجین کے لیے صحیح ہے، عام اس سے کہ وہ مسلمان  
ہوں یا کافر، عادل ہوں یا فاسق، ان پر حد قذف جاری ہو چکی ہو، یا نہ ہوئی  
ہو، یا ان میں سے کسی ایک پر اس طرح کا ماجرہ لگے ہو۔

امام احمد جمیع ازواج میں اس اصول کو کار فرما تسلیم کرتے ہیں، مرد حر، حرہ  
سے، اور باندی سے اگر وہ زوجہ ہو لعان کر سکتا ہے، مسلمان، یہودیہ اور  
نصرانیہ سے لعان کر سکتا ہے، اگر وہ زوجہ ہو، امام مالک اور اسحاق کا قول یہی  
ہے، سعید بن المسیب، اور حسن اور ربیعہ اور سلیمان بن لبسار کا مسلک بھی  
یہی ہے۔

حضرات اہل الرائے اور ازرائع ثوری، اور ایک پوری جماعت اس کے  
قائل ہے کہ لعان صرف مسلمان میاں بیوی کے مابین ہو سکتا ہے، جو،

: عادل ہوں ،

: آزاد ہوں ،

: ان پر حد قذف جاری نہ ہوئی ہو ،

امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے ،

ان مرد اقوال کا ماخذ یہ ہے کہ لعان میں دو اوصاف کا جمع ہونا ضروری ہے ، یعنی یحیونے اور شہادت اللہ تبارک وتعالیٰ اسے شہادت کہتا ہے ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، یحیونے ، فرماتے ہیں ، اس لیے کہ یہ اللہ کی قسم کی محتاج ہے نیز اس میں مذکر و مؤنث مساوی ہیں بخلاف شہادت کے اگر یہ حرف شہادت ہوتی تو تکرار لفظ کی ضرورت نہ ہوتی تو برعکس یحیونے کے کہ اس میں تکرار ضروری ہے ۔

ایک دوسری جماعت کا کہنا ہے ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

امور سے گمانہ

والذین یرمون ازواجہم ولہن شہدان اعداۃ النفس  
فشہادۃ احدہما ربعة شہادات باللہ

اس آیت سے یقین بائیس معلوم ہوتی ہیں ،

الف ، لعان کرنے والوں کو خدا نے دوسرے گواہوں سے مستثنیٰ کر دیا

ہے ، یہ استثناء متصل قطعی ہے ، اسی لیے مرفوعاً آیا ہے ۔

ب ، اس بات کی ضرورت کہ التئان بجائے خود شہادت ہے ،

ج ، التئان شہود کا بدل اور قائم مقام ہے ، اگر وہ دستیاب نہ ہو سکیں ،

ان کا کہنا ہے کہ عمرو بن شعیب نے اپنے

عمرو بن شعیب کی روایت

والد سے ، انہوں نے اپنے والد سے روایت

کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

” دو غلاموں ، اور دو کافروں کے ما بینے لعان نہیں ہو سکتی ، ! “

ابو عمرو بن عبد البر نے ، التمہید ، میں اس کا ذکر کیا ہے دارقطنی نے اسی

سلسلہ سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ چار شخص ایسے ہیں جن کے مابینے لعان نہیں،

(الف) مرد حر اور باندی کے مابینے لعان نہیں،

(ب) حرہ اور غلام کے مابینے لعان نہیں۔

(ج) مرد مسلم اور یہودیہ کے مابینے لعان نہیں۔

(د) مرد مسلم اور نصرانیہ کے مابینے لعان نہیں۔

عبدالرزاق نے اپنی ”مصنف“ ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو وصیت کی کہ چار کے مابینے لعان نہیں ہے، اور مذکورہ چار بیان کیے۔

یہ کہتے ہیں چونکہ لعان بدل ہے شہادت کا، اور قائم مقام ہے شہادت کا، اگر گواہ

دستیاب نہ ہوں تو اس سے وہی چیز صحیح ثابت ہوگی، جو شہادت سے ثابت ہوتی ہے، لہذا اگر شوہر لعان کرتا ہے اور عورت نہیں کرتی تو اس پر حد جاری ہوگی، کیونکہ اب شوہر کا لعان چار شہادتوں کا درجہ پائے گا، نیز یہ کہ شریعت کا قاعدہ مستقر یہ ہے کہ بیئہ (ثبوت) مدعی پر ہے اور عین مدعا علیہ پر، اور یہاں شوہر مدعی ہے، لہذا اس کا لعان شہادت ہے، اگر عین ہوتا تو اس کا آغاز مرد کی طرف سے نہ ہوتا،

لیکن دوسرے لوگ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ شہادت درحقیقت بعین ہی ہے، کوئی شخص اگر کہتا ہے ”اسے“، تو گواہ سے شہادت کہتے ہیں لیکن حقیقتہً بعین ہی ہے، خواہ نیت بعین کی ہو یا مطلق طور پر بولا گیا ہو عرب اہل زبان لغت میں سچیم ہی تسلیم کرتے ہیں۔

لہذا اس شہادت سے بعین منعقد ہوتی ہے، جیسا کہ امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک سے ثابت ہے۔

بہر حال صحیح بات یہ ہے کہ لعان دو و صفوں کا جامع ہوتا ہے، ایک شہادت کا دوسرے یحین کا، یہ شہادت مؤکد ہوتی ہے قسم اور تکرار سے، اور یحین مغلط ہوتی ہے، لفظ شہادت، اور تکرار سے، لہذا تاکید میں دس انواع کا اعتبار ملحوظ ہوتا ہے۔

(الف) ذکر لفظ شہادت،

(ب) ذکر قسم، خدا کے ناموں میں سے کسی ایک نام کے ساتھ، اور جس ایک لفظ میں اسماء حسنی جمع ہیں، وہ ”اللہ“ ہے،  
(ج) تاکید جواب۔

(د) تکرار لفظ شہادت (یحین چار مرتبہ، اور پانچویں مرتبہ اپنے لیے ید دعا، اور لحتت، جھوٹا ہونے کی صورت میں۔

(ه) پانچویں قسم کے وقت یہ خبر کہ یہ عذاب الہی کی موجب ہے اور عذاب دینا، عذاب آخرت سے آسان ہوتا ہے۔

(و) شوہر کے لعان کا مقتضائے حصول عذاب ہونا عورت پر، جو یا تو حد ہو گی یا مجلس (قید) اور عورت کے لعان کا اس کے اوپر سے حد اور قید کا ساقط کر دینا۔

(ز) لعان کا دونوں میں سے کسی ایک پر، موجب عذاب ہونا، خواہ دینا میں، خواہ آخرت میں۔

(ح) لعان کرنے والوں میں تفریق، اور خانگی زندگی کی ویرانی دینا ہی۔

(ط) دونوں کے مابین دوام تحریم،

توجب لعان کا جالی اور اہمیت یہ ہے کہ  
یحین و شہادت لازم و ملزوم | یحین کو شہادت کے ساتھ مقرون کر دیا،

اور شہادت کو یحین کے ساتھ مقرون کر دیا، اور ملتصق کے قول کو شاہد کے قول کا درجہ دیدیا، اور اگر عورت لعان سے الکار کرے تو شوہر کی شہادت مرتبہ،



قبول حاصل کر لے گی، اور عورت پر حد جاری کی جائے گی، اور مرد کی بیعت و شہادت سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں، خود اس کے اوپر سے سقوط حد، اور عورت پر حد کا وجوب اور اگر عورت نے بھی جواب میں لعان کیا، اور شوہر کے لعان سے معارضہ کیا، تو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ شوہر پر سے حد ساقط ہو جائے گی، بجائے اس کے کہ عورت پر حد جاری ہو، پس یہ شہادت اور بیعت، اگر بیعت محض ہوتی تو عورت پر حد جاری نہ ہوتی، اور اگر صرف شہادت ہوتی، تو اکیلے شوہر کی شہادت کی بنا پر عورت پر حد جاری نہ ہوتی، لیکن ان دونوں میں اگر عورت کا انکار یا پس و پیش ختم ہو جائے تو شوہر کے حق میں شہادت و بیعت زیادہ قوی ہو جائے گی، کیونکہ عورت کا پس و پیش

بظاہر شوہر کے صدق کی دلیل ہے، لہذا شوہر سے حد ساقط ہو جائے گی، اور عورت پر حد جاری ہو جائے گی، اور یہ بہترین حکم ہے، پس ظاہر ہوا کہ یہ لعان، بیعت ہے، جس میں شہادت کے معنی شامل ہیں، اور شہادت ہے جو بیعت کے معنی پر مشتمل ہے۔

ایک حدیث کی تصنیف | رہی حدیث عمرو بن شعیب، تو اگرچہ عروہ بن مسعود کی سند صحیح ہے، لیکن عروہ تک پہنچنے میں بہت سی گھاٹیاں اور میداں ہیں ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کے علاوہ اس سلسلہ میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس سے احتجاج کیا جاسکے۔

رہی حدیث عبدالرزاق، تو ظاہر ہے کہ مراسیل زہری ضعیف ہیں ان سے احتجاج درست نہیں۔

اور غناب بن اسید کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے، اور کہ میں نہ کوئی یہودی نہ نصرانی تھا، پھر آپ کس طرح و صیئت ان کے بارے

میں فرما سکتے تھے، ان کے مابین لعان ناجائز ہے۔

## شریعت کا قاعدہ مستقرہ

اور یہ قول کہ شریعت کا قاعدہ مستقرہ یہ ہے کہ شہادت مدعی کی جانب ہوتی ہے اور ہمیں مدعا علیہ کی جانب، تو اس کا جواب کسی طرح سے دیا جاسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ شریعت نے یہ امر شہادت میں نہیں بلکہ تسامت میں مستقر کیا ہے، شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ ہمیں اقویٰ جہت کی طرف ہوتی ہے، تسامت میں مدعی کا پہلو زیادہ قوی ہوتا ہے لہذا ہمیں اس کی جانب ہوتی ہے، اور اگر ہمیں ایک ہی جانب دائمی طور پر شروع ہوتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جانب راجح کی قوت رخصت ہو جاتی، اور حکمت شارع مجروح ہو جاتی، لہذا اس معاملہ میں شوہر کی جانب ہمیں کار کھنا عورت کے مقابلہ میں زیادہ قوی اور با حکمت طریقہ ہے کیونکہ شوہر کو اپنی ہتک حرمت اور افساد فراش سے کوئی غرض وابستہ نہیں ہو سکتی، نہ اپنی بیوی کو فجور سے وابستہ کرنے میں اس کا کوئی مقصد ہو سکتا ہے بلکہ یہ چیز تو اس کے لیے حدود و جنبہ تکلیف وہ اور تشویش انگیز ہو سکتی ہے، اور اگر اس کی طرف عورت کا لعان سے الکار شامل کر دیا جائے تو معاملہ اور زیادہ صاف اور قوی ہو جائے، خواص کے دل میں بھی اور عوام کے دل میں بھی، اور عورت پر حکم زنا شرعاً ثابت ہو جائے گا، لہذا شوہر کے لعان کی بنا پر اس پر حد جاری کی جائے گی، لیکن اگر اس کی قسم شہادت اربعہ کے درجہ میں نہ ہوتی تو عورت دوسری قسم سے اس سے متعارض ہوتی، اور نہ اساقط ہو جاتی۔

## اب ایک سوال اور اگر عورت لعان سے الکار کرے تو حد جاری ہوگی؟

پیدا ہوتا ہے یہ کہ عورت اگر جواب میں لعان کرنے سے الکار کر دے تو آیا اس پر فوراً حد جاری کی جائے گی، یا اسے اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک اقرار جرم نہ کرے؟ یا لعان پر آمادہ نہ ہو جائے؟

اس باب میں فقہاء کے اقوال ہیں!

شافعی اور سلف و خلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ عورت پر حد جاری کی جائے گی، اہل مجاز کا قول بھی یہی ہے، امام احمد کہتے ہیں قید رکھی جائے گی، یہاں تک کہ جرم کا اقرار کر لے یا لعان پر آمادہ ہو جائے، اہل عراق کا قول بھی یہی ہے، امام احمد سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ عورت قید نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

اہل عراق اور ان کے ہم نوا اصحاب کا قول ہے کہ اگر لعان اہل بینہ (ثبوت) مان لیا جائے تو عورت پر حد جاری ہوگی، جس کا استقاط جو الی لعان سے نہیں ہو سکتا، نہ تکذیب بینہ سے ہو سکتا ہے کیونکہ گویا اس کے خلاف چار شہادتیں گزر گئیں، حالانکہ اگر شوہر اپنے علاوہ تین گواہ پیش کر دے تب بھی حد جاری نہیں ہوگی، پھر اس اکیلے کی شہادت پر حد جاری نہ ہونا تو اور نہ بادہ اولیٰ و احسریٰ ہے۔

**حد جاری نہ ہونے کا ایک اور سبب** | اور حد اس لیے بھی جاری نہیں ہوگی کہ شوہر دو تلاعن کرنے

والوں میں سے ایک ہے، لہذا دوسرے پر حد جاری نہیں ہو سکتی، جس طرح عورت کے لعان پر شوہر پر حد نہیں جاری ہو سکتی۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بینہ مدعی پر ہے، اور لایب شوہر مدعی ہے۔

نیز لعان شوہر خود اس کے اوپر سے حد ساقط کر دیتا ہے لیکن عورت پر وجوب حد کا مستلزم نہیں ہوتا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایک موقع پر فرمایا:

”ثبوت لاؤ، ورنہ تم پر حد جاری ہوگی!“ کیونکہ شوہر کا قذف (بدکاری کی تہمت) بھی اجنبی کے قذف کی طرح ہوتا ہے۔ اور وہ حد ہے، اس سے



بچاؤ کی صورت اللہ نے لعان رکھی ہے، اور عورت پر اقامت کے لیے دوام ضروری ہیں، چار گواہ، یا اعتراف گناہ، اس میں لعان شامل نہیں ہے، کیونکہ لعان سے زنا ثابت ہوتی ہے، نہ حد واجب ہوتی ہے

ہے، نہ عورت کے نکول (پس و پیش) سے یہ چیزیں ثابت ہوتی ہے، کیونکہ نکول سے حد ثابت نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ حد ثبوت کے موقع پر ساقط ہو جاتی ہے پھر نکول سے کیسے واجب ہو جائے گی؟ کیونکہ نکول کا سبب، عورت کی گھڑاٹ شرم ہیئت بھی اس رسوا کن موقع پر ہو سکتا ہے، اور دوسرے اسباب

بھی ہو سکتے ہیں۔ بہر حال ترجیحی قول یہی ہے جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت علی **قول راجح کیا ہے** سے بھی ثابت ہے کہ حد یا تو بینہ کی بنیاد پر جاری ہو گی، یا اعتراف جرم، یا حاملہ ہونے کے باعث، لہذا اس صورت میں عدم تکمیل بینہ کے باعث وہ چھوڑ دی جائے گی،

**شوہر بیوی پر تہمت لگانے کے بعد لعان سے انکار کر تو کیا ہوگا؟**

اگر زوج (شوہر) عورت پر تہمت لگانے کے بعد لعان سے انکار کرے تو اس کے نکول کا حکم کیا ہوگا؟

ہم کہتے ہیں اس پر حد قذف جاری ہوگا، سلف و خلف کے جمہور علماء کا مسلک یہی ہے، امام شافعی، مالک احمد، اور ان کے اصحاب کا قول یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں وہ قید کر دیا جائے گا، جب تک لعان نہ کرے۔ پہلے قول کی اساس قول خداوندی ہے!

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَا يَأْتُوا بِبُحْثَةٍ شَهَادَةٍ فَاُولَٰئِكَ جُلْدُهُمْ

ثَمَانِينَ جَلْدَةً

یعنی جو لوگ پاک و امن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں وہ اگر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں انہی کوڑے مارے جائیں گے،



اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، آپ نے ہلال بن امیہ سے  
 آیہ لعان کے نزول سے پہلے فرمایا،  
 ”ثبوت لاؤ ورنہ حد جاری ہوگی۔“

**آنحضرتؐ کے فیصلے مطابق وحی ہوتے تھے** | ایک اور حکم جو اس

مسلہ سے مستنبط ہوتا ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے مطابق فیصلہ فرمایا کرتے تھے،  
 جو خدا بتاتا تھا، نہ کہ خود اپنی رائے سے، چنانچہ آپ نے منکابین کے بارے  
 میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں فرمایا، جب تک وحی نازل نہ ہوئی، البتہ  
 امور جہنم عیدہ ان احکام کی طرف راجع نہیں ہوتے، جیسے کسی منزل معین میں نزول  
 یا رجل معین کی تائید (امیر بنانا) وغیرہ، یہ امور مشاورت سے متعلق ہیں۔ باقی رہا  
 تلقیح نخل رکھجور میں بیوند کاری کرنا، یہ آپ کی ذاتی رائے تھی، لیکن یہ دوسری چیز  
 ہے، اور احکام و سنت کلیہ دوسری چیز، دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

**لعان حاکم کے سامنے ہونا چاہیے** | ایک اور یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ رسول

دیا کہ اپنی بیوی کو حضور رسالت نائب ہیں لعان کے لیے پیش کرے، اس سے  
 ثابت ہوا کہ لعان کہ امام، یا اس کے نائب کے سامنے ہو سکتا ہے، افراد قوم  
 میں سے کسی کے سامنے نہیں، جس طرح اقامت امام یا اس کا کوئی نائب کر  
 سکتا ہے۔ قوم کا کوئی فرد نہیں کر سکتا۔

# لعان سے متعلق رسول اللہ کا فرمان

لعان اور اس سے پیدا شدہ بقیہ احکام و مسائل شرعی

**لعان گواہوں کی ایک جماعت کے سامنے کیا جائے** | تلاعن<sup>۱</sup> ایک ضروری ہے کہ جماعت کے سامنے کیا جائے، تاکہ لوگ اس کے شاہد ہو جائیں۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سہیل بن سعد نے ایسے ایک موقع پر اپنی کم سنی کے باوجود شرکت کی، اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تلاعن کے موقع پر بہت کافی لوگ جمع ہوا کرتے تھے، جن میں کم سن بچے بھی شریک ہوتے تھے۔ ایسے موقع پر لوگوں کی حاضری کی حکمت یہ ہے کہ لعان کی بنیاد ایک حد درجہ نامعنوب اور ناپسندیدہ امر پر ہے۔ چنانچہ تعزیر و زجر کے لیے لوگوں کی حاضری ایک بلیغ اور مصلحت آفرین چیز ہے۔

---

<sup>۱</sup> یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے کہیں کہ اگر وہ جھوٹ بول رہے ہیں تو ان پر لعنت، پھر بدکاری کا الزام لگائیں۔

لعان کرنے والے کے لیے کھڑا رہنا ضروری ہے | یہ بھی ضروری ہے کہ

ہو کر تلعن کرے، چنانچہ ہلال بن امیہ کے قصہ میں آتا ہے کہ جب وہ لعان کرنے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کھڑے ہو جاؤ، اور چار مرتبہ اپنے دعوے پر شہادت دو“ چنانچہ صحیحین میں ایک عورت کا قصہ مذکور ہے کہ وہ کھڑی ہوئی پھر اس نے شہادت لعان دی۔

اس میں مصلحت یہ ہے کہ لعان کرنے والا جب کھڑا ہوگا تو اسے تمام حاضرین پر چشم خود دیکھ لیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ واقعہ کی شہرت بھی زیادہ ہوگی اور لوگوں کے دل پر وہ نقش بھی ہو جائے گا۔

کیا لعان صرف مرد کی طرف سے ہو سکتا ہے؟ | یہ بھی ضروری ہے کہ

لعان کی ابتدا مرد کی طرف سے ہو۔ اگر عورت کی طرف سے آغاز ہوا۔ تو جمہور کے نزدیک یہ لعان قابل قبول نہیں ہوگا، البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مان لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں حدود و شرعی سزاؤں، سزائے زنا کا ذکر کیا ہے تو وہاں سزا کی ابتدا عورت کی ہے۔ الزانیۃ الزانی فاحلہ واکل واحد منهما مائة حلدۃ۔

یعنی زانیہ عورت، اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو لے لیکن لعان کا ذکر جہاں کیا ہے سزا کا آغاز شوہر سے کیا ہے، اور یہ بالکل معقول اور مناسب ہے، کیونکہ عورت کا ارتکاب زنا، مرد کے مقابلہ میں

۱۷ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زنا کی شرعی سزا سو کوڑے ہے لیکن احادیث (باقی اگلے صفحہ پر دیکھیں)

کہیں زیادہ فبیح فعل ہے، کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے حق کی ہتک کرتی ہے شوہر کا حق غصب کرتی ہے۔ اور شوہر پر ایک دوسرے شخص کا نسب تھوپ دیتی ہے، اور سارے خاندان کی رسوائی اور بدنامی کا سبب بنتی ہے۔ لہذا سزا کے سلسلہ میں پہلا نام اس کا لیا گیا۔ لیکن لعان کی صورت دوسری ہے۔ اس میں شوہر بیوی پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے۔

اس کی رسوائی کا موجب بنتا ہے۔ لعان کی پیش کش کرتا ہے۔ اس کے خاندان اور کنبہ میں اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھتا، لہذا بدکاری کا الزام لگانے کے بعد اگر وہ لعان نہیں کرتا، تو اس پر حد قذف (تہمت کی سزا) جاری کی جائے۔ لہذا عورت کے بجائے اس سے آغاز مناسب تھا۔

عذاب دنیا اور عذاب آخرت | یہ بھی ضروری ہے کہ جب لعان کرنے والے لعان پر آمادہ ہوں تو پہلے انہیں سمجھا بھجا کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے اور وعظ و پند کے ذریعہ بتایا جائے کہ عذاب دنیا عذاب آخرت کے مقابلہ میں کہیں ہلکا ہے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) سے ثابت ہے کہ غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے، اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا۔ فقہ کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی سزا کا یہ اختلاف، مذکورہ آیت قرآنی سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ اگر پہلے کا ہے تو قرآن کے فرمان کے بعد وہ حاقط ہو گیا۔ اگر بعد کا ہے تو اس کا ثبوت تاثری درکار ہے جو غیر مثبت طور پر ملتا نہیں۔

۱۰ تہمت (بدکاری) کی سزا، شرعی طور پر اسی کوڑے ہیں۔



## لعان کے لیے صرف مقررہ الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں

لعان کے لیے یہ بھی ضروری ہے، کہ اس میں صرف وہی الفاظ استعمال کیے جائیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ اپنے منتخب کیے ہوئے الفاظ کا لعان قابل قبول نہیں، لعان کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ شوہر بیوی پر بدکاری کا الزام لگاتے ہوئے کہے:

میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں پسح بول رہا ہوں! اس کے جواب میں بیوی کہے گی۔

میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ بہ (شوہر) جھوٹا ہے، بس اتنا کافی ہے، لعان کو مشروط کرنے یا اس میں پسح پسح لگانا درست اور جائز نہیں۔

## لعان کے بعد میاں بیوی میں تفریق، اولاد کی ماں سے محبت

لعان کے بعد عورت کے پیٹ میں جو حمل ہے، وہ خود بخود شوہر سے منتفی ہو جائے گا، شوہر کے استبراء یا انکار وغیرہ کی نہیں ہے، میاں بیوی میں تفریق ہو جائے گی، اور اولاد (لڑکا یا لڑکی) بیوی کی ہو جائے گی لیکن اگر شوہر کو یہ معلوم ہو کہ حمل اسی کا ہے اور عورت سے زنا کا صدور بعد میں ہوا ہے، تو پھر لڑکا شوہر کا ہوگا، اور اس کے لعان کے باوجود منتفی نہیں ہوگا۔

لعان کرنے والے پر حد نہیں جاری ہوگی | اگر شوہر بیوی پر بدکاری کا الزام یوں لگائے،

اس نے خود دیکھا ہے، پھر لعان کرے تو اس پر سے حد ساقط ہو جائے گی اور بیوی کو بھی اگر وہ شوہر کی تردید کرے سزا نہیں دی جائے گی، لیکن اگر

شوہر بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے مگر لعان نہ کرے تو اسے سزا دی جائے گی۔

لیکن لعان کے باوجود کہ شوہر محل کا استلحاق کرے، تو جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس کا مانا جائے گا، ظواہر احادیث کے لحاظ سے یہ قول یہاں صحیح اور درست ہے۔

لعان کے بعد بھی عورت کو زنا سے متہم نہیں کیا جاسکتا | حضرت ابن عباسؓ کا

قول ہے کہ تلاعن کرنے والوں کے مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کرادی، اور فیصلہ فرمادیا کہ اب شوہر بچہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا، نہ عورت پر زنا کی تہمت کوئی لگا سکتا ہے، اگر ایسا کرے گا تو سزا پائے گا، اس طرح اگر کوئی رٹ کے کہ متہم کرے گا، تو وہ بھی سزا پائے گا۔

آپ نے یہ بھی فیصلہ فرمادیا کہ اب شوہر کے ذمہ عورت کی سکونت اور نفقہ واجب نہیں رہا۔ کیونکہ دونوں میں افتراق بغیر طلاق کے ہوا ہے۔

سہل کا قول ہے کہ عورت کے بطن سے جو رٹ کا پیدا ہوگا، وہ اپنی ماں سے منسوب ہوگا۔ اس کی جائداد کا وارث بھی ہوگا، وہ بھی بیٹے کی وارث بننے کا حق رکھے گی۔

لعان کے نتیجہ میں تفریق کے بعد، یہ دونوں مرد عورت پھر کبھی بھی میاں بیوی نہیں بن سکتے۔ نہری سہل بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک لعان کرنے والے اور اس کی بیوی کے مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کرادی، اور فرمایا:

”ان دونوں میں اب کبھی ملاپ نہیں ہو سکتا۔“

شوہر نے کہا، ”یا رسول اللہ، اور میرا مال؟“

آپ نے فرمایا ”تیرا مال کیسا؟ اگر تو نے پسح کہا ہے، تو اتنے دن اس

سے متمتع بھی تو ہوتا رہے اور اگر جھوٹ بولا ہے، تو پھر تجھے کچھ پانے کا کیا حق رہا؟

**مسئلہ لعان کے احکام عشرہ** | مسئلہ لعان جملہ دس احکام پر مشتمل ہے۔

**لعان کے بعد تفریق کے سلسلہ میں مذاہب متعددہ** | ۱۱، لعان کرنے والوں کے

ماہیت تفریق کے سلسلہ میں کئی مذاہب ہیں۔

ایک تو یہ کہ قذف (تہمت) کے ساتھ ہی دونوں میں تفریق ہو جائے گی۔ یہ ابو عبید کا قول ہے۔ لیکن جمہور ان سے مختلف رائے رکھتے ہیں کہ لعان سے بجلٹے خود تفریق کا موجب ہے۔ ان کے بین قول ہیں۔ ایک تو یہ شوہر کے کہ لعان کے ساتھ فوراً تفریق ہو جائے گی، خواہ بیوی لعان کرے یا نہ کرے۔ یہ قول عرف امام شافعی کا ہے۔

دوسرے یہ کہ جب تک دونوں (میاں بیوی) ساتھ ساتھ لعان نہ کریں، تفریق نہیں ہوگی، اگر دونوں نے ساتھ ساتھ لعان کیا تو ساتھ ہی ساتھ تفرقہ واقع ہو جائے گا، کیونکہ زوجین کے لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح کو موجب موت و رحمت قرار دیا ہے۔ اور دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا مایہ تسکین قرار دیا ہے، لیکن بدکاری کی تہمت کے بعد وہ مایہ تسکین زائل ہو گیا۔ اور تنگ عار اور رسوائی نے اس کی جگہ لے لی۔

تیسرے یہ کہ تفریق اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک لعان مکمل نہ ہو اور حاکم تفریق نہ کرائے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذاہب ہے۔

**لعان کے بعد کی تفریق فسخ نکاح ہے طلاق نہیں** | ۲۔ لعان سے

ماہین جو تفریق ہوگی، وہ فسخ نکاح ہے، نہ کہ طلاق، اور یہ تفریق اس فسخ



نکاح کی سی ہوگی جو رضائی رشتہ کی صورت میں ہوتی ہے، کیونکہ لعان طلاق سے جدا ایک چیز ہے، اس میں نہ شوہر طلاق دیتا ہے، نہ طلاق کی نیت کرتا ہے۔ نہ طلاق واقع ہوتی ہے، اگر لعان طلاق یا کنایہ طلاق ہوتا تو شوہر کے لعان کے ساتھ ہی طلاق واقع ہو جاتی۔ بیوی کے لعان پر موقوف نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ طلاق وہ حق ہے جو شوہر کو حاصل ہوتا ہے، چاہے اس حق کو استعمال کرے، چاہے نہ کرے لیکن فسخ نکاح شرح کے حکم سے ہوتا ہے جس میں شوہر کے اختیار کو ذرا بھی دخل نہیں ہوتا۔

نیز سنت نبی کریم <sup>۱</sup> اقوال صحابہ، اور دلالت قرآن سے ثابت ہے کہ خلع سے جو تفریق ہوتی ہے وہ بھی طلاق نہیں ہے، بلکہ فسخ نکاح ہے، اگرچہ اس میں میاں بیوی دونوں کی رضامندی شامل ہوتی ہے، پھر جب خلع تک طلاق نہیں ہے تو لعان کو طلاق کیسے مانا جاسکتا ہے؟

لعان کے بعد نہ رجعت ہو سکتی ہے نہ تجدید نکاح <sup>۲</sup>۔ لعان کی صورت

میں جو تفریق زوجین کے درمیان ہوتی ہے وہ دائمی ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد دونوں میں اس رشتہ کی تجدید زندگی بھر نہیں ہو سکتی۔

بیہقی میں سعید بن جبیر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

لعان کرنے والے جب جدا ہو جائیں تو پھر بھی ملاپ نہیں کر سکتے! اگر یہ کہا جائے کہ لعان کے بعد اگر شوہر اپنی سابقہ بیوی کو بہ حیثیت باندی کے خریدے تو اب ملک یمین کی حیثیت سے وہ اس پر تصرف کا حق رکھتا ہے۔ یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، کیونکہ ان دونوں کی تفریق دائمی ہے۔ وہ کسی صورت اور طریقہ سے بھی زائل نہیں ہو سکتی۔



۴۔ لعان کے بعد بھی بیوی کو حق مہر حاصل ہے | لعان کے باعث عورت اپنے حق

مہر سے محروم نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ شوہر بیوی سے متمتع ہو چکا ہو۔ کیونکہ اگر وہ سچا ہے تو متمتع کے عوض مہر کا دین دار ٹھہرا اور اگر جھوٹا ہے تو اور زیادہ مہر ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر لعان قبل از متمتع ہو تو کیا پھر نصف مہر واجب ہوگا؟ یا ساقط ہو جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مثال بیع کی سی ہے۔ اگر سودا کھرا ہے تو ناقذ ہے۔ کھوٹا ہے تو فسخ ہو جائے گا۔ آخری صورت میں شوہر کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوگا۔

۵۔ لعان کے بعد نفقہ اور سکنتی کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے فیصلہ کے مطابق لعان کے بعد عورت نہ بجائے سکونت کی طالب ہو سکتی ہے نہ نفقہ کی۔

۶۔ لعان کے بعد لڑکے کا نسب باپ سے منقطع ہو جائے گا

لعان کے بعد لڑکے کا نسب باپ سے منقطع ہو جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ لعان والی عورت کے بچہ کا باپ پر کوئی حق نہیں ہے یہی حق ہے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے۔

۷۔ لعان کے بعد لڑکے کا نسب ماں سے چلے گا | چونکہ لعان کے بعد پیدا ہونے

والے بچہ کا نسب باپ سے منقطع ہو چکا ہے لہذا اس کا نسب ماں سے چلے گا۔

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس الحاق کا مقصد اس توہم کو دور کرنا ہے کہ چونکہ اب

بچہ کا نسب باپ سے جس طرح منقطع ہو چکا ہے اس طرح ماں سے بھی منقطع ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے بچہ کا الحاق ماں سے کر دیا، اور اس معاملہ میں شدت ملحوظ رکھی اور اس کے ایجاب کو یہاں تک موکد کیا کہ فرمایا کہ اب جو شخص اس عورت یا اس کے بچہ پر ربد کاری یا بدنسی کی تہمت لگائے گا اس پر حد قذف (تہمت) جاری کی جائے گی۔ امام شافعی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔

ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اس الحاق سے ایک فائدہ نائدہ یہ حاصل ہوا کہ نسب کی تحویل باپ سے ماں کی طرف ہو گئی، اور ماں باپ کی قائم مقام بن گئی اب یہ ماں بھی اس کی عصیدہ بن گئی، اور اس کے عصبیات بھی اس کے عصیدہ بن گئے۔ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو وہ اس کے ورثہ میں حصہ پائے گی۔ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور یہی قول صواب اور درست ہے۔

## ۸۔ لعان کے بعد عورت کو بدکاری سے متہم کرنا قابل سزا ہے

لعان کے بعد اب نہ عورت کو کوئی متہم کر سکتا ہے، نہ اس کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچہ کو۔ اگر کسی نے عورت پر بدکاری کی ہے اس کے بچہ پر بدنسی کی تہمت لگائی تو اس پر حد شرعی جاری ہوگی۔ سنت صریحہ صحیحہ سے یہ مسئلہ درست اور صواب ثابت ہے۔ جمہور امت کا بھی یہی قول ہے۔

## ۹۔ لعان زن و شوہر کی طرف سے ساتھ ساتھ ہونا چاہیے

یہ احکام اس صورت میں ہیں کہ لعان زن و شوہر کی طرف سے ساتھ ساتھ ہوا ہو، یعنی دونوں نے ساتھ ساتھ تلاعن کیا ہو۔ شوہر نے اپنے سچے ہونے کی قسم کھا کر بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائی ہو۔ اور بیوی نے اپنے سچے ہونے کی قسم کھا کر

اس کے الزام کی تردید کی ہو اور اسے جھوٹا قرار دیا ہو۔  
لیکن اگر صرف شوہر نے لعان کیا ہو، بیوی نے نہ کیا ہو تو پھر یہ احکام مترتب نہیں ہوں گے۔

ابو البرکات ابن تیمیہ نے اسی مسلک کی بنا پر صرف شوہر کے لعان سے انتفاء ولد کی تخریج کی ہے اور یہ تخریج بالکل صحیح ہے، کیونکہ جس طرح اس کے لعان سے، سقوط حد، اور عام قذف کا بغیر اعتبار لعان کے افادہ ہوتا ہے اسی طرح سقوط نسب فاسد کا افادہ بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ عورت نے تلامن نہ کیا ہو۔ کیونکہ نسب فاسد کا تقریر و ضرر، حد قذف سے زیادہ ہے، اور اس کی نفی کی ضرورت دفع حد سے زیادہ قوی ہے، پس اس کا لعان، جس طرح دفع حد کو محکم کر دیتا ہے، اسی طرح نفی ولد کو بھی۔

۱۰۔ عورت نفقہ اور سکنی کا مطالبہ کیا کر سکتی ہے؟ مطلقہ یا بیوہ عورت کے لیے

اس سے نفقہ اور سکنی (جائے قیام) کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ دونوں (مطلقہ اور بیوہ) حاملہ ہوں۔ کیونکہ آپ کے ارشاد کے مطابق ان دونوں میں چونکہ افتراق بغیر طلاق کے واقع ہوا ہے۔ یا بغیر بیوگی کے واقع ہوا ہے لہذا انہیں نہ سکنی کا مطالبہ کرنے کا حق ہے نہ نفقہ کا۔

آپ کے اس ارشاد سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

۱۔ بائن عورت — یعنی وہ عورت جسے طلاق بائنہ دی گئی ہو۔ سکنی،

اور نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی، بشرطیکہ وہ شوہر سے حاملہ نہ ہو۔

۲۔ لیکن اگر شوہر سے وہ حاملہ ہو تو پھر خواہ مطلقہ بائنہ ہو، یا بیوہ، دونوں

صورتوں میں اسے سکنی اور نفقہ حاصل کرنے کا حق ہے۔

کیا قیافہ سے نسب کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟ ایک عورت پر اس کے شوہر نے بدکاری کا الزام لگایا،



آپ نے فرمایا:

”دیکھتے رہو“ اگر وہ عورت ایسا ایسا بچہ جنے تو وہ ہلال بن امیہ رشوہرا کا ہے اور اگر وہ ایسا ایسا اس رنگ کا بچہ جنے تو وہ شریک بن سحار جس سے بدکاری کا الزام لگایا گیا تھا کا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایسے معاملات میں قیافہ سے حکم لگانا بھی معتبر ہے۔ نیز یہ کہ معرفت نسب میں شبہ کو بھی دخل ہے۔

ایک بے حد اہم فقہی مسئلہ | حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص

اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لے اور اسے قتل کر دے، تو اسے قتل کر دو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں کسی آدمی کو یہ الزام لگا کر قتل کر دے کہ اسے میں نے اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے دیکھا تھا تو اس کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اگر تسلیم کر لیا جائے تو گویا اس طرح اسے قتل کی اجازت دے دی گئی۔ وہ جسے چاہے اپنے گھر میں بلا کر قتل کر دے، اور جب باز پرس ہو تو صفائی میں کہہ دے کہ میں نے تو اسے اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

لیکن یہ مسئلہ صحابہ کے مابین مختلف | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال فیہ ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا جس کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا، اور جس کے پیچھے پیچھے لوگ بھاگے آ رہے تھے۔

اس شخص نے کہا ایک شخص میری بیوی کے ساتھ بدکاری کر رہا تھا، میں نے اسے قتل کر دیا، لوگ جو مقتول کے آدمی تھے، اس الزام سے انکار نہ کر سکے، حضرت عمرؓ نے قاتل پر حد جاری نہیں کی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فیصلہ | ۲۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر



کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو بدکاری کرتے دیکھے تو وہ خود اسے قتل نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے الزام کی تائید میں چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا یا نہ کر سکا تو اسے عدالت کے کٹہرے میں قاتل کی حیثیت سے پیش ہونا پڑے گا۔

**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد** (۳) حضرت سعد بن عبادہ نے ایک مرتبہ اسی طرح کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، نہیں وہ شخص اسے قتل نہیں کر سکتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد نے پوچھا! وہ اگر میں ایسا دیکھوں تو کیا اسے اس وقت تک مہلت دوں گا جب تک چار گواہ نہ لے آؤں؟

آپ نے فرمایا ”ہاں“۔

سعد نے کہا، ”اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں اگر ایسا اپنے گھر میں دیکھوں تو فوراً تلوار نکال کر فیصلہ کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ”و سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے، بلاشبہ وہ غیور ہے، لیکن میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں۔ اور اللہ مجھ سے زیادہ غیور ہے۔“

ان تینوں مثالوں میں سے۔

**ہر سہ واقعات کی توجیہ و تعلیل** | ۱۔ حضرت عمرؓ کا واقعہ یوں ہے کہ انہوں نے قاتل کو اس لیے چھوڑ دیا کہ مقتول

کے جو ولی تھے انہوں نے اعتراف کر لیا تھا، اور صاحب معنی فرماتے ہیں کہ اگر دل جرمِ زنا کا اعتراف کر لے تو پھر قاتل پر نہ قصاص واجب ہے نہ دیت خون بہا، ۲۔ حضرت علیؓ کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ چار گواہوں کی شہادت ضروری

قرار دیتے ہیں ورنہ قاتل کیفر کردار کو پہنچے گا، کیونکہ یہ قتل زنا کی سزا نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ زانی پر اگر حد جاری ہوتی تو تلوار سے نہ ہوتی۔ اور اقامت حدود میں شروع کا اعتبار لازمی اور لایس ہے۔

۳۔ سعد بن عبادہ کے قصہ میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار گواہوں کی شہادت لازمی قرار دی ہے۔ یہی عام حکم ہے امت کے لیے کیونکہ اگر اس کے قتل کی کھلی چھٹی دے دی جائے تو ہلاکت و فساد کی گرم بازاری شروع ہو جائے، جو چاہے کسی کو اپنے گھر میں بلا کر یہ الزام لگائے اور قتل کر دے اسی طرح بہت بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

آپ کے اس ارشاد سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قاتل کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا، اور اسے شرعی عدالت کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اور سعدؓ کا معاملہ یوں ہے کہ آپؐ نے ان کی شدت غیرت پر اظہار پسندیدگی فرمایا۔ لوگوں کو بتایا کہ وہ غیور ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ میں سعدؓ سے نہ یادہ غیرت مند ہوں اور خدا مجھ سے زیادہ غیور ہے۔

اس ارشاد کے دو معنی ہوئے۔

ایک یہ کہ سعدؓ کے حلف پر آپؐ کا اقرار غیرت اور سکوت اس امر پر دال ہے کہ سعدؓ نے جو کہا تھا۔ وہ جائز تھا، یعنی انہی کی حد تک، باقی رہا قتل ظاہر شرع کے لحاظ سے عام ہے۔

لیکن حدیث کے یہ دونوں ٹکڑے ایک دوسرے سے متناقض ہرگز نہیں ہیں۔

حکمت، مصلحت اور احسان کا تقاضا | آپؐ نے سعدؓ کی بات سن کر جو کچھ فرمایا وہ نیکر کے طور پر تھا، یعنی آپؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اپنے سردار کی بات سنتے

ہو؟ یعنی میں تو اسے قتل سے منع کرتا ہوں، اور یہ ہیں کہ کہتے ہیں بے شک جس خدا نے آپ کو حق کے ساتھ اور اکرام کے ساتھ مبعوث کیا ہے مگر قتل کو بھی کہتے ہیں۔

گویا آپ نے خبر دی کہ سعد غیرت مند ہیں۔ تیرے میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور خدا مجھ سے زیادہ غیور ہے۔ اور اس نے اپنی شدت غیرت کے باوجود چار گواہوں کی شہادت کو لازمی اور ضروری قرار دیا ہے۔

خدا کا یہ حکم، حکمت، مصلحت، رحمت اور احسان کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شدت غیرت کے باوجود مصالح عباد کا زیادہ امر شناس ہے۔ چنانچہ اس نے ملزم پر قتل کے لیے لپکنے کو جائز نہیں قرار دیا جب تک چار گواہ اس کے جرم کی تائید و توثیق نہ کر لیں۔

اور آپ نے یہ جو فرمایا کہ میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں تو اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے گویا دوسرے الفاظ میں انہیں قتل سے منع کیا، اور روکا کہ ظاہر شرع پر عمل بہر حال ضروری ہے۔

سوال یا استفتاء کی صورت میں تعریض سے سائل یا مستفتی پر حد جاری نہیں ہوگی

صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک آدمی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا۔

”میری بیوی نے جو بچہ جنا ہے وہ سیاہ رنگ کا ہے“

گویا اس طرح وہ لڑکے کو ناجائز ثابت کرنا چاہتا تھا۔

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا:

”کیا تیرے پاس کوئی اونٹ ہے؟“

اس نے جواب میں عرض کیا ”جی ہاں ہے“

آپ نے دریافت فرمایا۔

اس اونٹ کا رنگ کیا ہے؟“

اس نے جواب میں عرض کیا،

”سرخ رنگ کا ہے“

آپ نے سوال کیا!

”کیا کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟“

اس آدمی نے عرض کیا ”ہے“

آپ نے ارشاد فرمایا:

”یہ رنگ کہاں سے آیا؟“

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ:

اگر سوال اور استفتا کی صورت میں تعریف کی جائے تو اس سے سائل یا

مستفتی پر شرعی حدود واجب نہیں ہوگی۔ اگرچہ وہ حد درجہ ناگوار، اور بیہودہ

انداز میں کیوں نہ ہو۔

صرف شک و شبہ کا اظہار، لعان کا سبب نہیں بن سکتا نہ اس سے لعان

لازم آتا ہے۔

اس صورت میں نفی و رد اپنا رطل کا نہ ماننا، بھی لازم نہیں آتی!





# الْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ

مسئلہ فراش کی تفصیل اور اس کی حقیقت اور واقعیت

سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ میں جھگڑا | صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

سے ثابت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ میں ایک لڑکے پر جھگڑا ہو گیا۔ سعد نے کہا،

و یا رسول اللہ! یہ لڑکا میرے بھائی عتبہ بن وقاص کا ہے، جس کے بارے میں انہوں نے عبد سے کہا تھا کہ ان کا بیٹا ہے، ملاحظہ فرمائیے یہ ان سے مشابہت بھی کتنی رکھتا ہے۔

عبد بن زمعہ نے کہا۔

یا رسول اللہ! یہ لڑکا میرا بھائی ہے جو میرے باپ کے فرش پر یعنی ان کے ایک باندی کے بطن سے پیدا ہوا ہے!

اُپ نے بے لگاہ غور اس لڑکے کو ملاحظہ فرمایا تو اس میں واضح اور عین طور پر عتبہ کی مشابہت پائی، پھر آپ نے فرمایا!

اے عبد بن زمعہ یہ تمہارا بیٹا ہے، — لڑکا اس کا ہے جس کے فرش پر پیدا

ہے یعنی تمہارا غلام ہے۔

اور زانی کے لیے بہتر ہے ۱۰، اے سودہ اس سے پردہ کرو، ۱۱،  
پھر حضرت سودہؓ نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔

**ثبوت نسب میں اصل فراش ہے** | اس حکم نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ:

ثبوت نسب میں اصل فراش ہے، اور باندی بھی فراش ہوتی ہے، لہذا اس سے جو اولاد ہوگی، وہ اس کے مالک کی نصوّر کی جائے گی۔

**شبہہ کی صورت میں فراش کو تقدم ہے** | اگر شبہہ پیدا ہو جائے تو فراش کو تقدم رکھا جائے

**قیافہ کی شرعی حیثیت** | قیافہ بھی ٹھیک ہے، اور شرع میں اسے تسلیم بھی کیا جاتا ہے لیکن ثبوت نسب میں، فراش کے تقدم پر سب کا اتفاق ہے۔

ثبوت نسب میں چار چیزیں دخل رکھتی ہیں۔  
:- ایک تو فراش،

:- دوسرے استلحاق، یعنی اعلان و اعتراف کے ذریعہ کسی کو اولاد تسلیم کر لیا جائے۔

:- تیسرے، ثبوت اور دلائل سے کوئی، کسی کی اولاد ثابت ہو جائے۔

:- چوتھے، قیافہ سے ثابت ہوتا ہو،

:- اس سلسلہ میں اول الذکر تینوں تو متفق علیہ ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں،

**بیہوی اور باندی کی اولاد** | اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ نکاحی عورت سے جو اولاد ہوگی وہ شوہر کی تسلیم کی جائے گی۔

۱۰: بہتر ہے یعنی زانی کو سنگسار کیا جائے گا۔

۱۱: ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا،

لیکن باندی کے پیٹ سے جو اولاد ہوگی اس میں اختلاف ہے، جمہور امت نے اسے بھی فراش کے اصول کے مطابق مالک کا تسلیم کیا ہے، اور دلیل میں بھی حضرت عائشہؓ والی حدیث پیش کی ہے۔

۱۔ پردہ کا حکم اس لیے دیا کہ بہر حال مشتبہہ امر تھا، اگر ثابت ہوتا تو اس حکم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ پھر وہ حضرت سودہ کا بھائی ہوتا، اور بھائی سے پردہ نہیں کیا جاتا۔

**امام ابو حنیفہ کا مسلک** :- امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ باندی پہلی ولادت کے موقع پر فراش تسلیم نہیں کی جائے گی، یہ بچہ جو اس کے بطن سے پیدا ہوگا استلحاق کے بغیر شریک نسب نہ ہوگا، یعنی جب تک باندی کا آقا، اور اس بچہ کا باپ اسے اپنا تسلیم نہ کرے، اور اب باپ سے اس کا الحاق فراش کی بنیاد پر نہیں، بلکہ استلحاق کی بنیاد پر ہوگا۔

البتہ پہلی ولادت کے بعد باندی کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوگا، وہ باپ کے نسب سے ملحق ہوگا، بشرطیکہ باپ نے اس کے بیٹے ہونے کی نفی نہ کر دی ہو۔

**استلحاق اور نسب** گویا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صورت مسئلہ یوں ہوئی کہ باندی کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ، اس

کے آقا، فراش کی بنیاد پر ملحق نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ اس سے پہلے والا مستحق (استلحاق کیا ہوا بیٹا) موجود ہو، حالانکہ معلوم ہے کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے رط کے کوڑمے سے ملحق کر دیا اور اس کے نسب کو تسلیم کر لیا۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ باندی اس سے پہلے بھی کوئی بچہ جن چکی تھی، نہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی سوال فرمایا۔ یا پوچھ گچھ کی، نہ اس بارے میں کوئی تفصیل دریافت فرمائی، یہ روایت میں صرف سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ کے جھگڑے (منازعت) کا ذکر ہے۔ تفصیل کی کوئی اصل کتاب و سنت اور اثر سے ثابت نہیں ہے نہ وہ قواعد شرع اور اصول شرع پر

اثر انداز مانی جاسکتی ہے۔

**فراش ضعیف اور فراش قوی** — حنفیہ رحنفی حضرات کہتے ہیں کہ ہم باندی کے فی الجملہ فراش ہونے سے

انکار نہیں کرتے، لیکن یہ فراش ضعیف ہے، اور ایک آزاد عورت کے مقابلہ میں کم ہے، اس لیے پہلے بچہ کو جو باندی کے بطن سے پیدا ہو، بغیر استلحاق کے نسب پدر سے ملحق نہیں کرتے، البتہ اس کے بعد کی اولاد — اگر باپ کا انکار نہ کرے — نسب پدر سے ملحق مان لی جائے گی۔

بیوی اور باندی میں فرق یہ ہے کہ عقد نکاح بیوی سے تمتع اور مباشرت اور استفراش کے لیے ہوتا ہے، یہ خلاف ملک بچین (باندی) کے، کیونکہ اس میں تمتع اور استفراش کی حیثیت تابع کی ہے، اصل کی نہیں۔

رہا زمرہ کا معاملہ، تو اس رط کے کو آپ نے استلحاق کی بنا پر عبد بن زمرہ کے حوالے کیا تھا۔ نہ کہ فراش پدر کی بنیاد و اساس پر۔

**باندی فراش حقیقی کب ہے؟** — جمہور کا قول ہے کہ جب باندی موطونہ (جس سے تمتع کیا جائے) ہے تو وہ فراش

حقیقی بھی ہے، اور اس کے فراش بننے کے لیے ولادت سابقہ کا اعتبار شرعی طور پر محروم دلیل ہے،

— یہی یہ بات کہ زمرہ کے رط کے کا لائق استلحاق کی بنا پر تھا، تو اس کا جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ اس ذات کے ذمہ ہے جس نے اس کے الحاق کا فیصلہ کیا، اور زمرہ کے بیٹے سے کہا یہ تیرا بھائی ہے۔

**مستلحق کے لیے تمام اقربا کا اتفاق ضروری ہے** — اور بہ دعویٰ کہ بھائی کے استلحاق

پر اس کو نسب پدر سے ملحق کیا گیا تھا باطل ہے، کیونکہ اگر مستلحق کو، تمام اقربا ملحق کرنے پر متفق نہ ہوں، اس کا الحاق نسب پدر سے نہیں ہو سکتا،



بجز اس کے کہ ان میں سے دو گواہ شہادت دیں کہ یہ مرحوم کا ولد فراش ہے، حضرت سودہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو زیر بحث رط کے کئی بہن ہوتی تھیں انہوں نے استلحاق نہیں کیا تھا، اور اگر اقرار کر لیتیں تو بھی ثبوت نسب فراش کی بنا پر ہوتا، نہ کہ استلحاق کی بنا پر، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیصلہ الحاق نسب کے فوراً بعد فرما دیا تھا، "ان الولد للفراش"، جو اس اصول پر محکم تھا، اور اس میں یہ تنبیہ تھی کہ یہ ایک کلی مسئلہ ہے، جو عام ہے، اور اس واقعہ پر اور ایسے دوسرے واقعات پر حاوی ہے۔

**الحاق نسب پدر** | اس اعتراض باطل کا جواب یہ ہے کہ باندی کے فراش ہونے کا ثبوت خود تمتع کرنے والے کا یا اس کے وراثہ کا اقرار ہے، لمحق نسب کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ سے جب یہ سنا کہ یہ رط کا میرے والد کی باندی کا ہے جو ان کے فراش پر پیدا ہوا تو الحاق نسب پدر کا فیصلہ کر دیا، یہ زمعہ آپ کے خسر تھے ان کی بیٹی آپ کی بیوی تھیں۔ پھر فراش آپ پر کیسے واضح نہ ہوتا، جس کی بنا پر وہ نسب پدر سے لمحق کیا گیا؟

**فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجیہ** | - ایک قول یہ ہے بھائی کی حیثیت سے نہیں کیا تھا، بلکہ اسے غلام قرار دیا تھا، چنانچہ یہاں جو "لام" آیا ہے، وہ تملیک کا ہے، یعنی آپ نے عبد بن زمعہ سے کہا - "یہ تمہارا ہے" یعنی تمہارا مملوک ہے، حدیث کے بعض الفاظ سے بھی اس قول کی تقویت ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے عبد بن زمعہ سے کہا!

"یہ تمہارا غلام ہے،!"

نیز یہ کہ آپؐ نے سودہؓ کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا، اگر وہ بھائی ہوتا تو آپؐ حجاب کا حکم نہ دیتے، یہ اس کا ثبوت ہے کہ اس رٹ کے کی حیثیت اجنبی کی تھی، اور آپؐ کا یہ فرمانا کہ ”الولد للفراش“ تبیینہ تھی نسب زمعہ سے عدم حقوق کی یعنی یہ باندی زمعہ کی فراش نہیں تھی، کیونکہ باندی فراش نہیں ہوتی، اور رٹ کا فراش ہی کا مانا جانا ہے، چنانچہ حضرت سودہؓ کو آپؐ نے پردہ کا جو حکم دیا وہ بالکل مناسب تھا ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت سودہؓ سے فرمایا۔  
 ”و اس سے پردہ کرو، کیونکہ یہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔“

:- لیکن یہ ادعا سراسر باطل ہے، اور جو اعتراضات وارد کیے گئے ہیں وہ یکسر غیر اہم ہیں، ہمارا جواب یہ ہے۔

۱۔ یہ قول کہ آپؐ نے زمعہ کی باندی کے رٹ کے کو عبد بن زمعہ کا بھائی نہیں بلکہ غلام بنایا تھا، امام محمد اسماعیل بخاری کی اس حدیث سے باطل ہو جاتا ہے جو انہوں نے اپنی صحیح میں درج کی ہے، اس حدیث کی رو سے آپؐ نے فرمایا، اے عبد بن زمعہ وہ تمہارا بھائی ہے،  
 ۲۔ رہا وہ لام، کا تخلیک کے لیے ہونا، یہ بھی غلط ہے، یہ لام دراصل تخلیک کے لیے نہیں بلکہ تخصیص کے لیے ہے، جیسے آپؐ کا یہ ارشاد ہے کہ۔  
 ”الولد للفراش“!

۳۔ یہ روایت کہ آپؐ نے عبد بن زمعہ سے فرمایا،

”یہ تمہارا غلام ہے،“

بالکل باطل ہے،؟ اس کی کوئی اصل نہیں،

۴۔ رہا آپؐ کا حضرت سودہؓ کو پردے کا حکم دینا، تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

الف۔ یا تو آپؐ نے یہ حکم ازراہ ورع و احتیاط دیا، جس کی بنیاد وہ شبہ تھا، جو عقبہ سے مشابہت کے باعث پیدا ہو سکتا تھا۔

ب۔ یا پھر یہ صورت تھی کہ آپؐ نے دو شبہات کی مراعات اور دو دلیلوں پر عمل ملحوظ رکھا، کیونکہ فراش لمحق نسب کی دلیل ہے، اور مشابہت دلیل نفی ہے، پس آپؐ نے فراش کے بارے میں مدعی کی بات قوی مانی اور عقبہ سے مشابہت کے باعث آپؐ نے حضرت سودہؓ کو پردہ کا حکم دیا۔

---

لے ان ساری نکتہ آفرینوں کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا قول زیادہ اقرب الی الصواب نظر آتا ہے،

# مسئلہ فراش

فقہاء کا اس باب میں اختلاف ہے کہ زوجہ صحیح طور پر ”فراش“ کب بنتی ہے؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں!

- ۱۔ جیسے ہی عقد نکاح ہوا، بیوی ”فراش“ بن گئی، اگرچہ یہ بات معلوم ہو کہ شوہر نے بیوی سے کبھی تمتع نہیں کیا، بلکہ اگر عقد نکاح کے بعد طلاق دیدے تو بھی کوئی بات نہیں،۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔
- ۲۔ عقد نکاح کے ساتھ ساتھ بیوی سے تمتع کا امکان کم کم پایا جاتا ہو تو اس صورت میں بیوی فراش تسلیم کر لی جائے گی،۔ یہ امام شافعی اور امام احمد کا مسلک ہے۔

۳۔ عقد نکاح کے ساتھ محقق طور پر بیوی سے تمتع ثابت ہو، امکانات مشکوک کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ امام ابن تیمیہ رشیخ الاسلام کا اختیار ہے۔

**باندی کب فراش بنتی ہے؟** فقہاء کا اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ باندی باندی کب فراش بنتی ہے؟

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بغیر تمتع کے وہ فراش نہیں تسلیم کی جاسکتی، اور صحیح تر مسلک یہ ہے کہ عورت، خواہ باندی ہو یا آزاد عورت (حرہ) کسی حالت میں بھی وہ فراش نہیں تسلیم کی جاسکتی، جب تک اس سے تمتع (تعلقات زن و شو) ثابت نہ ہوں۔۔



# صحت نسب کا مسئلہ

وہ چار امور جن سے نسب ثابت ہوتا اور تسلیم کیا جاتا ہے

وہ چار امور جن سے نسب ثابت ہوتا اور تسلیم کیا جاتا ہے

وہ امور جن سے نسب ثابت ہوتا

صحت نسب سے تعلق امور اربعہ ہے، چار ہیں۔

۱۔ ان چار امور میں سے ایک تو یہی فراش ہے۔

۲۔ دوسرا استلحاق ہے۔

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ حرف باپ ہی استلحاق کر سکتا ہے، باپ کی موجودگی میں دادا کا استلحاق غیر موثر ہے، اور اگر باپ زندہ نہ ہو، اور تمام ورثا استلحاق پر راضی ہوں تو بھی درست ہے، کیونکہ ورثا میت کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

۳۔ تہنید وثوت — یعنی دلو آدمی اس بات کی شہادت دیں کہ بڑے پچھڑے فلاں

شخص کا ہے، یا اس کے فراش پر پیدا ہوا ہے، خواہ یہ فراش زوجہ ہو یا باندی، لیکن یہ دو گواہ، ورثا میں سے ہونا چاہئیں، ان کی شہادت کے بعد اگر باقی ورثا انکار کریں۔ تو ان کا الکار تسلیم نہیں کیا جائے گا، نسب ثابت ہو جائے گا، اور اس سلسلہ میں جو منازعت برپا ہوگی اسے کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔

۴۔ قیافہ۔ صحت نسب میں قیافہ کو بھی دخل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ کا اعتبار کیا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کیا ہے، اور الحاق نسب کا اعلان فرمایا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ کی حدیث سے جو مجزئہ مدعی کے بارے میں ہے، ثابت ہے۔

خلفاء راشدین کے احکام و قضایا اور قیافہ | اسی طرح خلفائے راشدین کے عمل اور احکام و قضایا سے بھی قیافہ کا اعتبار ثابت ہے۔

ایک عورت سے ایک ٹھہریں دو آدمیوں نے جماعت کی، جس سے اس کے لڑکا پیدا ہوا، حضرت علی نے قیافہ شناس کی رائے لے کر فیصلہ کیا کہ یہ لڑکا، ان دونوں کا لڑکا ہے، اور یہ دونوں اس کے باپ ہیں۔

اسی طرح حضرت عمر کے بارے میں بھی ایک روایت ہے کہ ایک ایسے ہی موقع پر انہوں نے حضرت علی کا سا فیصلہ کیا، کیونکہ عورت نے جو بچہ جنا تھا، وہ ان دونوں آدمیوں سے مشابہ تھا جنہوں نے اس سے ایک ٹھہریں جماعت کی تھی، ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے ثابت ہو تا کہ صحابہ میں سے کسی نے حضرت علی اور حضرت عمر کے فیصلہ پر اعتراض کیا، بلکہ حضرت عمر کے فیصلہ کی تو ایک مقبولیت یہ ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ مدینہ منورہ میں صادر فرمایا تھا، مہاجرین اور انصار موجود تھے، اور ان میں سے کسی نے بکیر نہیں کی اس فیصلہ پر،

زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کا واقعہ | ابو حنیفہ کے نزدیک قیافہ کی بنیاد پر نسب سے متعلق

حکم لگانا محض ظن و تخمین سے کام لینا ہے، وہ کہتے ہیں کہ زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کے بارے میں حضرت عائشہ کی جو حدیث ہے کہ یہ دونوں چادر اوڑھے ہوئے تھے، جس سے منہ ڈھک گئے تھے، لیکن پاؤں کھلے ہوئے، قیافہ شناس نے ان دونوں کے پاؤں دیکھتے ہی، ان دونوں کے اشتراک نسب کا حکم لگا دیا جس سے

بے حد مسرور ہوئے، تو اس حدیث سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آپؐ نے ان دونوں کے مابینے حقوق نسب کا فیصلہ قیافہ شناس کا حکم سن کر کر دیا، بلکہ بات یہ تھی کہ منافقین زید اور اسامہ کے رنگ میں جو تفاوت تھا اس پر طعن اور چہ می گوئیاں کیا کرتے تھے، اور انہیں ”وللفرش“، نہیں مانتے تھے، حالانکہ اللہ اور رسولؐ کا فیصلہ یہ تھا کہ اسامہ زید کے بیٹے ہیں، لیکن جب قیافہ شناس نے بھی اس کے تصدیق کر دی، تو آپؐ خوش ہوئے، محض اس لیے کہ اس تصدیق سے حکم خدا و رسولؐ کی موافقت اور ہر قول منافقین کی تکذیب ہوتی تھی، نہ اس لیے کہ اس سے صحت نسب ثابت ہوتی تھی۔

باقی رہی حضرت عمر اور حضرت علیؓ والی روایت سو اس کی صحت نظری ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا ایک سے زائد باپ تسلیم کیے جاسکتے ہیں؟ کہ جس بچہ کو کئی آدمیوں کا مانا جائے اس کے نسب کا الحاق ایک شخص سے ہو گا یا کئی اشخاص سے؟ یہ ایک نزاعی اور اختلافی مسئلہ ہے۔

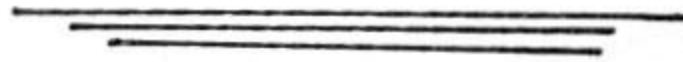
امام شافعی اور ان کے ہم خیال اصحاب کا فتویٰ ہے کہ کوئی لڑکا دو باپوں سے ملحق نہیں کیا جاسکتا، کسی آدمی کا باپ ایک سے زائد نہیں ہو سکتا، اگر کوئی قیافہ شناس ایک لڑکے کو دو یا زیادہ اشخاص سے نسب میں مشترک قرار دیتا ہے تو اس کا قول ساقط ہے۔

جمہور کے نزدیک دو آدمیوں سے حقوق نسب درست ہے، امام احمدؒ کی ایک روایت تین تک کے لیے ہے، صاحب نفسی کہتے ہیں کہ اگر دو سے الحاق نسب جائز ہے تو دو سے زیادہ سے جائز ہو سکتا ہے، لہذا، ایسے بچہ کا الحاق جسے قیافہ شناس دو آدمیوں کے نسب سے ملحق کرے، تینوں بائدہ سے بھی درست ہو سکتا ہے، قاضی کا قول ہے کہ تین سے زیادہ سے الحاق درست نہیں ہے امام محمد بن الحسن کا

بھی یہی قول ہے، ابن حاکم کہتے ہیں کہ دو سے زیادہ الحاق نادرست ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ایک سے زیادہ کے ساتھ الحاق نسب ناجائز اور نادرست ہے۔ کیونکہ سنت اللہ یہ ہے کہ رط کے کا باپ ایک ہی ہو، اور ماں بھی ایک ہی ہو، چنانچہ کہا جاتا ہے، فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں، یہ نہیں کہا جاتا فلاں بن فلاں فلاں، لہ

ایک آدمی اگر بہ روایت کرتا ہے کہ میں نے آج ایک رطک پر موٹر چلنے دیکھی، تو یہ روایت مان لی جائے گی، لیکن اگر کوئی یہ روایت کرتا ہے کہ میں نے آج ایک گھوڑے کو بھی آدمی کی طرح بات کرتے دیکھا تو خواہ وہ کتنا ہی ثقہ ہو، اس کی روایت نہیں مانی جائے گی،

الحاق نسب عقلاً، عرفاً، اصولاً ایک ہی شخص سے ہو سکتا ہے، اگر کوئی روایت اس الحاق کو ایک سے زائد اشخاص تک ممتد کرتی ہے، تو اسے تطری تسلیم کرنا پڑے گا، اس لیے تو اسلام بعید از عقل بانوں کے معروضات پر اصول بناتے کا عادی نہیں ہے۔



لہ یہ صرف لفظی بحث ہے۔

جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ روایت کے ساتھ روایت کو بھی دیکھنا چاہیے۔



# ولد الزنا کا استلحاق اور توریث

## کیا ایک ناجائز لڑکا شریک نسب جاسکتا اور وراثت پاسکتا ہے

حدیث سے ثابت ہے کہ استلحاق کے ذریعہ، لڑکا شریک نسب کیا جاسکتا ہے، اور فراش سے بھی اس کا شریک نسب ہونا ثابت ہے، لیکن اگر کوئی زانی کسی لڑکے کا استلحاق کرے تو گویا وہ جائز ہوگا؟ یہاں کوئی فراش نہیں جو معارض ہو، پھر کیا اس صورت میں وہ شریک نسب پدر کر لیا جائے گا؟ اور احکام نسب اس پر جاری ہو جائیں گے۔

یہ ایک اختلافی اور نزاعی مسئلہ ہے اہل علم و فقہ کے اس باب میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔

**زانی کا لڑکا شریک نسب کر دیا جائے گا** | اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ زنا سے پیدا ہو، اور

کوئی صاحب فراش اس کا مدعی نہ ہو، اور بہ زانی اسے اپنا بیٹا مان رہا ہوں تو اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی، اور یہ لڑکا اس کے نسب میں شریک کر لیا جائے گا، اور اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ”الولد للفراش“، کی بنیاد یہ ہے کہ اگر زانی اور صاحب فراش میں جھگڑا ہو تو صاحب فراش کا دعویٰ مانا جائے گا، حضرت حسن بصری کا بھی یہی مذہب ہے، ان سے اسحاق نے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ اگر ایک آدمی ایک عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرتا ہے، پھر اس کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو

اسے اپنا تسلیم کرتا ہے، تو اسے زنا کے جرم میں کوڑے لگائے جائیں گے، اور رط کا اس کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔

**کیا زانی کا رط کا شریک وراثت ہو سکتا ہے** | عروہ بن زبیر اور سلیمان بن لیسار سے روایت ہے

کہ ان دونوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی رط کے کو اپنا بناتا ہے اور وہ اس کی مال سے زنا کا ارتکاب کر چکا ہے۔ اور اس رط کے کا مدعی کوئی اور نہیں ہے، تو یہ رط کا زانی کا مانا جائے گا، اس کے نسب میں شریک ہوگا، اور اس کی وراثت کا حق دار ہوگا۔

**ولد ازنا شریک وراثت نہیں ہو سکتا ہے** | ابو داؤد نے اپنی سنن میں ابن عباس کی ایک حدیث

درج کی ہے۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں زنا جائز نہیں ہے، جس نے جاہلیت میں زنا کا ارتکاب کیا تو وہ اپنے غصہ سے ملحق ہو گیا، اور جس نے کسی رط کے پر جو حلالی نہ ہوا دعویٰ کیا، تو دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا،!

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں زنا کو حرام، اور زنا جائز اولاد کو شریک نسب ہونے سے محروم کر دیا، البتہ عہد جاہلیت (قبل از اسلام) جو ہو چکا اسے درگزر کیا اور الحاق نسب کی اجازت بھی دے دی۔

# مسئلہ حق حضانت

اولاد کی پرورش کا حق باپ کو حاصل ہے یا ماں کو؟

ایک فریادی عورت دربار رسولؐ میں | ابو داؤد نے اپنی سنن میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث درج کی ہے، جو یہ ہے، کہ ایک عورت آپؐ کے پاس آئی، اور عرض گزار ہوئی۔

”بارسول اللہ! یہ میرا لڑکا ہے، میرا پیٹ اس کا برتن ہے، میرے پستان اس کا مشیکزہ ہیں، میری گود اس کے لیے جائے اماں ہے، اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے، اور اب وہ اسے مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا۔

اس لڑکے کو پرورش کرنے کی تو نہ یادہ حق دار ہے، جب تک دو سال کا نہ کر لے، یا۔“

بخاری اور مسلم میں برابر سن عازب کی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ کی لڑکی کے بارے میں، علی رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ

اور زیدؓ کے مابین جھگڑا ہو گیا علیؓ نے کہا میں اس کی پرورش کا زیادہ حق دار ہوں، کہنو مکہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، جعفرؓ نے کہا مجھے زیادہ حق

ہے کیونکہ یہ میری بنت علم ہے، اور اس کی خالہ میری بیوی ہیں، زید نے دعویٰ کیا یہ میرے (اسلامی) بھائی کی بیٹی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ فرمایا، اور ارشاد کیا،  
”خالہ ماں کی جگہ ہے،“

اہل سنن نے حضرت ابو ہریرہ کی ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اس امر کا اختیار عطا فرمایا کہ جی چاہے کہ باپ کے پاس رہے مرنے کی ہمت تو ماں کے پاس،! — ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے،  
اہل سنن ہی نے اس حدیث کو بھی روایت کیا ہے کہ ایک عورت اسے حضرت کے خدمت میں حاضر ہوئی، اور کہنے لگی۔

”میرا شوہر میرے لڑکے کو لے جانا چاہتا ہے،“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے سے کہا،

”یہ تیرا باپ ہے، یہ تیری ماں ہے، ان میں جس کا جی چاہے ہاتھ پکڑے،“

لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا، وہ اسے لے کر چلی گئی — ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

ابو داؤد کی روایت ہے کہ رافع بن سنان نے اسلام قبول کر لیا، ان کی بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد کناں حاضر ہوئی، آپ نے رافع سے کہا ذرا دیر بیٹھو، یہی بات ان کی بیوی سے بھی کی، پھر آپ نے لڑکی کو دونوں کے مابین بٹھا دیا، پھر کہا اسے بلاؤ، لڑکی ماں کی طرف مائل ہوئی، رسول اللہ نے فرمایا،

یا اللہ اسے ہدایت دے،“

پھر یک بیک وہ باپ کی طرف مڑی، باپ نے اسے لے لیا، اور چلا گیا۔

ان احادیث سے

ماں کا حق خضانت باپ کے مقابلہ میں زیادہ ہے ثابت ہوتا ہے کہ



اگر والد بن میں افتراق ہو جائے اور ان کے کوئی بچہ ہو، تو ماں اس کی رکوش اور ولایت کی باپ کے متقابلہ میں زیادہ حقدار ہے۔ بشرطیکہ بچہ کم سن ہو، اور عورت دوسری شادی اس اثنا میں نہ کرے۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف، اور ان کی مطلقہ بیوی کے حق میں فیصلہ کیا جب کہ ان دونوں میں عاصم یعنی مطلقہ انصار یہ بیوی جمیلہ کے لڑکے کی ولادت کے بارے میں جھگڑا ہوا، پھر جب حضرت عمرؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو وہ بھی اسی فیصلہ پر عمل کرتے رہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے وہ نہیں تھی، جو حضرت ابوبکرؓ کی تھی، لیکن انہوں نے حاکم وقت کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیا، پھر اپنے عہد خلافت میں بھی اسی پر فتویٰ دیتے اور عمل کرتے رہے،

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی جمیلہ انصار یہ کو طلاق دے دی جو ان کے بیٹے عاصم کی ماں تھیں، انہوں نے محسوس عاصم کو دیکھا، تو جمیلہ سے چھین لینا چاہا، جمیلہ نے اس پر مخالفت کی اور وہ لڑکے کو ان سے چھینے لگی، اس کشمکش میں لڑکے کو تکلیف ہوئی اور وہ رونے لگا،

پھر یہ دونوں اپنا جھگڑا لے کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انہوں نے کہا، ”اس عورت کی خوشبو، اس کی گود، بچہ کے لیے تم سے زیادہ راحت بخش ہے جب تک کہ وہ سن تمیز کو نہ پہنچ جائے، اور خود برا بھلا نہ پہچانے لگے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ سے کہا، ماں زیادہ رحیم، زیادہ مہربان، زیادہ تنفیق، زیادہ محبت کرنے والی، زیادہ حسن سلوک کرنے والی ہوتی ہے، وہ اپنی اولاد کی زیادہ مستحق ہے۔ جب تک وہ دوسری شادی نہ کرے۔

ولایت عقل کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم میں باپ ماں پر، اور دوسری میں ماں باپ پر مقدم ہے، باپ کو تقدم مالی

ولایت عقل کے اقسام

معاملات اور نکاح میں ہے، مال کو تقدیم رضاعت اور پرورش میں ہے۔  
 ماں نہ ہونے کو خالہ کو دہی درجہ حاصل ہو جاتا ہے جو ماں کو حاصل ہوتا ہے۔

اور یہ ارشاد کر:

**حضانت مال کا حق ہے** | دو جب تک تو نکاح نہ کرے تو، ہی پرورش اولاد  
 کی باپ کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہے، اے،

آپ کے اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ حضانت ماں کا حق ہے،

اور آپ کا یہ ارشاد کر:

**اہل علم کا اختلاف فکر و رائے** | در جب تک تو دوسرا نکاح نہ کرے۔

اہل علم کا اس باب میں اختلاف ہے، کہ ”جب تک“ سے مراد تعلیل ہے یا توقیت  
 اور اگر وہ عورت حق حضانت حاصل کرنے کے بعد شادی کر لے، اور شادی کر لینے  
 کے باعث حق حضانت ساقط ہو جائے، پھر اسے اس کا یہ دوسرا شوہر طلاق دیدے،  
 تو آیا وہ ساقط شدہ حق حضانت دوبارہ طلب کر سکتی ہے یا نہیں۔

اگر ”جب تک“ سے مراد تعلیل یعنی علت اور سبب کو لیں تو طلاق کے بعد  
 عورت کا حق حضانت اسے واپس مل جائے، کیونکہ اگر کوئی حکم، کسی علت کے  
 باعث نافذ ہو تو زوال علت کے بعد، خود بھی زائل ہو جائے گا، اور چونکہ سقوط  
 حضانت کی علت تنزیح نفی، لہذا، طلاق کے بعد یہ علت زائل ہو گئی، لہذا حکم  
 بھی زائل ہو گیا، — اکثر کا قول یہی ہے، جنہ میں امام شافعی، امام احمد، امام ابو حنیفہ  
 جمہم اللہ شامل ہیں۔

لیکن مختلف رائے اس میں ہے کہ

**رجعیہ کو حق حضانت کب ملے گا؟** | اگر عورت کو طلاق رجعی ملی ہے، تو

آیا اسے حق حضانت فوراً مل جائے گا، یا مدت گزرنے تک توقف سے کام لیا جائے گا  
 اور مدت علت ختم ہونے کے بعد حق حضانت اسے واپس ملے گا۔

امام شافعی وغیرہ کا قول ہے کہ طلاق کے ساتھ ہی رجوع وہ رجعی ہو، حق حضانت

عورت کو واپس مل جائے گا،

امام ابو حنیفہ وغیرہ کا قول ہے کہ جب تک مطلقہ عورت عدت پوری نہ کر لے حق حضانت اسے واپس نہیں ملے گا۔

فقہاء اور ائمہ کے ان سارے اقوال کی تفریح لفظ ”جب تک“ کے لیے اصول تعلیل مان لینے کی بنیاد پر ہے، بہت بڑی جماعت اسی خیال کی حامی ہے۔

**امام مالک کی رائے اور فتویٰ** | امام مالک کہتے ہیں کہ عورت نے اگر نکاح کر لیا اور اس کا حق حضانت ایک مرتبہ ساقط ہو گیا، تو اب مطلقہ ہونے کے بعد بھی یہ بحال نہیں ہوگا، کیونکہ امام مالک اور ان کے ہم خیال اصحاب ”جب تک“ کو تعلیل کے لیے نہیں، توقیت (وقت) کے لیے ملتے ہیں، ان کے نزدیک آپ کے اس ارشاد کا کہ ”جب تک“، تو نکاح نہ کر لے، مطلب یہ ہے کہ تیرا حق حضانت بس اس وقت تک کے لیے ہے جب تک تو نکاح نہیں کر لیتی، اگر نکاح کر لیا گیا، اور یہ واپس نہیں آ سکتا، جس طرح بلوغ عقل کے بعد حق حضانت ختم ہو جائے گا، اور واپس نہیں آئے گا۔

بعض اصحاب کا قول ہے کہ عورت کو اگر اس کا (نیا) شوہر چھوڑ دے تو اس کا حق حضانت واپس مل جائے گا۔ جمہور کا قول یہی ہے، جعزہ اور ابن ابی حازم بھی یہی کہتے ہیں، کہ..... عورت کو حضانت اس کی قرابت خاصہ کی بنا پر ملتا تھا، لیکن اس میں ایک عارض (رکاوٹ)۔ نکاح۔ پیدا ہو گیا، جس سے عقل کی اصاعت کا اندیشہ حقوق شوہر کی بجا آوری کے باعث پیدا ہو گیا۔ کیونکہ یہ شوہر تو رطل کے لیے اجنبی ہے، اسے اس کی فلاح و بہبود اور مصالح پر کیا سروکار ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر موت یا طلاق کے باعث تفرق ہو گیا، تو جو ماؤں و خاوند زائل ہو گیا، لیکن قرابت خاصہ کا مقتضی قائم رہا، چنانچہ اس پر اس کا اصلی اثر مرتب ہوگا، اور حضانت کا حق واپس مل جائے گا۔



## مانع کی صورت میں حق حضانت سوخت ہو جائے گا۔ [یہ اصول عام ہے]

جو تمام صورتوں پر حاوی ہے۔ جب بھی کوئی مانع - مثلاً، کفر، غلامی، فسق وغیرہ - پیدا ہوگا، حضانت کا حق سوخت ہو جائے گا، لیکن اگر یہ موانع زائل ہو جائیں، تو اہل حضانت کو ان کا حق واپس مل جائے گا۔

جو لوگ القضاۃ عدت سے قبل اعادۃ حق حضانت کے قائل نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں عورت بدستور شوہر کی زوجہ ہے، اور اس پر عام احکام زواج کا اطلاق ہوگا، دونوں زمین بیوی کے مابین تواریق اور نفقہ کا اصول جاری رہے گا، شوہر کو ظاہر اور ابلاء کا حق بھی حاصل ہے وہ اس طلاق رجعی کے دوران میں اپنی مطلقہ کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا نہ اس کی چچی یا خالہ کو بیاہ سکتا ہے، نہ اسے ملا کر چار سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے، لہذا طلاق رجعی کے باوجود، جب تک عدت نہ گزر جائے، قانونی طور پر وہ اس کی ہو رہی ہے پھر محض طلاق رجعی کے باعث اسے حق حضانت کس طرح واپس دیا جاسکتا ہے؟ یہ اسی وقت ملے گا، جب عدت گزر جائے اور بات بالکل صاف ہو جائے۔

جو لوگ محض طلاق رجعی کی بناء پر اعادۃ حق حضانت کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے طلاق رجعی دے کر اسے اپنے فراش سے الگ کر دیا، وہ اس کی (شوہر کی) ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو گئی، لہذا، جس علت کو ساقط کیا تھا، وہ طلاق سے زائل ہو گئی، لہذا اس کا حق حضانت واپس مل جائے گا، اسی قول کو نفسی میں شیخ نے ترجیح دی ہے خرقی کا ظاہر کلام بھی یہی ہے، وہ کہتے ہیں کہ شادی کے بعد اگر بچہ ماں سے لے لیا گیا، تو طلاق کے بعد وہ اپنا حق کفالت دوبارہ فوراً حاصل کرے گی۔



مراد مجرد عقد ہے یا شوہر کا تمتع بھی لازمی ہے؟ | اور آپ کے ارشاد،

کہ لے۔ ا کے بارے میں ایک اختلاف اور ہے، وہ یہ ہے، کہ آیا مراد مجرد عقد ہے، یا بیوی سے شوہر کا تمتع اور مباشرت ہے۔؟  
اس مسئلہ میں دو قول ہیں،

ایک قول یہ ہے کہ عقد کرتے ہی عورت کا حق حضانت زائل ہو جائے گا، یہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا قول ہے اس لیے کہ عقد کے ساتھ ہی شوہر متناع استمتاع (مباشرت و جماعت) کا مالک ہو گیا، اور اتنا کافی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عورت کا حق حضانت بغیر تمتع اور مباشرت کے زائل نہیں ہوگا،

یہ امام مالک کا قول ہے، کیونکہ تمتع کے بعد ہی شوہر کے اشتعال کا تحقق

ہوگا۔

حدیث مذکورہ ان دونوں اقوال کو مختمل ہے، لیکن قرینہ قیاس یہ ہے کہ عقد کے ساتھ ہی عورت کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا، کیونکہ عقد کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ منلۃ اشتعال میں آگئی، یعنی جو وقت بچہ کو دیتی تھی وہ شوہر کا ہو گیا، اور شوہر کو تمتع کا حق دینے پر بھی آمادہ ہو گئی، لہذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب اس کا حق حضانت قائم رہے، — جمہور کا قول یہی ہے۔

# سقوط حق حضانت

## طفل کا حق کفالت اور مباحث و مسائل متعلقہ

نکاح کے بعد سقوط حضانت کے سلسلہ میں چار اقوال ہیں:

ایک تو یہ کہ عقد نکاح کے فوراً بعد، حق حضانت سوخت ہو جائے گا، — یہ قول شافعی، مالک، اور ابو حنیفہ و احمد رحمہم اللہ کا ہے، قاضی شریح اسی کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے،

● دوسرے یہ کہ تزویج سے یہ حق ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ جہاں تک حضانت کا تعلق ہے بیوہ اور شوہر والی عورت میں کوئی فرق نہیں، — اس مذہب کی تسبیت حضرت دن بھری کی طرف کی جاتی ہے، ابو محمد بن حزم کا بھی یہی قول ہے۔

● تیسرا یہ کہ طفل اگر لڑکی ہے تو ماں کے نکاح سے حق حضانت ساقط نہیں ہوگا، اگر لڑکا ہے تو ساقط ہو جائے گا۔

ابو موسیٰ کا قول ہے اور احمدؒ سے بھی روایت ہے کہ ماں شادی کر چکنے کے باوجود لڑکی کے حق حضانت سے محروم نہیں ہوگی۔

● چوتھا یہ کہ اگر ماں نے کسی ایسے شخص سے شادی کی ہے جو طفل کا ہم خاندان

ہے، تو اس کی حضانت ساقط نہیں ہوگی،

یہ فیصلہ ہر ماں پر منطبق نہیں ہو سکتا | اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ کہ طفل کا حق کفالت

ماں کو ہے، اور آپ کا یہ ارشاد کہ ”جب تک تو نکاح نہ کر لے،“ — اس سے عموم قضا مستفاد نہیں ہوتا، یعنی یہ فیصلہ ہر حالت میں، ہر ماں پر منطبق نہیں ہوگا اگر ماں کافر ہو، یا باندی ہو، یا فاسق ہو، یا مسافر ہو تو اس حدیث سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا، البتہ اگر، اس کے اعتبار اسلام، حریت (آزادی) دیانت اور اقامت کے بارے میں دلیل و ثبوت موجود ہو تو بے شک ماں کا حق ہے۔

حضانت کے لیے چھ شرطیں ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

### شرائط حضانت

۱۔ ماں اور بیٹے کا ہم مذہب

ماں بیٹے کا ہم مذہب ہونا ضروری ہے | ہونا، کیونکہ کافر کو مسلم

پر حق حضانت نہیں مل سکتا اس کے دوسبب ہیں،:

ایک سبب تو یہ ہے کہ صاحب حضانت پوری سرگرمی سے طفل کو اپنے دین پر مائل کرنے کی کوشش کرے گا، وہ اسی پر حریص ہوگا کہ اس کی تربیت اپنے اصول دین پر کرے، پھر سمجھا رہونے کے بعد عقل کے لیے اس ماحول سے نکل کر دوسرا مذہبی ماحول کرنا دشوار اور صعب ہوگا، اس طرح اس حضانت سے اسے نقصان پہنچے گا کہ وہ اس فطرت سے محروم ہو جائیگا، جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر ایک کو پیدا کیا ہے، اور پھر اس کا فطرت (دین اسلام) پر واپس آنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

”ہر مولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی

نصرانی، مجوسی بنالیتے ہیں۔

کافر اور مسلمان کے مابین قطع موالات | دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں کے

مابین قطع موالات کر دی ہے اور مسلمانوں کو مسلمانوں کا، اور کافروں کو کافروں کا دل قرار دیا ہے اور حضانت، موالات کے قوی ترین اسباب میں سے ہے۔ بعض لوگ کافراں کو بھی حق حضانت دیتے ہیں، لیکن تعجب ہے کہ فاسق کو نہیں دیتے حالانکہ فسق سے کفر کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا صحابہ میں سے کسی نے کسی فاسق کو اپنے بیٹے کی تربیت سے نہیں روکا ہے، نہ اس کی حضانت پر اعتراض کیا ہے۔

۲۔ مجنوں کو حق حضانت نہیں مل سکتا۔

۳۔ طفل کو حق حضانت نہیں حاصل ہو سکتا۔

۴۔ بے وقوف اور احمق کو بھی حضانت کا حق نہیں حاصل ہوگا۔

اس لیے کہ یہ سب بجائے خود دوسرے کی کفالت کے محتاج ہیں، کسی اور کی کفالت کیا کر سکیں گے۔

۵۔ حق حضانت حاصل کرنے والے کو آزاد اور خود مختار ہونا چاہیے۔

۶۔ اتحاد دار بھی طفل اور حق حضانت حاصل کرنے والی ماں کے لیے ضروری

ہے۔

کیا تخبیر بین الایوبیت جائز نہیں؟ | اُن حضرت کے ارشاد موجب تک تو نکاح نہ کرے۔ سے ایک دلیل یہ بھی لائی جاتی ہے، کہ ظاہر حدیث سے تخبیر بین الایوبین جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ

۱۵ اتحاد دار سے مراد یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ملک میں رہتے ہوں، ایک پاکستانی اور دوسرا افغانستان کا باشندہ نہ ہو۔

۱۶ ماں باپ میں سے جسے چاہیے اختیار کرے۔



صلی اللہ علیہ وسلم نے حق حضانت ذاتی طور پر ماں کو دیا ہے، اگر تجنیس کا اصول مان لیا جائے تو یہ ماں کے بجائے باپ کو بھی منتقل ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

ذیل میں ہم اس مسئلہ سے متعلق مذاہب اناس کا ذکر کرتے ہیں، اور ان کے دلائل کا ذکر بھی کریں گے، پھر حکم رسولؐ کے مطابق جو ترجیحی صورت ہے اسے بھی پیش کریں گے۔

**حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ** | حضرت ابو بکرؓ نے ماں کے حق میں حضانت کا فیصلہ حضرت عمرؓ کے خلاف کیا کہ جب تک بچہ سن تین نہ پہنچ جائے اسے قبول کا اختیار نہیں دیا جاسکتا۔

**حضرت عمرؓ نے طفل کو رد و قبول کا اختیار دیا** | عبدالرحمان بن غنم کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے طفل کو باپ اور ماں کے درمیان رد و قبول کا اختیار دیا۔

عبدالرحمان بن غنم کی ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک یتیم کی حضانت کا قضیہ پیش ہوا، چچا اور ماں دونوں کو دعویٰ تھا، حضرت عمرؓ نے طفل کو اختیار دیا اس نے چچا کے مقابلہ میں ماں کو اختیار کر لیا، وہ کہنے لگے۔  
انے لطف امک خیر منہ خصب عمک

(تیرے لیے ماں کا دامنِ محبت چچا کے مرغزار سے بہتر ہے)

**حضرت علیؓ کا فیصلہ** | عمارہ جرمی کی روایت ہے کہ علیؓ نے مجھے اختیار دیا کہ ماں اور چچا میں سے جسے چاہوں

اختیار کروں،

**قول ابو ہریرہؓ** | ہلال بن ابی میمون کی روایت ہے کہ میں نے دیکھا حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک لڑکے کو اختیار دیا کہ باپ اور ماں سے جسے چاہے اختیار

کر لے،

مذکورہ بالا آثار صحابہ کے تھے، اب ہم آئمہ فقہ و حدیث کے افکار و اقوال پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

**اسحاق بن راہویہ کا قول** | حرب بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ سے دریافت کیا، کہ لڑکا اور لڑکی، کب تک ماں کی کفالت میں رہیں گے جب کہ وہ طلاق پا چکی ہو؟ اسحاق نے جواب دیا، میری رائے میں سات برس کی عمر ایک، اس کے بعد انہیں اختیار ہوگا جسے چاہیں قبول کر لیں، میں نے پوچھا سات سال سے پہلے یہ اختیار نہیں مل سکتا؟ انہوں نے جواب دیا، بعض لوگ پانچ سال کے بھی قائل ہیں، لیکن میں سات سال کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

**امام احمد کی رائے** | امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے، کہ طفل یا نو لڑکا ہوگا یا لڑکی، یا اس کی عمر سات سال ہوگی، یا اس سے کم، اگر اس کی عمر سات سال سے کم ہے تو حق حضانت ماں کو بغیر تخبیر حاصل ہے، اگر سات سال کی ہے تو اسے اختیار ہے جسے چاہے قبول کرے، اور اگر وہ خود سے کسی کو اختیار نہ کرے تو قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جس کا نام نکل آیا اس کے حوالے کر دیا جائے گا، اور اگر لڑکی ہے تو سات برس سے کم عمر ہونے کی صورت میں ماں بغیر تخبیر حضانت حاصل کرے گی، اس کے بعد بغیر تخبیر کے یہ حق باپ کو مل جائے گا، ایک قول سات کے بجائے نو سال کا ہے۔

**امام شافعیؒ کے نزدیک مسئلہ کیا ہے؟** | امام شافعیؒ کے نزدیک سات سال کی عمر تک طفل کی حضانت

کا مال کو باپ کے مقابلہ میں زیادہ حق ہے، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، سات سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اسے اختیار ہوگا جسے چاہے قبول کرے۔

**امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول** | ان دونوں کے نزدیک طفل کو حق تخبیر نہیں دیا جائے گا۔

آگے چل کر دونوں کے مسلک میں اختلاف پیدا ہوا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رط کی جب تک بالغ نہ ہو جائے، اور رط کا جب تک خود سے کھانے پینے، پہننے کے قابل نہ ہو جائے، ماں کو حضانت کا حق حاصل ہے، اس کے بعد بیرونوں باپ کے سپرد کر دیے جائیں گے۔

امام مالک فرماتے ہیں ماں کو، رط کے اور رط کی کا حق حضانت حاصل ہے جب تک وہ سمجھ دار نہ ہو جائیں، تجنیر کا حق طفل کو کسی حالت میں حاصل نہیں ہے۔

رط کے کا حق تجنیر | جو لوگ رط کے کو تجنیر کا حق دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رط کے کی تجنیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث ابو ہریرہؓ کی رو سے ثابت ہے، نیز خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے آثار سے بھی ثابت ہے۔

عصبات پدر کے مقابلہ میں خالہ کا حق زیادہ ہے | تہذیب الآثار میں حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی

کا قصہ ذکر کرنے کے بعد مرقوم ہے کہ یہ بات دلائل واضح سے ثابت ہے کہ کم سن رط کے، اور کم سن رط کی کا حق حضانت اگر ماں زندہ نہ ہو، تو اس کے رشتہ والی عورتوں کو ہے، باپ کی طرف سے جو عصبات میں انہیں یہ حق حاصل نہیں، اگرچہ ماں کی طرف کی رشتہ والی عورت شادی شدہ کیوں نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت حمزہ کے لیے حضانت کا حق ان کی خالہ کو عطا فرمایا جو جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں، حضرت علیؓ کو نہیں دیا، جو ابن عمرؓ تھے، اور حضرت زیدؓ کو بھی نہیں دیا جو مدینہ کی موخات، ہجرت کے مطابق حضرت حمزہؓ کے بھائی تھے۔

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عصبات پدر کو ماں کی طرف سے رشتہ رکھنے والی عورت (خالہ وغیرہ) کے مقابلہ میں ترجیح نہیں حاصل ہے۔ اگرچہ وہ خالہ شادی شدہ، اور شوہر والی کیوں نہ ہو۔

ایک اہم اور غور طلب نکتہ | اس واقعہ میں ایک نکتہ اور غور طلب ہے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق

میں بنت حمزہؓ کی وضانت کا فیصلہ کر دیا اگرچہ وہ شادی شدہ تھیں۔ کیونکہ ایک دوسری حدیث کے مطابق جو ابن عباس سے مروی ہے آپؐ نے حضرت جعفر سے فرمایا۔

”اے جعفر تم اس لڑکی کے زیادہ مستحق ہو، کیونکہ اس کی خالہ تمہاری بیوی ہیں۔ اور بیوی کی موجودگی میں اس کی چچی یا خالہ سے شادی نہیں کی جاسکتی۔“

اس سے ثابت ہوا کہ خالہ کفالت کرنے والے کی محافظ ہے کیونکہ اس سے کسی بہن کی لڑکی اس کے شوہر پر حرام ہے۔

جو شخص ذرا بھی غور کرے گا کہ اس واقعہ میں آپؐ نے جو فیصلہ صادر فرمایا وہ غیت حکمت اور عدل کا مفتضا تھا اس میں لڑکی کے لیے غایت درجہ احتیاط نظر آتی ہے۔



# زوجہ کا نفقہ

نفقہ زوجہ کی حد نہیں مقرر کی گئی یہ عرف پر منحصر ہے

بیوی کے نفقہ کی کوئی تعداد معین نہیں ہے۔ نہ آن حضرت صل اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی خاص حد معین ہے، درحقیقت اسے عرف پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں آپ کا خطبہ حجۃ الوداع منقول ہے جو آپ نے وفات سے کچھ روز پیشتر ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے ارشاد فرمایا تھا، آپ نے فرمایا تھا :

”اللہ سے اپنی بیویوں کے معاملہ میں ڈرتے رہو تم نے انھیں اللہ کی امانت کے طور پر

حاصل کیا ہے۔ اللہ کے کلمہ پر تم نے ان سے تمتع کیا ہے، تمہارے اوپر ان کے

نفقہ اور پوشش کے مصارف ہیں۔“

بخاری اور مسلم میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا واقعہ درج

ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا واقعہ | ہے کہ اس نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کیا :

”ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے، وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتا جو میرے اور میرے

بیٹے کو کفایت کرے، بجز اس صورت کے کہ اسے بتائے بغیر (چوری چھپے) میں کچھ

۱۔ عرف ایک فقہی اصطلاح ہے۔ عرف سے مراد وہ مسائل حیات ہیں جس پر عمل درآمد پشہا پشت

سے چلا آ رہا ہے۔ مثلاً اگر شادی کے وقت مہر کی تعین نہیں ہوتی، تو مہر ”عرف“ کے مطابق دلایا جائے،

یعنی خاندان میں عام طور پر دوسری عورتوں کا جو مہر بندھتا چلا آیا ہے قاضی وہی دلائے گا۔

لے لوں!

آں حضرتؑ نے ارشاد فرمایا:

”اتنا لے لیا کرو،“ معروف طور پر ”جو تمہارے اور تمہارے بیٹے کے مصارف کے لیے کافی ہو“ سنن ابی داؤد میں حکم بن معاویہ کی حدیث ہے جو انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ آپ ہماری بیویوں کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

آپ نے جواب میں فرمایا،

”جو تم کھاؤ وہ انھیں کھلاؤ، جو تم پہنو وہ انھیں پہناؤ، انھیں مارومت، نہ ان کو برا بھلا کہو!“

غرض اللہ اور اس کے رسولؐ نے حسب تفسیر صحابہ ”اطعام اہل“ کے بارے میں مطلق طور پر اتفاق کا ذکر کیا ہے، نہ کوئی تحدید کی ہے نہ کوئی تعداد معین کی ہے، نہ کسی طرح کی پابندی لگائی ہے، لہذا نفقہ کی تعین ”عرف“ سے ہوگی، اور اس کا ادا کرنا از روئے شرع واجب ہے۔

اگر نفقہ کی تعداد معین ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم البوسفیان کی بیوی ہندہ سے صرف اتنا فرمادیتے از روئے شرع جو نفقہ

مقرر ہے، وہ لے لیا کرو، لیکن اس کے بجائے آپؐ نے فرمایا حسب ضرورت لے لیا کرو، اور کوئی مقدار معین نہیں فرمائی، بلکہ اسے خود بیوی کی صواب دید پر چھوڑ دیا، اور ظاہر ہے کہ ”حسب ضرورت“ کو کسی پیمانہ کا پابند نہیں بنایا جاسکتا کہ نہ اس سے زیادہ ہو سکتا ہے نہ کم۔

نفقہ واجبہ کے بارے میں جمہور کا مسلک | نفقہ واجبہ کے بارے میں جمہور کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی نفقہ کی

تعداد معین طور پر نہیں ثابت ہے، نہ سیر اور پاؤ کے اعتبار سے، نہ روپے پیسے کے حساب سے محفوظ جو کچھ ہے وہی ہے جو از رفتے ٹل ہر عصر، اور ہر مصر میں ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اپنے اہل و عیال کے کھانے پینے پر جو کچھ تم اوسط طور پر کرو، وہ روٹی اور گھی ہے۔ روٹی اور زیتون ہے، روٹی اور گوشت ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اوسط طور پر، اپنے اہل (بیوی) کو جو کھلاتا ہے وہ روٹی اور دودھ، روٹی اور زیتون، روٹی اور گھی ہے، اور بہتر چیز روٹی اور گوشت ہے۔

صحابہ کے بعد تابعین صحابہ کا دور آتا ہے تو اسود بن یزید، ابی ازین، علیہ - محمد بن سیرین - جن بصری

## حضرات تابعین کے افکار و آرا

سعید بن جبیر - شریح، جابر بن زید، طاؤس، شعبی، ابن بربہ - صناف، قاسم، سالم، محمد بن ابراہیم، محمد ابن کعب - قتادہ، اور ابراہیم نخعی وغیرہ سے یہ سند ثابت ہے جسے اسماعیل ابن اسحاق نے احکام القرآن میں درج کیا ہے کہ ان میں سے اکثر روٹی اور گوشت روٹی اور گھی - روٹی اور زیتون کو نفقہ مانتے تھے۔ اہل مدینہ اور اہل عراق کی رائے یہی ہے۔

صحیحین میں ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرہ سے فدیہ اذی کے کفارے کے بارے میں فرمایا کہ چھ مسکینوں کو نصف صاع کھلاؤ، یعنی نصف صاع طعام ہر مسکین کو، اس طرح گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ اذی کی تعیین کر دی۔ اسی بنیاد پر ہم جملہ کفارات کی تعیین کر سکتے ہیں۔ بس جو طعام روجہ کی تعیین کرنا چاہے، تو نفقات اور کفارات وجوب میں مشترک ہیں۔ لہذا ہم نفقہ کو کفارہ کے مطابق قرار دیں گے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے

## تنازع کی صورت میں فیصلہ خدا و رسول پر چھوڑنا چاہیے

رسول اور اجماع امت کے مطابق ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اگر ہم میں کسی بات پر تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹائیں۔ یہ چیز دین و دنیا ہر جگہ ہمارے لیے بہتر ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کفارہ میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانا رکھا ہے۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی رکھا ہے، اور "اطعام" پر اس امر کو معلق رکھا ہے، یعنی کھانا کھلاؤ۔ یہ نہیں کہ اتنا کھلاؤ، اور یہ کھلاؤ۔ گویا کھانے والوں کی تعداد مقرر کر دی ہے۔ کھانے کی حد مقرر نہیں کی ہے، یعنی کھانے کو مطلق طور پر بیان کیا ہے، اور کھانے والوں کی تعداد بیان کر دی ہے۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جب اپنی کتاب قرآن میں طعام مسکین کا ذکر کرتا ہے تو مراد طعام معہود و متعارف ہوتا ہے۔



یوسفیان کی بیوی ہندہ والی جو حدیث مذکور  
شکایت کے طور پر کسی کا ذکر غیبت نہیں ہے | ہوتی، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص

شکوہ و شکایت کے طور پر اپنے عزیز کے کچھ عیوب بیان کر جائے تو وہ داخل غیبت نہیں ہوگا۔  
 علاوہ انہیں اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اولاد کا نفقہ بجائے خود باپ پر واجب ہے،  
 اس میں ماں شریک نہیں ہے۔

اس باب میں علماء کا اجماع ہے، بجز کسی شاذ قول کے وہ قابل  
نفقہ بہ قدر میراث ملے گا | التفات نہیں کہ ماں کو نفقہ یہ قدر میراث ملے گا۔

صحیح مسئلہ یہ ہے کہ نفقہ میں عصبیات کی انفرادیت ثابت ہے اور یہ بالکل مقتضائے قواعد  
 شریعت ہے، کیونکہ عصبہ ولایت نکاح، ولایت موت، اور میراث میں از روئے دلائل منفرد ہے، امام  
 شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ماں اور باپ اور دادا، جمع ہو جائیں تو نفقہ صرف جد کو ملے گا۔ امام احمد کے  
 روایات میں سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

اسی طرح اگر بیٹا اور بیٹی، یا ماں اور بیٹا، یا پوتا جمع ہو جائیں تو امام شافعی کا فتویٰ ہے کہ نفقہ لڑکے  
 کو ملے گا، کیونکہ عصبہ وہی ہے۔ امام احمد سے ایک روایت تو اس طرح کی ہے، دوسری روایت یہ ہے  
 کہ نفقہ بہ قدر میراث ہوگا۔ ان تینوں صورتوں میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی کے اجتماع  
 کی صورت میں نفقہ دونوں میں نصف نصف رہے گا، تاکہ ان کی مساوات قرابت قائم رہے، اور لڑکی  
 اور پوتے کے اجتماع کی صورت میں نفقہ لڑکی کو ملے گا، کیونکہ وہ از روئے قرابت قریب تر ہے۔ اور  
 ماں اور بیٹی کے اجتماع کی صورت میں ماں کو چوتھائی، باقی لڑکی کو ملے گا، یہ امام احمد کا قول ہے،  
 اس سے ثابت ہوا کہ زوجہ اور اقارب کے نفقہ کی تعداد کفایت ہے، اور اس کا اعتماد عرف پر ہے  
 ہندہ کے واقعہ سے ایک دلیل یہ بھی لائی جاتی ہے کہ

کیا نفقہ زوجہ موثر بہ ماضی نہیں ہوتا؟ | نفقہ زوجہ موثر بہ ماضی نہیں ہوتا، جو زمانہ گزر چکا،

اس کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ ہندہ نے ماضی کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ مستقبل کے بارے  
 میں پوچھا تھا، چنانچہ آپ نے اس کے مطابق فتویٰ دے دیا۔

زوجات و اقارب کے نفقات کے سلسلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا زمانہ گزرنے کے ساتھ



یہ ساقط ہو جائیں گے یا باقی رہیں گے؟ یا صرف اقارب کا نفقہ ساقط ہوگا، زوجہ کا نہیں؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

**امام ابو حنیفہؒ کا مسلک** | ایک قول یہ ہے کہ اقارب اور زوجات کے نفقات عہد ماضی پر مؤثر نہیں ہوں گے، یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ امام سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔

**امام شافعیؒ کا مسلک** | دوسرا قول یہ ہے کہ قرابت دار اگر طفل صغیر ہو تو ساقط نہیں ہوں گے، یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

**امام احمدؒ اور مالکؒ کا مسلک** | تیسرا قول یہ ہے کہ قرابت دار کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ زوجہ کا باقی رہے گا۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور امام مالکؒ رحمہم اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔

جو لوگ سقوط نفقہ کے قائل ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ اگر حاکم نے نفقہ مقرر کیا ہو تو وہ ساقط میں ہوگا، بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی ساقط ہو جائے گا

**زوجات و اقارب کے مابین فرق** | نفقہ زوجہ کے مؤثر بہ ماضی نہ ہو سکنے کی بنا پر یہ جو سقوط سے متعلق مختلف رائے ہیں، اس طرح یہ ایک نزاعی مسئلہ بن گیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ ایک روایت کے مطابق سقوط کے قائل ہیں اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سقوط کے قائل نہیں ہیں۔

جو لوگ سقوط نفقہ زوجہ بہ عہد ماضی کے قائل نہیں ہیں وہ اقارب اور زوجات میں فرق کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرابت دار کو جو نفقہ ملتا ہے، وہ ایک طرح کا صلہ ہے۔

دوسرے یہ کہ نفقہ زوجہ، فراخ دستی اور تنگ حالی ہر حالت میں واجب ہے۔ برخلاف

قرابت دار کے نفقہ کے کہ وہ ہر حالت میں واجب نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ گویا زوجہ ذاتی حیثیت سے مالدار کیوں نہ ہو پھر بھی شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہے اس کے برعکس نفقہ اقارب صرف تنگی اور پریشانی کی حالت میں واجب ہوتا ہے۔

چوتھے یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم زوجہ کا نفقہ مؤثر بہ ماضی واجب قرار دیتے تھے لیکن کسی صحابی سے

یہ ثابت نہیں کہ اس نے اقارب میں سے کسی کا نفقہ مؤثر بہ ماضی واجب قرار دیا ہو۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے امرار اجار کو فرمان بھیجا کہ جو لوگ اپنی بیویوں کی خبر نہیں لیتے اور ان سے دور ہیں، وہ اپنی بیویوں کو نفقہ بھیجیں یا انھیں طلاق دے دیں، اگر طلاق دیں تو اب تک کا سارا نفقہ دیں — حضرت عمرؓ کے اس فرمان کی کسی صحابی کی طرف سے مخالفت نہیں ہوتی۔ کہیں سے مخالفت میں ایک آواز بھی نہیں اٹھی۔

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفقہ زوجہ کا واجب کتاب سنت سے ثابت ہے

اجماع سے واجب ثابت ہے۔

جو نفقہ واجب، وہ نفقہ معروف ہے

کوئی اصل کتاب اللہ، سنت رسول اللہ یا آثار صحابہ کرام میں کہیں نہیں ملتی۔ تابعیت اور تبع تابعین کے ہاں اور ائمہ اربعہ — امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ — کے ہاں بھی اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ دوسرے اللہ کے ہاں بھی اس کی اصل تلاش نہیں کی جاسکتی۔ ہمارے سامنے کتب آثار و سنن اور کلام اللہ کا ذخیرہ اور مجموعہ موجود ہے، اس میں کہیں بھی اس کی اصل دستیاب نہیں ہوتی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اقارب، زوجات، رفیق (غلام)، کا نفقہ معروف واجب کیا ہے اور معروف میں درہم کا فرض ہونا شامل نہیں ہے، بلکہ معروف وہ ہے جو صاحب شرع کی نص سے ثابت ہے، اور وہ یہ ہے کہ نفقہ سے مراد ہے آدمی جو کچھ خود کھاتے وہی انھیں کھلاتے، جو خود پہنتے وہی انھیں پہناتے، اس کے سوا کوئی چیز معروف میں داخل نہیں ہے۔ نفقہ دینے والے پر درہم کی فرضیت ایک فعل منکرہ ہے، کیونکہ درہم کا ادا کرنا من جملہ واجبات نہیں ہے، نہ یہ نفقہ کا عوض اور بدل بن سکتے ہیں، کیونکہ اقارب اور زوجات کا نفقہ یوماً فیوماً واجب ہوتا جاتا ہے۔ یہ کوئی مستقر چیز نہیں ہے۔ لہذا یہ کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جو زیر ملکیت ہو۔ پھر اس کا معاوضہ کیسے درست اور صحیح ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ مستقر (قائم بالذات) ہوتا تب بھی بغیر زوج اور قرابت دار کی رضامندی کے اس کا عوض نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ درہم واجب اصلی کا عوض ہو سکتے ہیں اور وہ جمہور کے نزدیک

طعام فساد ہے، پھر اس کا عوض درہم کی صورت میں بغیر رضامندی کے کیونکر ہو سکتا تھا۔ صاحب شرع نے بھی اسے اس پر مجبور نہیں کیا ہے، پس یہ قواعد شرع، نصوص ائمہ، اور مصالح عباد کے یکسر خلاف ہے۔ البتہ اس کے جواز کی صرف ایک صورت ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ منفق لے اور منفق علیہ دونوں اس پر متفق ہو جائیں۔

---

۱۔ منفق، خرچ کرتے والا  
 ۲۔ منفق الیہ، جس پر خرچ کیا جائے۔

# تنگ دست شوہر

اگر بیوی کا نفقہ نہ دے سکے تو کیا طلاق دینے پر مجبور ہے؟

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث | دارقطنی نے سعید بن المسیبؓ کی روایت کردہ ایک حدیث درج کی ہے، جو ایک شخص کے بارے میں ہے جو اپنی بیوی کا نفقہ

ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس صورت میں ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی،

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ ایک حدیث بھی اس مفہوم و معنی پر دلالت کرتی ہے۔

سعید بن منصور نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ ہم سے سفیان نے اور انھوں نے ابو زناد سے روایت

کی کہ انھوں نے ایک مرتبہ سعید بن المسیبؓ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا، جو اپنی بیوی کا نفقہ

ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا کہ آیا، ان دونوں میاں بیوی میں تفریق کرادی جائے گی؟

انھوں نے جواب دیا "ہاں"۔

یہ حدیث حضرت سعید بن المسیبؓ کے مراسیل میں سے ہے۔

فقہاء کا اختلاف فکر اور اقوال مختلفہ | فقہاء کا اس باب میں اختلاف ہے چنانچہ مسئلہ زیر بحث سے متعلق متعدد اقوال ملتے ہیں۔

(۱) شوہر کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو نفقہ ادا کرے، ورنہ بیوی کو طلاق دے دے

سفیان یحییٰ ابن سعید الانصاری سے، اور وہ ابن المسیبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

”اگر شوہر بیوی کا نفقہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ طلاق دے دے۔“

(۲) شوہر کی طرف سے حاکم طلاق دے دے گا۔ اور وہ ناقد ہو جائے گی۔ — یہ امام مالک کا قول ہے



وہ فرماتے ہیں کہ عدم نفقہ کی صورت میں ایک مہینہ کی مہلت دی جائے گی۔ پھر مدت گزر جانے کے بعد حاکم طلاق دے دے گا، لیکن یہ طلاق رجعی ہوگی۔ عدت ختم ہونے سے پہلے اگر شوہر کی مالی حالت درست ہوئی تو اسے رجعت کا حق ہے۔

اہم شافعی کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں :

ایک قول تو یہ ہے کہ زوجہ کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو بدستور شوہر کے پاس رہے۔ اور اس کا نفقہ شوہر پر فرض رہے گا، اگر چاہے نکاح فسخ کر لے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، آیا، یہ تفریق طلاق ہوگی یا فسخ تسلیم کی جائے گی؟

کی بنا پر؟ — اس سلسلہ میں دو قول ہیں :

ایک یہ کہ طلاق ہوگی، لہذا یہ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا، وہ شوہر کو حکم دے گا کہ یا نفقہ ادا کر لے یا طلاق دے۔ اگر وہ نفقہ دینے سے انکار کرتا ہے تو قاضی اس کی طرف سے طلاق دے دے گا، اور وہ ناقد ہو جائے گی، لیکن یہ طلاق رجعی ہوگی، اگر شوہر نے رجعت کر لی، تو قاضی دوسری طلاق دے دے گا، اگر شوہر نے پھر رجعت کر لی تو قاضی تیسری طلاق دے دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ معاملہ طلاق کا نہیں فسخ کا ہے، لہذا یہ مقدمہ بھی قاضی کے سامنے پیش ہوگا، تاکہ اس کے سامنے شوہر کی تنگ دستی ثابت کی جاسکے۔ پھر اسے فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔

فسخ نکاح کی صورت میں رجعت نہیں

ہوتا۔ اگرچہ عدت کے دوران میں شوہر کی مالی حالت

درست ہو جائے۔

بیوی شوہر کی تنگ دستی سے واقف ہوتے ہوتے بھی اگر اس سے شادی کر کے اور اس کے بعد فسخ نکاح پر آمادہ ہو جائے تو ایسا کر سکتی ہے اسے اختیار ہے۔

دوسرے مکتب فکر کے دلائل اور موقف

لیکن جو لوگ تنگ دستی کے باعث نفقہ زوجہ نہ دے سکنے کی بنا پر فسخ نکاح کے قائل

نہیں ہیں وہ دلیل میں یہ آیت قرآنی پیش کرتے ہیں۔

لینفق ذو سعةٍ من سعته ومن قدر علیه رزقہ فلینفق مما آقاہ اللہ  
 (و یكلف اللہ نفساً الا ما آقاہا)

پھر جب تنگ دستی اور زبوں حالی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے نفقہ کا مکلف نہیں کیا ہے،  
 پھر اگر کوئی نفقہ زوجہ ادا نہ کر سکنے پر مجبور ہے، تو دونوں میں تفریق کیسے روا ہوگی؟  
 صحیح مسلم میں ابو زبیرؓ کی جابرؓ سے روایت ہے کہ ابو بکرؓ  
ابو بکرؓ و عمرؓ بارگاہ رسالت میں | و عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت  
 میں حاضر ہوئے، انھوں نے دیکھا آپؐ کے پاس ازواج مطہرات بیٹھی ہیں اور چپ چپ ہیں  
 حضرت عمرؓ نے کہا:

یا رسول اللہ کیا آپؐ دیکھتے ہیں بنت خارجہ مجھ سے نفقہ طلب کرتی ہے۔ میں نے اس کی گردن  
 پکڑ کر امیٹ دی۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے، آپؐ نے فرمایا:  
 ”دیکھو یہ (ازواج مطہرات) میرے پاس نفقہ ہی طلب کرنے آئی ہیں۔“  
 حضرت ابو بکرؓ اٹھے اور انھوں نے حضرت عائشہؓ  
حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کو زجر و توبیخ | کی گردن پکڑ کر دبائی۔ حضرت عمرؓ اٹھے، اور  
 انھوں نے حضرت حفصہؓ کی گردن پکڑ کر دبائی، دونوں نے کہا۔

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے؟  
 ازواج مطہرات نے جواب دیا۔

”خدا کی قسم ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیز کبھی نہیں  
ازواج مطہرات کا جواب | مانگتے جو ان کے پاس نہ ہو۔“

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے کنارہ کشی کیے رہے  
 یہ ابو بکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما ہیں جو اپنی صاحبزادیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مارتے  
 ہیں۔ جب وہ آپؐ سے نفقہ طلب کر رہی تھیں، اور یہ محال ہے کہ وہ حق کا مطالبہ کر رہی ہوں اور ان  
 کے والد انھیں مارتے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو نفقہ وہ تنگ حالی کے دور میں طلب کر رہی تھیں اس کا انھیں حق نہیں تھا، اور جب یہ مطالبہ درست نہ تھا تو پھر عورت کی عدم نفقہ کی صورت میں نسخ نکاح کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

اصل مسئلہ سے ذرا دیر کے لیے قطع نظر کرتے ہوئے میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ حدیث جو پیش کی گئی ہے، اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جسے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شوہر پر جو نفقہ واجب ہے وہ یہ کہ جو خود کھاتے وہی کھلاتے، جیسا خود پینے ایسا ہی پیناتے اور یہ بات ازواج مطہرات کو حاصل تھی۔ آپ کا یہی برتاؤ تھا،

اصل بات یہ تھی کہ اب اسلام کے بیت المال میں مال خراج اور مال غنیمت سے لے لے ہوئے پھکڑے سیم وزر لے کر آیا کرتے تھے، یہ مال وزیر آپؐ غریب اور مساکین اور اہل حاجت میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ لیکن، آپؐ کے گھر میں اب بھی وہی عالم تھا جو پہلے تھا، کئی کئی دن گوشت نہ پکتا، گیہوں کی روٹیاں نہ پکتیں، لذیذ کھانوں کا سوال ہی نہیں تھا

ازواج مطہرات بھی بشر تھیں، وہ دیکھتی تھیں مال دزر کی کھیپ کی کھیپ آتی ہے، اور عامۃ المسلمین پر خرچ ہو جاتی ہے مگر ہم وہی عسرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں جو اس سے پہلے تھی، لہذا انھوں نے آپؐ کی خدمت میں اضافہ نفقہ کا مطالبہ پیش کیا، انھیں یہ شکایت نہیں تھی کہ ہمیں نفقہ نہیں ملتا، یہ تھی زیادہ کیوں نہیں ملتا؟ ان کا کہنا یہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اچھا کھاتے ہیں، اچھا پہنتے ہیں۔ ہم خراب کھاتے ہیں اور خراب پہنتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ رسول اللہ خود اچھا نہیں کھاتے، اچھا نہیں پہنتے۔ لہذا ہم بھی اس زندگی پر مجبور ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آمادہ نہ تھے۔

بے شک آپؐ کے قدموں پر سونے چاندی کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔

بے شک آپؐ کے پاس مال خراج، اور مال غنیمت کی اب کوئی کمی نہ تھی،

بے شک اسلام اب غریب نہ تھا دولت مند تھا۔

لیکن آپؐ غریب ہی رہنا چاہتے تھے۔ غربت ہی کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ (باقی ماحولہ اگلے صفحہ پر)



قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تنگ دست قرض دار کو خوش حالی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔

(بقیہ عائشہ) یہ نفقہ کی ادائیگی کا سوال نہ تھا !

یہ اس نظام حیات میں انقلاب کا مطالبہ تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا — اور یہ مطالبہ آپ کے لیے قطعاً قابل قبول نہ تھا، لہذا آپ نے فرمایا تم میں سے جو اس حالت میں میرے ساتھ رہ سکتی ہے رہے۔ ورنہ میں عزت آبرو کے ساتھ رخصت کر دینے کو تیار ہوں،

یعنی آپ نے اپنی زندگی کا جو سانچہ بنالیا تھا اسے تبدیل کرنے پر تیار نہ تھے، اور مطالبہ اسی کا تھا، یہ اصولی اختلاف تھا۔

اس پر کسی طرح کی مفاہمت ہو ہی نہیں سکتی تھی، اور نہیں ہوتی۔

میرے اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو گھر کتے ہوئے کہا :

”تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے؟“

تو ازواج مطہرات نے قسم کھا کر جواب دیا :

”نہیں خدا کی قسم ہم کبھی وہ چیز نہیں مانگتے جو آپ کے پاس نہ ہو۔“

یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی حالت بہتر سمجھ رہی تھیں لہذا اضافہ نفقہ کی طالب تھیں، اور آپ اپنی مالی حالت بہتر بنانے کو تیار نہ تھے۔

ورنہ جہاں تک نفقہ کا تعلق تھا، خیر سے آپ کو جو آمدنی ہوتی تھی اس سے سال بھر کا انداز وغیرہ آپ گھر میں لا کر رکھ دیتے تھے جس کی تصدیق احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ نفقہ تو آپ دیتے تھے، اور وہی دیتے تھے، جو آپ پر واجب تھا، یعنی مقرر کردہ لیکن اس اضافہ کے لیے تیار نہ تھے جس کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی بھی تھے۔ ایک ہادی بھی، ایک رہنما بھی !

آپ کی زندگی مسلمانوں کے لیے، خود قرآن کے الفاظ میں ”اسوۂ حسنہ“ تھی

اور آپ کا ”اسوۂ حسنہ“ یہ تھا کہ مال و زر سے الگ رہیں۔ مال و زر کی محبت دل میں نہ پیدا ہونے دیں

باقی اگلے صفحہ پر



اور نفقہ بھی ایک طرح کا قرض ہی ہے، لہذا عورت از روئے قرآن مامور ہے کہ شوہر کے حالات سازگار ہونے تک مہلت دے، خواہ وہ شوہر کے ذمہ قرض رہے یا ساقط ہو جاتے، یہ الگ بحث ہے لیکن مہلت تو دینی پڑے گی، اس بات پر نسخ نکاح بعید ترین چیز ہے۔

صحابہ کرام کے گروہ میں خوش حال اور فارغ البال لوگ بھی تھے،  
**عہد صحابہ کرام کی مثالیں** | تنگ دست اور آشفۃ روزگار بھی۔ اور تنگ دستوں کی تعداد خوش حالوں سے کئی گنی زیادہ تھی، لیکن ایسی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی تنگ دستی کے باعث کسی عورت کو نسخ نکاح کا حق دیا ہو، یا اس سے کہا ہو کہ اسے نسخ کا حق حاصل ہے  
 (بقیہ حاشیہ فقرہ اور غربت کی زندگی اختیار کریں اور اس پر فخر فرمائیں۔)

آپ کا اسوہ حسنہ تو یہ تھا کہ مرض الموت میں جب آپ کا مزاج سخت ناساز تھا، یک بیک آپ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا:

”وہ سونا جو کہ میں نے تمہارے پاس رکھایا تھا کہاں ہے؟“

حضرت عائشہؓ رضی نے جواب دیا، ”طاقت میں رکھا ہے۔“

جس میں مبارک پُرسکھن ہو گئی، فرمایا: ”کیا تم یہ چاہتی ہو، محمدؐ اپنے رب سے بدگمان ہو کر ملے؟ اسے

تقیم کر دو!“

مال و زر کا وہ ذرا سا حصہ بھی، جو کاشانہ نبوت میں پڑا رہ گیا تھا، فوراً تقسیم کر دیا گیا۔ آپ اس کے روادار ہی نہیں تھے کہ اپنے لیے کچھ بچا کر رکھیں، آپ کے پاس جو کچھ تھا وہ امت کا تھا، مسلمانوں کا تھا۔ یہ تھی آپ کی زندگی، اور یہی زندگی بسر کرنے پر آپ کو اصرار تھا۔ اس زندگی کے مطابق آپ نفقہ دیتے تھے۔ آپ کے لیے بھی نفقہ معروف تھا۔

اب اگر یہ نفقہ معروف کفایت کر سکتا تھا تو ٹھیک اور نہیں کر سکتا تھا تو بغیر نسخ یا طلاق کے مطالبہ کے آپ نے خود ہی علی الاعلان بڑے ٹھنڈے لیکن فیصلہ کن لہجہ میں فرمادیا، جسے یہ منظور ہو وہ میرے پاس رہے، درنہ عزت اور احترام کے ساتھ میں رخصت کرنے کو تیار ہوں۔

بھلا رسالت بآب کا دامن پھوٹنے پر کون آمادہ ہوتا؟ — مطالبہ واپس لے لیا گیا —

چاہے تو صبر سے کام لے چاہے نکاح نسخ کر لے

**فقر و غنا آنی جانی چیزیں ہیں** | اور یہ فقر و غنا آنی جانی چیزیں ہیں، آج ایک شخص دولت مند ہے کل مفلوک المال ہو گیا۔ آج ایک آدمی غریب ہے کل تو ننگہ ہو گیا،

اب ہر وہ شخص جس کی مالی حالت بگڑ جاتے اور اس کی بیوی نسخ نکاح کے لیے تیار ہو جاتے، تو یہ کتنی تکلیف دہ صورت احوال ہوگی۔ سر پر پیرزے نکالے گا، اور بہتوں کے نکاح نسخ ہو جائیں گے۔

ایک عورت اگر بیماری کے باعث اشماع (مباشرت) سے معذور ہو جائے، اور یہ بیماری کافی طویل ہو تو بھی اس بنا پر شوہر نسخ نکاح کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بلکہ بیوی کی اس معذوری کے باوصف شوہر پر پورا کا پورا نفقہ واجب ہے۔

اور تقریق سے متعلق سعید بن المسیب کے مر اسیل اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث جو امام بخاری نے صحیح میں درج کی ہے، قابل اعتبار نہیں۔ یہ روایت بالمعنی ہے، باللفظ نہیں۔

**اصول و قواعد شریعت کے مطابق صورت مسئلہ کیا ہے؟** | بہر حال شریعت کے اصول اور قواعد کے مطابق جو

بات ہے وہ یہ کہ :-

• اگر شوہر بیوی کو دھوکا دے، اور غلط طور پر اپنے آپ کو مال دار بادکر لائے، بعد میں ثابت ہو یہ تو بالکل غریب اور تنگ دست ہے۔

• یا شوہر صاحب مال و منال ہو، لیکن بیوی کو دینے سے انکار کرتا ہو، یا مال مٹول سے کام لیتا ہو، تو بے شک عورت نسخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے اس کا اسے حق حاصل ہے۔  
لیکن اگر :-

۱۔ یہ حق عورت کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ قاضی کی عدالت میں دعویٰ کرے؟ اگر دعویٰ نہ کرے، تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر اگر صحابہ میں سے کسی کی بیوی نے تنگ دستی کے باوجود نسخ نکاح کا دعویٰ نہیں کیا تو آپ کو دخل دینے کی کیا ضرورت تھی۔

۲۔ لیکن دوسری شادی کر سکتا ہے

- بیوی جانتی تھی کہ شوہر غریب اور تنگ دست ہے اور یہ جاننے کے باوجود اس سے شادی کر لیتی ہے۔
- یا شادی کے وقت شوہر مالدار اور خوش حالی میں تھا، بعد میں کسی وجہ سے تنگ حال اور مفلوک ہو گیا۔

تو اس صورت میں عورت کو نسخہ نکاح کا حق نہیں حاصل ہے۔

لوگ امیر سے غریب، اور غریب سے امیر ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لوگوں پر ادیار، مصیبت، اور مالی بد حالی کا دور آتا ہی رہتا ہے، ان کی عورتیں حاکم کے پاس نسخہ نکاح کی درخواست لے کر نہیں پہنچ جاتیں، اور قاضی سے یہ استدعا نہیں کرتیں کہ ان کے اور شوہر کے مابین تفریق کرا دی جائے۔

جمہور فقہا کا مسلک یہ ہے کہ اگر تنگ دستی کی

جمہور فقہا اور امام ابو حنیفہ کا مسلک

بنیاد شوہر مہر نہ ادا کر سکے، تو نسخہ نکاح نہیں

ہوگا۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا یہی مسلک ہے اور یہی درست ہے۔

# نفقہ مبتوتہ

## فاطمہ بنت قیس کی حدیث اور اس حدیث پر بحث نظر

**نفقہ کا عدم وجوب** | امام مسلم نے اپنی صحیح میں فاطمہ بنت قیس کی حدیث نقل کی ہے کہ عمرو بن حفص نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی اور چلے گئے، فاطمہ کے پاس

انھوں نے اپنا وکیل جو دے کر بھیجا، فاطمہ خفا ہوئیں، وکیل نے کہا،

”خدا کی قسم ہم پر کچھ ذمہ داری نہیں ہے!“

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا، اور جو کچھ

وکیل نے کہا تھا وہ بھی دہرایا۔

آپ نے فرمایا،

”اب تمہارا کوئی نفقہ اس پر واجب نہیں ہے!“

اس کے بعد آپ نے فاطمہ کو حکم دیا کہ ام شریک کے گھر میں عدت گزاریں۔ پھر فرمایا،

۱۔ یہ قرآن کی رو سے، طلاق، ہر طہر میں دینا چاہئے، اور دو مرتبہ کر کے دینا چاہئے،

اطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان

اور یہ بیک وقت تین طلاقیں خدا کو سخت نامرغوب اور ناپسندیدہ ہیں، اسی لیے اس طلاق

کو بغض المباحات، یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ کہا جاتا ہے۔

طلاق البتہ سے مراد وہ طلاق ہے، جس کے بعد رجعت نہ ہو سکے، نہ تجدید نکاح ہو سکے یہ صورت

تیسری طلاق کے بعد پیدا ہوتی ہے،



”اس عورت نے میرے اصحاب کو موہ لیا ہے۔ تم ابن ام مکتوم کے ہاں عدت گزارو، وہ ایک نابینا شخص ہے، جب عدت ختم ہو جاتے، تو میرے پاس آؤ۔“  
 فاطمہ کہتی ہیں، جب میری عدت گزر گئی، تو میں آپ کے پاس حاضر ہوئی، اور میں نے عرض کیا معاویہ بن ابوسفیان، اور ابوجہم نے مجھے شادی کا پیام دیا ہے۔  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ابوجہم کا ڈنڈا اس کے کندھے سے نہیں اترتا، اور معاویہ مفلوک الحال ہے، اسامہ بن زید سے نکاح کر لو،!

میں نے اسامہ سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، آپ نے فرمایا،

”اسامہ سے نکاح کر لو،!“

آخر میں نے اسامہ سے نکاح کر لیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں اتنا خیر دیا کہ میں اس پر فخر کرتی ہوں،!

صحیح مسلم کی ایک حدیث | صحیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شوہر نے طلاق دی، اور جو نفقہ دیا وہ کم تھا، جب انھوں نے یہ دیکھا تو بولیں۔

”خدا کی قسم میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاؤں گی، اگر میرا نفقہ نکلا تو میں وہ لے لوں گی جو مناسب ہوگا، اور اگر میرا نفقہ نہ نکلا تو میں کچھ بھی نہیں لوں گی،! چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا عرض کیا، آپ نے فرمایا،  
 ”اب نہ تو اس سے نفقہ لے سکتی ہے نہ سکنا لے،!“

ابو عمرو حفص بن مغیرہ کا واقعہ | صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ ابو عمرو حفص بن مغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوج کیا، اور اپنی بیوی فاطمہ کے پاس بقیہ طلاق کی تکمیل کا پیام بھیج دیا، اور حارث بن

لے سکنا سے مراد جاتے اقامت ہے، جس کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔

ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو اپنا پیامی بنا کر اور نفقہ دے کر فاطمہ کے پاس بھیجا۔

ان دونوں نے فاطمہ سے کہا،

”خدا کی قسم تمہارا کوئی نفقہ واجب نہیں ہے، بجز اس صورت کے کہ تم پیٹ سے ہو۔!“

فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور ان دونوں کا قول بیان کیا، آپ نے فرمایا

”اب تمہارا نفقہ اس پر واجب نہیں ہے!“

فاطمہ نے شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت چاہی، آپ نے اجازت مرحمت فرمادی۔

انھوں نے پوچھا،

”یا رسول اللہ میں کہاں جاؤں۔؟“

آپ نے فرمایا۔ ”ابن ام مکتوم کے ہاں، اوہ نابینا ہیں، وہ تمہیں بے پردہ حالت میں نہیں

دیکھ سکتے،!“

جب عدت پوری ہو گئی، تو آپ نے فاطمہ بنت قیس کا نکاح اسامہ بن زید کے ساتھ

کر دیا۔

**مروان کا امر فاطمہ بنت قیس پر** | ایک مرتبہ مروان نے قلیصہ بن ذایب کو فاطمہ کے پاس بھیجا کہ اس حدیث سے متعلق پوچھ آئیں، فاطمہ نے پوری حدیث

بیان کر دی، مروان نے کہا۔

”یہ حدیث ایک عورت کے سوا ہم نے کسی سے نہیں سنی ہے۔!“

فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب مروان کی یہ بات پہنچی تو انھوں نے فرمایا،

”میرے اور تمہارے درمیان قرآن ہے، اللہ عز وجل فرماتا ہے،

وَلَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ

مُبِينَةٍ، اَلِیٰ قَوْلِهٖ۔ لَا تَخْرُجْنَ لَعَلَّ اللّٰهُ يَحْدِثُ بِكَ ذٰلِكَ ۝۲

یہ آیت پڑھ کر فاطمہ نے کہا،

”اس آیت میں اس شخص کا حکم بیان کیا گیا ہے جس نے طلاق رجعی دی ہو، لیکن طلاق بائنہ کے

لے طلاق رجعی کے بعد شوہر اس سے رجعت کر کے بیوی سے از سر نو تعلقات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اب کون ہی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اگر ہو سکتی ہے تو پھر تم یہ کیسے کہتے ہو کہ اب نفقہ نہیں رہا، جب اس کا نفقہ نہیں ہے، اور وہ حاملہ نہیں ہے کون سے جرم میں اسے مجبوس رکھنا چاہتے ہو۔

طلاق ثلثہ کے بعد نہ نفقہ ہے نہ سکنی صحیح مسلم میں تو ایک اور روایت ہے جس کے راوی ابو بکر بن الجهم العدوی ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے

فاطمہ بنت قیس کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہی تھیں کہ ان کے شوہر نے انہیں تین طلاقیں دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکنی اور نفقہ نہیں دلایا۔

عدت گزرنے کے بعد مجھے معاویہ بن ابوسفیان، اور ابوجہم، اور اسامہ بن زید نے پیام نکاح دیا، رسول اللہ نے (فاطمہ) کے استفسار پر فرمایا،

”معاویہ کی جیب میں دھیلا بھی نہیں، ابوجہم عورتوں کو مارتا پٹیتا ہے، لیکن اسامہ بن زید۔

جن سے فاطمہ کراہت کرتی تھیں، اور شادی کرنا نہیں چاہتی تھیں۔۔۔۔۔ کے لیے سفارش کرتے ہوئے آپ نے فرمایا،

”اللہ اور رسول کی اعانت تمہارے لیے موجب خیر ہوگی، اے

فاطمہ نے اسامہ سے شادی کر لی، اور ہمیشہ اس پر فخر کرتی رہیں۔

پانچ صاع کھجور، پانچ صاع جو صحیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث ہے، فاطمہ کہتی ہیں،

اگشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ (زن و شوہر قائم کر سکتا ہے، اس کا اسے پورا حق اور اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ

آیت کریمہ میں اسی جانب اشارہ ہے کہ اگر رجعی طلاق کے بعد بیوی گھر میں رہے گی، تو شاید شوہر کا

دل بدل جائے، اور وہ اسے دیکھ کر اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر لے، اور طلاق واپس لے لے،

اے طلاق باتنہ میں یہ صورت نہیں۔

اب نہ رجعت ہو سکتی ہے، نہ تجدید نکاح ممکن ہے، لہذا اب کوئی خوشگوار امید قائم نہیں کی جاسکتی

اس صورت میں شوہر بیوی کو اپنے گھر نہیں رکھ سکتا، نہ وہ وہاں رہنے پر مجبور کی جاسکتی ہے۔

”میرے شوہر ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ نے عیاش بن ابی ربیعہ کو طلاق نامہ دے کر میرے پاس بھیجا، اور پانچ صاع کھجور، اور پانچ صاع جو بھی بھیجے، میں نے کہا۔

”میرا نفقہ بس اتنا ہی ہے، اور اب میں تمہارے ہاں عدت نہیں گزار سکتی؟“

عیاش نے جواب دیا ”نہیں!“

فاطمہ کہتی ہیں اس پر میں نے اپنے کپڑے باندھ لیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

آئی، آپ نے دریافت فرمایا:

”اس نے کتنی طلاقیں دی ہیں؟“

میں نے عرض کیا، ”تیس“

آپ نے فرمایا، ”اس نے ٹھیک کہا، اب اس پر تمہارا نفقہ واجب نہیں ہے،؟“

نسائی نے بھی اپنی سنن میں، یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ

نسائی کی حدیث طعن سے خالی ہے | بیان کی ہے، جس میں کوئی طعن نہیں ہے ان کی حدیث

میں یہ ہے کہ رسول اللہ نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا!

”نفقہ اور سکنا اس عورت کا حق ہے جس کے شوہر نے اسے طلاق رجعی دی ہو،

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: یا ایہا النبی اذا

قرآن مجید سے اس حکم کی تائید | طلقت النساء فطلقوهن لعدتهن، واحصوا العدۃ

واتقوا اللہ ربکم، لا تخرجوهن من بیوتہن ولا ینخرجن الا ان یتن بفاحشۃ

مبینۃ وتلك حد ود اللہ ومن یتعد حد ود اللہ فقد ظلم نفسه لا قدری اهل اللہ

یحدث بعد ذلک امرا، فاذا بلغن اجلهن فامسکوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف

واشهدوا زوی عد رمنکم اقیوا الشہادۃ للہ - الی قولہ - قد جعل اللہ لکل شیء قدرا“

اس آیت کو ہم سے ثابت ہوتا ہے کہ: — ”شوہر کو چاہیے بلوغ اجل (مدت گزرنے) کے وقت یا تو

شرافت کے ساتھ بیوی کو روک لے۔ یا شرافت کے ساتھ رخصت کر دے۔

”نہ بیوی گھر پھوڑے نہ شوہر گھر سے نکالے،

”اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس شوہر کو طلاق کے بعد امساک کا (روکنے کا یعنی رجعت کا)



حق نہ ہو، وہ بیوی سے اپنا گھر خالی کر سکتا ہے،  
ان مطلقات کے سلسلہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے چند احکام متلازمہ بیان فرمائے ہیں،  
جو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیے جاسکتے۔ اور وہ یہ ہیں۔

- ۱۔ شوہر بیوی کو گھر سے نہیں نکال سکتا،
  - ۲۔ بیوی شوہر کا گھر نہیں چھوڑ سکتی،
  - ۳۔ وقت گزرنے سے پہلے شوہر کو رجعت کا یعنی طلاق واپس لینے کا حق ہے، اگر اس حق سے فائدہ نہ اٹھائے، تو شرافت کے ساتھ رجعت کر دے،
  - ۴۔ عادل گواہوں کی شہادت جو رجعت کی شہادت دیں۔
- آیہ کریمہ میں ”لعل اللہ یحدث بعد ذلك امراً“ (شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت نکال دے) سے مراد رجعت ہے، سلف بھی مانتے چلے آئے ہیں، لیکن اگر تین طلاقیں دی گئی ہوں، تو اب کسی صورت کے نکلنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا،

فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر سب سے پہلا ملحق حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ہے،

**فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر قدیم و جدید مطاعن**

امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ ابو اسحاق کہتے ہیں میں اسود بن نزیہ کے ساتھ مسجد اعظم میں بیٹھا ہوا تھا، شعبی بھی ہمارے ساتھ تھے، اتنے میں شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکنی اور نفقہ نہیں دلایا، یہ سن کر اسار نے مٹھی میں کنکریاں بھریں اور شعبی پر پھینک ماریں، اور کہا۔

”خدا تم سے سمجھے تم اس طرح کی حدیث بیان کرتے ہو حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما چکے ہیں کہ ہم ایک عورت کے کہے میں آکر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے، کیا معلوم اس عورت نے ٹھیک یاد رکھا یا اس سے بھول چوک ہو گئی،؟ عورت کے لیے سکنی اور نفقہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،:

لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ

مبينة

یہ حضرت عمرؓ ہیں، جلیل القدر صحابی رسولؐ، وہ خبر دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ سکنیٰ اور نفقہ دیا جائے گا!

عمر بن الخطابؓ اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں اگر تعارض ہوگا تو ظاہر ہے ترجیح حضرت عمرؓ کی روایت کو ہوگی، جب کہ ظاہر قرآن سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہو، سعید بن سفور ابو معاویہ سے اور وہ اعثم سے، اور وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں، کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے جب فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی گئی، تو انھوں نے فرمایا:

”ایک عورت کی شہادت پر ہم اپنے دین میں تغیر نہیں کر سکتے!“

طعن عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث فاطمہ رضی اللہ عنہا کرتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید بن العاص نے عبد الرحمن کی لڑکی سے شادی کی، پھر اسے طلاق دے دی، اور اپنے ہاں سے رخصت کر دیا، عودہ نے اسے بڑا سمجھا، انھوں نے کہا فاطمہ بنت قیس بھی تو اسی طرح رخصت کی گئی تھیں عودہ کہتے ہیں پھر میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، اور انھیں واقعہ سنایا، انھوں نے فرمایا،

”فاطمہ بنت قیس کے لیے یہ اچھا نہیں تھا کہ اس حدیث کا ذکر کرتیں!“

صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا۔

”کیا تم خدا سے نہیں خوف کھاتیں؟“

حضرت عائشہؓ کی مراد یہ تھی کہ سکنیٰ اور نفقہ کے عدم وجوب والی حدیث بیان کرتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتیں!

بخاری ہی کی ایک اور حدیث ہے، جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں!

”فاطمہ ایک سنان مکان میں رہتی تھیں جس سے وہ خوف زدہ تھیں، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عدت سے پہلے وہاں سے اٹھ آنے کی اجازت مرحمت فرمادی،

اے اے حضرت فاطمہ بنت قیس بھی بہت بڑی اور با عظمت صحابیہ تھیں،

عبدالرزاق ابن ابی یحییٰ سے وہ ابن شہاب سے وہ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث کو درخور اعتناء نہ سمجھا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں وہ سکنیٰ اور نفقہ کا حق نہیں رکھتی،

قاضی اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ محمد بن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا۔

”تمہیں اس زبان نے باہر نکالا!“

عبداللہ بن صالح کاتب الیث روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے لیث بن سعد نے ان سے جھگڑنے

طعن اسامہ بن زید بر حدیث فاطمہ

ان سے ابن ہر مزن نے انھوں نے ابوسمہ بن عبد الرحمن سے روایت کی کہ محمد بن اسامہ بن زید کہا کرتے تھے کہ اسامہ سے جب فاطمہ بنت قیس اس حدیث کے بارے میں، — یعنی دوران عدت میں شوہر کے گھر سے اٹھ آنے کے بارے میں — کچھ بیان کرتی تھیں تو اسامہ کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا وہی ان پر دے مارتے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں فاطمہ کی حدیث درج کی ہے اور

طعن مردان پر حدیث فاطمہ | لکھا ہے کہ مردان نے اسے سنکر کہا،

”ہم نے یہ حدیث ایک عورت کے سوا کسی سے نہیں سنی ہے۔!“

ابوداؤد نے اپنی سنن میں میمون بن

طعن سعید بن المسیب بر حدیث فاطمہ بنت قیس

کہتے ہیں میں مدینہ آیا، سعید بن المسیب کے پاس پہنچا، اور کہا، فاطمہ بنت قیس کو طلاق دی گئی، اور وہ عدت کے دوران میں شوہر کے گھر سے اٹھ آئیں، سعید نے کہا،

”اس عورت نے لوگوں کو شبہ میں مبتلا کرایا ہے،“

ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ

طعن سلیمان بن لیث بر حدیث فاطمہ

سلیمان بن لیث نے عدت کے دوران میں

شوہر کے گھر سے چلے آنے پر، عمر بنت قیس کے بارے میں کہا،

”یہ سور خلق تھا، ا!“

طعن اسود بن یزید بر حدیث فاطمہ | اسود کی حدیث کا ذکر اوپر گزرنے چکا ہے کہ انھوں نے شعبی پر کنکریاں کھینچ ماریں اور کہا،

خدا تم سے سمجھے تم یہ حدیث بیان کرتے ہو؟

نسانی کے الفاظ یہ ہیں:

”اس طرح کا فتویٰ خدا تم سے سمجھے کیوں دیتے ہو؟“

فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے بارے

طعن ابی سمۃ بن عبد الرحمان بر حدیث فاطمہ | میں ابوسلمہ بن عبد الرحمان کہا کرتے تھے

”لوگوں نے اس حدیث کو تسلیم نہیں کیا ہے“



# فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر مطاعن کا جواب

ایک تحقیقی، علمی اور تاریخی بحث

مطاعن مذکورہ بالا کا حاصل | اس حدیث کے مطاعن کا حاصل حسب ذیل چار امور ہیں  
(۱) ایک عورت کی روایت اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک دو گواہ شہادت دے کر اس کی تصدیق نہ کریں۔

۲۔ فاطمہ کی حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔

۳۔ فاطمہ بنت قیس عدت گزارنے سے پہلے شوہر کے گھر سے اس لیے نہیں نکلیں کہ انھیں نفقہ اور سکنا کا حق نہیں تھا، بلکہ اس لیے نکلیں کہ زبان کی تیز تھیں۔

۴۔ فاطمہ بنت قیس کی حدیث، حضرت عمر بن الخطاب کی حدیث کے معارض ہے۔

اب ہم اس کامل مطاعن پر باری باری سے غور کرتے ہیں اور ثابت کریں گے کہ ان مطاعن میں سے بعض میں انقطاع ہے، بعض میں ضعف ہے۔ بعض میں بطلان ہے، — اور بعض صحیح بھی ہیں۔

طعن اول یہ ہے کہ عورت کا راوی | ۱۔ کیا عورت کا راوی حدیث ہونا غیر معتبر ہے

حدیث ہونا غیر معتبر ہے

لیکن یہ بالکل باطل خیال ہے، تمام علماء قطعاً اس اعتراض کے خلاف ہیں، تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سنت رسول اللہ کی روایت جس طرح مردوں سے قبول کی جاسکتی ہے اسی طرح عورتوں سے بھی قبول کی جاسکتی ہے۔ ہمارے سامنے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ علماء نے صحابہ خواتین کی روایتیں قبول کی ہیں۔ خواتین صحابہ کی مسابغہ لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ پھر دنیا کی دوسری

خواتین کے مقابلہ میں فاطمہ بنت قیس کا کون سا گناہ ہے کہ ان کی حدیث نہ قبول کی جائے ؟  
**فاطمہ بنت قیس کا علمی پایہ اور ان کی عظمت روایت** | اگر فریعیہ بنت مالک بن سنان کی روایت بیوہ عورت کی،  
 عدت شوہر کے گھر میں بسر کرنے کے بارے میں قبول کی جاسکتی ہے، تو فاطمہ بنت قیس کی حدیث کیوں نہیں قبول کی جاسکتی ؟

فاطمہ کسی طرح فریعیہ سے علم و جلالت شان، ثقاہت اور امانت میں کم نہیں تھیں، بلکہ بہت زیادہ تھیں اور کوئی شبہ نہیں وہ ان سے بہت زیادہ فقاہت رکھتی تھیں، کیونکہ فریعیہ کے پاس اس ایک حدیث کے سوا کچھ نہیں ہے، اس کے برعکس فاطمہ اپنے علم و قوت مناظرہ میں غیر معمولی شہرت کی حامل ہیں۔ ان مناظروں میں وہ ہمیشہ کامیاب رہیں۔  
 صحابہ رضی اللہ عنہم جب کسی مسئلہ میں مختلف الرائے ہوتے تھے، تو امہات المؤمنین میں سے کسی کی روایت اگر ان سے بیان کی جاتی تھی تو اسے بے چوں و چرا قبول کر لیتے تھے اور اپنے سابقہ قول سے رجعت کر لیتے تھے۔

امہات المؤمنین کو فاطمہ بنت قیس پر اس اعتبار سے ضرور فضیلت حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں ورنہ فاطمہ بھی ان خواتین میں تھیں جن کا شمار مہاجرہات اول میں ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش تھے۔ اور ان کی شادی (اصرار کر کے) اسامہ بن زید سے کی تھی۔

اگر کوئی شخص فاطمہ بنت قیس کی مقدار حفظ و علم کا اندازہ کرنا چاہتا ہے تو اسے وہ طویل ترین حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے جو رجال سے متعلق ہے اور جسے فاطمہ نے روایت کیا ہے۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر جو طویل خطبہ رجال سے متعلق دیا تھا اسے فاطمہ بنت قیس نے تمام و کمال یاد رکھا اور اسی طرح بیان کر دیا جس طرح سنا تھا۔ اور طویل و غرابت کے باوجود کسی نے فاطمہ کی روایت پر اعتراض نہیں کیا۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو قصہ انہی کی وجہ سے عالم وجود میں آیا، جس کا سبب وجود انہی کی ذات ہے، جس کے بارے میں انہوں نے جھگڑا کیا۔ فریاد و کناں دربار رسول میں پہنچیں، اور آپ کا

حکم صرف مختصر سے کلموں "لا سکنی ولا نفقہ" (تین طلاق والی عورت نہ سکنی کی مستحق ہے، نہ نفقہ کی) کی صورت میں سنا اور اسے یاد نہ رکھ سکیں کیا یہ ممکن ہے؟ — جب کہ ان کی قوت حفظ و اخذ سب کو تسلیم ہے؟

رہا نسیان کا احتمال تو یہ چیز فاطمہ میں اور ان کی روایت کا انکار کرنے والوں، دونوں میں مشترک ہے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو جہنی لٹے کے تیمم والی حدیث بھول گئے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر نے یاد دلایا۔

واقعہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں — عمرؓ اور عمارؓ — کو جنابت کی صورت میں تیمم کر لینے کا حکم دیا تھا، حضرت عمرؓ بھول گئے، اور اس پر مصر تھے کہ جہنی جب تک پانی نہ پاتے اور غسل نہ کر لے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ وہ قرآن مجید کی یہ آیت بھی بھول گئے۔

وان اردتم استبدال زوج من مکان زوج و اقمتم احدھن قنطاراً  
فلا تأخذوا منه شیئاً

لیکن جب ایک عورت نے انھیں ٹوکا تو یاد آیا اور اپنا قول واپس لیا۔

لے جہنی اسے کہتے ہیں جس پر غسل جنابت — مباشرت یا اختلام وغیرہ کے باعث — واجب ہو۔ لے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب یہ دیکھا کہ لوگ اپنی بیویوں کا مہر زیادہ رقم کا باندھنے لگے ہیں، اور ان کی مالی ذمہ داریوں کو زیادہ وسیع پیمانے پر قبول اور برداشت کرنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں تو یہ بات انھیں گراں گزری، اور انھوں نے تجدید کی کوشش کی، جو بات ان کے دل میں آ جاتی تھی اس پر عمل بھی کر گزرتے تھے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بھی انھوں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت عمرؓ کا دبدبہ اور جلال ایسا تھا کہ ان کے سامنے کسی کی مجال دم زون نہ تھی۔ چنانچہ ان کے اس ارشاد پر احتجاج و اختلاف کی کوئی آواز بلند نہیں ہوتی — لیکن ایک مرتبہ ایک عورت نے برہر مینہ انھیں ٹوک دیا اور کہا "قرآن میں قنطار (بے شمار مال و زر) تک بیوی کو دے دینے کی اجازت آتی ہے، تم منع کرنے والے کون؟ — ایک کمزور عورت کی یہ آواز سن کر حضرت عمرؓ گزر گئے انھیں اپنی غلطی پر تنبیہ ہو ا۔ اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ پھر اس مسئلہ پر کچھ نہیں کہا۔



اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد بھول گئے۔

انک صیت وانھم میتون (اے محمد تم بھی ایک دن وفات پاؤ گے، اور یہ لوگ بھی موت سے ہم کنار ہوں گے)۔

پھر انھیں یہ آیت یاد دلائی گئی۔ تب ان کا جوش ٹھنڈا ہوا۔

پس اگر راوی لسان و خطا کا سرزد ہونا، سقوط روایت کا موجب ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بھی ساقط ہو جائے گی جو فاطمہ بنت قیس کی روایت کردہ حدیث کے مقابلہ میں بطور عارضی کے پیش کی جاتی ہے کیونکہ بھول چوک تو حضرت عمرؓ سے بھی ہوتی تھی۔

غرض ہمیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی ثقہ اور عادل راوی کی روایت قبول کرنے کی شرط یہ رکھی گئی ہو کہ جب تک دو گواہ شہادت دے کر اس کی تائید و تصدیق نہ کر دیں وہ قبول نہیں کی جائے گی خاص طور پر جب کہ راوی کوئی صحابی ہو۔ اور حضرت فاطمہ بنت قیس جلیل القدر صحابیہ تھیں۔

اب ہم دوسرے طعن پر گفتگو اور بحث کریں گے۔  
**۲۔ کیا فاطمہ کی روایت مخالف قرآن ہے؟** یعنی یہ کہ فاطمہ بنت قیس کی روایت قرآن کریم کی

مخالف ہے۔

لے، تاریخ اسلام کا یہ واقعہ بھی عجیب غریب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت عمر جیسا سخت شخص ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ انھوں نے تلوار میان سے نکال لی اور کہا:

”جس نے بھی یہ کہا کہ آنحضرتؐ نے وفات پاتی ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔“

آنحضرتؐ کے اس حادثہ وفات کا حضرت عمر کے دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ مذکورہ آیت قرآنی، اور دوسری قرآنی آیات، جن کی بارہا انھوں نے تلاوت کی تھی، سنا تھا، دہرایا تھا اور جن میں آنحضرتؐ کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ بھی ایک روز اس دنیا سے رخصت ہوں گے، یکسر فراموش کر بیٹھے اور شدت الم اور شدت تاثر کے باعث ہر اس شخص کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ لیکن جب یہ آیت سنائی گئی تو ان کے حواس بجا ہوئے۔ ان کا جوش و تاثر ختم ہو گیا اور انھوں نے اعتراف فرمایا ”گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔“

غرض بھول چوک تقاضاے بشریت ہے اور یہی علامہ ابن قیم کا مقصد ہے۔



حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی یہ حدیث نہ صرف کتاب اللہ کی مخالف نہیں بلکہ اس کے موافق ہے۔

۱۔ فاطمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کتاب اللہ سے تین طور پر منطبق ہے۔  
یا تو یہ عام کی تخصیص ہے۔

۲۔ یہ اجمال کا بیان ہے۔

۳۔ یہ بیان ہے سیاق و سبب کا۔

اور یہی صورت زیادہ صحیح ہے۔ پس یہ کتاب اللہ کے موافق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔ اپنے حکم کے اعتبار سے یہ غلط ہے، معاذ اللہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا فیصلہ صادر فرمائیں جو کتاب اللہ کے خلاف اور منافی ہو۔ یا اس سے معارض ہو؟ امام احمد رحمۃ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ وہ تبسم کناں فرمایا کرتے تھے۔

”کتاب اللہ میں تین طلاق والی عورت کے لیے سکنی اور نفقہ کا حکم کہاں ہے؟“

اور امام احمدؒ سے بھی پہلے اپنے وقت کی فقیہ فاضلہ فاطمہ بنت قیس قول عمرؓ ماننے سے انکار کر چکی تھیں، انھوں نے فرمایا تھا۔

”میرے اور تمہارے مابین کتاب اللہ موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

تم نہیں جانتے شاید اللہ کوئی صورت (رجعت کی) پیدا کرے! (لا مند رعلی اللہ یحدث بعد ذلک امرًا) لیکن تین طلاق کے بعد (جب نہ رجعت ممکن ہے نہ تجدید نکاح) کیا صورت پیدا ہو سکتی ہے؟ بلکہ اذابلغن اجلهن فامسکوهن سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ آیات کہ یہ طلاق رجعی سے متعلق ہیں۔

اب تیسرے طعن کو لیجئے، یعنی حضرت فاطمہ بنت قیس تین طلاق کے بعد اپنے شوہر کے گھر سے محض

۳۔ ایک بودی اور ناقابل قبول تاویل

اپنی زبان کی سختی اور درستی کے باعث نکلیں۔

لیکن یہ تاویل کتنی بودی ہے۔

ہو قانون چوٹی کے صحابہ میں شامل ہو جس کے علم و فضل اور دانش و تفقہ کا سب کو اعتراف ہو، جو ہاجرین اولین کے گروہ میں شامل ہو، جو دین اور تقویٰ کے اعتبار سے ممتاز اور یگانہ ہو، وہ اتنی تیز زبان ہو سکتی ہے کہ اس کی تیز زبان اسے اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دے؟ اور اس کا وہ حق سوخت ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے؟

پھر کتنی عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیز زبانی پر انھیں کبھی نہیں ٹوکا، نہ ان سے یہ فرمایا کہ خدا سے ڈرو، اور اپنی زبان قابو میں رکھو اور اپنے شوہر کے قرابت داروں اور عزیزوں کو اپنی زبان سے تکلیف نہ پہنچاؤ، اور اپنے گھر میں ٹھہری رہو۔ اور اس سب کے بجائے آپ نے یہ کیسے فرمادیا کہ:

”تمہیں اپنے شوہر سے نہ نفقہ لینے کا حق ہے نہ سکنا کا مطالبہ کرنے کا، کیونکہ سکنا اور نفقہ اس عورت کا حق ہے جس کے شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہو۔“

۴۔ کیا فاطمہ بنت قیس کی حدیث اور روایت عمرؓ میں تعارض ہے؟ اب چوتھے

بحث و گفتگو کریں گے، یعنی، فاطمہ بنت قیس کی حدیث، اور حضرت عمرؓ کی روایت میں تعارض کا مسئلہ یہ تعارض دو صورتوں سے نمودار ہو سکتا ہے۔

ایک حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ترک نہیں کر سکتے۔

دوسرا حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ تین طلاق والی عورت کو سکنا اور نفقہ کا حق حاصل ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کلام باطل کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔  
— کبھی بھی نہیں!

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

اس قول کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف صحیح نہیں ہے۔“

ابو الحسن دارقطنی کا قول ہے۔

” قطعی طور پر سنت رسولؐ فاطمہ بنت قیس کے ہاتھ میں ہے!“

حضرت عمرؓ کے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں تھی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ تین طلاق والی عورت بھی نفقہ اور سکنی کی حق دار ہے، حضرت عمرؓ خدا سے ڈرنے والے اور تبلیغ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جریں تھے، وہ کس طرح اس حدیث صحیح سے انکار کر سکتے تھے۔ یہی حضرت عمرؓ سے ابراہیم کی یہ روایت کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ وہ فاطمہ سے کہہ رہے تھے کہ سکنی اور نفقہ ان کا حق ہے، یہ عمر رضی اللہ عنہ پر کذب صریح ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کذب صریح ہے۔ اور کسی انسان کے لیے یہ ہرگز زیبا اور مناسب نہیں ہے کہ تعصب اور انتہاء مذاہب وغیرہ کے جوش اور حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صریحہ و صحیحہ کے مقابلہ میں کذب خالص اور دروغ محض سے کام لینے کی جرأت کر لے۔ اور اگر حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ جھوٹ پیچ ہوتا تو حضرت فاطمہ بنت قیس کی زبان گونگی ہو جاتی نہ وہ مناظرے کے لیے بلائی جاتیں۔ نہ ان کی کوئی بات سنتا اور نہ اس دعوے کی ضرورت تھی کہ وہ اپنی تیز زبانی کے باعث شوہر کے گھر سے نکلنے پر مجبور ہوتیں۔

ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔

تین طلاق والی عورت کے نفقہ اور سکنی کی حدیث ائمہ حدیث مصنفین سنن، واحکام اور متعین بن سنت نبویہ کی نظر سے کیوں پوشیدہ رہی؟

اس حدیث کے اصل راوی ابراہیم ہیں جو حضرت عمرؓ کی وفات

**ایک راوی حدیث پر حرج** کے کئی سال بعد پیدا ہوئے۔ اس صورت میں اگر انتہائی حسن

سے کام لیا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ جو کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ ابراہیم تک حضرت عمرؓ کا جو قول پہنچا اور جس کی انھوں نے روایت کی وہ باللفظ نہیں بلکہ بالمعنی تھا اور غلط فہمی کے باعث روایت یوں کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق والی عورت کے لیے نفقہ اور سکنی کا حکم دیا تھا، جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لیکن جہاں تک مرد کا تعلق ہے وہ اگر صالح ہو سکتا ہے تو مفضل بھی ہو سکتا ہے، اور اس صورت میں، وہ پورے طور پر حفظ حدیث اور روایت کا تحمل نہیں کر سکتا۔



میمون بن مہران اور سعید بن المسیب کا مناظرہ | اس مسئلہ پر میمون بن مہران اور سعید بن المسیب کے مابین مناظرہ بھی ہوا۔

میمون نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی جس پر سعید نے کہا۔  
”اس عورت نے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے۔“

یہ سن کر میمون گویا ہوتے :

انھوں نے تو وہی چیز بیان کی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دیا ہے۔ اور اس کے بعد لوگ کس طرح فتنہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں ؟ حالانکہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

تمام فقہاء حدیث فاطمہؓ سے دلیل لاتے ہیں | فقہاء رحمہم اللہ میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے حجت

اور دلیل نہ لایا ہو۔ بعض احکام میں اس سے مالک، شافعی اور جمہور امت نے حجت اور دلیل قبول کی ہے، چنانچہ یہ سب سقوط نفقہ مبتونہ کے قائل ہیں۔

اس حدیث کی بنیاد پر امام شافعی نے بیک وقت تین طلاقیں کا جواز تسلیم کیا ہے، کیونکہ فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تھا کہ :

”ابو عمر بن حفص نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں۔“

اور اسی حدیث کی بنا پر بعض لوگ یہ بھی جائز رکھتے ہیں کہ عورت مردوں پر نظر ڈال سکتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک آدمی اپنے (مسلمان) بھائی کے پیام کے باوجود کسی عورت

کو نکاح کا پیام دے سکتا ہے اگر اس نے پہلا پیام نکاح قبول نہ کیا ہو۔

یہ بات بھی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی آدمی میں کوئی خامی کی بات ہو تو دوسرے کو

اس سے بطور نصیحت اور مشورہ کے مطلع کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ اس کے ساتھ شادی مناسب آگیا

نہیں ؟ معاملت درست ہے یا نہیں ؟ سفر بہتر ہے یا نہیں ؟ اس طرح کی باتوں کا شمار غیبت میں

لے اتفاقاً حسب ضرورت۔ لے جیسے آپ نے فاطمہ بنت قیس کو نصیحت فرمائی کہ معاویہ کے پاس کوئی پوچھی

نہیں، ابو جہم عورتوں کو مارتا پھیلتا ہے۔ سالم بن زید زیادہ بہتر ہے اس نکاح کو اس میں بھلاتی ہے۔



نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے یہ دلیل بھی لائی جاسکتی ہے کہ قرشیہ عورت کا نکاح غیر قرشی مرد سے جائز ہے۔ یہ دلیل بھی اس حدیث سے ملتی ہے کہ زوجین میں سے اگر کوئی غیر موجود ہو تو بھی طلاق واقع ہو سکتی ہے اس کے لیے موجودگی اور مواجہت شرط نہیں ہے۔

یہ تمام احکام جو اوپر مذکور ہوئے، نتیجہ ہیں

**صدق حدیث اور برکت روایت کا نتیجہ** | اسی صدق حدیث اور اس کی برکت روایت کا

اس حدیث سے امت نے احکام و مسائل کا استنباط کیا، اور ان پر عمل کیا۔ پھر یہ کیا بات ہوئی، کہ ان احکام مستنبط میں سے ایک حکم کو رد کر دیا جائے۔ باقی قبول کر لیے جائیں۔ اگر یہ بات مانی جاتی ہے کہ ان کا حافظہ کمزور تھا تو پھر ان کی کوئی روایت کردہ کوئی حدیث اور بیان کردہ کوئی حکم قبول نہیں کرنا چاہیے۔ — حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس بحث پر ابھی ایک بہت بڑا

**ایک اعتراض اور اس کا جواب** | اعتراض باقی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے :

۱ سکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم

ظاہر ہے یہ آیت ان عورتوں کے بارے میں ہے جنہیں طلاق بائنہ مل چکی ہے۔ ان عورتوں کے بارے میں نہیں ہے جن سے رجعت کی جاسکتی ہے۔ اور یہ بات مذکورہ آیت کے آگے کے جملوں سے بالکل واضح ہے۔

ولا تضاروھن لضیقوا علیھن، وان کنت اولاد حمل فانفقوا علیھن حتی

یضعن حملھن

اس سے معلوم ہوا کہ بائن عورت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اگر رجعیہ کا ذکر ہوتا تو نفقہ کی قید حل کے ساتھ کیوں ہوتی؟ کیونکہ بائن نہ ہونے کی صورت میں یہ حکم عظیم التاثر تھا۔ رجعیہ عورت تو ہر صورت میں نفقہ کی مستحق ہے۔ خواہ حاملہ ہو یا نہ ہو، اور کھلی ہوئی بات ہے کہ "امسکنوھن" میں جو ضمیر ہے اور

۱۱ فاطمہ بنت قیس فرعیہ تھیں اور سالم بن زید غیر قرشی۔

۱۲ بذریعہ خط، بذریعہ وکیل۔ بذریعہ پیامبر وغیرہ۔

ان کن اولات حمل فانفقوا علیہن، میں جو ضمیر آتی ہے واحد ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس سوال کا مورد یا تو  
**آیت مذکور کے ضما کر پر بحث** | وہ موجبن نفقہ سکتی ہیں۔ یا صرف سکتی۔

اگر پہلی صورت ہے تو بے شک مقررین نے زعم کے مطابق یہ آیت خود اس پر حجت ہے،  
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرط ایجاب نفقہ یہ رکھی ہے کہ وہ حوالہ (حاملہ عورتیں) ہوں۔ لہٰذا یہ حکم  
ایک شرط کے ساتھ متعلق ہے۔ انتفار شرط کے ساتھ یہ بھی منتفی ہو جاتے گا۔ پس ثابت ہوا  
کہ باتن حامل (غیر حاملہ) کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے۔

اور اگر کہا جاتے کہ اس آیت سے مفہوم پر دلالت ہوتی ہے، نہ کہ الفاظ پر، تو جواب میں کہا  
جاتے گا، ایسی بات نہیں ہے۔ یہ دلالت مفہوم نہیں ہے، بلکہ انتفار شرط کے باعث انتفار  
حکم ہے۔

اور یہ بھی غلط ہے کہ آیت مذکورہ میں ضمیر واحد ہے جو باتن کی تخصیص ترقی ہے۔  
آیہ مذکورہ کے ضما کر کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

ایک قسم تو یہ ہے کہ قطعی طور پر ضمیر رجعیہ سے متعلق ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فاذا بلغن اجلہن فامسكنوهن بمصر و ف اوفارقوهن بمصر و  
دوسری قسم یہ ہو سکتی ہے کہ ضمیر کا تعلق صرف باتن سے ہو، یا صرف رجعیہ سے ہو، یا دونوں سے  
ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولا تخرجوهن من بیوتہن ولا ینخرجن۔ وقولہ۔ و امسكنوهن من

حیث سکنتم من و حد کم

تو اتحاد ضما کر کے باعث اس کا حمل و اطلاق رجعیہ ہی پر ہوگا۔ اور اگر یہ نہ مانا جائے تو اختلاف  
ضما کر لازم آئے گا۔ اور یہ خلاف اصل ہے۔ لہٰذا اصل اولیٰ ہی پر حمل کا اطلاق درست ہے۔

نفقہ رجعیہ کے لیے حل کی تخصیص | اور اگر یہ کہا جائے کہ نفقہ رجعیہ کے لیے حاملہ ہونے  
کی تخصیص کیوں ضروری تھی؟

جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ غیر حاملہ رجعیہ کے لیے نفقہ نہیں ہے، اصل

بات یہ ہے کہ رجبہ کی دو قسمیں ہیں، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔  
ایک رجبہ تو وہ ہے جو حاملہ نہ ہو۔ اس کا نفقہ عقد زوجیت کے باعث ہے کیونکہ ابھی تک وہ رشتہ ازدواج سے وابستہ ہے۔

ایک رجبہ وہ ہے جو حاملہ ہو۔ اس کا نفقہ اس آیت کے مطابق ہے ”پس وضع حمل کے بعد کا نفقہ نفقہ قریب ہے نہ کہ نفقہ زوج، کیونکہ اس کی حیثیت وضع حمل سے پہلے کچھ اور تھی بعد میں کچھ اور ہو گئی۔ شوہر پر نفقہ اس وقت تک واجب تھا جب تک وہ حاملہ تھی، جب وضع حمل ہو گیا تو اس کا نفقہ اس پر واجب ہو گیا، جس پر نفقہ طفل واجب ہے، اور یہ صورت حالت حمل کی حالت سے مختلف ہے۔ پس اس کا نفقہ ایک حکم ہے۔ دوسرے حکم میں متشکل ہو گیا، لہذا فائدہ تفتید و تشریط واضح ہو گیا۔ اور اپنے کلام کا مطلب اللہ ہی خوب جانتا ہے،

---

# وجوب نفقہ اقارب

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں

**قرابت داروں کو ترجیح** | ابو داؤد نے اپنی سنن میں کلیب بن مہنفہ سے روایت کی ہے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔  
یا رسول اللہ میں کس کے ساتھ زیادہ بھلائی۔ اور سلوک کروں۔

آپ نے فرمایا:

اپنی ماں کے ساتھ، باپ کے ساتھ، بہن کے ساتھ، بھائی کے ساتھ، اور خادم کے ساتھ  
یہ حق واجب اور رحم موصول ہے۔

نسائی نے طارق المحار سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں۔ میں مدینہ آیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برسر منبر خطبہ دے رہے ہیں آپ نے فرمایا،!

”دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے (بھلائی اور حسن سلوک کا، آغاز اپنی ماں، باپ، بہن  
اور بھائی سے کرو، پھر قریب عزیز سے، پھر اس سے قریب عزیز سے،!“

بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟“

آپ نے فرمایا تیری ماں،!“

اس شخص نے سوال کیا، اور اس کے بعد؟“



آپ نے ارشاد فرمایا "تیری ماں!،"  
 وہ کہنے لگا، "یا رسول اللہ اس کے بعد؟"  
 آپ نے فرمایا، "تیری ماں!،"  
 اس نے دریافت کیا، "پھر اس کے بعد؟"  
 آپ نے جواب دیا، "پھر اپنے باپ کے ساتھ۔ پھر قریب عزیز سے، اس کے بعد قریب  
 عزیز سے!،"

ترمذی میں معاویہ القشیری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں،  
 میں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ سزاوار کون ہے؟"

آپ نے جواب دیا، "تیری ماں!،"  
 قشیری نے پھر سوال کیا، "اور اس کے بعد؟"

آپ نے فرمایا! "تیری ماں!،"  
 قشیری نے پھر پوچھا، "اور اس کے بعد؟"

جواب میں آپ نے فرمایا، تیری ماں!،"  
 قشیری نے پھر دریافت کیا، "بعد ازاں؟"

آپ نے جواب دیا "تمہارا باپ، اس کے بعد قریب کے عزیز، اور قریب کے عزیز!،"  
 نسائی نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے آپ سے آغاز کرو، اور اپنے نفس پر صدقہ کرو،  
 پھر اگر کچھ بچ رہے تو اپنے اہل و عیال پر اس سے بچ رہے تو قرابت داروں پر، اور اگر قرابت داروں  
 سے بھی بچ جاتے تو اس اس طرح!،"

یہ تمام ارشادات نبویؐ تفسیر ہیں کلام ربانی کی | عزوجل کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،:

"واعبدوا اللہ ولا تشركوا به شیئاً" وبالوالدین احساناً وبنی القربی  
 ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وذات ذالقریبی حقہ .....

وَات ذَالْقُرْبٰی حَقُّہٗ (قربت داروں کو ان کا حق دوا!)،  
 اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ذول القربیٰ (قربت داروں) کا حق والدین کے حق کے فوراً بعد رکھا ہے،  
 جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ بدرجہ ذکر فرمایا ہے۔  
 اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے،

۱۲ لَذٰی الْقُرْبٰی حَقًّا عَلٰی قَرَابَتِہٖ

اسی طرح خدا نے حکم دیا ہے کہ قربت داروں کو (بشرط استطاعت) ان کا حق دیا جائے  
 پھر اگر یہ حق نفقہ نہیں ہے تو ہم نہیں جانتے وہ کون سا حق ہے جس کا حکم خدائے تعالیٰ فرما رہا ہے؟  
 اللہ تعالیٰ نے ذول قربیٰ کے ساتھ احسان کا  
قربت داروں کے ساتھ احسان کا حکم | حکم دیا ہے، پھر اس سے بڑھ کر برائی کیا ہو سکتی  
 ہے کہ کوئی شخص اسے بھوک سے مرتے دیکھے، یا تن سے تنگادیکھے، اور وہ اس پر قادر ہو کہ اس کی  
 بھوک رفع کر سکے، اس کی عریانی کا تذکرہ کر سکے، پھر بھی نہ اسے ایک لقمہ کھانا کھلائے، نہ ستر پوشی  
 کے لیے کپڑا دے۔

ذو القربیٰ کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف  
ذول القربیٰ اور قرآن مجید | سے حسن سلوک کا حکم اور تائید کتاب اللہ کے بالکل مطابق  
 ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَالْوَالِدَاتُ یَرْضَعْنَ اَوْلَادَہُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّتِمَّ الرِّضَاعَۃُ  
 وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَہٗ رِزْقُہُنَّ وَکِسْوَتُہُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، لَا تَکْفُفُ نَفْسٌ اِلَّا وَسْعُہَا،  
 لَا تَضَارُّوْا الدَّیْنَ اَوْ بُولَدَہَا، وَلَا مَوْلُودَ لَہٗ بَوْلٌ کَا وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِکَ

اس آیہ کریمہ کے مطابق اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے وارث پر  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احکام و فضایا | وہی واجب کیا ہے جو مولود لہ پر واجب کیا ہے، اور  
 اسی حکم کے مطابق امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے حکم نافذ کیا ہے۔

سفیان بن عیینہ ابن جریر سے روایت کرتے ہیں وہ عمر بن شعیب سے، وہ سعید بن المسیب

سے روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بات پر سزائے قید دے دی تھی۔! ابن ابی شیبہ ابو خالد الاحمر سے، وہ حجاج سے، وہ عمرو سے، وہ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یتیم کا ولی حضرت عمر بن الخطاب کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا،

”اس یتیم کو نفقہ دیا کرو!“

پھر فرمایا، بعید ترین رشتہ سے بھی اس کے رشتہ دار مجھے مل جاتے تو میں ان پر اس کا نفقہ واجب کر دیتا،!

اسی طرح کا حکم زید بن ثابت کا بھی ثابت ہے، ان ابی سبیہ کہتے ہیں، کہ ہم سے حمید بن عبد الرحمن نے انھوں نے حسن سے، انھوں نے مطرف سے، انھوں نے اسماعیل سے، انھوں نے من سے انھوں نے زید بن ثابت سے روایت کی کہ اگر ماں اور چچا ہوں، تو ماں پر اس کی میراث کے بقدر، اور چچا پر اس کی میراث کے بقدر واجب ہوگا، صحابہ میں سے کسی کا بھی اس فیصلہ سے اختلاف ثابت نہیں ہے،

حسن کہتے ہیں وارث پر بھی اسی طرح کا نفقہ واجب ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں وارث پر بھی نفقہ واجب ہے، اگر وہ غریب ہو تو اسے اتنا دینا چاہیے کہ مستغنی ہو جاتے، جمہور سلف نے آیہ کریمہ کی یہی تفسیر کی ہے، مثلاً قتادہ، مجاہد، ضحاک، زید بن اسلم شریح القاضی، قبصہ بن —، عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، ابراہیم نخعی، شعبی، اصحاب ابن مسعود اور ان کے لوگوں کے بعد، سفیان الثوری، عبد الرزاق، ابو خلیفہ اور ان کے اصحاب، اور ان کے بعد، امام احمد، اسحاق اور داؤد، رحمہم اللہ

اس مسئلہ میں فقہاء کے متعدد اختلافی اقوال  
**فقہاء اسلام کے اختلافی اقوال متعدد ہیں:**

—: ایک قول یہ ہے کہ کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے اقارب میں سے کسی کو نفقہ دے، کیونکہ یہ صرف عنایت اور احسان ہے، اس مذہب کی نسبت شعبی کی طرف کی جاتی ہے،

عبد بن حمید الکشی کہتے ہیں ہم سے قلیبہ نے انھوں نے سفیان ثوری سے، انھوں نے اشعث سے، انھوں نے شعبی سے روایت کی کہ شعبی کہتے ہیں میں نے کسی کو بھی کسی دوسرے کو نفقہ دینے کے لیے مجبور کرتے نہیں دیکھا،

اس ملک کے اثبات میں یہ شعبی کا یہ کلام محل نظر ہے، شعبی کا مقصد یہ تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ غنی اور مالدار لوگ بجائے اس کے کہ اجبار حاکم سے ڈر کر غریب رشتہ دار کی دستگیری کریں، خود ہی خدا سے ڈر کر اپنا یہ فرض انجام دے لیا کریں۔

:- دوسرا قول یہ ہے کہ آدمی باپ کا، اور ماں (جس کے پیٹ سے وہ پیدا ہوا ہو) کا نفقہ ادا کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، والدین اپنی اولاد سے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اپنا نفقہ جبراً حاصل کر سکتے ہیں، بشرطیکہ واقعی وہ حاجت مند اور مفلوک الحال ہوں، اب رہا نفقہ اولاد، تو آدمی کو اپنے بیٹے کا نفقہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائیگا جب تک وہ بلوغ کو نہ پہنچ جائے، اسی طرح وہ بیٹی کا نفقہ ادا کرنے پر بھی مجبور ہے جب تک اس کی شادی نہ ہو جائے البتہ پوتے اور پوتی کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ماں بیٹے اور بیٹی کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں  
ماں اولاد کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں کی جاسکتی، اگرچہ وہ دونوں حد درجہ حاجت مند کیوں نہ ہوں، اور ماں حد درجہ دولت مند کیوں نہ ہو۔

کسی شخص کو اس پر بھی مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ پوتے دادا، نانا، بھائی، بہن، چچا، چچی خالو، خالہ، کو نفقہ ادا کرے، مگر ض کوئی شخص کسی بھی عزیز اور رشتہ دار کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ سوا ان قرابت داروں کے جن کا ذکر اوپر کی سطروں میں ہو چکا ہے۔ (والدین وغیرہ) کو نفقہ دینا

والدین کو نفقہ دینا ہر حالت میں واجب ہے ہر حالت میں واجب ہے۔

خواہ دین و مذہب میں اتفاق ہو یا اختلاف، یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ حالانکہ یہ مذہب نفقہ کے سلسلہ میں بہت تنگ واقع ہوا ہے۔



”تیسرا قول یہ ہے کہ نفقہ بصورت عمودی نسب واجب ہے، نیز اتحاد دین و مذہب بھی ضروری ہے، علاوہ انہیں یہ بھی ضروری ہے کہ جس سے نفقہ طلب کیا جائے وہ ادا کرنے کی قدرت اور طاقت رکھتا ہو، اور جسے نفقہ دلویا جائے، وہ کمانے سے مجبور ہو، مثلاً صفر سنی کے باعث یا جنوں کے باعث، خواہ عمود اسفل ہو یا اعلیٰ لہ

متفق علیہ (جسے نفقہ دیا جائے، عجز عن الکلب  
ذی رحم کا ذی رحم پر نفقہ واجب ہے) (کمانہ سکے) کے اشتراک کے بارے میں یہ ہے  
کہ اگر اولاد تندرست ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا، — یہ امام شافعی کا مذہب ہے  
اور یہ مذہب، مذہب مالک رحمۃ اللہ سے زیادہ وسیع ہے۔

— چوتھا قول یہ ہے کہ ہر ذی رحم کا ذی رحم پیر نفقہ واجب، خواہ وہ اولاد در اولاد ہو  
یا آباد اجداد، ان سب کا نفقہ واجب ہے، خواہ دین و مذہب میں اتحاد ہو یا اختلاف، مذکورہ  
بالا قرابت داروں کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کے وجوب نفقہ کے لیے اتحاد دین و مذہب  
ضروری اور لازمی ہے، مثلاً کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے کا فر ذی رحم کو نفقہ  
دے۔

علاوہ انہیں نفقہ اس صورت میں واجب ہے کہ منفق (نفقہ دینے والا) نفقہ ادا کرنے کی حیثیت  
اور استطاعت رکھتا ہو، اور منفق علیہ (جسے نفقہ دیا جائے) واقعی ضرورت مند ہو، مثلاً اگر وہ  
کم سن ہے تو اس کا فقر معتبر ہے اور اگر کم سن ہے، اور اگر وہ عورت ہے تو اس کا فقر معتبر مانا جائے گا  
اور اگر مرد ہے تو اگر وہ بیٹا اور تندرست ہے تو اسے نفقہ نہیں دلایا جائے گا —  
یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے جو مذہب شافعی سے زیادہ وسیع ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ اگر قرابت دار یکے از عمود النسب ہے تو اس کا نفقہ مطلق طور پر

لہ عمود اعلیٰ سے مراد ماں باپ وغیرہ ہیں، اور عمود اسفل سے مراد لڑکا لڑکی وغیرہ

ہیں۔

ذی رحم، یعنی یک جدی عزیز۔

پر واجب ہے بشرطیکہ منافق اور منافق علیہ کے مابین توارث ہو، — یہ امام احمد کا مذہب ہے جو مذہب ابو حنیفہ رضی سے زیادہ وسیع ہے، اگرچہ دوسرے اعتبار سے امام ابو حنیفہ کا مذہب زیادہ وسیع ہے، اس لیے کہ وہ ذوی اللہ عام کو نفقہ دلاتا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔

اور اس لیے صحیح ہے کہ قواعد شرع اور اصول صلہ رحم **قواعد شرع اور اصول صلہ رحم** سے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے بالکل مطابق ہے نیز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔

اس سلسلہ میں امیر المومنین عمر بن الخطاب کا واقعہ گزر چکا ہے کہ وہ ایک لڑکے کے عصبیات کو اس لیے قید کرنے پر تیار ہو گئے تھے کہ وہ اسے نفقہ نہیں دے رہے تھے، یہ لوگ اس لڑکے کے بنو عم تھے، اور انہیں حضرت عمر نے حکم دیا کہ نفقہ دیں۔

اسی طرح زید بن ثابت کا فیصلہ بھی گزر چکا ہے کہ اگر چچا اور ماں ہوں، تو چچا پر بقدر میراث اور ماں پر اس کی میراث کے بقدر نفقہ واجب ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے خلاف صحابہ میں سے کسی نے آواز نہیں اٹھائی

جمہور سلف کا مسلک جمہور سلف کا مسلک بھی یہی ہے، جس کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے، !

وَأَتَذِی الْقُرْبٰی حَقَّہٗ قَرَابَتِی دَارُوں کو ان کا حق دو، !

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَبِالْوَالِدَیۡنِ اِحْسَانًا وَّبِی الْقُرْبٰی دَالِیۡنَ پرا حسان کرو، اور قرابت داروں پر

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اقارب کو عطیہ دینا واجب قرار دیا ہے اور نسب کے اعتبار سے اس کی ترتیب

بھی بیان فرمادی ہے، یعنی بہن، بھائی، پھر قریبی رشتے دار، پھر ان سے قریب رشتہ دار کو نفقہ دینا حق واجب - اور رحم موصول ہے -

صلہ اور سلوک نہیں وجوب | اگر یہ کہا جائے کہ یہاں مراد صلہ اور سلوک ہے نہ کہ وجوب تو یہ بات بالکل غلط اور ناقابل قبول ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے اس کی ادائی کا حکم دیا ہے، اور اسے حق سے تعبیر فرمایا ہے،

نفقہ اقارب حق ہے | اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے حق، اور واجب، قرار دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی اور بہن کا حق باپ اور ماں کے ساتھ رکھا ہے، فرمایا

ہے :

”تیری ماں، اور تیرا باپ، اور تیری بہن اور تیرا بھائی، اور پھر تیرا قریبی عزیز، اور

قریبی عزیز!“

غرض صلہ اور بر والدین کی شرط کے ساتھ موقوف نہیں ہے، ————— نہ شرعاً

نہ لفظاً، نہ عرفاً — !

# مسائل رضاعت

کسی عورت کا دودھ پنی لینے سے کون سے رشتے حرام ہو جاتے ہیں کون سے حلال رہتے ہیں

**بنت حمزہؓ کا واقعہ** | صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ :  
”رضاعت بھی ان رشتوں کو حرام کر دیتی ہے جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔“

بخاری اور مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی سے شادی کر لینے کو کہا گیا تو آپؐ نے فرمایا :  
”وہ میرے لیے حلال نہیں ہے، کیونکہ رضاعی رشتہ سے میرے بھائی کی بیٹی ہے، اور رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔“  
علاوہ ازیں بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مروی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔

ابوالقیس کے بھائی افلح کو اپنے سامنے آنے کی اجازت دے دو، کیونکہ وہ تمہارے چچا (رضاعی رشتہ سے) ہیں !

ابوالقیس کی بیوی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کو دودھ پلایا تھا۔

اسی طرح حضرت ابن عباس کا جواب ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا۔

”ایک شخص کی دو باندیاں ہیں۔ ایک باندی نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا۔ دوسری نے کسی لڑکے کو

کیا اب اس لڑکے کی شادی اسی لڑکی سے ہو سکتی ہے ؟



ابن عباسؓ نے جواب دیا، ”نہیں لقاح (مادہ منویہ) واحد ہے“

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا :

”دو ایک مرتبہ اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے رشتے حرام نہیں ہوتے۔“

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سوال کیا۔

”یا رسول اللہ کیا رضعت واحد (ایک مرتبہ کسی عورت کا دودھ پی لینا) سے بھی رشتے حرام

ہو جاتے ہیں؟“

آپؐ نے جواب دیا، ”نہیں!“

سنن دارقطنی میں باسناد صحیح حضرت ابن عباسؓ سے

حضرت ابن عباس کی مرفوع روایت مرفوعاً روایت ہے کہ:

”رضاعت وہ ہے جو دو سال ہو!“

سنن ابوداؤد میں حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ:

”رضاعت سے رشتے اس وقت تک حرام نہیں ہوتے جب تک (بچہ نے جو دودھ پیا ہو،

اس کے اثر سے) گوشت نہ پیدا ہونے لگے، اور بڑھی نہ بڑھنے لگے۔“

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سہیلہ بنت سہیل

سہیلہ بنت سہیل کا ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور

عرض گزار ہوئیں۔

میں ابو حذیفہ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھتی ہوں۔ جب سالم میرے گھر میں آتا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے دودھ پلا دو، پھر وہ تم پر حرام ہو جائے گا!“

وہ کہنے لگیں، لیکن وہ تو ہٹا کٹا جوان ہے اسے کس طرح دودھ پلا سکتی ہوں؟“

آپؐ نے تبسم فرمایا، اور جواب دیا ”ہاں میں جانتا ہوں!“

ام المؤمنین سلمہ کی روایت ابوداؤد نے اپنی سنن میں، زہری کی حدیث درج کی ہے، جو

انھوں نے عروہ سے، انھوں نے عائشہ سے، انھوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس نے سالم کو متبنیٰ بنالیا تھا، اور ان کا نکاح اپنی بھتیجی ہند سے کر دیا تھا، جو ولید بن عتبہ کی بیٹی تھیں۔

جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جو شخص کسی کو متبنیٰ بنالیتا تھا وہ اس کی میراث کا وارث ہوتا تھا، اور لوگ اسے اس کا بیٹا تسلیم کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں واضح حکم نازل فرمایا: ۲۷ دعوہم لابائہم ہوا قسط عند اللہ فات لم تعلموا ابائہم فاخوانہم فی الدین وموالیکم فردوا الی ابائہم کہ سہیلہ بنت سہیل بن عمرو القرشی ثم العامری آئیں، یہ ابو حذیفہ کی بیوی تھیں۔ انھوں نے رسالت مآب سے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ہم سالم کو اس وقت سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں جب وہ بچہ تھا، وہ میرے اور ابو حذیفہ کے ساتھ مدتوں ایک گھر میں رہا۔

اور اب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہو چکا ہے۔ پھر اب آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ”اے اپنا دودھ پلا دو!“

سہیلہ نے انھیں پانچ گھونٹ دودھ پلا دیا۔ اور اب سالم ان کے لیے رضاعت کے باعث بمنزلہ ولد ہو گئے۔

لیکن ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دوسری تمام ازواج نبی صلی اللہ

**ام سلمہ اور دوسری ازواج مطہرہ کا انکار** علیہ وسلم نے اسے ماننے سے انکار کیا ہے،

وہ کہتی ہیں کسی بڑی عمر والے کو اپنا دودھ پلا کر رضاعی بیٹا نہیں بنایا جاسکتا۔ رضاعت تو صرف گود والے بچہ کی ہوتی ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم سالم کے لیے خاص ہو۔ اگر یہ صورت ہے، تو دوسرے لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یعنی منہ بولا بیٹا بنالینے کی تو آیہ مذکورہ کے بعد کوئی اصل نہیں رہ گئی، لیکن رضاعت کے رشتہ سے، ماں اور بیٹے کا رشتہ قائم ہو گیا، اور یہ رشتہ ازرو نے شرع اتنا ہی محکم اور مستحکم ہے جتنا خود عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والے لڑکے کا ہوتا ہے۔

اس سنت ثابتہ سے احکام مستنبطہ عدیدہ | ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن میں کوئی

اختلاف نہیں بعض نزاعی ہیں۔

پہلا حکم جو اس سے مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔ یہ حکم امت کے مابین متفق علیہ ہے، حتیٰ کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نص پر زیادتی نسخ ہے۔ اور قرآن کا کوئی حکم سنت سے منسوخ نہیں ہو سکتا۔ وہ بھی اس حکم کو قبول کرنے پر اپنے تئیں مجبور پاتے ہیں۔ حالانکہ یہ حکم قرآن پر ہر حال ایک اضافہ ہے۔ چاہے اسے نسخ کا نام دیا جائے یا کچھ اور۔

اسی طرح وہ لوگ جو سنت سے نسخ حکم قرآن کے قابل نہیں۔ یہ ماننے پر بھی مجبور ہیں کہ بیوی کی موجودگی میں نہ اس کی (عتمہ) چچی سے شادی کی جاسکتی ہے نہ خالہ سے، حالانکہ یہ بھی نص قرآن پر زیادتی ہے۔

تحریم بغیر ترضع کی طرف متعدی نہیں ہوتی | لیکن یہ تحریم بغیر ترضع (یعنی غیر رضاعی) شخص کی طرف متعدی نہیں ہوتی، خواہ

وہ بھائی اور بہن کے درجہ میں کیوں نہ ہو۔ مثلاً، بھائی اس عورت سے شادی کر سکتا ہے جس نے اس کے بھائی کو دودھ پلایا ہو۔

ازرؤے نسب اور ازرؤے صہر رشتے | شیخ الاسلام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سات

ازرؤے صہر (سسرالی تعلق) حرام کیے ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ اور معلوم ہے کہ تحریم رضاعت، صہر نہیں قرار دی جاسکتی، رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

”رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے — اور ایک روایت کے

الفاظ ہیں — نسب سے حرام ہوتے ہیں۔“

لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو مصاہرت سے



حرام ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں تحریم صہر کا ذکر فرمایا ہے، رضاعت کا ذکر نہیں کیا۔ نہ یہ سلسلہ رضاعت تحریم جمع کا ذکر فرمایا، جیسا کہ نسب کے ذکر میں فرمایا ہے۔ صہر تو درحقیقت قسم نسب ہے۔ اور اس کی برادری میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ عَشْرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا۔

اس سے ثابت ہوا کہ لوگوں کے مابین جو علاقہ ہے وہ نسب اور صہر کا ہے، اور بھی دونوں چیزیں (نسب اور صہر) سبب تحریم ہیں۔ رہی رضاعت وہ نسب کی نوع ہے۔ اور مصاہرت کا بندھن صرف انساب کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں سے بیک وقت شادی کر کے اور بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی چچی۔ بہن، اور خالہ سے شادی کرنے کو حرام قرار دیا ہے تاکہ رحم محرمہ کے قطع کرنے کا سبب نہ بن سکے۔ اور معلوم ہے کہ ازروئے رضاعت دو بہنوں کے مابین رحم محرمہ کا رشتہ نہیں ہے۔ چنانچہ وراثت اور نفقہ بھی نہیں ہے۔

پس جب ایک شخص پر اس کی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ ازروئے رضاعت حرام ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس پر اس عورت کی ماں بھی حرام ہے جس نے اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہو، کیونکہ ان دونوں کے مابین نہ نسب کا رشتہ ہے نہ مصاہرت کا، نہ رضاعت کا۔

رضاعت مثل نسب کے ہے لیکن ہر حکم میں نہیں | گو ایک اعتبار سے رضاعت مثل نسب کے نہیں ہے۔ بلکہ اگر نگاہ غور و تعمق سے دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا۔ یہ دونوں (نسب اور رضاعت) کا احکام میں اتنا اجتماع نہیں ہے جتنا افتراقی۔

عبداللہ بن جعفر کی مثال | چنانچہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ دو عورتیں جو ازروئے مصاہرت محرمہ ایک شوہر کے حوالہ عقد میں جمع نہیں ہو سکتیں، رضاعت کے باوجود ایک شوہر کی بیوی بن سکتی ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفر کی مثال موجود ہے کہ انھوں نے ایسا کیا، کیونکہ سبب تحریم خود ان کے مابین ہے نہ کہ ان کے اور ایک اجنبی کے مابین جس کا کوئی رضاعی رشتہ ان دونوں سے نہیں ہے۔ نہ صہر کا رشتہ ہے، آئمہ اربعہ اور دو کے آئمہ فقہ کا



حصہ چہارم

مذہب یہی ہے، امام احمد نے اس واقعہ سے حجت کرتے ہوئے کہا ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے ایسا کیا۔ اور ان پر کوئی مقرر نہیں ہوا۔

ابن شبرمہ کہتے ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں۔

جابر بن زید قطع مروت کے باعث اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔

اور جہاں تک عدم تحریم کا تعلق ہے وہ خدائے عزوجل  
تحریم کے بارے میں فرمان خداوندی کے قول سے ثابت ہے:

وَأَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ الْكُرْ (جن عورتوں سے شادی قرآن نے حرام کر دی ہے ان کے علاوہ  
دوسری عورتیں حلال ہیں۔)

یہ بخاری کا کلام ہے۔

پس احکام نسب کا ثبوت اگر ایک اعتبار سے برحق ہے  
تحریم و حرمت اور محرمیت کا فرق رضاعت موجود ہے تو دوسرے اعتبارات سے

وہ مستلزم نہیں ہے۔ مثلاً ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لیجئے۔ یہ صرف تحریم و حرمت کے اعتبار سے مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ لیکن محرمیت کے اعتبار سے نہیں کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان سے شادی کر سکے، یا ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود امہات المؤمنین کو ان لوگوں سے پردے کا حکم دیا ہے، جن سے ان کا نکاح جائز نہیں ہے۔ پردے سے مستثنیٰ صرف قریبی رشتے دار ہیں، یا وہ جن کے مابین رضاعت قائم ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ!

لیکن یہ حکم ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب تک متعدي نہیں ہے، ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی ایسی بہنیں نہیں ہیں، جس پر نکاح ناجائز ہو۔ نہ ان کے بیٹے مسلمانوں کے ایسے بھائی ہیں کہ ان سے ان کی لڑکیاں نہ بیاہی جاسکیں۔ نہ ان ازواج نبی کی بہنیں اور بھائی، مسلمانوں کے لیے خالہ اور خالو کے حکم میں ہیں۔ بلکہ یہ سب مسلمانوں کے لیے حلال ہیں، اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ام المؤمنین حضرت میمونہ کی بہن  
ام المؤمنین میمونہ کی بہن ام الفضل  
ام الفضل کی شادی حضرت عباس سے ہوئی، حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن اسماء کی شادی حضرت زبیر سے ہوئی۔ ام عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی ابو بکر سے ہوئی، ام حفصہ رضی اللہ عنہا کی شادی عمر سے ہوئی، حالانکہ کوئی شخص اپنی ام کی ام سے شادی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر اور ان کے بھائیوں کی شادیاں ابو بکر اور ابوسفیان کی لڑکیوں سے ہوئیں اگرچہ رضاعی رشتہ سے یہ ان کے احوال (ماموں) ہوتے تھے۔ اور ماموں کے لیے یہ شادی قطعاً جائز نہیں ہے۔

**حرمت اقارب کی طرف منتشر نہیں ہوتی** | اس سے ثابت یہ ہوا کہ حرمت امہات المؤمنین سے ان کے اقارب کی طرف منتشر نہیں

ہوتی اور اس پر محرمات کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے۔

وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي نَجْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ

اور ظاہر ہے جب مطلق طور پر لفظ "ابن" بولا جاتا ہے تو اس سے مراد رضاعی بیٹا نہیں ہوتا ورنہ صلی بیٹے کی قید نہ بڑھائی جاتی، بے شک اس آیت نے جسے خارج کیا ہے وہ منہ بولا بیٹا ہے۔ لیکن اس کا اطلاق رضاعی بیٹے پر بھی ہوتا ہے۔

**جو رشتے نسب سے حرام ہیں، رضاعت سے بھی حرام ہیں** | یہ ارشاد کہ جو رشتے ازروے

نسب حرام ہیں وہ ازروے رضاعت بھی حرام ہیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو رشتے ازروے نسب حرام ہیں، ویسے ہی رشتے رضاعت سے بھی حرام ہوں گے۔ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جو رشتے ازروے جمع و مصاہرت حرام ہیں ویسے ہی رشتے ازروے رضاعت بھی حرام ہیں بلکہ عموم قول (وَأَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ كُم) کے باوجود اس کے خلاف ہی جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی کی تحریم اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے۔

**مالک بن اوس بن حذان نفری کا واقعہ** | سے اگر وہ اس کی پروردہ نہ ہو شادی

کے جواز کا فتویٰ دیتی ہے، جیسا کہ مالک بن اوس بن حذان نفری کے واقعہ سے واضح ہے، وہ کہتے ہیں

میں نے ایک عورت سے شادی کی۔ اس کے بطن سے میرا ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کے بعد وہ مر گئی  
پھر میری ملاقات علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی، انھوں نے فرمایا،

”اللہ تم پر رحم کرے کیوں پریشان ہو؟“

میں نے جواب میں عرض کیا۔

”جس عورت سے میں نے شادی کی تھی اس کا انتقال ہو گیا۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا،

”کیا اس کے کوئی لڑکی بھی تھی؟“

میں نے عرض کیا ”جی ہاں تھی!“

پھر حضرت علی نے پوچھا، کیا وہ تمہاری زیر پرورش ہے؟“

میں نے کہا، ”نہیں تو! وہ طائف میں ہے!“

حضرت علی نے فرمایا ”پھر اس سے نکاح کر لو۔“

میں نے عرض کیا۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

وَرَبَّائِكُمُ الْأَقْدَامُ فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ (تمہاری بیویوں کی پہلے شوہروں سے جو

لڑکیاں ہوں، اور تمہارے زیر تربیت و پرورش ہوں تم پر حرام ہیں)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

”وہ لڑکی تمہاری زیر پرورش اور تربیت میں تو نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو بے شک اس سے نکاح ناجائز تھا“

اس طرح کے ایک واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی روش اختیار کی تھی۔

اہل ظاہر کا مذہب یہی ہے۔

کیا ربیبہ سے نکاح ہو سکتا ہے؟ | پس اگر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور جو لوگ ان کا قول

مانتے ہوں، ربیبہ سے جو نسباً اس کی بیوی کی بیٹی ہے۔ نکاح جائز رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ اس کی تربیت

و پرورش میں نہ ہو، تو وہ رضاعی لڑکی سے نکاح کس طرح حرام قرار دے سکتے ہیں؟

۱۔ ربیبہ اس لڑکی کو کہتے ہیں جو بیوی کے پہلے شوہر کے بطن سے ہو۔ اور جسے نیا شوہر پال پوس رہا ہو۔

۲۔ یہ سارے قول اپنی جگہ پر، لیکن مسئلہ یہی ہے کہ ربیبہ سے نکاح حرام ہے۔



ربیبہ سے نکاح کے متعلق قبور دسہ گانہ | ریبیہ سے تحریم نکاح سے متعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تین قیود کا ذکر فرمایا ہے :

- (۱) ریبیہ سوتیلے باپ کی پرورش اور تربیت میں ہو۔
  - (۲) ریبیہ بیوی کے لطن سے اور پہلے شوہر کے صلب سے ہو۔
  - (۳) ریبیہ کی ماں کے ساتھ یہ دوسرا شوہر یعنی ریبیہ کا سوتیلہ باپ مجامعت کر چکا ہو۔
- پھر بھلا محض رضائی لڑکی ہونے کے باعث جب کہ نہ وہ اس کی پرورش اور تربیت میں ہے اور نہ از روئے لغت اس کی ریبیہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ تحریم کی علت حجر زوجہ شوہر کے زیر تربیت و پرورش ہونا قرار دیتے تھے۔

تحریم لبن مغل سے بھی منتشر ہوتی ہے | اس سنت سے دوسرا حکم جو مستعار ہوتا ہے کہ تحریم "لبن مغل" سے بھی اسی طرح منتشر ہوتی ہے، جیسے عورت سے۔

اور یہ بالکل ٹھیک ہے، اس کے خلاف کوئی بات درست نہیں مانی جائے گی کیونکہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیروی کی زیادہ مستحق ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہر چیز ترک کر دی جائے گی۔ اسے کسی دوسرے قول کے مقابلہ میں ترک نہیں کیا جاسکتا، خواہ وہ قول کتنی ہی بڑی ہستی کا کیوں نہ ہو، اور اگر ایسے لوگوں کے اختلاف کے باعث سنن کو ترک کر دیا جائے جو نہ اس کے مغزو معنی کو سمجھتے ہیں نہ اس کی تاویل و تشریح سے واقف ہیں تو ترک سنت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کا قول واجب الاتباع ہے وہ ترک کر دیا جائے گا اور جس کا قول واجب الاتباع نہیں ہے اس کی پیروی شروع ہو جائے گی۔ یعنی معلوم کے قول پر غیر معلوم کے قول کو ترجیح ہو جائے گی۔ یہ بہت بڑی بلا ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

حکم ابن عتبہ کی اپنے قول سے رجعت | اعمش کہتے ہیں کہ عمارہ اور ابراہیم اور ہمارے اصحاب لبن مغل کے باعث کوئی قباح محسوس نہیں کرتے

لہٰذا لبن مغل، یعنی عورت کا وہ دودھ جو اس کے شوہر کے باعث عالم وجود میں آیا ہے۔



تھے۔ یہاں تک کہ حکم ابن عتیہ کو یہ خبر ابو القیس سے معلوم ہوئی، تو انھوں نے فوراً اپنے قول سے رجعت کر لی۔ اور اہل علم کی یہی شان ہوتی ہے۔ جب ان کے پاس سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنے منوعات و اقوال سے رجوع کر لیتے ہیں۔ اور حدیث کے مقابلہ میں ہر قول ترک کر دیتے ہیں۔

**رضاعت مرد کی جہت سے نہیں عورت کی حیثیت سے ہوتی ہے** | جو لوگ ”لبن مخل“ کی حرمت کے قائل نہیں

ہیں، کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تحریم رضاعت جہت ام (ماں کی طرف) سے قرار دیا ہے: **وَامْهَاتُكُمْ اَلَا تَرْضَعْنَكُمْ وَاخَوَاتُكُمْ مِّنْ الرِّضَاعَةِ** یعنی، تمہاری وہ مائیں تم پر حرام ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔ اس طرح رضاعتی نہیں بھی حرام ہیں۔

”رضاعت“ پر جو ”لام“ آیا ہے، وہ عہد کا ہے، اور رضاعت مذکورہ، یعنی رضاعت ام پر دال ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

**وَاحِل لَّكُمْ مَا وَّرَاءُكُمْ** (یعنی محرمات کے سوا باقی عورتیں تم پر حلال ہیں۔) اب اگر ہم حدیث سے تحریم کو ثابت کریں تو گویا سنت سے نسخ قرآن کا اصول ہم نے مان لیا کیونکہ نص پر زیادتی نسخ ہی ہے اور یہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں جنہوں نے امت سنت سے روشناس کرایا اور یہ سنت سے تحریم کے قائل نہیں ہیں۔

**زینب بنت ام سلمہ کا واقعہ** | چنانچہ ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن زمعہ سے روایت ہے کہ ان کی ماں زینب بنت ام سلمہ ام المؤمنین کو اسماء بنت ابوبکر صدیقہؓ

نے دودھ پلایا جن کی شادی حضرت زبیر بن العوام سے ہوئی تھی۔

زینب کہتی ہیں زبیر میرے پاس آئے۔ میں بھی کنگھی کر رہی تھی، انھوں نے میرے سیرس سے چوٹی نکالنا شروع کر دیئے اور کہنے لگے میری طرف متوجہ ہو، اور کچھ باتیں کرو۔ میں انھیں اپنا باپ، اور ان کی اولاد کو اپنا بھائی (رشتہ رضاعت سے) گردانتی تھی پھر عبد اللہ بن زبیر نے میری لڑکی ام کلثوم

کے لیے حمزہ بن زبیر کا پیام بھیجا۔

کلبیہ کی طرف سے اس پر سوال اٹھایا :

”کیا وہ حمزہ کے لیے حلال ہوگی ؟ وہ تو ان کی بھانجی ہے۔“

عبداللہ کا جواب یہ تھا کہ جو اولاد اسما کے ... لطن سے ہے ان سے تمہارا رشتہ اخوت قائم ہے۔ اور جو اسما کے لطن سے نہیں ہے، وہ تمہارے بھائی نہیں ہیں۔ جی چاہے تو مسئلہ معلوم کرلو۔

اس زمانہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی تعداد میں موجود تھے ان سے پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ جو رضاعت مرد کی طرف سے ہو، وہ کسی رشتہ کو حرام نہیں کرتی۔ چنانچہ ام کلثوم کی شادی حمزہ سے ہو گئی اور اس واقعہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا کیونکہ یہ بات معلوم و معروف تھی کہ رضاعت عورت کی جہت سے ہوتی ہے نہ کہ مرد کی جانب سے۔

جہور کا مسلک یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں جو تم نے قرآن کے بیان کردہ دو واضح امور واقعہ بیان کیا وہ ہرگز سنت صحیحہ سے

معارض نہیں ہے۔ لہذا اس سے عدول کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ باقی رہا قرآن تو اس نے دو باتیں وضاحت سے بیان کر دی ہیں۔

۱۔ اگر رضاعی بہن ایک ہی ماں باپ کی بیٹی ہے۔ تو پھر وہ حرام ہے۔

۲۔ یا یہ صورت نہیں ہے، اس صورت میں قرآن ساکن ہے پس جو تحریم از روئے سنت ثابت ہے تو وہ اُحل لکم واداءکم تخصیص کرنے والی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے رضاعی بہنوں کا ذکر عموم کے ساتھ کیا ہے۔ لہذا جس پر بھی لفظ ”اخت“ (بہن) کا اطلاق ہوتا ہے، وہ اس میں شامل ہے۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ باپ کی طرف سے رضاعی بہن، بہن نہیں ہوتی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔

”افلح کو (اپنے ساتھ) آنے دو، کیونکہ وہ تمہارے (رضاعی) چچا ہیں!“

آپؐ نے گویا عائشہؓ اور افلح کے مابین چچا کا رشتہ صرف ”لبن فحل“ کی بنا پر قائم کیا۔

پس جب مرتضیٰ (جس نے دودھ پیا ہو، اس کے رضاعی باپ کے بھائی کے مابین چچا کا رشتہ

۱۔ حمزہ بن زبیر حضرت اسما کے لطن سے نہیں تھے۔

قائم ہو سکتا ہے تو مرتضیٰ اور رضائی باپ کے بیٹے کے درمیان اخوت کا رشتہ بدرجہ اولیٰ قائم ہوگا۔ لہذا سنت نے کتاب (قرآن) کے ایک حکم کی وضاحت کی ہے اس کی مخالفت نہیں کی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں قرآن ساکت ہے اس کی تحریم کی وضاحت کر دے، یا جس کے عموم کی وضاحت کتاب سے نہیں ہے سنت اس کی تخصیص کر دے۔

رہا مہارایہ قول کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعوائے باطل اور اس کی تردید اس تحویم کے قائل نہیں تھے تو یہ دعویٰ باطل ہے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ تحریم ثابت ہے صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس کے بارے میں مروی ہے کہ ان سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا۔

ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ایک نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا۔ دوسری نے ایک لڑکے کو، کیا ان دونوں کی شادی ہو سکتی ہے؟

حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا، ”نہیں — لقاع (مادہ رجولیت) واحد ہے۔“ اسی طرح حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے کہ وہ فتویٰ دیا کرتی تھیں کہ ”لبن نخل“ سے حرمت منتشر ہوتی ہے۔

جہاں تک حضرت زبیرؓ کے اثر کا تعلق ہے اس سے بھی یہ ثابت ہے کہ وہ زینب کو اپنی لڑکی سمجھا کرتے تھے۔

اب لے دے کے تمہارے پاس عبداللہ بن زبیرؓ کا مذکورہ بالا واقعہ مدار دلیل رہ جاتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ ساری باتیں کہاں رونما ہوئیں؟ جن میں بہت زیادہ صحابہؓ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے حلت کا فتویٰ دیا۔ ان کا ایک کا نام بھی نہیں لیا گیا ہے۔ جمول طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

راوی نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ زینبؓ نے براہ راست صحابہ سے فتویٰ لیا تھا، بلکہ ان سے مسئلہ پچھوایا تھا۔ یہ مسئلہ کن صحابہ سے پوچھا گیا یہ نہیں معلوم۔

بہا صحابہ کی کثرت تعداد و تواتر کا مسئلہ، تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں صحابہ کی زیادہ تعداد نہیں تھی۔ ان کا بڑا حصہ اور خاص طور پر اکابر صحابہ کا بڑا حصہ شام، عراق اور



باقی رہا تمہارا یہ دعویٰ کہ رضاعت ماں کی طرف سے ہوتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حرمت اس دودھ کی وجہ سے ہے جو مجامعت و مباشرت کے باعث، عورت کے پستان میں پیدا ہوتا ہے

**کتنے رضعات کے بعد رضاعت ثابت ہوتی ہے** | تیسرا حکم جو اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے یہ ہے کہ آیا دو ایک گھونٹ پی لینے سے رضاعت ثابت ہوگی، یا جب تک کم از کم رضعات نہ ثابت ہوں، حرمت نہیں ثابت ہو سکتی؟

یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

سلف اور خلف کا ایک بڑا گروہ صرف رضاع سے تحریم کا قائل ہے۔ خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر چنانچہ یہ بات حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے۔ سعید بن المسیب اور حسن کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ، حکم، حماد، اوزاعی اور ثوری بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ لیث بن سعد کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ رضاع خواہ قلیل ہو یا کثیر اس سے تحریم ثابت ہے۔

**کم از کم تین گھونٹ کی شرط** | ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ کم از کم تین گھونٹ کے بغیر رضاعت سے تحریم ثابت نہیں ہوگی۔ یہ ابو ثور، ابن المنذر ابو عبیدہ، داؤد بن علی وغیرہ کا قول ہے۔

**کم از کم پانچ گھونٹ ضروری ہیں** | ایک اور گروہ ہے جو کہتا ہے کہ رضاعت سے تحریم کے لیے کم از کم پانچ گھونٹ ضروری ہیں، یہ عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن زبیر، عطار طائوس کا قول ہے حضرت عائشہؓ کی تین روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ ان سے دوسری روایت ہے کہ رضاعت سے تحریم کے لیے کم از کم سات گھونٹ ضروری ہیں اور تیسری روایت دس گھونٹ کی ہے۔

پانچ گھونٹ والی روایت کی تائید، امام شافعی کے مسلک سے بھی ہوتی ہے۔ ان کا ظاہر مذہب یہی ہے، اور ابن حزم کا قول بھی یہی ہے۔



خدا نے تحریم کو اہم رضاعت کے ساتھ معلق کیا ہے۔ **اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تحریم کو اہم رضاعت کے ساتھ معلق کیا ہے۔** لہذا جہاں یہ کام پایا جائے گا، وہاں یہ حکم بھی موجود ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں اور یہ اطلاق قرآن کے بالکل موافق ہے

صحیحین میں عقبہ بن حارث سے مروی ہے کہ انھوں نے ام یحییٰ بنت ابی ہاب سے شادی کی اسی اثنا میں امہ سودا آئیں اور انھوں نے کہا، میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: ”یہ کیونکر؟ جب کہ تم جانتے تھے وہ تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہے؟“ لیکن آپ نے گھونٹوں کی تعداد نہیں دریافت فرمائی۔

لہذا جب رضاعت موجب تحریم ہے تو قلیل و کثیر کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑیوں اور گوشت کا پیدا ہونا جس طرح زیادہ دودھ سے ہوتا ہے کم سے بھی ہوتا ہے، دودھ کے گھونٹوں کے بارے میں اقوال کافی مضطرب ہیں۔ لیکن بہر حال یہ حقیقت ہے کہ شارع نے اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں کیا ہے۔

جو لوگ حرمت کے لیے تین گھونٹ لازمی قرار دیتے ہیں وہ دلیل یہ لاتے ہیں۔ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ وہ ایک گھونٹ سے حرمت نہیں ہوتی۔

امام مسلم نے صحیح میں روایت درج کی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ کیا تحریم ایک گھونٹ سے بھی ہو جاتی ہے؟“

آپ نے فرمایا، ”نہیں“

لہذا عموم آیت کے اعتبار سے تحریم کے لیے کم سے کم تین گھونٹ مقرر کرنا پڑیں گے، ویسے بھی عدد و تکرار میں تین ہی کا عدد معتبر ہے، کیونکہ مراتب جمع کا پہلا مرحلہ یہی ہے۔ اور بہت سے مواضع اور مواقع پر شارع نے اس کا لحاظ رکھا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت دربارہٴ رضاعت | جو لوگ پانچ گھونٹ کے قائل ہیں وہ حضرت عائشہؓ کی روایت پیش کرتے

ہیں کہ انھوں نے فرمایا :

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ، اور معاملہ اسی طرح تھا۔ اور سب سے بڑا ثبوت اور دلیل یہ ہے کہ سہیلہ بنت سہیل کے واقعہ میں آپؐ نے فرمایا تھا۔ ”سالم کو پانچ رضعات (گھونٹ) پلا دے ، تو اس پر حرام ہو جائے گی۔“ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عائشہؓ کا جو پایہ تھا ، اور علم و فضل کے اعتبار سے ان کا جو درجہ تھا وہ سب پر عیاں ہے۔ اور اگر ہم تحریم کو پانچ رضعات پر معلق کر دیں ، تو یہ ان نصوص سے ذرا بھی مخالفت نہیں ہوگی جن کا تم نے ذکر کیا ہے اور جن سے تم نے استدلال کیا ہے ، کیونکہ ہم نے مطلق کی تقلید پانچ سے کر دی ہے ، اور مطلق کی تقلید بیان ہے نسخ نہیں ، نہ تخصیص ہے۔

# رضاعت کے چند اور پہلو

مسئلہ رضاع کبیر اور حدیث سہلہ سے متعلق مباحث ضروریہ

**رضعت کی تعریف** | اور صنعت کیا ہے اور اس کی حد کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ رضعت ایک فعل ہے، یعنی بچہ کا دودھ پینا، اور یہ ایک مرتبہ ہی کافی ہے، جیسے مارنا، بیٹھنا، کھانا، جب پستان بچہ کے منہ میں چلا گیا، اور اس نے اس سے چوس لیا، اور پھر بغیر کسی عارض کے خود سے چھوڑ دیا، یہی رضعت ہے، کیونکہ شرع نے اس کا ذکر مطلق طور پر کیا ہے، لہذا اسے عرف پر معمول کیا جائے گا، اور عرف یہی ہے۔

**کس عارض سے انقطاع رضعت غیر موثر ہے** | اور صنعت کا کسی عارض سے انقطاع مثلاً سانس

لینے کے لیے، یا کروٹ بدلنے کے لیے یا کسی مرغوب چیز کی طرف چند قدم واپس چل کر آجانے کے لیے، رضعت واحدہ سے خارج نہیں کرتا، جیسے کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو، پھر کسی وجہ سے اٹھے اور دو ایک قدم چل کر واپس آ جائے تو اسے دو مرتبہ کھانا نہیں کہیں گے، ایک ہی مرتبہ قرار دیں گے، — امام شافعی کا مذہب یہی ہے۔

مرضعہ کی طرف سے انقطاع رضعت کا حکم | اور اگر مرضعہ، دودھ پلانے والی خود یہ سلسلہ ذرا دیر

کو منقطع کر کے پھر پلانا شروع کر دے تو اس سلسلہ میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اسے رضعت واحدہ ہی قرار دیا جائے گا، اگرچہ مرضعہ سے کئی مرتبہ یہ سلسلہ منقطع کیوں نہ کیا ہو۔ اس لیے کہ اس معاملہ میں دودھ پینے والے کا فعل معتبر ہے، نہ کہ مرضعہ کا،

دوسرا قول یہ ہے کہ انقطاع کے بعد، اعادہ، رضعت آخری، (دوسری رضعت) قرار دیا جائے گا، کیونکہ رضاع مرتضع دودھ پینے والا اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) دونوں سے درست ہے۔

کس رضاعت سے تحریم واجب ہوتی ہے | چوتھا حکم یہ ہے کہ جس رضاع سے تحریم واجب ہوئی ہے

ہوتی ہے عہد قبل از قیام ہے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی، امام احمد، امام محمد، امام ابو یوسف رحمہم اللہ کا قول ہے کہ عہد از رضاع دودھ پینے کا زمانہ دو سال ہے، اس عمر کے بعد اگر دودھ پیا گیا تو تحریم واجب نہیں ہوگی، حضرت عمر، ابن مسعود، ابو ہریرہ، ابن عباس، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا مسلک بھی یہی تھا۔

سید بن المسدب، شعبی، اور ابن شرمہ سے بھی یہی مروی ہے جیسا کہ سفیان ثوری، اسحاق۔ ابو عبیدہ ابن حزم، ابو عبیدہ، ابن المنذر، داؤد اور جمہور کا قول ہے امام ابو حنیفہ اور امام زفر رحمہما اللہ نے یہ مدت تین چھ مہینے مقرر کی ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام زفر کی مقرر کردہ مدت

یعنی وہ زمانہ جب بچے کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔



امام مالک فرماتے ہیں کہ دودھ پینے کی عمر دو سال تک ہے، اس زمانہ میں اگر دودھ پیا تحریم واجب ہو گئی، اس کے بعد پیا تو نہیں ہوئی۔

اصحاب مؤطانے روایت کی ہے، کہ وقت وفات تک امام مالک اس مسئلہ پر قائم رہے کہ دو سال کی عمر کے بعد اگر دودھ پیا جائے گا تو خواہ وہ قبل ہو یا کثیر تحریم نہیں واجب ہوگی، کیونکہ اب اس کی حیثیت پانی سے زیادہ نہیں ہے۔

حسن بن صالح اور ابن ابی ذویب، اور اہل کوفہ کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ مدت رضاع محرم دو نہیں، تین سال ہے، البتہ اس کے بعد نہیں۔

عمر بن عبد العزیز کا قول سات سال کا ہے، لیکن ان کی ایک روایت اس کے خلاف بھی ہے۔ ربیعہ کہتے ہیں کہ مدت رضاع دو سال بارہ دن ہے۔

سلف و خلف کی ایک جماعت رضاع کبیر کیا رضاع کبیر بھی سبب تحریم ہے | کو بھی بڑی عمر والا جو عورت کا دودھ پیئے، خواہ وہ بوڑھا کیوں نہ ہو، سبب تحریم قرار دیتی ہے، قلت اور کثرت کی کوئی قید نہیں۔

علی کرم اللہ وجہہ، عروہ بن زبیر، اور عطاء بن رباح سے یہی مروی ہے، لیث بن سعد، ابو محمد بن سعد اور ابو محمد بن حزم کہتے ہیں رضاع کبیر اگرچہ وہ بوڑھا کیوں نہ ہو، اسی طرح موجب تحریم ہے جیسے رضاع صغیر، اس باب میں دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔

غرض اس مسئلہ میں لوگوں کے مذاہب و مسالک یہ ہیں جن کا ذکر ہوا۔

اب مذکورہ مسالک کے  
ارباب مسالک کے دلائل اور ان پر ایک نظر | ارباب و اکابر کے دلائل

پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیئے،

جو لوگ دو سال کی مدت مقرر کرتے ہیں اور رضاع کبیر کے قائل ہیں، ان میں اصحاح دو سال کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والوالدان یرضعن اولادھن حولین کاملین من اراد ان یتتم  
الرضاعۃ -

اس آیت کی رو سے خود خدا نے دودھ پینے کی مدت دو سال مقرر کر دی ہے،  
اور اس مدت کے بعد اگر دودھ پیا جائے گا تو اس سے تحریم کے وجوب کا ثبوت نہیں  
ملا،

اس کی تائید ابن مسعود کی حدیث میں بھی ہوتی ہے کہ تحریم کے وجوب کا ثبوت  
جب تک اس سے گوشت اور ہڈیوں کی نشوونما ہو سکے، اور رضاع کبیر کی صورت میں  
گوشت اور ہڈیوں کی نشوونما خارج از بحث ہے۔

**تحریم رضاع کبیر کی دلیل** | جو لوگ رضاع کبیر کی تحریم کے قائل ہیں وہ دلیل  
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ پیش  
کرتے ہیں جو ہر طرح کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ آپؐ نے سہلہ بنت سہیل کو حکم  
دیا کہ وہ سالم ابی حذیفہ کو دودھ پلا دیں، اور یہ سالم سن شعور کو پہنچ چکے تھے اور اٹھی  
موچھروالے تھے، آپؐ نے فرمایا،

وہ سالم کو دودھ پلا دو پھر تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔“

**حدیث سہلہ بنت سہیل سے استدلال** | دو سال کی مدت کے جو لوگ قائل  
ہیں وہ حدیث سہلہ بنت

سہیل کے بارے میں باہم مختلف الارامہ ہیں۔

ان مختلف الارامہ کے مسالک کو تین صورتوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے؛

**۱۔ یہ حکم منسوخ ہے** | جو حکم دیا گیا تھا کہ وہ سالم کو ابی حذیفہ کو دودھ  
ایک مسلک تو یہ ہے کہ یہ حکم (سہلہ بنت سہیل کو

پلائیے تو ان پر حرام ہو جائیگی) منسوخ ہے۔

لیکن یہ نسخ پر کوئی دلیل یا حجت سواد عوے کے نہیں لاتے؛

## ۲۔ یہ حکم صرف سالم کے ساتھ مخصوص ہے

مخصوص ہے، سالم کے علاوہ کسی اور پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔  
یہ مسلک ام المؤمنین ام سلمہ اور دوسری ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔  
کوئی شبہہ نہیں یہ مسلک، پہلے مسلک کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے، اس مسلک  
کے اصحاب کہتے ہیں کہ سہلہ نے سالم کے بڑے ہوتے کا جو عذر پیش کیا تھا، وہ آیہ  
حجاب کے نازل ہونے کے بعد کیا تھا، جس کا اقتضا یہ ہے کہ عورت اپنی زینت کی  
نمایش کسی غیر کے سامنے نہیں کر سکتی، سوا ان لوگوں کے جن کا ذکر مذکورہ آیت  
میں آیا ہے، لہ اور عورت اگر کسی اجنبی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرے گی  
تو یہ فعل عموم آیت کے باعث ناجائز ہوگا،

پس اگر سہلہ نے اپنی زینت کا سالم کے سامنے اظہار کیا، تو یہ ایک خاص واقعہ تھا  
کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی بات کا حکم دیتے یا اس سے  
متنع کرتے اور شریعت میں اس کا حکم معارض کوئی حکم یا ہو تو اس حکم یا ممانعت  
کا اطلاق پوری امت پر ہوگا،

لیکن اگر صورت یہ ہو کہ کسی بات کا آپ نے لوگوں کو حکم دیا ہو، یا کسی کام  
سے متنع کیا ہو، اور پھر کسی ایک شخص کو اس امر یا نہی کے خلاف حکم دیا ہو، تو یہ  
حکم صرف اسی شخص کے لیے خاص ہوگا، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی خاص شخص  
کو آپ نے جو حکم دیا ہے، وہ ساری امت کے لیے، یا کسی چیز کی اباحت آپ نے  
کسی خاص شخص کے لیے کی ہے تو اس کا اطلاق تمام مسلمانوں پر ہوگا، کیونکہ اس  
کا نتیجہ حکم یا نہی اول کے ساقط ہونے کی صورت میں رونما ہوگا، لہذا ہم کہیں  
گے کہ یہ نیا حکم اس شخص کے لیے خاص ہے تاکہ نصوص میں توافق قائم رہے، اور

لہ یعنی باپ اور شوہر وغیرہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے زینت کی نمایش جائز نہیں ہے۔



ان میں تعارض لاحق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں غیر محرم کے لیے اظہار نہ نیت کو حرام قرار دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سالم کی وجہ سے سہلہ کے لیے مباح کر دیا، لہذا اسے سالم کے لیے رخصت خاص قرار دیا جائے گا، یعنی عموم تحریم سے مخصوص استثناء، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اباحت عام ہے کیونکہ پھر اس سے آیہ محرمہ کا ابطال لازم آئے گا، پس اگر ہم حدیث سہلہ کو رخصت خاص قرار دیں اور دوسری حدیثوں کو ان کے عموم پر رہنے دیں تو پھر نہ تعارض کا سوال پیدا ہوتا ہے، نہ نسخ کا۔

### ۳۔ یہ حکم نہ منسوخ ہے نہ عام حسب مصلحت جائز ہے [مسک]

یہ ہے کہ حدیث سہلہ ربنت سہیل سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے، نہ وہ منسوخ ہے نہ مخصوص، نہ عام، بلکہ اگر ضرورت کا تقاضا ہو، تو جائز ہے۔ یعنی اگر حالات ایسے ہیں کہ ایک شخص کے سامنے کوئی عورت بے پردہ آئے پر مجبور ہے یا کوئی شخص کسی عورت سے پردہ نہ کرنے پر مجبور ہے، — جیسا کہ سہلہ بنت سجدہ، اور سالم مولیٰ ابو حذیفہ کے واقعہ سے ظاہر ہے..... تو ایسے بڑی عمر والے شخص کو اگر عورت اپنا دودھ پلا دے گی، تو اثر رضاعت مرتب ہوگا، اور وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے، رضاعی رشتہ کے باعث، حرام ہو جائیں گے۔

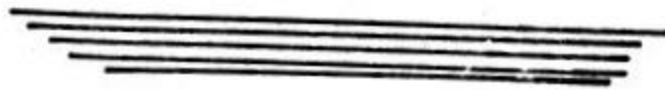
لیکن اگر ایسی خاص اور مستثنیٰ صورت واقع نہ ہو تو پھر موصول مسئلہ قائم رہے گا، یعنی حرف رضاع صیغہ سے تحریم واجب ہوگی۔  
شیخ السلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کا مسک یہی ہے۔

### تخصیص و تقیید کا قبول کر لینا نسخ کے قبول کرنے سے اولیٰ ہر

باقی رہیں احادیث نافیہ رضاع کبیر تو یا انہیں مطلق مانا جائے گا، اور حدیث سہلہ



سے ان کی تفسیر کی جائے گی، یا ان کا عموم احوال تسلیم کیا جائے گا، اس صورت میں حدیث مسہلہ سے ان کی تخصیص کی جائے گی، اور اس صورت کا تسلیم کر لینا، نسخہ کے تسلیم کر لینے سے کہیں بہتر اور انسب ہے، کیونکہ مجموع احادیث طرفین پر عمل میں اس سے بہت زیادہ سہولت پیدا ہو جاتی ہے، اور قواعد شرع سے بھی موافقت قائم رہتی ہے۔ واللہ الموفق!



# مسئلہ عدت

عورت کی عدت اور اس کی مدت کے بارے میں مسائل متفقہ

عدت کے اقسام از روئے قرأتِ کریم | عدت سے متعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو بیان فرمایا ہے وہ بہت زیادہ واضح، اور جامع ہے، قرآن حکیم سے عدت کی چار قسمیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ عدت کی پہلی قسم | عدت کی پہلی قسم حاملہ کی عدت ہے، یہ عدت وضعِ حل میاں اور بیوی کے مابین تعارفِ زندگی میں ہو یا موت کے باعث۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاُولَاتِ الْاِحْمالِ اَجَلْهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ بِعَنْیِی حَامِلَةٍ عَوْرَتُوْنَ کِیْ مَدَّتْ وَضَعِی حَلْیِی۔

۲۔ عدت کی دوسری قسم | دو سری قسم مطلقہ کی عدت ہے، مطلقہ کی عدت، اگر ابھی وہ عمر کی اس منزل میں ہو کہ حیض بند نہ ہوا ہو، تو تین قرو ہے، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

للمطافات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء - یعنی مطلقہ عورتوں کی عتت تین قروء ہے، لہ

۳۔ عتت کی تیسری قسم | تیسری قسم اس عورت کی ہے جو حیض والی نہ ہو۔ ایسی عورت جو حیض والی نہ ہو اس کی دو تیسری

ہیں۔

۱۔ کم عمر لڑکی حیض ابھی جاری نہ ہوا ہو،

۲۔ منی عورت جس کا حیض آنا بند ہو چکا ہو، اور وہ اُنسہ بن گئی ہو،

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان دونوں کی عتت بیان فرمادی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا ہے، : وَاللّٰی یُسِّنُ مِنَ الْمَحِیْضِ مَنْ نَّسَأْتُكُمْ اَنْ اُرْتَبِتُمْ فَعَدَّتْهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ وَاللّٰی لَمْ یَحِضْنَ

یعنی جو عورتیں اُنسہ ہو چکی ہیں، اور جن کا حیض ابھی جاری نہیں ہوا ہے ان کی عتت تین مہینے ہے۔

۴۔ عتت کی چوتھی قسم | چوتھی قسم اس عورت کی ہے جس کا شوہر وفات پا چکا ہو، ایسی عورت کی عتت قرآن کریم نے چار مہینے دس روز مقرر فرمائی ہے، فرمایا ہے۔

۱۔ وَالَّذِیْنَ یَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُونَ اَنْرًا وَاَمْهًا یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا

یہ عتت اس عورت کی ہے جو مرد خول بہا ہو یا نہ ہو، کم سن ہو، یا سن ہو

لہ قروء سے مراد حیض ہے۔

لہ فقہ کی اصطلاح میں اُنسہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی عمر ڈھل ہو چکی ہو، حیض آنا بند ہو چکا ہو، اور تو والد و تناسل کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو، یعنی اب وہ اولاد سے بایوس ہو چکی ہو، ایسی عورت کی عتت حیض کے بجائے تین مہینے رکھی ہے۔

باقی صفحہ نمبر ۹۹۹ پر

لیکن اس میں حاملہ عورت شامل نہیں ہے، وہ آیہ کریم واولات الفصل اجلہن ان یضعن حملہن کے مطابق خارج ہو گئی، کیونکہ اس کی عدت وضع حمل قرار دی گئی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ بیوہ عورت کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ (یتوبن بانفسہن اربعۃ اشہر وعشراۓ)۔  
اس کا تعلق بالاتفاق غیر حاملہ عورت سے ہے۔

فہم مراد قرأت میں اختلاف | بہر حال یہ ہے عدت کا اصول جسے واضح اور بین طور پر قرآن حکیم نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

لیکن فہم مراد قرأت میں اختلاف ہے، چنانچہ وفات پائے ہوئے شخص کی بیوی کی عدت اگر وہ حاملہ ہو کیا ہوگی؟ اس میں سلف کا اختلاف ہے۔

حضرت علی، ابن عباس اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حاملہ بیوہ کی مدت البعد الاجلین رکھتی ہے، امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے جسے سحنون نے اختیار کیا ہے، امام احمد بھی البعد الاجلین ہی کو عدت مانتے ہیں،

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تاویل | ابن مسعود رضی اللہ عنہ آیہ کریمہ کی تاویل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں۔

۱۔ مدخول بہا سے مراد وہ عورت ہے جس سے شوہر تمتع کر چکا ہو۔

۲۔ غیر مدخول بہا سے مراد وہ عورت ہے جس سے شوہر نے ابھی جماعت نہ کی ہو۔

۳۔ کم سن سے مراد وہ عورت ہے جو بلوغ کی منزل تک نہ پہنچی ہو۔

۴۔ یائس سے مراد وہ عورت ہے جو حد بلوغ کو پہنچ چکی ہو۔

۵۔ ابعداجلین سے مراد یہ ہے کہ وضع حمل اور چار مہینے اور دس دن کے مابین

جو مدت زیادہ طویل ہو وہ عدت قرار پائے گی۔



کہ قرآن نے جو ”اجل“ یعنی عدت کی مدت مقرر کی ہے، وہ بیوہ اور مطلقہ کے لیے ایک ہی ہے، یعنی مطلقہ عورت کی عدت بھی وضع حمل کے ساتھ ختم ہو جائے گی، یعنی جس سے چاہے نکاح کر لے، کیونکہ اس کی عدت تو ختم ہو چکی ہے۔

**استقاط حمل کی صورت میں عدت کیا ہوگی** | لیکن اگر حاملہ عورت کا استقاط ہو جائے تو اس

کی عدت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک بچہ کی جسمیت ظاہر نہ ہو جائے مثلاً، ہاتھ یا پاؤں، اگر یہ صورت ہوگی تو باندی آزاد ہو جائے گی لہٰذا اور عدت ختم ہو جائے گی۔

**اگر پیٹ میں دو بچے ہوں تو عدت کب ختم ہوگی** | لیکن اگر کوئی عورت بچہ جنتی ہے اور

ابھی اس کے پیٹ میں دو سر بچہ ہو، تو عدت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی، جب تک وہ دو سر بچہ بھی نہ جن لے۔

**ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اختلاف** | اس مسئلہ میں ابو ہریرہ اور

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وضع حمل کو عدت قرار دیتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ البعد الاجلین کو، چنانچہ ان دونوں نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہما کو حکم بنایا، انہوں نے ابو ہریرہؓ کے موافق فیصلہ کیا، اور دلیل میں حدیث سبیعہ پیش کی، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔

لہٰذا باندی سے اگر ہم بستی کی جائے، وہ حاملہ ہو جائے، تو وضع حمل کے ساتھ ہی اس کی غلامی ختم ہو جائے گی، اور وہ خود بخود آزاد ہو جائے گی۔

صحابہ تابعین، اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کا فتویٰ لیکن صحابہ تابعین اور ان کے بعد

آنے والے ائمہ، اور ائمہ اربعہ کا فتویٰ یہ ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، اگرچہ شوہر کے جنازے کو غسل کیوں نہ دیا جا رہا ہو، جیسے ہی وضع حمل ہوا، عورت حلال ہوئی، اب اسے اختیار ہے جس سے چاہے شادی کرے۔

جمہور فقہاء کا مسلک اور اس کی تفصیل جمہور فقہاء کا اس مسئلہ میں جو مسلک ہے وہ چند امور پر مشتمل ہے!

۱۔ سنت صریحہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عدت میں وضع حمل کا

اعتبار ہے، جیسا کہ صحیحین میں بیحد اسباب کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور وہ حاملہ تھیں وضع حمل کے بعد انہوں نے نکاح کا ارادہ کیا ان سے ابواسنابل نے کہا۔

تم نکاح نہیں کر سکتیں، جب تک دونوں مدتوں میں سے آخری مدت بھی پوری نہ کر لو۔

سبیحہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کیا، آپ نے فرمایا!

ابواسنابل نے غلط کہا، تم وضع حمل کے بعد حلال ہو چکیں، جس سے چاہو نکاح کر لو، اے!

۲۔ قرآن کریم کی آیت واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (یعنی حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے، مؤخر ہے اس آیت کریمہ سے)

۳۔ ”العدا الجلین“ کی رو سے واضح حمل کے بعد بھی چار مہینے دس دن کی عدت پوری کرنی چاہیئے تھی۔

وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَبَيْنَ رُؤُوسِهِمْ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِمْ أَرْبَعَةَ

أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

یعنی بیوہ عورتوں کی عدت چار مہینے دس دن ہے

استبراء کی صورت میں بھی عدت وضع حمل ہے

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد  
کہ ”وَأَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ“

اس بات پر دال ہے کہ اگر عورت کے پیٹ میں دو بچے ہوں، تو جب تک وہ دونوں بچے نہ جن لے عدت ختم نہیں ہوگی۔

یہ آیت اس بات پر بھی دال ہے کہ استبراء کی صورت میں بھی عدت، وضع حمل ہی ہوگی۔

نیز اس بات پر بھی یہ آیت کہ میر دال ہے کہ بچہ خواہ مردہ پیدا ہو یا زندہ، تمام المخلقت ہو یا ناقص، اس میں روح پیدا ہو چکی ہو، یا نہ ہوئی ہو، وضع حمل کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی۔

علاوہ ازیں یہ کہ اگر کسی عورت کو کئی مہینے یا سال سال بھر حیض نہیں آتا تو امام مالک کے نزدیک جب تک حیض نہ آئے، عدت ختم نہیں ہوگی، لیکر جمہور کا مسلک یہ ہے کہ عورت حیض کا انتظار نہیں کرے گی، چار مہینے دس دن کے بعد اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔

# لفظ "قرو" کی تفسیر

اختلاف، دلائل، بیان

لفظ "قرو" اقراء، کی تفسیر ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، آیا اس سے مراد حیض ہے یا الطہار؟ اکابر صحابہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حیض ہے، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، ابو موسیٰ عبادہ بن صامت ابو الدرداء، ابن عباس، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کا قول یہی ہے، نیز عبد اللہ بن مسعودؓ کے حکم اصحاب کا بھی یہی قول ہے، مثلاً علقمہ، اسود، ابراہیم اور شریح وغیرہ، شعبی اور حسن کا قول بھی یہی ہے، نیز قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں، ابن عباس کے اصحاب میں سعید بن جبیر اور طاؤس کا یہی قول ہے، سعید بن المسیب بھی فرماتے ہیں ائمہ حدیث مثلاً اسحاق بن ابراہیم ابو عبید القاسم، اور امام احمد کا قول بھی یہی ہے۔

**امام احمد الطہار، مراد لیتے تھے** | امام احمد اس لفظ سے مراد الطہار لیا کرتے تھے

اثرم کی روایت ہے کہ امام احمد پہلے اس لفظ سے مراد الطہار ہی لیا کرتے تھے، بعد میں اس قول سے رجوع کر لیا، ابن ہانی کی روایت ہے کہ امام احمد نے فرمایا!

پہلے میں اس لفظ سے مراد الطہار لیا کرتا تھا، لیکن اب میں کہتا ہوں کہ اس لفظ سے مراد حیض ہے، ا،



**امام ابو حنیفہ کے نزدیک مراد حیض ہے** | ائمہ اہل الرائے مثلاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے اصحاب

بھی اقراء سے مراد اظہار نہیں بلکہ حیض لیتے ہیں۔

**امام مالک اور امام شافعی کا مسلک** | لیکن ایک جماعت ہے جس کا قول ہے کہ اقراء سے مراد حیض نہیں اظہار ہے،

یہ قول ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہما، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر کا ہے۔

فقہاء سبعہ، اور ابان بن عثمان، اور زہری، اور عامر فقہاء مدینہ بھی اظہار مراد

لیتے ہیں۔

امام مالک اور شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔

**مسئلہ عدت پر یقین اقوال** | ایک سوال یہ ہے کہ آیا مطلقہ عورت کی عدت اس وقت ختم ہوگی، جب روہ حیض سے فارغ

ہو کر غسل کر لے؟ اس مسئلہ میں یقین قول ہیں۔

۱۔ جب تک عورت غسل نہ کر لے، عدت ختم نہیں ہوگی،

اکابر صحابہ کا مسلک یہی ہے، امام احمد بھی یہی کہتے ہیں۔

**شوہر کو حق رجعت کب تک حاصل ہے** | ۱۔ عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ

حاصل ہے جب تک عورت حیض سے فارغ ہو کر غسل نہ کر لے، ابوبکر صدیق، عثمان

بن عفان، ابو موسیٰ، ابو الاردا۔ اور معاذ بن جبل سے بھی یہی ثابت ہے کہ جب

تک مطلقہ عورت تیسرے حیض سے فارغ ہو کر غسل نہ کر لے شوہر کو حق رجعت

حاصل ہے۔

مصنف عبد الرزاق میں عمر زید بن ربیع سے وہ ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن

مسعود سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت عثمان نے ابی کعب سے اس مسئلہ میں

دریافت کرایا، ابی بن کعب نے جواب دیا کہ!

میر خیال ہے کہ شوہر کو اس وقت تک رجعت کا حق حاصل ہے جب تک مطلقہ  
تیسرے حیض سے فارغ ہو کر غسل نہ کر لے، اور نماز اس پر حلال نہ ہو جائے،  
کیا مجرد طہر سے عدت ختم ہو جائے گی؟ | ۲۔ حیض سے فارغ ہونے کے بعد  
غسل کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

یہ قول سعید بن جبیر، اوزاعی، اور شافعی رحمہم اللہ کا ہے، امام احمد سے بھی  
ایک روایت یہی ہے جسے ابو الخطاب نے اختیار کیا ہے۔ !  
۳۔ انقطاع خون کے بعد بھی مطلقہ کی  
عدت اس وقت تک قائم رہے گی، اور  
شوہر کو حق رجعت حاصل رہے گا جب تک طہر میں آنے کے بعد نماز کا وقت نہ  
گزر جائے، — یہ ثوری کا قول ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ انقطاع خون کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی۔  
قرآن مجید میں جو ”قرء“ کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد، طہر یا حیض ہیں سے  
ایک ہی ہو سکتا ہے، دونوں نہیں ہو سکتے، لیکن بوجہ رسباق، لغت، اور عرف  
کے لحاظ سے، حیض ہی کا مراد ہونا ادنیٰ ہے۔

علاوہ انہیں ”قرء“ کا استعمال حیض کے لیے جتنا عام ہے طہر کے لیے نہیں، اس  
لفظ کے معنی حیض کے لیے، مستفتی معلوم، اور مستفیض ہیں، لیکن طہر کے لیے یہ مورد  
نہیں ہے۔

”القرء“ کا مفہوم و مقصد کیا ہے | جوہری کا قول ہے:  
”القرء“ — اس لفظ سے مراد حیض  
ہے، اس کی جمع اقراء بھی آتی ہے اور قروم بھی، حدیث میں آتا ہے لا صلوة ایام اقراء  
یعنی ایام اقراء میں نماز واجب نہیں ہے لہ

لہ حالانکہ طہر میں ہے۔

نیز یہ لفظ ”طہر“ کے معنی میں بھی آتا ہے، یہ ایسا لفظ ہے جو صنعت اعتداد رکھتا ہے، یعنی متضاد معنی کا حامل ہے۔

ابو عبیدہ کا قول ہے۔

”اقرأ“ کے معنی حیض کے ہیں، یہ لفظ الطہار کے معنی میں بھی آتا ہے۔

نسائی کہتے ہیں،

”جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو کہتے ہیں، ”اقرأت امرأة“۔

ابن فارس کا قول ہے۔

”القرء“ سے مراد ایسے اوقات ہیں جو طہر کے لیے بھی مفہوم ہوتے ہیں اور

حیض کے لیے بھی، اس لفظ کا واحد ”قرء“ ہے جس سے مراد طہر بھی لیا جاتا ہے،

لیکن ایک جماعت اس سے حیض مراد لیتی ہے، نیز اوقات طہر و حیض کے مابین یہ

لفظ مشترک بھی ہے، اور صرف اوقات حیض، اور صرف اوقات طہر کے لیے بھی بولا

جاتا ہے، گویا کسی ایک کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کے لیے بولا جاسکتا

ہے، جب عورت حیض سے نکل کر طہر میں، اور طہر سے حیض میں داخل ہوتی ہے

تو کہتے ہیں، ”اقرأت امرأة“۔

شارع نے اسے کس معنی میں استعمال کیا ہے؟ پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی

صرف حیض کے لیے آیا ہے، کسی ایک موقع پر بھی طہر کے لیے نہیں آیا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مستحاضہ سے فرمایا،

”دع الصلوۃ آیام اقرائك“ (یعنی اپنے ایام اقرار میں نماز چھوڑ دے)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بہتر کلام الہی کی تعبیر اور کون کر سکتا ہے۔

آپ سے زیادہ اپنی قوم کے لغت کا ماہر کوئی اور بھی ہو سکتا ہے؟ یہی لغت جس

پر قرآن نازل ہوا، پس جب ثابت ہو گیا کہ شارع نے اسے حیض کے لیے استعمال

کیا ہے، تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ قراء کا محل درحقیقت کس معنی پر کیا جائے گا؟

کیا ”خلق“ سے مراد حیض ہے | اسی طرح لا یجعل لہن ان یمکن ما خلق اللہ فی امرہا من۔

ہیں ”خلق“ سے مراد حیض ہے، اور عامہ مفسرین کے نزدیک حمل، رحم میں جو مخلوق ہے، وہ درحقیقت حیض وجودی ہے

یہی وجہ ہے کہ سلف اور خلف نے اسے حمل اور حیض قرار دیا ہے، البتہ بعض اسے صرف حیض اور بعض صرف حمل کہتے ہیں، لیکن کسی نے بھی طہر نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،!

عدت کا حکم عدم حیض پر معلق ہے | واللہ فی یئسن من المہیض من نساءکم

ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللہ فی لہم یحضن

گویا اللہ نے عدم حیض پر عدت کے حکم کو معلق رکھا ہے نہ کہ عدم طہر پر،

عدت! یقین حیض تک | اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

طلاق الامة تطليقتان وعدتها حیضتان..... یعنی باندی کے لیے دو طلاقیں ہیں، اور اس کی عدت دو حیض ہیں، اس حدیث کو ابن ماجہ، ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے!

ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور حدیث ہے وہ فرماتی ہیں کہ:

بریرہ کو حکم دیا گیا کہ یقین حیض تک کی عدت گزارے،!

تیسرا ایک اور حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس بن شماس

کی بیوی کو جب انہوں نے اپنے شوہر سے خلع لے لی، ایک حیض تک اپنے تنیس روکے رہنے کا حکم دیا، ابن عباس کی ایک روایت میں ایک حیض تک عدت

لہ حیض وجودی - یعنی بطن مادر میں جو مخلوق ہے، وہ درحقیقت حیض ہی ہے (نہ کہ طہر) جس نے ایک پیکر کی صورت اختیار کر لی ہے۔



گزارنے کا لفظ آیا ہے، اسی طرح کی روایت ترمذی کی بھی ہے!

**باندی کا استبراء ایک حیض ہے** | اسی طرح استبراء کا معاملہ ہے، ابن عبد البر کا قول ہے کہ بالاجماع باندی کا استبراء ایک

حیض کی عدت ہے۔

غرض سنن صحیحہ سے ثابت ہے کہ استبراء حیض کے ساتھ وابستہ ہے نہ کہ طہر کے ساتھ امام شافعی کا بھی صحیح قول یہی ہے کہ باندی کا استبراء ایک حیض کا زمانہ ہے،

**استبراء اور حیض میں مماثلت** | غرض جمہور کا مسلک یہی ہے کہ عدت استبراء حیض ہے نہ کہ طہر، اور یہ استبراء باندی کے

حق میں وہی حیثیت رکھتا ہے، جو ایک آزاد عورت کے حق میں عدت کی ہے۔ بہر حال امر متینتر حیض ہے، ایک عورت جب عائضہ ہوتی ہے تو اس کے بلوغ

کے ساتھ ہی اس کے احکام میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ اس پر بعض عبادتیں اس سے دوران میں حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً نماز اور روزہ، اور طواف، اور مسجد میں داخلہ

وغیرہ وغیرہ، لیکن جب خون بند ہو جاتا ہے وہ غسل کر لیتی ہے، اور طہر میں داخل ہو جاتی ہے، تو تجدّد طہر سے احکام میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہے، بلکہ زمانہ حیض

کے احکام منبرہ زوال آشنا ہو جاتے ہیں، یعنی طہر کے بعد، وہ اس حالت پر واپس آ جاتی ہے جس پر حیض سے قبل تھی، غرض طہر سے احکام نہیں بدلتے، وہ قرد

(حیض) ہے جو عورت کے احکام بدل دیتا ہے، اور یہ تغیر صرف حیض ہی سے حاصل ہوتا ہے، طہر سے نہیں۔

**قرد کو طہر سمجھنے والوں کے استدلال کا جواب** | ہم اس مسئلہ میں اکابر صحابہ تک اپنی گفتگو

محدود رکھیں گے، یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ قرد سے مراد طہر نہیں، حیض ہے، طہر سے استدلال کرنے والے ”فطلقوہن لعدۃ“ سے

**طلاق قبل از عدت** | حجت لاتے ہیں، حالانکہ یہ حجت ان کے خلاف جاتی ہے۔

در حقیقت آیت سے مراد طلاق قبل از عدت ہے کہ در عدت ، لہذا آیت کا محل ، طلاق در عدت پر نہیں کیا جاسکتا ، وجہ یہ ہے کہ ایقاع طلاق زمانہ عدت میں ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سبب ہے اور سبب حکم پر متقدم ہوتا ہے ، لہذا جب یہ ثابت ہو گیا تو اقراء کو جہض کہنے والا صحیح معنی میں آیت پر عمل کرتا ہے ، اور قبل از عدت طلاق قیاس ہے ، لہذا ہم کہتے ہیں ، تمہارا احتجاج باطل ہو گیا۔ اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ مراد طلاق قبل از عدت ہے نہ کہ در عدت ۔

اور ”قرأت امرأة“ ، میں قر سے مراد جہض ہے ، اس لیے کہ جہض اس چیز کا ظہور ہے جو چھپی ہوئی تھی ، جیسے جنین کا ظہور مثلاً ”قرأ الشریا“ ، اور قرأ الترع ، وہ وقت ہے جب بارش اور ہوا کا ظہور ہوتا ہے یہ دونوں چیزیں وقت مخصوص پر ظاہر ہوتی ہیں ، لہذا کوئی شبہ نہیں کہ قراء کے معنی جہض کے زیادہ واضح ہیں بہ نسبت طہر کے ،

**استدلال حضرت عائشہ کے کلام سے** رہا یہ استدلال کہ عائشہ رضی اللہ عنہا قر سے مراد اظہار لبتی ہیں ، اور مردوں

کے مقابلہ میں عورتیں اس بات کی زیادہ عالم ہیں ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھلا کون شخص اس بات کو باور کرے گا کہ کلام الہی کے مفہوم سے عورتیں بہ نسبت مردوں کے زیادہ واقف ہیں ، فہم کتاب (قرأت) میں ابو بکر صدیق ، عمر بن الخطاب ، علی بن ابی طالب ، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر رضی اللہ عنہم ، اور اکابر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فہم پر عورتوں کے علم و فہم کو کس طرح ترجیح دی جاسکتی ہے ۔

اور یہ بات کہ یہ آیت انہی (عورتوں) کی شان میں نازل ہوئی ہے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ رجال سے زیادہ عالم ہیں ، ایسا ہوتا تو ہر آیت جو عورتوں کے بارے میں نازل ہوتی اس کے مفہوم و معنی سے مردوں کے مقابلہ میں عورتوں زیادہ واقف ہوتیں ، اور مردوں پر ان کی تقلید واجب ہوتی ، چنانچہ آیہ رضاع ، آیہ جہض

اور تحریم جماع جائز اور ایہ عدت بیوہ، اور ایہ حمل اور فصال اور حمل فصال کی مدت  
ایہ تحریم البرزخیت وغیرہ میں پورا اور اسی طرح کی دوسری آئینیں جو عورتوں سے متعلق  
ہیں ان کے علم و فہم کے بارے میں عورتوں کا علم اعلیٰ اور افضل ہوتا اور مردوں پر ان کی  
تقلید واجب ہوتی۔

پھر جب کہ صورت احوال یہ ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں عورتوں اور مردوں کے  
مابین اختلاف رونما ہوا، تو صواب مردوں ہی کے دامن سے وابستہ رہا،  
چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، جن کا خیال ہے کہ رضاع کبیر سے  
حرمت منتشر ہوتی ہے، اور محرمیت ثابت ہو جاتی ہے، کچھ صحابہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ  
بھی ہیں، اور ان کے اس خیال کے مخالف بھی لیکن تم نے کبھی نہیں کہا کہ عائشہ ان  
اختلاف رکھنے والے مردوں سے زیادہ عالم ہیں، بلکہ تم نے وہی قول قبول کیا، اور اسی  
کو مقدم رکھا، جو ان سے اختلاف رکھنے والوں کا ہے۔

**طہر حیض سے اسبق ہے** | تمہارا یہ قول کہ طہر حیض سے اسبق ہے۔ لہذا  
یہ اولیٰ بالاسم بھی ہے، یہ عجیب قسم کی ترجیح

ہے، یہ دعویٰ اگر مان لیا جائے تو قرآن کے ارشاد ”واللیل اذا عسے“ میں پھر اولیٰ  
یہ ہو گا کہ ظلمت کو روشنی پر سابق مان لیا جائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

**کیا آنحضرتؐ نے قروع کی تفسیر اظہار کی ہے؟** تمہارا یہ قول کہ نبی صلی اللہ علیہ  
اوسلم نے قروع کی تفسیر اظہار سے

کی ہے، اگر ایسا ہوتا تو اس لفظ کے معنی اظہار مراد لینے میں تم ہم سے سبقت نہ لے  
جاسکتے، اور ہم خود ہی اس قول کو لے کر تم سے آگے بڑھ جاتے، اعتقاد کے لحاظ  
سے بھی، اور عمل کے لحاظ سے بھی، ۔!

واقعہ یہ ہے کہ آپ کے مزاج کلام سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے قروع کی تفسیر  
حیض سے کی ہے۔



طہر سے خون مسبوق نہیں ہوتا | تم کہتے ہو کہ طہر وہ ہے جس سے خون

نہ از روئے لعت ثابت ہے نہ عرف سے، نہ شرع سے، دم (خون) قرء کے مستحکم میں داخل ہے، قرء بغیر اس کے وجود کے کچھ ہے ہی نہیں۔

لسان شارع پر یہ لفظ کس معنی میں آیا ہے | تمہارا یہ کہنا کہ لسان شارع

نہیں آیا ہے غلط ہے، لسان شارع پر یہ لفظ حیض کے معنی میں آیا ہے، اور کئی مرتبہ آیا ہے، بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ طہر کے معنی میں کبھی نہیں آیا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے ایوب سے، انہوں نے سلیمان بن یسار سے انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے ایک حیض والی عورت سے فرمایا۔

”ایام قرأ میں نماز نہ پڑھا کر!“

آئسہ کی عدت مہینوں کے حساب سے | تم کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ

حساب سے رکھی ہے۔ پھر یہ بات کیسے لازم ہو سکتی ہے کہ قرء سے مراد حیض لیا جائے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ آئسہ کی عدت اللہ تعالیٰ نے تین مہینے جو رکھی ہے، وہ تین قرور (حیض) کے عوض میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

وَاللَّائِي يَأْسَنُ مِنَ الْمَحِضِ مِنْ نَسَائِكُمْ

آئسہ۔ وہ عورت جو حیض سے بالوس ہو چکی ہو، یعنی تقاضائے عمر کے باعث جس کے حیض کا زمانہ ختم ہو چکا ہو، اور اب وہ حاملہ نہ ہوتی ہو۔



تو اس میں مبینہ طور پر ان کی عدت کا انتقال تغیر، مبدل، یعنی حیض کے باعث ہے، ورنہ اُس نہ ہونے کی صورت میں قزو۔ (حیض) ہی سے ان کی عدت کا تعین ہوتا،

پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ”اشہر“ (مہینے) حیض کا بدل ہیں، جس سے اب وہ بالوس ہو چکی ہیں، نہ کہ طہر کا، اور یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے؛  
ایک اعتراض اور اس کا جواب | تمہارا قول ہے کہ ”ثلاثہ“ کی ”ت“ اس  
 بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا واحد  
 مذکر ہے، اور وہ طہر ہی ہو سکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ قزو کا واحد قزو ہے، اور یہ مذکر ہے ”ت“، مراعات لفظ کے باعث آتی ہے،



# باندی کی عدت

آزاد عورت کے برابر ہوگی یا اس سے نصف

فقہ اسلامی کا ایک نزعی مسئلہ | عموم عدد ثلاث (تین) کی بنا پر، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ باندی اور حر

(آزاد عورت) کی عدت ایک ہی ہے۔

ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں۔

شادی شدہ باندی کی عدت، اگر اسے طلاق دے دی جائے آزاد عورت کے مانند ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عدد تین سے کا عدم ہمیں اپنی کتاب (قرآن) سے سکھایا ہے، وہ فرماتا ہے۔

والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء والذین يتولون منكم و

یذرون ازواجاً يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشراً۔

یعنی مطلقات کی مدت تین حیض ہے، اور بیوہ عورتوں کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

واللّٰئِیْ یُئْسِنُ مِنَ الْمَحِیْضِ مَنْ نِّسَاءُکُمْ اِنْ اَرْتَبْتُمْ فَعَدَّتْهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ

واللّٰئِیْ لَمْ یَحِیْضْ وَاُولٰٓئِکَ اَلْاَحْمَالُ اَجَلْهُنَّ اِنْ یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

یعنی، اُسے کی عدت تین مہینے ہے، اور جسے ابھی حیض نہ آیا ہو اس کو بھی۔ اور

حاملہ عورت کی عدت وضع محل ہے۔

پس جب اللہ سبحانہ، تعالیٰ نے باندیوں کے ساتھ ہمبیس شادی کی اجازت دی ہے، تو ان کی طلاق کا بھی وہی اصول ہوگا جو دوسروں کا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حرہ (آزاد عورت) اور باندی کے مابین کوئی تفریق اس معاملہ میں نہیں کی ہے، اور اس سے بھول چوک نہیں ہو سکتی۔

**ابن حزم کی روایت** | ابن حزم کہتے ہیں سلف سے بھی وہی ثابت ہے۔ جو ہم کہتے ہیں چنانچہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

”میرے خیال میں باندی کی عدت بھی وہی ہے، جو حرہ کی ہے۔“  
اُسے چل کر ابن حزم نے کہا ہے۔

احمد بن حنبل نے قول مکحول کا ذکر کیا ہے جو یہ ہے کہ ہر صورت میں باندی کی عدت حرہ کے مانند ہے۔

ابو سلیمان اور ہمارے دوسرے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

**جمہور امت کا مسلک کیا ہے؟** | لیکن جمہور امت کی رائے اس باب میں دوسری ہے، وہ کہتے ہیں باندی کی عدت

حرہ کی عدت سے آدھی ہے، فقہاء مدینہ، سعید بن المسیب، قاسم، سالم، زید بن اسلم، عبد اللہ بن عتبہ، زہری مالک، اور فقہاء اہل مکہ، مثلاً، عطاء بن ابی رباح، مسلم بن خالد، وغیرہ اور فقہاء بصرہ مثلاً قتادہ اور فقہاء کوفہ، مثلاً، ثوری، ابو حنیفہ، اور ان کے اصحاب اور فقہاء حدیث، مثلاً احمد، اسحاق، شافعی، ابو ثور رحمہم اللہ وغیرہم کا یہی قول ہے۔

اور ان سب سے بھی پہلے کے بزرگ خلیفہ راشد، عمر بن الخطاب، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، کا قول بھی یہی ہے، جیسا کہ مالک نے نافع سے،

اور انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:  
 ”باندی کی عدت دو حیض، اور حرہ کی عدت تین حیض ہے“

**باندی کی عدت کیا ڈیڑھ حیض ہو سکتی ہے؟** | عائشہ بن زید نے عمر بن اوس  
 اشقی سے روایت کیا ہے  
 کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر میرا بس ہوتا تو میں باندی کی عدت ڈیڑھ حیض کر دیتا،  
 ایک شخص نے کہا،

”یا امیر المؤمنین پھر ڈیڑھ مہینہ کر دیجئے“

جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مطلقہ باندی کی عدت دو  
 حیض رکھی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

غلام (چار کئے بجائے) دو شادیاں کر سکتا ہے، وہ رتین کے بجائے) دو طلاقبس دے  
 سکتا ہے، اور باندی کی عدت دو حیض ہے، اور اگر حیض نہ آتا ہو تو پھر دو مہینے اور  
 ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں، ”ڈیڑھ ماہ!“

**باندی کی عدت کے بارے میں دو حیض کی روایت** | ابن وہب کہتے  
 ہیں مجھ سے

اہل علم اصحاب نے روایت کی کہ نافع، ابن قسیر، یحییٰ بن سعید، ربیعہ اور متعدد  
 اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کا قول ہے کہ باندی کی عدت دو  
 حیض ہے، اور اس پر ہمیشہ مسلمانوں کا عمل رہا۔

ابن وہب کہتے ہیں مجھ سے ہشام بن سعید نے، انہوں نے قاسم بن محمد  
 بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ باندی کی عدت دو حیض ہے، حالانکہ  
 یہ عدت اللہ عز و جل کی کتاب (قرآن) میں مذکور نہیں ہے۔ نہ سنت رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سراغ ملتا ہے، لیکن مسلمانوں میں ایسا ہی ہوتا چلا  
 آ رہا ہے۔



باندی اور حرّہ کے مابین عدت

باندی اور حرّہ کے درمیان عدت یکساں ہے | میں مساوات، سلف میں

سے محمد بن سیرین اور مکحول کے سوا کسی سے مذکور نہیں ہے۔

جہاں تک ابن سیرین کا تعلق ہے، ان کی یہ رائے جازم نہیں ہے۔ انہوں نے

اس کو عدم سنت متبعہ پر معلق کیا ہے۔

باقی رہے مکحول تو ان کے اس قول کی کوئی سند نہیں بیان کی گئی ہے ان سے احمد

رحمۃ اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ روایت اہل ظاہر کے نزدیک قابل قبول

نہیں۔

لیکن بلاشبہ اس باب میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنت، سنت

متبعہ ہے، صحابہؓ میں سے کسی کی طرف سے بھی اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس مسئلہ میں تم اجماع صحابہ اور صحابہ

نا بالغہ باندی کی عدت | امت کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو حالانکہ عمر بن الخطاب

رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نا بالغہ باندی کی عدت تین ماہ ہے اور عمر بن عبدالعزیز

جماد، حسن، ربیعہ، للیث بن سعید، زہری، بکر بن الاشبح، اور مالک رحمہم اللہ

اور ان کے اصحاب، اور احمد بن حنبل کی ایک روایت بھی یہی ہے، اور یہ بھی معلوم

ہے کہ اُسہ اور صبیغہ کے حق میں مہینوں کی مدت اقراء ثلاث (تین حیض) کے

بدلے میں ہے، پس ثابت ہوا کہ باندی کے حق میں بھی تین مہینے بدل ہوں گے

ہمارا جواب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ خود بھی درحقیقت اس کے

قائل ہیں کہ باندی کی عدت دو حیض ہے، یہی انہوں نے فتویٰ بھی دیا ہے۔ یہی

مہینوں کے اعتبار سے عدت سو اس بارے میں تین قوی ہیں۔

۱۔ حضرت عمرؓ سے مروی دو روایتوں

ہر حیض کے مقابلہ میں ایک مہینہ | میں سے ایک روایت جواثرم وغیرہ

سے مروی ہے یہ ہے کہ باندی کی عدت اقراء اعتبار سے دو حیض ہے۔ لہذا ہر

حبض کے مقابلہ میں ایک مہینہ شمار کیا جائے گا۔

۲۔ دوسری روایت یہ ہے کہ باندی کی عدت  
**اثرم اور مہینوں کی روایت** | ڈیڑھ مہینہ ہے اسے اثرم اور مہونی نے  
 حضرت عمر سے نقل کیا ہے۔

علی بن ابی طالب۔ ابن عمر، ابن المسیب۔ ابو حنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ کا  
 بھی یہی قول ہے کیونکہ مہینہ کی ادھوں ادھ تقسیم ممکن ہے، لیکن حبض کی اس طرح  
 تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ خرم اگر شکار کرے تو کفارہ کے  
 طور پر، نصف دے دے اور اگر نصف کے بدلے میں روزہ رکھنا چاہے تو پھر  
 پورے دن کا روزہ رکھنا پڑے گا۔

۳۔ باندی کی عدت تین مہینے ہے، پورے تین مہینے۔ حضرت عمرؓ کی  
 دو ساتیوں میں سے دوسری روایت یہی ہے۔

### مہینوں کے اعتبار سے اور حبض کے اعتبار سے عدت کا فرق

مہینوں کے اعتبار سے عدت، اور حبض کے اعتبار سے عدت کا فرق یہ ہے کہ مہینوں  
 سے براۓ رحم کا، جو علم ہو گا وہ تین ماہ سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ اور صورت حرہ  
 اور باندی دونوں کے لیے یکساں ہے، کیونکہ حمل میں چالیس دن تک نطفہ  
 رہتا ہے، پھر چالیس دن تک علقہ، پھر چالیس دن تک مضغہ۔ اس تیسری صورت  
 میں حل صحیح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس نسبت سے حرہ اور باندی برابر ہیں  
 بخلاف افراد کے، کیونکہ پہلا حبض استبراء کے لیے کافی ہے، مگر کہ کے حق میں  
 اور جب اس کی شادی ہو گئی تو وہ حرائر سے مشابہ ہو گئی۔ اور ملک عین سے (باندیوں  
 میں اسے ایک خاص مرتبہ حاصل ہو گیا لہذا اس کی عدت بین العتین (دو  
 عدتوں کے درمیان) ہو گئی۔

کیا یہ اجماع ہے؟ یا حضرت عمرؓ کا دوسرا قول | شیخ نے مغنی میں کہا ہے جو اس قول کا رد کرتا

ہے، وہ اجماع صحابہ کا مخالف ہے، کیونکہ ان کا اختلاف پہلے دو اقوال ہیں محدود ہے۔ اس صورت میں کوئی تیسرا قول پیدا کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اقوال صحابہ کے دائرہ سے وہ باہر نکل گیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تیسری روایت احداث (نئی بات) نہیں ہے، بلکہ حضرت عمرؓ کی دو بروایتوں میں سے ایک روایت ہے جسے ابن وہب وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اور تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔

---

# آئسہ اور غیر حائضہ کی عدت

## دور رس نتائج پر متضمن بیان اور تحقیق

آئسہ اور غیر حائضہ کی عدت کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بدیں الفاظ کیا ہے۔ واللّٰہی یئسن عن المحیض من فساءکم ان ارتبتم فعدن تهن ثلاثہ اشھر واللّٰہی لمد یحضن (یعنی آئسہ اور غیر حائضہ کی عدت تین ماہ ہے)

**عورت آئسہ کس عمر میں ہوتی ہے؟** | عورت کی حد ایسا کیا ہے؟ اس باب میں لوگ شدید اضطراب فکر میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ عورت پچاس سال کی عمر میں آئسہ ہوتی ہے۔ اس عمر کے بعد عورت حائضہ نہیں ہوتی یہ اسحاق کا قول ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

اس قول کے اصحاب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے حجت لاتے ہیں کہ عورت جب پچاس سال کی ہو جائے تو حد حیض سے خارج ہو جاتی ہے۔

**ساٹھ سال کی عمر کا تعین** | ایک دوسرا گروہ ہے جو ساٹھ سال کی عمر قرار دیتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ساٹھ سال کے بعد عورت کو حیض نہیں آتا۔

یہ دوسری روایت بھی امام احمد کی ہے۔ ان سے ایک تفسیری روایت بھی



ہے جس میں وہ عرب اور غیر عرب عورتوں میں فرق کرتے ہیں کہ عرب عورتوں کی حد ایاس ساٹھ سال ہے اور نساء عجم کی پچاس سال، ان سے ایک چوتھی روایت بھی ہے کہ اگر پچاس اور ساٹھ سال کی عمر کے مابین مشکوک قسم کا خون ظاہر ہو تو عورت بدستور نماز پڑھے گی۔ روزہ رکھے گی، خرقہ نہی، یہی قول اختیار کیا ہے امام احمد بن حنبل سے ایک پانچویں روایت بھی ہے کہ اگر پچاس سال کی عمر کے بعد خون پھر ظاہر ہو۔ اور بار بار ظاہر ہو۔ تو وہ حیض ہے، ورنہ نہیں۔

**امام شافعی کے دو قول** | امام شافعیؒ سے اس بارے میں کوئی نص نہیں ثابت ہے۔ لیکن بعد کے دو قول مروی ہیں۔

ایک یہ کہ عورت اس عمر میں اُسے قرار دی جائے گی جس عمر میں اس کی قرابت دار عورتیں اُسے ہوا کرتی ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ سن ایاس وہی قرار دیا جائے گا، جو عام طور پر عورتوں کا ہوا کرتا ہے۔

**اصحاب امام مالک کا مسلک** | اصحاب امام مالک رحمۃ اللہ نے سن ایاس کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔

**شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مسلک** | بعض دوسرے علماء جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ

زمانہ یاس اختلاف نسائ کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کی کوئی خاص حد مقرر نہیں کی جاسکتی، جو سب عورتوں پر چسپاں ہو سکے۔ آیت قرآنی سے مراد یہ ہے کہ ہر عورت کا سن ایاس خود اس کے ذاتی اعتبار سے مانا جائے گا۔

کیونکہ یاس رجا کی ضد ہے، پس جب عورت حیض سے مایوس ہو جائے، اور اب اس کی امید نہ رکھے تو وہ اُسے ہے، خواہ اس کی عمر چالیس سال کی کیوں نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ ایک دوسری عورت پچاس سال کی عمر میں بھی اُسے نہ ہو۔

نذیر بن بکار کہتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عمر بنی عورت کے سوا کوئی

عورت پچاس کی عمر میں زچہ نہیں بنتی۔ اور قرشیدہ عورت کے سوا ساٹھ سال کی عمر میں کوئی عورت بچہ نہیں جنتی۔ چنانچہ ہند بنت ابی عبیدہ بن جبیدہ بن ربیعہ نے موسیٰ بن عبد اللہ، بن حسن بن حسن، بن علی، بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کو جب جناتوان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

**حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک فیصلہ** | حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے بارے میں جسے طلاق کے بعد

ایک یا دو مرتبہ حیض آیا پھر آنا بند ہو گیا، فرمایا:

”ہم نہیں جانتے۔ اس کا حیض کیوں بند ہوا یا یہ نو مہینے تک انتظار کرے گی، اگر حمل ظاہر ہو گیا تو خیر ورنہ، تین مہینے کی عدت گزارے گی۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے فقہاء و علماء کی جماعت کثیر نے موافقت کی ہے، جن میں امام مالک اور احمد اور شافعی رحمہم اللہ بھی ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ایسی عورت غالب مدت حمل تک انتظار کرے گی۔ پھر آگے کی عدت گزارے گی۔ پھر وہ دوسرے شوہر کے لیے حلال ہوگی اگرچہ اس کی عمر تیس یا چالیس سال ہی کی کیوں نہ ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور سلف و خلف میں سے ان کے ہم خیال اصحاب کے نزدیک عورت پچاس اور چالیس سال کی عمر سے پہلے بھی آگے ہو سکتی ہے۔ ان کے نزدیک سن ایسا کوئی خاص وقت نہیں ہے جو عورتوں کے لیے محدود ہو، بلکہ عورت تیس سال کی عمر میں بھی آگے ہو سکتی ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ جائے اور آگے نہ ہو، اور اگر اس کا حیض آنا بند ہو جائے، اور یہ نہ معلوم ہو کہ اس کی عدت کیا ہے تو نو مہینے کی عدت گزارنے کے بعد وہ آگے فرار دی جائے گی۔ بخلاف اس عورت کے جس کا کسی مرض کے باعث یا رضاع کے سبب، یا حمل کی وجہ سے، حیض آنا بند ہو گیا ہو، اسے آگے نہیں تسلیم کیا جائے گا۔

**عدت طلاق آئسہ کی** | پس وہ آئسہ جس کا مستقل طور پر، حیض بند ہو جائے یا کئی کئی سال تک منقطع رہے۔ ایسی عورت کو اگر

طلاق دی جائے گی تو وہ فص قرآن کے مطابق تین مہینے عدت گزارے گی، چاہے اس کی عمر چالیس سال کی ہو یا اس سے کم یا نہ یادہ۔ اگر شک ہو گا تو نو مہینے کی پھر تین مہینے کی، عورتیں جس طرح ابتدائے حیض میں مساوی نہیں ہوتیں بعض دس سال کی عمر میں، بعض بارہ سال کی عمر میں، بعض پندرہ سال کی عمر میں حائضہ ہوتی ہیں۔ اس طرح آخر سن حیض میں بھی وہ یکساں نہیں ہوتیں۔ کوئی کسی عمر میں آئسہ ہوتی ہے کوئی کسی میں۔

**جسے ابھی حیض نہ آتا ہو اس کی عدت** | اسی طرح اس عورت کے بارے میں اختلاف ہے جو حائضہ

نہیں ہوئی۔ آیا اس کی عدت تین ماہ ہوگی، یا پہلے نو ماہ پھر تین ماہ، گویا سال بھر کا مل۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس کی عدت تین ماہ ہوگی۔



# عدت وفات

## تفصیل، شرائط، اصول

عدت وفات شوہر کی موت سے واجب ہوتی ہے، عام اس سے کہ اس نے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو، جیسا کہ عموم قرآن اور سنت صحیحہ و صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے۔

عدم اجماع کی صورت میں بھی عدت واجب ہے | اس امر پر اتفاق ہے کہ شوہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو تو بھی وفات کے بعد، دونوں ایک دوسرے کے وارث بن جاتے ہیں۔

نیز یہ کہ مہر بھی واجب الادا ہوتا ہے، اگر وہ معین اور طے شدہ ہو، اس لیے کہ موت القضاء اور انتہاء عقد کا نام ہے، اس کے بعد احکام مرتب ہو جاتے اور مستقر بن جاتے ہیں، چنانچہ دونوں ایک دوسرے کے وارث بھی ہو جاتے ہیں، اور مہر بھی لازم ہو جاتا ہے، اور عدت بھی واجب ہو جاتی ہے۔

---

۱۔ نکاح نجس مہر کے بغیر بھی جائز ہے، اس صورت میں، مہر خود بخود لازم ہو جاتا ہے، طلاق یا موت کی صورت میں عورت کہ مہر منکح، یعنی خاندانی مہر دلایا جائے گا، یعنی وہ مہر جو اس عورت کے خاندان سے میں رائج ہو،



**استقراء مہر سے متعلق مسائل مختلفہ** | استقراء مہر کے بارے میں فقہاء اور ائمہ کے مابین اختلاف ہے

یہ اختلاف دو مسئلوں میں ہے پہلا مسئلہ ہے وجوب مہر مثل کا، امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ، اسے واجب قرار دیتے ہیں، امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے، لیکن امام مالک اسے واجب نہیں قرار دیتے، امام شافعیؒ کا دوسرا قول اسی عدم وجوب مہر مثل کا ہے۔

سنت صحیحہ عزیمت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب مہر مثل کا فیصلہ صادر فرمایا، جیسا کہ بروح بنت واثق کی حدیث سے ظاہر ہے، **تحریم ربیبہ کس صورت میں ہوتی ہے** | دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ماں کی موت سے کیا تحریم ربیبہ ثابت ہو

جاتی ہے جس طرح اس سے تمتع سے ثابت ہو جاتی ہے۔

اس باب میں صحابہ کے دو اقوال ہیں، جو امام احمد سے مروی ہیں، مقصود یہ ہے کہ جس عدت میں برأت رحم کا علم نہ ہو، وہ قبل از تمتع و مباشرت واجب ہوتی ہے بخلاف عدت طلاق کے۔

عدت وفات کی عدت وغیرہ کے حکم کے بارے میں لوگ اضطراب خیال میں مبتلا ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ برأت رحم کے لیے یہ ہے، اور اس قول پر وجوہ کثیرہ وارد ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ صورت وفات قبل از تمتع بہ عدت واجب ہو جاتی ہے۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ بہ عدت تین قروء (حبض) پر مشتمل ہوتی ہے، اور برأت رحم کے لیے ایک حبض کافی ہے، جیسا کہ معتبر ہے ہوتا ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ وہ صورت جو صغیر سنی یا کبیر سنی کے باعث برأت رحم سے

منقطع ہو چکی ہے، اس کی عدت تین مہینے ہے۔

**عدت تعبید ہے** | ایک اور گروہ ہے جو کہتا ہے کہ عدت کا معاملہ تعبید سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ تعلق سے، لیکن یہ دعویٰ دو وجوہ سے فاسد ہے،

ایک وجہ یہ ہے کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو حکمت سے خالی ہو، یہ دوسری بات ہے لوگوں کی ایک جماعت کثیر پر وہ حکمت منکشف نہ ہو سکے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عدت کا شمار صرف عبادات میں نہیں ہے، بلکہ اس میں حق زوجیت اور اولاد اور ناکاح کی رعایت بھی مضمر ہے۔

**رعایت حق زوج کی پابندی** | ہمارے شیخ کہتے ہیں کہ صواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ عدت وفات النقصاء

نکاح اور رعایت حق زوج سے عبادت ہے، بیوہ عورت عدت وفات میں رعایت حق زوج کی پابند ہوتی ہے، لہذا یہ عدت اس عقد کے لیے حرم بن جاتی ہے جس میں اس کے لیے شان و خطر ہے، اس طرح نکاح اولیٰ اور نکاح ثانی میں فعل پیدا ہو جاتا ہے، اور دونوں نکاح متصل نہیں ہونے پاتے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عظیم حق کے باعث ازواج مطہرات کو اپنے بعد محرمات قرار دیا، لیکن یہ بات صرف رسولؐ کے ساتھ خاص ہے، اس لیے کہ جو خواتین اس دنیا میں آپؐ کی ازواج تھیں، وہ آخرت میں بھی آپؐ کی ازواج ہوں گی، لیکن دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ صورت نہیں ہے، کیونکہ اگر دوسرے لوگوں کو بھی یہ اجازت ہوتی کہ وہ اپنی وفات کے بعد، اپنی بیویوں کو دوسروں پر حرام کر جائیں تو بیوہ عورتیں سخت دشواری اور پریشانی میں مبتلا ہو جائیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ عورت کا دوسرا شوہر پہلے شوہر سے بہتر ہو اور وہ اس سے محروم رہ جائے۔

اولاد کے لیے مال کے ایشار کی فضیلت | لیکن اگر وہ اولاد کی فلاح و تربیت کے لیے وہ رضا کارانہ طور پر

بیوگی کی زندگی گزار دے تو یہ ایک مستحسن چیز ہے اور بالکل الگ بات ہے، حدیث میں ایسی عورت کے لیے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس صاحب منصب و جمال بیوہ عورت نے اپنے بچوں کی فلاح و تربیت کے لیے، اپنے کو دوسری شادی سے روک لیا، قیامت کے دن میں اور وہ ان دو انگلیوں رانگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کی طرح ہوں گے،!

عہد جاہلیت میں بیوہ عورت کی عدت | جاہلیت (عہد قبل از اسلام)

ایک سال ہوتی تھی، لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تخفیف کر کے اسے چار مہینے دس دن کر دیا، کیونکہ اس عرصہ میں روح کے اندر روح پیدا ہو جاتی ہے، اور اس مدت میں برأت رحم حاصل ہو جاتی ہے، اور یہی مقصد ہے عدت و نفات کا، اے

۱۰ یوں تو عورت کو شوہر کی وفات کے بعد، دوسری شادی کر لینے کا پورا پورا حق ہے، اور اس حق پر کسی طرح کی پابندی نہیں، لیکن جو عورت اپنے بچوں کے لیے ایشا کرتی ہے، اور اپنا مستقبل ان کے مستقبل پر، اپنی راحت ان کی راحت پر قربان کر دیتی ہے، وہ بہر حال انسانیت کبریٰ کے مرتبہ پر فائز ہے، اور اس کا یہ کا نامہ اس قابل ہے کہ اللہ اور رسول کی بارگاہ سے اسے نوازا جائے۔

# عَدَّت طَلّاق

ایک پیچیدہ اور مختلف فیہ مسئلہ اور اس کے متعلقات

عَدَّت طَلّاق ایک مشکل مسئلہ ہے، کیونکہ اس کی تعلیل بایں طور ممکن نہیں، عَدَّت سبب رتمتع کے بعد واجب ہوتی ہے، چونکہ طلاق نکاح کو منقطع کر دیتی ہے لہذا اس میں مسلمی بھی تنصیف ہو جاتی ہے۔ اور مہر مثل ساقط ہو جاتا ہے عَدَّت طلاق بایں طور واجب ہوتی ہے کہ دوران عَدَّت میں رجعت ممکن ہو، کیونکہ اس عَدَّت میں شوہر کا حق ہے، اللہ کا حق ہے، اولاد کا حق ہے اور ناکح ثانی کا حق ہے۔

**حقوق سرگانه** شوہر کا حق یہ ہے کہ عَدَّت کے زمانہ میں اس کا حق قائم ہے۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ دوران عَدَّت میں شوہر اسے گھر کے اندر عزت اور احترام کے ساتھ رکھے، جیسا کہ اللہ سبحانہ، و تعالیٰ کی نص ہے۔ امام احمد سے بھی یہی منصوص ہے، اور امام ابو حنیفہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ اولاد کا حق یہ ہے کہ اس کا نسب ضائع نہ ہو۔ پدر صحیح کی طرف اس کی نسبت ہو سکے۔

خود عورت کا حق یہ ہے کہ زمانہ عَدَّت میں اپنا نفقہ حاصل کر سکے اور اسے



اٹنا ہیں اسے بیوی کے حقوق حاصل رہیں۔ موت کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کے وارث ہو سکیں۔

**عدت در حقیقت شوہر کا حق ہے** | اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ عدت  
در حقیقت شوہر کا حق ہے، جیسا کہ اللہ  
تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ  
تَمْسُوهُنَّ فَمَالَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا۔  
اس آیت میں ”فما لكم عليهن عدّة“ (یعنی اگر تم قبل از تمتع بیوی  
کو طلاق دے دو تو پھر اس پر تنہا رسی عدت نہیں ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ عدت  
مرد کے لیے ہے جو عورت پر واجب ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

وَلِعَوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ

اس آیت میں شوہر کو وراثت مدت میں اسے واپس لینے کا حق دیا۔ یہ ہے  
اس کا حق، اور عدت، یقیناً قروہ (حیض)، یا یقیناً مہینے تک طویل ہو جائے تو اس  
لیے ہے کہ شوہر اچھی طرح رائے قائم کر لے کہ طلاق واپس لے کر اسے روک لے،  
یا معقولیت اور شرافت کے ساتھ رخصت کر دے۔ یہ تعبیر مطلق ہے۔  
بیر اللہ سبحانہ، و تعالیٰ فرماتا ہے۔

**بلوغ اجل سے مراد کیا ہے۔** | وَاِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيُغْنِ اجْلُهُنَّ فَلَا

تَعْضُلُوهُنَّ اِنْ يَتَكُنَّ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاصُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ

بلوغ اجل سے مراد اس آیت میں مجاوزت ہے۔

بیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجْلَهُنَّ فَاَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

یہاں مراد شوہر کی متعارفیت اور مشاورت ہے۔

**اغتسال شرط رجعت ہے** | جمہور صحابہؓ کا قول ہے کہ عورت کا رجعت سے فارغ ہو کر غسل کر لینا شرط رجعت ہے

اس کے بعد ہی شوہر اس تمتع کر سکتا ہے۔ گویا صحابہؓ کے نزدیک اغتسال شرط نکاح ہے، خواہ وہ صرف عقد ہو، یا ایسا نکاح ہو جو تمتع کا ہو۔

اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں۔

۱۔ اغتسال شرط نہیں ہے، نہ عقد میں، نہ نکاح وطی (جماع) میں جیسا اہل ظاہر کہتے ہیں۔

۲۔ اغتسال دونوں نکاحوں (عقدہ اور نکاح وطی) میں شرط ہے، یہ احمد رحمہ اللہ اور جمہور صحابہؓ کا مسلک ہے۔

۳۔ اغتسال صرف نکاح وطی میں شرط ہے۔ نکاح عقد میں نہیں۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کا یہی قول اور مسلک ہے۔

۴۔ اغتسال دونوں نکاحوں میں شرط ہے۔ خواہ وہ نکاح عقد ہو، یا نکاح وطی

**اغتسال فراغت از حیض کا ثبوت ہے** | عورت کا اغتسال اس بات کا ثبوت ہے کہ اب وہ غسل سے فارغ ہو

گئی اور حیض کی مدت مکمل طور پر پوری ہو گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تقر بوهن حتی یطهرن فاذا تطهرن فانوهن من حیث امرکم اللہ اور اللہ سبحانہ، تعالیٰ نے عورت کو حکم دیا ہے کہ وہ یقیناً قروۃ تک انتظار

کرے، جب تک قروۃ (حیض) گزر جائے، تو اس کی اجل (مدت) ختم ہو گئی۔

اللہ سبحانہ، تعالیٰ نے دو حیضوں کے بعد کا لفظ نہیں فرمایا، بلکہ بلوغ اجل

کے وقت شوہر کو امساک اور تسریح کا اختیار دیا۔

۱ یعنی طلاق دینے کے بعد رجعت کر لینا۔

۲ یعنی طلاق دینے کے بعد رجعت نہ کرنا، اور بیوی کو چھوڑ دینا۔

پس ظاہر قرآن سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو کچھ سمجھا ہے یہ ہے کہ تیسرے قرآن کے اختتام پر، شوہر کو، امساک بالمعروف لے اور تسریح بالاحسان لے کا اختیار ہے۔  
اس اعتبار سے قرآن میں بلوغ اجل ایک ہے۔ اس کی دو قسمیں نہیں ہیں، اور وہ ہے مدت کا استیفاء اور استکمال، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فاذا بلغن اجلهن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسهن بالمعروف  
جب بیض سے فراغت کے بعد عورت حلال ہو جاتی ہے | جو لوگ بلوغ اجل سے مراد مقارنت

لیتے ہیں ان کے نزدیک جب بیض سے فارغ ہونے کے بعد عورت حلال ہے اور اب اسے جو چاہے پیغام نکاح دے سکتا ہے اور وہ جس کا چاہے پیغام نکاح قبول کر سکتی ہے اور اب شوہر کو رجعت کا حق باقی نہیں رہا۔ یہ حق صرف اس وقت تک تھا جب تک وہ دوسرے کے لیے حلال نہیں ہوئی تھی۔

اس نطفہ کا منشاء یہ ہے کہ عورت بلوغ اجل کے ساتھ ہی دوسرے مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

مطلقة کو تین قرو تک انتظار کرنا چاہیے | لیکن قرآن سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، کہ بلوغ اجل ہی کے ساتھ

عورت دوسرے مرد پر حلال ہو جاتی ہے، بلکہ قرآن نے یہ لازم قرار دیا ہے کہ مطلقہ تین قرو تک انتظار کرے۔

اور پھر ارشاد فرمایا:

اذا بلغت اجلها فاما ان تمسك بمعروف، واما ان تسرح بالاحسان  
یعنی، بلوغ اجل کے بعد، یا تو قاعدے کے موافق وہ روک لی جائے، یا معقوبیت

لے امساک بالمعروف سے مراد ہے، معقوبیت اور قاعدے کے مطابق بیوی کو روک لینا یعنی رجعت کر لینا لے تسریح بالاحسان سے مراد ہے، بیوی کو اچھی طرح دے دلا کر، اخلاق اور شائستگی کے ساتھ رجعت کر دیا۔

کے ساتھ رخصت کر دی جائے۔

اللہ سبحانہ، و تعالیٰ نے اس امساک اور تسریح کو طلاق کے فوراً بعد ذکر فرمایا ہے۔  
الطلاق مرتان، فامساک بمحروف، او تسریح بلحسن (یعنی طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر تو قاعدے کے موافق رجعت ہے یا معقولیت کے ساتھ رخصت) پھر ارشاد فرمایا:

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن  
یہاں ”ان ينكحن ازواجهن“ (یعنی انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو) سے مراد پہلے شوہر سے تزویج ہے اور مطلق طور پر اسے حق رجعت حاصل ہے اور ”عضل“ (دکنا) کی ممانعت شوہر کے حق کو اور زیادہ موکد طور پر ثابت کرتی ہے۔

بلوغ اجل اور قرأت کریم | قرأت میں کہیں وارد نہیں ہوا ہے کہ بلوغ اجل کے فوراً بعد عورت سلال ہو جاتی ہے، اور اسے منگنی کرنے یا منگنی قبول کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے، بلکہ اس حالت میں (بلوغ اجل کے بعد) شوہر کو حق حاصل ہے۔ کہ یا تو اُسے روک لے، یعنی اس سے رجعت کر لے، قاعدے کے موافق، یا اسے شرافت، اور بھلنسایت کے ساتھ رخصت کر دے، جب شوہر معقولیت اور شرافت کے ساتھ رخصت کر دے تب وہ دوسرے مرد کے لیے حلال ہوگی۔ اور اسے دوسرے مرد سے شادی کرنے یا اس کا پیام قبول کرنے کی اجازت ہوگی۔

پس قرآن کی دلالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی عدت جب ختم ہو جائے اور یہ عدت تین قروء کا انقطاع دم کے ساتھ پورا ہونا ہے۔ تب یا تو غسل کر لے گی، یا رخصت کر دی جائے۔ اس صورت میں بھی بعد میں وہ غسل کرے گی اور پھر اسے حق ہوگا کہ جس سے چاہے شادی کر لے۔



**صحابہ کرام کی فہم و قدر کا اندازہ** | اس سے فہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدر کا بھی اندازہ ہوتا ہے؟ انہوں نے جو کچھ سمجھا، اور

جو کچھ فرمایا، وہ ان کے غایت اجتہاد کا ثبوت ہے۔

**بلوغ اجل کے ساتھ تنجیر کی شرط کیوں؟** | اگر یہ کہا جائے کہ عورت سے اس ساری مدت میں جب تک وہ غسل نہ کرے شوہر کو رجعت کر لینے کا حق حاصل تھا پھر بلوغ اجل کے ساتھ تنجیر کی قید کیوں لگائی گئی؟

جواب یہ ہے کہ یہ قید مدت کی تبیین اور وضاحت کے لیے لگائی گئی کہ اتنے عرصہ تک اسے انتظار کرنا ہے۔ اور یہ انتظار حق زوج (شوہر) کے لیے ہے۔ "و تریبصونے" کے معنی انتظار کے ہیں، اس عرصہ میں عورت گویا اس کی منتظر رہتی ہے کہ آیا وہ روک لی جائے گی یا رخصت کر دی جائے گی؟ اور یہ تنجیر اول مدت سے آخر مدت تک ثابت ہے۔ اور احسان کے ساتھ رخصت کر دینا حکمت ہی اس وقت ہے جب بلوغ اجل ہو جائے۔ اس سے پہلے کا زمانہ تو درحقیقت عدت ہی کا زمانہ ہے۔

**تسریح باحسان اور ظاہر قرأت** | کہا گیا ہے کہ تسریح باحسان، القضاے عدت کے وقت موثر ہے لیکن ظاہر قرأت

اس کے خلاف ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تسریح باحسان کے لیے بلوغ اجل کا وقت مقرر کیا ہے اور معلوم ہے یہ ترک اول مدت سے ثابت ہے۔ لہذا صواب اور درست صورت یہ ہے کہ بلوغ اجل کے بعد عورت کو اس کے اہل تک پہنچا دینا اور اس سے دستبردار ہو جانا تسریح ہے، کیونکہ مدت عدت تک عورت کو روک رکھنا شوہر کے اختیار کی چیز ہے، پھر جب بلوغ اجل کا وقت آگیا تب شوہر کے لیے ضروری ہو گا کہ اسے روک لے جس کا اسے حق ہے، یا اسے رخصت کر دے جو اس پر واجب ہے۔

**مطلقہ قبل مہیس اور قرأت** | مطلقہ قبل مہیس (تمتہ) کے بارے میں ارشاد خداوندی اس بات کی دلیل ہے۔

فما لکم علیہن من عدۃ تعدّ و نہا فمتعوهن و سرحوہن سر احوہن حمید  
اس آیت میں سراج جمیل کا حکم ہے نہ کہ عدت کا، پس معلوم ہوا کہ تخلیہ سبیل راستہ چھوڑ دینے کا مطلب ہوگا۔ عورت کو اس کے میکہ تک واپس پہنچا دینا، اس کے بعد ہی اس کی تطہیق اور اس کا راستہ چھوڑ دینے کی تکمیل ہوگی چونکہ اس سے قبل اطلاق نام نہیں تھا۔ اس سے قبل شوہر کو بس یہ حق تھا، یا روک لے، یا رخصت کر دے، کیونکہ دوسرے مرد کے مقابلہ میں طلاق دینے والے شوہر کو بہ زمانہ تربص (انتظار) مطلقہ عورت پر روک لینے یا رخصت کر دینے کا، پورا حق ہے۔ اور تربص کی مدت یقین قروء ہے، اس کی تائید کئی باتوں سے ہوتی ہے۔

**مختلفہ کی مدت ایک حیض** | ۱۔ شارح نے مدت مختلفہ ۱۰ حرف ایک حیض مختلفہ کی مدت ایک حیض رکھی ہے، جیسا کہ سنت سے ثابت ہے، حضرت عثمان بن عفان، اس ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی ثابت ہے۔ ابن جعفر النحاس نے اپنی کتاب فاسخ و منسوخ میں اس پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کیا ہے۔ اسحاق اور احمد بن حنبل کا مذہب یہی ہے۔

**مختلفہ عدت کی پابند نہیں ہے** | چونکہ مختلفہ سے شوہر رجعت نہیں کر سکتا، لہذا وہ عدت کی بھی پابند نہیں

ہے، صرف ایک حیض سے استبراء کافی ہے، اس کے بعد وہ بائذ ہو جائے گی اور اپنی مالک ہو جائے گی۔ چونکہ اب شوہر کو اسے روکنے یعنی اس سے رجعت کرنے کا حق نہیں ہے۔ لہذا عورت کو تطویل عدت میں مبتلا کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ مقصود برأت رحم تھا۔ وہ ایک حیض کے بعد استبراء سے

حاصل ہو گیا۔ لہذا مجرد استبراء کافی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تمتع اور مباشرت کے بعد طلاق بائن کی شرط مشروعیت | بائن صرف یقین کی صورت میں مشروع کی ہے اس کے علاوہ قرآن مجید میں جس طلاق کا ذکر ہے وہ رجعی ہے۔

طلاق محرم میں تر بئس حرم نکاح ہے | اگر کہا جائے کہ استیفاء عدت قروء ثلاثہ اور تخمیر کے باعث یہ

دعویٰ صحیح نہیں ہے جیسا کہ از روئے حدیث واقعہ بریرہ سے ثابت ہے۔ تو جواب میں ہم کہیں گے کہ زوجہ کے لیے طلاق محرم میں تر بئس شوہر کے حق رجعت نہیں ہے بلکہ یہ حرم ہے نکاح کے لیے اور عقوبت ہے شوہر کے لیے۔ کیونکہ اگر اسے یہ اجازت ہوتی کہ ایک حبض کے بعد مجرد استبراء سے وہ پھر دوسری مرتبہ شادی کر لے اور پھر طلاق دے دے، خواہ قصد تحلیل سے، یا اس کے بغیر تو بڑی آسانی سے عورت شوہر کے ہاتھ پھر آجاتی، اور شارع نے تیسری طلاق کے بعد اسے حرام کر دیا ہے تاکہ شوہر کو سزا مل سکے۔ کیونکہ طلاق اللہ کے نزدیک البغض اطلاق ہے۔ یہ صرف رشیدہ ضرورت کے وقت مباح ہے۔ اس کے بعد عورت اس وقت تک پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک دوسرے مرد سے نکاح کر کے آزاد نہ ہو جائے۔

اور یہ عین حکمت ہے، وہ دوسرے مرد سے شادی نہیں کر سکتی جب تک یقین قروء تک انتظار نہ کر لے اور اس میں اسے کوئی ضرر نہیں کیونکہ ہر مرتبہ کی طلاق کے بعد یقین قروء تک بہر حال اسے انتظار کرنا ہے۔ یہ تر بئس ایک مصلحت کے ماتحت ہے، اور یہ تر بئس جو یقین قروء کا ہے، تمام عقوبت ہے شوہر کے لیے، اسے جو عقوبت ملی ہے وہ یقین طرح سے ہے۔

شوہر کی عقوبت سہ گانہ | طلاق مغنظہ کے باعث شوہر کو جو یقین طرح کی عقوبت پہنچتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔



تین قروء تک تربص | ۱۔ اس پر اس کی رفیقہ حیات حرام ہو جاتی ہے۔ اور وہ تین قروء تک تربص کرتی ہے۔

حلالہ کی شرط | ۲۔ اب وہ اس وقت تک شوہر کے لیے جائز نہیں ہو سکتی جب تک اس سے دوسرا شوہر لذت اندوز نہ ہو لے۔

۳۔ ایقاع بغیض رطلاق مغالطہ کی یہ بہت بڑی عقوبت موکلہ ہے کیونکہ دوسرے آدمی سے نکاح کیے، اور اس سے لذت اندوز ہوئے بغیر وہ اب اس پر حلال نہیں ہو سکتی، اور دوسرے شوہر سے چٹکارا حرف اس کی مرضی پر ہے، نہ کہ عورت کی مرضی پر۔

اور کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ دوسرا نکاح اس اصول کے مطابق ہوا ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمایا ہے، اور جسے ان کی معاش و معاد، اور حصول رحمت اور وجہ داء کا سبب بنایا ہے۔ اس صورت میں دوسرا شوہر، محض سابقہ شوہر کے خیال سے اپنی بیوی کو طلاق دینے سے رہا۔ بلکہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھے گا۔ دنیا میں کسی شخص کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ اس سے اسے چھین کر سابقہ شوہر کے حوالے کر دے۔ البتہ عدت یا طلاق کے باعث بطور خود یہ دونوں جدا ہو جائیں تو دوسری بات ہے۔ اب سابقہ شوہر کے لیے اس سے نکاح کرنا ممکن ہے۔

شریعت محمدیٰ اور شریعت موسویٰ و عیسویٰ کا فرق | اور یہ وہ امر ہے جسے اللہ سبحانہ،

و تعالیٰ نے اپنی شریعت کاملہ و ہمینہ میں حرام نہیں قرار دیا ہے۔ بہ خلاف ہمارے شریعت کے دوسری شریعتوں میں یہ سہولت موجود نہیں ہے

چنانچہ شریعت تورات میں یہ حکم ہے کہ طلاق اور افتراق کے بعد بیوی اگر دوسرے شخص سے شادی کرے، تو اب وہ زندگی میں پھر کبھی اور کسی صورت میں بھی سابقہ شوہر سے شادی نہیں کر سکتی۔ اب وہ اس کے لیے تا ابد حلال نہیں ہوگی۔



شریعت انجیل کا حکم یہ ہے کہ بیوی کو سرے سے طلاق ہی نہیں دی جاسکتی۔  
پھر ہماری شریعت کاملہ فاضلہ ہو ہر اعتبار سے کامل، مکمل، جامع اور مجموعہ  
حسنات ہے، نمودار ہوئی اور اس نے خلق کے مناسب احوال احکام دیے۔

حلالہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے چنانچہ

ثانی کے فسخ یا انقطاع کے بعد سابق شوہر کو مطلقہ بیوی سے نکاح کی اجازت دے  
دی، لیکن حلالہ کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی  
ہے:

حلالہ سے مراد ہے۔ طلاق مغلطہ دے کر، پھر دروازہ سے مطلقہ  
بیوی کو حاصل کر لینا۔ مثلاً زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلطہ دی۔ پھر اپنے کیے  
پر نادم ہوا، اور بھینٹا یا، چاہا کہ اسے پھر حاصل کرے، لیکن کس طرح حاصل کرے  
رجعت کا حق اب اسے حاصل نہیں رہا۔ تجدید نکاح بھی شرعی طور پر اب ممکن  
نہیں پھر کیا ہو؟

اس نے سوچا کسی طرح پہلے بیوی کو راضی کر لے۔ جب وہ راضی ہو جائے  
تو کسی آدمی کو کچھ دے دلا کر، اس پر آمادہ کر لے کہ وہ اس عورت سے نکاح کر لے  
لیکن اسے ہاتھ نہ لگائے۔ اس کی صورت نہ دیکھے۔ اس سے حق شوہری نہ حاصل  
کر لے۔ وہ اس پر راضی ہو گیا، اس نے نکاح کر لیا۔ اور طلاق دے دی، سابقہ  
شوہر نے اس طلاق کے بعد پھر نکاح کر لیا، کیونکہ قانونی خانہ پری، ہو گئی  
لیکن ظاہر ہے یہ شریعت کے ساتھ مذاق ہے۔

نکاح کوئی آدمی کسی عورت سے طلاق دینے کے لیے تو نہیں کرتا، یہ تو  
عہد ہے، جو میاں بیوی سے حسن سلوک، نباہ اور وفا کا بندھتا ہے یہ عہد عمل  
میں آنے سے پہلے کس طرح ٹوٹ سکتا ہے؟ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(یقینہ حاشیہ) یہ دوسرا نکاح کامیاب نہ ثابت ہو، تو بے شک دوسرا شوہر طلاق دے سکتا ہے اور وہ عورت سابق شوہر پر حلال ہو سکتی ہے۔ لیکن اس نکاح کا کامیاب نہ ہونا تو تجربہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہیں بسیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ کوئی اختلاف یا بد مزگی پیدا ہو جائے تو اسے دور کرنے کی فکرت نہ کوشش کریں۔ اس کے بعد بھی اگر اندازہ ہو، کہ نباہ نہیں ہو سکتا تو دونوں جدا ہو جائیں۔ یہ الگ بات ہے لیکن یہ کچھ نہ ہو، قاضی نے نکاح کے دو بول پڑھائے اور دوسرے شوہر نے دیاں، کہنے کے بعد ہی طلاق دے دی اگر اسے شریعت کے ساتھ منہ نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے گا؟

پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھیے کہ طلاق اندھا دھند نہیں دی جا سکتی۔ اس کے کچھ شرائط ہیں، کچھ آداب ہیں۔ کچھ اصول ہیں ان سب کو یکسر نظر انداز کر دینا، اور کچھ روپے لے کر سابق شوہر کو پھر حق زوجیت حاصل کرتے ہیں مدد دینا کیا مکرو فریب نہیں ہے۔

اور مکرو فریب بھی کس کے ساتھ؟

خدا کے ساتھ۔

یہ مہنتی بڑی جرات اور دیدہ دلیری ہے، جو کوئی شخص خدا اور شریعت حق

اور شارع کے ساتھ روا کر سکتا ہے؟

کیا ایسا شخص بھی لعنت کا مستحق نہیں ہوگا؟

طلاق ویسے بھی بعض المباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ نامرغوب

اور ناپسندیدہ اور مکروہ فعل۔

یہ حال تو اس طلاق کا ہے، جو ”مرتبان“ ہے، یعنی دو مرتبہ کر کے دی

جاتی ہے اور اندر روئے شرع ہر اعتبار سے جائز اور مکمل ہے، لیکن جو طلاق،

ان حدود و شروط کو توڑ کر دی جائے، وہ تو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محللہ اور محللہ پر لعنت ہو!

قریب قریب ناجائز کے درجہ میں ہے۔ چنانچہ بعض اجل امہ فقہ اس کے قائل ہی نہیں ہیں۔ یعنی وہ اسے جائز نہیں سمجھتے، لہذا اس کا نفاذ بھی نہیں رکھتے۔ طلاق منغلطہ کا جواز یا عدم جواز ایک دوسری چیز ہے، اس پر بحث کرنے کا یہ محل نہیں، لیکن طلاق بائن کی صورت میں بھی، شوہر برحق کھو بیٹھتا ہے کہ اس سے شادی کر سکے۔ جب تک عورت کسی دوسرے مرد سے باقاعدہ شادی نہ کرے اور باقاعدہ بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کرے کسی سن اتفاق موت یا طلاق کے باعث، وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو جاتی۔ شریعت نے طلاق کے جو حدود و شرائط مقرر کیے ہیں ان سے تجاوز کرنا کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی ذمہ داری پر ایسا کرتا ہے تو اسے اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

از مکانات عمل غافل مشو

گندم از گندم بریدر جو ز جو،

گندم بو کر جو، اور جو بو کر گندم نہیں حاصل کیا جاسکتا۔

محلل وہ مرد ہے، جو راجرت لے کر حلالہ کرے۔

محلل وہ عورت ہے، جو ایسے شخص سے شادی کرنے پر رضا مند ہوتی ہے۔

عورت اس لیے لعنت کی منراوار ٹھیری کہ اس نے بھی اس معاملہ میں شریعت کے خلاف سابق شوہر کا ساتھ دیا، حالانکہ اسے کسی طرح بھی حلالہ کرنے پر، یعنی غلط اور ناجائز طور پر سابق شوہر کی خاطر، دوسرے شخص کی عارضی اور وقتی بیوی بن کر طلاق نہیں لینا چاہیے تھی۔

اسی طرح وہ بھی برابر کی مجرم ٹھہری، لہذا جس طرح حلالہ کرنے والا منراوار

لعنت ہے اسی طرح حلالہ کرنے والی بھی مستحق لعنت ہوگی۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پر لعنت کی ہے۔ یہ لعنت یا تو خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے دونوں پر وقوع لعنت کی۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بد دعا ہے دونوں کے لیے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حلال حرام ہے۔ اور اس کا شمار گناہ کبیرہ میں ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں بعض دوسرے مسلک بھی ہیں۔

ابن اللبان کا بیان | ابن اللبان القرظی صاحب "الایجاز" وغیرہ۔ اس طرف گئے ہیں کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں، وہ تین قروء تک انتظار نہیں کرے گی صرف ایک حیض کے بعد استبراء کافیا ہے۔ اسے حسین بن قاسمی ابی لیلیٰ نے کہا ہے۔

مسئلہ یوں ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اس سے تمتع اور مباشرت کے بعد دیں تو اس کی عدت تین قروء ہے۔ ابن اللبان کہتے ہیں اس پر ایک حیض کے بعد استبراء ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء

ابو الحسین اس کے خلاف کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

اَلْأُكْسَرُ اور غیر حائضہ کی عدت کا مسئلہ | مسئلہ یوں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیتا ہے

اور وہ ایسی ہے کہ ابھی اسے حیض نہیں آتا، یا بوڑھی ہے اور اُکسر ہو چکی ہے تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی، لیکن ابن لبان، اس کے لیے عدت ہی تسلیم کرتے وہ کہتے ہیں ایک حیض کے بعد استبراء کافی ہے۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے۔

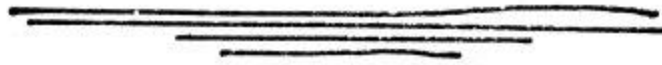
لَوَالِدَايَ يَكُونُ عَنِ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ أَرَبَلْتُمْ فَعَدَّتْ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ وَاللَّوْئِي لَمْ يَحْضَنْ



سنت تین قروء ہے | ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ جب سنت تین قروء  
 ہے تو اس کی مخالفت جائز نہیں ہے، اگرچہ اس سے پہلے  
 اجماع نہ ہو۔ آپ نے فاطمہ بنت قیس کو جو حکم دیا تھا، جس سے علماء نے تین قروء  
 کا معنی لیا ہے

باقی رہی حدیث عائشہ، تو وہ منکر ہے، کیونکہ حضرت عائشہ اقراء سے اٹھا مراد

لبنی ہیں۔



## عَدَّت رَجْعِیہ اور بَائِن

وہ عورت جس سے رجعت ہو سکے اور وہ عورت جس سے رجعت کا وقت نکل جائے

بائِن اور رجعیہ کی عَدَّت میں جو فرق بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے :  
عَدَّت رَجْعِیہ زوج (شوہر) کے لیے ہے ، دورانِ عَدَّت میں عورت کے قیام و  
طعام و نفقہ اور سکنتی کا انتظام مرد پر ہوگا ، اس مسئلہ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق  
ہے ۔

عورت کے لیے شرط مکان کا مسئلہ مبہمہ | سکنتی الراجاعے قیام کے بارے  
میں یہ سوال پیدا ہوتا  
ہے کہ آیا یہ سکنتی وہی ہے جو زوجہ کا ہونا ہے ، اور بایں صورت اپنی حسبِ صنی  
جہاں چاہے جاسکتی اور جہاں چاہے رہ سکتی ہے یا وہ شوہر کے گھر میں رہنے  
پر مجبور ہے ، نہ وہ خود جاسکتی ہے ۔ نہ اسے جانے پر مجبور کیا جاسکتا ہے ۔  
اس مسئلہ میں دو قول ہیں ،

۱۔ رجعیہ سے مراد وہ عورت ہے ، جسے طلاق رجعی دی گئی ہو ، یعنی دورانِ عَدَّت  
میں شوہر طلاق واپس لے سکے ، اور اسے پھر بیوی بنالے ۔ (باقی آگے ہے)

دوسرا قول یہی آخری قول ہے، یہ امام احمد، اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ سے منصوص ہے، قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

پہلا قول امام شافعی رحمۃ اللہ کا ہے، بعض اصحاب امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ رجعیہ اور بیوہ کا سکتی ایک سال ہے۔ لیکن مبنی بر صواب قول وہ ہے

جس کی تائید قرآن سے ہوتی ہے۔ کیونکہ رجعیہ کا سکتی البیہا ہی ہے جیسا بیوہ کا ہوتا ہے، دونوں اگر اس کے استقاط پر راضی ہو جائیں تو بھی جائز نہیں ہوگا، جس طرح عدت میں ہوتا ہے،

بہ خلاف بائن کے، کیونکہ اسے بائن کو سکتی کا حق نہیں حاصل ہے | سکتی کا حق نہیں ہے، شوہر

کو حق ہے کہ اسے اپنے گھر میں نہ رہنے دے۔ اور اسے خود بھی چاہیے کہ نہ رہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا تھا۔  
”اب نہ تجھے نفقہ کا حق ہے نہ سکتی کا“

رجعت شوہر کا حق ہے یا خدا؟ | لیکن رجعت، آیا بہ زوج (شوہر) کا حق ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک مرتبہ طلاق

بائن دے کر اسے ساقط کر دے یا یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا حق ہے۔ جو ساقط نہیں ہو سکتا؟ اگر شوہر بیوی سے یہ کہے کہ:

”تجھے بائنہ طلاق ہے،“

تو بھی چونکہ حق رجعت ساقط نہیں ہوا، اس لیے طلاق رجعی واقع ہوگی؟ یا دونوں کو یہ حق ہوگا کہ اگر چاہیں تو باہمی رضا مندی سے خلع بلا عوض کر لیں؟ آیا اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہوگی، اور رجعت کا حق شوہر کو

بہ بائن سے مراد وہ عورت ہے، جسے طلاق بائن یعنی جدا کر دینے والی طلاق ملی ہو اور پھر وہ بیوی نہ بنائی جاسکے۔

نہیں رہے گا!

اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں۔

پہلا قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ عنہ کا مذہب ہے اور روایات امام احمد میں سے ایک روایت یہ بھی ہے،

دوسرا قول امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور روایات امام احمد میں سے ایک روایت یہ بھی ہے،

دوسرا قول امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور روایات امام احمد میں سے دوسری روایت یہی ہے۔

تیسرا قول امام مالک کا ہے، اور روایات احمد میں سے تیسری روایت ہے۔

لیکن سبواب یہ ہے کہ رجعت اللہ تعالیٰ کا حق ہے

کا حق ہے، دونوں اس کے استقاط کا حق نہیں رکھتے، اور شوہر کو یہ حق بھی نہیں ہے کہ بیوی کو طلاق بائنہ دیدے اگرچہ وہ خود بھی کیوں نہ رضا مند ہو گئی ہو، بالکل اسی طرح جیسے دونوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ فسخ نکاح بلا عوض پر متفق ہو جائیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ پھر خلع بلا عوض کیسے جائز ہوگی؟ جیسا کہ مالک اور احمد رحمہما اللہ کا مسلک ہے، اور کیا خلع بلا عوض اور فسخ نکاح بلا عوض یکساں نہیں ہیں؟ دونوں میں رضامندی طریقیں پائی جاتی ہے۔

جواب میں کہا گیا ہے کہ احمد رحمۃ اللہ کی ایک روایت کے مطابق خلع بلا عوض جائز ہے

لیکن طلاق اگر بصورت فسخ ہو تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ جائز ہو جائے تو پھر عدد طلاق میں کمی کیے بغیر بار بار یہ کھیل کھیلا جاسکتا ہے، اور ان دونوں کو حق رہے گا کہ جب مرضی ہو چاہیں کرتے رہیں، جب چاہیں یقین



طلاق کے مابین جدائی اختیار کر لیں جب چاہیں ایک ہو جائیں، اور شوہر کو یہ حق تخییر مل جائے کہ بیب عورت طلاق کے بعد، اس کی نوعیت کے بارے میں سوال کرے، تو جب چاہے رجعی کہہ کر واپس لے لے، اور جب چاہے، بائن کہہ کر اسے رخصت کر دے اور یہ متنع ہے، کیونکہ عملی طور پر اسے حق مل گیا کہ تین مرتبہ کے بعد بھی جب چاہے بیوی کو حرام کرے جب چاہے حلال کرے۔

**اور قبول کا اختیار صرف مباحات میں ہے** | اور متنع یوں ہے کہ کسی شخص کو حلال و حرام کے

مابین اور قبول کا اختیار دے دیا جائے، یہ اختیار دو مباح باتوں میں تو دیا جاسکتا ہے، اسے انشاء تخییل و تحریم کا حق نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کے بعد ایک طلاق مشروع کی ہے، ایک ہی مرتبہ میں اس کا ایقاع مشروع نہیں کیا ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے، کہ بعد میں اگر نادام ہو، تو اپنے فعل کی بر آسانی تلافی کر سکے، اگر شارع نے ابتداء ہی میں اسے طلاق بائنہ کا حق دے دیا ہوتا تو مخدور (خطرہ) بعینہ موجود رہتا، چونکہ شریعت مصالح عیار پر مشتمل ہے، لہذا وہ یہ حق دینے سے انکار کرتی ہے کیونکہ اس صورت میں اختیار عورت کے ہاتھ میں چلا جاتا، اگر وہ چاہتی تو رجعت پر رضا مند ہوتی، نہ چاہتی تو نہ ہوتی، اور اللہ نے طلاق کا اختیار زوج (شوہر) کے ہاتھ میں رکھا ہے، عورت کے ساتھ میں نہیں، اور یہ اس کی رحمت اور احسان ہے۔

**مراعات مصلحت زوجین** | اس میں مراعات مصلحت زوجین ملحوظ رکھی گئی ہیں، ہاں یہ درست ہے کہ شوہر چاہے

تو وہ بیوی کو یہ اختیار دیدے کہ چاہے اس کے ساتھ رہے چاہے نہ رہے لیکن اگر معاملہ شوہر کے ہاتھ سے بالکیہ رطلاق بائنہ کی صورت میں رنکل جائے تو یہ بات ممکن نہ ہوگی، لہذا نہ وہ حق رجعت ساقط کر سکتا ہے نہ اس کا مالک ہے۔

شارع نے بندے کو نافع کی ملکیت دی ہے مضر کی نہیں | شارع نے

اس چیز کا مالک بنایا ہے جس سے اسے نفع پہنچے، اس کا نہیں جس سے اسے ضرر پہنچے، یہی وجہ ہے کہ اسے تعین طلاقوں سے زیادہ کا مالک نہیں بنایا، لیکن تینوں کا بیک وقت مالک نہیں بنایا، نہ زمانہ حیض میں اسے طلاق کا مالک بنایا نہ چار سے زیادہ شادیاں کرنے کا مالک بنایا، نہ عورت کو طلاق کا مالک بنایا جب طلاق کا مالک عورت کو نہیں بنایا تو رجعت کا بھی نہیں بنایا، اور مرد کو جس طرح طلاق بائنہ کا مالک نہیں بنایا، ایک مرتبہ محرم کا مالک بھی نہیں بنایا پس جب وہ اسقاط رجعت کا مالک نہیں ہے اثبات کا مالک کیسے ہو سکتا ہے۔

اور ایک متعالفہ اس کا جواب | اگر یہ کہا جائے کہ پھر تو مرد دو طلاقیں دینے کے بعد بھی بغیر کا مالک نہیں ہوا تو یہ غلط ہے، اللہ نے اسے طلاق کا حکم اس طرح دیا ہے کہ پہلے ایک طلاق دے، اب انقضائے عدت تک اسے رجعت کا حق حاصل ہے، پھر مناسب سمجھے تو دوسری اسی طرح دیدے، اب ایک طلاق کی ملکیت باقی رہ گئی، اسے بھی استحصال کرے تو عورت اس تدریج کے بعد اس پر حرام ہو گئی، جب تک کسی دوسرے نکاح نہ کرے، تو اللہ نے ملکیت یوں دی ہے نہ کہ یوں کہ دوسرے مدارج چھوڑ کر بیک جست طلاق حرام کو، بغیر دو طلاقیں دیے ہوئے اختیار کرے۔

لے جو طلاق فوری طور پر دی جائے، اور وہ بھی مغلطہ، ظاہر ہے وہ وقتی برہمی اور اشتعال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جس پر بعد میں پچھتنا لازمی ہے۔  
میاں بیوی کی تفریق مبنی کھیل ہے، یہ دو ہستیوں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ! کا معاملہ نہیں ہے، یہ انفرادی معاملہ بھی نہیں یہ یکسر ذاتی معاملہ بھی نہیں کہا جاسکتا، اس کے ساتھ خاندان کی عزت، ذاتی حرمت، اولاد کا مستقبل بہت سی چیزیں وابستہ ہوتی ہیں، لہذا مصلحت عملی کا تقاضا یہی ہے کہ تفریق کے راستے میں سہولتوں کے بجائے دشوار راستے پیدا کی جائیں، ساتھ ہی ساتھ، اسلام غیر رننا کارانہ اجتماع وہ اتصال کا بھی قائل نہیں ہے، اگر میاں بیوی میں نہیں نبھ سکتی، تو علیحدگی ہو جانی چاہیے لیکن اس طرح کہ دونوں تمام پہلوؤں پر اچھی طرح سے غور کر لیں، تاکہ بعد میں پشیمانی کی ضرورت نہ پڑے، چنانچہ تدریجی طلاق میں یہی مصلحت ہے،!

# عدت مختلفہ

## شوہر سے خلع حاصل کرنے والی عورت کے مسائل

اس سے قبل بعض مواقع پر ہم بتا چکے ہیں کہ مختلفہ کی مدت ایک حیض ہے، — عثمان بن عفان، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک یہی ہے، اسحاق بن راہویہ اور امام احمد کا قول بھی یہی ہے، ہمارے شیخ کا بھی اس پر فتویٰ ہے۔

شوہر کی مار پیٹ کے باعث عورت خلع لے سکتی ہے | اب ہم اسناد کے ساتھ اس سلسلہ میں کچھ

حدیثیں پیش کرتے ہیں:

نسائی نے اپنی مسند کبیر میں ایک باب عدت مختلفہ کے بارے میں باندھا ہے، اس میں ایک حدیث مروی ہے، جو ان سے ابو علی محمد بن یحییٰ المروری نے، انھوں نے شاذان بن عثمان ابو عبدان سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے علی بن مبارک سے، یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی، وہ کہتے ہیں مجھے محمد بن عبد الرحمن نے خبر دی، کہ ربیع بنت معوذ بن عفرا نے بتایا کہ ثابت بن قیس بن شماس نے اپنی بیوی کو اتنا مارا کہ ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا، ان کا نام جمیلہ بنت عبد اللہ بن ابی مجاز تھا۔

لے خلع وہ عورت ہے، جس نے شوہر سے خلع حاصل کر لیا ہو،

یہ ابن قیم جب "ہمارے شیخ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تو امام ابن تیمیہ مراد ہوتے

ہیں



جمیلہ کے بھائی نے اس بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو طلب فرمایا۔

”جو کچھ یہ دیتی ہے اسے لے لو، اور اس کا راستہ چھوڑ دو!“

ثابت نے جواب میں عرض کیا،

”بہت بہتر!“

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ کو حکم دیا کہ ایک حیض تک وہ رکی رہیں، اور اپنے میکہ چلی جائیں، اے

اے اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے ”حقوق الزوجین“ کا کتنا لحاظ رکھا ہے، اور خاص طور پر عورت کو ظلم و تعدی سے محفوظ رکھنے کے لیے کیا وسائل اختیار کیے ہیں، اسلام کے پہلے مذاہب نے، عورت کا وجود تک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسے کسی طرح کے حقوق نہیں دیے تھے، اس کی انفرادیت اور شخصیت کو کسی درجہ میں بھی تسلیم نہیں کیا تھا، وہ مال تجارت کی طرح اور سے ادھر منتقل ہوتی رہتی تھی۔

لیکن اسلام نے دفعتاً اسے اپنی سے بلندی پر پہنچا دیا، اسے مردوں کا ہم پایہ بنا دیا، اور اسے وہ حقوق دیے جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی،

ابنہی عظیم المآل حقوق میں سے ایک خلع کا حق بھی ہے۔

گزشتہ اوراق میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ طلاق کا حق مرد کو ہے، عورت کو نہیں، لیکن عورت کو طلاق کا بدل حاصل ہے، اور وہ خلع ہے، عورت طلاق نہیں دے سکتی، لیکن خلع لے سکتی ہے۔

مرد جب طلاق دیتا ہے، تو عورت کو مہر دیتا ہے جو کچھ بطور تحفہ اور عطیہ کے اب تک وہ زیورات یا زر نقد یا جائداد کی صورت میں دے چکا ہے، وہ واپس نہیں لے سکتا، اختتام عدت تک وہ اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہے، اس کے لیے سکنی کا انتظام کرنے پر مجبور ہے۔

اس کے برعکس عورت جب مرد سے خلع لیتی ہے، تو اسے ان ذمہ داریوں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

**خلع حاصل کرنے والی عورت کی عدت کا مسئلہ** عمرہ ابن عباس رضی سے روایت کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے ان سے جب خلع حاصل کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی

دگنشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ، عہدہ برآ نہیں ہونا پڑتا، جو شوہر کے ذمہ اندر دے شرع عائد ہیں، جو کچھ وہ آسانی سے دے کر خلع حاصل کر لیتی ہے، گویا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ مرد طلاق دے کر گھاٹے میں رہتا ہے، اور عورت خلع لے کر فائدہ میں رہتی ہے، مرد کو طلاق کے وقت سے لے کر عدت کے ختم ہونے تک برابر صرف کرنا پڑتا ہے، خواہ یہ اس کی استطاعت کے اندر ہو یا باہر، لیکن عورت صرف برائے نام کچھ تھوڑا بہت شوہر کو، اسی کی دی ہوئی چیزوں میں سے لٹا دیتی ہے، اور خلع حاصل کر کے آزاد ہو جاتی ہے۔

یہ عورت کے لیے اتنی بڑی سہولت ہے، جس کا اسلام سے پہلے تصور بھی نہیں کیا،

جاسکتا۔

مرد اگر طلاق دینا چاہے تو اندر دے قرآن کریم پہلے اسے نباہ کی کوشش کرنی چاہیے۔ اختلافات اور شکایات ہوں تو فریقین کے نمائندوں کو حالات رو بہ راہ کرنے کی حکم کی حیثیت سے سعی کرنی چاہیے۔ اس میں اگر کامیابی نہ ہو۔ اور نباہ کی کوئی صورت ممکن نہ نظر آئے۔ تو شوہر طلاق دے سکتا ہے۔ لیکن شرعی طلاق۔ بیک وقت تین طلاقیں نہیں ہیں، ایک ایک مرتبہ کر کے دو طلاقیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اطلاق مرتان، فامساک بمعروف، اور تسریح باحسان

یعنی طلاق ایک ایک کر کے دو مرتبہ ہے اس کے بعد یا تو قاعدے کے مطابق شوہر بیوی کو روک لے، (رجعت کر لے) یا بھلنا سہت اور شرافت کے ساتھ اسے رخصت کر دے، غرض اسی طرح کے کئی مرحلے ہیں جو شوہر کو طے کرنا پڑتے ہیں، بخلاف اس کے عورت کے لیے یہ مرحلے ختم کر دیے گئے ہیں، وہ ان مرحلوں سے گزرے بغیر نہایت سادہ اور آسان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عدت ایک حیض قرار دی۔

**قضاے رسول صلی اللہ علیہ وسلم** | اس حدیث کو ابو داؤد نے دوسری سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ترمذی نے بالکل یہی سند لے لی ہے اور اس حدیث کو "حسن غریب" کہا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

طریقہ پر حکم حاصل کر کے نامرغوب اور نامطبوع شوہر سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔

کیا دنیا کا کوئی مذہب بھی عورت کو وہ حقوق آج تک دے سکا ہے جو اسلام نے آج سے ۱۴ سو برس پہلے اسے عطا کر دیے تھے، - ۱ -

اس حدیث سے جو فقہی نکتے پیدا ہوتے ہیں یہ ہیں،

۱۔ شوہر اگر بیوی کو مارے تو وہ اس سے خلع لے سکتی ہے۔

۲۔ ہر معیّن ہوتا ہے، معیّن نہ ہو تو ہر مثل شوہر کو ادا کرنا پڑتا ہے، لیکن خلع کے لیے کوئی

رقم معیّن نہیں ہے، نہ اس میں عرف، اور مثل کا قاعدہ چلتا ہے، بیوی جو کچھ آسانی سے دے سکے پیش کر دیتی ہے، اور وہ شوہر کو قبول کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ خلع کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ عورت خود فریادی بن کر عدالت میں پہنچے، اس کا کوئی قرابت دار بھی، مدعی بن کر پہنچ سکتا ہے، اور اس کی نالش پر، عدالت مدعا الیہ کو طلب کر کے فیصلہ کر سکتی ہے۔

۴۔ شوہر اگر طلاق دینا چاہے تو عورت طلاق لینے سے انکار نہیں کر سکتی، اسی طرح عورت اگر خلع لینا چاہے تو شوہر انکار نہیں کر سکتا، وہ عورت کی پیش کش قبول کر کے خلع دینے پر مجبور ہے۔ اور اگر انکار کرے، تو فقہہ کا مسئلہ یہ ہے کہ قاضی خود اپنے اختیارات خصوصی سے کام لے کر نکاح فسخ کر سکتا ہے اور میاں بیوی میں تفریق کر سکتا ہے،

یہ حدیث موجب سنت و قضاے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور موافق اقوال صحابہ  
 ہے، اور مقتضائے قیاس بھی ہے، اس کی عدت کے لیے ایک حیض کافی ہے۔ جس سے  
 براحت رحم ہو جاتی ہے!

۱۔ درحقیقت عدت کا مقصد صرف اتنا ہے کہ معلوم ہو جائے عورت حاملہ ہے یا نہیں؟ تاکہ نسب  
 میں اختلاط اور اشتباہ واقع نہ ہو، عدت وفات اور طلاق میں، پہلی صورت سوگ کی ہوتی ہے،  
 اور دوسری صورت منطومیّت کی، اور ان دونوں صورتوں میں عقد جدید کے لیے دل و دماغ کو تیار  
 کرنے کے لیے نسبتاً زیادہ ہلکت درکار ہوتی ہے اس لیے ان کی عدت ذرا طویل ہے، اور قطع چونکہ  
 عورت خود لیتی ہے، لہذا اس کے لیے ایک ماہ کی عدت بہت کافی ہے،



# بیوہ عورت کا زمانہ عدت

شوہر کے گھر میں گزارنے کے احکام و شرائط

**آں حضرت کا فرمان** | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورت کو حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے جہاں اس کی وفات ہوئی ہے، اور آپ کا یہ حکم اس حکم کے خلاف نہیں جاتا، جس کی رو سے آپ نے مبتوتہ عورت کو حکم دیا ہے کہ وہ جہاں چاہے رہ سکتی، اور جہاں مرضی ہو عدت گزار سکتی ہے۔

**فریۃ بنت مالک کی حدیث** | سنن میں نہ یزید بنت کعب بن عجرہ کی فریۃ بنت مالک امت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، انھوں نے اپنے میکہ بنی حذرہ واپس جانے کی اجازت چاہی، ان کے شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلے، راستے میں دشمن کے ہاتھ پڑ گئے، جس نے انہیں قتل کر ڈالا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میں اپنے گھر والوں کے پاس جا کر رہنا چاہتی ہوں، کیونکہ میرے شوہر نے کوئی ایسا مکان نہیں چھوڑا ہے جس کے وہ مالک ہوتے، نہ نفقہ کا کوئی بند و بست ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ”ہاں ٹھیک ہے،“

یہ سن کر میں واپس چلی، ابھی حجرہ نبوی یا مسجد نبوی میں ہی تھی کہ آپ نے مجھے واپس بلایا، اور

پوچھا،

”تم کیا کہہ رہی تھیں؟“

میں نے وہ ماجرا پھر سے کہہ سنایا،

آپ نے فرمایا، »اپنے گھر میں بیٹھو، جب تک عدت پوری نہ ہو جائے،،  
چنانچہ میں نے چار مہینے دس دن کی عدت وہاں گزار لی۔

وہ کہتی ہیں جب حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت شروع ہوا، تو انھوں نے میرے پاس ایک آدمی بھیج کر  
میرا قصہ دریافت کرایا، میں نے پوری پوری بات بتا دی، انھوں نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

اس حدیث پر حرج و تعذیل | ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ !،  
ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں علما حجاز و عراق کے نزدیک یہ

حدیث معروف و مشہور ہے،

ابو محمد بن حزم کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ زینب ایک مجہول عورت ہیں، اور  
ان سے سعید بن اسحاق بن کعب کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی ہے، اور وہ عدالت کے اعتبار سے  
غیر مشہد ہیں۔

امام مالک وغیرہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

موطا میں یہ حدیث موجود ہے | ابو محمد ابن حزم نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ  
یہ حدیث، صحیح ہے، حجاز اور عراق میں مشہور ہے، امام مالک

نے اسے اپنی موطا میں درج کیا ہے، اس سے دلیل لاتے ہیں، اسی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے  
باقی رہا، ابن حزم کا یہ قول کہ زینب مجہول عورت ہیں، تو بے شک  
ابن حزم کی جرح کا جواب | وہ ان کے نزدیک مجہول ہوں گی، ورنہ زینب تابعیات ہیں

بلند درجہ رکھتی ہیں، وہ ابو سعیدؓ کی بیوی ہیں، ان سے سعید بن کعب بن اسحاق نے روایت کیا ہے،  
سعید نے نہیں، ابن حبان نے اپنی کتاب الشفات میں ان کا ذکر کیا ہے،

ابو محمد ابن حزم نے علی بن المدینی کے قول سے دھوکا کھایا ہے، ورنہ ان سے سعید بن اسحاق کے سوا  
کسی نے روایت نہیں کی ہے۔

مسند امام احمد میں یعقوب کی حدیث ہے، وہ اپنے والد سے وہ ابن اسحاق سے، وہ عبداللہ بن

عبدالرحمان سے۔ وہ معمر بن حزم سے وہ سلمان بن محمد بن کعب بن عجرہ سے، وہ اپنی پچھلی زینب بنت  
کعب بن عجرہ سے جو ابو سعید الخدری کی بیوی تھیں، وہ ابو سعید سے روایت کرتی ہیں کہ بعض لوگوں

نے حضرت علی کی شکایت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے، انھوں نے سنا آپؐ فرما رہے تھے:

”لوگو، علی کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم وہ قات الہی (ایک روایت میں راہ خدا) کے معاملہ میں بہت سخت ہے!“

اور یہ زینب ایک تابعی خاتون ہیں، اور ایک صحابی کی بیوی ہیں، ان سے بہت سے ثقات نے روایت کی ہے، اور کسی نے ان کے ایک حرف پر بھی طعن نہیں کیا ہے، ائمہ نے ان کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے،

**ابن حزم کی جرح پر تنقید**  
 رہا ابن حزم کا یہ قول کہ سعید بن اسحاق عدالت کے اعتبار سے غیر مشہور ہیں تو اسحاق بن منصور نے یحییٰ بن لیث سے ان کے

ثقة ہونے کی روایت کی ہے،

نسائی کا قول بھی یہی ہے،

طارق بن سفيان نے بھی ان کو ثقة قرار دیا ہے۔

ابو حاتم ان کو صالح کہتے ہیں،

ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے مثلاً حماد بن زید، سفیان ثوری، عبد العزیز درادری

ابن جریر، مالک بن انس، یحییٰ بن سعید الانصاری، زہری، حاتم بن اسماعیل، داؤد بن قیس اور جماعت

کثیر نے ان کی روایت قبول کی ہے، نہ کسی نے ان پر جرح کی ہے، نہ جرح، بالاتفاق ایسے شخص

سے احتجاج کیا جائے گا، اور دلیل لائی جائے گی!

**صحابہ اور تابعین کا اختلاف فکر و نظر**  
 اس مسئلہ کے حکم میں صحابہ، اور تابعین کا اختلاف

عبدالرزاق معمر سے، وہ زہری سے، وہ عروہ بن زبیر سے، وہ عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں

کہ بیوہ عورت زمانہ عدت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، وہ اس کا فتویٰ دیا کرتی تھیں، بلکہ خود بھی،

اپنی بہن ام کلثوم کو اپنے ساتھ لے گئیں، جب ان کے شوہر طلحہ بن عبید اللہ قتل ہوئے،

حصہ چہارم

ابن جریر عطاء سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں  
**چار مہینے دس دن کی عدت** | کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کی عدت چار مہینے دس دن  
 رکھی ہے، یہ کہیں نہیں فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھر میں عدت پوری کرے، لہذا اسے اختیار ہے  
 کہ جہاں چاہے عدت گزارے،

ابوالزبیر جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بیوہ عورت جہاں  
 اس کی مرضی ہو عدت کا زمانہ بسر کرے۔

عبدالرزاق ثوری سے، وہ اسماعیل بن ابی خالد سے، وہ شعبی سے  
**حضرت علی کا فیصلہ** | روایت کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیوہ عورتوں کو  
 ان کے زمانہ عدت میں سفر کی اجازت دیا کرتے تھے،

عبدالرزاق نے محمد بن مسلم سے، انھوں نے عمرو بن انبار سے روایت کی ہے کہ طاؤس اور عطا  
 دونوں کہا کرتے تھے بہتوتہ اور بیوہ عورتیں حج و عمرہ کر سکتی ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکتی  
 ہیں، جہاں چاہیں رات گزار سکتی ہیں،  
 ابن جریر عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ عورت جہاں کہیں بھی عدت کا زمانہ بسر کرے  
 کوئی حرج نہیں۔

ابن علیہ عمر بن انبار سے، اور وہ عطا اور ابوالشمار سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ عورت  
 زمانہ عدت میں جہاں چاہے آجاسکتی ہے۔  
 ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالوہاب ثقفی نے عطا سے تین طلاق والی مطلقہ اور بیوہ  
 عورت کے بارے میں سوال کیا کہ آیا یہ عورتیں حج کر سکتی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں کر سکتی  
 ہیں،!

حسن رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے۔

ابن وہب کہتے ہیں، مجھے ابن ابیہ  
**کیا بیوہ عورت میکہ میں عدت گزار سکتی ہے؟** | نے خبر دی، اور انھیں حنین بن

ابی حکیم سے روایت پہنچی کہ مزاحم کی بیوہ جب حاصرہ میں بیوہ ہو گئیں، تو انھوں نے عمرو بن عبد البر



سے سوال کیا،

”کیا میں انقضائے عدت تک یہیں ٹھہروں؟“

انھوں نے جواب دیا، ”اپنے میکہ چلی جاؤ، اپنے باپ کے گھر رہو جا کر! اور وہیں عدت

پوری کر لو!“

ابن وہب ہی کی ایک روایت ہے کہ مجھے یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، اور انھیں یحییٰ بن سعید الانصاری سے روایت پہنچی، انھوں نے ایک آدمی کے بارے میں بتایا کہ اس کا اسکندریہ میں انتقال ہو گیا، اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی، اس شخص کا ایک گھر اسکندریہ میں تھا ایک فسطاط میں تھا، انھوں نے اس سے کہا،

اگر تم چاہو تو وہاں عدت گزارو جہاں تمہارے شوہر کا انتقال ہوا تھا، جی چاہے تو اپنے شوہر کے گھر فسطاط میں چلی جاؤ، اور وہاں عدت بسر کرو، وہ فسطاط چلی گئیں۔

ابن وہب کی ایک اور روایت ہے کہ مجھے عمرو بن حارث نے خبر دی اور انھیں بکر بن الشیخ سے روایت ملی، انھوں نے کہا کہ میں نے سالم بن عبد اللہ بن عمر سے ایک عورت کے بارے میں سوال کیا، جسے اس کا شوہر اپنے ساتھ ایک شہر میں لے گیا، اور وہاں اس کا انتقال ہو گیا، تو اب وہ کیا کرے؟

سالم نے جواب دیا، ”جہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے وہاں بھی عدت گزار سکتی ہے، اور اپنے شوہر کے گھر بھی واپس جا سکتی ہے، وہاں عدت گزار لے۔“

یہ اہل ظاہر کا مذہب ہے۔

**اہل ظاہر کے مذہب کی دو دلیلیں** | جو لوگ اس مسلک کے پیرو ہیں، وہ دو دلیلیں دیتے

ہیں۔

ایک دلیل تو وہی ابن عباس دالی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کے لیے چار مہینے دس دن کی عدت مقرر کی ہے، مگر یہ نہیں فرمایا ہے کہ کسی مکان معین میں عدت گزارے۔

دوسری دلیل وہ ہے جسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں ہم سے احمد بن محمد المروزی نے ان سے موسیٰ بن مسعود نے، ان سے شبلی نے، ان سے ابن ابی یحییٰ نے کہا کہ عطا بتایا کرتے تھے

کہ ابن عباس کا قول ہے کہ آیت قرآنی نے شوہر کے گھر عدت گزارنے کی پابندی منسوخ کر دی، اب وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے، چاہے تو اپنے اہل میں عدت گزارے، جی چاہے چلی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِنْ خَرَجَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا فَعَلْنَ

عطا کتے ہیں اس کے بعد میراث کا حکم نازل ہوا جس نے سکنی کو منسوخ کر دیا، اب وہ جہاں چلے زمانہ عدت بسر کر سکتی ہے۔

لیکن صحابہ اور تابعین کا اور تبع تابعین کا ایک اور گروہ ہے، جو کہتا ہے کہ بیوہ

**صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین کا مسلک**

عورت کو عدت شوہر ہی کے گھر میں بسر کرنی چاہیے، جہاں اس کا انتقال ہوا، اور جہاں انتقال کے وقت وہ تھی۔

وکیع کہتے ہیں ہم سے ثوری نے ان سے منصور نے، ان سے مجاہد نے ان سے سعید المسیب نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے حج اور عمرہ کرنے والی بیوہ عورتوں کو ذی الحلیفہ سے واپس کر دیا۔

عبدالرزاق کہتے ہیں ہم سے ابن جریر نے، ان سے حمید الاعرج نے، ان سے مجاہد نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ حجۃ اور ذی الحلیفہ سے، حاجات اور معتمرات حج کرنے والی اور عمرہ کرنے والی عورتوں کو واپس کر دیا کرتے تھے۔

عبدالرزاق معمر سے، وہ ایوب سے، وہ یوسف بن تاہک سے، وہ اپنی والدہ مسیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بیوہ عورت اپنے قرابت داروں سے ملنے آئی، یہ بات حضرت عثمان تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا۔

”اس عورت کو اس کے گھر پہنچا دو، اس کی مثال مکلفہ کی ہے،“

یہی معمر کی، اور ان کو ایوب سے، اور ان کو نافع سے اور ان کی ابن عمر سے روایت ہے کہ ان کی ایک لڑکی تھی جو بیوہ تھی، اور عدت گزار رہی تھی، وہ دن کو آ جاتی، اور بات چیت کرتی،

یعنی پہلے عدت کا زمانہ شوہر کے گھر میں ختم کر لیں پھر باہر قدم نکالیں۔

جب رات ہوتی تو اسے حکم دیتے کہ اپنے گھر واپس چلی جائے۔

**حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت** | ابن ابی شیبہ کہتے ہیں ہم سے وکیع نے، ان سے علی بن المبارک نے ان سے یحییٰ بن ابی کثیر نے، ان سے ابو ثویان نے بیان کیا کہ

حضرت عمر نے بیوہ عورت کو اس کی اجازت دے رکھی تھی کہ دن دن میں اپنے قرابت داروں سے ملنے آسکتی ہے۔

عبدالرزاق سفیان ثوری سے وہ منصور بن المعمر سے، وہ ابراہیم نخعی سے، وہ عطاء بن رباح سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود سے ہمدان کی بعض بیوہ عورتوں نے کہا کہ ہم یہاں (اپنے گھروں میں) گھبراتے ہیں ابن مسعود جواب دیا

”دن میں آجایا کرو رات کو اپنے گھر واپس چلی جایا کرو!“

حجاج بن النہال بیان کرتے ہیں کہ ہم سے ابو عوانہ نے، ان سے منصور نے، ان سے ابراہیم نے بیان کیا کہ ایک عورت نے ام المومنین نے ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے پاس کہلایا کہ میرا باپ بیمار ہے، اور میں عدت میں ہوں کیا میں اس کی تیمارداری کو آسکتی ہوں؟

ام المومنین نے جواب دیا، ”ہاں، کیوں نہیں!“، لیکن رات اپنے گھر میں بسر کرنا،“ سعید بن منصور کہتے ہیں ہم سے ہشیم نے بیان کیا، اور انھیں اسماعیل بن ابی خالد سے خبر پہنچی، اور انھیں شعبی سے روایت ملی کہ ان سے ایک بیوہ عورت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا وہ اپنے زمانہ عدت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟

انھوں نے جواب دیا،

**اصحاب ابن مسعود کا مسلک** | ابن مسعود کے اکثر اصحاب اس معاملہ میں بہت سخت تھے ان کا قول تھا کہ عدت والی عورت گھر سے باہر نہیں نکل

سکتی، لیکن شیخ یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسے سفر کی اجازت دیتے تھے۔

ابن عیینہ عمرو بن ابیاری سے، اور وہ عطا اور جابر سے روایت کرتے ہیں کہ،

بیوہ عورت اپنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی،“

وکیع بن صالح سے، وہ میسرہ سے، وہ ابراہیم سے بیوہ عورت کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

”اگر وہ ان میں باہر نکلے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن رات کو گھر سے باہر نہ رہے۔“

فقہانے مذاہب کا مسلک | حماد بن زید البوالیوب سمجھانی سے، وہ محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا، وہ بیمار تھی

اس نے گھر والے شوہر کے گھر سے اسے منتقل کر کے اپنے ہاں لے آئے، پھر مسئلہ دریافت کیا، سب نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنے شوہر کے گھر واپس بھیج دی جائے،

ابن سیرین کہتے ہیں پھر ہم نے اسے واپس کر دیا۔

امام احمد، امام مالک، امام شافعی، اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب نیز اوزاعی ابو عبیدہ اور اسحاق کا مسلک بھی یہی ہے، شام، حجاز، مصر، اور عراق کے فقہاء۔ امصار بھی اسی پر فتویٰ دیتے ہیں، ان سب کی دلیل فریضہ بنت مالک کی حدیث پر ہے، حضرت عثمان نے بھی اسے قبول کیا اور اسی پر مہاجرین و انصار کی موجودگی میں فیصلہ فرمایا۔

اہل مدینہ، حجاز و شام و مصر کے اہل علم نے اسے قبول کیا، اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ اس حدیث میں کوئی طعن ہے،

قبول روایت کے بارے میں امام مالکؒ کے تشدد اور سختی کا حال معلوم ہے، ان سے ایک آدمی نے کسی شخص کے بارے میں سوال کیا۔

”کیا وہ ثقہ ہے؟“

امام مالکؒ نے جواب دیا، اگر ثقہ ہے تو میری کتاب میں موجود ملے گا۔

پہنچا امام مالکؒ نے اپنی کتاب ”موطا“ میں اس روایت کو شامل کیا ہے اور اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے

اس قول کے اصحاب کہتے ہیں کسی مسئلہ میں ہم سلف سے نزاع

نہیں کرتے لیکن سنت تنازعہ کرنے والوں کے درمیان

سنت کا فیصلہ آخری ہے

فیصلہ کر دیتی ہے،

ابو عمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جہاں تک سنت کا تعلق ہے بحمد اللہ اس سے یہ مسلک ثابت

ہے، رہا جماع سو اس کی ثبوت سنت کے بعد ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف



رد نما ہو تو وہ قول قبول کیا جائے گا جس کی تابعدار سنت سے ہوتی ہو۔

**اہل رحمت و عزیمت کا فرق** | عبدالرزاق کہتے ہیں کہ ہمیں معمر نے نہری سے خبر دی وہ کہتے ہیں جو لوگ صاحب رحمت ہیں، وہ حضرت عائشہ

کے قول پر عمل کرتے ہیں، جو اہل عزیمت ہیں وہ ابن عمر کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ دورانِ عدت میں بیوہ کا شوہر کے گھر رہنا عورت پر حق ہے یا عورت

کا حق ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ عورت پر حق ہے، اگر ورنہ اس کے لیے جگہ چھوڑ دی ہو اور اس میں اس کے

لیے کوئی ضرر بھی نہیں ہے، لیکن اب اس کے لیے مسکن موجود ہے، لیکن وارث اس میں مداخلت کریں،

یا اس سے کرایہ طلب کریں، تو وہ شوہر کا مسکن چھوڑ سکتی ہے، پھر اس پر وہاں رہنا لازم نہیں ہے

؟ جانتے ہیں؟

اس قول کے اصحاب کے مابین پھر ایک اختلاف پیدا

ہوتا ہے، کہ ایسی صورت میں بیوہ جہاں چاہے جا سکتی

**ایک استفتا اور اس کا جواب**

ہے، یا اسے شوہر کے گھر سے قریب ترین مسکن میں رہنا چاہیے؟

اس صورت مسئلہ میں جواب یہ ہے:

اگر عورت کو مکان کے مہندم ہو جانے، یا غرق ہو جانے کا یا کسی اور طرح کا خطرہ ہو، یا صاحب

منزل نے اسے ترک مسکن پر مجبور کیا ہو، اور وہ واپس آجائے، یا وہ مکان کرایہ پر ہو، اور جتنے دنوں

کے لیے کرایہ پر دیا گیا تھا اس کی مدت ختم ہو گئی ہو یا وہاں ازراہ تحدیٰ اسے قیام کرنے سے روکا

جائے، یا اس کا کرایہ دینا اس کے بس سے باہر ہو، یا اس سے عام نرخ سے زیادہ کرایہ طلب کیا جائے

۱۔ اہل رحمت وہ لوگ جو ہمت کے کچے ہوں، اور جنہیں کمزور طبعی کی بنا پر از روئے شریعت قانون میں

لچک پیدا کر کے سہولت دیدی جائے، مثلاً تیسرے فاقہ مردانہ کھانے کی اجازت۔

۲۔ اہل عزیمت۔ جو باحوصلہ ہوں، اور رعایت و سہولت کے طالب نہ ہوں، مثلاً مرجانا لیکن مردانہ جہیز نہ کھانا

لیکن امام احمدؒ کے نزدیک بیوہ عورت کا شوہر کے گھر میں عدت گزارنا، رجعیہ کے مقابلہ میں زیادہ مؤکد ہے اور باتن میں واجب نہیں ہے،

**اصحاب شافعی اور امام احمدؒ کی نص** | اصحاب شافعی نے امام احمدؒ کی نص پر، جو بیوہ عورت کے لیے شوہر کے گھر میں لازم ہونے پر دال ہے

اور ایک دوسری روایت کے مطابق نص آخر پر، جس میں حق سکنی سے انھوں نے انکار کیا ہے، اعتراض وارد کیا ہے، وہ کہتے ہیں ایک ساتھ دو نصیں کیونکر واجب ہو سکتی ہیں۔

اس کا جواب اصحاب احمدؒ دو طرح سے دیتے ہیں،

ایک جواب تو یہ ہے کہ اس قول کے مطابق لزوم مسکن بیوہ عورت پر واجب نہیں ہے، لیکن وارث اجرت مسکن اپنے اوپر عائد کر لیں، تو اس صورت میں عدت پر لزوم مسکن واجب ہو گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ لزوم مسکن عورت پر بایں صورت واجب ہے کہ اسے کوئی ضرر نہ ہو یعنی اگر اس سے گریہ طلب کیا جائے، یا وارث اسے نکال دیں، یا مالک مکان اسے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دے، تو یہ ضرر ہے، اور اس صورت میں لزوم مسکن ساقط ہو جائے گا۔

**اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا قول** | لیکن اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ مطلقہ رجعیہ اور بائن کے لیے، زمانہ عدت میں دن

کو یارات کو کسی وقت بھی، شوہر کے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے،

لیکن بیوہ عورت دن میں، اور رات کے شروع کے حصہ میں بہ ضرورت باہر نکل سکتی ہے، لیکن ساری رات اپنے مسکن کے سوا کہیں اور نہیں گزرا سکتی۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مطلقہ کا نفقہ مال زوج (شوہر) پر ہوتا ہے، لہذا اس کے لیے خروج بہ خلاف زوجہ متوفی عنہا بیوہ) جائز نہیں، کیونکہ بیوہ عورت کا نفقہ نہیں ہوتا، لہذا ضروری ہے کہ دن دن میں اپنی ضروریات اور احتیاجات پوری کرنے کے لیے باہر نکل سکے، البتہ اس پر یہ لازم ہے کہ اس مکان میں اقامت رکھے جہاں اس کا شوہر مرا تھا، لیکن اگر اس کے حصہ میں اتنا آئے جو اس کی اقامت کے لیے کافی نہ ہو، یا میت کے وارث اسے نکال دیں تو وہ جہاں چاہے منتقل ہو سکتی

البتہ سکنائے نکاح خود سری چیز ہے۔

نکاح کا سکنا زوجین کا حق ہے،

اور صحیح و منصوص روایت یہ بھی ہے کہ رجعیہ کا سکنا بھی اسی طرح کا ہے وہ بھی دونوں کے اتفاق سے باطل نہیں ہو سکتا، —، نص آیت کا اقتضا بھی یہی ہے، امام احمد رحمۃ اللہ سے بھی یہی منصوص ہے۔

لیکن امام احمد سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ بیوہ عورت کا سکنا ہر حالت میں واجب ہے، خواہ وہ حمل سے ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ سے تین روایتیں مذکور ہیں!

۱۔ وجوب حق سکنا حائل اور حامل (حاملہ اور غیر حاملہ) دونوں کے لیے۔

۲۔ حق سکنا کا اسقاط دونوں کے حق میں۔

۳۔ حق سکنا کا وجوب صرف حاملہ عورت کے لیے، غیر حاملہ عورت کے لیے نہیں۔

یہ ہے متوفی عنہا (بیوہ) عورت کے لیے امام احمد رحمۃ اللہ کا مذہب اور اس کے مختلف

پہلو، —!

اب رہے امام مالک رحمۃ اللہ اسوان کا مذہب یہ ہے کہ بیوہ عورت کا حق سکنا واجب ہے، خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو، اور یہ سکنا اس وقت تک واجب رہے گا جب تک عدت کی مدت ختم نہ ہو جائے۔

امام مالک کا مسلک

۱۔ نکاح کا سکنا یہ ہے کہ شادی کے بعد بیوی کے لیے مسکن کا انتظام کرنا اور اس کے مصارف برداشت کرنا شوہر پر واجب ہے، لیکن اگر بیوی اس ذمہ داری سے شوہر کو سبک دوش کر دے، اور دستبردار ہو جائے، تو یہ حق ساقط ہو جائے گا، از روئے شرع شوہر پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

لیکن بیوہ یا طلاقہ رجعیہ کا سکنا اللہ کا حق ہے، بیکسی صورت میں ساقط نہیں ہو سکتا۔

ابو عمر کا قول ہے کہ اگر مسکن کرایہ پر ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بیوہ عورت کا یہ حق سکنا، قرض خواہوں، اور وارثوں پر منقسم ہوگا، پہلے یہ دیا جائے گا، پھر دوسرے مدت پر توجہ کی جائے گی، اور سکنا کے مصارف میت کے راس المال سے ادا کیے جائیں گے، بجز اس صورت کے کہ مسکن کرایہ پر ہو، اور اہل مسکن عورت کو نکالنے کے درپے ہوں، لیکن اگر مسکن شوہر کی ملکیت ہو، تو اسے اس وقت تک قرض چکنا کرنے کے لیے فروخت نہیں کیا جاسکتا، جب تک عدت پوری نہ ہو جائے،

بعض اصحاب مالک رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ بیوہ عورت کا سکنا زیادہ قوی حق ہے |

مقابلہ میں زیادہ قوی ہے، بشرطیکہ مکان شوہر کی ملکیت ہو، یا اگر کرایہ پر ہو تو اس کا کرایہ ادا کیا جا چکا ہو، لیکن اگر کرایہ نہ ادا کیا گیا ہو تو تہذیب میں ہے کہ مال میت میں سے سکنا کے مصارف نہیں دیے جائیں گے، اگرچہ مرحوم شوہر نے کافی دولت کیوں نہ چھوڑی ہو۔

محمد مالک سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کرایہ مسکن میت پر لازم ہے، نہ وجہ اس پر کوئی حق نہیں رکھتی، وہ وارثوں سے اس باب میں نہیں جھگڑ سکتی، وارث اگر چاہیں تو اسے نکال سکتے ہیں، بجز اس صورت کے کہ وہ اپنے حصہ میں اقامت گاہ میں آجائے اس کا کرایہ ادا کرے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کے دو قول ہیں بیوہ عورت کے سکنا کے بارے میں :- |

ایک قول تو یہ ہے کہ اس کا حق سکنا واجب ہے، خواہ وہ پیٹ سے ہو یا نہ ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں خواہ وہ پیٹ سے ہو یا نہ ہو، حق سکنا واجب نہیں ہے، لیکن وہ شوہر کے گھر میں رہنے پر عدت کے ختم ہونے تک رہنے پر مجبور ہو، خواہ وہ بیوہ ہو یا بائن، اور یہ پابندی بیوہ کے مقابلے میں بائن عورت کے لیے زیادہ مہلک ہے، کیونکہ بیوہ عورت دن دن میں اپنے احتیاجات پورے کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہے، لیکن بائن نہیں نکل سکتی البتہ رجعیہ کا جہاں تک تعلق ہے، اس کا حق سکنا واجب نہیں ہے، مستحب ہے۔



یا اس کی حالت اس کی مقتضی نہ ہو کہ کرایہ دے سکے یا یہ کرایہ اسے اپنی جیب خاص سے ادا کرنا پڑے تو وہ شوہر کے مسکن سے منتقل ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ معقول عذر ہے، کیونکہ اس کے ذمہ شوہر کے گھر رہ کر عادت پوری کرنا ہے، عادت پوری کرنے کے لیے گھر سے درم خنجر کرنا نہیں ہے، کیونکہ اس پر واجب جو کچھ تھا وہ سکونت کا فعل تھا نہ کہ تحصیل مسکن، اور جب یہ چیز اس کے بس سے باہر ہو تو پھر یہ پابندی بھی ساقط ہو جائے گی۔

امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول یہی ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ آیا بیوہ عورت کا شوہر کے گھر میں عادت گزارنے کے مصارف کس پر ہوں گے؟ اور اس حق کے

### زمانہ عادت کے مصارف

باعث زوجہ کو قرضخواہوں یا میراث پر تقدیم ہوگا؟ یا پھر یہ صورت ہے کہ اس کا ترکہ میں سوا میراث کے کوئی حق نہیں ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ کا مساک یہ ہے کہ اگر عورت حائل (حاملہ نہیں) سے تو ترکہ میں سے سکنتی کے مصارف نہیں ادا کیے جائیں گے، لیکن اس کے لیے شوہر کے گھر میں رہ کر عادت گزارنا لازم ہے، لیکن اگر وہ حاملہ ہو، تو اس میں دو روایتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس صورت میں حکم جوں کا توں ہے گا، دوسری یہ کہ عورت کا حق سکنتی شوہر کے مال میں ثابت ہے، یہ حق، قرضخواہوں، اور وارثوں پر مقدم ہے، یعنی پہلے یہ دیا جائے گا، پھر قرضخواہوں اور وارثوں کو ان کا حق ملے گا، اور یہ حق اس المال پر ہوگا وہ گھریج کر جس میں وہ رہتی ہے قرض نہیں ادا کیا جاسکتا، یہاں تک کہ وہ عادت گزارے، اور اگر یہ متعذر ہو تو وارث پر یہ واجب ہے کہ مال میت میں اس کے لیے کرایہ پر مسکن حاصل کرے، اور اگر وارث ایسا کرنے سے انکار کر دے یا نہ کرے تو حاکم اسے مجبور کرے گا کہ مال میت میں سے یہ حق ادا کرے، وہ شدید ضرورت کے سوا کسی طرح بھی شوہر کا گھر نہیں چھوڑ سکتی، بلکہ اگر وارث اور عورت دونوں اس پر متفق ہو جائیں کہ عورت گھر چھوڑ دے تو یہ بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ سکنتی اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہذا اس بارے میں ہر دو کا اتفاق بھی جائز نہیں ہوگا کہ اس حق کو باطل کر دیں۔

کیونکہ یہ عذر واقعی ہے، اس کا اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر عذر گزارنا ایک طرح کی عبادت تھی، اور اگر کوئی معقول عذر موجود ہو تو عبادت ساقط ہو جاتی ہے۔

اصحاب ابو حنیفہ کا یہ قول بھی ہے کہ جس گھر میں وہ رہ رہی ہے اس کا کرایہ زیادہ ہے اور اسے ادا کرنے سے وہ عاجز ہے، تو وہ ایسے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے جس کا کرایہ کم ہو،

**اصحاب ابو حنیفہ کے اقوال سے کیا مستنبط ہوتا ہے** | اصحاب ابو حنیفہ کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ:

— : اجرت مسکن عورت پر ہے، اور اگر وہ اجرت ادا کرنے سے عاجز ہو تو سکنی ساقط ہو جائے گا۔

— : عورت کو شوہر کی جائداد میں سے جو ترکہ ملے گا، تو وہ اپنے حصہ میں اقامت کرے گی اگر وہ کفایت کرے، اور اگر اس کی اقامت گاہ میں دوسرے وارثوں کا بھی کچھ حصہ آجائے گا تو اس کا کرایہ ادا کرے گی۔ کیونکہ بیوہ عورت خواہ حاملہ ہو یا نہ ہو کسی صورت میں بھی اس کا حق سکنی واجب نہیں ہے البتہ وہ اس گھر میں لازمی طور پر رہے گی، جہاں اس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے وہیں دن رات اقامت رکھے گی، اگر وارثوں نے اجازت دے دی، نہ دی تو کرایہ دے گی۔

**شوہر کے گھر میں بیوہ عورت کا قیام لازم نہیں** | فریعیہ بنت مالک رحمہ اللہ کو اس حدیث کے سلسلہ میں

اسی مثال سے دو چار ہونا پڑا، جو فاطمہ بنت قیس کو اپنی حدیث کے سلسلہ میں پیش آئی تھی، اس مسئلہ میں بھی بعض متنازعین کہتے ہیں ہم اپنے رب کی کتاب ایک عورت کے کہنے سے ترک نہیں کر سکتے، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اعتداد (عدت) کی مدت چار مہینے دس دن رکھی ہے، اور شوہر کے گھر رہنے کا حکم نہیں دیا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی بیوہ عورت کے لیے شوہر کے گھر میں لزوم قیام سے انکار کیا ہے، بلکہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔

**حدیث فریعیہ پر بحث** : - بعض لوگ جو حدیث فریعیہ میں منازعت کرتے

ہیں کہتے ہیں، عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک خلق کثیر صحابہ میں سے، جنگ احد یوم  
بیر معونہ، یوم موتہ وغیرہ میں شہید ہوئے، اور ان کے قتل کے بعد ان کی ازواج (بیویوں) نے  
عدت بھی گزار لی، پس اگر ان میں سے ہر عورت نے شوہر ہی کے گھر میں عدت گزار لی ہوتی تو  
یہ بات چھپی نہ رہتی، ہر شخص کے علم میں ہوتی پھر یہ بات دوسرے جلیل القدر صحابہ سے کیسے چھپی  
رہتی پھر یہ بات کہ اگر یہ سنت جاریہ ہوتی تو فریغہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے  
میکہ جانے کی اور وہاں رہنے کی اجازت نہ طلب کی ہوتی، اور پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے انھیں اجازت دی، پھر واپس لے لی، اگر یہ امر ستر ہوتا، اور ہر طرح سے ثابت ہوتا تو ایسا  
کیونکر ہو سکتا تھا؟

**حضرت عثمان کا فیصلہ** | دوسرے لوگ کہتے ہیں اس واقعہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے  
جس سے وہ سنت صحیحہ، صریحہ رد کر دی جائے، جسے امیر المؤمنین

عثمانؓ اور دوسرے اکابر صحابہ نے قبول کیا، بلکہ حضرت عثمانؓ نے تو اسے نافذ بھی کیا۔

**کیا عورتوں کی روایت قبول نہیں کی جاسکتی؟** | اور اگر یہ بات ہے کہ ہم عورتوں  
کی روایت بنی صلی اللہ علیہ وسلم

سے نہیں قبول کر سکتے تو یہ بھی غلط ہے، سنن اسلام کی بہت سی سننیں ہیں جن کی روایت صرف  
عورتوں ہی سے ہم تک پہنچی ہے۔

یہی بات کہ کتاب اللہ میں لزوم منزل کا ذکر نہیں ہے اور سنت میں ہے اور سنت  
خلاف قرآن ہو، پھر کیسے قبول کر لی جائے گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنت قرآن کے خلاف  
کیا ہے؟ وہ تو محض اس کا بیان اور توضیح و تشریح ہے، ایک ایسے مسئلہ کے بارے میں جس پر  
وہ ساکت ہے، ایسی سنت کسی طرح بھی رد نہیں کی جاسکتی، اور یہ وہی چیز ہے جس سے رسول اللہ  
علیہ وسلم نے خبردار کیا ہے کہ ایسا نہ ہو جس حکم کی مثال قرآن میں نہ ہو، اور سنت میں ہو اسے  
ترک کر دیا جائے۔

**حضرت عائشہ اور حدیث فریغہ** | رہا ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا ترک حدیث  
فریغہ کو یا تو یہ حدیث ان تک نہیں پہنچی۔



یا پہنچی مگر انھوں نے اس کی کوئی دوسری تاویل کر لی، یا ان کے سامنے اس کی معارض کوئی اور روایت ہوگی۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب | باقی رہے وہ لوگ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میت میں قفل ہوئے یا آپ کے زمانہ میں فوت ہوئے

تو ان کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ ان کی بیواؤں نے جہاں چاہا وہاں عدت گزار لی، ان کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جو حدیث فریعیہ کی مخالف ہو۔ عبدالمزاق ابن جریج سے، وہ عبد اللہ بن کثیر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ مجاہد کی روایت ہے کہ جنگ احد کے مقتولین کی بعض بیویاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں۔

”یا رسول اللہ ہم رات میں گھبراتے ہیں، لہذا ہم صبح تک اپنے میں سے کسی کے پاس رہتے ہیں، جب صبح ہوتی ہے اپنے گھر واپس چلے جاتے ہیں،“

آپ نے فرمایا، ”جب رات ہو اور تم سونا چاہو تو تم میں سے ہر ایک اپنے گھر میں رات بسر کرے!“

۱۔ یہ ہدایت سراسر حکمت اور مصلحت عمری پر مبنی ہے، ایک بیوہ عورت کو لوگ بڑی آسانی سے بدنام کر سکتے ہیں، وہ بڑی آسانی سے منتہیم کی جاسکتی ہے، لہذا اسے قید مقامی کا پابند کیا گیا ہے تاکہ نہ اس پر انگلیاں اٹھ سکیں، نہ اس کے بارے میں چہ می گوئیاں ہو سکیں، اور اس کے خلاف افواہ سازی کا سلسلہ جاری ہو سکے، بیوگی اور عدت کا زمانہ پوری احتیاط سے گزار لینا بہترین اور خوش زندگی اور مستقبل کا ضامن ہے، لہذا اس عرصہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جو موضعِ تہمت بن سکے، کیونکہ ایک ذرا سی بات اگرچہ وہ بے بنیاد ہی کیوں نہ ہو اس کی زندگی اور مستقبل کو برباد کر سکتی ہے۔ پس احتیاط اور دانش کا تقاضا یہی ہے کہ یہ زمانہ پوری احتیاط کے ساتھ گزارا جائے۔



یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن ظاہر ہے مجاہد نے یا تو اسے کسی ثقہ تابعی سے سنا ہوگا، یا صحابی سے اور تابعین میں سے کسی سے کذب ثابت نہیں ہے، اور وہ فضیلت والے زمانہ کے دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ چشم خود دیکھا بھی ہے، ان سے علم حاصل کیا ہے، وہ صحابہ کے بعد خیر الامت ہیں، ان کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ آپ پر جھوٹ بولنے کی جرات کریں گے، یا جھوٹوں کی روایت قبول کریں گے، خاص طور پر ایسا تابعی عالم جو روایت میں حد درجہ محتاط ہو۔

---

# احد ادمعده، نفیا و اثباتاً

شوہر اور قرابت داروں کا سوگ اور اس کے شرائط و مسائل

صحیحین میں حمید بن نافع زینب بنت ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ذیل کی تین حدیثیں روایت کیں،

زینب کہتی ہیں:

۱۔ المؤمنین ام حبیبہؓ کی مثال میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئی جب ان کے والد ابوسفیان کی وفات ہوئی تھی، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خوشبو منگوائی، ایک جاریہ نے وہ ان کے لگائی، پھر ان کے دونوں رخسار پر اسے لگایا، حضرت ام حبیبہ نے فرمایا۔

”خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں تھی، مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسر منبر فرماتے سنا ہے، کہ آپؐ فرما رہے تھے جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے سوائے شوہر کے کہ اس کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے۔“

زینب کہتی ہیں،

۲۔ حضرت زینب بنت جحش کی مثال پھر میں زینب بنت جحش کی خدمت میں ایک مرتبہ

حاضر ہوئی جب ان کے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا، انھوں نے خوشبو منگوائی، اور اسے لگایا، پھر فرمایا: خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں تھی، مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے آپؐ برسر منبر فرما رہے تھے، کسی ایسی عورت کے لیے جو خدا، اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے حلال نہیں ہے کہ میت کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے، سوا شوہر کے کہ اس کے سوگ کی مدت چار مہینے

دس روز ہے۔

۳۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ | زینب کہتی ہیں میں نے اپنی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ فرمایا ہی نفیس کہ ایک عورت ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے عرض کیا،

”یا رسول اللہ میری بیٹی بیوہ ہو گئی ہے، وہ مرض چشم میں مبتلا ہے کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے

— ؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، :

”نہیں، — نہ ایک مرتبہ نہ دو مرتبہ، نہ تین مرتبہ!“

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا، :

شوہر کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے،

میثقت کا سوگ تین دن سے زیادہ نہیں کرنا چاہیے | صحیحین میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا میثقت کا سوگ کوئی عورت تین دن سے زیادہ نہ منائے سوا شوہر کے، جس کا سوگ چار مہینے دس دن تک کا ہے، اور اس عرصہ میں نہ کوئی رنگا ہوا کپڑا استعمال کرے، نہ سرمہ لگائے، نہ خوشبو استعمال کرے، سوا طہارت کے لیے تھوڑی سی قسط یا انحصار کے۔

سوگ کی مدت میں سرمہ سے پرہیز | سنن ابوداؤد میں ابن وہب کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں مجھے — انھوں نے اپنے والد سے

روایت کیا کہ میں نے میسرہ بن منہاک سے سنا، وہ کہتے تھے، مجھے ام حکم بنت اسید نے اپنی ماں کے حوالہ سے خبر دی کہ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اور ان کی آنکھیں خراب تھیں، تو انھوں نے جلا کا سرمہ لگایا اور اپنی خادمہ کو، سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور دریافت کر لیا کہ جلا کا سرمہ لگا سکتی ہیں،

حضرت ام سلمہ نے جواب دیا، جب تک شدید ضرورت نہ ہو کوئی سرمہ نہ لگائیں، اور اگر لگائیں۔ (شدید ضرورت کے باعث) تو رات کو لگائیں، اور دن کو پونچھ دیں،

اس سنت سے حاصل شدہ احکام | یہ سنن احکام عیدہ کی حامل ہے۔  
 ایک یہ کہ میت کا سوگ، خواہ وہ کیسا ہی  
 قرابت دار کیوں نہ ہو، تین دن سے زیادہ نہ منانا چاہیے، سوا شوہر کے، اس کا سوگ چار مہینے دس دن  
 کا ہے۔

— سوگ کی دو قسمیں ہیں، ایک واجب ہے ایک جائز، شوہر کا سوگ واجب ہے، دوسروں  
 کا جائز ہے،  
 — دوسرا نکتہ مقدار احداد (سوگ) سے متعلق ہے، پس احداد زوج (شوہر کا سوگ)  
 عزیمت ہے، اور دوسروں کا سوگ رخصت،!

بیوہ کے سوگ پر اجماع امت | بیوہ کے لیے سوگ منانے پر ساری امت کا اجماع ہے، بجز  
 اس روایت کے جو حسن ادریہ حکم بن عیینہ کی ہے۔

حسن کی روایت یوں ہے کہ حماد بن سلمہ حمید سے روایت کرتے ہیں کہ تین طلاقیں والی عورت  
 اور بیوہ، سہرہ بھی لگا سکتی ہیں، کنگھی بھی کر سکتی ہیں، خوشبو بھی استعمال کر سکتی ہیں، خضاب بھی لگا  
 سکتی ہیں، جہاں چاہیں نقل مکانی بھی کر سکتی ہیں، جو چاہیں کر سکتی ہیں،  
 حکم کی روایت یوں ہے کہ شعیبہ ان سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ کے لیے کوئی سوگ نہیں  
 ہے۔

تین دن کے بعد سوگ ختم | ابن حزم کہتے ہیں کہ اس قول کے جو لوگ علم دار ہیں، وہ عبد اللہ  
 بن شداد بن الہاد کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں،!  
 ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب کی بیوی سے فرمایا کہ جب تین دن گزر  
 جائیں، تو جو چاہو پہن سکتی ہو،!“

اور حماد بن سلمہ نے حجاج بن ارطاة سے انھوں نے حسن بن سعد سے انھوں نے عبد اللہ بن شداد  
 سے روایت کی کہ اسماء بنت عمیس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ جعفر پر روئیں، یہ  
 اسرار ان کی بیوی تھیں، آپ نے تین دن کی اجازت دے دی، پھر تین دن کے بعد ان سے کہلایا



کہ اب غسل کریں، لباس بدلیں، اور سر نہ لگائیں، —!،

لیکن اس استدلال کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث احادیث  
لیکن یہ حدیث منسوخ ہے | اعداد سے منسوخ ہے، جن میں سوگ کی تفصیل بتائی گئی ہے

اور جو اوپر گزر چکی ہے۔

نیز اس استدلال میں ایک خامی یہ ہے کہ یہ منقطع ہے، کیونکہ اس کے آخری راوی عبداللہ بن  
شہاد بن الہادیہ اور انھوں نے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کچھ سنا، نہ آپ کی زیارت  
کی، پھر یہ حدیث ان احادیث صحیحہ پر کس طرح تقدم حاصل کر سکتی ہے، جن میں کوئی طعن نہیں  
ہے؟

اسی طرح حجاج بن ارطاة کی حدیث، ان احادیث کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی، جو ائمہ حدیث  
کی روایت کردہ ہیں، اور ہر طرح کے شک و شبہ سے بالا ہیں،

سوگ عدت کا تابع ہے | — سوگ، تابع ہے عدت کا، جو مہینوں کے حساب سے  
ہو، پس حاملہ کے وضع حمل کے بعد، عدت اور احادیث دونوں

ساقط ہو جائیں گے، اب وہ بناؤ نگھار بھی کر سکتی ہے۔ خوشبو بھی استعمال کر سکتی ہے، اور شادی  
بھی کر سکتی ہے۔

ہر عورت پر احادیث کا نفاذ ہوگا | احادیث کا نفاذ ہر طرح کی بیویوں پر ہوگا، خواہ وہ مسلمہ ہوں یا  
کافرہ، آزاد ہوں، یا باندی، کم سن ہوں، یا سن، جمہور کا

قول یہی ہے، امام احمد، امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہ قول ہے۔

لیکن ابن اشہب اور نافع اس سے اختلاف کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ذمیہ پر کوئی سوگ نہیں

ہے۔

اشہب نے مالک رحمۃ اللہ سے روایت کیا ہے اور امام ابو حنیفہ کا قول بھی یہی ہے کہ ذمیہ پر

پر بھی سوگ نہیں ہے۔

**کیا کافرہ اس حکم کی مکلف نہیں** { اس قول کے جو اصحاب علمبردار ہیں وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ان عورتوں کو دیا ہے جو خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہوں، لہذا کافرہ کو حکم احکام کا مکلف نہیں قرار دیا جاسکتا، وہ وہی کرے گی جو اس کے دین و شریعت کا مقتضا ہے۔

لیکن جو لوگ احکام کو ذمہ پر واجب گردانتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ مسلمان شوہر کا حق ہے جو اسے ادا کرنا چاہیے، اس کی مثال غیر مسلموں کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی ہے، اور معاہدے کی صورت میں غیر مسلم احکام اسلام کے تابع ہیں اگرچہ ان کے باہمی عقود میں اسلام مداخلت نہیں کرے گا۔ اگر ذمہ اپنے ذی شوہر کی عدت نہ منائے تو اس سے باز پرس نہ ہوگی، لیکن مسلمان شوہر کی عدت گزارنے پر وہ مجبور ہے،

**باندی اور ام ولد پر سوگ نہیں** { ”سوگ، باندی، اور ام ولد پر واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں باقی عدہ بیویوں میں شمار نہیں کی جاسکتیں۔“

ابن منذر کہتے ہیں یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اگر سوال کیا جائے کیا باندی اور ام ولد تین دن کا سوگ منائے گی؟ تو جواب اثبات میں ہوگا، کیونکہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کیا جاسکتا، صرف شوہر کا سوگ چار مہینے دس دن کا ہے، لہذا باندی اور ام ولد اس گروہ میں داخل ہیں جن کے لیے احکام جائز ہوں اس گروہ میں نہیں شمار ہوں گی، جس پر واجب نہیں ہے،

**خوشبو سے سوگ کے درمیان میں اجتناب لازم ہے** { وہ چیزیں جن سے حادثہ (سوگ منانے والی) کو اجتناب

کرنا چاہیے، وہ نص سے ثابت ہیں، نہ کہ آراء و اقوال بے دلیل سے۔

ان میں ایک خوشبو ہے، خوشبو میں مشک، عنبر، کافور، بنجور، اور خوشبودار تیل وغیرہ شامل ہیں لیکن زیتون اور گھی وغیرہ شامل نہیں ہے۔

**زہر زہر بدن سے بھی پرہیز کرنا چاہیے** { — دوسری چیز زہر زہر بدن سے، لہذا

سوگ منانے والی عورت پر خضاب، نقش، تطریف وغیرہ حرام ہیں،  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کے بارے میں خاص طور پر تنبیہ کی ہے، کیونکہ اس سے  
زینت کا بھرم بہت بڑھ جاتا ہے، درحقیقت یہ بہت بڑا فتنہ ہے، اور مقصود سوگ کی ضد  
ہے۔

اسی طرح سرمہ بھی ہے، اس کی ممانعت نص صحیح و صریح سے ثابت ہے۔

**بعض اصحاب شافعی کا قول** | چنانچہ سلف و خلف کے ایک گروہ نے جس میں ابو محمد ابن  
حزم بھی ہیں، کہا ہے کہ سوگ منانے والی عورت سرمہ نہ لگائے

نہ دن کو، نہ رات کو، خواہ اس کی آنکھیں کیوں نہ ضائع ہو جائیں، کوئی شبہہ نہیں سرمہ خوشبو کی  
طرح بہت بڑی زینت ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ،

بعض شافعی اصحاب کا قول ہے کہ سیاہ رو عورت سرمہ لگا سکتی ہے، لیکن یہ تصرف ہے اور  
مخالفت نص ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اسود و ایض کے مابین کوئی تفریق  
نہیں کرتے، جس طرح بلند قامت اور سپتہ قد کے درمیان کسی طرح کا فرق جائز نہیں رکھتے۔

**جمہور علماء کا مسلک** | لیکن جمہور علماء، مثلاً، مالک، احمد، شافعی، اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ اور  
ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ عورت اگر مجبور ہو جائے سرمہ لگانے پر  
تو دوا کے طور پر نہ کہ زینت کے طور پر لگا سکتی ہے، لیکن رات کو لگائے، اور دن کو پونچھ ڈالے،  
دلیل میں یہ حضرت ام سلمہ کی حدیث پیش کرتے ہیں، جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے،

**زینت لباس بھی ممنوع ہے** | ایک اور ممنوع چیز، زینت لباس ہے، جس سے نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے روکا ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ اس مدت میں  
رنگا ہوا کپڑا استعمال کیا جائے، اور یہ عام ہے، اس میں تمام رنگے ہوئے کپڑے آ جاتے ہیں

لے یہ غیر ضروری قسم کی انتہا پسندی ہے، جو اسلام کی روح کے منافی ہے، اسلام کے نزدیک انسان  
کی جان سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں، اور زندگی بچانے کے لیے انسان مہیات شرع تک از رکاب  
کر سکتا ہے۔

سرخ، زرد، سبز، نیگوں سب ہر وہ رنگ جس سے تھیں اور ترئین ہلکتی ہو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، حسب روایت ابو طالب فرماتے ہیں معتدہ عورت زمانہ عدت میں نہ زینت کی طرف توجہ کرے، نہ خوشبو

کا استعمال کرے، نہ سرمہ لگائے نہ خوشبودار تیل برتے، صرف ایسا تیل استعمال کر سکتی ہے جو خوشبو نہ رکھتا ہو، نہ مشک اور زعفران کے قریب جائے، لیکن جس عورت کو ایک طلاق دی گئی ہو، یا دو طلاقیں دی گئی ہوں، وہ بناؤ سنگار کر سکتی ہے، کہ مبادا شوہر رجعت کر لے،

ایک اور ممنوع چیز نقاب ہے،

خرقی نے اپنی، مختصر، میں لکھا ہے،

**بناؤ سنگار سے احتراز کرنا چاہیے**

”بیوہ عورت کو خوشبو سے، زینت سے، اور کسی دوسرے گھر میں رات گزارنے سے اجتناب

کرنا چاہیے، نیز سرمہ اور نقاب سے مجتنب رہنا چاہیے،“

لیکن امام احمد سے اس طرح کی کوئی نص مجھے نہیں ملی، اسحاق بن مافی نے ”مسائل“ میں

لکھا ہے،

”میں نے ابو عبد اللہ سے، دریافت کیا آیا عورت زمانہ عدت میں نقاب استعمال کر سکتی ہے؟

تیل کا استعمال کر سکتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا، ”کوئی حرج نہیں ہے۔“ لیکن اسے مکروہ خیال کیا کہ بیوہ عورت زمانہ عدت میں بناؤ سنگار کرے۔

ابو محمد نے معنی میں کہا ہے کہ سوگ منانے والی عورت کو جن چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے

ان میں نقاب بھی ہے، اور اس سے ملتی جلتی چیز بھی، مثلاً برقع اس لیے کہ معتدہ محرمہ سے مشابہ ہے،

اور محرمہ کے لیے یہ چیزیں منع ہیں، اگر اسے منہ ڈھکنے کی ضرورت ہو تو چادر کا گوشہ لٹکالے، یا جیسے محرمہ کرتی ہے۔“

۱۔ اسلام کے احکام مصالح عمومی، اور صلاح و فلاح اقرار و معاشرہ پر مبنی ہیں، انہی میں

سے شوہر کی وفات کے بعد سوگ منانا اور عدت گزارنا بھی ہے۔



دوسرے مذاہب میں بیوہ عورتوں کا چہرہ مسخ کر دیا جاتا ہے، ان کی زندگی اجیرن کر دی جاتی ہے، انہیں نہ صرف سوسائٹی میں، بلکہ اپنے گھریں، اپنے باپ اور بھائی کے گھر میں اچھوت کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، انہیں منحوس سمجھا جاتا ہے، ان کے سایہ سے بچا جاتا ہے، انہیں بدترین لعنت تصور کیا جاتا ہے،

اسلام نے ان تمام چیزوں کو لغو اور باطل قرار دیا ہے، اور کسی حالت میں بھی بیوہ عورت کو سزاوار مصیبت نہیں قرار دیا ہے، عدت کی مصلحت یہ ہے کہ،

۱۔ اس مدت میں عورت اپنے متاثرات غم و الم پر قابو پالے۔

۲۔ اگر حاملہ ہو، تو اس کے بارے میں یقین ہو جائے۔

اس مختصر سے مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ آزاد ہے، جس سے چاہے شادی کر لے، پھر اسے

نشاط حیات سے لطف اندوز ہونے کا اتنا ہی حق ہے، جتنا کسی اور کو ہو سکتا ہے،،

# استبرار

## ایک نہایت اہم اور فکر انگیز فقہی مسئلہ

صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے موقع پر ایک لشکر اوطاس بھیجا، دشمن سامنے آیا۔ جنگ ہوئی، مقابلہ ہوا، مسلمان غالب آئے اور بہت سے قیدی ان کے ہاتھ آئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔۔۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ اَلَا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ

یعنی یہ (مشرکوں کی) عورتیں تم پر حلال ہیں جب یہ عدت کا زمانہ پورا کر لیں۔  
ترمذی میں سرباض بن ساریہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی (مشرکین کی) عورتوں سے اس وقت تک تمتع کی ممانعت فرمائی جب تک وہ وضع حمل نہ کر لیں۔

مسند میں ابوداؤد میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی قیدی عورتوں کے بارے میں فرمایا:

”کسی حاملہ عورت سے تمتع نہ کیا جائے جب تک وہ وضع حمل نہ کرے۔ اور نہ غیر حاملہ سے خلوت کی جائے جب تک اسے ایک حبض نہ آجائے۔“

ترمذی میں رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنا پانی دوسرے کے لٹر کے کو نہ پلائے۔“

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

سنن ابوداؤد کی ایک حدیث | سنن ابوداؤد کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ،

” جو کوئی اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میدان جنگ سے گرفتار ہو کر آنے والی عورتوں میں سے کسی سے اس وقت تک تمتع کرے جب تک اس سے استبراء نہ کر لے ،

بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عمرؓ کی ایک حدیث درج کی ہے ، جس میں ہے کہ کنواری عورت کے لیے استبراء کی ضرورت نہیں ہے ۔

عبدالرزاق معمر سے اور وہ طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مغازی کے موقع پر ایک منادی بھیجا جو ندائے رہا تھا کہ کوئی شخص کسی حاملہ یا غیر حاملہ (میدان جنگ سے گرفتار کی ہوئی عورت سے) تمتع نہ کرے ، جب تک اسے حیض نہ آجائے ۔

سفیان ثوری ، زکریا سے اور وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو جنگ اور طاس کے موقع پر بہت سے قیدی ہاتھ آئے ( ان میں عورتیں بھی تھیں ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حاملہ عورت سے اس وقت تک تمتع نہ کیا جائے جب تک وہ وضع حمل نہ کر لے ، اور غیر حاملہ سے اس وقت تک تمتع نہ کیا جائے جب تک اسے حیض نہ آجائے ۔

سنن بالا سے متضمن احکام علیہ |  
یہ سنن متعدد احکام و مسائل پر مشتمل ہیں :

(۱) میدان جنگ سے گرفتار کی ہوئی کسی قیدی عورت  
استبراء کے بغیر تمتع کی اجازت نہیں | سے اس وقت تک جماع نہیں کیا جاسکتا جب تک

۱۔ استبراء کے لفظی معنی ہیں طلب برأت

اصطلاحی مفہوم اس کا یہ ہے کہ جب تک رحم کی برأت نہ حاصل کر لے۔ یعنی یہ نہ معلوم کر لے کہ یہ عورت کسی دوسرے شخص کے بیٹے کی ماں بننے والی تو نہیں ہے ، اس سے تمتع نہ کرے ، تا کہ نسب محفوظ رہے ، مشکوک نہ رہے ۔

۲۔ آج سے ۱۴ سو برس پہلے جب اسلام نمودار ہوا تھا ۔ تب دنیا کا آئین جنگ کیا تھا ؟  
دنیا کا آئین جنگ یہ تھا کہ ” جنگ میں سب کچھ جائز ہے “ ( باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر )

استبصار یعنی برات رحم نہ کر لی جاتے، بالفاظ دیگر یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ کسی کے حمل سے تو نہیں

پہنچنا بچہ بغیر اعلان کے جنگ کر دینا، جنگ مطلوب ہو تو معاہدہ صلح کو بغیر کسی سبب کے توڑ دینا، دوران جنگ میں اچانک دشمن پر جا پڑنا۔ جنگ کی حالت میں ان لوگوں کو بھی قتل کر دینا جو جنگ آزمانہ ہوں مغلوب حریف کے کھیتوں کو جلا دینا، مکانوں کو لوٹ لینا، زن و فرزند کو غلام اور باندی بنالینا، ملوکہ چیزوں پر قبضہ کر لینا، بوڑھے، نہ خنی، تاکارہ، مردوں اور بوڑھی، تاکارہ اور بد صورت عورتوں کو قتل کر دینا، مغلوب حریف کی عورتوں سے بدکاری اور زنا کا ارتکاب کرنا شعار عام تھا؛

اور اب کہ دنیا، نہضت و ارتقا کی تمام منزلیں طے کر چکی ہے، انسان حد درجہ شائستہ اور مہذب ہو چکا ہے، اقدار انسان کی عظمت اور تقدس کا سورج چمک رہا ہے۔ بد ریت کا دور ختم ہو چکا ہے اور انسانیت کی سیر فرماں روائی پر متمکن ہے۔ دینا کا آئین جنگ دیہیکار کیا ہے؟

پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴-۱۸ء اور دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹-۴۵ء اسی صدی کا واقعہ ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے اثرات دیکھنے والے..... میدان جنگ میں شریک ہو کر داد و درغایا داد و شجاعت دینے والے ہزار لوگ ابھی زندہ ہیں۔

دوسری جنگ عظیم تو گویا ابھی کل کا واقعہ ہے اس کے واقعات و حوادث، خون آشامیاں، اور سفاکیاں لوگوں کے حلقے میں ابھی تازہ ہیں، اخبارات کے فائلوں میں موجود ہیں۔ تازہ بہ تازہ اور نوبو فلموں میں ان کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے۔

پہلی جنگ عظیم میں قیصر ولیم نے بلجیم اور دوسرے معاہدہ ملکوں کی سر زمین اس لیے پامال کر دی کہ اس کے ”مصالح جنگ“ کا تقاضا یہی تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں، ہٹلر نے یہودیوں پر جو مظالم توڑے، اور جمہوریت پسندوں کے ساتھ جو سلوک کیا، جنگی قیدیوں کو جس طرح نرٹیا تڑپا کر مارا اور ہلاک کیا اور ان کے خاک و خون میں غلطاں ہونے کا تماشا دیکھا۔ مسولینی نے جس طرح اعلان دوستی کے باوجود یورپ کے داخلہ مسلم ملک البانیہ کو فتح کر لیا، اور اس کا مرانی پر تازاں رہا۔ طرابلس الغرب کے حریت یاب عربوں پر جو ننگ انسانیت مظالم توڑے، روس نے جس طرح بے وجہ اور بے سبب مفتوح قوموں کی عزت و آبرو، اور ثروت و دولت لوٹی اور اپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ جو لہزہ خیز مظالم روا رکھے — حد یہ ہے کہ جاپان کے ہزاروں جنگی قیدیوں کا جو روس نے گرفتار کر لیے تھے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



(ناکہ پیدا ہونے والی اولاد کا نسب محفوظ رہے) اگر وہ حاملہ ہے تو اسے برار رحم کے لیے وضع حمل (حاشیہ) آج تک پنا نہیں چل سکا کواہیں زمین کھا گئی، یا آسمان نکل گیا — جاپان نے دوسری جنگ عظیم سے حاصل شدہ دور کشور کشائی اور جہاں بانی میں، اپنے مفتوحہ ممالک، برما، ملائیا، جاوا، سماٹرا، بورنیو، وغیرہ (یہ علاقہ اب انڈونیشیا کہلاتا ہے) کے ناکرہ گناہوں کے ساتھ جو سلوک مرعی رکھا، ان کے مردوں، عورتوں اور بچوں پر، جو بے پناہ مظالم توڑے، ان کے نام ہندو جنگی قیدیوں کے ساتھ جو روح فرسا سفایاں جائز رکھیں، جنگی کیمپوں میں، ہندوستانی اور پاکستانی قیدیوں کو جس طرح بدف ستم بنایا، جس درندگی اور بربریت کے ساتھ ان کی متاع حیات اور متاع عصمت لوٹی، وہ تاریخ کا ایک ناقابل فراموش صفحہ ہے۔

اس طرح امریکہ نے ایٹم بم پھینک کر، جس طرح ناگاساکی اور ہیروشیما کو پیوند زہین بنایا اور دوسری جنگ عظیم کو کامیابی کے ساتھ ختم کرنے کا سہرا اپنے سر باندھا، اس سے کون ناواقف ہے؟ اس دوسری جنگ عظیم کے اختتام کے بعد، امریکہ، برطانیہ، فرانس، اور روس نے جس طرح جرمنی اور کوریا اور چین کے حصے بخرے کیے، وہ اس وقت تک فراموش نہیں ہو سکتے، جب تک مغربی اور مشرقی جرمنی، شمالی اور جنوبی کوریا کیونسٹ چین اور فارموسا موجود ہیں۔

مانا کہ وقت ذبح پتیدن گناہ من

دانستہ دشمنہ تیز نہ کردن گناہ کیست ؟

آج کی دنیا، آج کا یورپ، اور آج کی ترقی یافتہ اور مہذب و متمدن اقوام کی زبان پر عظمت انسانیت کے ترانے ہیں، اس نے دونوں جنگوں میں انسانیت کی عظمت کو کس طرح پاؤں تلے روندنا یہ معلوم ہو گیا۔

آج کی دنیا، آج کے یورپ، اور آج کی ترقی یافتہ اور مہذب و متمدن اقوام کی زبان پر، عورت کی عظمت کا ترانہ ہے۔

لیکن اس نے اس دور جنگ آزمائی میں، مظلوم، بے گناہ، تقدس مآب اور با عظمت عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا اسے بتانے کی ضرورت ہے؟

جاپان کے دلاوروں نے، جس طرح اقوام مفتوحہ کی خواتین کی آبروریزی کی اس سے (باقی اگلے صفحہ پر)

کافی ہے۔ اگر حاملہ نہیں ہے تو استبرار رحم کے لیے، ایک حیض کا آنا ضروری ہے۔

(بقیہ حاشیہ) کون تاواقف ہے؟

مسوینی کے مردان جنگی نے حبش میں، بدکاری کا ریکارڈ قائم کر دیا، یہاں تک کہ نمائندگان صحت پیچھے اٹھے، اس ملک میں ۲۱ سال سے زیادہ عمر کی کسی لڑکی کے لیے دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ باعصمت ہے، جاپان اختتام جنگ کے بعد امریکہ کے قبضہ میں چلا گیا، امریکی فوجیں جنرل میکارتھر کی سربراہی میں جاپان پر قابض ہو گئیں۔ مقبوضہ جاپان ۱۰ کو پائیڈ جاپان ۲۱ میں امریکی سپاہیوں نے ہلکاری، اور آبروریزی کے جوشاندار کارنامے انجام دیے انھیں دیکھ کر جاپانی قوم کی طرح غلام جاپانی پولیس تک خاموش نہ رہ سکا۔ وہ فریاد کرنے پر مجبور ہو گیا کہ آج جاپان میں کوئی باعصمت عورت ڈھونڈنے سے بھی بہ مشکل دستیاب ہو سکے گی۔

پھر یہی نہیں فاتح قوم کے عیاش سپاہی، جب اپنے اپنے ملک، شادماں اور کامراں واپس ہوئے تو وہ ان عورتوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکے، جن سے انھوں نے برد و رغبت نہیں بہ جبر و اکراہ تعلقات قائم کیے تھے، اور ان تعلقات کی یادگار کی صورت میں، ان کے صلب اور عورتوں کے بطن سے اولادیں بھی پیدا ہو چکی تھیں۔

ان ہزار لڑکوں اور لڑکیوں کو پھوڑیے، جن کی مائیں نامعلوم سپاہیوں کے طفیل ماں بننے پر مجبور ہوئیں، ان ہزار بالڑکوں اور لڑکیوں کو نگاہ کے سامنے لائیے، جو معلوم اور معروف سپاہیوں کی رفیقہ عشرت بنیں، جن کے صلب اور بطن سے باقاعدہ اولادیں پیدا ہوئیں، پھر بھی، دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہے۔

فاتح قوم کا وقار بھی تو کوئی چیز ہے۔

مفتوح قوم کو شکست کی ذلت سے بھی تو دو چار ہونا چاہیے، کیا انسانیت کی عظمت فاتح اور مفتوح کو ایک کرے گی؟

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا — فاتح، فاتح ہے، مفتوح، مفتوح، اور یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکتے۔

یہ حال تو ہے آج کا! — جب کہ غلامی ختم ہو چکی ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر جنگی قیدی عورت غیر جائزہ ہو (۲) لیکن گرفتار شدہ عورت اگر ذوات میں سے نہ ہو، یعنی اس عمر کو نہ پہنچی ہو کہ جائزہ ہو سکے، تو

(دقیقہ حاشیہ) لیکن ذرا آج سے ۱۴ سو برس پہلے کے عہد مظلمہ پر ایک نظر ڈالیے، جب اسلام نمودار ہوا تھا!

اسلام کا آئین جنگ کیا تھا؟

(۱) بغیر اعلان کے جنگ نہیں کی جاسکتی۔

(۲) اپنی طرف سے معاہدہ فسخ نہیں کیا جاسکتا، دشمن خود فسخ کر دے تو یہ دوسری بات ہے۔

(۳) مسلمان فوجیں دشمن کے علاقہ میں ہرے درخت نہیں کاٹ سکتیں، کھیت نہیں جلا سکتیں، کشت و خون کا بازار نہیں گرم کر سکتیں،

(۴) دشمن قوم کی عورت نہیں قتل کی جاسکتی، بچہ نہیں قتل کیا جاسکتا، بوڑھا نہیں قتل کیا جاسکتا۔

(۵) بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب نہیں کیا جاسکتا۔

(۶) طالب اماں دشمن کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔

(۷) جو ہتھیار ڈال دے اسے قتل نہیں کیا جاسکتا،

(۸) دشمن کی درخواست صلح رد نہیں کی جاسکتی۔

(۹) جو لوگ میدان جنگ میں گرفتار ہوں، انھیں "کنسنٹریشن کیمپ" میں قید نہیں رکھا جاسکتا،

جب تک ان کے فدیہ بارہائی کا فیصلہ نہ ہو جائے وہ مہمان ہیں۔ وہ مسلمانوں میں تقسیم ہو جائیں گے،

اور وہ انھیں مہمان کی طرح رکھیں گے، جو خود کھائیں گے وہی کھلائیں گے، بلکہ اگر مالی حالت درست

نہ ہو تو مہمان کو کھلائیں گے، خود قافہ کر لیں گے، جیسا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں نے کیا تھا

(۱۰) دشمن کے جو سپاہی گرفتار ہو کر غلام بن جائیں، ان سے کوئی ایسی مشقت نہیں لی جاسکتی

جو ان پر گراں ہو۔ اور اگر ایسی مشقت کی جائے تو مالک خود بھی ان کا ہاتھ بٹائے، جیسا کہ بخاری اور

مسلم کی احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔

(۱۱) ان غلاموں کو بھی آقا وہی کھلائے گا جو خود کھائے گا، وہی پہنائے گا جو خود پہنے گا۔

(۱۲) جو عورتیں باندی بنیں گی، ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوگا، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (باقی اگلے صفحہ پر)



اس کے بارے میں اختلاف ہے

وہ عورت جو باکرہ ہو (کنواری ہو)، اور جس کی برأت رحم کا علم ہو، اس سے تمتع جائز ہے۔

(بقیہ حاشیہ) (۱۳)، ماں اور بچہ میں تفریق نہیں کی جاسکتی۔

(۱۴) اس سے اس وقت تک جماع نہیں کیا جاسکتا، جب تک استبراء رحم نہ کر لیا جائے۔

یہ نہیں کہ ادھر فاتح فوج نے قدم رکھا، ادھر جو عورت سامنے آئی وہ باندی بن گئی،  
غیر مصحافی علاقہ کی کوئی عورت باندی نہیں بنائی جاسکتی۔ صرف قیدی عورتیں باندی بنائی جاسکتی ہیں۔  
اور ان سے بھی باندی بننے کے فوراً بعد مباشرت نہیں کی جاسکتی۔ کم از کم ایک حیض تک آقا کو  
انتظار کرنا پڑے گا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ آیا یہ حاملہ ہے یا نہیں؟

اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک حرام ہے۔ حاملہ نہیں ہے تو ایک حیض تک حرام ہے۔

یہ احتیاط، یہ انتظار، یہ پابندی کیوں؟

کیا باندیوں کے لیے بھی احتیاط، انتظار، اور پابندی کی ضرورت ہے؟ وہ تو جائداہیں  
انہیں ہر وقت اور ہر طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

لیکن اسلام اسے نہیں مانتا۔

اسلام کے نزدیک عورت محترم ہے، اس کا ہونے والا بچہ محترم ہے اور جس نے اسے خرید لیا  
یا پایا ہے۔ وہ بھی محترم ہے۔

اور اس احترام کا تقاضا یہ ہے کہ احتیاط، انتظار اور پابندی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے  
جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب محفوظ رہے۔ اس پر زہر بان طعن نہ دراز کی جاسکے۔

اگر مسولینی کی فوجوں نے حبش میں، ہٹلر کی فوجوں نے فرانس میں۔ امریکی سپاہیوں نے جاپان میں  
روس کے جو اناں تیغ زن نے مفتوحہ علاقوں میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہوتا تو کیا پھر بھی ان کی مفتوحہ  
قوموں اور ملکوں میں جبری بدکاری اتنی عام ہو سکتی تھی؟

غلامی، غلاموں اور باندیوں کے بارے میں اسلام کے احکام، انسانیت کی عظمت کا  
وہ چارٹر ہیں جو آج بھی دنیا کی ہر قوم کے لیے دلیل راہ ہیں۔ اور آئندہ بھی اس شمع کی روشنی سے رہروں  
کی جائے گی۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ استبراء کا مقصد یہ ہے کہ برأت رحم کا علم حاصل ہو جائے۔ پس جب مالک کو برأت رحم کا یقین ہو گیا، تو وہ اس سے تمتع کر سکتا ہے۔ اب استبراء کی ضرورت نہیں، جیسا کہ عبدالرزاق معمر سے، وہ ایوب سے، وہ نافع سے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ باندی اگر غدرہ (کنواری، دوشیزہ) ہو تو اس سے استبراء رحم کی ضرورت نہیں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث [زید سے، وہ ایوب سے، وہ عبداللہ اللخمی سے وہ بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حاد بن سمہ علی بن

ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ جلولاء میں ایک جاریہ میرے حصہ میں آئی، اس کی گردن ایسی تھی جیسے چاندی کی صراحی، ابن عمر کہتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو اس کا بوسہ لینے سے نہ روک سکا، حالانکہ لوگ کھڑے دیکھ رہے تھے۔

استبراء کے قواعد اور فروع [اب ہم استبراء کے قواعد اور فروع کا ذکر کرتے ہیں۔ ابو عبد اللہ مازنی اس موضوع پر ایک پورا باب باندھا ہے۔ ہم اسے

بلفظ نقل کرتے ہیں :

”اس مسئلہ میں قول جامع یہ ہے کہ ہر باندی جس کے حاملہ نہ ہونے کے بارے میں اطمینان ہو، اس پر استبراء واجب نہیں ہے اور جس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ حاملہ ہے، یا اس کے حاملہ ہونے کا شک ہو یا تردید ہو تو اس کے لیے استبراء لازم ہے۔

اور جس کے بارے میں ظن غالب تو برأت رحم کا ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ آقا اگر چاہے تو استبراء کر سکتا ہے۔ غرض اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک ثبوت

(بقیہ حاشیہ) اور اسلام کے یہ احکام، صرف صفحہ قرطاس کی زینت نہیں ہیں ان پر عمل بھی ہوا۔ اور نہایت امانت داری کے ساتھ ہوا، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن دلوں کے دروازے اسلام کے لیے بند تھے وہ کھل گئے، جو اسلام کے دشمن تھے وہ مسلمان بن گئے، جن کی نظر میں اسلام سے بڑھ کر بدترین کوئی چیز نہ تھی، وہی اسلام کے پرستار بن گئے پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے۔

استبراء کا، دوسرا سقوط کا!

اس اصول پر فروع مختلفہ کی تخریج ہوتی ہے۔ مثلاً:

آٹھ اور وہ صغیرہ جو مجامعت کی طاقت رکھتی ہو۔ اس بارے میں صاحب جوابہ کا قول ہے کہ صغیرہ میں استبراء واجب ہے اگر وہ سن حمل کے قریب پہنچ چکی ہو، مثلاً اس کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال کی ہو، اور اس صورت میں استبراء واجب ہوگا اگر وہ جماع کی اہلیت رکھتی ہو۔ لیکن ۹-۱۰ سال کی لڑکی اس سے مستثنیٰ ہے۔

غرض اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں، ابن القاسم کی ایک روایت اثبات کی ہے اور ابن عبدالحکم کی دوسری نفی کی، لیکن اگر صغیرہ جماع کی برداشت نہ رکھتی ہو تو پھر استبراء اس کے لیے ضروری نہیں ہے۔

**آٹھ کے لیے بھی استبراء واجب ہے** | لیکن جو عورت سن حیض سے متجاوز نہ ہو چکی ہو اور سن آٹھ کو نہ پہنچی ہو، اس کے لیے بھی استبراء واجب ہے۔ مثلاً جس کی عمر چالیس، یا پچاس سال کی ہو چکی ہو۔

لیکن جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو، آیا اس کے لیے استبراء واجب ہے، یا نہیں؟ اس باب میں دو قول ہیں جو ابن القاسم اور ابن عبدالحکم کے ہیں۔ مازنی کہتے ہیں جو صغیرہ مجامعت کی استطاعت رکھتی ہو، اس کا اور آٹھ کا استبراء اس لیے واجب ہے کہ تادر طور پر سہی لیکن وہ بھی حاملہ ہو سکتی ہے۔ اسی طرح باندی کا استبراء بھی ہے اس اندیشہ سے کہ ممکن ہے اس نے زنا کیا ہو۔ لہذا سوطن کی بنا پر اس کا استبراء ضروری ہے۔

اسی طرح جس باندی کو محبوب (نامرد) نے خریدا ہو، یا کسی عورت نے خریدا ہو، یا ذومحرم نے خریدا ہو، تو اس کے وجوب میں امام مالک سے دو

روایتیں ہیں۔

اسی طرح مکاتبہ لے کا استبرار ہے، جب وہ متصرف ہو، پھر عاجز آجائے اور مجبوراً مالک کے واپس آجائے تو ابن القاسم اس کے لیے استبرار ثابت کرتے ہیں اور اشہب اس کے لیے استبرار کی نفی کرتے ہیں۔

اسی طرح بکر اکنواری کا استبرار ہے، ابو الحسن اللخمی کے نزدیک برہنہ احتیاط مستحب ہے، لیکن واجب نہیں ہے، لیکن امام مالک کے دوسرے اصحاب اسے واجب بتاتے ہیں۔

اسی طرح ام ولد کا معاملہ ہے کہ جب اس کے آقا کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت ایک حیض ہوگی۔

عبد اللہ بن احمد کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے دریافت کیا، ام ولد کی عدت کیا ہوگی؟ جب اس کے آقا کا انتقال ہو جائے؟ یا وہ آزاد کر دے؟ انھوں نے فرمایا اس کی عدت ایک حیض ہے، کیونکہ یہ بہر حال باندی ہے۔

لے مکاتب اور مکاتبہ اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جو اپنے آقا سے یہ معاملہ کر لے کہ اتنی رقم اگر ادا کر دے تو اسے آزادی حاصل ہو جائے گی، پھر وہ محنت مزدوری کر کے، وہ رقم جو طے ہوئی تھی آقا کو — یکمشت یا بالاقساط — ادا کر دے، تو اسے آزادی حاصل ہو جائے گی — کوئی غلام یا باندی اگر مکاتب بننا چاہے تو آقا اسے مکاتب بنانے سے انکار نہیں کر سکتا — اسلام نے ویسے تو غلامی ختم ہی کر دی تھی، لیکن جو غلام باقی تھے ان کے لیے وہ سہولتیں عطا فرمائیں، جو انھیں کبھی اور کہیں حاصل نہ ہو سکی تھیں۔

لے ام ولد وہ عورت ہے، جو باندی ہو، اور آقا کے صلب اور اس کے لطن سے اولاد پیدا ہوئی ہو۔ لے یہ صرف امام احمد کا مسلک ہے، ورنہ احناف، یہاں مسئلہ یہ ہے کہ آقا کا بچہ جلتے ہی وہ خود بخود آزاد ہو جائے گی، اور عقلاً بھی یہی درست ہے۔ ایک آدمی صاحب اولاد ہو، اور اس اولاد کی ماں باندی ہو، پھر اس اولاد کی معاشرہ میں، اور باندی کی اولاد کی کیا وقعت رہ جائے گی،



اگر اس پر حد جاری ہوگی تو باندی کی حد جاری ہوگی لے اور اگر اس کے پیٹ سے اولاد پیدا ہوئی، تو وہ بھی ماں کے درجہ میں ہوگی۔ اس کی آزادی کے ساتھ آزاد غلامی کے ساتھ غلام بن جائے گی لے

**باندی کی عدت** | باندی کی عدت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ یعنی اس کی عدت چار مہینے دس دن قرار دیتے ہیں۔

جو حرہ کی عدت ہے، لیکن یہ پوری عدت اس باندی کی ہے جو غلامی کے حلقہ سے نکل کر آزادی کے دائرہ میں داخل ہو چکی ہو۔

جو لوگ اس کی عدت چار مہینے دس دن قرار دیتے ہیں وہ اسے حرہ کے حکم میں داخل کرتے ہیں اس پر جو احکام مترتب ہوں گے وہ حرہ کے ہوں گے، کیونکہ اس نے عدت باندی کی نہیں حرہ کی گزاری ہے۔

**ام ولد کی عدت** | بعض کا خیال ہے کہ ام ولد کی عدت تین حیض ہے، لیکن یہ ایسا قول ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے، اور ظاہر ہے یہ مطلقہ نہیں ہے اور حرہ بھی نہیں ہے جس کی عدت اللہ نے چار مہینے دس دن مقرر کی ہے۔

اور ام ولد نہ حرہ ہے نہ زوجہ، کہ چار مہینے دس دن کی عدت گزارے۔ وہ ایسی باندی ہے جو غلامی سے آزادی کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ یہ امام احمد رحمہ اللہ کی رائے ہے۔ اس طرح صالح کی روایت میں ہے کہ ام ولد بیوہ یا آزاد ہونے کے بعد ایک حیض کی عدت گزارے گی کیونکہ بہر حال وہ باندی ہے۔ محمد بن العباس کی ایک روایت یہ ہے کہ ام ولد چار مہینے دس دن کی عدت اپنے آقا کی وفات کے بعد

لے آزاد اور غلام کی حد (شرعی سزا) میں فرق ہے۔

آزاد پر پوری مقررہ حد (سزا) جاری ہوتی ہے اور غلام پر صرف نصف۔  
لے یہ بھی صحیح نہیں۔ جب اولاد پیدا کرنے کے بعد وہ خود آزاد ہو گئی، تو اس کی اولاد کی غلامی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔



گزارے گی۔

امام احمد کی ایک تیسری روایت | شیخ نے معنی میں کہا ہے کہ ابوالخطاب نے امام احمد سے ایک تیسری روایت ذکر کی ہے، کہ

ام دو مہینے اور پانچ دن کی عدت گزارے گی، لیکن میں نے یہ روایت احمد سے جامع میں نہیں پائی۔ نہ اسے میں امام احمد سے صحیح خیال کرتا ہوں۔

ایک روایت یہ ہے کہ اگر آقا اپنی باندی کو آزاد کرے، تو جب تک وہ عدت نہ گزارے اس کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا۔

عمر بن العاص کی روایت | جو لوگ ام ولد کی عدت چار مہینے دس دن قرار دیتے ہیں، ان کے قول کی بنیاد عمرو بن العاص کی روایت ہے۔ ابو داؤد نے

عمر بن العاص سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا، ہمارے بنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں فساد مت ڈالو۔ ام ولد کا آقا جب مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے، یہ قول سعید بن محمد ابن سیرین، مجاہد و عمر بن عبدالعزیز، خلاص بن عمرو، راہری، اوراعی اور اسحاق کلہی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ام ولد حرمہ ہے لہذا عدت وفات گزارے گی جو چار مہینے دس دن ہے۔

لیکن عطار، نخعی، ثوری، اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں ام ولد کی عدت تین حیض ہے۔

حضرت علیؑ اور ابن مسعود رحمہم اللہ سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا: "ام ولد کے لیے عدت تو بہر حال ضروری ہے لیکن وہ بیوی نہیں کہ آئین ازدواج میں داخل ہو، نہ باندی ہے کہ نصوص استبراء کنیز میں داخل ہو۔ وہ مطلقہ سے مشابہ ہے لہذا تین حیض کی عدت گزارے گی۔"

ام ولد کی عدت حیض کی ہے | ان اقوال میں صحیح قول یہ ہے کہ ام ولد ایک حیض کی عدت گزارے گی۔ عثمان بن المغان رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نیز حسن شعبی، قاسم بن محمد، ابو قلابہ، مکحول، مالک، شافعی، احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کا قول بھی یہی ہے۔

حدیث عمرو بن العاص کے بارے میں ابن المنذر کہتے ہیں کہ اسے امام احمد نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی مطہر بن طہان البورجار الوراق ہیں۔ لیکن اس راوی کی کئی لوگوں نے تصنیف کی ہے۔ یحییٰ بن معین بھی اسے ضعیف بتاتے ہیں۔

لیکن ابو حاتم الرازی نے اسے صالح الحدیث مانا ہے۔

ابن حبان نے اپنی "کتاب الثقات" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ امام مسلم اس سے حجت لاتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں۔

ایکے راوی حدیث پر نقد و حرج | حضرت علیؑ سے جو حکایت بیان کی گئی ہے اس کے سلسلہ اسناد میں ایک راوی، خلاص بن عمرو ہے، اس کی روایت حدیث میں تکلم کیا جاتا ہے۔ ابوب کہتے ہیں اس کی حدیث قابل قبول نہیں ہے۔ بیہقی نے خلاص کے روایات کو جو حضرت علیؑ سے ہوں، اہل علم کی نگاہ میں ضعیف قرار دیا ہے۔

بہر حال یہ مسئلہ صحابہ کے مابین مختلف فیہ ہے

استبراء سے مقصود برأت رحم ہے | خلاصہ کلام یہ کہ باندی کے استبراء سے مقصود

برأت رحم ہے اور اس کے لیے ایک حیض کافی ہے۔ لہذا نہ اس کے لیے حرہ کی طرح تین حیض کی عدت لازم ہے، نہ کوئی ایسی نص ہے جس کی رو سے اس کا زوجات سے الحاق جائز اور درست ہو لہذا صاحب شرع نے مسیبات، اور مملوکات کے بارے میں جو کچھ مشروع کیا ہے اس حد تک رہنا چاہیے۔

استبراء طہر سے نہیں حاصل ہو سکتا | استبراء طہر سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ اس کے لیے حیض

لابدی اور لازمی ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے، اور

یہی صواب ہے۔

امام احمد کے نزدیک حدیث استبراء میں تین چیزوں کی نہی کی گئی ہے۔

۱۔ کینز سے اس وقت تک مجامعت نہ کی جائے، جیت تک اسے حیض نہ آجائے۔

۲۔ حاملہ باندی سے اس وقت تک مجامعت نہ کی جائے جب تک وہ وضع حمل سے فارغ نہ ہو۔

۳۔ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ کسی کنیز سے جو شبیہ ہو، اس وقت تک مجامعت نہ کرے جب تک اسے حیض نہ آجائے۔

گویا باندی کے حلال اور جائز ہونے کو جن امور پر معلق رکھا ہے وہ سب کے سب حیض سے متعلق ہیں، نہ کہ طہر سے، پس یہ بگڑ جائز نہیں ہے کہ جسے آپ نے معتبر قرار دیا ہے اسے ساقط کر دیا جائے اور جسے آپ نے ساقط کیا ہے اسے معتبر قرار دیا جائے۔

اور مقتضائے قیاس بھی یہی ہے کیونکہ جو کچھ ہے وہ استبرار ہے، اور برأت رحم کی دلیل جس چیز سے ملتی ہے وہ حیض ہے۔ باقی رہا طہر تو اس سے برأت رحم کی کوئی دلیل نہیں ملتی،

باندی حالت حیض میں اگر خریدار کے پاس آئے، تو باندی سے کب استبرار ضروری نہیں | اس سے استبرار نہیں ہوگا۔ صاحب الجواہر کا قول ہے، اگر باندی اپنے آخر ایام حیض میں فروخت کی گئی تو باقی ایام حیض استبرار کے لیے کافی نہیں ہوں گے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لیکن اگر اس حالت میں فروخت ہوتی کہ وہ حیض کے ابتدائی ایام ہوں تو مشہور مذہب یہ ہے کہ اس سے استبرار ہو جائے گا۔

وضع حمل سے استبرار ہو جاتا ہے | باندی اگر حاملہ ہو، تو وضع حمل سے وہ جیسے ہی فارغ ہوگی استبرار ہو جائے گا۔

یہ مخصوص حکم ہے، لہذا مجمع علیہ ہے، یعنی اس پر امت کا اجماع ہے۔

وضع حمل سے پیشتر تمتع ناجائز ہے | ہنسی کی جاسکتی۔

حاملہ نماز پڑھ سکتی اور طواف کر سکتی ہے | آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ حاملہ سے جب تک وضع حمل سے فارغ نہ ہوئے، اور

غیر حاملہ سے جب تک اسے ایک حیض نہ آجائے، مباشرت نہیں کی جاسکتی،

اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ اور اگر وہ کچھ خون دیکھے تو یہ فاسد خون ہے، نہ منزلہ استحاضہ و بدستور روزے رکھ سکتی ہے، نماز پڑھ سکتی ہے۔ طواف خانہ کعبہ کر سکتی ہے۔ قرآن کریم کی



تلاوت کر سکتی ہے۔

لیکن یہ ایک ایسا مسئلہ ہے، جس میں فقہا باہم مختلف ہیں :  
فقہاء اختلاف پر ایک نظر

شعبی - بخفی - حماد، حکم - زہری، ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ اس طرف گتے ہیں۔

ابو عبیدہ - ابو ثور - ابن المنذر، امام احمد (اپنے مشہور مذہب کے مطابق) اور امام شافعی (دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق) کہتے ہیں کہ یہ خون حیض کا نہیں ہے۔

لیکن قنابہ، ربیعہ، لیث بن سعد، مالک، عبد الرحمن بن جندی، اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں یہ حیض کا خون ہے۔

حضرت عائشہؓ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ حیض ہے، ایک یہ کہ نہیں ہے پہلی روایت میں ہے کہ نماز پڑھے گی، دوسری میں ہے کہ نہیں پڑھے گی۔

جو لوگ حاملہ کے خون کو حیض تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ باندی کی دو قسمیں :  
صلى الله عليه وسلم نے باندی کی دو قسمیں کی ہیں :

ایک حاملہ، اس کی عدت وضع حمل قرار دی ہے۔

دوسری غیر حاملہ، اس کی عدت ایک حیض رکھی ہے۔

اور یہ حیض باندی کی برأت رحم کا علم ہے اگر حیض حاملہ کو بھی آسکتا ہوتا تو پھر اسے اس کے علم کا علم نہ مانا جاتا یہی وجہ ہے کہ مطلقہ کی عدت تین قروء رکھی تاکہ اس کے عدم حمل کی دلیل بن جائے۔  
اگر حاملہ بھی حائض ہو سکتی، تو بھی دلیل عدم حمل کی کیسے بن جاتی ؟  
ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ارشاد فرمایا :

”اللہ تعالیٰ نے حاملہ سے حیض اٹھایا ہے اور خون کو بچہ کی غذا بنا دیا ہے“

اثرم اور دارقطنی نے حضرت عائشہؓ سے اس حاملہ عورت کے بارے میں جو خون دیکھے، روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا،

”حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا، وہ نماز پڑھ سکتی ہے۔“

حیض کی تعریف اللہ عز و جل شرع و لغت | وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں کہ حاملہ عورت بھی



حائضہ ہو سکتی ہے کہتے ہیں :

حیض وہ خون ہے جو ہر مہینہ اوقات معلومہ پر خارج ہوتا ہے ۔

حیض کی یہ تعریف از روئے لغت بھی درست ہے ، اور از روئے شرع بھی ۔

اندام نہانی سے جو خون خارج ہوتا ہے ، شارع نے اس پر جو احکام مرتب کیے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ۔ ایک حیض ، دوسرے استحاضہ ، ان دو کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہیں ہے اور ظاہر ہے حاملہ کے جو خون آرہا ہے اسے استحاضہ نہیں کہہ سکتے ، کیونکہ استحاضہ وہ خون مطبق و زائد ہے جو اکثر حیض پر ہوتا ہے ، یا وہ خون ہے جو عادت کے خلاف خارج ہو ، لیکن یہ حاملہ والا خون نہ دم زائد ہے ۔ نہ خلاف عادت ، لہذا اسے استحاضہ نہیں قرار دیا جاسکتا ، بلکہ یہ حیض ہی کہا جائے گا

باقی رہی ابن عمرؓ کی مثال کہ انھوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رجعت کا حکم دیا تھا ، اور فرمایا تھا کہ جب وہ ظاہر ہو جائے پھر اگر چاہیں تو طلاق دے دیں اسے ہاتھ لگائے بغیر ، تو یہ اباحت طلاق ہے ، یعنی اگر بیوی حاملہ نہ ہو تو طہر اور عدم میس کی شرط کے ساتھ طلاق دینا مباح ہے ، لیکن اس میں حاملہ کے خون دیکھنے کا حکم کہا ہے ؟ رہا یہ دعویٰ کہ حاملہ اگر حیض سے ہو تو نہ مانہ حیض میں اسے طلاق دینا بدعت ہے ، حالانکہ اس پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ حاملہ کو طلاق دینا بدعت نہیں ہے ، اگرچہ رستے خون دیکھا ہو ۔ ہم کہتے ہیں ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق حاملہ کو مطلقاً جائز کیا ہے جس میں کوئی استثنا نہیں ، باقی رہی غیر حاملہ تو اس کی طلاق کی دو شرطیں ہیں ۔ ایک طہر دوسری عدم میس ۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حاملہ عورت کو اگر خون آجائے تو وہ خون فاسد ہے ۔

کیا حیض اور حمل مجتمع نہیں ہو سکتے ؟ | باقی رہی یہ بات کہ حیض اور حمل باہم مجتمع نہیں ہو سکتے ۔ تو یہ بات یا حسن سے ثابت ہو سکتی ہے یا شرع سے ، اور یہ دونوں منتفی ہیں ، جہاں تک حسن کا تعلق ہے وہ ظاہر ہے ۔ رہی شرع تو کہیں سے بھی ثابت نہیں ہے کہ یہ دونوں مجتمع نہیں ہو سکے ۔

# مسائل بیع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام

# محرمات بیع

وہ چیزیں جن کی بیع مسلمانوں پر حرام ہے

صحیحین میں حدیث جابر بن  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کا سوال | عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے  
ثابت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے،  
”اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے، شراب، مردار، خنزیر اور اصنام کی بیع حرام  
کر دی ہے۔“

اس پر ایک شخص نے عرض کیا:  
”یا رسول اللہ، کیا مردار کی چربی بھی فروخت کرنا حرام ہے حالانکہ اس سے کشتیاں چلنی کی جاتی  
ہیں اور کھالوں کو چرب کیا جاتا ہے، اور لوگ انھیں کام میں لاتے ہیں!“  
آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا:  
”نہیں وہ بھی حرام ہے۔“

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
”خدا یہود کو غارت کرے، اللہ تعالیٰ نے جب ان پر چربی حرام کر دی، اور اسے  
پگھلا کر فروخت کرنے لگے، اور اس کی قیمت کھانے لگے۔“

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ  
ابن عباسؓ کی ایک روایت | کو اطلاع ملی کہ سمرہ نے شراب فروخت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا:  
”خدا سمرہ کو غارت کرے، کیا وہ نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔“

خدا یہود پر لعنت کرے، ان پر چربی حرام کر دی گئی، تو وہ اسے پگھلا کر فروخت کرنے لگے۔“

**بیہقی اور حاکم کی روایت** | بیہقی اور حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور اسے ابن عساکر سے منسوب کیا ہے اس میں ان کی پہلی روایت پر کچھ اضافہ ہے اس کے لفظ ابن عباسؓ سے یہ روایت کیے گئے ہیں کہ انھوں نے کہا:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں رونق افروز تھے کہ آپؐ نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، تبسم فرمایا، اور کہا، یہود پر خدا کی لعنت، یہود پر خدا کی لعنت، یہود پر خدا کی لعنت اللہ عز و جل نے ان پر چربی حرام کر دی وہ اسے بیچ کر اس کی قیمت کھانے لگے، اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر کوئی چیز حرام کر دیتا ہے تو اس کی (فروخت کی) قیمت بھی ان پر حرام فرما دیتا ہے۔“

**حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت** | بیہقی نے ابن عبدان سے، انھوں نے صفار سے، انھوں نے اسماعیل القاضی سے، انھوں نے ابن منہال سے، انھوں نے یزید بن ذریع سے، انھوں نے خالد الخداری سے، انھوں نے ابو الولید سے، انھوں نے ابن عباسؓ سے یہی روایت کی ہے۔

نیز صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اس طرح کی روایت کی ہے، اور فرمایا:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا کھانا حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتا ہے۔“

**حدیث مشتمل پر کلمات جو امع** | یہ حدیث مشتمل ہے کلمات جو امع پر جو تحریم اجناس سے گانہ کے حامل ہیں:

(۱) وہ مشارب — جن سے عقل فاسد ہو جائے۔

(۲) وہ ۶ — جو مفسد طبع ہوں، اور غذا جنیث کی حیثیت رکھتے ہوں۔

(۳) وہ اعیان — جن سے دین فاسد ہو جاتا ہو، اور جو فتنہ شرک کے داعی ہوں

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی جو تحریم فرمائی ہے اس کا مقصد صیانت ہے۔



نوع اول کی تحریم سے عقل ان چیزوں سے محفوظ ہو جاتی ہے جو اسے زائل کرنے والی، اور اس میں فساد پیدا کرنے والی ہوں،

نوع ثانی کی تحریم سے، قلوب کی ان چیزوں سے صیانت ہو جاتی ہے جو غذائے خبیث کے اثر سے اسے مبتلائے فساد کر دیں کیونکہ غذا میں، اور کھانے والے میں، ایک دوسرے کا رنگ بھلکنے لگتا ہے۔

نوع ثانی کی تحریم سے ادیان کی ان چیزوں سے حفاظت کر دی ہے، جو فساد دین کی موجب ہوں، یا ہو سکتی ہوں۔

پس یہ تحریم متضمن ہے صیانت عقل، صیانت قلوب، اور صیانت ادیان پر۔

تمام نشہ آور چیزوں کی بیع حرام ہے | پس تحریم بیع شراب میں ان تمام چیزوں کی حرمت شامل ہے جو مسکرانہ آور ہوں،

خواہ وہ سیال صورت میں ہوں، یا منجمد صورت میں۔ افشردہ ہوں، یا مطبوخ، چنانچہ انگور کا افشردہ، منقہ، کھجور، مکتی، جو، شہد، گبیوں کی شراب۔ سب کا ایک ہی حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص صحیح و صریح کے مطابق اس کی سند میں کوئی طعن نہیں ہے۔ نہ اس کے متن میں کوئی اجمال ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کل مسکر خمر (ہر نشہ آور چیز شراب ہے)

نیز صحابہ کرام سے بھی یہ ثابت ہے، جو آپ کے خطاب و مراد کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے اور صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب

کہ: کل مسکر خمر (ہر نشہ آور چیز شراب ہے) یہی لیا تھا کہ "خمر" ہر وہ چیز ہے جو عقل و دانش میں فتور پیدا کر دے۔

۱۔ یہ بحث کہ خمر کا تعریف کیا ہے؟

خمر کا اطلاق کس قسم کی شراب پر ہوتا ہے؟

آیا کوئی شراب ایسی بھی ہے جو خمر نہ ہو

(حاشیہ باقی اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ) یہ سب بے معنی اور لاطائل بحثیں ہیں۔ ایسی بحثیں وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جن کے دل میں چور ہو، جو لفظی مباحث کی آڑ لے کر ایک غلط، حرام اور ناپاک چیز کو جائز اور روا قرار دینا چاہتے ہوں۔ ورنہ اس باب میں فیصلہ کن بات وہی ہے جو ارشاد نبوی علیہ التحیۃ والسلام پر مبنی ہے۔ یعنی

کل مسکر خمر، ہر نشہ آور چیز شراب ہے۔  
اس کے بعد کسی بحث و مناظرہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

---

# تحریم بیع مردار

تحریم بیع مردار میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں، جن پر مردار کا اطلاق ہو سکتا ہے، خواہ ان کی موت کسی طرح ہوتی ہو، یعنی خواہ وہ اپنی موت مرے، یا ہلاک ہوئے ہوں کسی حالت میں بھی حلال نہیں ہے یہی صورت مردار کے اجزاء کی بھی ہے، وہ بھی حرام ہیں، حلال نہیں قرار دیے جاسکتے،

**مردار کی چربی بھی حرام ہے** | چنانچہ اس سلسلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریم بیع

شحم (چربی) کے سلسلہ میں مشکل پیش آئی، کیونکہ یہ

کافی منفعت بخش چیز تھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا کہ مردار کی چربی بھی حرام ہے، اگرچہ اس میں کتنی ہی منفعت ہو۔

**مراد رسول سمجھنے میں لوگوں کا اختلاف** | یہ ایسا سلسلہ ہے جس میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سمجھنے کے سلسلہ

میں لوگوں کا اختلاف ہے، آپؐ نے فرمایا تھا لاھو حرام، نہیں وہ حرام ہے، آیا اس سے مراد بیع ہے، یا مسؤل عنہا افعال کی طرف یہ حکم عائد ہوتا ہے، چنانچہ ہمارے شیخ کہتے ہیں یہ حکم بیع کی طرف راجع ہے وہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ

نے بیع مردار حلال کر دی ہے، تو انھوں نے کہا، مردار کی چربی میں

یہ فائدہ ہوتے ہیں، مطلب یہ تھا آیا اس کی بیع جائز و شرع کر دی

جاسکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا،

”نہیں وہ حرام ہے،“

## حضرت عباسؓ کا واقعہ

میں کہتا ہوں، صحابہ کرام نے تمام مرداروں کی چربی کے لیے تخصیص طلب کی تھی، کہ اس کا جواز مل جائے، جیسے عباس رضی اللہ عنہ نے، جملہ نبات حرم سے تخصیص، جواز اذخر سے چاہی تھی، لیکن جواب حسب دل خواہ نہ ہوا، آپؓ نے فرمایا،

لاھو حرام (نہیں وہ حرام ہے)

## حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے استدلال

اصحاب احمد رحمۃ اللہ علیہم سے بعض کا خیال ہے کہ تحریم افعال مشمول عنہا

کی طرف عائد ہوتی ہے، کیوں کہ آپؓ نے ”ھو“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، ”ھو“ کا نہیں، کیونکہ مراد جمیع مذکورہ سے تھی، اور ضمیر اقرب مذکور کی طرف عائد ہوتی ہے، اور معنوی جہت سے قابل ترجیح یہ ہے کہ ان اشیاء کی اباحت ذریعہ ہے شحوم کے بیع و افتار کا، نیز یہ کہ بعض الفاظ حدیث میں، ”لاھو حرام“ فرمایا ہے، اور یہ ضمیر یا تو شحوم کی طرف راجع ہوگی یا افعال کی طرف، اور دونوں صورتوں میں تحریم افعال مشمول عنہا پر حجت ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ چومیا اگر گھی میں گر جائے تو اگر وہ جما ہوا ہے تو اس پاس کا حصہ نکال دینے کے بعد اسے استعمال کیا جاسکتا ہے، اور اگر سیال صورت میں ہے تو اس کے قریب نہ پھٹکنا چاہیے، البتہ چراغ وغیرہ کے جلانے میں وہ بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔

## مردار کھانے کے علاوہ دوسری طرح انتفاع جائز ہے

جو لوگ اس نقطہ نظر

کے ہیں وہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؓ نے فرمایا، مردار کا کھانا حرام ہے اس سے یہ بات صریحی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ کھانے کے علاوہ دوسری صورتوں میں اس سے انتفاع حرام نہیں ہے، مثلاً، ایندھن پر ڈال کر آگ سلگانے یا بند باندھنے کے سلسلے میں اس سے کام لینا یا اور اسی طرح کے کام،

حرام جو کچھ ہے وہ ظاہری یا باطنی پر ملا بہت ہے، مثلاً، کھانا پینا، لیکن بغیر ملا بہت کے اس سے انتفاع کیوں حرام ہوگا؟



جو شخص حدیث جابر کے میاق پر غور کرے گا، وہ جان لے گا کہ سوال بیع کے متعلق تھا، انھوں نے آپ سے اجازت چاہی تھی کہ بیع شحوم کی اجازت دی جائے۔ آپ نے انکار کر دیا، اور فرما دیا وہ حرام ہے لیکن اگر ان افعال کے حکم کے بارے میں سوال کیا جاتا، تو سوال یوں ہوتا کہ آیا چراغ جلانے کے لیے، یا کھالوں کی تدبیر کے لیے چربی استعمال کی جاسکتی ہے؟ لیکن انھوں نے یہ نہیں پوچھا، کہ اس سے یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، چنانچہ ان کی یہ بات خیر تھی نہ کہ سوال، لہذا، آپ نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا،

**فعل رسول سے استدلال** نہایت امر یہ ہے کہ حدیث دونوں باتوں پر محتمل ہے چنانچہ وہ چیز حرام نہیں ہوگی، جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ

اللہ اور رسول نے اسے حرام کیا ہے

چنانچہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمر قوم کے خرابہ میں جو کنویں واقع تھے، ان کا پانی پینے سے منع فرمایا، لیکن اس پانی سے جو آٹا گوندھا گیا تھا اس کی روٹی جانوروں کو کھلانے کی اجازت دے دی، چنانچہ معلوم ہوا کہ ایسی چیزوں سے اشتقاق محض چراغ وغیرہ جلانے کی صورت میں نہ کہ ظاہری و باطنی ملاہست کی صورت میں محض اشتقاق ہے مفسدہ نہیں، اور اسے شریعت نے حرام نہیں کیا ہے، کیونکہ شریعت مفسدہ خالصہ را حیحہ اور ان کے طرق و اسباب موصلاً کو حرام کرتی ہے، چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ نے دو روایتوں میں سے ایک میں مسدود جانور کی چربی سے چراغ جلانا جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ اس میں کسی روغن ظاہر کی آمیزش بھی ہو۔!

**روغن مردار کی بیع جائز نہیں** اگر یہ کہا جائے کہ مردار کی چربی نجس العین ہے لیکن اگر اسے کسی چیز سے مخلوط کر دیا جائے تو

صرف نجس ہے اور اس کی تطہیر دھو لینے سے ہو جائے گی چنانچہ وہ ایک مطابق روغن نجس کی بیع جائز ہے، لیکن روغن مردار کی بیع جائز نہیں ہے۔

جواب میں کہا جائے گا کہ یہ فرق دو مسبب سے ضعیف ہے۔

ایک یہ کہ امام احمد یا امام شافعی میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے روغن نجس

کو دہولنے کا فتویٰ دیا ہوا، البتہ بعض تابعین نے یہ فتویٰ ضرور دیا ہے، لیکن امام مالک، مروی ہے کہ روغن بخش دھولنے سے پاک ہو جائے گا، یہ روایت ابن تانغ اور ابن القاسم کی ہے۔  
 دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ حکم تمام روغنوں پر مامور نہیں ہے کیونکہ بعض ایسے ہیں جن کا دھونا ممکن نہیں، اور امام احمد و شافعی رحمہما اللہ نے روغن نجس کو مطلق طور پر چیراغ وغیرہ کے جلانے میں جائز قرار دیا ہے، اور اس میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی ہے، گو برنجس العین ہے، لیکن جہور علماء نے کھیتی باڑی، اور پھل ترکاری کی کاشت کے سلسلہ میں اس سے انتفاع جائز قرار دیا ہے، اور اس کی ملاست، نجس چیز کی آگ سے زیادہ موثر ہے، یعنی پھل، غلہ اور ترکاری پر برنجس چیز کی آگ کا اتنا اثر ظاہر نہیں ہوتا جتنا گوبر کا یا کھاد کا نمایاں ہوتا ہے، اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جو مشکوک اور مشتبہ ہو، بلکہ ص اور مشاہدے سے ثابت ہے۔

**گوبر کی بیع جائز ہے** | چنانچہ بعض اصحاب مالک و ابو حلیفہ رحمہما اللہ نے اس کی بیع بھی جائز قرار دی ہے۔ چنانچہ ابن الما جشون کہتے ہیں کہ گوبر کی بیع جائز ہے، اس لیے کہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

ابن القاسم کہتے ہیں کہ گوبر اور کھاد کی بیع میں کوئی مضائقہ نہیں، استہب کہتے ہیں کھاد اور گوبر کی خریداری پر، خریدنے والے، فروخت کرنے والے سے زیادہ مجبور ہے۔

ابن الحکم کہتے ہیں خدادادوں (فروخت کرنے والے اور خریدنے والے) میں سے کسی کو معاف نہیں کرے گا

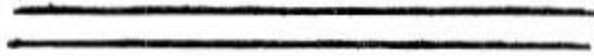
**تحریم بیع مردار، تحریم انتفاع کو لازم نہیں ہے** | میں کہتا ہوں یہی قول صواب ہے، ان چیزوں کی بیع حرام

ہے، اگرچہ ان سے انتفاع جائز ہی کیوں نہ ہو، بہر حال خلاصہ بحث یہ ٹھہرا کہ تحریم بیع مردار تحریم انتفاع مردار کو لازم نہیں

ہے -

ام مالک رحمۃ اللہ سے ایک نص یہ ہے کہ نجس روغن نہ تینوں سے استتصباح (چراغ  
جلانا، جائز ہے، لیکن مساجد میں نہیں،

جانتا چاہیے کہ انتفاع کا باب بیع کے باب سے زیادہ وسیع ہے، ہر وہ چیز جس کی  
بیع حرام ہے، اس سے انتفاع حرام نہیں ہے، بلکہ دونوں میں کوئی الزم نہیں ہے، چنانچہ  
تحريم انتفاع، تحريم بیع سے اخذ نہیں کی جاسکتی!



# تحریم بیع اجزا مردار

بیع مردار میں تمام اجزاء شامل ہیں | تحریم بیع مردار میں اس کے تمام اجزاء کی بیع بھی شامل ہے، جو اس کی زندگی میں حلال تھے موت کے بعد حرام ہو گئے، مثلاً گوشت، چربی، پٹھے، لیکن بال، اون، اور روئیں تحریم میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ یہ مردار نہیں ہیں۔

امام مالک و ابو حنیفہ وغیرہ کا مسلک | جمہور اہل علم کا قول ہے کہ مردار کے بال، اون، اور روئیں طاهر ہیں۔

بشرطیکہ وہ حیوان بھی طاهر ہو یا یہ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مسلک ہے، نیز اوزاعی، ثوری، داؤد، ابن المنذر، مزیٰ اور تابعین میں، حسن، ابن سیرین اور اصحاب عبد اللہ بن مسعود بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔

امام شافعی کی رائے کا تھرد | لیکن امام شافعی کی رائے اس بارے میں منفرد ہے وہ ان چیزوں کو نجس قرار دیتے ہیں، ان

کی دلیل یہ ہے کہ رسم مردار اس کے جملہ اجزاء کو اثر اور نظر کی دلیل سے شامل ہے۔ اثر کا جہاں تک تعلق ہے کامل میں ابن عدی کی مرفوعہ روایت ہے، کہ ناخن، خون اور بال دفن کر دو یا کیونکہ یہ چیزیں مردار ہیں، اور نظر کا جہاں تک تعلق ہے، تو یہ چیزیں حیوان سے چپکی ہوتی ہیں، اس کی نشوونما کے ساتھ ان کا نشوونما بھی ہوتا ہے، لہذا اس کی موت کے ساتھ یہ نجس ہو جائے گی، جس طرح اس کے دوسرے جملہ اعضا نجس ہو جائیں گے۔



لیکن جو لوگ بالوں کو ظاہر قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ۱۰ من اصوافها ۱۱ وبارھا ۱۲ اشعارھا

۱۳ اثاثا ومتاعاً ۱۴ لی حین۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے، حیوان کے اون، بال، اور روئیں کو اثاثہ اور متاع قرار دیا، اور یہ عام ہے، خواہ حیوان زندہ ہو یا مردہ۔

اسی طرح مسئلہ احمد رحمۃ اللہ میں عبدالرزاق معمر سے، وہ زہری سے وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میمونہ کی مردہ بکری کے پاس سے گزرے، آپ نے ارشاد فرمایا،  
”وتم اس کی کھال سے انتفاع کیوں نہیں کرتے؟“  
لوگوں نے عرض کیا، ”یہ کیونکر ممکن ہے، یہ تو مردار ہے۔!“  
آپ نے فرمایا،

”اس کا صرف گوشت حرام ہے!“

آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوشت اور چربی، کلیبی جگر وغیرہ جو داخل لحم ہیں کے سوا باقی چیزیں مباح ہیں، ایک بات یہ بھی ہے کہ ان چیزوں میں روح بھی نہیں ہے، نہ یہ پکڑنے سے اذیت محسوس کرتی ہیں، نہ چھونے کو محسوس کرتی ہیں، اور یہ دلیل ہے عدم حیات کی، باقی رہا نشو و نما تو یہ زندگی پر دال نہیں ہے۔

یہی حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث تو اس کا ایک راوی  
ایک راوی یہ جرح  
عبداللہ بن عبدالعزیز بن ابی داؤد بھی ہے، اس کے بارے میں

ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، میرے نزدیک یہ صادق نہیں ہے۔

علی بن حسین بن جینہ کہتے ہیں ”یہ شخص کوڑی برابر نہیں، جھوٹی حدیثیں بیان کیا کرتا

ہے۔

تحریم بیع میں رباعت شدہ کھال اور ہڈیاں بھی داخل ہیں اگر یہ سوال کیا جائے،  
تحریم بیع میں ہڈیوں

اور دباغت کی ہوئی کھال وغیرہ کی بیع بھی داخل ہے؛

جواب یہ ہے کہ جس بیع کو حرام کیا گیا ہے وہ ہے جس کا کھانا حرام ہے، اور استعمال کرنا حرام ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے، اس میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ جس چیز کی بیع حرام ہوتی ہے، اس کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے۔

لیکن کھال، جب اس کی دباغت کمر لی جاتے تو وہ ایک ظاہر وجود بن جاتی ہے، جس سے لباس، فرش، اور دوسری بہت سی چیزوں میں انتفاع کیا جاتا ہے، لہذا اس کی بیع بھی ممنوع نہیں ہے،۔۔۔

**امام شافعیؒ کی نص** امام شافعی رحمۃ اللہ کی نص ان کی کتاب "القدیم" میں یہ ہے کہ اس کی بیع جائز نہیں ہے، لیکن اس باب میں اصحاب شافعی مختلف الاراء ہیں۔

تفہال کہتے ہیں اس کا ظاہر ظاہر ہے، جیسا کہ امام مالک کا قول ہے۔

بعض اصحاب شافعی دوسرے کہتے ہیں اس کی بیع جائز نہیں ہے، اگرچہ اس کا ظاہر اور باطن ظاہر ہے، کیونکہ بحر حال یہ مردار کا جڑ ہے، لہذا اس کی بیع بھی ناجائز ہے، جیسے ہڈی اور گوشت کی بیع ناجائز ہے۔

بعض اصحاب شافعی کہتے ہیں اس کی بیع دباغت کے بعد جائز ہے۔ کیونکہ یہ ایک ظاہر وجود ہے، جس سے انتفاع کیا جاسکتا ہے، لہذا اس کی بیع جائز ہے۔

بعض کا قول ہے کہ یہ دباغت یا ازالہ ہے یا ازالہ ہے، پس اگر ازالہ ہے تو اس کی بیع جائز ہے، کیونکہ مردار کا جڑ ہونے کے باوجود اس نے ایک دوسرا پیکر اختیار کر لیا اور ازالہ ہے تو بے شک اس کی بیع جائز نہیں ہوگی، کیونکہ مردار کا وصف یہ ہے کہ اس کی بیع حرام ہے، اور یہ وصف باقی ہے،

**امام مالکؒ کا مسلک** ۱۔ رہے اصحاب امام مالک رحمۃ اللہ، تو ابن القاسم کی المدور،

میں اس کی بیع کی ممانعت ہے، اگرچہ دباغت ہو چکی ہو، صاحب "التہذیب" نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، مانفی کہتے ہیں کہ دباغت کے بعد بھی یہ ظاہر نہیں ہے۔

امام مالک کے دو قول | میں کہتا ہوں، مدبوع (دباغت شدہ) کھال کی طہارت کے بارے میں امام مالک سے دو قول منقول ہیں۔

ایک یہ کہ ظاہری اور باطنی طور پر وہ ظاہر ہے، وہب کا قول بھی یہی ہے اور اس روایت کی بنیاد پر بعض اصحاب مالک اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے اور وہی زیادہ مشہور ہے کہ اس کی طہارت مخصوص قسم کی ہے، اسے صرف خشک چیزوں میں اور پانی میں استعمال کیا جاسکتا ہے، لیکن دوسری سیال چیزوں میں نہیں، اس روایت کی بنیاد پر بعض اصحاب مالک کہتے ہیں کہ اس کی بیع ناجائز ہے، اس پر نماز بھی نہیں ہو سکتی۔

امام احمد رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ دباغت | سے پہلے مردار کی کھال کا بیچنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس کی دباغت ہو چکی ہو تو جائز ہے۔

امام احمد کے تین وجوہ | روغن نجس کے بارے میں امام احمد کے تین وجوہ ہیں ! ۱۔ ایک یہ کہ اس کی بیع جائز نہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس کی بیع کافر کے ہاتھ جائز ہے، جو اس کی نجاست سے واقف ہو۔ ۳۔ اس کی بیع کافر اور مسلم دونوں کے ہاتھ جائز ہے، جیسے گوبر دونوں کے ہاتھ نجس ہونے کے باوجود فروخت کیا جاسکتا ہے۔

اصحاب امام ابو حنیفہ کے نزدیک گوبر کی بیع جو نجس ہے جائز ہے، البتہ طیکہ وہ کسی چیز کا تابع ہو، صرف گوبر کی بیع جائز نہیں

اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا قول | مردار کی ہڈیوں کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ نجس نہیں

بعض اصحاب امام کا قول بھی یہی ہے۔ اصحاب امام مالک میں سے ابن وہب نے بھی

اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔

ان حضرات کے نزدیک ہڈی کی بیع جائز ہے، اگرچہ ماخذ طہارت میں یہ باہم مختلف

ہیں

اصحاب ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ہڈی مردار میں داخل نہیں ہے۔ نہ یہ رسم اس پر حاوی

ہے۔

ابن القاسم کی روایت | ابن القاسم کہتے ہیں کہ امام مالک کا قول ہے کہ مردار کی ہڈی

کی خرید و فروخت ہست نہیں ہے، اسی طرح ہاتھی کے دانت

کا کاروبار بھی نہیں کیا جاسکتا، نہ اس کی بنی ہوئی کنگھیوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

لیکن مطرف اور ابن الاشبثوں نے ہاتھی دانت کی بیع مطلق طور پر جائز رکھی ہے۔



# تحریم بیع اصنام

جملہ آلات شرک کی حرمت

اصنام کی بیع بھی حرام ہے!

بیع اصنام کی حرمت سے یہ متفاد ہوتا ہے کہ ایسے جملہ آلات کی بیع بھی حرام ہے جو کسی جہت اور نوعیت سے بھی شرک کی طرف متوجہ کرنے والے ہوں، مثلاً، بت، سسڑ، صلیب وغیرہ۔  
کن کتابوں کی بیع حرام ہے؟ اسی طرح ان تمام کتابوں کی بیع بھی حرام ہے، جو مشتمل بر کفر ہوں، اور غیر اللہ کی عبادت اور پرستش کا جن میں ذکر ہو، ایسی تمام چیزوں کا ازالہ اور اعدام واجب ہے، پس ان کی بیع تو ذریعہ ہے، شرک کے فروغ اور پرچار کا، لہذا، اس کی تحریم تو اور زیادہ ضروری ہوتی، کیونکہ اس بیع میں وہ تمام مفسدات موجود ہیں، جو نفس اشیاء میں ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر ان کے حققت امر کے باعث نہیں کیا، یعنی یہ معمولی چیزیں ہیں اس لیے ان کے ذکر میں تاخیر نہیں روار کھی بلکہ تدریج کو اختیار فرمایا، پہلے سہل چیز لی، پھر سخت پر آئے۔

# بیع خمر کی تحریم

کفار آپس میں شراب کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں مسلمان نہیں

کہا جاسکتا ہے کہ اہل کتاب کے ہاں خمر (شراب) حلال ہے، لہذا ان کے ہاتھ اس کی بیع جائز ہوگی، !!

جواب یہ ہے کہ یہ وہ وہم ہے جو حضرت عمر بن الخطاب کے عمال کے  
**حضرت عمرؓ کا فرمان** | دل میں بھی پیدا ہوا تھا، اور انھوں نے اس وہم کو دور بھی کر دیا تھا  
 انھوں نے اپنے عمال کو اس کی سختی کے ساتھ ممانعت کا فرمان بھیجا تھا، اور حکم دیا تھا کہ بیع خمر کو وہ  
 اہل کتاب پر چھوڑ دیں، وہ آپس میں بے شک اس کی خرید و فروخت کریں، البتہ ان پر جو سرکاری  
 مطالبات ہوں اور ان کی ادائی وہ اس کی قیمت سے کریں، تو لے لیں،

ابو عبیدہ کہتے ہیں ہم سے عبدالرحمان نے، انھوں نے سفیان بن سعید سے، انھوں نے  
 ابراہیم بن عبدالاعلیٰ الجعفی سے، انھوں نے سوید بن غفلہ سے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ  
 عنہ کو اطلاع ملی کہ لوگ خنازیر کی صورت میں جزیہ وصول کرتے ہیں، بلال رضی اللہ عنہ اور انھوں  
 نے کہا،

”ہاں لوگ ایسا کرتے ہیں، اے،“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

”یہ نہ کرو، اگرچہ ان کی فروخت کا ارادہ کیوں نہ ہو،“

ابو عبیدہ کہتے ہیں ہم سے انصاری نے، انھوں نے اسرائیل سے، انھوں نے ابراہیم بن  
 عبدالاعلیٰ سے، انھوں نے سوید بن غفلہ سے روایت کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت

کی کہ آپ کے عمال خراج میں خنزیر، اور خمر وصول کرتے ہیں،  
حضرت عمرؓ نے فرمایا،

”داہل کتاب سے خراج میں ایہ چیزیں مت لو، لیکن تم ان کی قیمت لے سکتے ہو،“

**ابو عبیدہ کا بیان** | ابو عبیدہ کا بیان یہ ہے کہ مسلمان اہل ذمہ سے خراج اور جزیہ کی رقم کے بدلے، خمر اور خنازیر لے لیا کرتے تھے، تاکہ انھیں فروخت کر کے مطالبہ کی رقم وصول کر لیں حضرت بلالؓ کو یہ بات ناگوار گزری، انھوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی، جس پر انھوں نے حکم امتناعی نافذ کر دیا، البتہ اہل ذمہ اگر آپس میں فروخت شدہ خمر و خنزیر کی رقم سے جزیہ ادا کریں تو اسے لینے کی اجازت دے دی، کیونکہ اہل ذمہ ان چیزوں کی خرید و فروخت کر سکتے تھے، کیونکہ خمر اور خنزیر انہی کی ملکیت تھے۔ مسلمانوں کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہ تھا،

**حرام چیزوں کی قیمت بھی حرام ہے** | ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں ایک اور روایت لیسٹ بن ابی سلیم

کی ہے کہ انھوں نے اپنے عمال کو فرمان بھیجا کہ خنازیر قتل کر دیے جائیں، اور ان کی قیمت جمع ہو۔ وہ اہل جزیہ سے جزیہ کے حساب میں لے لی جائے کیونکہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ محصول کی رقم اس طرح لی جائے اگرچہ ذمی کو آپس میں ان چیزوں کی خرید و فروخت کی اجازت تھی، محصول کی رقم سے مراد وہ رقم ہے، جو ان چیزوں پر بطور محصول عائد ہوتی تھی، لیکن اس محصول کو، اور اس طرح کی قیمت کو وہ قول رسولؐ کی بنا پر پسند نہیں کرتے تھے، آپؐ کا ارشاد تھا خراج کسی چیز کو حرام کر دیتا ہے کہ اس کی قیمت بھی حرام کر دیتا ہے۔

اہل ذمہ وہ غیر مسلم ہوتے ہیں، جو اپنے دین و آئین شرع پر قائم رہتے ہوئے مسلم حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کریں، اسلامی حکومت میں فوجی خدمت ہر مسلمان سے لی جاسکتی ہے، لیکن اہل ذمہ اس حکومت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اس کے معاوضہ میں ایک حقیر سی رقم سالانہ ان سے وصول کی جاتی ہے، جس کے بدلے میں انکے جان و مال کی حکومت اسلامیہ ذمہ دار ہو جاتی ہے اس کے علاوہ ان سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عتاب | اسی طرح عبداللہ بن حبیرہ سیافی کی روایت ہے کہ عتبہ بن فرقہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو چالیس ہزار

درہم صدقہ (محلول) خمر کے ایک مرتبہ بھیجے، عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا،

”خدا کی قسم اب میں تجھے عامل نہیں بناؤں گا۔“

شراب کا محصول واپس کر دیا گیا | اسی طرح مثنیٰ بن سعید کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدلی بن اوطاق کو فرمان بھیجا کہ احوال

محاصل کی سابقہ تفصیل بھیجیں، انھوں نے جو تفصیل بھیجی اس میں عشر خمر (محصول شراب) کی رقم چار لاکھ درہم تھی،

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انھیں لکھا،

”خمر پر نہ عشر ہے، نہ وہ فروخت کی جاسکتی ہے، نہ خریدی جاسکتی ہے، جیسے ہی میرا یہ فرمان پہنچے فوراً یہ رقم واپس کر دو،“



# تحریم بیع سگ و گربہ

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیمہ کی اجرت، اور کاہن کی نجشش سے منع فرمایا ہے،

ابو النضر بیر کی روایت | صحیح مسلم میں ابو النضر بیر کی روایت ہے وہ کہتے ہیں، میں نے جابرؓ سے کتے اور بلی کی قیمت کے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سخت ناپسند کرتے تھے،

علاوہ انہیں صحیح مسلم میں رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،!

”بدترین کمائی زانیمہ کی اجرت، کتے کی قیمت اور پھینے لگانے والے کا کسب ہے،“

یہ سنن متضمن ہیں امور اربعہ کو:

امور اربعہ مستنبطہ | ۱۔ تحریم بیع کلاب، — اس میں ہر کتا شامل ہے خواہ وہ پھوٹا ہو،

یا بڑا، شکار کے لیے ہو یا رکھوالی کے لیے، یا کھیتوں کی نگہبانی پر مامور ہو،

یہ فقہائے اہل حدیث کا مسلک ہے پوری قطعیت کے ساتھ،

لیکن اصحاب مالک اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں نزاع مروی ہے، اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیع کلاب، کو جائز رکھتے ہیں، اور ان کی قیمت کھانا بھی درست قرار دیتے ہیں قاضی عبدالوہاب کا قول ہے کہ بعض لوگ اسے مکروہ اور بعض حرام قرار دیتے ہیں۔

شکاری کتے کے بارے میں حکم | اور اگر یہ کہا جائے کہ شکاری کتا اس نوع سے متشبیہ ہے جس کی قیمت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے بنی مروی ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے اپنی سنن میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ درج کی ہے، کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمن (قیمت) بیع کلب کی ممانعت فرمائی ہے، لیکن شکاری کتے کے بارے میں اجازت مرحمت فرمادی ہے۔

اسی طرح نسائی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن الحسن مصیسی نے خبر دی، ان سے حجاج بن محمد نے حدیث بیان کی، انھوں نے حماد بن سلمہ سے، انھوں نے ابو الزبیر سے، انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے، سوا شکاری کتے کے (اے مستثنیٰ کر دیا ہے)۔“

قاسم بن اصبغ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے محمد بن اسماعیل نے، انھوں نے ابن ابی مریم سے انھوں نے یحییٰ بن ابی ایوب سے، انھوں نے مشنی بن الصباح سے، انھوں نے عطاء بن ابی زریح سے اور انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

”کتے کی قیمت حرام ہے، سوا شکاری کتے کے،“

ابن وہب کہتے ہیں کہ ابن شہاب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

”تین چیزیں حرام ہیں، کاہن کی اجرت، زانیہ کی اجرت، اور کٹ کھٹنے کتے کی قیمت!“

یزابن وہب کہتے ہیں، مجھ سے ہیشم بن منیر نے، ان سے حسین ابن عبد اللہ، بن صمرہ نے ان سے، ان کے والد نے، ان سے ان کے دادا نے، ان سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ!

بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے کٹ کھٹنے کتے کی قیمت سے منع فرمایا

ہے،!!“

استثناء کی صحت پر ایک روایت | استثناء کی صحت پر ایک روایت

وال ہے، جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمن کلب سے منع فرمایا ہے، لیکن خود جابر رضی

نے شکاری کتے کی قیمت کی اجازت دی ہے اور قول صحابی تھبیس عموم حدیث کا پورے طور پر صالح اور حجت ہے، چنانچہ شدا فغ بھی اس کی بیع کو جائز کہتے ہیں، جیسے خیر اور گدھے کی بیع جائز ہے۔

لیکن ان مزعومات کا جواب یہ ہے **استثناء کلب صید کی روایت درست نہیں** | کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استثناء کلب

صید (شکاری) کی روایت صحیح نہیں ہے، چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں حسن بن ابی جعفر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا، انھوں نے اسے ضعیف قرار دیا، دارقطنی نے اسے صواب گروانتے ہیں کہ یہ جابر پر موقوف ہے،

امام ترمذی کہتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے وہ کہتے ہیں یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا راوی ابو الہزم ضعیف ہے۔

بیہقی کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثمن کلب کی تحریم کی روایت صحابہ کی ایک جماعت نے کی ہے جس میں ابن عباس، جابر، عبد اللہ، ابو ہریرہ، رافع، ابن خدیج اور ابو جحیفہ، رضی اللہ عنہم شامل ہیں، ان کے مرویات کے الفاظ مختلف ہیں لیکن معنی ایک ہیں، اور جو حدیث استثناء کلب صید کے سلسلہ میں مروی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ راوی کو شبہہ پڑ گیا ہے۔

رہی حماد بن سلمہ کی حدیث جو انہوں نے ابو الزبیر سے **حماد بن سلمہ کی حدیث پر ایک نظر** | روایت کی ہے، اسے امام احمد رضی اللہ عنہ نے

ضعیف قرار دیا ہے، دارقطنی نے اسے صواب کہا ہے، لیکن موقوف قرار دیا ہے، ابن حزم نے اسے معلول بتایا ہے، کیونکہ ابن الزبیر نے تصریح سماع از جابر رضی اللہ عنہ نہیں کی ہے، اور یہ راوی راس ہے، بیہقی نے اسے معلل قرار دیا ہے، اس کا ایک راوی وہم میں مبتلا ہو گیا ہے، اس نے استثناء کلب صید کو بیع کی طرف منتقل کر دیا ہے،

مثنیٰ بن الصباح کی روایت باطل ہے | میں کہتا ہوں کہ مثنیٰ بن الصباح کی عطا سے اور ان کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

باطل ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی یحییٰ بن ایوب ہیں، مالک ان کے کذب کی شہادت



دیتے، امام احمد ان پر جرح کرتے ہیں،

حضرت علی سے مروی اثر سچہ جرح | باقی رہا، علی رضی اللہ عنہ کا اثر تو اس روایت میں ایک راوی، ابن صمرہ ہے، جو حد درجہ ضعیف ہے

اس طرح کے آثار ساقطہ معلولہ ان پر تقدم نہیں حاصل کر سکتے، جنہیں ائمہ ثقافت نے روایت کیا ہے، چنانچہ بعض حفاظ حدیث کہتے ہیں کہ ان کی نقل، دراصل نقل متواتر ہے، اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے، بلکہ جابر، ابو ہریرہ، اور ابن عباس تو صاف الفاظ میں کہتے ہیں، کہ ثمن کلب، خبیث ہے،

وکیح اسرائیل سے، وہ عبدالکریم سے، وہ قیس بن جبیر سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت، اور شراب کے دام حرام ہیں۔

اور کتے کو، خچر اور گدھے پر قیاس کرنا تو افسد القیاس ہے، کتے کو افسد القیاس | اگر کسی چیز پر قیاس کیا جاسکتا ہے تو وہ خنزیر ہے، کیونکہ اس میں اور خنزیر میں جو مشابہت ہے، وہ خچر اور گدھے کی مشابہت سے کہیں زیادہ قوی ہے،

سراسر باطل دعوے | اور اگر یہ کہا جائے کہ ثمن کلب کی ہنہ، اس وقت تک تھی جب تک اسے قتل کرنے کا حکم نافذ تھا، لیکن جب اس کا قتل ممنوع ہو گیا تو اس کی قید مباح ہو گئی، اور تحریم بیع کا حکم منسوخ ہو گیا۔

لیکن یہ دعوے سراسر باطل اور ناقابل قبول ہے مدعی کے پاس اپنے دعوے کی صحت کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ اس کے پاس تائید میں کوئی اثر ہے، نہ کوئی تائیدی ثبوت ہے، جو اس دعوے کے ثبوت پر دلالت کرتا ہو،

اس کے برعکس اس کے بطلان پر وہ حدیثیں دال ہیں جو تحریم بیع، اور تحریم اکل ثمن کلب پر دلالت کرتی ہیں

لے یہ بڑی دور انداز کار اور غیر ضروری بحثیں بظاہر معلوم ہوتی ہیں، لیکن اسے فراموش نہ کرنا چاہیے،



کہ جو چیزیں چند افراد کو دور از کار اور غیر ضروری معلوم ہوتی ہیں، وہ نہایت اہم قانونی مباحث سے تعلق رکھتی ہیں،

قانون خشک بھی ہوتا ہے، غیر دلچسپ بھی، اور پیچیدہ بھی،

لیکن بایں ہمہ اگر قانون نہ ہو، اور ایک مسئلہ کے سارے جزئیات کو، جو متوقع اور ممکن ہوں، اپنے دامن میں نہ سمیٹ لے، تو عوام کو گونا گوں مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور حاکم کو بھی فیصلہ کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں، لہذا قانون کا فرض ہے کہ وہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو زیر بحث لائے اور کوئی گوشہ تشنہ نہ رہنے دے۔

---

# تحریم اجرت زانیہ

آزاد عورت اگر زنا پر مجبور کی جائے تو کیا مہر واجب ہوگا؟

**باندی کے بارے میں حکم** | زنا کے معاوضہ کے طور پر زانیہ جو کچھ حاصل کرتی ہے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے خبیث ہے، خواہ اس کا صدور حرہ کی طرف سے ہو یا باندی کی طرف سے بطور خاص اس لیے کہ اس زمانہ میں یہ کام حرام کے مقابلہ میں باندیاں ہی زیادہ کرتی تھیں، چنانچہ آپ سے بیعت کرتے وقت ہنہ نے سوال کیا تھا،

”وکیا آزاد عورت بھی زنا کا ارتکاب کرتی ہے؟“

**زانیہ مہر کی حقدار نہیں** | اس بارے میں فقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر ایک عاقل و بالغ عورت، کسی آدمی کو پسند کرتی اور اس سے زنا کرتی ہے، تو وہ کسی مہر کی حقدار نہیں ہے۔

**آزاد عورت اور باندی کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف** | لیکن حرہ مکرمہ اور امت مطاہرہ کے

بارے میں اختلاف ہے۔

۱۔ یعنی وہ آزاد عورت جو زنا پر مجبور کی جائے،  
۲۔ یعنی وہ باندی، جو حکم آقا کی پیروی میں یہ گناہ کرے۔

جہاں تک آزاد عورت کا زنا پر مجبور کیے جانے کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں، اور یہ امام احمد رحمۃ اللہ کے روایات منصوص میں سے ہیں،

۱۔ ایسی آزاد عورت جو زنا پر مجبور کی جائے، مہر کی مستحق ہے، خواہ وہ کنواری ہو یا کنواری نہ ہو، خواہ اس کے ساتھ مجامعت کی گئی ہو یا اغلام،

۲۔ اگر عورت کنواری نہیں ہے تو مہر کی مستحق نہیں ہے، اگر کنواری ہے تو مہر کی سزا وار ہے۔

۳۔ اگر وہ محرم ہے تو مہر نہیں ہے، اگر اجنبی ہے تو مہر واجب ہوگا۔

۴۔ جس عورت کی لڑکی مرد پر حرام ہے، مثلاً ماں، بیٹی، بہن، اسے مہر نہیں ملے گا، اور جس کی بیٹی حلال ہے۔ مثلاً پھپھی، خالہ، تو وہ مہر پائے گی،

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ مکبرہ کو کسی حالت میں مہر نہیں ملے گا، خواہ وہ کنواری ہو یا کنواری نہ ہو۔

شارع کے قول کے مطابق مہر عقد کی صورت میں ملتا ہے، پھر زنا کی صورت میں کیسے مل سکتا ہے؟

اور باندی کو نکاح پر قیاس کرنا فاسد ترین قیاس ہے، کیونکہ اس استمناح (زنا) کے مقابلہ میں تو شارع نے حد، عقوبت، اور سزا رکھی ہے، یہ چیزیں ضمان مہر کے مقابلہ میں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں؟ مہر خاص، نکاح میں لفظاً و معنایاً ہے، اس کی طرف تعات ہوتا ہے، چنانچہ ”مہر نکاح“ کہتے ہیں، ”مہر زنا نہیں کہتے،

لواطت سے مہر واجب نہیں ہوتا | اسی طرح جس عورت سے اغلام کیا جائے جو باندی لواطت کے باعث یہ فعل کرے

اس کا مہر بھی واجب نہیں ہوگا، (البتہ زانی سزا پائے گا) کیونکہ پہلی صورت لواطت کی ہے جس میں مہر نہیں ہوتا، ابوالبرکات ابن تیمیہ مکبرہ، مہر مثل واجب قرار دیتے ہیں، خواہ زنا بصورت جماع ہو یا اغلام، ابو محمد نے مغنی میں لکھا ہے کہ وطی فی الدبر اور لواطت سے مہر واجب نہیں ہوتا، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ شارع نے

اس فعل کی کوئی قیمت کسی اعتبار سے نہیں مقرر کی، نہ اندر وے اصل، نہ اندر وے قدر، اور فرج کا قیاس بالکل فاسد ہے، پھر تو اگر لڑکے سے اغلام کیا جائے تو اسے بھی مہر دینا پڑے گا۔

لے زانیہ کے مہر، اور لواطت کی صورت میں مہر، یا زانیہ کی اجرت، یہ محض قانونی اور فقہی مباحث ہیں ورنہ عقل عامہ رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح کی اجرت یا مہر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اسلام نے چونکہ انسان کی عظمت و تکریم کو دو بالا کیا ہے، اسی لیے وہ تحفظ نسب پر بہت زیادہ زور دیتا ہے، ساتھ ہی ساتھ تطہیر اخلاق و کردار بھی، اور زنا کی صورت میں تحفظ نسب اور تطہیر اخلاق و کردار کی پوری عمارت ان کی آن میں منہدم ہو کر رہ جاتی ہے اسی لیے اس کی سزا، اتنی سخت تجویز کی جو کسی اور جرم کی نہیں ہے، اور چونکہ سزا اتنی سخت و شدید تجویز کی اسی لیے خاص اس مسئلہ میں شہادت اور گواہی کا اصول بھی اتنا سخت اور بے لچک رکھا کہ کسی درجہ میں بھی نا انصافی کا شائبہ نہ پایا جائے اور مجرم کو شبہہ کا پور فائدہ دیا جائے۔



# حرمت کسب کنیز و زانیہ

کیا توبہ کے بعد زانیہ اپنے کسب کی آمدنی خرچ کر سکتی ہے

**مسئلہ مہر کنیز و زانیہ** | آیا کنیز (باندی) بصورت زنا مرد سے مہر وصول کر سکتی ہے ؟  
 اس باب میں دو قول ہیں ، ایک یہ کہ وصول کر سکتی ہے یہ  
 امام شافعی اور اکثر اصحاب امام احمد کا قول ہے ، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ منفعت  
 دوسرے شخص (مالک) کے لیے وہ حاصل کرتی ہے ، لہذا اس کا بدل ساقط نہیں ہوگا  
 لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ مہر واجب نہیں ہوگا ، کیونکہ یہ ایسا فعل قبیح ہے جس  
 کے مہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ، اور فرمایا ہے کہ یہ خبیث  
 ہے کسب زنا اور اجرت کاہن اور دشمن کلب کو ایک ہی حکم میں رکھا ہے ، لہذا کنیز  
 بھی اس حکم میں داخل ہے ، عموم سے اس کی تخصیص کسی طرح بھی جائز نہیں ، کیونکہ  
 باندیاں تو اس پیشہ کے اعتبار سے شہرت رکھتی تھیں ، چنانچہ ان کے اور ان کے  
 آقاؤں کے بارے میں حکم الہی نازل ہوا ،

ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحت ناک۔ یعنی اپنی مملوکہ لونڈیوں کو  
 زنا کرنے پر مجبور مت کرو ، (بالخصوص) جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں ۔  
 پس اس آیت کریمہ کی روشنی میں باندیاں اس نص سے کس طرح خارج کی جاسکتی

ہیں؟ اور اگر تم یہ کہو کہ باندی جو منفعت حاصل کرتی ہے وہ اپنے آقا کے لیے کرتی ہے، تو آقا کے لیے بھی یہ آمدنی کب جائز ہے؟ وہ عقد نکاح کا مالک بن سکتا ہے لیکن زنا کے لیے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے جو معاوضہ رکھا ہے وہ صرف عقوبت ہے۔

توبہ کے بعد زانیہ، اجرت زنا کیا خرچ کرے گی؟ | اور اگر کہا جائے کہ اس بارے میں میں کیا کہتے ہو کہ زانیہ اگر

تائب ہو جائے، اور اجرت زنا کی رقم اس کے قبضہ میں ہو، تو وہ کیا کرے؟ آیا وہ رقم ارباب رقم کو واپس کر دے گی؟ یا اپنے صرف میں لائے گی؟ یا صدقہ کر دے گی؟ جواب میں ہم کہیں گے کہ اسلام کے عظیم قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کے قبضہ میں ایسی چیز ہو جس پر قبضہ شرعاً جائز نہ ہو، اور وہ اس قبضہ سے گلو خلاصی چاہے تو اگر مقبوضہ چیز، اپنے مالک کی رضامندی کے بغیر حاصل کی گئی ہے، اور اس رقم کے بدلے میں اس نے کچھ حاصل نہیں کیا ہے تو وہ اسے واپس کر دی جائے گی، اگر یہ ممکن نہ ہو تو ان کے ورثا کو واپس کر دی جائے گی۔

اور اگر مقبوضہ چیز اپنے مالک کی رضامندی سے حاصل ہوئی ہے، اور وہ اس کا عوض جو حرام ہے۔ لے چکا ہے، تو یہ دینے والے کو واپس نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے یہ رقم دی تھی اور اس کا عوض۔ گو حرام سہی۔ بھی حاصل کر لیا تھا، لہذا یہ جائز نہیں ہے کہ وہ منفعت بھی حاصل کرے، اور منفعت کے عوض میں جو کچھ دے وہ بھی حاصل کر لے، کیونکہ اس طرح تو گویا انکم وعدوان کے معاملہ میں اس کی اعانت کی گئی، اور اصحاب معاصی کو بڑا اچھا موقع ارتکاب معصیت کامل جائے گا،

لیکن اس رقم پر جس کا قبضہ ہے۔ اس لیے اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ خبیث ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، پس یہ رقم خبیث کسب کے باعث خبیث ہے، ظلم کے باعث خبیث نہیں ہے، لہذا،

اس سے گلو خلاصی اور اتمامِ توبہ کی صورت یہ ہے کہ اسے صدقہ کر دیا جائے، لیکن خود محتاج ہو تو بقدر حاجت و ضرورت اس رقم میں سے اپنے مصارف کے لیے رکھ لینا جائز ہے، باقی رقم صدقہ کر دینی چاہیے، یہ حکم ہر کسبِ خبیث کے لیے ہے۔

زانی کو اس کا مال واپس نہیں مل سکتا | اور اگر یہ کہا جائے کہ ناجائز مقبوضہ چیز کا قبضہ بمنزلہ عدم کے ہے، لہذا بغیر حق کے جس کے قبضہ میں مال ہے اسے چاہیے کہ دینے والے کو واپس کر دے اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں نے وہ چیز دی جس کا انھیں حق نہیں تھا، اور وہ چیز لی، جس کا وہ حق نہیں رکھتے تھے، دونوں گنہگار ہیں پھر یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ایک کے لیے تو یہ خصوصیت ہو کہ عوض اور معوض (رقم اجرت) دونوں اس کے لیے جمع کرائے جائیں، اور دوسرے کو دونوں سے محروم کر دیا جائے۔

# تحریم اُجرت کاہن و منجم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام عالیہ

رمال وغیرہ کی اُجرت بھی حرام ہے | ابو عمر بن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کاہن کو اس کی کہانت کے معاوضہ میں جو رقم دی جاتی ہے۔ اس کا کھانا مال باطل کا کھانا ہے اس اُجرت کو ”حلوان“ کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں عطیہ، حلوان کاہن کی تحریم تنبیہ ہے نجومی، قرعہ انداز، پانسہ پھینکنے والا، اور رمال وغیرہ کی تحریم حلوان پر اسی طرح وہ تمام لوگ جو غیب کی باتیں بتاتے ہیں، انہیں عطیہ یا اُجرت دینا حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہنوں کو اُجرت دینے سے منع فرمایا ہے، آپ کا ارشاد ہے:

”جو کسی نجومی کے پاس آیا اور اس نے اُسے کچھ صدقہ یا عطیہ اس کی

باتیں سنکر دیا، اس نے کفر کا ارتکاب کیا“

بلاشبہ اس چیز پر ایمان جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور اس چیز پر ایمان جو کاہن یا نجومی کی کہانت پر ہوا یہ دونوں ایمان قلب واحد میں جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک کا صدق دوسرے کے کذب پر منسوب ہوگا، شیطان کے ذریعہ سے جو



خبریں آتی ہیں وہ اگر کبھی سچ ثابت ہوں تو لوگوں کی گمراہی اور ان کا فتنے میں مبتلا ہونا ممکن ہو جاتا ہے، اکثر لوگ ان باتوں پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آتے ہیں۔ خاص طور پر ضعیف العقل لوگ مثلاً احمق، جاہل، عورت اور دیہاتی اور جو لوگ حقائق ایمان سے لاعلم ہوتے ہیں وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کاہنوں اور نجومیوں سے حسن ظن رکھتے ہیں اگرچہ وہ کافر مشرک کیوں نہ ہوں، وہ ان کی زیارت کو جاتے ہیں، انہیں نذر دیتے ہیں، اور ان سے دعا کی التجا کرتے ہیں اس طرح کے بہت سے واقعات ہم نے دیکھے اور سنے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ رسول خداؐ اور دین حق کی تعلیمات سے ناواقف ہوتے ہیں اور جو اللہ کے نور سے روشنی نہ پائے پھر وہ کسی نور سے روشنی نہیں پاسکتا،

صحابہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ کاہن اور نجومی جو باتیں ہمیں کسی واقعہ کے متعلق بتاتے ہیں تو کبھی وہ اسی طرح واقع ہو جاتا ہے جیسا انھوں نے کہا تھا، آپؐ نے صحابہ کو بتایا کہ یہ از جہت شیاطین ہے وہ کبھی کوئی ایسی بات انھیں بتا دیتے ہیں جو سچ ہوتی ہے اور وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ اور ملا دیتے ہیں لوگ اس ایک سچ کی وجہ سے ان جھوٹی باتوں کی بھی تصدیق کرنے لگتے ہیں۔

پیش گوئیاں کرنے والے لوگ | اب رہے پیش گوئیاں کرنے والے لوگ، ان کی پیش گوئیاں چند چیزوں پر مبنی ہوتی ہیں :

- ۱۔ کاہنوں کی بتائی ہوئی خبریں۔
- ۲۔ کتب سابقہ سے اخبار منقولہ جو اہل کتاب کے مابین متواتر چلے آرہے ہیں
- ۳۔ وہ امور جس کی خبر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجماعی اور تفصیلی طور پر دی ہے۔

- ۴۔ وہ امور جو صحابہ اور بعد کے لوگوں کے کشف میں سے ہیں۔
- ۵۔ کسی امر تھمی یا جزئی سے متعلق خواب، جنہی کو بعینہ بیان کر دیتے ہیں اور ان کی

تفصیل قرائن سے کرتے ہیں جو سچ یا قریب بہ صدق ہوتے ہیں۔

۶۔ ایسے آثار علویہ سے استدلال جنہیں اللہ تعالیٰ نے حوادث ارضی کا سبب

اور دلیل بتایا ہے اور جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں، اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی بیکار اور عبث پیدا نہیں کی ہے اس نے عالم علوی اور عالم سفلی کے مابین ایک ربط قائم رکھا ہے، اور علوی کو سفلی پر مؤثر رکھا ہے لیکن سفلی کو علوی پر مؤثر نہیں رکھا، چنانچہ سورج اور چاند

شخص کی موت اور زندگی سے واسطہ نہیں رکھتا، البتہ حوادث ارضی کا سبب بن

سکتا ہے اس شر کے تغیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز، دعا، توبہ، استغفار اور

عتق جیسی چیزیں مقرر کی ہیں، یہ چیزیں اسباب شر کو دفع کرتیں اور ان کی مقاوت

کر اور ان کے موجبات کو روکتی ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حرکت شمس و قمر اور

ان کے مطالع کو سبب بنایا ہے موسم کا، چنانچہ گرمی اور سردی وغیرہ انہیں چیزوں کا

نتیجہ ہیں پس جو شخص حرکات شمس و قمر پر اعتنا کرتا ہے اور اختلاف مطالع سے واقف

ہے وہ بتا سکتا ہے کہ نباتات اور حیوانات وغیرہ پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوں

گے یہ ایسی بات ہے جن سے اکثر کسان اور کاشتکار واقف ہوتے ہیں اسی طرح

کشتیوں کے ناخذا احوال کو اکب سے اور رفتار شمس و قمر سے اور ہواؤں کی

شدت قوت سے سلامتی اور خطرے کا اندازہ لگا لیتے ہیں جو بہت کم غلط ثابت ہوتا

ہے، اسی طرح اطباء کے استدلالات ہیں جو احوال شمس و قمر کی بنیاد پر انسانی طبیعت

کے اختلاف اور قبول تغیر کی استعداد سے متعلق ہوتے ہیں،

احکام و قیاسیات کا استخراج | چنانچہ پیش گوئیاں کرنے والے ان تمام چیزوں سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اور

اسی بنا پر احکام و قیاسیات کا استخراج کرتے ہیں جو سابقہ احوال و واقعات سے

مشابہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ خلق کے بارے میں حکمت اور مصلحت

پر مبنی ہوتی ہے۔ لہذا نظیر کی بنا پر حکم لگایا جاتا ہے

وہ درحقیقت حکم الہی کی نظیر پر مبنی ہوتا ہے۔

تعبیر کی اجرت جائز ہے | کہانت، نجوم، ملاہم، وغیرہ کی صرف ایک قسم ایسی ہے جو معتبر ہے اور وہ ہے تعبیر رویا جو شخص اس فن میں

اچھی طرح نفوذ و اطلاع حاصل کر لیتا ہے اس سے عجائب امور سرزد ہوتے ہیں۔ ہم نے اور ہمارے علاوہ دوسروں نے خود ایسے امور عجیبہ کا مشاہدہ کیا ہے کہ تعبیر دینے والا ایسی تعبیر دیتا ہے جو جلد یا بہ دیر صادق آتی ہے اور سننے والا کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تو علم غیب ہے حالانکہ یہ غیب اس اعتبار سے ہے کہ وہ اس سے ناواقف ہے، اور دوسرا اپنے علم کی انفرادیت کے باعث اُن چیزوں سے واقف ہے جو دوسروں سے مخفی ہیں۔

شارع صلوٰۃ اللہ علیہ نے ایسی چیزوں پر اجرت دینا حرام قرار دیا ہے کہ جن کی مضرت منفعت پر غالب ہو یا جن میں سرے سے کوئی منفعت ہی نہ ہو، جو شرک کی طرف لے جانے والی ہوں اس اجرت کا لینا صیانت امت کے لیے حرام قرار دیا ہے کہ ایمان میں مفسدہ پیدا نہ ہو لیکن تعبیر رویا کی اجرت میں یہ اندیشہ نہیں لہذا وہ باطل نہیں جائز ہے۔ کیونکہ رویا اجزاء نبوت میں سے ہے، لہذا اگر صاحب رویا صادق، پاکباز، اور نیک سرشت ہے، تو اس کی تعبیر صحیح تر ہوگی بخلاف کاہن اور منجم وغیرہ کے انہیں جو کچھ ملتا ہے شیاطین سے ملتا ہے لہذا ان کی صناعت صدق، پاکبازی، اور بالشریعت پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ یہ جادوگروں سے مشابہ ہوتے ہیں، یہ جھوٹے اور فاجر ہوتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے دور ہوتے ہیں،

# تحریم معارضہ نسل کشی حیوانا

لوگوں کی یہ عادت تھی کہ وہ سانڈ کو جستی کے لیے حاصل کیا کرتے تھے۔ بخاری میں ابن عمرؓ اور صحیح مسلم میں جابرؓ کی حدیث سے اس کی نہی ثابت ہوتی ہے، ایسا معاہدہ باطل ہے، خواہ وہ بیع کی صورت میں ہو یا اجارے کی صورت میں ہو، جمہور علماء احمد، شافعی، ابوحنیفہ، اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ کا یہی قول ہے۔

**ابو الوفا بن عقیل کا قول** | اس لیے کہ یہ معاہدہ سانڈ کے منافع کا ہے اور مادیں پر اس کی جفتی منفعت مقصودہ ہے یہ عہد ویسا ہی ہے۔ جیسے دایہ سے بچے کو دودھ پلانے کا معاہدہ کیا جائے یا کوئی زمین اجارے پر لی جائے اور اس میں ایک کنواں بھی ہو تو کنوئیں کا پانی طبعاً اجارے میں شامل ہو جائے گا۔

امام مالک سے اس کے جواز کی روایت بیان کی گئی ہے ان کے اصحاب میں سے صاحب الجواہر نے نہی کر سانڈ کے ایسے اجارے پر محمول کیا ہے جو مادیں سے جفتی کے لیے ہو ایسا اجارہ فاسد ہے۔



لیکن صحیح مسلک مطلق تحریم اور حالت میں فساد عقد کا ہے۔

**تحریم کے اسباب و علل** | تحریم کے متعدد و علل بیان کیے گئے ہیں!

۱۔ یہ معاہدہ کے معقول علیہ کی تسلیم پر قادر نہیں کیونکہ اس کا تعلق سانڈ کے اختیار اور شہوت سے ہے۔

۲۔ اس معاہدہ کا مقصد مادہ تولید کا حصول ہے اور یہ ان چیزوں میں ہے کہ جن کا عقد (معاہدہ) جائز نہیں کیونکہ اس کی قدر اور عین مجہول ہے بخلاف دودھ پلائی کی اجرت کے کیونکہ یہ مصلحت آدمی پر محتمل ہے اور اس کا قیاس دوسری چیزوں پر نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے کہ اس امر کی نہی شریعت کے محاسن و کمالات میں سے ہے۔

کیونکہ اس سانڈ کے مادہ تولید کی قیمت لینا اور اسے عقود معاوضات کا محل قرار دینا عقلاً کے نزدیک ایک قبیح چیز ہے، ایسا کرنے والا ان کے نزدیک پست اور سبک ہو جاتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو، اور خاص طور پر مسلمانوں کو حسن اور قبیح کی میزان قرار دیا ہے،

جو چیز مسلمانوں کے نزدیک بہتر ہے  
وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے

اور جسے مسلمان قبیح سمجھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

علاوہ ازیں سانڈ کے مادہ تولید کی کوئی قیمت نہیں لہذا اگر کسی آدمی کا سانڈ کسی دوسرے شخص کی مارین سے جفتی کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بالاتفاق مادیں کے مالک کا ہے۔

لہذا شریعت کاملہ نے ایسی جفتی کا معاوضہ حرام قرار دیا ہے جس کے لوگ تکثیر نسل کے لیے محتاج ہیں اور جس سے سانڈ کے مالک کو ضرر یا مالی نقصان نہیں پہنچتا پس شرعی طور پر مستحسن یہ ہے کہ یہ چیز مفت دی جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ وہ حقوق ہیں جن سے لوگوں کو محروم کرنا ان کے لیے نقصان کا

باعث ہے ۔

بطور عطیہ و تحفہ کچھ دینا جائز ہے | اور اگر کہا جائے کہ ما دین کا مالک سائڈ کے مالک کو بطور ہدیہ کے کچھ دے تو یہ لینا جائز

ہے یا نہیں ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مقصد معاوضہ ہو تو ناجائز بصورت دیگر کوئی مضائقہ نہیں ۔

---

# زائد از ضرورت پانی کی فروخت حرام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

حضرت جابرؓ کی حدیث | صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائد از ضرورت پانی فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زائد از ضرورت پانی سے (دوسروں کو) روکا نہ جائے، اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں ہے کہ اس سے گھاس اور سبزے کی پیدائش رک جائے گی مسند میں عمر بن شعیب نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے زائد از ضرورت پانی اور گھاس (دوسروں سے) روک لی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے اپنا فضل روک لے گا۔

سنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہرگز نہ روکنی چاہئیں، پانی، گھاس اور آگ، نیز سنن ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین

چیزوں میں لوگ باہم شریک ہیں، پانی، آگ اور گھاس۔

سنن ابی داؤد میں بھینہ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یا نبی اللہ وہ کون چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں؟

”آپ نے فرمایا پانی“  
میرے والد نے پوچھا یا نبی اللہ وہ کون چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں؟  
میرے والد نے کہا یا نبی اللہ وہ کون چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں؟  
آپ نے فرمایا ”اگر بھلائی کرو گے تمہارا بھلا ہوگا“

**پانی عباد اور بہائم کے مابین مشترک ہے** | درحقیقت اللہ تعالیٰ نے پانی

کو عباد اور بہائم کے مابین مشترک پیدا کیا ہے تاکہ وہ اُسے پی سکیں لہذا اس باب میں کوئی بھی ایک دوسرے پر خصوصیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ اس کا بانی کیوں نہ ہو، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مسافر پانی کا زیادہ مستحق ہے کنواں بنانے والے سے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں مسافر کو سب سے پہلے پانی پینے کا حق ہے لیکن جو شخص اُس پانی کو مشک میں یا کسی برتن میں جمع کر لے تو یہ بات حدیث میں غیر مذکور ہے، اس کی حیثیت عام مباحات کی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی ملکیت میں لکڑی گھاس اور نمک وغیرہ جمع کر لے پھر انھیں فروخت کر دے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تم میں سے کوئی شخص لکڑی کا ایک گٹھارسی سے باندھے گا کہ اسے فروخت کرے اور اس طرح اللہ اس کی ضرورت پوری کر دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے اور کبھی اس کا سوال پورا ہو اور کبھی پورا نہ ہو، اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے چنانچہ صحیحین میں علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جنگ بدر میں غنیمت کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے بھی ایک اونٹ ملا پھر آپ نے ایک دوسرا اونٹ بھی مجھے مرحمت فرمایا ایک دن میں ان دونوں کو لے کر ایک انصاری کے دروازہ پر پہنچا اور وہاں انھیں بٹھا دیا تاکہ



ان پر گھاس لادوں اور فروخت کر دوں پھر انھوں نے یہ حدیث بیان کی جس سے ثابت ہوا کہ لکڑی اور گھاس کا اس طرح لینا اور فروخت کر دینا مباح ہے، مچھلی اور دوسرے مباحات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔ اسی طرح بڑی نہروں کا پانی بھی لوگوں کے درمیان مشترک ہے نہ اسے بیچا جاسکتا ہے نہ اس کو روکا جاسکتا ہے نہ اس پر باندی لگائی جاسکتی ہے، اسی طرح اگر ارض مباح میں بارش کا پانی جمع ہو جائے تو کوئی شخص بھی اس پر اپنا زیادہ حق نہیں جتا سکتا بجز اس جگہ سے قریب رہنے والوں کے اس طرح کا پانی نہ فروخت کیا جاسکتا نہ اس سے روکا جاسکتا ہے، روکنے والا گنہگار اور وعید الہی کا مستوجب ہوگا۔

کنوئیں کا مالک بھی پانی فروخت نہیں کر سکتا | اگر کہا جائے کہ کوئی شخص اپنی

ارضی مملوکہ میں پانی جمع کرنے کے لیے گڑھا کھودتا ہے یا کنواں کھودتا ہے تو آیا وہ اس کا مالک ہوگا اور اس کے لیے اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ بیشک وہ دوسروں کے مقابلے میں اس کا زیادہ مستحق ہے اور اگر پانی اس کے اور اس کے جانوروں کے پینے بھر کا ہو تو دوسروں پر اس کا خرچ کرنا واجب نہیں ہے یہ امام احمد کی نص ہے اور یہ صورت وعید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت نہیں آتی کیونکہ وعید زائد از ضرورت پانی کے لیے ہے نہ صورت بالا کے مطابق زیادہ پانی کے بارے میں،

زائد از ضرورت پانی کا بے معاوضہ استعمال | اپنی حاجت اور اپنے جانوروں کی حاجت سے جو زیادہ ہو اور جس کے

دوسرے آدمی اور بہائم محتاج ہوں بغیر کسی معاوضہ کے ہر شخص ایسے پانی پر آ سکتا ہے اسے پی سکتا ہے اور اپنے جانوروں کو پلا سکتا ہے پانی کا مالک منع نہیں کر سکتا نہ وہ کوئی معاوضہ لے سکتا ہے۔

کیا پانی کے مالک کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ ڈول رسی اور چرخ بھی فراہم کرے

تو کیا اس صورت میں اجرت لے سکتا ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں اصحاب احمد رحمۃ اللہ کے کہ ضرورت کے وقت عاریتاً اس طرح کی چیزیں دینا واجب ہیں، امام احمدؒ کہتے ہیں کہ یہ صورت صحرا اور میدان کے لیے ہے۔ عمارت کے لیے نہیں ہے یعنی اگر کسی عمارت کے اندر پانی ہے تو بلا اجازت کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا دوسرے کی کھیتی کے لیے زائد از ضرورت پانی کا دینا آیا لازم ہے یا نہیں اس سلسلے میں امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔

۱۔ لازم نہیں ہے امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔  
 ۲۔ لازم ہے، دلیل میں احادیث مذکورہ پیش کی جاتی ہیں۔  
**کنواں ملکیت ہے، پانی نہیں** | اگر یہ کہا جائے کہ اگر کسی شخص کی زمین یا گھر میں کنواں یا چشمہ ہے تو آیا وہ ملکیت زمین کے باعث داخل ملکیت ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ جہاں تک کنواں اور چشمہ کا تعلق ہے وہ مالک زمین کی ملکیت ہیں لیکن پانی کے بارے میں امام احمدؒ سے دو روایتیں اور امام شافعیؒ سے دو وجہیں منقول ہیں،

۱۔ یہ پانی مملوکہ نہیں ہے کیونکہ مملوکہ زمین کے نیچے بہہ رہا ہے لہذا نہر کے جاری پانی سے مشابہ ہے۔  
 ۲۔ یہ پانی مملوکہ ہے۔

امام احمدؒ کہتے ہیں پانی کی فروخت کسی حالت میں بھی میں پسند نہیں کرتا،  
**حضرت اثرم کی روایت** | اثرمؒ کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہؒ سے سنا اُن سے سوال کیا گیا کہ کچھ لوگوں کے درمیان ایک نہر بہتی ہے جس سے وہ اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں ایک دن یا دو دن وہ اس تقسیم حصص پر اتفاق ہے ایک دن جب میری باری آتی ہے تو میں پانی کی ضرورت نہیں

محسوس کرتا ہوں اور چند روپے کرایہ لے کر کسی دوسرے کو دے دیتا ہوں۔  
ابو عبد اللہؓ نے کہا میں نہیں جانتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

کہا گیا کہ وہ پانی نہیں بیچتا، کرایہ پہ دیتا ہے۔  
ابو عبد اللہؓ نے کہا کہ یہ ایک حیلہ ہے تاکہ ایک غلط چیز کو اچھا رنگ دے سکے ورنہ یہ چیز بیع کے سوا اور کیا ہے۔

امام احمدؒ سے ایک سوال اور اس کا جواب | ایسا ہی ایک سوال امام احمدؒ سے کیا گیا جبکہ لوگ ارض شام میں

اپنے باغات وغیرہ کے لیے ایسا کرنے لگے تھے،  
امام احمدؒ نے کچھ توقف کے بعد یہ جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔ جب ان سے کہا گیا کہ یہ اجارے کی صورت ہے تو انہوں نے فرمایا نہیں یہ حیلہ ہے حقیقتاً یہ بیع ہے اور قواعد شرعیہ پانی کی فروخت سے منع کرتے ہیں۔ اگر پانی آدمی کی ضرورت سے زیادہ ہے تو اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں اور جو اس کا محتاج ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے، یہ قول شرع کے قواعد اور حکمت اور مصالح عام سے بالکل مطابق ہے۔

غیر مسکونہ مکان میں پانی کے لیے بلا اجازت داخلہ جائز ہے | اگر کہا جائے کہ کوئی شخص

اپنے حدود ملکیت میں (پانی وغیرہ لینے کے لیے) داخل ہونے سے منع کر سکتا ہے یا کوئی بغیر اذن کسی کی ملکیت میں داخل ہو سکتا ہے؟

ہمارے بعض اصحاب کا قول ہے کہ کوئی شخص اس طرح کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بلا اجازت کسی دوسرے کی ملکیت میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن اس قول کی کلام شارع میں یا کلام امام احمدؒ میں کوئی اصل نہیں ملتی، بلکہ احمد رحمۃ اللہ کی نص تو یہ ہے کہ ارض غیر مباح میں اس کے مملوک نہ ہونے کے باوجود، سیرابی جائز ہے، البتہ اس مقصد



کے علاوہ دوسرے مقصد سے داخل ہونا جائز نہیں ہے صواب یہ ہے کہ ایسے حق کے استعمال کے لیے اگر استئذان متعذر نہ ہو تو داخل ہونا جائز ہے، بشرطیکہ وہ خود پانی پینے یا اپنے بہائم کو پانی پلانے یا گھاس کو پانی دینے کا ضرورت مند ہو، اور مالک ارض موجود نہ ہو تو اس صورت میں اگر ہم اسے داخل ہونے سے روکیں گے تو یہ ایک ضرر رساں فعل ہوگا، اور ویسے بھی روکنے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ صاحب ارض منع کرنے کا حق نہیں رکھتا، بلکہ اسے داخلہ کی اجازت دینا واجب ہے، لہذا داخلہ کو اذن پر موقوف رکھنا لا حاصل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لیس علیکم جناح ۲۰ ت دخلوا بیوتاً غیر مسکونۃ فیہا متاع لکم  
تو اس صورت میں کہ خانہ غیر مسکونہ میں ضرورت کی چیز ہو اور آدمی داخل ہو جائے  
تو اجازت کی احتیاج نہیں، البتہ خانہ مسکونہ میں بغیر اجازت داخلہ کی اجازت نہیں،  
ظاہر قرآن کا منشا یہی ہے اور امام احمدؒ کی نص کا مقتضا بھی یہی ہے۔

**کنواں اور چشمہ فروخت کیا جاسکتا ہے** | اگر سوال کیا جائے کہ کنویں اور چشمہ  
کی بجائے خود فروخت جائز ہے

یا نہیں؟

امام احمدؒ کا قول ہے کہ نہی کنویں اور چشمہ کے زائد از ضرورت پانی فروخت کرنے  
کی ہے، باقی کنویں اور چشمہ کی فروخت جائز ہے اور خریدنے والا اس کا پورا حق رکھتا  
ہے اور پانی پر بھی اسی کا حق نائق ہے، یہ امام احمدؒ کا قول ہے، اور سنت نبوی سے  
اس کی تائید ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

”جو مبر (کنواں) رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے عام کر دے اسے جنت ملے گی!“  
حضرت عثمان نے ایک یہودی سے یہ کنواں حکم نبوی کے مطابق خرید لیا، اور مسلمانوں  
کے لیے عام کر دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے یہودی سے اڑھائی کنواں بارہ ہزار  
میں خرید لیا دونوں نے اپنے لیے ایک ایک دن کی باری مقرر کر لی، لوگ حضرت عثمان کی



باری کے دن دودن کا پانی لے لیا کرتے تھے، یہودی نے کہا،  
 ”و آپ باقی ادھا بھی خرید لیجئے؟“

چنانچہ حضرت عثمان نے باقی نصف کنواں بھی بارہ ہزار میں خرید لیا، اس سے ثابت  
 ہوتا ہے کہ

• کنویں کی بیع جائز اور صحیح ہے۔

• کنویں کا خریدنا جائز اور صحیح ہے۔

• کنویں کا پانی عام کر دینا جائز اور مباح ہے۔ پانی کی باری تقسیم کر لینا بھی جائز ہے۔

• خریدنے والا دوسروں کے مقابلہ میں پانی کا زیادہ حقدار ہے۔

یہودی پر احکام اسلام کیوں منطبق نہیں ہوئے؟ | اگر یہ اعتراض کیا جائے  
 کہ اگر پانی کی ملکیت دست

نہیں ہے اور ہر شخص اس سے اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے پھر یہودی اپنی باری کے  
 دن مسلمانوں کو پانی پینے سے کیسے منع کر سکتا تھا؟ کہ حضرت عثمان دوسرا نصف بھی خریدنے  
 پر مجبور ہو گئے؟

جواب یہ ہے کہ اوائل اسلام میں تقرر احکام سے قبل جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 مدینہ آئے تو یہودی مدینہ میں جاہ و جلال کے حامل تھے، اور اسلام کے احکام ان پر  
 جاری نہیں تھے اور آپ نے ان سے صلح کر رکھی تھی کہ جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے۔  
 بدستور ان کے قبضہ میں رہے گا، اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ پھر جب  
 احکام اسلام مستقر ہو گئے، اور شرکت یہود ختم ہو گئی تو احکام شریعت ان کے اوپر  
 بھی جاری ہو گئے، اور ظاہر ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہے، جب آپ پہلے پہل  
 مدینہ تشریف لائے تھے۔

آب جاری کسی کی ملکیت نہیں | آب جاری، مثلاً بڑی نہروں کا پانی یا اسی  
 طرح کا دوسرا پانی کسی حالت میں بھی کسی کی

ملکیت نہیں قرار پاسکتا، اگرچہ وہ کسی شخص کی مملوکہ زمین پر کیوں نہ جاری ہو، اس کی

مثال پرند کی سی ہے، جو کسی کی زمین پر اتر آئے تو اس سے وہ اس کا مالک نہیں بن جاتا، ہر شخص اسے پکڑ سکتا یا اس کا شکار کر سکتا ہے۔

**معنی کا ایک غیر صحیح مسئلہ** | شیخ نے معنی میں کہا ہے کہ تالاب وغیرہ داخل ملکیت ہو سکتے ہیں یا وہ گڑھے جو بارش کا پانی جمع کرنے کے لیے تیار کیے گئے ہیں ملکیت میں داخل ہو سکتے ہیں، ان کا پانی زیر ملکیت آسکتا ہے، اور اسے فروخت بھی کیا جاسکتا ہے، اور اذن مالک کے بغیر اس میں سے کچھ نہیں لیا جاسکتا۔

لیکن مذہب اور دلیل کے اعتبار سے یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے امام احمدؒ کی نص موجود ہے کہ کنویں اور چشمہ کا زائد از ضرورت پانی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کنویں اور تالاب میں کوئی فرق نہیں ہے لہذا تالاب کا پانی بھی فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

اب رہی دلیل تو گزشتہ صفحات میں جو نصوص ہم پیش کر چکے ہیں، اور صحیح بخاری کی روایت میں جن وعید ثلاثہ کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور اس آدمی کا ذکر کیا ہے جو زائد از ضرورت پانی سے مسافر کو روکتا ہے، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ارض مختصہ اور ارض مباحہ کے مابین کوئی فرق نہیں کیا جاسکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ تین چیزیں لوگوں کے درمیان مشترک ہیں، نیز آپ سے سوال کیا گیا۔

”وہ کون سی چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں؟“

اور اس ارشاد میں کسی طرح کی شرط نہیں ہے،

لہذا از روئے دلیل بھی اثری اور نظری اعتبار سے پانی کی فروخت ناجائز ہے،

---

۱۔ اگر اسلام کے احکام و تعلیمات اور ہدایات پر سچے معنوں میں عمل کیا جائے تو پھر دنیا کو نہ سوشلزم کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نہ کمیونزم کی، کمیونزم اس وقت افراط و تفریط (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

کا ایک مجموعہ ہے، لیکن اگر یہ اسلام کے زیر سایہ اُجائے تو اس کے نعمت کبریٰ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس لیے کہ اسلام نے جو متوازن، عادلانہ، اور افراد قوم کے حقوق کی رعایت و مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے نظام پیش کیا ہے، اس کے بروئے کار آنے کے بعد، سوسائٹی اور سماج میں ایسی مساوات پیدا ہو جاتی ہے کہ کسی کو کسی سے شکایت باقی نہیں رکھتی، ہر شخص کو اپنا جائزہ، صحیح، اور پورا حق مل جاتا ہے، اور اس حق کے حاصل ہو جانے کے بعد نہ انقلاب کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نہ شورش کی، نہ فتنہ و فساد اور ہنگامہ آفرینی کی۔

اور کوئی شبہ نہیں جب تک یہ نظام لفظ و معنی کے پورے ارتباط کے ساتھ قائم رہا، اس وقت تک دنیا نے اس کے سوا، کسی اور نظام کی طرف توجہ نہیں کی، لیکن جب خود مسلمانوں نے اسے ترک کر دیا اس سے احتراز کرنے لگے، اور اس کے اصولوں کو توڑنے لگے، تو دنیا نے بھی دوسرے دروازوں پر دست تک دینی شروع کر دی آج بھی اگر مسلمان ایک مرتبہ پھر اس نظام کو اپنانے پر متوجہ ہو جائیں، اور خلوص و مستعدی کے ساتھ اس کام میں لگ جائیں، تو دوسرے باطل نظام اپنی موت آپ مرجائیں گے۔

# جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع کی ممانعت

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام

سنن اور مسند میں حکیم بن حزام کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا۔  
یا رسول اللہ میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور مجھ سے وہ ایسی چیز کی بیع چاہتا  
ہے جو میرے پاس نہیں ہے، میں بیع کر لیتا ہوں۔ اس کے بعد وہ چیز بازار سے  
خرید لیتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس چیز کی بیع کرو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔  
ترمذی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے سنن میں اسی طرح کی  
ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بھی ہے۔ ترمذی نے اسے  
حدیث حسن صحیح کہا ہے، یہ دونوں حدیثیں اس پر متفق ہیں کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو  
اس کی بیع سے منع کیا گیا ہے یہ بیع ایک طرح کا دھوکا ہے۔

یہ جوئے سے مشابہ صورت ہے | اگر کوئی شخص ایک معین چیز کی بیع کرتا ہے  
اور وہ اس کی ملکیت میں نہیں ہے پھر

جاتا اور اسے خرید لاتا ہے اور اس کے حوالہ کر دیتا ہے تو اس صورت میں چیز کے  
حصول اور عدم حصول کا امکان ہوتا ہے یہ دھوکا ہے جو جوئے سے مشابہ ہے۔



چنانچہ اسے روک دیا گیا۔

**بیع معدوم کی ممانعت** | بعض لوگوں کا خیال کہ یہ ممانعت چیز کے معدوم ہونے کے سبب وارد ہوئی ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے بیع معدوم سے منع فرمایا ہے، لیکن یہ حدیث بے اصل ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دونوں احادیث کے برعکس اس کی روایت باللفظ نہیں بالمعنی ہے اور جو لوگ ان دونوں کے ایک ہی معنی مراد لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں حکیمؒ اور ابن عمرؓ کی حدیث سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ چیز معدوم ہے، معدوم کی ایک قسم وہ ہے جو تبعاً موجود ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک متفق الیہ دوسری سے مختلف فیہ۔

**معدوم پھلوں کی بیع** | متفق الیہ پھلوں کی بیع ہے جبکہ ”بور“ ظاہر ہو گیا ہو خواہ کسی ایک ہی پل کا کیوں نہ ہو اس بیع کے جواز پر سب کا اتفاق ہے، حالانکہ معاہدے کے وقت بقیہ اجزائے شمار معدوم ہوتے ہیں، مگر موجود کے ذیل میں اسے شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر بیع جائز ہوتی ہے کیونکہ معدوم موجود سے متصل ہوتا ہے، اس کی مثال اس منافع کی سی ہے جو از روئے معاہدہ اجارہ سے حاصل ہوتا ہے، لیکن وہ معدوم ہونے کے باوجود موروثی بن جاتا ہے۔

# بیع سلم اور بیع سلف

ایک حدیث کا تعلق بیع سلم سے ہے؟ | ایک گروہ کا خیال ہے کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی ممانعت کا اصل

مورد بیع سلم ہے۔

بیع سلم کیا ہے؟ | لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیع سلم میں وہ چیز داخل ہوتی ہے جسے حوالے کرنے کی قدرت اور استطاعت بائع رکھتا

ہو، اس میں کوئی دھوکا نہیں ہے نہ کسی قسم کا خزانہ ہے، مسلم البیہ کے ذمہ جو مال ہے، اس کی ادائی اپنے محل پر واجب ہے، اسی طرح مشتری کو یہ سہولت ملتی ہے کہ وہ قیمت دیر سے ادا کرے، اس سلسلہ میں کئی قول ہیں، لیکن مبنی اصواب قول یہ ہے کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع کی ممانعت میں جو حدیث

۱۔ بیع سلم اسے کہتے ہیں کہ آدمی پیشگی روپیہ اس شرط پر دیدے کہ فلاں مال، فلاں وقت اس قیمت پر ہم تم سے لیں گے، خواہ اس وقت اس کا نرخ کچھ ہی ہو، مثلاً آج گیہوں دس سیر کا بک رہا ہے، لیکن پیشگی روپیہ دیتے ہوئے آدمی کہتا ہے فلاں وقت ہم تم سے بارہ سیر کے حساب سے لیں گے، خواہ اس وقت نرخ آٹھ سیر کا ہو، یا پندرہ سیر کا۔

۲۔ بیع سلف اسے کہتے ہیں کہ پہلے سودا کر لیا جائے، اور قیمت بعد میں دی جائے،

آئی ہے، وہ بیع سلم سے متعلق کسی طرح بھی نہیں ہے خواہ وہ بیع سلم مؤجل ہو یا فوری بیع سلم عبارت ہے تا جیل (تاخیر) مبیع سے، یہ اسی طرح ہے جیسے تا جیل ثمن، دونوں صورتوں میں اہل دنیا کی مصلحت پوشیدہ ہے۔

**مبیع غائب کے سلسلہ میں چند اقوال** | مبیع غائب کے سلسلہ میں چند اقوال ہیں:

۱۔ ایک گروہ مبیع غائب کو مطلق طور پر جائز قرار دیتا ہے لیکن معین طور پر جائز نہیں قرار دیتا، امام شافعی رحمۃ اللہ سے بھی یہی مسلک منسوب ہے۔

۲۔ ایک اور گروہ ہے جو مبیع غائب کو معین طور پر، جبکہ اس کی صفت ذکر کر دی گئی ہو جائز قرار دیتا ہے، لیکن مطلق طور پر جائز نہیں قرار دیتا، مثلاً امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ،

امام شافعی کے بارے میں کہا جاتا ہے، کہ انھوں نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا:

اگر بیع مطلق مذکور یہ صفت جائز ہے، پھر بیع معین مذکور بہ صفت بطریق اول جائز ہوئی کیونکہ برخلاف معین کے مطلق میں بہر حال دھوکے، خطرے، اور جیل کا امکان ہے۔

اگر گیہوں کی بیع ذکر صفت کے ساتھ مطلقاً جائز ہے تو اس کی بیع ذکر صفت کے ساتھ معین طور پر بطریق اولیٰ جائز ہے اس صورت میں مشتری کو حق خیاب بھی حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ صحابہ سے منقول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہی ہے امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

**عقود میں اعتبار حقائق کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا** | قاضی وغیرہ اصحاب احمد رحمۃ اللہ نے بیع سلم فوری کو، لفظ بیع

کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، تحقیقی بات یہ ہے کہ عقود میں اعتبار حقائق اور مقاصد کا ہوتا ہے، نہ کہ مجرد الفاظ کا!

**بیع سلم کی آپ کی طرف سے مانعت** | اور نفس بیع اعیان حاضرہ جن کا قبضہ متاخر ہو، اور قیمت پہلے دے

دی جائے، اسے بیع سلف کہتے ہیں جیسا کہ مسند میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے باغ کے سلم کی نہیں فرمائی ہے۔ جب تک اس کا بور ظاہر نہ ہو جائے، بور ظاہر ہونے کے بعد اگر آدمی یہ کہے کہ

”اس باغ کی کھجوریں دس وسق کے عوض میں تم کو دیتا ہوں!“

تو یہ جائز ہے، لیکن ثمن (قیمت) بور کے مکمل ہونے تک متاخر رہے گی، لیکن اگر قیمت پیشگی دیدی جائے تو پھر یہ بیع سلف ہے، کیونکہ سلف اسے کہتے ہیں جو پہلے ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فجعلنا سلفاً ومثلاً للآخرین

علاوہ ازیں سلف قرض کے معنی میں بھی آتا ہے،

**بیع تجارت جائز ہے** | غرض حاصل کلام یہ کہ اس چیز کی بیع جو بائع کے پاس موجود نہیں ہے، نہ اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے قمار اور

جوئے کے مانند ہے، کیونکہ ایسے بائع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کی بیع سے جو اس کے پاس نہیں ہے، نفع کمائے، اور مشتری اس بات سے لاعلم ہوتا ہے کہ یہ شخص جو بیع کر رہا ہے، بعد میں خود جا کر اسے خریدے گا۔ تب حوالے کرے گا، اور اگر لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے تو اکثر صورتوں میں لوگ اس سے ہرگز سودا نہ کریں، بلکہ اس نے جہاں سے وہ چیز (نہایت سستے نرخ پر) خریدی ہے خود وہاں جا کر خرید لیں، اور اس صورت کو مخاطبہ تجارت میں شامل نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر کوئی تاجر کچھ مال خریدتا ہے اور اب وہ اس کی ملکیت میں آجاتا ہے، اور اس کے قبضہ و تصرف میں داخل ہو جاتا ہے، تو اب وہ مخاطبہ تجارت میں آجاتا ہے اور جو بیع کرتا ہے وہ بیع تجارت ہوتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے: ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل الا ان تكون تجارت عن تراض منکم۔



# بیع کی مختلف قسمیں اور ان کے احکام

بیع حصاة، بیع غرر، بیع علامت، بیع منابذة وغیرہ

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث | صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حصاة اور غرر کی نہی فرمائی ہے۔

بیع ملامت کی ممانعت | صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے بیع ملامت اور بیع منابذة سے منع فرمایا ہے۔

مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ سودا کرنے والے دیکھے بھالے بغیر ایک دوسرے کے کپڑے کو چھو لیں اور بیع واقع ہو جائے۔

بیع منابذة | اور بیع منابذة یہ ہے کہ سودا کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے۔ اور دونوں میں سے کوئی کسی کے کپڑے کو نہ دیکھے۔

ایک دوسری روایت صحیحین میں ابو سعید کی یہ ہے کہ بیع ملامت یہ ہے کہ خریدار اور فروخت کرنے والا دونوں ایک دوسرے کے کپڑے کو دن یا رات میں ہاتھ

سے چھولیں۔ اور بیع منابذہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دے اور دوسرا اپنا کپڑا اس کی طرف پھینک دے اور اس طرح مال کی بیع بلا اسے دیکھے اور بغیر رضامندی کے ہو جائے۔

**بیع حصاة کی مانعت** | بیع حصاة کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کہے۔  
”یہ کنکری پھینکو کپڑے کے جس تھان پر یہ پڑ جائے گی۔“  
وہ ایک درہم میں تمہارا!

یا اگر کوئی زمین خرید رہا ہے تو یہ صورت ہوگی کہ پھینکی ہوئی کنکری جہاں تک پہنچ جائے اتنی زمین کے تم مالک یہ ساری صورتیں قاصر ہیں اور قمار سے مشابہ ہیں۔

**بیع غرر کی مانعت** | بیع غرر ایسی چیز کی بیع ہے جسے حوالے کرنا بائع کے بس میں نہ ہو مثلاً کوئی شخص بھاگے ہوئے غلام یا اونٹ، یا ہوا میں اڑنے والے پرند، یا دریا میں تیرنے والی مچھلی کسی کے ہاتھ فروخت کر دے تو یہ بیع غرر (دھوکا) ہے۔ غرض ایسی چیز کا بیع کرنا جس کا حوالے کرنا بس سے باہر ہو، یا جس کی تعداد نامعلوم ہو، لیکن قیمت معلوم ہو بیع غرر ہے۔

**بیع جبل الحبلة کی مانعت** | اسی طرح بیع جبل الحبلة ہے، یہ بیع بھی ممنوع ہے جیسا کہ صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

جبل الحبلة یہ ہے کہ ساندنی بچہ جنے، پھر یہ حاملہ ہو، تب قیمت ادا کی جائے۔  
**بیع ملا قح و مضامین کی مانعت** | اسی طرح بیع ملا قح اور مضامین بھی ممنوع ہے جیسا کہ سعید بن المسیب نے ابو ہریرہؓ سے روایت

لے یعنی حاملہ اونٹنی کے بطن سے جو اونٹنی پیدا ہو، وہ جوان ہو کر جب حاملہ ہو اور بچہ جنے، اس وقت ساندنی کی قیمت ادا کی جائے گی ظاہر ہے یہ سلسلہ اس طرح کی دوسری تمام بیعیں یکسر فاسد ہیں یہ عہد جہالیت میں رائج تھیں لیکن اسلام نے انہیں ختم کر دیا۔

کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین اور ملائح کی بیع سے منع کیا ہے۔  
ابو عبید کہتے ہیں:

ملائح وہ ہے جو حیض میں ہو۔ اور مضامین وہ جو صلب میں ہو۔

**بیع مجبر کی مانعت** | اسی طرح بیع مجبر بھی ہے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

ابن اعرابی کہتے ہیں کہ مجبر سے کہتے ہیں جو بطن ناقہ میں ہو۔ نیز سود کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں قمار کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔ نیز اس سے محافلہ اور مزانیہ بھی مراد لیتے ہیں، اور ملامت اور منابذت بھی ان دونوں بیعوں کا ذکر گزر چکا ہے، بیع کی ان تمام صورتوں میں غرر (دھوکا) ظاہر ہے۔

**مغیبات ارض داخل غرر نہیں ہیں** | مغیبات ارض بیع غرر میں داخل نہیں ہیں۔ مثلاً، لفت (شلغم)، جنر (گاجر)، اور بصل (پیاز) وغیرہ، کیونکہ یہ چیزیں عادیہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور جاننے والے ظاہر سے باطن کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

لیکن مکان، دکان، اور حیوان کا اجارہ غرر سے خالی نہیں کیونکہ حیوان مر سکتا ہے اور مکان و دکان کا انہدام ممکن ہے۔

اسی طرح انڈے، انار، خربوزہ اور پستہ وغیرہ کی بیع بھی خالی از غرر نہیں۔

**معمولی غرر جائز ہے** | لیکن یاد رکھنا چاہیے ہر غرر تحریم کا سبب نہیں ہے اگر وہ معمولی ہو، یا اس سے احتراز ممکن نہ ہو تو وہ صحت عقد (معاہدہ) کو مانع نہیں ہے۔ برخلاف غرر کثیر کے جس سے احتراز ممکن ہے اور جس کے

لے محافلہ، کھیتی کو غلہ کے عوض فروخت کیا جائے۔ یا غلہ کے معاوضہ میں زمین کرایہ پر دی جائے۔  
لے مزانیہ، درخت کی تر کھجوروں کے بدلے میں خشک کھجوریں فروخت کر دی جائیں۔  
لے یعنی وہ چیزیں جو زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔

انواع ممنوعہ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ برعکس زیر بیع منیبات ارض معمولی ہیں۔ اور ان سے احتراز ممکن نہیں۔ ان کے بارے میں اگر یہ پابندی عائد کر دی جائے کہ انھیں زمین سے کھود کر نکالا جائے، تب سودا کیا جائے، تو یہ غیر معمولی مشقت اور فساد مال کا سبب ہوگا، جسے شرع پسند نہیں کرتی، نہ مصالح عوام کا یہ تقاضا ہے۔ بہر حال یہ وہ غرر نہیں ہے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

**مشک نافہ کی بیع، بیع غرر نہیں ہے** | نافہ کے اندر کے مشک کی بیع بھی پستہ اور اخروٹ وغیرہ کی طرح بیع غرر نہیں ہے

ہے، کیونکہ نافہ مشک ایک ایسا ظرف ہے جس میں مشک آفات سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی رطوبت بقا اور خوشبو کی حفاظت ہوتی ہے، اور وہ ہر طرح کے تغیر سے قریب قریب محفوظ رہتا ہے اور تاجروں کا یہ معمول ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے کہ وہ اس کی بیع و شرا کرتے رہے ہیں، کیونکہ اس کی قدر و جنس کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، لہذا اس میں کوئی غرر نہیں ہے، نہ اندر سے لغت، نہ اندر سے شرع، نہ اندر سے عرف۔

**مختلفین اور متفقین کے دلائل** | لیکن جو لوگ اسے روا نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں۔ مشک نافہ کی مثال اس گٹھلی کی سی ہے جو کھجور کے

اندر ہوتی ہے۔ یا اس انڈے کے مانند جو مرغی کے پیٹ میں ہوتا ہے یا اس دودھ کی طرح جو تھن میں ہوتا ہے۔ یا وہ گھی جو برتن میں بند ہوتا ہے۔ لیکن مشک نافہ اور اشیاء مذکورہ کے انواع کا فرق ظاہر ہے۔ چنانچہ جو اس بیع کو روا سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں نافہ کے اندر مشک اس طرح ہوتا ہے، جیسے بادام، اخروٹ اور پستے کے خول میں ان کا مغز۔ یہ خول حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ اور اس کی مصلحت ظاہر ہے۔ لہذا اسے ان چیزوں میں شمار نہیں کر سکتے، جن کی نہی شارع کی طرف سے وارد ہوئی ہے۔

**مدت معلومہ کے لیے تھن کے دودھ کا اجارہ** | لیکن اگر بکری گائے۔ اونٹنی کو مدت معلومہ کے لیے کسی

کو دودھ حاصل کرنے کے لیے اجارے پر دے دیا جائے تو یہ جمہور کے نزدیک



نا جائز ہے، لیکن ہمارے شیخ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص معین اجرت پر بکری، گائے۔ یا اونٹنی کو اجارے پر لیتا ہے اور اس کا چارہ مالک پر ہوتا ہے۔ یا چارے کے مصارف بھی وہ اپنے ذمے ڈال لیتا ہے، اور شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ دودھ لے لیا کرے گا تو یہ جائز ہے یہ صورت بیع اور اجارے دونوں سے مشابہ ہے۔ لہذا بعض فقہانے اسے بیع میں ذکر کیا ہے، بعض نے اجارے میں۔

دودھ کی بیع، بیع غرر نہیں ہے | اگر مشتری دودھ کی مخصوص مقدار اس طرح لیتا ہے، تو یہ بیع محض ہے۔ اور اگر مطلق طور پر لیتا ہے تو بھی یہ بیع ہے۔ اسے بیع غرر نہیں قرار دیا جائے گا، کیونکہ غرر (دھوکا) عبارت ہے وجود و عدم کے تردد سے اس بیع کی ممانعت ہے۔ کیونکہ از قبیل جنس قرار ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ اس کا قمار ہونا اس سے ظاہر ہے کہ متعاضدین میں سے ایک کو تو مال حاصل ہو جاتا ہے اور دوسرے کے لیے حصول و عدم حصول کی دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ یہ اس طرح نا جائز ہے جیسے بیع غلام مفروز وغیرہ۔

# جنین اور تھن کا دودھ

## فروخت کرنے کی ممانعت

تھن کے اندر جو دودھ ہو اس کے عقود (معاہدے) کے بارے میں تین اقوال ہیں  
 ۱۔ اس کی بیع بھی ناجائز ہے۔ اور اجارہ بھی ناجائز ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ،  
 اور امام احمد رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔

۲۔ بیع تو جائز ہے لیکن اجارہ جائز نہیں ہے۔

۳۔ اجارہ جائز ہے لیکن بیع ناجائز ہے۔

ہمارے شیخ رحمۃ اللہ نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔

جانور کے تھن کا دودھ اور اس کی بیع | جانور کے تھن کے اندر جو دودھ ہو اس کی ممانعت کے بارے میں دو حدیثیں ہیں

۱۔ پہلی حدیث عثمان بن فراخ۔ جو ضعیف ہیں۔ کی ہے جسے وہ حبیب بن زبیر سے اور وہ عکرمہ اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ کے اون۔ دودھ کے بننے والے گھی اور تھن کے اندر کے دودھ کو فروخت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

ابو اسحاق نے عکرمہ سے انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے اس میں گھی کا ذکر نہیں ہے۔ اس روایت کو بیہقی وغیرہ نے درج کیا ہے۔

۲۔ دوسری حدیث ابن ماجہ کی ہے ہشام بن عمار سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حاتم

بن اسماعیل نے ان سے جہنم بن عبد اللہ الیمانی نے ان سے محمد بن الہیثم الباطنی نے ان سے محمد بن یزید العبدی نے ان سے شہر بن حوشب نے ان سے ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ وضع حمل سے پہلے جو کچھ جانور کے پیٹ میں ہے اسے فروخت کیا جائے۔ یا جو دودھ تھن میں ہے اسے ناپے اور تولے بغیر فروخت کیا جائے۔ یا مفور غلام کو فروخت کیا جائے یا مغام جب تک تقسیم نہ ہو لیں انھیں فروخت کیا جائے۔ یا صدقات جب تک قبضہ میں نہ آجائیں انھیں فروخت کیا جائے۔ نیز ”ضربۃ الغائض“ سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے۔

لیکن اس اسناد سے کوئی دلیل نہیں قائم ہوتی۔

**وہ منہیات بیع جو ثابت ہیں** | جہاں تک وضع حمل سے پہلے جو کچھ جانور کے پیٹ میں ہے اسے نہ فروخت کرنے کا سوال ہے۔ نہ نہی ملائح و مضامین سے ثابت ہی ہے۔ اسی طرح مفور غلام کو فروخت کرنے کی نہی بھی بجائے خود نہی غرر سے ثابت ہے۔ اور تقسیم سے پیشتر مغام کے فروخت بھی اس بیع میں داخل ہے جو آدمی کے پاس نہ ہو۔ کہ یہ تو لم غرر اور خطر کی ہے۔ اسی طرح قبل از قبضہ صدقات کو فروخت کا معاملہ بھی ہے، باقی رہا ”ضربۃ الغائض“ کا معاملہ، تو یہ کھلا ہوا غرر ہے۔

**جانور کی پیٹھ پر اون کی بیع** | رہی اس اون کی بیع جو جانور کی پیٹھ پر ہو تو اگر اس کی بیع کی نہی والی حدیث صحیح ہے، تو اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کی مخالفت نہیں سنی جائے گی۔

لیکن اس باب میں امام احمد رحمۃ اللہ سے روایت کا اختلاف موجود ہے۔ ان کی ایک

۱۔ ضربۃ الغائض، یعنی غوطہ خور کہے تم مجھے اتنی اجرت دو، غوطہ سے جو برآمد ہو گا وہ تمہارا۔

۲۔ ملائح و مضامین، اس چیز کی فروخت جو ابھی جانور کے بطن یا صلب میں ہے۔

روایت میں اس فروخت سے منع کیا گیا ہے۔ اور دوسری میں اجازت دی گئی ہے بشرطیکہ اُون فوراً اتار لیا جائے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس کی تسلیم (حوالے کرنا) ممکن ہے، لہذا بیع جائز ہوگی۔ جیسے کھجور کی بیع جائز ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ فوری طور پر اُون اتار لینے کی شرط ضروری نہیں ہے جیسے کھجور جو تھوڑی تھوڑی کر کے اتاری جائے خواہ اس میں کتنی ہی دیر لگے تو جواب یہ ہوگا کہ یہ اس طرح ہے جیسے حاضر مال کی تبعیت میں غیر موجود مال کا سودا کیا جائے اور یہی ہے جیسے پھلوں کا وہ حصہ جو ابھی ظاہر نہیں ہوا ہے، مگر حاضر پھلوں کی تبعیت میں داخل ہے۔ اور اگر بائع اور مشتری ان کے لیے وقت معین کر لیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے پھلوں کے مکمل ہونے کے بعد سودا کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس کی منع کے قائل ہیں وہ اسے اعضائے حیوان پر قیاس کرتے ہیں جن کا بیع کے باعث الگ الگ کر دینا جائز نہیں ہے لیکن یہ فاسد ترین قیاس ہے اس لیے کہ اعضا حیوان کی سلامتی کے ساتھ کسی کے حوالے نہیں کیے جاسکتے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اُون اور تحسن کے اندر کے دودھ میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ تحسن کے دودھ میں ملک مشتری، ملک بائع کے ساتھ فوری طور پر مختلط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دودھ سربیع الحدوث ہے۔ جب دوا جائے گا بہر پڑے گا۔ اُون کی صورت اس کے برعکس ہے۔ واللہ اعلم و احکم۔



www.ahlehaq.org

عہد اسلامی کی ابتدائی تاریخ کا بنیادی ماخذ

# طغیانِ صدر

(مکمل آٹھ حصوں میں)

تصنیف: علامہ ابو عبد اللہ محمد بن سعد البصری <sup>۱۶۸ھ</sup>/<sub>۲۳۰ھ</sub>

اردو ترجمہ: علامہ عبداللہ العمادی  
مولوی نذیر احمد میسرکھی  
مولانا راغب رحمانی

بڑا سائز، اعلیٰ سفید کاغذ، خوب صورت رنگین گر دیوش

نفیس اکیسویں  
اردو بازار، کراچی